بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بسلسلہ چہاردہ صد سالہ یادگار شہادت امیر المومنینؑ (۴۰ھ - ۱۴۴۰ھ)، اشاعت نو

نفسِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

جلد (۷)

یعنی حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی مفصل سوانح عمری

معروف بہ

حضرت امیر المومنین علیہ السلام حصہ رابعہ

مصنفہ

مجاہد ملت مولانا سید محمد باقر نقوی طاب ثراہ

(سابق مدیر مجلّہ اصلاح)

ابن علامہ سید علی حیدر نقوی اعلی اللہ مقامہ

ناشرین

ولایت پبلیکیشنز

نئی دہلی (انڈیا)

E-mail:welayatpublications@gmail.com

www.welayat.in

Contact: 09958225575

ادارۂ اصلاح

مسجد دیوان ناصر علی، لکھنؤ ۲۲۶۰۰۳

E-mail: islah_lucknow@yahoo.co.in

www.islah.in

Ph. : 0091 522 4077872

مشخصات

کتاب کا نام	:	نفس رسولؐ جلد (۷) حضرت امیرالمومنینؑ حصہ رابعہ
مؤلف	:	مجاہد ملت مولانا سید محمد باقر نقوی طاب ثراہ
کمپوزنگ	:	------------------
طبع	:	عنبر پریس، لکھنؤ
تاریخ طبع	:	شعبان المعظم ۱۴۴۰ھ، اپریل ۲۰۱۹ء
صفحات	:	۵۱۲
قیمت	:	300 روپئے
ناشرین	:	ادارۂ اصلاح لکھنؤ۔ ولایت پبلیکیشنز، دہلی

ISBN-13 : 978-93-87479-35-7
ISBN-10 : 93-87479-35-8

فہرست کتب

بسمہ تعالیٰ

عرض ناشر

الحمد لاھلہ والصلوٰۃ علیٰ اھلھا

ندوۃ العلماء لکھنؤ کے سابق سر براہ علامہ سید ابوالحسن علی حسنی ندوی نے سیرت امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام پر ''المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ'' نامی کتاب لکھی تھی جس کے متعدد ایڈیشن اب تک شائع ہو چکے ہیں۔ اس کے دیباچہ کی ابتدا میں انہوں نے عمومی الفاظ میں یہ تحریر فرمایا ہے کہ:

''یہ ایک تلخ تاریخی حقیقت ہے کہ بہت سی تاریخ ساز، عہد آفریں، اور نادرۂ روزگار شخصیات ایسی بھی ہیں جن کی مکمل سیرت (جوان کی روشن ترین خصوصیات پر حاوی اور ان کے مرکزی اور اہم کمالات ومحاسن پر روشنی ڈالتی ہو) عرصۂ دراز تک مرتب نہیں ہوئی اور یہ بات ان کے ماننے والوں اور عقیدت مندوں پر ایک اخلاقی دینی وعلمی قرض کی نوعیت رکھتی ہے۔ جس کی ادائیگی بعض اوقات انہوں نے بھی نہیں کی جو ان کی تعظیم میں غلو اور مبالغہ سے کام لیتے اور ان سے محبت ووابستگی کو سرمایہ ایمان وآگہی سمجھتے ہیں۔ (سخن ہائے گفتنی)

آخری سطور میں اشارہ کس گروہ کی طرف ہے ان کے علم میں بہتر رہا ہوگا اسی تحریر میں آگے انہوں نے اپنے برادر بزرگ مولوی حکیم ڈاکٹر سید عبد العلی کے ایک حکم کو ان الفاظ میں نقل کیا ہے ایک روز بڑے دادا کے ساتھ گلو گیر لہجہ میں کہا علی تم کو سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کی سیرت پر کتاب لکھنا چاہئے اللہ تعالیٰ نے تم کو یہ صلاحیت بخشی ہے کہ تم یہ کام کرسکو'' (سخنہائے گفتنی)

اس حکم پر عمل کرنے کی نوبت جب تین دہائیوں کے بعد آئی تو اس سلسلہ میں مزید اقدام سے پہلے ان کا یہ تجزیہ تھا:

''مجھے اسلامیات کے کتابی ذخیروں میں اک شدید کمی کا احساس پیدا ہوا اور یہ دیکھ کر سخت حیرت ہوئی کہ سیدنا حضرت علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ کی مکمل سوانح حیات (جو بقدر امکان) ان کے اہم اور مرکزی خصائص وکمالات پر روشنی ڈالتی ہو موجود نہیں ہے'' (سخنہائے گفتنی)

المرتضیٰ کی پہلی ہی اشاعت کے بعد منقولہ جملے جب میری نظر سے گزرے تھے تو مجھے مشہور اہل علم کی غفلت پر سخت تعجب ہوا تھا۔اس لئے کہ خود ادارۂ اصلاح سے دس ضخیم جلدوں میں ''نفس رسولؐ'' کے نام سے سیرت امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام شائع ہو چکی تھی جو ایک کارنامہ ہے لیکن چونکہ یہ شیعی حلقہ کا کام ہے لہٰذا اسے نظر انداز کیا گیا۔ادعا کے باوجود المرتضیٰ 20x26/8 سائز پر 500 صفحات تک بھی نہیں پہنچ سکی جبکہ ''نفس رسولؐ'' ہزاروں صفحات پر مشتمل ہونے کے باوجود نامکمل رہی اور جو منصوبہ تھا اس کی حد آخر کو حاصل نہیں کرسکی ہے جو اس حدیث پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صداقت کا اعلان ہے کہ:

عن ابن عباس قال قال رسول الله صلی الله علیه و آله وسلم لو ان الریاض اقلام ، البحر مداد والجن حسّابٌ والانس کتّاب ما احصوا فضائل علی ابن ابی طالب علیه السلام (بحارالانوار جلد ۴۰ صفحہ ۴۰)

''اگر باغات قلم بن جائیں اور سمندر، روشنائی بن جائیں اور تمام جن شمار کرنے والے بن جائیں اور تمام انسان لکھنے والے بن جائیں پھر بھی فضائل علیؑ کا احصا نہیں کر سکتے''۔

اوصاف علی، به گفتگو ممکن نیست
گنجایش بحر در سبو، ممکن نیست
من ذات علی به واجبی نشناسم
اما دانم که مثل او ممکن نیست

جب مجلہ اصلاح کے مدیر اول اور بانیٔ اصلاح فخر الحکماء علامہ سید علی اظہر صاحب قبلہ اعلی اللہ مقامہ کے قابل فخر فرزند حجۃ الاسلام علامہ سید علی حیدر طاب ثراہ نے دس جلدوں پر مشتمل سیرت امیر المومنینؑ ''نفس رسولؐ'' کو قلم بند کرنے کا ارادہ کیا تو دل میں شدید بے چینی تھی۔اس سلسلہ میں ان کا جو منصوبہ تھا وہ نفس رسولؐ کی پہلی جلد ''اعجاز الولی'' میں موجود ہے۔اپنے منصوبہ کا اعلان انہوں نے بذریعہ مجلہ اصلاح کرنا شروع کر دیا تھا جیسا کہ اپنے وصیت نامہ میں انہوں نے ذکر بھی کیا ہے کہ:

''میں ماہ مئی ۱۹۵۰ء سے رسالہ اصلاح میں ایک عظیم الشان تاریخی اور تحقیقی کتاب لکھنے اور شائع کرنے کا ڈھنڈھورا پیٹ رہا ہوں اور وہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام کی سب سے بڑی سب سے زیادہ جامع سوانح عمری گویا حضرت علی علیہ السلام کے حالات کی انسائیکلو پیڈیا ہوگی جو سات آٹھ جلدوں غالباً چار ہزار صفحوں میں پوری اور سات آٹھ سال میں ختم کی جائے گی۔اس طرح میں نے ابھی سات آٹھ برس اور اس دنیا میں اپنے کو زندہ سمجھنے کا سامان کرلیا ہے کیا بغیر اس سوانح عمری کے مکمل شائع

ہوئے جناب ملک الموت کو میرے پاس آجانے میں افسوس نہیں ہوگا۔لیکن اگر نہ مانے تو میں کیا کرلوں گا۔

''کار دنیا کسے تمام نہ کرد''اس حالت میں آپ میرے کل خطوط کی تعمیل کرتے رہیئے گا۔''

والسلام احقر علی حیدر عفی عنہ (ایک عزیز کے نام مکتوب اصلاح نومبر دسمبر ۱۹۵۰ء)

''چونکہ ہم کو علمی خدمتیں کرتے بفضل تعالیٰ ۴۵ سال گزر گئے اور اب اس عظیم الشان سوانح مبارکہ نفس رسولؐ دس جلدوں پر مشتمل سوانح امیر المومنینؑ کے مکمل شائع ہوجانے کے لئے بہت بے چین ہیں۔مگر معلوم نہیں ہماری عمر یا قوت وفا کرسکے یا نہیں۔اس وجہ سے بندہ زادوں مولوی سید محمد باقر صاحب ادیب فاضل (الہ آباد) فاضل ادب لکھنؤ یونیورسٹی مولوی فاضل (پنجاب یونیورسٹی) اور صدر الافاضل سے جن کی بہت مفید مقبول کتاب ''مذہبی تعلیم'' کے پانچ حصوں کی خدا کے فضل سے ہر طرف دھوم ہوگئی ہے۔اور مولوی سید آغا جعفر سلمہ متعلم مدرسہ سلطان المدارس لکھنؤ سے وصیت بھی کررکھی ہے کہ اس سوانح مبارکہ کو صرف خدائے کریم وقدیر کی تائید پر بھروسہ کرکے ہم نے شروع تو کردیا ہے لیکن جب ہم زندہ نہ رہیں تو ''اگر پدر نتواند پسر تمام کند'' اور ''الولد سرٌّ لابیہ'' کے مطابق اس کو ضرور مکمل کرنے کی کوشش کرتے رہیں۔دونوں فرزند قادر مطلق پر توکل کرکے اس کے مکمل کرنے میں جناب مولانا علی نقی صاحب قبلہ، جناب مولانا سید محمد سعید صاحب قبلہ لکھنؤ، مولانا سید رضی صاحب زنگی پوری، جناب مولانا سید عدیل اختر صاحب، جناب مولوی سید سبط الحسن صاحب ہنسوی، جناب ڈاکٹر مولوی سید مجتبیٰ حسن صاحب کامون پوری، جناب الحاج پرنس سید محمد عباس صاحب صفوی تعلقدار شمس آباد، جناب سید فقیر حسین صاحب بخاری ایم اے پروفیسر علی گڑھ، جناب ڈاکٹر مولوی سید اعجاز حسین صاحب منیجر وقف ہوگلی، جناب خواجہ غلام السیدین صاحب پانی پتی، جناب آغا سلطان مرزا صاحب جج پنشنر کراچی، جناب ڈاکٹر محمد علی الحاج سالمین صاحب بمبئی، جناب مولانا حافظ کفایت حسین صاحب لاہور، اور جناب مولانا محمد بشیر صاحب ٹیکسلا سے پوری مدد لیتے رہیں۔''

(احقر علی حیدر عفی عنہ، ۷رصفر ۱۳۷۰ھ ہجری مطابق ۱۸رنومبر ۱۹۵۰ء)

وصیت میں مزید تحریر فرمایا ہے:

''سوانح مبارکہ کے لئے وصیت کا مضمون بھی ہم اصلاح میں شائع کرچکے ہیں۔چند ناموں کا اضافہ اس میں بھی ضروری ہے جن سے مدد اور مشورہ لیتے رہنا بہت مفید اور اہم ہے۔:

۱) جناب سید امتیاز حسین صاحب ترمذی وکیل پٹنہ۔ ۲) جناب سید حسن عسکری صاحب پروفیسر پٹنہ۔ ۳) جناب مولوی سید ابن حسن صاحب جارچوی، لکھنؤ۔ ۴) جناب مولوی سید اختر علی صاحب تلہری۔ ۵) جناب مولوی مرزا احمد علی صاحب امرتسری۔اور

۶) جناب مولوی محمد مصطفیٰ صاحب جوہر کراچی۔

مذکورہ بالا حضرات نیز ان حضرات سے جن کے اسمائے گرامی دسمبر کے اصلاح میں شائع ہو چکے ہیں التماس ہے کہ ہماری عمر ۶۵ سال کی ہو چکی ہے اور علمی خدمات کرتے ہوئے تقریباً ۵۰ سال گزر چکے ہم کو بہت افسوس ہے کہ سوانح مبارکہ کے مرتب کرنے کی توفیق بہت دیر کر کے ہوئی جب آفتاب لب بام پہنچ گیا ہے اس وجہ سے ہم بے چین ہیں کہ سوانح مبارکہ کیونکر اچھی سے اچھی ہوگی۔ آپ کل حضرت اس اہم دینی خدمت میں ہماری علمی اور قلمی مدد کر کے شکر گزار کریں اس طرح کہ کل حضرات سوانح مبارکہ کی دسوں جلدوں کے لئے جن قیمتی مضامین نادر تحقیقات، مفید مباحث اور ضروری افادات کا اندراج پسند کریں۔ ان سب کو جلد از جلد ہمارے پاس ارسال فرمانا شروع کر دیں۔ تاکہ ہم سب کو مرتب کرتے جائیں۔ اور دسوں جلدوں کے مسودات کو آپ حضرات کی اعانت سے اپنی زندگی ہی میں مکمل کر ڈالیں۔ اس کے بعد اگر اجل نے مہلت دی تو انشاء اللہ خود چھپوا کر شائع کریں گے۔ ورنہ خود آپ حضرات دفتر اصلاح سے شائع کراتے رہیں گے۔" (اصلاح مئی جون ۱۹۵۱ء)

علامہ علی حیدر صاحب قبلہ اعلی اللہ مقامہ نے پہلے ۶۔۷ جلدوں میں پھر دس جلدوں میں سوانح عمری امیر المومنینؑ کا ارادہ اس وقت کیا جب عمر ڈھل رہی تھی۔ جب اندازہ ہوا کہ عین حیات میں یہ کام پورا نہیں کر سکوں گا تو یہ کام اپنی اولاد کے سپرد کیا۔ مدیر دوم اصلاح مجاہد اسلام مولانا سید محمد باقر نقوی طاب ثراہ نے اس کام کو آگے بڑھایا۔ ۴ جلدیں خود لکھیں مگر اپنے والد مرحوم کے نام سے باقی دیگر مصنفین و مبلغین کی کتابوں کو شامل کر کے دس جلدیں پوری کر دیں۔ والد مرحوم مولانا سید محمد باقر جوراسیؒ ان کے ہم نام بھی تھے اور چالیس سال تک گہرے رفیق رہے تھے ان کی وفات کے بعد اپنے ایک مضمون "امام عصرؑ کا ایک خادم" کے عنوان سے مضمون میں تحریر فرمایا ہے:

"ان کے تالیفات و تصنیفات اور مضامین و تراجم کی تعداد تو بہت ہے جن کی فہرست پیش کرنا میرے لئے بھی دشوار ہے۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ ان سب سے زیادہ نمایاں اور امتیازی حیثیت دس جلدوں میں مکمل ہونے والی حضرت امیر المومنین علیہ السلام کی عظیم و ضخیم سوانح عمری کو حاصل ہے یہ بات میرے علم میں ہے کہ مرحوم کے پدر بزرگوار مولانا سید علی حیدر صاحب اعلی اللہ مقامہ نے اس کی صرف ابتدائی دو جلدیں ہی اپنے قلم سے تحریر فرمائی تھیں۔ اس کے بعد یہ اہم کام اپنے ہونہار فرزند کے سپرد کر دیا تھا۔ جسے مرحوم نے ان کے اعتماد اور توقعات کے مطابق پوری مہارت اور کامیابی کے ساتھ پایۂ تکمیل کو پہنچایا۔

(اصلاح صدی نمبر جنوری تا مارچ ۱۹۹۹ء صفحہ ۲۰۷)

۳ سے ۷ جلدوں تک کی محنت مجاہد اسلام مولانا سید محمد باقر نقوی اعلی اللہ مقامہ کی کاوش ہے۔ ایک لائق فرزند ہونے کی

حیثیت سے اور اپنے والد مرحوم کے جذبۂ اخلاص کی قدردانی میں انہوں نے اس محنت کو بھی اپنے والد علام سے منسوب رکھا لیکن اب جبکہ اس کا انکشاف ہو چکا ہے کہ بعد کی جلدیں ان کا کارنامہ ہیں لہٰذا مناسب یہی ہے کہ ان جلدوں کو انہیں سے منسوب کیا جائے ۔ ۷ جلدوں کے بعد دس جلدیں مکمل کرنے کے لئے مقبول و معروف جن تین کتابوں کا سہارا لیا گیا ان کے ترجمہ کی زحمت بھی مرحوم ہی نے فرمائی تھی ۔

چونکہ شہادت امیر المومنین کی چودہ سو سال مکمل ہونے کی یادگار منائی جارہی ہے لہٰذا اس مناسبت سے ترتیب میں معمولی تبدیلی اور دیگر تالیفات و تراجم کو شامل کرکے نفس رسولؐ کی ۱۴ جلدیں پیش ہیں ۔ اس کا افسوس ہے کہ مرحوم نے جو خاکہ مرتب فرمایا تھا کام کا تکملہ اس نہج کے عین مطابق تو نہیں ہو سکا لیکن پھر بھی اس نفس رسولؐ کی ۱۴ جلدوں کی اشاعت کے ذریعہ ایک غیر معمولی کام انجام پا گیا ہے ۔

اب تمام ۱۴ جلدوں کی ترتیب اس طرح ہے:

جلد (۱): اعجاز الولی (حجۃ الاسلام علامہ علی حیدر نقویؒ)۔

جلد (۲): قرآن ناطق (حجۃ الاسلام علامہ علی حیدر نقویؒ)۔

جلد (۳): ثقل اکبر (مجاہد اسلام مولانا سید محمد باقر نقویؒ زیر رہنمائی علامہ سید علی حیدر نقویؒ)۔

جلد (۴): حضرت امیر المومنینؑ، حصہ اولیٰ (مجاہد اسلام مولانا سید محمد باقر نقویؒ زیر رہنمائی علامہ سید علی حیدر نقویؒ)۔

جلد (۵): حضرت امیر المومنینؑ، حصہ ثانیہ (مجاہد اسلام مولانا سید محمد باقر نقویؒ زیر رہنمائی علامہ سید علی حیدر نقویؒ)۔

جلد (۶): حضرت امیر المومنینؑ، حصہ ثالثہ (مجاہد اسلام مولانا سید محمد باقر نقویؒ زیر رہنمائی علامہ سید علی حیدر نقویؒ)۔

جلد (۷): حضرت امیر المومنینؑ، حصہ رابعہ (مجاہد اسلام مولانا سید محمد باقر نقویؒ زیر رہنمائی علامہ سید علی حیدر نقویؒ)۔

جلد (۸): ندائے عدالت انسانی ترجمہ: صوۃ العدالۃ الانسانیہ، جارج جرداق (مترجم مجاہد اسلام مولانا سید محمد باقر نقویؒ)۔

جلد ۹): تہذیب المتین فی سیرت امیر المومنینؑ (مولانا مظہر حسن سہارنپوریؒ)۔

جلد (۱۰): "ضیاء الغدیر، مصنفہ: ضیاء الواعظین مولانا وصی محمد صاحب قبلہ طاب ثراہ ۔ مع اضافۂ خلاصہ الغدیر علامہ امینی اعلی اللہ مقامہ۔

جلد (۱۱): امیر المومنینؑ کے فیصلے، مجاہد اسلام مولانا سید محمد باقر نقویؒ ۔

جلد (۱۲): علیؑ وفرزندان علیؑ ترجمہ: علیؑ وبنوہ، ڈاکٹر طٰہٰ حسین (مترجم مجاہد اسلام مولانا سید محمد باقر نقویؒ)۔

جلد (۱۳): اصحاب امیر المومنینؑ، (آیۃ اللہ ناظم زادہ) (مترجم حجۃ الاسلام سلیم علوی)۔

جلد (۱۴): صفات شیعیان امیر المومنینؑ، ترجمہ صفات الشیعہ شیخ صدوقؒ۔ (مترجم حجۃ الاسلام والمسلمین علامہ سید رضی جعفر نقوی مدظلہ)

نفس رسولؐ کی اس جلد (۴) "حضرت امیر المومنینؑ" حصہ اولیٰ میں حضرت امیر علیہ السلام کے خاندان کے حالات اور آپ کی ولادت باسعادت سے وفات پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک کے حالات درج ہیں۔

میں نے جب المرتضیٰ کے پہلے ایڈیشن کا مطالعہ کیا تھا اور شروع میں منقولہ جملے نظر سے گزرے تھے تو یہ جذبہ پیدا ہوا تھا کہ کیوں نہ نفس رسولؐ کی تمام جلدیں سامنے آجائیں تا کہ ان لا علم لوگوں کو معلوم ہو سکے جو نہیں جانتے کہ سیرت امیر المومنینؑ پر متعدد ضخیم جلدوں میں ایک قابل قدر کتاب موجود ہے۔ لیکن مالی وسائل کی دقت کی وجہ سے اس سلسلے میں اقدام کی ہمت نہیں پڑی۔ مگر جب امیر المومنینؑ کی شہادت کے چودہ سو سالہ یادگار کے منصوبے بننا شروع ہوئے تو مجلہ اصلاح کے مدیر اعزازی مولانا محمد حسنین باقری نے یہ عزم کیا کہ اس موقع کے اوپر نفس رسولؐ کی جلدوں کی اشاعت نو ہو جانا چاہئے اور اس سلسلے میں انہوں نے محنت بھی بہت کی۔ جس کا ثمرہ آپ کے سامنے ہے۔ ناظرین سے التماس ہے کہ اوقات دعا میں ادارۂ اصلاح کو شامل کرنے کو فراموش نہ فرمایا کریں۔

فقط

سید محمد جابر جوراسی

مسئول ادارۂ اصلاح لکھنؤ

۱۳؍رجب المرجب ۱۴۴۰ھ

پنجشنبہ ۲۱ مارچ ۲۰۱۹ء

پہلا باب

امیرالمومنینؑ کی روانگی صفین کی طرف

صلح و آشتی کی تمام تدبیریں ناکام رہیں اور بالآخر لڑائی کی آگ بھڑک اٹھی۔ دمشق و کوفہ دونوں شہروں میں تلواروں کی جھنکار اور گھوڑوں کی ٹاپوں کی گونج سے کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی اور جدھر نگاہ اٹھتی جنگی نشان اور علم کے پھرہرے اڑتے دکھائی دیتے۔ دمشق میں بھی رسالوں پر رسالے، فوجوں پر فوجیں تھیں، انتقام خون عثمان کی صدائیں تھیں اور کوفہ میں بھی جہاد کی دعوت تھی، حق کی نصرت و مدد کی چیخ و پکار اور جنگ کی تیاریاں تھیں۔

امیرالمومنینؑ جن کا دل رحم و کرم کا سرچشمہ اور شفقت و عطوفت کا مخزن تھا، انہیں یہ سفر انتہائی شاق معلوم ہو رہا تھا جس کے دونوں طرف کاسہ ہائے سر کا انبار ہو۔ یہ جنگ آپ کو انتہا سے زیادہ ناگوار تھی جس میں بھائی بھائی کو قتل کرے باپ بیٹے کو اور بیٹا باپ کو۔ لیکن باوجود اس کے آپ ہاتھ پر ہاتھ رکھ کے بیٹھنے والے انسان نہ تھے۔ آپ نے امن پسندی کی انتہا کر دی تھی، سمجھانے بجھانے کی تمام کوششیں صرف کر ڈالی تھیں، غنیم راہ راست پر لانے کے لئے کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا، زبان سے بھی اور قلم سے بھی، اس حد تک کہ زبان عاجز ہوگئی اور انگلیاں تھک گئیں۔

آخر، آخر وقت میں جب معاویہ کی طرف سے آپ کو بالکل مایوسی ہوگئی اور ان کی طرف سے قطعی جواب آ گیا اور آپ نخیلہ روانہ ہونے کے لیے پابہ رکاب تھے اس وقت بھی آپ نے افہام و تفہیم کی ایک اور کوشش کی، اب کی مرتبہ آپ نے معاویہ کو خط نہیں لکھا۔ انھیں پہلے ہی اتنا لکھ چکے تھے کہ اگر پتھروں کو قوت سماعت مل جاتی اور وہ آپ کے ان خطوط کو سنتے تو وہ بھی پانی پانی ہوجاتے، یہ خط آپ نے معاویہ کے عقل کل عمرو عاص کو لکھا تھا:

”دنیا اپنے ماسوا ہر چیز سے غافل بنا دینے والی ہے، دنیا والا دنیا میں بالکل ہی بے بس و مجبور ہے۔ جب بھی دنیا کی کوئی چیز اسے حاصل ہوجاتی ہے مزید کے لئے لالچ پیدا ہوجاتی ہے اور دنیا اسے ایسے مسائل سے دوچار کر دیتی ہے کہ اس کی رغبت اور طمع میں اور اضافہ ہو جاتا ہے۔ جتنی بھی دنیا ہاتھ لگ جائے محتاجی کم نہیں ہوتی۔ اور انجام یہ ہوتا ہے کہ ایک دن دامن جھاڑ کر سب سے جدا ہونا پڑتا ہے لہٰذا اے ابوعبداللہ (عمرو عاص) اپنے اجر کو ضائع و برباد نہ ہونے دو۔“

مگر عمرو عاص پہلے ہی اپنا دین و ایمان معاویہ کے ہاتھوں فروخت کر چکے تھے انہوں نے رتی برابر بھی مصالحت کی کوشش نہ کی، انہوں نے جواب میں لکھا:

”ہماری اصلاح اور باہمی محبت و الفت تب ہی پیدا ہوسکتی ہے جب آپ حق کی طرف رجوع کریں اور شوریٰ پر آمادہ ہوں۔“

اس موقع پر علیؑ کے علاوہ اگر کوئی دوسرا ہوتا تو یقیناً اس کے ذہن و دماغ میں بھی وہی خیالات چکر لگاتے جو اس وقت عام لوگوں کے دماغ میں پیدا تھے اور وہ بھی دوسروں کی طرح یہی سوچنے پر مجبور ہوتا کہ عمرو عاص کے فرزند(۱) ابوسفیان ہونے کے متعلق جو مشہور ہے وہ ٹھیک ہی مشہور ہے۔

(۱) ابوالمنذر ہشام کلبی المتوفی ۲۰۶ ہجری اپنی کتاب مثالب العرب میں لکھتے ہیں:

نابغہ عمرو عاص کی ماں مکہ کے آس پاس کی ایک بیوا تھی وہ اپنی چند لڑکیوں کے ساتھ مکہ آئی۔اس نابغہ سے عاص ابن وائل، ابولہب بن خلف، ہشام بن مغیرہ، ابو سفیان بن حرب نے ایک ہی دن میں منہ کالا کیا۔نتیجہ میں عمرو عاص پیدا ہوئے۔اس پر سبھوں میں جھگڑا کھڑا ہو گیا۔ ہر ایک مدعی تھا کہ یہ میرا بیٹا ہے۔آگے چل کر تین شخصوں نے اپنا دعویٰ واپس لے لیا اب جھگڑا دو شخصوں میں رہا۔عاص بن وائل اور ابوسفیان بن حرب، ابوسفیان کہتا تھا خدا کی قسم میں نے اسے اس کی ماں کے رحم میں رکھا۔عاص مدعی تھا کہ تم جھوٹے ہو وہ میرا بیٹا ہے۔فیصلہ کا حق اس کی ماں کو دیا گیا اس نے کہا کہ یہ عاص کا بیٹا ہے۔کچھ دنوں کے بعد نابغہ سے پوچھا گیا کہ تم نے ایسا کیوں کیا؟ ابوسفیان عاص سے کہیں زیادہ شریف ہے۔اس نے کہا کہ عاص میری لڑکیوں کا خرچ بھی دیتا ہے اگر میں ابوسفیان کا بیٹا قرار دیتی تو پھر عاص مجھے کچھ نہیں دیتا اور میری لڑکیاں بھی بھوکی مرتیں۔(تذکرہ سبط ابن خوری ص ۱۱۷)

ابوعبیدہ معمر بن مثنیٰ نے اپنی کتاب الانساب اور علامہ زمخشری نے ربیع الابرار میں اسی مضمون کی عبارتیں نقل کی ہیں۔علامہ حلبی نکاح البغایا اور نکاح الجمع (دور جاہلیت میں نکاح کے دو طریقے تھے) کے بیان میں لکھتے ہیں، نکاح البغایا کا مطلب یہ ہے کہ بیوہ عورت سے یکے بعد دیگرے متفرق آدمی منھ کالا کرتے جب وہ بیوہ حاملہ ہوتی اور اسکے لڑکا پیدا ہوتا تو ان آدمیوں میں سے جس سے اس لڑکے کی صورت ملتی اس کا لڑکا قرار دیا جاتا۔نکاح الجمع کا مطلب یہ ہے کہ چند آدمی (دس سے کم) اکٹھا ہو کر کسی بیوہ سے منھ کالا کرتے۔جب وہ حاملہ ہوتی اور لڑکا جنتی اور دو چار دن گزر لیتے تو وہ ان آدمیوں کو اپنے پاس بلاتی، اس کے بلانے پر ہر شخص کو لازمی طور پر آنا پڑتا۔جب سب اکٹھا ہو جاتے تو وہ ان سے کہتی جو بات ہوئی تھی وہ تم لوگ جانتے ہی ہو اب اس کے نتیجہ میں، میں نے اس لڑکے کو جنم دیا ہے اس کے بعد وہ جس کا جی چاہتی اس کا نام لے کر کہتی کہ یہ تمھارا لڑکا ہے اور اس کے کہنے پر وہ لڑکا اسی کا ہو جاتا اس شخص کو انکار کی مجال نہ ہوتی چاہے وہ لڑکا اس سے مشابہ ہوتا یا نہ ہوتا۔اس بنا پر احتمال ہوتا ہے کہ عمر و عاص رضی اللہ عنہ کی ماں دوسری قسم کی تھی چنانچہ بیان کیا جاتا ہے کہ اس سے چار شخصوں نے مُباشرت کی۔عاص۔ابولہب۔امیّہ۔ابوسفیان۔اور ان میں سے ہر ایک نے دعویٰ کیا کہ عمرو میرا بیٹا ہے مگر ماں نے عاص کا بیٹا قرار دیا کیونکہ وہ اسکی لڑکیوں کا خرچ بھی پورا کرتا تھا۔

اسی کے ساتھ اس کا بھی احتمال ہے کہ وہ پہلی قسم کی ہو اور اسکی دلیل یہ ہے کہ عمرو عاص کو عاص کا بیٹا اس وجہ سے قرار دیا گیا کہ اسکی شکل عاص سے ملتی جلتی تھی۔عمرو عاص کو اس کا طعنہ بہت دیا جاتا تھا۔حضرت علیؑ، عثمان، امام حسنؑ، عمار یاسر اور بہت سے صحابہ اس کا طعنہ انکو دیا کرتے۔''(سیرۃ حلبیہ جلد ا ص ۴۶)

اروائے بنت جناب عبدالمطلب کے قول سے معلوم ہوتا ہے کہ چھ شخصوں نے عمرو عاص کے باپ ہونے کا دعویٰ کیا۔جناب اردی بعد شہادت امیر المومنینؑ معاویہ کے پاس آئیں معاویہ نے انھیں خوش آمدید کہی اور پوچھا:

معاویہ: پھوپھی جان کہیے ہمارے بعد کیا حال آپ کا رہا؟

اردی بنت عبدالمطلب نے کہا'' بھتیجے تم نے کفران نعمت کیا پیغمبرؐ کی صحبت کو بٹہ لگایا اور دوسرے کا نام اپنا بنا لیا جو تمھارا حق نہ تھا اس پر قابض ہو گئے تم نے کوئی آزمائش جھیلی نہ تمھارے باپ نے نہ تم نے اسلام کی طرف سبقت کی بلکہ تم محمدؐ کی رسالت ہی کے منکر تھے مگر خداوند عالم نے تمھاری کوششیں اکارت کیں، تمھارے رخسارے خاک میں ملا دیے اور حق حقدار کو پہونچ کے رہا اور خدا کا کلمہ ہی بلند ہوا اور ہمارے پیغمبر محمد مصطفےؐ ہی اپنے دشمنوں پر مظفر و منصور ہوئے چاہے مشرکین کو کتنا ہی ناگوار گزرا ہو ہم اہل بیت نبوۃ سب سے زیادہ نصیبہ والے اور قدر و منزلت کے لحاظ سے تمام لوگوں سے زیادہ بزرگ رہے یہاں تک کہ پیغمبر خداؐ کی رحلت ہوئی انکے انتقال کے بعد تمھارے درمیان ہماری وہی حالت ہو گئی جو موسیٰ کے قوم کی قوم فرعون میں تھی، فرعون والے بنی اسرائیل کے لڑکوں کو حلال کر دیتے تھے اور عورتوں کو زندہ چھوڑ دیتے تھے اور پیغمبرؐ کے ابن عم (علی ابن ابی طالبؑ) کی بعینہ وہی حالت ہوئی جو ہارون کی موسیٰؑ کی غیبت کے دنوں ہوئی جنھوں نے فریاد کی تھی، يَابْنَ أُمَّ إِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُونِي وَكَادُوا يَقْتُلُونَنِي (سورۂ اعراف

آیت نمبر ۱۵۰) اے میری ماں کے بیٹے قوم والوں نے مجھے کمزور سمجھ لیا اور قریب تھا کہ مجھے قتل کر ڈالتے۔ رسول اللہ کی رحلت کے بعد ہمارا بکھرا ہوا شیرازہ مجتمع نہ ہو سکا نہ کوئی دشواری دور ہوئی، ہماری انتہا جنت کی طرف ہے تمھاری جہنم کی طرف۔

اس پر عمرو عاص نے کہا۔ اے گمراہ بڑھیا زیادہ بکواس نہ کر۔''

اردی نے پوچھا تم کون ہو؟

عمرو عاص۔ میں عمرو عاص ہوں

اردی۔ زن فاحشہ نابغہ کے بیٹے تجھے بھی بولنے کی ہمت ہوگئی تیری ماں مکہ کی مشہور کسبن تھی اور سب سے سستی۔ تو چپ کا ہی رہ۔ خدا کی قسم نہ تجھے قریش کا حسب حاصل ہے نہ نسب۔ تیری پیدائش پر قریش کے چھ شخصوں نے دعویٰ کیا، ہر ایک مدعی تھا کہ وہی تیرا باپ ہے، تیری ماں سے اس کے متعلق پوچھا گیا اس نے کہا ان سبھوں نے مجھ سے منہ کالا کیا تھا صورت ملاؤ جس سے مشابہ ہو اسی کا بیٹا قرار دیدو اتفاق سے تیری صورت عاص سے ملتی تھی تو اُسی کا بیٹا قرار دیا گیا۔ میں نے ایام حج میں مکہ کے اندر تیری ماں کو دیکھا ہے کہ وہ ہر بدکار غلام کے ساتھ چھنالا کیا کرتی تھی حقیقت میں انھیں غلاموں سے مشابہ ہے۔''

بلاغات النساء ص ۷۲، عقد فرید جلد ۱ ص ۱۶۴، روض المناظر جلد ۸ ص ۴، ثمرات الاوراق جلد ۱ ص ۱۳۲، دائرۃ المعارف فرید اجدی جلد ۱ ص ۲۱۵، جہرۃ الخطب جلد ۲ ص ۳۶۳)

ایک مرتبہ امام حسنؑ معاویہ کے پاس تشریف فرما تھے اور بھی بہت سے لوگ موجود تھے آپ نے عمرو عاص سے مخاطب ہو کر فرمایا:

''عمرو عاص تمھارا معاملہ تو اور گول مول ہے۔ تمھاری ماں نے تمھیں اس حال میں پیٹ میں رکھا کہ پتہ ہی نہ تھا کہ زنا سے ہو یا سفاح سے، زمانہ جاہلیت کے نکاح کی ایک قسم تمھارے متعلق قریش کے چار شخصوں نے آپس میں جھگڑا کیا قریش کے قصاب کے حق میں ڈگری ہوئی۔

جو بلحاظ نسب سے زیادہ ذلیل اور منصب کے لحاظ سے سب سے بڑھ کر خبیث تھا پھر تمھارے باپ نے کہا میں محمد ابتر کا دشمن ہوا، اس پر خداوند عالم نے آیت نازل کی ان شانئك هو الابتر اے پیغمبر تمھارا دشمن ہی منقطع النسل ہے۔

(تذکرۂ سبط ابن جوزی ص ۱۱۴، شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید جلد ۲ ص ۱۰۸، الغدیر جلد ۱ مطبوعہ نجف)

مگر امیر المومنینؑ اخلاق وکمالات میں نظیر پیغمبرؐ تھے، پاکیزہ زبان اور پاکیزہ فکر۔ آپ کی پاکیزہ نفسی اس کی بھی روادار نہ ہوئی کہ آپ کے اصحاب دشمنوں کے نسب پر حرف گیری کریں اور مذمت ومنقصت میں ایسی باتیں بھی زبان پر لائیں جو شرعاً ناجائز نہیں۔ آپ کو خبر ملی کہ آپ کے کچھ صحابی شام والوں کو برا کہتے ہیں آپ نے انہیں فوراً ٹوکا اور فرمایا:

''ایسا نہ کرو۔''

ان لوگوں نے کہا:

''امیر المومنینؑ کیا ہم حق پر نہیں؟''

''یقیناً''

''کیا وہ لوگ باطل پر نہیں؟''

''یقیناً وہ باطل پر ہیں''

''تو آپ ہمیں انہیں سبّ وشتم کرنے سے کیوں روکتے ہیں؟

آپ نے فرمایا:

انی اکرہ لکم ان تکونوا سبابین ولکنکم لو وصفتم اعمالھم وذکرتم حالھم کان اصوب فی القول و ابلغ فی العذر وقلتم مکان سبکم ایاھم الاھم احقن دماء نا و دماء ھم واصلح ذات بیننا وبینھم واھدھم من ضلالتھم حتی یعرف الحق من جھل ویرعوی عن الغی والعدوان من لھج بہ

میں تمہارے لیے اس چیز کو پسند نہیں کرتا کہ تم گالیاں دینے لگو اگر تم ان کے کرتوت کھولو اور ان کے صحیح حالات پیش کرو تو یہ ایک ٹھکانے کی بات اور عذر تمام کرنے کا صحیح طریقہ کار ہوگا۔ تم گالم گلوج کے بجائے یہ کہو کہ خدایا ہمارا بھی خون محفوظ رکھ اور ان کا بھی اور ہمارے اور ان کے درمیان اصلاح کی صورت پیدا کر اور انہیں گمراہی سے ہدایت کی طرف لا تاکہ حق سے بے خبر حق کو پہچان لیں اور گمراہی وسرکشی کے شیدائی اس سے اپنا رخ موڑ لیں۔

(ترجمہ نہج البلاغہ جلد دوم مفتی جعفر حسین صاحب مطبوعہ لاہور، ص ۲۴۸)

امیر المومنینؑ کی خدمت میں مسلمانوں کے وفود اور جماعتیں مسلسل پہنچنے لگیں۔ آپ نے روانگی سے پہلے اپنے نائبوں کے پاس حکم نامے روانہ کیے جن میں اطلاع دی تھی کہ ہمارا شام روانہ ہونے کا ارادہ ہے تم لوگ مع فوج اور سامان کے حاضر ہو۔ اس حکم پر عبد اللہ بن عباس بصرہ سے، مخنف ابن سلمان اصفہان سے، سعید بن وہب ہمدان سے اور مختلف صوبوں سے عمال آ گئے تھے۔ ربیع بن خشم نائب رے بھی ۴ ہزار فوج لے کر حاضر ہوا تھا۔

اشعث بن قیس جو عہد عثمانی سے آزربائیجان اور نیسہ کا گورنر تھا اور جریر بن عبداللہ حاکم ہمدان جو بعد فتح جنگ جمل معزول کر کے پہلے ہی کوفہ میں بلائے گئے تھے وہ بھی پہنچ گئے۔ موضع نخیلہ مرکز روانگی قرار دیا گیا تھا۔ ترتیب لشکر مالک بن یربوعی کے سپرد ہوئی تھی۔ گنتی پر معلوم ہوا کہ نوے ہزار سپاہی جمع ہوئے ہیں۔ اس لشکر میں آٹھ سو انصار اور اسی (۸۰) اصحاب بدر اور نو سو کے قریب اصحاب بیعت الرّضوان تھے۔ (تاریخ اسلام ماسٹر ذاکر حسین صاحب دہلوی مرحوم)

جو آمادہ خدا کی راہ میں گھر بار کو خیر باد کہہ کے اور جہاد کی خاطر اہل وعیال کو خدا کے حوالہ کر کے آتا، اُن کے اعتقاد میں عمرو عاص صرف نافرمان اور معاویہ اور اس کے ساتھی صرف سرکش ہی نہ تھے بلکہ یہ لوگ خدا کے حق سے منحرف اور اسکی راہ سے برگشتہ تھے، اُنھوں نے اپنے ظلم وستم سے اسلام میں تفرقہ ڈال دیا تھا اور دین میں رخنہ پیدا کرنے کے مرتکب ہوئے تھے۔ دنیاوی زندگی کی ہوس میں خدا کو بھول گئے تھے اور گمراہی میں ڈوب کر ابلیس کے بندے بن گئے تھے۔

عبداللہ بن بدیل خزاعی نے امیر المومنینؑ کے سامنے ان لوگوں کی کیا اچھی تصویر کشی کی تھی:

''اگر یہ لوگ خدا کا ارادہ کرتے یا خدا کے لیے عمل کرتے تو کبھی ہماری مخالفت نہ کرتے۔ لیکن یہ لوگ تو ایسی قوم ہیں جو اتباع عمل پیغمبرؐ سے جان بچانے، اقربا پروری کی خواہش اور اپنی حکومت کی ہوس میں ہم سے برسر پیکار ہیں۔ ان کے ہاتھوں میں جو دنیا ہے اس سے جدائی انھیں گوارا نہیں''

ہاشم بن عتبہ بن ابی وقاص ان لوگوں کے متعلق کہتے ہیں:

''ان لوگوں نے خدا کی کتاب کو پس پشت ڈال دیا ہے اور بندگان خدا کے ساتھ ناپسندیدہ الٰہی ان کا برتاؤ ہے۔ اُنھوں نے حلال خدا کو حرام اور حرام خدا کو حلال قرار دے لیا ہے۔ شیطان ان پر مُسلّط ہو گیا ہے اور جھوٹے وعدوں میں انھیں مبتلا کر رکھا ہے''۔

جناب عمار کی نظر میں اُن کی موت کی وقعت بس یہ تھی:

''ان کا خون بہانا ان سے جہاد کرنے میں مستعدی و سرگرمی تقرب الٰہی کا باعث ہے۔''

امیر المومنینؑ کے اصحاب ایسے ہی تھے اور ایسا ہی ان کا عزم محکم بھی۔ جبکہ اُنھوں نے قبضہ شمشیر پر ہاتھ ڈالا اور دشمن پر یلغار کے ارادہ سے پشت فرس پر سوار ہوئے۔ یہ سفر اُن کا حج کی طرح تھا جو واجب ہوا اور ایک فریضہ تھا جسکی ادائیگی ضروری و لازمی تھی ان لوگوں میں جو بھی تھا یا قاری یا زاہد یا عابد۔ عبادت الٰہی میں رات اور دن دونوں اُن کے لیے برابر تھے۔ زمین ان کے لیے مسجد تھی اور ہر وقت ان کی نماز کا وقت تھا۔ حیات مستعار تھی اور آخرت ہی اصل زندگی تھی۔

منادی نے اُن لوگوں میں ندا کی:

''لوگو! نخیلہ کی طرف روانہ ہو جو تمھارا لشکر گاہ ہے''۔

اس اعلان کے ساتھ ہی سارا مجمع چل پڑا۔ گھوڑوں پر سوار تھے کچھ پا پیادہ تھے۔ جہاں ان کے قدموں کی چاپ لباسوں کی سرسراہٹ اور اُن کے ہتھیاروں کی جھنکار سنائی دیتی وہاں اُن کی دعا و ذکر اور تسبیح و تہلیل کی صداؤں کی گونج بھی تھی۔ آدمیوں کا ایک اُمنڈتا ہوا دریا تھا جو کوفہ سے نکل کر فرات کے کنارے کنارے اژدہے کی صورت بڑھ رہا تھا اور راستہ میں بصرہ و اصبہان و مدائن وغیرہ سے چھوٹے چھوٹے دستے لوگوں سے اس طرح آ کر ملتے جاتے جس طرح نہریں جا بجا دریا میں آ کر ملتی جاتی ہیں۔

(۲)

معاویہ کے خوف و ہراس کا ٹھکانا نہ تھا۔ اس تمام نقل و حرکت کی انھیں اطلاعیں مل رہی تھیں۔ اُن کے جاسوس ہر ہر لمحہ کی خبریں پہونچا رہے تھے۔ گویا تار بندھا ہوا تھا خبروں کا۔ اُنھوں نے گھبرا کے شام والوں سے فریاد کی:

''شام والو! تم لوگ علیؑ کے بارے میں مجھے جھٹلاتے تھے۔ اب تو اُن کی حقیقت پوری طرح آشکار ہو چکی ہے۔ خدا کی قسم تمھارے خلیفہ کو علیؑ کے سوا کسی دوسرے نے نہیں قتل کیا۔ اُنھیں نے اُن کے قتل کا حکم دیا اور لوگوں کو اُن کے قتل پر آمادہ کیا اور اُن کے قاتلوں کو پناہ دی۔ اب وہی قاتلین عثمان، علیؑ کے اعون وانصار اور اُن کے سپاہ ولشکر ہیں، وہ انھیں قاتلوں کو لے کر تمھارے ارادہ سے چل کھڑے ہوئے ہیں، تمھارے شہروں کا قصد کر کے اور انھیں تباہ و برباد کرنے کی خاطر۔''

مگر سچّی بات یہ ہے کہ امیر المومنینؑ اُس وقت تک کوفہ سے روانہ بھی نہیں ہوئے تھے۔ ابھی تو جتھے پر جتھے آ آ کر نخیلہ میں اکٹھا ہو رہے تھے ہر ہر شہر اور ہر ہر دیہات سے۔ ہر ہر جتھے کی قیادت اس جتھے کے افراد کے ہاتھوں میں تھی جو ایک سے ایک معرکے جھیلے ہوئے تھے جن کی تلواروں میں ہلاکت، دلوں میں امن اور گلوں میں شہادت تھی۔ طبل جنگ بج چکا تھا، جہاد کے علم بلند ہو چکے تھے۔ اور جنّت آنکھوں کے سامنے تھی۔ اسلامی شہروں میں کوئی ایسا شخص نہیں بچا جس میں ذرّہ برابر ایمان کی چھوٹ رہی ہو اور وہ اپنے ایمان کو لے کر اُس جنگ کے لیے چل نہ پڑا ہو۔

جس وقت یہ جتھے کوفہ سے نخیلہ کی طرف بڑھ رہے تھے ہر شخص پر گویا نشہ کی سی کیفیت طاری تھی اور وہ لفظیں اُن کے کانوں میں امرت گھول رہی تھیں جو اُن کی روانگی کے وقت امیر المومنینؑ کے لب ودہن سے نکلی تھیں:

''خداوند عالم نے تمھیں اپنے دین کے ذریعہ عزت بخشی ہے تمھیں اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے لہذا اس کے حق کی ادائیگی پر مستعد ہو جاؤ اور خدا سے جو وعدہ تم نے کر رکھا ہے اُسے پورا کرو۔''

ہتھیاروں کی جھنکار کے ساتھ امام حسنؑ کے یہ فقرے بھی اُن کے کانوں میں گونج رہے تھے جو اُن کی روانگی کے قبل آپ نے اُن سے کہے تھے:

''جو قوم بھی ایک بات پر متفق ہوئی اس کا معاملہ استوار اور اسکی گرہ مضبوط ہوئی۔ اپنے دشمنوں سے لڑنے پر تم بھی ایکا کر لو۔ نصرت ویاری میں کمی نہ ہونے پائے۔ بلاشبہ نیزوں پر چڑھ دوڑنا ہی بہادری بھی ہے اور حفاظت بھی کیونکہ جو قوم ناقابل تسخیر رہی اُسی کو خدا نے سربلند کیا اور ذلّتوں سے محفوظ رکھا''۔

امام حسینؑ کے یہ کلمات بھی اُن کے پیش نظر تھے جو آپ نے اُنھیں خطرات سے متنبہ کرتے ہوئے بطور نصیحت کہے تھے:

''تمھیں معلوم ہونا چاہیے کہ جنگ کے نتائج بہت دوررس اور اسکا مزہ نہایت ناگوار ہوتا ہے تو جو شخص اسکے مقابلہ کا سامان کرے اور پوری طرح اس کے لیے تیار ہو جائے اور جنگ چھیڑنے کے قبل اس کے صدمات کا پورا خیال کرے وہی اس کا مرد

میدان ہے اور جو موقع آنے کے پہلے پیش از وقت اس جنگ کو چھیڑنے کا درپے ہو وہ اپنی قوم کو اور فائدہ کوئی نہیں پہونچائے گا خود اپنے کو لے ڈوبے گا''۔

سب سے پہلے کوفہ سے ایک دستہ فوج کا بطور ہراول روانہ ہوا تاکہ راستہ کی رکاوٹیں دور کرتا جائے اور لشکر اس کے نشان قدم پر روانہ ہو۔ ہراول دستہ کی روانگی کے بعد فوج کی روانگی کا وقت آیا، امیرالمومنینؑ نے دریائے فرات کی سمت رُخ کر کے فرمایا:

''میں نے فوج کا ہراول دستہ آگے بھیج دیا ہے اور اُسے حکم دیا ہے کہ میرا حکم پہونچنے تک اس دریا کے کنارے پڑاؤ ڈالے رہے'

پھر دریائے دجلہ کی سمت نگاہ اُٹھا کر ارشاد فرمایا:

''میرا ارادہ ہے کہ اس پانی کو عبور کر کے اس چھوٹے سے گروہ کے پاس پہونچ جاؤں جو اطراف دجلہ و مائن میں آباد ہے اور اُسے بھی تمھارے ساتھ دشمنوں کے مقابلہ میں کھڑا کر دوں اور اُنھیں تمھاری مدد کے لیے ذخیرہ بناؤں۔ میں نے شہر کوفہ پر عقبہ بن عمرو انصاری کو حاکم مقرر کیا۔ میں نے تمھارے ساتھ کوئی کوتاہی کی نہ اپنے نفس کے ساتھ۔ خبردار گریز نہ کرنا اور نہ ٹال مٹول سے کام لینا۔ میں اپنے پیچھے مالک بن حبیب یربوعی کو چھوڑے جا رہا ہوں اور انھیں تاکید کی ہے کہ کسی گریز کرنے والے کو چھوڑیں نہیں بلکہ جلد سے جلد تمھارے پاس روانہ کر دیں۔''

امیرالمومنینؑ کی اس تقریر سے تمام لشکر میں مسرّت کی ایک لہر دوڑ گئی۔ ہر طرف خوشی کے نعرے تھے۔ اگر کوئی محزون و مغموم تھا تو مالک بن حبیب کہ ضبط کرنے پر بھی آنکھوں سے آنسو اُمڈ پڑے اور گریہ گلوگیر تھا اُنھوں نے حضرت کی سواری کی لگام پکڑ کر بڑی منتوں سے کہا:

''امیرالمومنینؑ آپ مسلمانوں کو ساتھ لے کر جا رہے ہیں وہ جہاد و قتال کا سر پائیں گے اور مجھے یہاں چھوڑے جا رہے ہیں۔''

آپ نے فرمایا:

''مالک! اِن مسلمانوں کو جو بھی اجر ملے گا تم اس اجر میں اُن کے شریک ہو گے بلکہ ساتھ رہنے کی بہ نسبت تم یہاں رہ کر زیادہ فائدہ میں رہو گے''۔

اتنا کہہ کے حضرت چل پڑے اور حضرت کے ساتھ سارا لشکر چل پڑا۔

اسی موقع پر ایک رجز پڑھنے والے نے یہ رجز پڑھا:

یا فرسی سیری ،احی الشاما وقطعی لحزون والا علاما

ونابذی من خالف الاماما

ان لارجو ان لقینا العاما جمع بنی امیّۃ الطغا ما

ان نقتل العاصی و الھماما

میرے گھوڑے روانہ ہو اور شام کا رُخ کر دشوار گھاٹیوں اور ٹیلوں کو قطع کرتے ہوئے

اور وہاں پہونچ کر ہر اس شخص کا مقابلہ کر جو امام کا مخالف ہو

مجھے امید ہے کہ اس سال بڑے بڑے سرکشان بنی امیہ کی جمعیت سے مڈبھیڑ ہو

اور ہم بڑے بڑے سرداروں اور نافرمانوں کو تہ تیغ کریں

جس وقت فوج روانہ ہوئی اور شہر پیچھے چھوٹ گیا تو تین شخصوں کے لبوں پر بے اختیار تبسم کھلنے لگا۔ یہ لوگ آج کے دن اپنے شہر سے نکلے تھے عزت و آبرو کے ساتھ ذلیل ہو کر نہیں۔ خوشی خوشی روانہ ہوئے تھے بجبر و اکراہ نہیں۔ اللہ کی آزمائشیں جھیلنے کے لیے روانہ ہوئے تھے جلا وطن ہو کر نہیں۔ یہ وہ لوگ تھے جنھیں کچھ دن پہلے حضرت عثمان نے شہر بدر کیا تھا اور ان کے وطن کوفہ سے نکالا تھا محض اس خطا پر کہ انھوں نے حضرت عثمان کے عامل سعید بن عاص کی شکایت کی تھی۔ حضرت عثمان نے انھیں معاویہ کے حوالہ کیا تھا کہ ان پر تشدد کے طریقے آزمائے اور اُنھیں خوب ذلیل وخوار کرے۔

جندب بن زہیر نے کلام مجید کی اس آیت کی تلاوت کی :

أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا وَإِنَّ اللهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ ○ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِم بِغَيْرِ حَقٍّ إِلَّا أَن يَقُولُوا رَبُّنَا اللهُ

جن مسلمانوں سے کفار لڑا کرتے تھے چونکہ وہ بہت ستائے گئے اس وجہ سے انھیں بھی جہاد کی اجازت دی گئی اور خدا ان لوگوں کی مدد پر یقیناً قادر وتوانا ہے۔ یہ وہ مظلوم ہیں جو بچارے صرف اتنی بات کہنے پر کہ ہمارا پرودگار خدا ہے ناحق اپنے اپنے گھروں سے نکال دیے گئے۔

آیت کی تلاوت کے ساتھ جندب نے اپنے ہاتھ میں نیزہ کو حرکت دی۔ آنکھوں سے عزم وارادہ کی پختگی ظاہر تھی اور غیظ وغضب کی چنگاریاں برس رہی تھیں اُن کے دونوں ساتھیوں نے بآواز بلند کہا:

''سچ کہا خدائے بزرگ و برتر نے''۔

(۳)

بارہ ہزار سورماؤں پر مشتمل ہراول دستہ فرات کے کنارے کنارے روانہ ہوا۔ ہر سوار و پیادہ اپنی منزل مقصود سے آگاہ اور اپنے فرائض سے باخبر اور اپنے آقا کے مقرر کردہ راستہ پر گامزن تھا۔ سبھی خدا کی راہ میں نکلے تھے اور اسکے حق کے مددگار تھے۔ شریعت سے بال برابر بھی منحرف نہیں۔ جس معرکہ کے لئے وہ نکلے تھے وہ سلطنت وحکومت کی خاطر نہ تھا بلکہ دین خدا کی راہ میں جہاد تھا۔ وہ امامت کی بنیاد مضبوط کرنے نکلے تھے۔ شاہی محل کھڑا کرنے کے ارادے سے نہیں۔ اُن کی ہر حرکت معین اور ہر قدم پر پابندی تھی۔ حملہ و دفاع ہر ایک کے اصول مقرر تھے۔ کوئی چیز ایسی نہ تھی جس کے متعلق امیر المومنینؑ نے تفصیلی ہدایات نہ دے دی ہوں۔ جس وقت آپ نے فریاد اور شریح کو ہراول دستہ گاہ مقرر کر کے روانہ کیا تو آپ نے اُنھیں ہدایت کی:

''جب تم دشمن کی طرف بڑھو یا دشمن تمھاری طرف بڑھے تو تمھارا پڑاؤ ٹیلوں کے آگے یا پہاڑ کے دامن یا نہروں کے موڑ میں ہونا چاہیے تا کہ یہ چیز تمھارے لیے پشت پناہی اور روک کا کام دے اور جنگ بس ایک طرف یا ایک سے زائد دو طرف سے ہو اور پہاڑوں کی چوٹیوں اور ٹیلوں کی بلند سطحوں پر دیدبانوں کو بٹھا دو تا کہ دشمن کسی کھٹکے کی جگہ سے یا اطمینان والی جگہ سے اچانک نہ آ پڑے اور اس بات کو جلد تم سمجھ لو کہ فوج کا ہراول دستہ فوج کا خبر رساں ہوتا ہے ہراول دستے کو اطلاعات ان مخبروں سے حاصل ہوتی ہیں جو آگے بڑھ کر سراغ لگاتے ہیں۔ دیکھو! تتر بتر ہونے سے بچے رہو، اترو تو ایک ساتھ اترو اور کوچ کرو تو ایک ساتھ کوچ کرو اور جب رات تم پر چھا جائے تو نیزوں کو اپنے گرد گاڑ کر ایک دائرہ سا بنا لو اور صرف اونگھ سے ایک آدھ جھپکی لے لینے کے سوا نیند کا مزہ نہ چکھو''۔ (ترجمہ نہج البلاغہ جلد سوم مفتی جعفر حسین مطبوعہ لاہور) (۱)

(۱): اس خط کے ذیل میں حضرت نے جنگ کے لیے چند ہدایات بھی انھیں تحریر فرمائے اور علامہ رضی نے صرف ہدایات والا حصہ ہی اس مقام پر درج کیا ہے۔ یہ ہدایات نہ صرف اس زمانہ کے طریقہ جنگ کے لحاظ سے نہایت کارآمد ہیں اور مفید ہیں بلکہ اس خانہ میں بھی جنگی اصول کی طرف رہنمائی کرنے کے اعتبار سے ان کی افادیت و اہمیت نا قابل انکار ہے۔ وہ ہدایات یہ ہیں کہ جب دشمن سے مڈبھیڑ ہو تو پہاڑ کے دامنوں اور ندی نالوں کے موڑں میں پڑاؤ ڈالو کیونکہ اس صورت میں نہروں کے نشیب خندق اور پہاڑوں کی چوٹیاں فصیل کا کام دینگی اور تم عقب سے مطمئن ہو کر دور سے باطراف دشمن کا دفاع کر سکو گے، دوسرے یہ کہ لڑائی ایک طرف سے ہو یا زیادہ سے دو طرف سے کیونکہ فوج کے متعدد محاذوں پر تقسیم ہو جانے سے اس میں کمزوری کا پیدا ہونا ضروری ہے اور دشمن تمھاری فوج کے تفرقہ و انتشار سے فائدہ اٹھا کر کامیابی میں کوئی دشواری محسوس نہ کرے گا۔ تیسرے یہ کہ ٹیلوں اور پہاڑوں کی چوٹیوں پر پاسبان دستے بٹھا دو تا کہ دشمن کے حملہ آور ہونے سے پہلے تمھیں آگاہ کر سکیں کیونکہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ جدھر سے دشمن کے آنے کا خطرہ ہوتا ہے وہ ادھر سے آنے کے بجائے دوسری طرف سے حملہ کر دیتا ہے لہٰذا اگر چوٹیوں پر پاسبان دستے موجود ہوں گے تو وہ دور سے اڑتے ہوئے گرد و غبار کو دیکھ کر دشمن کی آمد کا پتہ چلا لیں گے۔ چوتھے یہ کہ ادھر اُدھر جاسوس چھوڑ دیے جائیں تا کہ وہ دشمن کی نقل و حرکت اور اسکے عزائم سے آگاہ کرتے رہیں اور اسکی سوچی سمجھی ہوئی چالوں کو ناکام بنایا جا سکے۔ پانچویں یہ کہ پڑاؤ ڈالو تو ایک ساتھ اور کوچ کرو تو ایک ساتھ تا کہ دشمن اس پراگندگی و انتشار کی حالت میں تم پر حملہ کر کے بآسانی قابو نہ پا سکے۔

چھٹے یہ کہ رات کو اپنے گرد نیزے گاڑ کر حصار کھینچ لو تا کہ اگر دشمن شبخون مارے تو اسکے حملہ آور ہوتے ہی تم اپنے ہتھیاروں کو اپنے ہاتھوں میں لے سکو اگر دشمن تیر بارانی کرے تو اسکے ذریعہ سے کچھ بچاؤ ہو سکے۔ ساتویں یہ کہ گہری نیند نہ سوؤ کہ دشمن کی آمد کا تمھیں پتہ ہی نہ چل سکے اور وہ تمھارے سنبھلتے سنبھلتے تمھیں نقصان پہونچانے میں کامیاب ہو جائے (ترجمہ نہج البلاغہ جلد سوم مفتی جعفر حسین مطبوعہ لاہور)

آپ نے اپنے سرداران فوج کو سختی سے تنبیہ کی کہ لڑائی کی ضرورتوں کے پیش نظر ایسی باتیں ہرگز نہ جائز قرار دے لیں جو بحالت امن نہ اخلاقاً جائز ہوں نہ شرعاً، بیجا نوٹ گھسوٹ اور ظلم وزیادتی وغیرہ۔

اُن عمال حکومت کو جن کا علاقہ فوج کی گزرگاہ میں پڑتا تھا آپ نے لکھا:۔

''میں نے کچھ فوجیں روانہ کی ہیں جو خدا نے چاہا تو عنقریب تمھارے علاقہ سے عبور کریں گی۔ میں نے انھیں ہدایت کر دی ہے اسکی جو اللہ کی طرف سے ان پر فرض ہے کہ وہ کسی کو ستائیں نہیں اور کسی کو تکلیف نہ دیں اور میں تمھیں اور تمھارے اہل ذمہ کو بتانا چاہتا ہوں کہ فوج والے کوئی دست درازی کریں تو اس سے میں بے تعلق ہوں سوا اس صورت کے جبکہ کوئی بھوک سے حالت اضطرار میں ہو اور پیٹ بھرنے کی کوئی صورت اسے نظر نہ آئے اس کے علاوہ اُن میں سے جو کوئی دراز دستی کرے تو تمھیں اسکی اُسے سزا دینی چاہیے۔ لیکن اپنے سرپھروں کے ہاتھ بھی روکنا کہ وہ اُن سے نہ ٹکرائیں اور جس چیز کی ہم نے اُنھیں اجازت دی ہے اُس میں ان سے تعرض نہ کریں اور میں تو فوج کے اندر موجود ہی ہوں لہذا جو زیادتیاں ہوں یا ایسی سختی تم پر ہو کہ جسکی روک تھام کے لیے تمھیں اللہ کی مدد اور میری طرف رجوع ہونے کی ضرورت ہو تو مجھے اطلاع دینا میں انشا اللہ، اللہ کی مدد سے ٹھیک کر دوں گا''۔ (ترجمہ نہج البلاغہ جلد سوم مفتی جعفر حسین)

ہراول دستہ کو روانہ کرنے کے ساتھ ہی آپ نے تاکید کی کہ لڑائی میں جلد بازی سے کام نہ لینا اور جب تک تم پر حملہ نہ ہو تم تلوار نہ اُٹھانا اور جو قدم بھی اُٹھے سوچ سمجھ کر اُٹھے اور دشمن کی طرف سے پوری احتیاط اور خبرداری رہے۔

اصل فوج ہراول دستہ کی روانگی کے کچھ دنوں بعد روانہ ہوئی جبکہ تمام قبائل مجتمع ہو گئے اور ہر ہر صوبہ سے فوجی کمک آ پہنچی۔ جب پوری جمعیت فراہم ہو گئی تب لشکر مرتب ہوا۔ سات حصّوں میں اسکی تقسیم ہوئی۔ ہر حصّہ (۱) پر ایک سردار مقرر ہوا اور منادی نے کوچ کا اعلان کیا۔

(۱): جناب امیرؑ نے اپنی فوج کے سات ٹکڑے کیے تھے جن کے سردار یہ تھے: مالک اشتر، حجر بن عدی، شبث بن ربعی، خالد بن العمر الدوسی، زیاد بن نصر، سعید بن قیس ہمدانی، قیس بن سعد بن عبادہ۔ روضۃ الصفاء کے موافق عمار یاسر تمام فوج کے سواروں کے سردار اعلیٰ تھے اور عبداللہ بن بدیل خزاعی پیادوں کے، ہاشم ابن عتبہ عسطبہ دار، اشعث بن قیس سردار میمنہ۔ عبداللہ بن عباس سردار میسرہ۔

ابن قتیبہ کے موافق مقدمہ پر مالک اشتر پر شریح بن ہانی، مہاجرین وانصار پر محمد ابن ابی بکر، اہل بصرہ پر عبداللہ بن عباس، اہل کوفہ پر عبداللہ بن جعفر، سواروں پر عمار یاسر قلب پر حسن بن علی نامزد کئے گئے تھے۔

ابن خلدون کے موافق اشتر سوار ابن کوفہ پر سہل بن حنیف سواروں بصرہ پر قیس بن سعد پیادگان بصرہ پر عمار یاسر پیادگان کوفہ پر اور ہاشم کل فوج کے علمبردار

تھے۔ تاریخ اسلام ماسٹر ذاکر حسین صاحب دہلوی مرحوم)

شوال ۳۶ھ کا مہینہ تھا اور موسم بہار کی آمد آمد تھی جب نخیلہ کی سرزمین لوگوں کی کثرت سے چھلکنے لگی۔ تمام افواج کی کمان امیرالمومنینؑ کے ہاتھوں میں تھی۔ سکون و وقار کے ساتھ آپ لشکر کے آگے آگے چل رہے تھے۔ دل اطمینان سے بھرپور تھا۔ نگاہوں سے رحم و کرم آشکار اور چہرے سے امن پسندی ہویدا تھی۔ جو دیکھتا وہ یہی سمجھتا کہ آپ سیر و تفریح کے لیے نکلے ہیں نہ کہ میدان جنگ کے ارادے سے۔

نہ جسم پر زرہ تھی نہ سر پر خود نہ دیگر آلات حرب و ضرب، بس یہی پیوند بھری قمیص تھی جو گھٹنوں تک بھی نہیں پہنچی تھی۔ ساتر بدن ضرور تھی مگر سردی سے بچانے والی قمیص۔ راستہ بھر آنکھیں خواب گوں رہیں بہ نسبت بیداری کے نیند سے زیادہ قریب مگر روح بیدار اور ہر شئے کی نگراں، چاہے وہ نظروں کے سامنے ہو یا نظروں سے غائب اور زمان و مکان کے تمام حجابات اُٹھے ہوئے۔

جس غرض سے یہ سفر آپ فرما رہے تھے وہ کم خون کھولانے والا نہ تھا، پھر بھی آپکی تمام تر توجہ لڑائی پر مرکوز تھی۔ نہ اسکے سایہ میں چھپی ہوئی موت زندگی کی اصلاح سے غافل کرنے والی تھی۔ راہ میں بہت سے مواقع عبرت کے آتے ہیں بشرطیکہ انسان چشم بینا اور گوش شنوا رکھتا ہو۔ جس وقت آپ مرکب پر سوار ہو رہے تھے آپ نے آسمان کی طرف منھ کر کے مناجات کی:

''خداوند تو ہی سفر میں رفیق اور بال بچوں کا محافظ ہے..........''

آگے چل کر ایک منزل پر قیام ہوا۔ آپ نے اُترنے کے بعد سب سے پہلے دو رکعت نماز ادا کی جب نماز سے فارغ ہوئے تو آپ نے فرمایا:۔

''لوگو! جو ہمیں رخصت کرنے کے لئے آیا ہو یا یہیں کا رہنے والا ہو وہ نماز پوری پڑھے۔ ہم لوگ مسافر ہیں ہمارے ساتھی قصر کریں کیونکہ سفر کی حالت میں واجب نماز دو ہی رکعت ہے''۔

راہ میں شاہان کسریٰ کے کھنڈر ملے۔ اُنھیں دیکھ کر آپ کے ایک ساتھی نے یہ شعر پڑھا:

جرت الریاح علی مکان دیارھم　　　فکانما کانوا علیٰ میعاد

اُن کے مکانات کی جگہوں پر ہوا چل گئی (سب کچھ اُڑا لے گئی) معلوم ہوتا ہے وہ بس ایک مقرر مدّت تک کے لیے تھے''

آپ نے روکا اور فرمایا اور یہ کیوں نہیں کہتے:

کم ترکوا من جنات و عیون و زروع و مقام کریم و نعمة کانوا فیھا فاکھین کذلك واورثنا

ھا قوماً اٰخرین فما بکت علیھم السمآءُ والارض وما کانوا منظرین۔

وہ لوگ (خدا جانے) کتنے باغ اور چشمے اور کھیتوں اور نفیس مکانات اور آرام کی چیزیں جس میں وہ عیش اور چین کیا کرتے تھے چھوڑ گئے یوں ہی ہوا اور ہم نے ان تمام چیزوں کا دوسرے لوگوں کو مالک بنایا تو ان لوگوں پر آسمان زمین کو بھی رونا نہ آیا اور نہ اُنھیں مہلت ہی دی گئی۔

پھر آپ نے مجمع کی طرف رُخ کر کے انھیں متنبہ کرتے ہوئے فرمایا:

یہ شاہان سلف اپنے زمانے میں وارث ہوئے تھے اب دوسرے اُن کے وارث ہیں۔ ان لوگوں نے نعمت کا شکر نہیں کیا اور جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ معصیت کر کے انھوں نے اپنی دنیا کھودی۔

اثنائے سفر ایک مقام پر لشکر پیاسا ہوا دور تک جب پانی کا پتہ نہ چلا تو جناب امیرؑ راستہ چھوڑ کر جنگل کی طرف چلے۔ کچھ دور چلے تھے کہ ایک دیر نظر پڑا لوگ پانی کی امید میں اس طرف دوڑے۔ وہاں کے راہب سے پانی کا پتہ پوچھا، اس نے کہا یہاں سے دو کوس پر پانی ہے۔ لشکریوں نے یہ سُن کر عرض کیا کہ امیر المومنینؑ ہم کو اجازت دیجئے تا کہ جلد سے جلد ہم پانی تک پہونچ جائیں، فرمایا انشاءاللہ اسی مقام پر پانی ملے گا۔ یہ فرما کر جناب امیرؑ نے خچّر چند قدم آگے بڑھایا اور ایک مقام کی طرف اشارہ کیا کہ یہاں کھودو۔ لشکری کدال لے کر بڑھے۔ تھوڑی زمین کھودی تھی کہ ایک بڑا پتھر نکلا۔ وہ اس قدر سخت تھا کہ کسی کدال سے نہ ٹوٹ سکا۔ فرمانے لگے اسکے نیچے آب شیریں کا چشمہ ہے۔ لشکریوں نے بہت کوشش کی پتھر نہ ٹوٹا اور نہ اپنی جگہ سے ہٹا۔ جناب امیر خود خچّر سے اتر پڑے۔ آستین چڑھا کر بزور قوّت حیدری ایک ہی بار میں پتھر اُٹھا کر پھینک دیا۔ نہایت صاف وشیریں وخوش مزہ سرد پانی کا چشمہ نکلا۔ سب لوگوں نے پیا اور مشکیں وظروف بھر لیے۔ جناب امیرؑ نے پھر پتھر وہیں رکھ دیا اور لوگوں کو اُس کے پاٹنے سے منع کیا۔ راہب یہ دیکھکر حاضر خدمت ہوا اور عرض کی۔ کیا آپ پیغمبر مرسل ہیں؟ فرمایا نہیں۔ پھر کہا کیا آپ کوئی فرشتہ مقرّب ہیں؟ فرمایا نہیں، اُس نے پھر پوچھا آخر آپ کون ہیں؟ فرمایا میں پیغمبر مرسل محمد مصطفےٰؐ کا وصی اور ابن عم ہوں۔

ایک مرتبہ آنحضرت نے میرے لڑکپن کے زمانہ میں قریش کے مجمع میں ایک پتھر جبل بوقبیس سے گرا کر مجھے حکم دیا تھا کہ اُٹھا کر پھینک دو کفار نے مضحکہ اُڑایا تھا کہ اس لڑکے سے پتھر کیا اُٹھ سکے گا۔ اُس کو بہت سے آدمی بھی نہ اُٹھا سکیں گے۔ میں نے بحکم آنحضرت اسکو اُٹھا کر پھینک دیا۔ اُسی قوت سے میں نے اس پتھر کو بھی اُٹھایا۔ راہب کہنے لگا مجھے مسلمان کر لیجئے۔ آپ نے اُسے اسلام میں داخل کر لیا اور اس سے پوچھا عرصہ سے تم اپنے دین پر تھے مجھ کو دیکھتے ہی مسلمان کیوں ہو گئے؟ اس

نے کہا میں نے اپنی کتابوں میں پڑھا اور اپنے یہاں کے عالموں سے سنا تھا کہ یہاں ایک چشمہ ہے جس پر بھاری پتھر رکھا ہوا ہے جسکو بجز پیغمبر مرسل یا اُس کے وصی کے دوسرا شخص نہ اُٹھا سکے گا۔ میں نے اُس وقت آپ کو اُٹھاتے دیکھا مجھے یقین ہوا کہ وصی آپ ہی ہیں۔ پھر وہ راہب ساتھ ہوا اور جنگ صفین میں لڑ کر شہید ہوگیا۔ جناب امیرؑ نے اس پر نماز پڑھی اور مقبرہ شہداء صفین میں دفن کیا۔ اکثر اس کے لیے دعا کیا کرتے اور فرماتے میرا دوست تھا۔

(سیرت علوم ص ۲۹۷ تاریخ اسلام ماسٹر ذاکر حسین دہلوی مرحوم۔ روضۃ الصفا جلد ۲ ص ۲۹۴ حبیب السیر جلد اول جز چہارم، جامع التواریخ ص ۳۳۸۔ روائح المصطفےٰ ص ۳۲۔ تاریخ تذکرۃ الکرام ص ۱۲۸۵۔ بروتگ سکرز آف محمدؐ۔ روضۃ الشہداء شواہد النبوۃ وغیرہ)

آگے چل کر کچھ دیہاتی ملے جو آپ کی فوج کے لیے بطور ہدیہ کچھ چوپائے اور اشیاء خورد و نوش لے کر آئے تھے۔ آپ نے لینے سے انکار کر دیا اور فرمایا:

''اگر تم چاہتے ہو کہ ہم تمھارے یہ چوپائے لے ہی لیں تو ہم اسے تمھارے لگان میں لے سکتے ہیں جتنی قیمت ان چوپایوں کی ہوتی ہے اُتنی تمھارے لگان میں کم کر دی جائے گی اور یہ جو کھانے تم ہمارے لیے پکا لائے ہو وہ ہمیں پسند نہیں اس قیمت پر دو درہم قبول کرنے کے لیے تیار ہیں''

دیہاتیوں نے چاہا کہ چالاکی سے کام لے کر حضرت کو قبول کرنے پر آمادہ کر لیں۔ اُنھوں نے کہا:

''امیر المومنینؑ ہم قیمت لینے پر تیار ہیں مگر وہی جو ہم لگائیں''۔

حضرت اُن کے جملے کو سمجھ گئے، آپ نے ہنس کر فرمایا:

''اس صورت میں تم صحیح قیمت نہیں لگاؤ گے، رہنے دو ہمیں اس کی ضرورت نہیں''

جب ان لوگوں نے بہت اصرار کیا تو حضرت کے چہرے پر شکن پڑ گئی اور آپ نے فرمایا:

''سوائے تم پر ہمیں اس کی ضرورت نہیں''۔

حضرت اُن کے تحفے تحائف راستہ میں پڑے چھوڑ کر آگے بڑھ گئے۔

حضرت آگے بڑھ گئے قافلہ بھی پیچھے پیچھے چلتا رہا اور ایک موڑ پر پہونچ کر حضرت نے سر اٹھایا اور ادھر اُدھر نظر ڈالی اور درد بھرے لہجے میں کہا: ''اسی جگہ اسی جگہ

یہیں اُن کے اترنے کی جگہ ہوگی اور ان کی سواریاں بٹھائی جائیں گی۔

اسی جگہ اُن کا خون بہے گا''

حضرت کے ان فقروں سے مجمع پر ایک سکتہ طاری ہوگیا۔ لوگوں نے سہمے ہوئے لہجہ میں پوچھا:

''کیابات ہے حضور''؟

حضرت خاموش رہے۔ اتنے میں نگاہ امام حسینؑ پر پڑگئی۔ رحم بھری نظریں حسینؑ کے چہرے کا طواف کرتی رہیں۔

آپ نے فرمایا: یہاں آل محمدؑ پر مصائب کے پہاڑ ٹوٹیں گے۔ اُنھیں تمھاری طرف سے تباہی کا سامنا ہوگا اور تم ان کی طرف سے بربادی سے دوچار ہوگے۔

لوگوں نے اس کا مطلب پوچھا تو آپ نے فرمایا: تمہاری طرف سے اُنھیں تباہی کا سامنا تو یوں ہوگا کہ تم اُنھیں قتل کروگے اور اُن کی طرف سے تمہاری بربادی یوں ہوگی کہ اُن کے قتل کی وجہ سے خداوند عالم تمھیں جہنم میں داخل کرے گا۔

وہ زمین کربلا کی سرزمین تھی (الامام علی ابن ابی طالب جلد سوم۔ اعیان الشیعہ جلد سوم، کتاب الصفین نصر ین مزاحم وغیرہ)

(۴)

یہ پورا دن آپ کا رنج واندوہ میں گذرا آنکھوں میں آنسو تھے کہ اُمڈے آتے، نگاہوں میں اپنے فرزند کے قتل گاہ کی زمین پھر رہی تھی اور اُس تباہی و بربادی کے خیال سے دل پارہ پارہ تھا جو اس سرزمین پر آپ کے اہلبیتؑ کو پیش آنے والی تھی۔ یہاں سے آگے چل کر بابل کی سرزمین پر پہونچے۔ یہ سرزمین حضرت کے ہمراہیوں میں سے بہتوں کی دیکھی بھالی تھی۔ یہ لوگ اسکی فتح میں شریک رہ چکے تھے اور اسکے گوشے گوشے میں اُنھوں نے اسلام کی تبلیغ کی تھی مگر حضرت نہ یہاں رکے نہ ٹھہرے بلکہ تیزی سے آگے بڑھ گئے۔ کسی نے اس تخیلت کی وجہ دریافت کی تو آپ نے فرمایا:

''بابل کی سرزمین شہر کو لے کر اندر دھنس چکی ہے۔ سواری ہنکائے چلو تا کہ اس سرزمین سے باہر نکل کر عصر کی نماز ادا کریں'

پھر آپ ساباط میں پہونچے۔ نظروں کے سامنے دجلہ کے کنارے مدائن کا شہر تھا جو ایک مُدّت دراز تک شاہان کسریٰ کا پایہ تخت رہ چکا تھا۔ جہاں سے وہ ہفت اقلیم پر حکومت کرتے تھے۔ اس کا قصر سپید زمانہ کے تغیرات و انقلابات کے باوجود اب بھی یوں چمک رہا تھا جیسے سحر کا اجالا ۔ یہ سارا علاقہ مسلمانوں کا مفتوحہ علاقہ تھا جسے اُنھوں نے جان کی بازی لگا کر فتح کیا تھا۔ امیر المومنینؑ کے ہمراہیوں میں جو لوگ اس سرزمین کی فتح میں شریک رہ چکے تھے فخر و مسرّت بھری اُن کی نگاہیں کونے کونے کا جائزہ لے رہی تھیں اور دل خوشی سے پھولے نہیں سماتے تھے۔ امیر المومنینؑ کے پرجوش فدائی ہاشم بن عتبہ بن ابی وقاص کی نظریں جب اُس شہر پر پڑیں تو اُن کی آنکھیں بھر آئیں۔ ماضی کی یاد تازہ ہوگئی۔ رخساروں پر آنسو ڈھلک آئے۔ یہ خوشی ومسرّت کے آنسو تھے۔ دل باغ باغ ہو رہا تھا۔ خدا کی حمد وشکر سے سینہ معمور تھا۔ زبان بے اختیار ان آیات کا ورد کرنے لگی:

...... وانذر النّاس یوم یاتیھم العذاب فیقول الّذین ظلمو ا ربنا اخرنا اِلیٰ اجل قریب نحن نجب دعوتك و نتبع الرسل ا........ اولم تکو نو ا اقسمتم من قبل ما لکم من زوال؟......

لوگوں کو اس دن سے ڈراؤ (جس دن) ان پر عذاب نازل ہوگا تو جن لوگوں نے نافرمانی کی تھی (گڑگڑا کر) عرض کریں گے کہ اے ہمارے پالنے والے ہمکو تھوڑی سی مہلت اور دے دے (اکبی بار) ہم تیرے بُلانے پر ضرور اُٹھ کھڑے ہوں گے اور سب رسولوں کی پیروی کریں گے (تو اُن کو جواب ملے گا) کیا تم وہ لوگ نہیں ہو جو اس کے پہلے (اسپر) قسمیں کھایا کرتے تھے کہ تم کو کسی طرح کا زوال نہیں.....

سچ ہے واقعاً شاہان کسریٰ اور اُن کے حوالی موالی یہی یقین رکھتے تھے کہ وہ اس دنیا میں ہمیشہ رہیں گے اور اُن کی بادشاہت کو کبھی زوال نہ ہوگا مگر چشم زدن میں اُن کی حکومت درہم و برہم ہوگئی، وہ بھولے بسرے خواب بن گئے۔ امیرالمومنینؑ کے ہمراہیوں میں بہت سے ایسے افراد تھے جو ان شاہان کسریٰ کا جاہ وجلال دیکھ چکے تھے۔ بہت سے ایسے تھے جن کا خون اس سرزمین میں جذب ہو چکا تھا۔ جیسے جیسے قافلہ چلتا اور جوں جوں لوگوں کے قدم اُٹھتے اس عظیم الشان کامیابی کی یاد تازہ ہوتی جاتی جو کچھ ہی دن پہلے اس سرزمین پر اسلامی فوج کو ہوئی تھی۔

لشکر آگے بڑھتا رہا۔ شوال کا مہینہ تمام ہوا، ذی قعدہ ختم ہوا، ذی الحجّہ آ گیا۔ ہر دل کو اشتیاق تھا کہ خانہ کعبہ کا طواف کرتے، قبر رسولؐ کی زیارت سے مشرف ہوتے، لیکن دشمن سے بھڑنے کی آرزو تمام آرزوؤں پر غالب تھی۔ ہر ایک کو بیچینی تھی کہ دشمن سے دودو ہاتھ کرنے کا جلد موقع مل جائے۔

اس عرصے میں تمام امور امیرالمومنینؑ کی مرضی کے مطابق انجام پاتے رہے۔ چھوٹا لشکر جو بطور دیدبان روانہ ہوا تھا وہ نصیبین تک پہونچ چکا تھا اور حضرت کے ہمرکاب جو بڑا لشکر تھا وہ بغیر کسی رکاوٹ کے جزیرہ کو طے کر چکا تھا اور ہراول دستہ آپ کے مقرر کردہ پروگرام کے تحت فرات کے کنارے کنارے بڑھ رہا تھا۔ البتہ اس پروگرام میں ذراسی تبدیلی کرنی پڑی۔ ہراول دستے فرات کے کنارے کنارے خشکی کے راستے آرہے تھے جب عانات پہونچے تو معلوم ہوا کہ لشکر شام آرہا ہے اُن کو خیال ہوا کہ راستہ ہی میں جنگ نہ ہو جائے، ہمارے اور امیرالمومنین کے درمیان فرات حائل ہے، ہم اس طرف ہیں اور امیرالمومنینؑ اس طرف، معلوم نہیں حریف کے لشکر کی تعداد کس قدر ہے اگر ہم مقابلہ میں کمزور پڑے تو اُن کو ہماری خبر بھی نہ ہوگی لشکر ختم ہو جائے گا۔ یہ سوچ کر جس طرف جارہے تھے راستہ چھوڑ دیا۔ عانات سے نکلنا چاہا وہاں کے لوگوں نے نہ جانے دیا۔ مجبوراً ہیت کی طرف پلٹے وہاں سے فرات عبور کر کے آپ کے لشکر سے جا ملے۔ جب زیاد اور شریح کی خدمت میں پہونچے تو آپ کے لبوں پر بے اختیار تبسّم آ گیا اور آپ نے مزاحاً فرمایا:

''مقدمۃ الجیش اور عقب سے آئے!!!.......''

یہاں دونوں لشکر مل کر ایک ہو گئے اور ایک ساتھ روانہ ہوئے۔ رقہ فرات کے کنارے ایک چھوٹا سا شہر ہے جو آج بھی آباد ہے، جب امیر المومنینؑ وہاں پہنچے تو وہاں کی پوری آبادی معاویہ کی طرفدار تھی، ان لوگوں نے اپنے دروازے بند کر لیے امیر المومنینؑ کی کسی چیز سے مدد نہ کی، نہ اپنی کشتیاں عاریت دیں کہ لشکر دریا پار کر سکے، نہ پل ہی تیار کرنے میں مدد دی، یہ پورا کا پورا شہر عثمانی تھا۔ کوفہ کے کچھ عثمانی بھاگ کر یہاں آئے تھے اور معاویہ سے ساز باز کرنے میں مصروف تھے۔ امیر المومنینؑ نے اُن پر ذرا بھی تشدد نہیں کیا، اُن لوگوں کی تعداد مشکل سے دو چار ہوگی۔ لشکر کا ریلا ہی اُنھیں پیس کر رکھ دیتا مگر انسانی جان آپ کے نزدیک بڑی محترم تھی۔ ناحق خون بہانے سے بڑھ کر ہولناک کوئی چیز نہ تھی، تشدد سے کام لینا کبھی آپ کا وطیرہ نہیں رہا۔ حضرت نے یہ لشکر کشی بھی جو کی تھی بہت ہی مجبوری کے عالم میں اور بادل ناخواستہ۔ جب کوئی چارہ کار باقی نہیں رہا اور معاویہ دین و مذہب کے مٹانے ہی پر تل گیا اس عالم میں بھی آپ کا دل امن وسلامتی کے لیے برابر بے چین رہا اور لڑائی ٹل جانے کے لیے حیلے ڈھونڈھتا رہا۔ حضرت کے لیے دشوار نہ تھا کہ زبردستی رقہ والوں سے کشتیاں لے لیتے یا اُنھیں مجبور کر کے پُل تیار کرا لیتے مگر آپ نے اُنھیں اُن کے حال پر چھوڑ دیا اور وہاں سے روانہ ہو کر منبج پہونچے تاکہ شمال کی جانب سے آپ کا لشکر حلب میں داخل ہو سکے۔

رقہ سے آپ نے معاویہ اور اُن کے رفیقوں کو پھر ایک خط لکھا جسمیں اُنھیں سمجھانے بجھانے اور راہ راست پر لانے کی کوشش کی مگر اس خط کا بھی وہی نتیجہ ہوا جو اب تک اس قسم کے تمام خطوط کا ہوتا رہا۔ امیر المومنینؑ نے نہ جانے کتنے خطوط معاویہ کو لکھے اور کتنی کوششیں ان کو راہ راست پر لانے کی کیں۔ حضرت اُن کے ساتھ اگر نرمی برت رہے تھے اور اُنھیں ڈھیل دے رہے تھے تو اُنکے بزرگوں کے ساتھ پیغمبرؐ بھی ایسا ہی کر چکے تھے۔ تبلیغ دین ونشر احکام الٰہی میں جو پیغمبرؐ کا طریقہ کا رتھا بعینہ وہی امیر المومنینؑ کا بھی۔ پیغمبرؐ کے طرز عمل سے سرمو بھی آپ تجاوز کرنے والے نہیں تھے۔

فکاین من قریة اهلکنا ها وهی ظالمة فهی خاویة علیٰ عروشها و بئر معطلة و قصر مشید .... و کاین من قریة املیت لها وهی ظالمة ثم اخذتها والیٰ المصیر ۔

غرض کتنی بستیاں ہیں کہ ہم نے انھیں برباد کر دیا اور وہ سرکش تھیں پس وہ اپنی چھتوں پر ڈھئی پڑی ہیں اور کتنے بیکار اُجڑے کنویں اور کتنے مظبوط بڑے بڑے اونچے محل ویران ہو گئے .... اور کتنی بستیاں ہیں کہ میں نے اُنھیں (چندے) مہلت دی حالانکہ وہ سرکش تھیں پھر (آخر) میں نے انھیں لے ڈالا اور سب کو میری طرف لوٹنا ہے۔

معاویہ نے حضرت کے اس خط کے جواب میں محض یہ لکھا:

من معاویہ بن ابی سفیان

اما بعد۔ لیس بینی و بین قیس عتاب   غیر طعن الکلی و ضرب ارقاب

معاویہ بن ابو سفیان کی طرف سے اما بعد ہمارے اور قیس کے درمیان کوئی سمجھوتہ نہیں سوا نیزہ لگانے اور گردن مارنے کے۔

یہ جواب پڑھ کر ایک لمحہ کے لیے آپ کے کانوں میں وہ فقرے گونجنے لگے جو عبداللہ بن بدیل آپ کے صحابی نے صفین روانہ ہوتے وقت مجمع عام میں کہے تھے:

''بھلا معاویہ علیؑ کی بیعت کیونکر کر سکتے ہیں حالانکہ علیؑ معاویہ کے بھائی حنظلہ، ماموں ولید، نانا عتبہ کو ایک دن میں موت کے گھاٹ اُتار چکے ہیں قسم بخدا مجھے تو کبھی اس کا گمان بھی نہیں کہ وہ ایسا کریں اور کبھی وہ تمھارے لیے سیدھے نہیں ہوں گے چاہے اُن پر کتنی ہی آفت اور اُن کے سر پر کتنی ہی تلواریں ٹوٹ جائیں اور گرزوں ہتوڑوں سے اُن کا سر سُرمہ ہو جائے''

ابن بدیل نے صحیح اندازہ قائم کیا تھا۔ علی ابن ابی طالبؑ اُن کی سلامتی کے خواہاں تھے اور ہند کے بیٹے تباہی کے طلبگار اور ایسی آگ بڑھکانا چاہتے تھے جو سب کچھ جلا کر خاکستر کر دے۔

آپ نے حسرت بھرے لہجے میں یہ آیت پڑھی:

إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَن يَشَاءُ ۚ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ ○ وَقَالُوا إِن نَّتَّبِعِ الْهُدَىٰ مَعَكَ نُتَخَطَّفْ مِنْ أَرْضِنَا

اے رسولؐ بے شک تم جسے چاہو منزل مقصود تک نہیں پہونچا سکتے۔ ہاں خدا جسے چاہے منزل مقصود تک پہونچائے اور وہی ہدایت یافتہ لوگوں سے خوب واقف ہے.................. اے رسولؐ کفار مکّہ تم سے کہتے ہیں کہ اگر ہم تمھارے ساتھ دین حق کی پیروی کریں تو ہم اپنے ملک سے اُچک لیے جائیں۔

معاویہ کے اس خط نے امیرالمومنین کے ہمراہیوں میں ایک ہیجان پیدا کر دیا، ہر ایک نے سواریاں بٹھا دیں اور ہتھیار سجا لیے اب رقہ والوں کو ڈھیل دینے کی کوئی گنجائش نہ تھی نہ اس کا موقع تھا کہ اُنھیں دشمن سے خط و کتابت کا موقع دیا جائے۔ رقہ والوں نے جب امیرالمومنین کو اپنی کشتیاں نہ دیں نہ پل بنانے پر تیار ہوئے تو امیرالمومنینؑ نے اُس وقت اُن پر کوئی تشدد نہیں کیا تھا مگر اب نرمی اور ملائمت خطرناک ثابت ہوتی۔ رقہ والوں کے پیر و مرشد (معاویہ) جس سے وہ رائے مشورہ لیتے تھے بے نقاب ہو چکے تھے اور کھلم کھلا انھوں نے چیلنج لکھ بھیجا تھا۔ تھوڑی ہی دیر گذری ہوگی، ایک دن یا آدھ دن کہ مالک اشتر کی حمیت کو جوش آ گیا، وہ اُنکے قلعہ پر چڑھ دوڑا دروازے کو ٹھوکر لگائی اور گرج کر کہا:

''قلعہ والو! خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر امیرالمومنینؑ چلے گئے اور تم نے اپنے شہر کے پاس اُن کے لیے پل نہیں بنایا تو تم

ہو گے اور میری یہ تلوار ہو گی۔ معاویہ سے پہلے میں تم ہی سے نپٹ لوں گا اور تمھاری اس سرزمین کو تباہ و برباد کر کے رکھ دوں گا''۔

رقہ والے ڈر گئے۔ اُنھوں نے مستعدی سے فوراً ہی پل تیار کر دیا۔ اشتر نے منبج میں امیر المومنینؑ کو خبر کی۔ آپ واپس آئے اور پُل طے کر کے پورا لشکر دشمن کی سرزمین پر جا پہونچا۔

(۵)

عمرو عاص دمشق پہونچنے کے بعد معاویہ کے عقل کل بن چکے تھے اور اُنھیں کے رائے مشورہ سے سارے امور انجام پاتے معاویہ نے امیر المومنینؑ کے خلاف علم بغاوت بلند کر کے جو جوا کھیلا تھا اس کے خطرناک نتائج سے وہ ناواقف نہ تھے۔ اسی وجہ سے حضرت کی ہر نقل وحرکت کی خبر لیتے رہتے۔ کوفہ میں اُن کے بہت سے جاسوس تھے جو کوفہ کے تمام حالات و واقعات سے اُنھیں آگاہ کرتے رہتے۔ جب معاویہ کو خبر ملی کہ امیر المومنینؑ پوری تیاریوں کے ساتھ ہم پر چڑھائی کرنے کے ارادے سے چل کھڑے ہوئے ہیں تو اُن کی پریشانیوں کا ٹھکانہ نہیں رہا، عمرو عاص سے مشورہ لیا اُنھوں نے کہا:

اگر علیؑ لشکر کے ساتھ خود بھی آ رہے ہیں تو تم خود بھی لشکر کے ہمراہ جاؤ۔ تمھاری موجودگی میں لشکر والوں کا دل قوی رہے گا۔ وہ تمھاری تدبیروں اور مکر وفریب کی چالوں سے فائدہ اُٹھاتے رہیں گے۔ اسکا موقع نہ دو کہ علیؑ شام آ پہنچیں اور شام میں داخل ہو کر تم سے لڑیں۔ تم عجلت سے کام لیکر اُن کو راستہ ہی میں جا ملو اور شام سے فاصلہ پر اُن سے لڑائی لڑو۔

عمرو عاص کا یہ مشورہ بتاتا ہے کہ عمرو عاص امیر المومنینؑ کی قدر ومنزلت سے پوری طرح آگاہ تھے۔ اچھی طرح سمجھتے تھے کہ علیؑ سے جیتنا آسان بات نہیں۔ اُن سے لڑنے میں سپاہ ولشکر کی قوت سے زیادہ مکر وفریب کارآمد ہوگا۔ کیونکہ علیؑ کو مکر وفریب سے دُور کا بھی واسطہ نہیں اور معاویہ وعمرو عاص کے تو خمیر میں یہ دونوں چیزیں داخل تھیں۔ عمرو عاص یہ بھی سمجھتے تھے کہ بہت ممکن ہے علیؑ ہی فتحیاب ہوں۔ اسی لیے اُنھوں نے مشورہ دیا کہ علیؑ کو شام پہونچنے ہی نہ دیا جائے۔ قبل اس کے کہ وہ شام پہنچیں۔ آگے بڑھ کر اُن سے لڑائی چھیڑ دی جائے۔ اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ اگر علیؑ فتحیاب ہوئے تو معاویہ اپنی شکست خوردہ فوج کے ساتھ شام بھاگ سکیں گے اور وہاں قلعہ بند ہو کر پھر دوسری لڑائی لڑ سکتے ہیں۔ برخلاف اس کے کہ اگر جنگ شام میں ہوتی اور معاویہ ہارتے تو جان بچانے کا کوئی ٹھکانہ نہیں رہتا، وہیں قصہ پاک ہو جاتا۔

معاویہ نے عمرو عاص کے مشورہ کو دل سے قبول کیا اور خود لشکر کے ہمراہ روانہ ہوئے۔ شام والوں کا مارے خوف و دہشت کے براحال تھا۔ اُنھیں جب امیر المومنینؑ کے آنے کی خبر ملی تو ہوش اُڑ گئے۔ اُنھیں یہ بھی معلوم ہو چکا تھا کہ پیغمبرؐ کے بڑے بڑے جلیل القدر صحابہ بدر واحد، خندق وخیبر کے سورما بھی آپ کے ہمرکاب ہیں۔ اسی کے ساتھ وہ آپ کی محیر العقول

شجاعت سے بھی ناواقف نہ تھے۔علیؑ کی ہیبت اُن پر اُسوقت اور زیادہ ہوگئی جبکہ جنگ جمل کے بھگوڑے شام بھاگ کر پہونچے اور اُنکی زبانی جنگ جمل کی تفصیلات اور علیؑ کی شاندار کامیابی کی اطلاع ملی۔

مزید برآں شام والے عراق کے باشندوں سے یوں بھی ڈرتے تھے۔ کیونکہ انکی طاقت اور جنگی مہارت اُن سے کہیں زیادہ تھی۔معاویہ اور عمروعاص نت نئی تدبیروں سے اُن کا دل مظبوط کرتے، اُنھیں ہمّت دلاتے رہتے، اپنی تقریروں میں ظاہر کرتے کہ علیؑ کی طاقت کچھ بھی نہیں رہی اُن کے ساتھیوں پر ضعف و اضمحلال طاری ہے اُن میں پھوٹ بھی پڑ چکی ہے، عراق کے باشندوں کا شیرازہ بھی بکھر چکا ہے اور اُن کی آن بان اور شان وشوکت خواب وخیال ہوگئی ہے، بصرہ والے تو علیؑ کے خلاف ہی ہو چکے ہیں، کیونکہ علیؑ نے بصرہ کے بہت سے لوگوں کو تہ تیغ کر ڈالا ہے اور جنگ جمل میں بصرہ وکوفہ دونوں کے بڑے بڑے سرداراور روساء قبائل کام آ چکے ہیں، علیؑ بہت ہی مختصر جمیعت سے شام آ رہے ہیں، اُن سے بھڑنا بہت آسان ہے اور اُنکو شکست دیدینا بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔

اسی کے ساتھ امیرالمومنینؑ پر تہمت و بہتان کی بھی بھرمار تھی۔ تیزی سے پروپیگنڈہ جاری تھا کہ علیؑ ہی نے عثمان کو قتل کیا ہے۔عثمان کے خون کا قصاص لینا لازم ہے۔ اُنکا خون رائگاں جانے دیا گیا تو خدا کا عذاب نازل ہوگا۔ان تمام باتوں نے رفتہ رفتہ شامیوں کی ہمت مضبوط کی اور معاویہ وعمروعاص اُن کو اکٹھا کر کے مقابلہ کے لیے نکل کھڑے ہوئے۔[۱]

(۶)

امیرالمومنینؑ نے رقہ سے زیاد ابن نضر اور شریح بن ہانی کو بارہ ہزار کی جمیعت کے ساتھ بطور ہراول پھر روانہ کیا تا کہ اصل لشکر کے لیے جو رقہ سے دریا عبور کر کے اکٹھا ہو رہا تھا راستہ صاف ہو جائے۔معاویہ کی غداری کا ہر وقت احتمال تھا۔اُن سے کوئی بات بھی بعید نہ تھی۔وہ جنگی آداب وقوانین کو بھی بالائے طاق رکھ سکتے تھے۔زیاد وشریح اپنے رسالوں کو لیے بہت ہوشیاری کے ساتھ حلب کی طرف بڑھے جب یہ لوگ سورروم میں پہونچے تو ابوالاعور سلمی لشکر شام لئے ہوئے موجود تھا۔زیاد بن شریح نے جناب امیرؑ کو

---

[۱] معاویہ نے بھی اپنی فوج کے سات ٹکڑے کیے تھے جن کے سردار یہ تھے۔عبدالرحمان بن خالد بن ولید، ابوالاعور اسلمی، حبیب بن مسلم فہری، ذوالکلاع حمیری، عبیداللہ بن عمر ،شرجیل بن سمط کندی، حمزہ بن مالک ہمدانی۔حبیب السیر کے موافق سواروں کے سردار عبداللہ بن عمروعاص۔ پیادوں کا سردار مسلم بن عقبہ، میمنہ پر عبیداللہ بن عمرو، میسرہ پر حبیب بن مسلمہ اور علمبردار عبدالرحمان بن خالد بن ولید۔صاحب مقصد اقصیٰ کے نزدیک عبیداللہ بن عمر سواروں کا اور عبداللہ بن عمروعاص میمنہ کا سردار تھا۔ابن خلدون نے میمنہ پر ذوالکلاع۔میسرہ پر حبیب بن مسلمہ، مقدمہ پر ابوالاعور اسلمی، سواران دمشق پر عمروعاص، پیادگا دمشق پر مسلم بن عقبہ اور کل فوج کا سردار ضحاک بن قیس کو لکھا ہے۔ابن قتیبہ کے موافق معاویہ کی طرف سے مقدمہ پر ابوالاعور سلمی، اس کی ساق پر بشر بن ارطاۃ، سواروں پر عبیداللہ بن عمر، میمنہ پر یزید عبسی، میسرہ پر عبداللہ بن عمروعاص اور علمبردار عبدالرحمان بن خالد بن ولید تھا۔چونکہ جنگ صفین مدت تک رہی ہے یہاں تک کہ ۷۰ یا ۹۰ لڑائیاں ہوئیں۔معلوم ہوتا ہے مختلف موقعوں پر عہدے بدلتے رہے ہیں اور اس سبب سے مورخین کو اختلاف ہوا ہے۔'' (تاریخ اسلام ماسٹر ذاکر حسین صاحب دہلوی مرحوم)

مطلع کیا آپ نے مالک اشتر کو بلا کر کہا:

''مالک! زیاد و شریح نے مجھے اطلاع بھیجی ہے کہ اُنکی مڈبھیڑ ابوالاعور سلمی سے ہوئی ہے جو سور روم میں اہل شام کے لشکر کے ساتھ پڑاؤ ڈالے مقیم ہے۔ زیاد و شریح دونوں کشمکش میں ہیں کہ کیا کریں کیا نہ کریں، تم جلد جا کر اُن سے ملو''۔

آپ نے مالک کو ان دونوں کا امیر مقرر کیا اور تاکید کی کہ وہاں پہونچکر زیاد و شریح کو میمنہ و میسرہ پر مامور کرنا اور خود پورے لشکر کو اپنی کمان میں لینا۔ خبردار جنگ میں تقدیم نہ کرنا۔ اوّلاً صلح کی طرف بلانا۔ جو کچھ کہیں سننا اُن کے بغض و عداوت میں آپے سے باہر ہو کر فوراً ہی حملہ نہ کر بیٹھنا۔ دوبارہ سہ بارہ اُن کو سمجھانا اور باہمی جنگ کے بُرے نتائج اُن سے بیان کرنا۔ اگر وہ نہ مانیں اور لڑائی شروع کر دیں تو تم بھی اُن سے لڑنا۔ اُن کے قریب پڑاؤ نہ ڈالنا نہ بہت دُور پر، حتی الامکان میرے پہونچنے تک اگر لڑائی نہ ہو تو بہت اچھا ہے میں بھی آتا ہوں۔ (سیرۃ علویہ ص ۲۹۷)

دونوں لشکر سور روم میں ایک دوسرے کے آمنے سامنے جم گئے۔ ایک طرف امیر المومنینؑ کا ہراول دستہ تھا دوسری طرف معاویہ کا، کوئی بھی دیکھنے والا اُنہیں دیکھ کر باہمی عداوت کا اندازہ نہیں کر سکتا تھا۔ دونوں طرف سکون و اطمینان کی کیفیت تھی۔ ایک دوسرے سے ملتے، باتیں کرتے، شکوے شکایتیں ہوتیں، کوئی دوسرے کو قصور وار ٹھہرتا، دوسرا اس جو قائل کرنے کی کوشش کرتا، ملتے تو تبادلہءخیال کے لیے ملتے، جدا ہوتے تو خوشی خوشی جدا ہوتے۔

مگر رات اپنی تاریکی میں غدّاری چھپائے آئی۔ اشتر کے لشکر والے سونے کی تیاری ہی کر رہے تھے کہ ابوالاعور اپنی فوج لے کر اُن پر ٹوٹ پڑا۔ اُسے امید تھی کہ یہ ناگہانی حملہ کامیاب ثابت ہوگا اور شب خون مار کے ہم دشمن کا صفایا کر دیں گے۔ ابوالاعور بھی اپنے آقا ہی کے مسلک پر تھا۔ معاویہ کہ طرح اس پر بھی نہ کوئی اخلاقی پابندی تھی نہ شرعی جیسے بھی غلبہ حاصل ہو جائے جائز ہے۔ لیکن ابوالاعور نے جن لوگوں کو منہ کا نوالا سمجھا تھا اُنھیں کی جیت ہوئی۔ مالک اشتر کی جمعیت پہلے گھبرائی۔ پھر اُسکے پیر جمے۔ پیر جمانے کے بعد اُس نے حملہ کیا تو ابوالاعور کی فوج میں بھگدڑ مچ گئی۔ صبح ہوتے ہوتے پورا میدان صاف تھا۔ نہ ابوالاعور کا پتہ تھا نہ اُس کے سپاہ لشکر کا۔

ابوالاعور نے منہ اندھیرے ہی وہ جگہ چھوڑ دی اور اپنے رسالہ کو لے کر شمال کی طرف ہٹ گیا اور ایک محفوظ جگہ دیکھ کر مقیم ہو گیا۔ اشتر صبح سویرے ایک دستہ فوج کا لے کر اس کی تلاش میں نکلے۔ چاروں طرف اُسے ڈھونڈھا۔ آخر مقام قنسرین میں اس کا پتہ چلا جو حلب کے راستے میں پڑتا ہے۔ ایک بلند مقام پر جو قلعہ کا کام دیتا تھا اُس نے کیمپ کیا تھا۔ بلند جگہ ہونے کی وجہ سے یہ اطمینان تھا کہ اچانک کوئی حملہ نہ کر سکے گا۔ یہاں بھی ایک ہلکی سی جھڑپ ہوئی اور ابوالاعور کے کچھ آدمی مارے گئے

۔ہر مرتبہ دشمن ہی کی طرف سے پہل ہوئی۔اشتر چاہتے تو ابوالاعور کی پوری سرکوبی ہو جاتی مگر اُنھوں نے امیرالمومنینؑ کی وصیت پر نظر رکھی۔غیر معمولی تحمل سے کام لیتے ہوئے مزید اقدام ملتوی رکھا۔

لیکن دشمن کی فوج بہر حال دشمن کی فوج تھی۔جس طرح اس نے کل غدّاری کی تھی۔آج بھی کر سکتی تھی غدّار دشمن کے فتنوں سے خود بھی بچنا تھا اور اپنے لشکر کو بھی بچانا تھا۔ساتھ ہی اس کو غدّاری کا مزہ چکھانا بھی ضروری تھا۔مالک اشتر نے اپنے قبیلہ کے ایک نوجوان سنان نخعی سے کہا:

''اے سنان!ابوالاعور کے پاس جاؤ اور کہو کہ اگر دعوائے مردانگی ہے تو نکل کر مقابلہ میں آؤ''۔

سنان نے کہا:''اپنے مقابلہ کے لیے بلاؤں یا آپ کے مقابلہ کے لیے۔''

''اگر میں تم سے کہوں تو تم اس سے مقابلہ کرو گے۔''

''ہاں خدا کی قسم ضرور مقابلہ کروں گا اگر آپ حکم دیجیئے تو میں تلوار لے کر دشمن کی صفوں میں گھس جاؤں اور مار کے آؤں۔''

مالک اشتر مسکرائے اور اُسکی پیٹھ ٹھونکتے ہوئے کہا:

''نہیں تم جا کر میرے مقابلہ کے لیے بلاؤ۔اگر اس میں غیرت ہو گی تو وہ بڑے ہی آدمی سے لڑے گا اور تم ابھی بالکل کم سن ہو۔''

لیکن ابوالاعور نے بزدلی کی حد کر دی۔مالک کا چیلنج سن کر بجائے کوئی جواب دینے کے بغلیں جھانکنے لگا۔بہت دیر تک خاموشی چھائی رہی۔گردن جھکائے سوچا کیا پھر سر اٹھا کر کہا:

اشتر نے اپنی تیز مزاجی اور بُرے نظریات وخیالات ہی کی وجہ سے عثمان کے عُمّال کو عراق سے نکال باہر کیا،اُنھوں نے عثمان پر تہمتیں دھریں،اُن کی خوبیوں کو برا جانا،اُن کے حق سے جاہل رہے،اُنکی عداوت ظاہر کی،عثمان پر چڑھ کر گئے اور قاتلین عثمان کے ساتھ مل کر اُنھیں قتل کیا،اب عثمان کے قصاص کا ان سے بھی مطالبہ ہے۔

سنان نے کہا:''اچھا اپنی کہہ چکے،اب مجھ سے بھی کچھ سن لو''۔

مگر ابوالاعور نے سننے سے انکار کر دیا اور چیخ کر کہا:

''جاؤ جاؤ مجھے اُن سے مقابلہ کی کوئی ضرورت نہیں''۔

اشتر نے یہ روئداد سنی تو خوب ہنسے اور کہا:ڈر گیا ابوالاعور۔۔۔۔۔۔۔۔

(الامام علی ابن ابی طالب جلد سوم۔کتاب الصفین نصر بن مزاحم۔اعیان الشیعہ جلد ثالث سیرۃ علویہ وغیرہ)

(۷)

ابوالاعور سلمی نے جس بلندی پر کیمپ کیا تھا وہ بہت مضبوط جائے پناہ تھی وہاں تک اشتر کی فوجوں کے تیر نہیں پہونچ

سکتے تھے۔ اگر اشتر کی طرف سے حملہ ہوتا تو اس کا دفاع بھی بہت آسان تھا۔ اس کی فوجوں کی تعداد زیادہ تھی، سامان حرب بھی وافر تھا مگر ابوالاعور پر ایسی سراسیمگی طاری ہوئی کہ وہاں بھی قدم نہیں ٹکے اور بھاگنے کی تدبیریں کرنے لگا اور دن چڑھتے ہی قنسرین اُسکی فوجوں سے خالی تھا۔

یہ کہنا ٹھیک نہیں معلوم ہوتا کہ ابوالاعور شکست کے ڈر سے بھاگ نکلا، تعداد کی زیادتی کی وجہ سے اسکی جیت کے امکانات زیادہ تھے۔ ہمارا تو یہ خیال ہے کہ دونوں مقام پر اس کی پسپائی کسی سوچے سمجھے منصوبے کے تحت اور پہلے ہی سے بنائے ہوئے پروگرام کے مطابق تھی۔ دمشق سے چلنے کے بعد ابوالاعور نے جو بھی قدم اُٹھایا ایک خاص مقصد کے تحت اُٹھایا، وہ مقصد بس اُسی کو معلوم تھا کسی اور کو نہیں۔ سورروم میں اُس کی مڈبھیڑ زیاد و شریح سے ہوئی جو امیر المومنینؑ کے مقدمۃ الجیش کے افسر تھے۔ اُن سے کوئی بات نہیں بڑھی، جھڑپ کی نوبت نہیں آئی مگر جیسے ہی امیر المومنینؑ نے اشتر کو بھیجا اُس نے رات کو چھاپا مارا اور چھاپا مار کے بھاگ کھڑا ہوا۔ وہاں سے قنسرین آیا پہاڑی پر اُس کا قیام ہوا جو اُس کے لیے قلعہ کا کام دے رہی تھی۔ اگر وہ چاہتا تو وہاں جم کر مقابلہ کرتا اور اپنے غنیم کو کافی نقصان پہونچا تا مگر اُس نے وہاں سے بھی راہ فرار اختیار کی۔ اس کا منصوبہ یہ تھا کہ وہ ایک جگہ سے دوسری جگہ بھاگتا جائے اور امیر المومنینؑ کا ہراول دستہ اسکے تعاقب میں بڑھتا رہے ایک شہر سے دوسرے شہر میں ایک مقام سے دوسرے مقام پر اور اس طرح یہ ہراول دستہ اصل لشکر سے کٹ کر رہ جائے۔ ابوالاعور اور اُسکے آقا معاویہ کی یہی سوچی سمجھی اسکیم تھی۔ اس طرح وہ دفعتہً امیر المومنینؑ کے اصل لشکر پر ٹوٹ پڑنا چاہتے تھے اس عالم میں کہ امیر المومنینؑ کی فوجیں دوحصوں میں بٹی ہوئی تھیں۔ کچھ مالک اشتر کے ساتھ کچھ آپ کے ساتھ۔

پسپائی کی اسکیم تو ضرور کامیاب رہی۔ ابوالاعور اشتر کی فوجوں سے میلوں دُور جا نکلا مگر میدان بغیر لڑے بھڑے مالک اشتر کے ہاتھ آ گیا۔ فرات کے کنارے اور کشادہ و محفوظ جگہ پر اُنھیں پڑاؤ ڈالنے کا موقع مل گیا۔ ابولاعور کی اسکیم ناکام رہی کہ جُوں جوں ہم بھاگتے جائیں گے اشتر ہمارے پیچھے پیچھے آئیں گے، اشتر نے اُس کا پیچھا ہی نہیں کیا۔ وہ وہیں قنسرین میں مقیم رہے۔ یہاں سے لے کر سورروم تک اور سورروم سے رقہ تک جہاں پُل تعمیر ہوا تھا ان کی فوجوں کی دیوار قائم ہوگئی۔ معاویہ کی اسکیم اُنھیں کے حق میں مضر ثابت ہوئی۔ اب اُن کے حصہ میں ریگ زار بھی تھا اور پانی کی مصیبت بھی، جب وہ لشکر سمیت وہاں پہونچے تو کیمپ کرنے کے لیے کوئی مناسب جگہ نہ تھی سوا صحرا اور بیابان کے۔

امیر المومنینؑ نے مالک اشتر کو تاکید کی کہ اسی جگہ جمے رہنا ہر ممکن حیلہ و تدبیر سے قبضہ اپنا ہی قائم رہے، یہ جگہ امیر المومنینؑ کے لشکر کے لیے بڑی اہمیت رکھتی تھی۔ یہیں سے دریا پار کر کے عراق کو راستہ جاتا تھا اور اسی راستہ رسد بھی آنا ممکن

تھی اور کمک بھی۔ موقع و محل بھی بہت ساز گار تھا۔ یہاں سے ہر طرف راستے آتے جاتے تھے۔ شام کے شہروں کو بھی یہیں سے راستہ جاتا تھا۔

امیر المومنینؑ دریائے فرات پار کر کے مغرب کی طرف بڑھتے گئے۔ اس امید میں کہ دمشق سے آنے والی فوجوں کو راستہ میں پا لیا جائے۔ قبل اسکے کہ وہ میدان میں پہونچ سکیں مگر معاویہ پہلے ہی آگے بڑھ چکے تھے۔ اُن کی فوجوں کے گزرنے کا راستہ آسان تھا نہ بیچ میں کہیں دریا پار کرنا پڑا، نہ صحرا طے کرنے کی نوبت آئی۔ معاویہ اور امیر المومنینؑ ایک دوسرے کے آمنے سامنے مقیم ہوئے۔ دونوں لشکر اپنی اپنی تیاریوں میں مشغول رہے۔ چھیڑ خوانی کسی طرف سے نہ ہوئی۔ جب تک کہ لڑائی چھڑے اور دونوں لشکر ایک دوسرے کے مقابل صف آرا ہوں امیر المومنینؑ افہام و تفہیم کے لئے کوشاں رہے اور معاویہ اپنی تدبیروں میں۔

❑❑

دوسراباب

پانی پر جنگ

موقع ہاتھ سے نکل جانے کی وجہ سے معاویہ کی حالت غیر تھی۔ فرات کو دیکھتے اور گُھٹ کر رہ جاتے۔ وہ رات اُن کی انتہائی بے چینی میں کٹی۔ کسی کروٹ چین نہیں ملا۔ نہ اُن کی پلکیں جھپکنے پائیں۔ علیؑ کی فوجیں پانی پر قابض اور بہت محفوظ جگہ پر خطرہ سے باہر مقیم تھیں۔ یہاں سے لے کر قنسرین تک انکا پہرہ بیٹھا ہوا تھا اور شام تک راستہ ہموار تھا۔ رات بھر غور و فکر میں وہ غلطاں و پیچاں رہے۔ یہ رات اُن کے لیے پہاڑ ہوگئی جو کاٹے نہیں کٹتی تھی مگر صبح ہوتے ہوتے مایوسیوں کی جگہ امیدوں نے لے لی، پریشانیوں کے بجائے چہرے پر سکون واطمینان طاری تھا شیطان نے اُن کے دل میں وہ تدبیر القا کر دی تھی جس سے کام لے کر وہ علیؑ کی فوجوں کو دریا سے کنارے ہٹا سکتے تھے۔

دن چڑھتے ہی دیکھنے والوں نے دیکھا کہ جتھے کے جتھے بیلچے اور پھاوڑے ہاتھوں میں لیے اس گھاٹی کی طرف بڑھ رہے ہیں جدھر علی کا ہراول دستہ پڑاؤ ڈالے تھا۔ اُنھوں نے زمین کھودی اور خندقیں بنانی شروع کر دیں۔ کام اتنا مخفی طرح ہو رہا تھا کہ لشکر والوں کی نظر اُن پر نہیں پڑ سکی نہ اُنھیں کوئی روک ٹوک سکا۔ البتہ جاسوسوں نے اُن کی خبر فوراً پہونچائی اور جس نے سُنا حیرت میں پڑ گیا۔ کسی کی سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا ہو رہا ہے اور معاویہ کا ارادہ کیا ہے۔ لوگوں نے نت نئے مطلب نکالے۔ طرح طرح کی تاویلیں کیں۔ اُسی وقت ایک سنسناتا ہوا تیر بھی امیر المومنینؑ کے لشکر میں آ کر گرا۔ لوگوں نے سمجھا کہ شاید اعلان جنگ ہے مگر لوگوں نے جب تیر اُٹھایا تو کچھ اور ہی نظر آیا۔ تیر سے ایک کاغذ لپٹا ہوا تھا اور اُس پر تحریر تھا:

''ایک خیر خواہ بندۂ خدا کی طرف سے۔

میں آپ لوگوں کو خبر دے رہا ہوں کہ معاویہ چاہتا ہے کہ فرات کاٹ کر اس کا رُخ آپ لوگوں کی طرف پھیر دے۔ لہٰذا ہوشیار رہیے۔''

اس تحریر کو دیکھ کر لوگوں کے ہوش اُڑ گئے۔ لشکر والوں میں افراتفری مچ گئی۔ گھبراہٹ اور سراسیمگی سے ہر ایک کی حالت غیر تھی۔ اگر ان کا ماضی شاندار اور انھیں ہر بدگمانیوں سے پاک وصاف کہنے والا نہ ہوتا تو بزدلی اُنھیں کہیں کا بھی نہیں

رکھتی۔لیکن لشکر میں سبھی ایک جیسے نہ تھے۔اُن میں بدر واحد،خندق وخیبر کے سور ماؤں کے بیٹے بھی تھے اور جمل وقادسیہ کے معرکے جھیلے ہوئے بہادر بھی،جو موت سے کھیلنے کے عادی اور خوف ودہشت کے نام سے بھی ناواقف تھے۔لشکر میں ہر طرح کے لوگ تھے۔کچھ ایسے تھے جنھوں نے صبر وثبات سے کام لیا اور کامیاب رہے۔کچھ ایسے تھے جنھوں نے جی چھوڑ دیا اور ہلاک ہوئے۔مختلف قبیلوں اور خاندان کے افراد تھے اور امیر المومنینؑ سے اُن کی عقیدت اور وفاداری بھی مختلف طرح کی تھی۔یہ لوگ موت سے خائف نہیں تھے۔جان دینے کیلئے تو آئے ہی تھے اُن کی دہشت اس خیالی موت سے تھی جسے قوت واہمہ نے ہیبت ناک صورت میں اُن کے سامنے پیش کیا تھا۔وہ آئے تھے تلواروں سے کھیلنے اور نیزوں کو سینے پر لینے کے لیے اور یہاں سامان تھا ڈوب کے مرنے کا۔

امیر المومنینؑ نے جب اس خندق کی افواہ اور تیر سے لپٹے ہوئے خط کی خبر سُنی تو ہنسے اور فوراً ہی قاصد کو یہ خط دے کر ہراول دستہ کی طرف روانہ کیا:

''وائے ہو تم پر معاویہ جو کرنا چاہتا ہے وہ کبھی نہ کر سکے گا اور نہ اُس پر قادر ہو سکے گا۔اس کا مقصد محض یہ ہے کہ تم لوگ اپنی جگہ سے ہٹ جاؤ۔لہذا تم اس کا کوئی خیال نہ کرو اور اپنی جگہ پر مضبوطی سے قائم رہو۔''

مگر وہاں تو وہ لوگ عالم خیال میں پھاوڑے اور بیلچے دیکھ رہے تھے۔اُنھیں یہ وہم گھیرے تھا کہ اب فرات کٹ کر ہماری طرف آتا اور ہم سبھی کو بہالے جاتا ہے۔زبانیں گنگ تھیں اور آنکھیں حقیقت کو دیکھنے سے قاصر اور ہر ایک کے منہ میں گھٹی ہوئی چیخ۔

''وہ خندق کھود رہے ہیں''وہ خندق کھود رہے''ہمیں فوراً یہاں سے ہٹ جانا چاہیے''۔

امیر المومنینؑ نے پھر دوبارہ انھیں کہلا بھیجا:

''میرا کہنا نہ ٹالو جمے رہو اپنی جگہ پر''۔

مگر کسی نے آپ کا کہنا نہ مانا۔بعضوں نے بزدلی کی وجہ سے بعضوں نے جہالت کے سبب سے اور بہتوں نے بے بس ولاچار ہو کر۔

سبھی وہاں سے چل کھڑے اور غالب ہونے کے باوجود مغلوب ہونا گوارا کر لیا۔

(الامام علی ابن ابی طالب جلد سوم تاریخ اسلام ماسٹر ذاکر حسین صاحب دہلوی مرحوم کتاب الصفین نصر بن مزاحم)

(۲)

معاویہ کی چال کامیاب رہی اور قبل اس کے کہ فرات کی طرف خندق کُھدتی،امیر المومنینؑ کی صفوں میں خلیج پیدا

ہوگئی۔ امیرالمومنینؑ کا مقدمۃ الجیش اس گھاٹ سے بھاگ کھڑا ہوا جو اُسکے لیے بمنزلہ زرہ وسپر کے تھا۔ کسی نے بھی آپ کے حکم کی تعمیل ضروری نہیں سمجھی، غرقابی کے خوف نے انھیں جیسے دیوانہ بنا دیا۔ سوچنے سمجھنے کی صلاحیت ہی جاتی رہی۔ اب نہ اُن کا وہ جوش عقیدت تھا نہ جذبہ جاں نثاری بلکہ آپ کے روکنے پر بے شرمی سے کہنے لگے:

''ہم تو یہاں سے جارہے ہیں آپ چاہے رکیے چاہے جائیے۔''

ادھر ان لوگوں نے گھاٹ خالی کیا ادھر معاویہ لشکر لے کر چڑھ دھرے اور گھاٹ پر اُن کا ڈیرہ خیمہ قائم ہوگیا۔ وہی راستہ تھا عراق سے امیرالمومنینؑ کی رسد اور کمک آنے کا اور اب معاویہ اس پر قابض ہونے کے بعد آسانی سے نہ رسد آنے دے سکتے تھے نہ فوجی کمک۔ امیرالمومنینؑ کی فوجیں مقیم بھی ہوئیں تو صفین کے قریب جہاں نہ پانی تھا نہ سبزہ۔

اسی طرح پانسہ پلٹا اور بغیر لڑے بھڑے ایک قطرہ خون بہائے ایک غنیم کو شکست ہوئی اور شکست فاش اور دوسرے غنیم کو فتح ہوئی اور زبردست فتح۔

جب دونوں فوجیں اپنی اپنی جگہ جم گئیں معاویہ گھاٹ پر قابض ہوگئے اور امیرالمومنینؑ کی فوجیں چٹیل میدان میں تو اب اُنکی آنکھیں کھلیں اور احساس ہوا کہ ہم سے کتنی زبردست چوک ہوگئی جو امیرالمومنینؑ کی نافرمانی کر کے ہم نے کتنی بڑی مصیبت مول لے لی۔ جس طرح بنی اسرائیل نے جناب موسیٰ کی نافرمانی کر کے مصیبت اپنے سے لے لی تھی آج ان لوگوں نے امیرالمومنین کا کہنا نہیں مانا تھا اور وہ جگہ چھوڑ دی تھی جو محفوظ بھی تھی اور سرسبز شاداب بھی، کل جناب موسیٰؑ کی مخالفت کر کے بنی اسرائیل نے اپنی جائے قیام چھوڑی تھی جہاں اُنھیں طرح طرح کی نعمتیں میسّر تھیں اور آسمان سے من وسلویٰ آتا تھا اُن کے لیے دونوں جماعتوں کو ان کی ہوس نفسانی نے اندھا بنا دیا۔ بنی اسرائیل نے جناب موسیٰ سے سرکشی کی اور ان لوگوں نے امیرالمومنین سے، وہاں آسمان نے مذاق اُڑایا تھا اور یہاں امیرالمومنینؑ نے۔

امیرالمومنینؑ حد درجہ ان لوگوں پر برہم ہوگئے تھے مگر اب سوائے صبر کے چارہ کار ہی کیا تھا۔ ان لوگوں نے مخالفت کر کے اچھی خاصی مصیبت کھڑی کردی تھی۔ دشمن کو ایسا نشانہ فراہم کردیا تھا جو خطا ہی نہیں کرسکتا تھا۔ رنج وملال کے آپ کے کوئی حد نہیں تھی۔ یہ مفت کی شکست اٹھانی پڑی جس میں نہ تلوار کھنچی نہ کسی نے کوئی زخم کھایا۔ امیرالمومنینؑ کو اس کا غم وملال نہ تھا کہ میدان دشمن کے ہاتھ لگ گیا آپ اس کھلی ہوئی غدّاری اور مکاری پر رنجیدہ تھے۔ اصل رنج وملال اسکا تھا کہ جنھیں ہم اپنا وفادار سمجھتے تھے جن کی فرمانبرداری پر ہمیں پورا بھروسہ تھا جو ہماری راہ میں اپنی جان دینے کے لیے تیار تھے اُنھیں سے سرکشی کا ظہور ہوا ہمارے بار بار منع کرنے کے باوجود وہ نہیں مانے کون کہہ سکتا ہے کہ آئندہ بھی وہ ایسا ہی نہ کریں جیسے آج اُنھوں نے مخالفت

کر کے سارے کھیل بگاڑ دیے ویسے ہی روز روز کر سکتے ہیں یہ اور بات ہے کہ امیر المومنینؑ بدگمانی سے کام نہیں لیتے تھے اور نہ شک وشبہ پر عمل کرنا آپ کا وطیرہ تھا۔ یہ لوگ بھی دوسروں جیسے ہی آدمی تھے زندگی کی طمع اُن پر غالب آ گئی تھی جیسا کہ اس سے پہلے اُن کے بھائیوں اور بزرگوں پر غالب آ چکی تھی اگر آج آپ کے اصحاب نے آپ کی نافرمانی کی تھی تو کل پیغمبرؐ کے صحابہ بھی پیغمبرؐ کی ہولناک نافرمانی کر چکے تھے جس کے نتیجہ میں فتح شکست سے بدل گئی آنحضرت کا چہرہ مبارک زخمی ہو گیا تھا۔

تاریخ اپنے ورق دہراتی رہتی ہے آج بالکل ویسا ہی نقشہ نظر آ رہا تھا جیسا جنگ احد میں پیش آ چکا تھا۔ جنگ بدر میں مشرکین نے بہت بڑی ہزیمت اُٹھائی تھی کوئی گھر مشرکین کا باقی نہ بچا تھا جس کا جوان بوڑھا پیغمبرؐ کے صحابہ کے ہاتھوں اس جنگ میں مارا نہ گیا ہو۔ اس کا انتقام لینے کے لیے مشرکین نے احد کی لڑائی لڑی اور پورے زور وشور سے لڑی جس جس کے دست و بازو میں طاقت تھی اور جو بھی تلوار اُٹھانے کی قوت رکھتا تھا وہ پیغمبرؐ کے خلاف تلوار لے کر نکلا تھا۔ جب دونوں فوجیں ایک دوسرے کے مقابل صف آرا ہوئیں تو پیغمبرؐ نے اپنے ۵۰ ساتھیوں کو درّہ کوہ کی حفاظت پر متعین کیا جو آپ کے عقب میں پڑتا تھا۔ ہر ایک کے ہاتھ میں کمانیں تھیں۔ پیغمبرؐ نے اُنھیں تاکید کی کہ:

''تم اپنی جگہ مضبوطی سے کھڑے رہنا، دشمن کے لشکر کو اپنے نیزوں کی زد پر لیے رہنا تا کہ وہ ہمارے پیچھے سے ہم پر حملہ آور نہ ہو سکیں اگر تم دیکھنا کہ ہم مال غنیمت لوٹ رہے ہیں تو اپنی جگہ چھوڑ کر لوٹ میں ہمارے شریک نہ ہونا اور اگر دیکھنا کہ ہمیں شکست ہو رہی ہے تب بھی تم یہاں سے ہرگز نہ سرکنا جب تک میں تمھیں بلا نہ بھیجوں اور اگر دیکھنا کہ ہم نے دشمنوں کو مار بھگایا ہے اور اُن پر غالب آ گئے ہیں تب بھی اپنی جگہ نہ چھوڑنا جب تک میرا آدمی تمھارے پاس نہ پہونچے''۔

مگر ان لوگوں نے نافرمانی کی۔ جب دیکھا کہ مشرکین قریش جان بچا کر میدان سے بھاگ رہے ہیں اور مسلمان اُن کو گاجر مولی کی طرح کاٹ کاٹ کر پھینک رہے ہیں تو درّہ سے ہٹ کر وہ بھی مال غنیمت لوٹنے میں مصروف ہو گئے۔ تھوڑی ہی دیر گذری ہو گی کہ دشمنوں نے درّہ کوہ سے نکل کر مسلمانوں کو تلواروں پر دھر لیا۔ پیغمبرؐ کے بہت سے مخلصین اور نمودار اصحاب شہید ہوئے۔ خود آپ کا چہرہ مبارک لہولہان ہو گیا جناب حمزہ شہید ہوئے اور ہند جگر خوارہ نے اُنکا کلیجہ نکال کر چبایا، اُن کے اعضا کاٹ کر گلے میں ہار پہنا، جب ابوسفیان کے جی کی بھڑاس نکل گئی تو فتح کے نشہ میں مست ہو کر کہنے لگا:

''یہ بدر کا بدلہ ہے'' ہبل سربلند ہو۔ ہبل زندہ باد۔''

مگر ہبل کے نصیب میں نہ پہلے سربلندی تھی نہ آج وہ سربلند ہوا۔ خدا ہر ایک سے زیادہ بلند و برتر اور ہر ایک سے زیادہ قدرت والا ہے۔ پیغمبرؐ صحیح وسلامت رہے۔ خداوند عالم نے آپ کو اس وقت تک زندہ رکھا جب تک ابوسفیان، ہندہ اور مشرکین کی

جماعت کی جماعت غلام و کنیز کی شکل میں ذلّت و خواری کے لباس میں جان کی امان مانگنے کے لیے پیغمبرؐ کے پاس نہ آ گئے۔

پیغمبرؐ اُن صحابیوں کی مخالفت سے تنگ نہ ہوئے نہ اُنکی خطا بخشی سے باز رہے جنھیں آپ نے درہ کوہ کی حفاظت پر متعین کیا تھا اور وہ مالِ غنیمت کی لالچ میں ہٹ کر لشکر اسلام کی وقتی شکست کا باعث ہوئے تھے۔ اسی طرح امیر المومنینؑ نے بھی اپنے ہمراہیوں کو معاف کر دیا۔ اب آپ بھی اُن کے پاس پہونچ چکے تھے۔ انھیں کے ساتھ مقیم ہوئے۔

معاویہ کی مسرّتیں اپنے نقطۂ عروج پر تھیں۔ اُنھوں نے خوشی میں بھر کے کہا:

''خدا کی قسم یہ پہلی کامیابی ہے''۔

یہ کہہ کر خوشی سے ہاتھ ملنے لگے۔ گردن کی رگیں پھول گئیں اور آنکھیں چمکنے لگیں۔

زمانہ کے واقعات دہرا دہرا کر پلٹتے ہیں۔ اس وقت معاویہ کی بعینہ وہی کیفیت تھی جیسے اُن کے باپ ابوسفیان کی بروز احد۔ اپنے مکر و فریب کا خاطر خواہ نتیجہ برآمد ہونے پر وہ خوشی سے پھولے نہیں سماتے تھے۔ گھاٹ پر کھڑے وہ اکڑ رہے تھے اور کہہ رہے تھے:

''شام والو! اگر علیؑ کے ہمراہیوں کو مرتے مرتے بھی اس دریا کا پانی نصیب ہو جائے تو خدا نہ مجھے سیراب کرے نہ ابوسفیان کو''۔

غرور و تکبّر کا دور دورہ تھا، دریا پر قبضہ جو ہو گیا تو معاویہ کے مزاج ہی نہیں ملتے تھے۔ دماغ آسمان پر تھا قدم زمین پر نہیں ٹکتے تھے اُنھوں نے یہ بھی نہیں سوچا کہ نہ تو ابھی مفاہمت کا دروازہ بند ہوا ہے۔ لڑائی کی نوبت آئی ہے تمرد و سرکشی کے جوش میں یہ تک نہیں دیکھا کہ امیر المومنینؑ کی طرف سے کسی عداوت کا اب تک مظاہرہ نہیں ہوا ہے۔ وہ اب تک اُنہیں ڈھیل دیتے آ رہے ہیں کہ شاید سمجھ سے کام لیں اور اپنی ضد چھوڑ دیں اور اسکے نتیجہ میں مسلمانوں کی دونوں جماعتوں کا اختلاف دور ہو جائے اور افق اسلام پر جو تباہی و بربادی کے بادل منڈلا رہے ہیں وہ چھٹ جائیں حتیٰ کہ وہ لوگ جو اُن کے حوالی و موالی تھے اُنھوں نے بھی معاویہ کی اس حرکت پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا۔ جہاں کچھ لوگوں نے اُن کو سراہا تھا وہاں کچھ لوگوں نے صریحی ظلم بھی قرار دیا۔ جس وقت معاویہ خوشی میں جامہ سے باہر اور اکڑتے ہوئے کہہ رہے تھے:

''خدا کی قسم یہ پہلی کامیابی ہے۔''

اسی وقت اُنھیں کے آدمیوں میں سے ایک آدمی نے سامنے آ کر کہا:

''خدا کی قسم یہ پہلا جور ہے''۔

معاویہ کو اس منھ توڑ جواب سے بڑی حیرت ہوئی لیکن یہ اعتراض کرنے والا ایک مرد زاہد تھا جو لاعلمی کے سبب ان

کے ساتھ ہو گیا تھا۔ کسی دنیوی غرض سے نہیں، نہ کسی عہدہ و منصب کی لالچ میں، نہ مال و زر کی تمنا میں۔ اُس شخص نے بات جاری رکھتے ہوے کہا:

''سبحان اللہ! اے معاویہ اس وقت فرات پر تم قابض ہو کر یہ چاہتے ہو کہ علیؑ کے لشکر پر پانی بند کر دو۔ کیا تمھیں معلوم نہیں کہ اس لشکر میں غلام بھی ہیں، کنیزیں بھی، مزدور بھی اور ضعیف بھی اور ہزاروں بے گناہ بھی؟ خدا کی قسم اگر علیؑ کے قبضہ میں یہ دریا رہتا تو وہ تم پر کبھی پانی بند نہ کرتے''۔

اس منھ توڑ جواب سے معاویہ مبہوت ہو کر رہ گئے۔ پہلے تو کچھ جواب نہ بن پڑا مگر جب دہشت کچھ کم ہوئی تو جھڑکتے ہوئے کہا:

''تم خاموش ہی رہو میرے نزدیک تم کوئی رائے والے نہیں۔''

مگر اس شخص نے ملامت کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے کہا:

''خدا کی قسم! یہ پہلا جور ہے، تم نے اپنی اس حرکت سے بزدلوں کو بھی بہادر بنا دیا، مشکوک طبیعتوں کو یقین و بصیرت دیدی اور جو تم سے لڑنا نہیں بھی چاہتا تھا اُسے بھی اپنے سر پر مسلّط کر لیا ہے''۔

مرد زاہد نے سچ ہی کہا تھا۔ شک و شبہہ میں مبتلا ہو کر وہ معاویہ کے ساتھ ہوا تھا اور اب معاویہ ہی کی طرز عمل نے حق کے چہرے سے نقاب ہٹا دی اور اُسے معاویہ کا ساتھ چھوڑ کر امیر المومنینؑ کے لشکر میں آنے پر مجبور کر دیا۔

اس موقع پر بہت سے لوگ ایسے بھی تھے جو نہ ادھر تھے نہ ادھر۔ دونوں فریق کے جھگڑے کو غور سے دیکھ رہے اور اس امید میں تھے کہ شاید کوئی صورت صلح و مصالحت کی نکل آئے اور آپس کا یہ اختلاف دور ہو جائے۔ معاویہ کے اس ظلم و زیادتی نے اُن کی آنکھیں کھول دیں اور معاویہ کے خلاف امیر المومنینؑ کی صفوں میں جا کھڑے ہوئے۔ یہاں تک کہ خود عمرو عاص نے معاویہ کے اس فعل کو پسند نہیں کیا۔ اُنھوں نے سمجھاتے ہوئے کہا:

''گھاٹ کھلا رہنے دو ناممکن ہے کہ علیؑ پیاسے رہیں اور تم سیراب رہو۔ اُن کے ہاتھوں میں لشکر کی کمان ہے۔ اُن کی نگاہیں پانی کی طرف ہیں وہ یا تو پانی پر قبضہ کر کے رہیں گے یا پھر اپنی جان دے دیں گے''۔

معاویہ نے بپھر کر کہا:

''تم مجھے چین سے نہیں رہنے دو گے''۔

عمرو عاص نے تقریر جاری رکھتے ہوئے کہا

''تمھیں اچھی طرح معلوم ہے کہ علیؑ! بلا کے بہادر ہیں۔ اُن کے ساتھ عراق وحجاز کے باشندے ہیں۔ اُنھیں یہ کہتے تم بھی سُن چکے ہو کہ اگر چالیس جوانمرد بھی میرے قابو کے ہوتے۔۔۔۔۔۔''

معاویہ کو بھی یاد تھا اور عمرو عاص کو بھی اُن کے علاوہ اور بھی بہت سے لوگوں کو جو اس موقع پر موجود تھے۔ عمرو عاص نے اس واقعہ کی یاد تازہ کر دی تھی جس پر ماضی کی تہیں جم چکی تھیں۔ کل کا واقعہ آنکھوں کے سامنے پھر گیا جبکہ علیؑ کی آنکھوں میں غیظ وغضب کی بجلیاں کوندرہی تھیں اور حزن واندوہ بھی نمایاں تھا۔ غم وغصہ دونوں آپ کے حکم وصبر کو کھائے جارہے تھے اور آپ کی قوت برداشت جواب دیتی جارہی تھی۔ آپ کی مثال اس شیر جیسی تھی جس کا بیشہ چھن جائے اور لومڑی اُس کی جگہ لے لے۔ لوگوں نے آپ کے حق کو ماننے سے انکار کر دیا تھا۔ آپ کی جو عزت ہونا چاہیے تھی اس سے منکر تھے۔ آپ گھر میں گوشہ نشین تھے اور لوگوں کا مجمع آپ کے گھر کو تہ وبالا کرنے اور آگ لگا کر پھونک دینے پر تیار تھا۔ جس وقت پیغمبرؐ کی پارہ ءجگر پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑے جارہے تھے اور آپ کے گھر پر لوگوں کی چڑھائی تھی، پیغمبرؐ کی یاد ابھی۔ ذہنوں سے دور نہ ہوئی تھی آپ کی قبر ابھی تک مسلمانوں کے آنسوؤں سے تر اور آپ کا جسم ابھی تک تازہ تھا، جس کے سپرد لحد کرنے میں بھی یہ لوگ شریک نہ ہوئے تھے۔ پیغمبرؐ کی آنکھ بند ہوتے ہی اُن پر ہوا وہوس کا غلبہ ہوا اور یہ لوگ آگ لکڑی اور نیزہ وشمشیر لے کر آپ کی بیٹی کے گھر پر چڑھ دوڑے۔''

یہ سب کچھ اس وجہ سے ہوا کہ یہ لوگ علیؑ سے جلتے تھے اور اُن کی قدر ومنزلت پر اُن سے حسد کرتے تھے۔ ساتھ ہی اُنھیں یہ بھی ڈر تھا کہ علیؑ کی گوشہ نشینی ابو بکر کی اس خلافت کو فاسد کر دیگی جو اُن لوگوں نے اہلبیتؑ کی عدم موجودگی میں ابو بکر کے حوالہ کر دی تھی، انھیں تمام باتوں نے ان لوگوں کو ان انتہائی اقدامات پر آمادہ کیا۔ علیؑ سے ان کے ابن عم محمد مصطفیٰؐ کی میراث چھین لی گئی اور حکومت سے اُنھیں محروم کر دیا گیا تاکہ بنی ہاشم کے گھر میں رسالت اور خلافت دونوں اکٹھا نہ ہو جائیں۔ انھیں گوارا نہ ہوا کہ ان کی سرداری کا سلسلہ آئندہ بھی جاری رہے اور ایک سردار کے مرنے پر دوسرا سردار اسی گھرانے سے مقرر ہو جائے اور بس یہی بنی ہاشم ہی ہمیشہ حکومت کرتے رہیں۔

اس بھڑکتی ہوئی آگ کی روشنی میں جو سیّدہ کے دروازے پر اکٹھا کی گئی تھی حضرت عمر نمودار ہوئے جن کا چہرہ کینہ وعداوت سے متغیر تھا۔ داڑھی میں دھواں بھرا ہوا اور ہاتھ میں ننگی تلوار تھی۔ مجمع کو للکار رہے اور لکڑی اکٹھا کر رہے تھے تاکہ گھر پھونک دیا جائے۔ آج یہ پھر وہی عمر بن گئے تھے جو اسلام لانے سے کچھ دن پہلے تھے۔ جبکہ شرک نے اُنھیں بے بصیرت ہوا وہوس نے گمراہ بنا رکھا تھا اور تلوار کھینچے مکہ کی گلیوں میں پیغمبرؐ کو ڈھونڈتے پھرتے اور چیختے جاتے:

''میں اپنی اس تلوار سے محمدؐ کو قتل کر کے رہوں گا، اس صابی کو جس نے قریش میں پھوٹ ڈال دی ہے۔ اُن کے دین کو عیب لگایا ہے اور اُنھیں احمق بنا دیا ہے۔ قریش کی بزم پراگندہ ہوگئی اور شان وشوکت مٹی میں مل گئی۔''

آج بھی حضرت عمر کی بعینہ وہی کیفیت تھی۔ اسی طرح بپھرے ہوئے اپنے ساتھیوں کو للکار رہے تھے۔

''قسم ہے اُس ذات کی جسکے قبضہ میں میری جان ہے گھر میں جو چھپا بیٹھا ہے وہ یا تو باہر آجائے ورنہ گھر کو گھر والوں سمیت پھونک دوں گا۔''

کچھ لوگوں نے کہا:۔

''اس گھر میں تو فاطمہ بھی ہیں''۔

حضرت عمر نے چیخ کر کہا:

''ہیں تو ہوا کریں''

دروازے کے پیچھے سے پیغمبرؐ کی بیٹی چیختی چلّاتی اور پیغمبرؐ کی دہائی ہی دیتی رہی کہ

''میں رسولؐ کی بیٹی ہوں یہ میرا گھر ہے۔ یہاں رسولؐ کے نواسے رہتے ہیں۔''

مگر حضرت عمر کو جو کرنا تھا کر گزرے باپ پر جو غصّہ پہلے نہ اُتر سکا تھا وہ آج بیٹی پر اُترا جب۔ یہ لوگ سیدہؑ کے دروازے سے پلٹے تو حضرت علیؑ کا یہ عالم تھا کہ آپ کی حسرت بھری نظریں ادھر اُدھر پڑتیں، قوت برداشت جواب دے رہی تھی، بار بار ہاتھ قبضہ شمشیر پر جاتا اور غم وغصّہ کا ہیجان مجبور کرتا کہ اس زیادتی کا مزا انھیں چکھا کے رہیں، یہ لوگ حق غصب کر لیں ،میراث لوٹ لیں، پھر یوں جان لینے اور گھر پھونکنے پر آمادہ ہو جائیں۔ آپ نے پیغمبرؐ کی قبرِ مبارک کی طرف رُخ کر کے فریاد کی:

یاابن امّ ان القوم استضعفونی وکادوان یقتلوننی۔

میری ماں کے بیٹے قوم والوں نے مجھے ضعیف سمجھ لیا اور قریب تھا کہ وہ لوگ مجھے قتل کر ڈالیں۔

اور حسرت واندوہ سے مجبور ہوکر آپ نے ایک مرتبہ قبضہ شمشیر پر ہاتھ ڈالا پھر کچھ خیال کر کے ہاتھ ڈھیلے پڑ گئے۔ پیغمبرؐ کی وصیت یاد آ گئی۔

یہ جو کچھ ہوا تھا سوچے سمجھے منصوبے کے تحت میں ہوا۔ پہلے سے ہی منظم سازش تھی جو روز بروز جڑ پکڑتی گئی تھی۔ جزیرہء عرب کے قبائل کے چھوٹے بڑے قبائل کا ستارہ بلندی پر تھا۔ اُن کی گردنیں ناز وافتخار سے اکڑی ہوئی تھیں۔ آج اُنھوں نے بنی ہاشم سے پورا بدلہ لے لیا تھا، جنھیں مدّت دراز سے تمام قبائل پر افضلیت وبرتری حاصل تھی۔ آج قریش والے

معزز تھے۔ بنی تیم کا دماغ آسمان پر تھا کہ خلافت اُنکے قبضہ میں تھی۔ بنی عدی کو اکڑ تھی، اتراتے پھرتے کہ حضرت عمرؓ نئی حکومت کے مشیر اعلیٰ اور وزیر اعظم ہیں۔ بنی زھرہ اور انھیں جیسے دیگر قبائل کے دل باغ باغ تھے کہ آج اُنھوں نے اس گھرانے سے پوری پوری کسر لے لی جو اپنی عزت و بزرگی، افضل و شرف اور فضائل و کمالات کی وجہ سے ہر ایک سے ممیز و ممتاز تھا اور جسکی برابری کو لوگ تر سا کرتے تھے۔

ارادہ تو اُن کا پہلے سے ہی تھا، علیؑ کی دشمنی نے اُن کی ہمّت بھی بڑھائی، سبھوں نے مل کر اُن سے رسول اللہؐ کی حکومت چھین لی، وہ بھی ایسے وقت جب کہ علیؑ کو اُن کی سازشوں کی خبر نہ تھی، رسولؐ کے دفن و کفن میں مشغول تھے، پیغمبرؐ دنیا سے اُٹھ چکے تھے، دنیا آپ کے ڈر سے خالی ہو چکی تھی، جسد مطہر آغوش لحد میں پنہاں تھا، اُسی کے ساتھ وہ مودّت و محبّت بھی غائب ہو گئی تھی جو یہ لوگ فریضہ اور ذریعہ تقرب الٰہی سمجھ کر آپ کے اہلبیتؑ کے ساتھ رکھتے تھے۔ جب یہ لوگ سیّدہ کے دروازے سے واپس ہٹ گئے اور صحن مکان ان کی عداوت کے مظاہروں سے کچھ دیر کے لیے خالی ہو گیا تو علیؑ نے اِدھر اُدھر نظر دوڑائی۔ مدد دینے والوں کے امکان پر غور کیا اور انتہائی حسرت و اندوہ بھرے لہجے میں کہا:

"استمکنت من اربعین رجلاً.........

کاش مجھے ۴۰ جوانمرد بھی مل جاتے.......

یہ جملہ عمرو عاص کو بھی یاد تھا اور معاویہ کو بھی، معاویہ کے بھولنے کی تو کوئی وجہ بھی نہ تھی، اُنھیں کا باپ ابوسفیان اس دن علیؑ کی حمایت و نصرت پر کمر بستہ تھا کہ اگر تم کہو تو میں مدینہ کی گلی کوچوں کو سواروں اور پیادوں سے بھر دوں مگر ان باتوں کے باوجود آج بیٹا باپ کے راستے پر چلنے کے لیے تیار نہیں تھا۔ حکومت کے خواب اُنھیں اکساتے تھے کہ جتنا ہو سکے جھگڑا بڑھاتے جاؤ

(۳)

معاویہ نے عمرو عاص کی پرواہ نہ کی نہ کسی دوسرے کی۔ اُنھوں نے گھاٹ پر فوج متعین کر دی تا کہ امیرالمومنینؑ کا لشکر پانی نہ لے جانے پائے۔ لڑائی اُسی وقت چھڑ گئی ہوتی۔ چنانچہ امیرالمومنینؑ کے سپاہیوں میں سے کچھ لوگ معاویہ کے لشکر کی طرف جو گھاٹ پر متعین تھا لپکے بھی مگر امیرالمومنینؑ نے لڑائی سے ممانعت کر دی کہ جب تک دشمن پر اتمام حجّت نہ کر لی جائے لڑائی مناسب نہیں۔

معاویہ نے امیرالمومنینؑ کے اس محیّر العقول طرز عمل اور حیرت انگیز امن پسندی کی قدر نہ کی۔ اُنھوں نے عداوت برتنے کے جو طریقے سوچ رکھے تھے اُنھیں پر جمے رہے۔ اُن کے اِرد گرد عزیز و اقارب کا مجمع تھا جنھیں علیؑ سے ہمیشہ کی

عداوت تھی۔ معاویہ اُس وقت آپے سے باہر تھے۔ رعب وداب، فتح وظفر، کامرانی وفتحیابی اُن کے حصّہ میں تھی۔ تشنگی وگرسنگی علیؑ کے لشکر والوں کا حصہ تھی۔ جس وقت چوبدار نے آکر معاویہ سے کہا کہ علیؑ کے پاس سے آدمی آیا ہے تو اُن کی اکڑ دیکھے جانے کے لائق تھی۔ امیر المومنینؑ کے فرستادہ صعصعہ بن صوحان نے آتے ہی کہا:

''معاویہ! امیر المومنینؑ تم سے کہتے ہیں۔۔۔۔۔۔

معاویہ نے بے رخی سے پوچھا:

تم قاصد ہو؟

''ہاں۔۔۔۔۔۔۔ ہم یہاں آئے تو مگر تم سے لڑنے کا ارادہ نہ تھا، جب تک تم پر اتمام حجت نہ کر لیتے مگر قبل اسکے کہ ہم تم سے لڑتے تم نے ہمارے ساتھ چھیڑ خوانی کی۔ تمھارے سواروں نے تم سے پہلے پہونچ کر ہمارے لشکر سے جنگ چھیڑی، ہم کو تمھارے ساتھ لڑنے سے پہلے بھی گریز تھا اور اب بھی تا وقتیکہ تم کو دعوت حق نہ دے لیں اور اتمام حجت نہ کر لیں تم پر دست اندازی نہ کریں گے۔ تمھاری طرف سے دوسرا طُرّہ یہ ہوا کہ ہم لوگوں پر پانی روک دیا اور پہرہ قائم کر دیا۔ اپنے ہمراہیوں سے کہلا بھیجو کہ وہ پانی کی روک نہ کریں تا کہ بآسانی ہمارے اور تمھارے امور متنازعہ کا فیصلہ ہو جائے۔۔۔۔۔''

معاویہ نے تمسخر بھری نگاہ قاصد پر ڈالی۔ پھر اپنے حوالی وموالی کی طرف مڑے۔ معاویہ کے چہرے پر اس وقت مسرّت کی کرن پھوٹ رہی تھی۔ صعصعہ نے سکون واطمینان سے اپنی تقریر پوری کرتے ہوئے کہا: ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ اور اگر تم کو یہ منظور ہو کہ ان سب باتوں کو چھوڑ کر پہلے پانی ہی کے لیے لڑیں جو غالب ہو اُس کو پانی ملے اور جو مغلوب ہو پیاس سے مرے تو ہم اس پر بھی راضی ہیں۔''

صعصعہ اپنی تقریر ختم کرنے کے بعد کچھ دیر خاموش رہے۔ اردگرد جتنے لوگ بیٹھے تھے سب کا جائزہ لیا۔ پھر ان کی نگاہ معاویہ پر آکر ٹکی جن کے چہرے پر غور وفکر کی شکنیں پڑی ہوئی تھیں۔ صعصعہ نے پوچھا:

''علی کو کیا جواب دیتے ہو''؟

معاویہ اپنے اعوان وانصار کی طرف مڑے:

''تم لوگوں کی کیا رائے ہے؟''

ولید بن عقبہ نے گرج کر کہا

''پانی اُن سے روک دیجیئے جس طرح ان لوگوں نے عثمان سے ۴۰ دن تک پانی روکے رکھا۔ ان لوگوں نے اُنھیں پانی

کی خنکی اور غذا کی نرمی سے محروم رکھا، اُنھیں پیاسا ہی مار ڈالیے۔''

عمرو عاص نے پھر نصیحت کرتے ہوئے کہا:

''بلکہ پانی سے پہرہ ہٹا لیا جائے۔ ایسا کبھی نہیں ہوسکتا تم پانی پیو اور یہ لوگ پیاسے رہیں۔ ہم کو چاہیے کہ اصل جھگڑے پر اس وقت غور کریں۔''

یزید ابن اسد قسری نے بپھر کر کہا

''خدا کی قسم ہرگز نہیں۔ ہم انھیں اسی طرح پیاسا مار ڈالیں گے جس طرح ان لوگوں نے امیر المومنینؑ (عثمان) کو پیاسا مار ڈالا۔''

ولید نے دوبارہ چیخ کر کہا:

''انھیں پیاسا ہی مار ڈالیے خدا انھیں پیاسا مارے۔''

عبداللہ بن ابی سرح نے کھڑے ہو کہا:

''آج رات تک ان سے پانی روکے رہیے، جب پانی انھیں دستیاب نہ ہوگا تو یہ لوگ واپس ہو جائیں گے اور انکی واپسی ہی اُن کی شکست ہوگی۔ انھیں پانی سے محروم رکھئے، خدا انھیں بروز قیامت پانی سے محروم رکھے۔

اس مرحلہ پر پہونچ کر صعصعہ کی قوت برداشت جواب دے گئی اُنھوں نے نڈر ہو کر کہا:

''قیامت کے دن خداوند عالم کافروں، بدکاروں اور تمھارے جیسے شراب خواروں اور فاسقوں ہی کو پانی سے محروم رکھے گا'

یہ کہہ کے صعصعہ اُٹھ کھڑے ہوئے اور معاویہ سے پوچھا:

''ہاں تم علی کو کیا جواب دیتے ہو؟''

معاویہ نے کہا:

''ہم بعد کو کہلا بھیجیں گے۔''

اور بجائے کہلا بھیجنے کے معاویہ نے حکم نافذ کر دیا کہ خبردار پانی نہ لینے پائیں۔ (کتاب الصفین نصر بن مزاحم الامام علی ابن ابی طالب جلد سوم، سیرۃ علویہ، تاریخ اسلام ماسٹر ذاکر حسین صاحب مرحوم وغیرہ)

گھاٹ پر پہرہ بیٹھ گیا۔ شامیوں کے پرے کے پرے جم گئے۔ جن کے ہاتھوں میں ننگی تلواریں تھیں اور کاندھوں پر کمانیں۔ معلوم ہوتا تھا جیسے اسلحوں کی دیوار کھینچ گئی ہے۔ دوسری طرف امیر المومنینؑ کا لشکر تھا۔ جہاں حسرت و اندوہ رنج و ملال کا دور دورہ تھا، جانور پیاس سے ہانپ رہے تھے اور آدمیوں پر بھی تشنگی کا غلبہ تھا امیر المومنینؑ کے قدم جس طرف اُٹھتے

ادھر سے ٹھنڈی آہیں اور ندامت بھری کراہیں سننے میں آتیں کہیں زجیج والے تھے کہیں کندہ والے، کسی طرف قبیلۂ انصار کے لوگ تھے کسی طرف ازدبجیلہ کے لوگ، سبھی محزون ومغموم تھے۔ مارے غم کے دل بپ رے لغ، آنکھیں آبگوں اور زبانوں پر لُکنت تھی۔ سوچتے تھے کہ پانی سے محروم رہ کر جینے کا فائدہ ہی کیا، اس سے بہتر تو یہی ہے کہ گھاٹ پر لڑتے ہوئے مر جائیں، اگر اُن پر تشنگی کا غلبہ تھا تو اُن کے نیزے بھی پیاسے تھے اور بدن میں خون کھول رہا تھا کہ کیسے موقع ملے اور دشمن پر چڑھ دوڑیں۔ رات کے سنّاٹے میں آواز گونجی اور ایک شخص نے دردناک لہجہ میں یہ شعر پڑھا:

نما بالنّاس امس اسد العرین   وما بالنا الیوم شاہ النجف

ہائے ہمیں کیا ہوا کہ کل ہم شیر بیشۂ شجاعت تھے اور آج ہم بھیڑ اور بکریوں سے بدتر ہیں

امیر المومنینؑ نے مالک اشتر سے کہا:

''دیکھو تم نے اور اشعث نے میری بات جو نہیں مانی اسی کا یہ نتیجہ ہے۔''

مالک اشتر پر ندامت طاری تھی۔ شرم سے سر اٹھانے کی ہمّت نہیں ہوتی تھی۔ قصور اُن کا کوئی نہ تھا۔ اُنھوں نے کبھی بھی امیر المومنینؑ کی اطاعت میں کوتاہی نہیں کی۔ وہ سر ہتھیلی پر لیے ہر حکم کی بجا آوری کے لیے تیار رہتے تھے مگر حالات کچھ ایسے رونما ہو گئے تھے کہ بادل ناخواستہ وہ ایسا کام کرنے پر مجبور ہو گئے تھے۔ جنگی اعتبار سے اُنھیں بڑی شاندار کامیابی ہوئی تھی۔ ابوالاعور سلمی کے دستہ کو شکست دیکر اور قنسرین بھگا کر اُنھوں نے امیر المومنینؑ کے اصل لشکر کے لیے میدان صاف کر دیا تھا لیکن اپنی کامیابی سے خاطر خواہ فائدہ اُٹھانے کا انھیں موقع نہیں ملا۔ قنسرین سے ابوالاعور کو بھگانے کے بعد رات ہی بسر کی تھی کہ صبح کو معاویہ اپنے بے شمار افواج کے ساتھ آپہنچے۔ اس مرحلہ پر انھیں احتیاط ضروری ہو گئی۔ اُنھوں نے اپنے لشکر کی قوت کا اندازہ لگایا۔ معاویہ آکر پانی سے دور چٹیل میدان میں مقیم ہوئے تھے اور اپنی پوزیشن کا احساس کر کے اُنھوں نے خندق کی کھدائی اور فرات کا رُخ موڑ دینے کا فریب کھیلا تھا۔ اگر اشتر وہیں مقیم رہتے اس عالم میں کہ اُنکے ہمراہیوں کی ہمت چھوٹ چکی تھی اور وہمی خوف و ہراس نے ہوش وحواس خاک کر رکھے تھے اور آپس میں پھوٹ پڑ چکی تھی تو اس وقت وہ چکی کے دو پاٹ میں گھر کر رہ جاتے۔ ادھر سے ابوالاعور پلٹ پڑا تھا ادھر معاویہ نے لشکر جرار سمیت آکر بیچ میں پڑاؤ ڈال دیا تھا اور مالک اشتر امیر المومنینؑ سے کٹ کر رہ گئے تھے۔ اسی خطرناک پوزیشن نے مالک اشتر کو مجبور کیا کہ وہ پیچھے ہٹ آئیں اور گھاٹ چھوڑ دیں۔

پھر بھی یہ کہنا کہ یہی آخری صورت بچاؤ کی تھی اور گھاٹ چھوڑنے کے علاوہ کوئی چارہ کار ہی نہ تھا ذرا مشکل ہے۔ ظاہری حالات کے بنا پر اگر ہٹنا ضروری تھا تو جنگی پالیسی کے بنا پر حد درجہ خطرناک بھی، اشتر نے جو جگہ چھوڑی تھی وہ اُن کے لشکر کے لیے دیوار کا کام دیتی تھی، پیچھے سے حملہ کا امکان نہ تھا پھر دریا اپنے قبضہ میں رہتا جس سے فوج بھی سیراب ہوتی اور جانور

بھی ۔وہی گھاٹ رسداور کمک آنے کا راستہ تھا۔پھر ضرورت پسپائی کی ہوتی تو اسی جگہ سے پسپائی کی سہولت بھی تھی ۔سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اشتر کی اس وقت کیفیت چکی کے ایک پاٹ کی تھی ۔ایک طرف امیر المومنینؑ صفین میں مقیم، دوسری طرف مالک اشتر کی فوجیں تھیں، بیچ میں معاویہ تھے دونوں ملکر معاویہ کو پیس کر رکھ دیتے۔

کوئی شبہہ نہیں کہ یہ ایسی صورت حال تھی کہ اگر اس سے فائدہ اٹھایا جاتا تو یقینی کامیابی تھی ۔ہم یہ نہیں کہتے کہ یہ منصوبہ پہلے ہی سے بنا ہوا تھا اور امیر المومنینؑ چلنے سے پہلے یہ سب منصوبے بنا چکے تھے ۔ یہ موقع صفین میں آپ کے پہونچنے کے بعد پیدا ہوا۔جب تک آپ کے لشکر نے گھاٹ نہیں چھوڑا تھا اسوقت تک آپ کے لشکر کی پشت فرات کی طرف تھی اور قنسرین سے لے کر رقہ تک کمان کی شکل میں یہ لشکر پھیلا ہوا تھا۔آخری سرا قنسرین میں تھا اور انکی حصہ صفین میں اور معاویہ کا لشکر اپنے ہراول دستہ سے کٹ کے اس کمان کے بیچو بیچ تین طرف سے اپنے دشمن سے گھرا ہوا۔امیر المومنینؑ کی فوجوں نے مشرق ،شمال اور جنوب تین طرف سے معاویہ کو گھیر لیا تھا اور تمام راستے اُن پر بند کر دئے تھے ۔دریا تک پہونچنے کی کوئی راہ ہی نہ تھی ۔معاویہ اگر بھاگنے کا ارادہ کرتے تو بس مغرب کی طرف بھاگ سکتے تھے ۔اس صورت میں صحرا سے گذرنا پڑتا، جنگل میں ان کے لشکر کی ہلاکت بھی تھی اور بربادی بھی۔

معاویہ کو بھی اندازہ ہوگیا تھا کہ ہم بہت بڑی جگہ آپھنسے ۔گھیرا بہت مضبوط اور ناقابل شکست تھا۔امیر المومنینؑ دائیں ،مالک اشتر بائیں اور فُرات کے کنارے پھیلا ہوا زیاد کا لشکر دیوار کی طرح پیچھے وہ لڑنے کا ارادہ کرتے یا بھاگنے کا دونوں میں اُنکی تباہی تھی ۔ یہ ایسا پھندا کس چکا تھا اُن کے چاروں طرف ،جس سے طاقت کے بل نکلنا ناممکن تھا۔ایسی صورت میں مکروحیلہ و تدبیر ہی سے جان بچانی ممکن تھی اور بالآخر اُنھوں نے یہی کیا۔

امیر المومنینؑ نے صفین پہونچتے ہی معاویہ کی نزاکت حالات کا اندازہ کیا۔اسی وجہ سے آپ نے مالک اشتر کے پاس پے درپے پیغامات بھیجے کہ اپنی جگہ سے خبردار ہٹنا نہیں ۔معاویہ کی کیفیت ایسی تھی جیسے صیاد کے جال میں لومڑی کی ہوتی ہے مگر افسوس کہ ہاتھ آیا موقع ہاتھ سے نکل گیا۔معاویہ کی چال چل گئی ۔لومڑی نے شکاری کو چت کر دیا مالک اشتر کی فوجیں گھاٹ چھوڑ کر ہٹ گئیں اور معاویہ کو یہ موقع مل گیا کہ وہ گھاٹ پر پوری طرح قابض ہو جائیں ۔اب آپ کے فوجوں کی یہ حالت ہوگئی کہ وہ ٹکڑیوں میں بٹ گئے ۔اُن میں باہم کوئی رشتہ اور رابطہ نہیں رہا، اگر امیر المومنینؑ عجلت سے کام نہ لیتے اور اُنھیں پھر صف بستہ نہ کرتے تو خدا ہی جانے کیا انجام ہوتا۔

اشعث نے امیر المومنینؑ کی خدمت میں عرض کی:

''امیر المومنینؑ ! کیا یہ لوگ ہمیں فرات کے پانی سے روک سکیں گے ؟ حالانکہ آپ ہمارے درمیان ہیں اور تلواریں

ہمارے ہاتھوں میں ہیں، ہمیں اُن سے نپٹ لینے دیجئے۔ خدا کی قسم ہم اُس وقت تک پلٹیں گے نہیں جب تک گھاٹ واپس نہ لے لیں یا پھر اپنی جانیں دیدینگے۔''

اب اشعث کی آنکھیں کھلیں کہ ہم سے کتنی بڑی چوک ہوئی تھی اور امیر المومنینؑ کی بات نہ ماننے کا کتنا بڑا خمیازہ بھگتنا پڑا۔ اب ہم بالکل ہی معاویہ کے رحم و کرم پر ہیں جو سلوک چاہیں ہم سے کریں۔ اُس نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا:

''حضور کل جو فروگذاشت ہوئی تھی آج اسکی تلافی ہو جائے گی۔''

اسکے بعد اشعث نے لوگوں میں جنگ کی منادی کرنا شروع کی۔

''جسے بھی پانی کی خواہش یا موت کی تمنا ہو وہ صبح تک تیار ہو جائے میں گھاٹ پر دھاوا بولوں گا۔''

اپنے قوم و قبیلہ والوں کی ہمّت بڑھاتے ہوئے کہا(۱)

---

(۱) یہ اشعث دل سے امیر المومنینؑ کا خیر خواہ و طرفدار نہ تھا، اگر چہ مرتے دم تک یہ آپ کی جماعت ہی میں شامل رہا۔ آپ کے ساتھ لڑائیوں میں شامل ہو کر داد شجاعت و مردانگی بھی دی۔ ہر ہر موقع پر سایہ کی طرح ساتھ بھی رہا۔ خلوص عقیدت کی وجہ سے نہیں بلکہ ظاہر داری و دنیاداری کی بنا پر۔ خود پسندی و خود نمائی کے نام امام و نمود کی خواہش، افسری و سرداری کی تمنا نے اسے مجبور کر دیا کہ دونوں فریق میں سے کسی نہ کسی ایک فریق کا ساتھ دے، اس نے علیؑ و معاویہ دونوں کو ناپ تول کے دیکھا سوچا کہ ایک کنارہ یہ ہے دوسرا کنارہ وہ۔ اس نے بہتر کنارہ اختیار کیا۔ علیؑ پیغمبرؐ کے داماد تھے۔ ان کا پلہ بھاری نظر آیا۔ اس لیے انھیں کے ساتھ ہو گیا۔ یہ بات نہ ہوتی تو وہ معاویہ کے کیمپ میں ہوتا۔ امیر المومنینؑ شروع ہی سے اس پر بھروسہ نہیں کرتے تھے، جب آپ کی بیعت ہوئی اور آپ تخت نشین خلافت ہوئے تو یہ ان دنوں حضرت عثمان کی طرف سے آزر بائیجان کا گورنر تھا۔ بیعت کے لیے جہاں دیگر عالموں کو خط گئے وہاں اسے بھی حضرت نے خط بھیجا۔ اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا:

''علیؑ کے خط نے مجھے بڑی وحشت میں ڈال دیا ہے ہمارے پاس آزر بائیجان کا جتنا مال و اسباب ہے وہ سب ہم سے چھین لیں گے میں تو معاویہ کے پاس جا رہا ہوں۔''

اس کے ساتھیوں نے اسے غیرت دلائی۔ ''اس سے تو مر جانا تمھارا بہتر ہے۔ تم اپنا شہر اور اپنی قوم کے لوگوں کو چھوڑ دو گے اور شام والوں کے دم پتھلا بن جاؤ گے۔''

اشعث کو شرمندگی محسوس ہوئی، مناسب نہ معلوم ہوا کہ سردار ہو کر اپنے قوم و قبیلہ کے ساتھ خیانت کرے اور غدّاری کا وہی پرانا قصہ دہرائے جسے وقت بھلاتا جا رہا تھا۔ اشعث اس وقت بوڑھا اور مرنے کے قریب تھا۔ جوانی میں اس سے جو بہت بری لغزش ہو چکی تھی جسکی وجہ سے کسی کو منھ دکھانے کے قابل نہیں رہا تھا، لوگ فراموش کرتے جا رہے تھے پھر بھی لوگوں کے حافظہ میں اسکی یاد اب بھی موجود تھی۔

''جب پیغمبرؐ اسلام نے دنیا سے رحلت فرمائی تو حضرموت کے علاقہ میں بغاوت پھیل گئی جسے فرد کرنے کے لیے حضرت ابو بکر نے وہاں کے حاکم زیاد ابن لبید کو لکھا کہ وہ ان لوگوں سے بیعت لے اور ان سے زکوٰۃ و صدقات وصول کرے۔ چنانچہ جب زیاد بن لبید قبیلہ بنی عمر ابن معاویہ کے ہاں زکوٰۃ جمع کرنے کے لیے گیا تو شیطان بن حجر کی ایک اونٹنی جو بڑی خوبصورت اور مضبوط ڈیل ڈول کی تھی اُسے پسند آ گئی۔ اس نے بڑھ کر اس پر قبضہ کر لیا، شیطان اسے دینے پر رضامند نہ ہوا اور کہا کہ اسے رہنے دیجئے اور اسکے بدلہ میں کوئی اور اونٹنی لے لیجئے مگر زیاد نہ مانا۔ شیطان نے اپنے بھائی عدار بن حجر کو اپنی حمایت کے

لیے بلایا۔اس نے بھی آ کر کہا سنا مگر زیاد اپنی ضد پر اڑا رہا اور کسی صورت میں اونٹنی سے ہاتھ اُٹھانے کے لیے آمادہ نہ ہوا۔آخر ان دونوں بھائیوں نے مسروق ابن معدی کرب سے فریاد کی، چنانچہ مسروق نے بھی اپنا زور لگایا کہ کسی طرح زیاد اس اونٹنی کو چھوڑ دے مگر اس نے صاف صاف انکار کیا جس پر مسروق کو جوش آیا اور اس نے بڑھ کر اونٹنی کھول لی اور شیطان کے حوالہ کر دی۔زیاد اس پر بھڑک اُٹھا اور اپنے آدمیوں کو جمع کیا اور مرنے مارنے کے لیے تل گیا ادھر بنی امیہ بھی مقابلہ کے لیے اکٹھا ہوئے مگر زیاد کو شکست نہ دے سکے بلکہ بری طرح اس کے ہاتھوں پٹے، عورتیں چھنوائیں اور مال ومتاع لٹوایا۔آخر جو بچے کھچے رہ گئے تھے وہ اشعث کے دامن میں پناہ لینے پر مجبور ہوئے۔اشعث نے اس شرط پر کمک کا وعدہ کیا کہ اسے اس علاقہ کا حکمراں مان لیا جائے۔ان لوگوں نے اس شرط کو تسلیم کر لیا اور باقاعدہ اسکی رسم تاجپوشی بھی ادا کر دی۔جب یہ اپنا اقتدار منوا چکا تو ایک فوج ترتیب دے کر زیاد سے لڑنے کے لیے نکل کھڑا ہوا۔ادھر حضرت ابوبکر نے مہاجرین اسیر والی یمن کو لکھ رکھا تھا کہ وہ ایک دستہ لے کر زیاد کی امداد کے لیے پہونچ جائے۔چنانچہ مہاجر فوجی دستہ لیے آرہا تھا اس کا سامنا ہو گیا اور دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھ کر تلوار سونت لیں اور مقام زرقان میں معرکہ کا بازار گرم کر دیا مگر نتیجہ میں اشعث میدان چھوڑ کر بھاگ کھڑا ہوا اور باقی لوگوں کے ساتھ قلعہ نجیر میں قلعہ بند ہو گیا، دشمن ایسے نہ تھے جو پیچھا چھوڑ دیتے انھوں نے قلعہ کے گرد محاصرہ ڈال دیا۔اشعث نے سوچا کہ وہ اس بے سروسامانی کے عالم میں کب تک قلعہ میں محصور رہ سکتا ہے، رہائی کی کوئی تدبیر کرنا چاہیے چنانچہ وہ چپکے سے ایک رات قلعہ سے باہر نکلا اور زیاد مہاجر سے جا کر ملا اور ان سے یہ ساز باز کی کہ اگر اسے اور اس کے گھر کے نو آدمیوں کو امان دی جائے تو قلعہ کا دروازہ کھلوائے گا۔انھوں نے اس شرط کو مان لیا اور اس سے کہا کہ ان کے نام ہمیں لکھ کر دیدو۔اس نے نام لکھ کر ان کے حوالہ کر دیئے اور اپنی روایتی دانشمندی کا ثبوت دیتے ہوئے اپنا نام اس فہرست میں لکھنا بھول گیا۔ادھر یہ طے کرنے کے بعد اپنی قوم سے جا کر یہ کہا کہ میں تمھارے لیے امان حاصل کر چکا ہوں اب قلعہ کا دروازہ کھول دیا جائے۔جب دروازہ کھولا گیا تو زیاد کی فوج ان پر ٹوٹ پڑی ان لوگوں نے کہا کہ ہم سے تو امان کا وعدہ کیا گیا تھا۔زیاد کی سپاہ نے کہا غلط، اشعث نے صرف اپنے گھر کے دس آدمیوں کے لیے امان چاہی تھی ،جن کے نام ہمارے پاس محفوظ ہیں۔غرضکہ آٹھ سو آدمیوں کو تہ تیغ کر دیا گیا اور کئی عورتوں کے ہاتھ قلم کیے گئے اور حسب معاہدہ نو آدمیوں کو چھوڑ دیا گیا مگر اشعث کا معاملہ پیچیدہ ہو گیا اور آخر طے پایا کہ اسے حضرت ابوبکر کے پاس بھیج دیا جائے وہی اس کا فیصلہ کر دیں گے۔آخر ایک ہزار قیدی عورتوں کے ساتھ اسے بیڑیوں میں جکڑ کر مدینہ روانہ کر دیا گیا۔راستے میں اپنے بیگانے عورتیں مرد سب اس پر لعنت کرتے جاتے تھے اور عورتیں اسے غدار کہہ کر پکار رہی تھیں اور جو اپنی قوم پر تلوار چلوائے اس سے زیادہ غدّار ہو بھی کون سکتا ہے۔بہرصورت جب یہ مدینہ پہونچا تو حضرت ابوبکر نے اسے رہا کر دیا اور اسی موقع پر اُمّ فروہ خواہر ابی بکر سے اس کا عقد ہوا۔(ترجمہ نہج البلاغہ جلد سوم مفتی جعفر حسین مطبوعہ لاہور)

''اے کندہ والو آج مجھے فضیحت نہ کرنا میں کل صبح تمھیں لے کر شام والوں پر حملہ آور ہوں گا۔''

آخر امیرالمومنینؑ نے مجبور ہو کر اجازت دیدی کہ تم لوگ بزور شمشیر گھاٹ پر قبضہ کرلو۔

(۴)

مالک اشتر اپنے سیاہ گھوڑے پر سوار اپنے رسالہ کو لیے گھاٹ کی طرف بڑھے اور اپنے سپاہیوں کو پکار کر بولے:

''میں تم پر قربان آگے بڑھ کر حملہ کرو اگر نیزے تم پر آئیں تو اُن سے نپٹ پڑو، اگر تلواریں آئیں تو اپنے دانت مضبوطی سے جما لو۔''

اشعث نے اپنے سپاہیوں سے کہا:

''میرے ماں باپ تم پر نثار میرے نیزے کے سہارے بڑھتے چلو۔''

دونوں سرداران فوج آتش حرب میں پھاند پڑے، مرنے مارنے اور دشمن کو پیس ڈالنے کے علاوہ اب کسی چیز کا دلمیں خیال نہیں تھا۔صلح وسلامتی کی ہر کوشش بیکار ثابت ہوئی۔ ہر ایک کے لیے پانی کھلا رکھنے کی جتنی تدبیریں اُنھوں نے کیں معاویہ اور اُن کے ساتھیوں نے ناکام بنادیں اب مصالحت کی گنجائش تھی نہ صلح کا موقع تھا۔اور تماشا یہ کہ اس موقع پر معاویہ اور انکے ساتھی وہ نعرہ بھُول گئے جو اُن کا نشان لشکر تھا یعنی انتقام خون عثمان کا مطالبہ جو اُن کی دلیل و حُجت تھی اور جس کے لیے وہ یہاں آئے تھے۔کل تک تو وہ جاہ وجلال اور حکومت واقتدار کے لیے نت نئے رنگ سے اس مطالبہ کا اعلان کرتے تھے مگر اب نہیں۔کسی حیلہ بہانے کی حاجت معلوم نہیں ہورہی تھی۔دلی ارادے پورے ہوتے نظر آرہے تھے،اُن کے قبضہ میں قوت وطاقت تھی۔ بہت بڑا لشکر تھا۔موقع ومحل کے لحاظ سے بھی ان کا پلہ بھاری تھا۔گھاٹ پر قبضہ ہونے کی وجہ سے غنیم پسپائی کے قرائن تھے۔اس وقت حضرت عثمان اُن کے ذہنوں میں مر چکے تھے۔اُن کا انتقام بھی مردہ ہو چکا تھا۔نہ ان کا ذکر وتذکرہ تھا نہ اس کا دعویٰ۔کسی بھی دعویٰ کرنے والے نے اس وقت وہ پرانا دعویٰ نہیں کیا کہ ہم قصاص عثمان کے طالب ہیں یا یہ کہ علیؑ قاتلان عثمان کو امیر شام کے حوالہ کردیں یا یہ کہ خلافت کا معاملہ شوریٰ کے حوالہ کیا جائے۔ان تمام باتوں میں سے کوئی بات بھی اس وقت نہ ہوئی۔یہ تمام باتیں ایسی تھیں جن کی نہ اُنھیں خواہش تھی نہ ان باتوں کو چھیڑ کر وہ اپنی غرض کو پہونچ سکتے تھے۔

مالک اشتر نے عمرو عاص سے پکار کر کہا:

''فرزند عاص! ہم تو دین ومذہب کی خاطر لڑنے آئے تھے مگر آج پورے دن کی لڑائی محض ان کے نام پر ہوئی''۔

واقعہ بھی یہی تھا۔محض آن نباہنے کے لیے یہ جنگ ہوئی تھی۔گھاٹ معاویہ کے قبضہ میں تھا،امیر المومنینؑ کی فوجیں دریا سے دور تھیں۔اس سے بہتر موقع معاویہ کے لیے کیا ہوسکتا تھا؟ اُنھوں نے امیر المومنینؑ کی دقتوں کا اندازہ کیا اور انھیں دقتوں سے اسلحے کا کام لیا۔یہ ایک ایسا کاری وار تھا کہ بڑے سے بڑے کی ہمت چھوٹ جاتی۔وہ جس حکومت واقتدار کے خواب عرصہ سے دیکھ رہے تھے اس کی بہت خوش آئند تعبیر نظروں کے سامنے تھی۔

اشعث نے سپاہ شام کے قریب پہونچکر چلا کر کہا:

''میں اشعث بن قیس ہوں۔۔۔۔۔۔گھاٹ چھوڑ دو تم لوگ۔۔۔۔

ابوالاعور نے جواب دیا:

''خدا کی قسم ہرگز نہیں جب تک ہم اور تم تلوار کا مزہ نہ چکھ لیں۔''

ایسا ہی جواب عمرو عاص نے دیا:

''خدا کی قسم ہم اُس وقت تک گھاٹ نہ چھوڑیں گے، جب تک دو دو ہاتھ نہ ہو جائیں۔ خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ آج کے دن ہم زیادہ ثابت ہوں گے کہ تم''۔

اشعث نے مالک کو کہلا بھیجا کہ سواروں کو لے کر اُن کی صفوں میں گھس پڑو۔ اشتر اپنے سواروں کو لے یوں بڑھے جیسے غول بیابانی۔ جیسے چڑھتا ہوا دریا اُمنڈتا ہوا سیلاب۔ تنگی کے بعد اب اُنھیں کشادگی حاصل ہوئی تھی۔ موت کی ہوا میں نسیم آزادی کی خوشبو آ رہی تھی۔ اُن کے سپاہیوں نے کل اسی موت کے ڈر سے گھاٹ چھوڑا تھا اور آج اسی موت کے لیے گھاٹ کی طرف بڑھ رہے تھے۔ ایسی زندگی کا فائدہ ہی کیا جس میں سوا ذلّت وخواری کے حاصل کچھ نہیں اور ذلّت وخواری بھی کس کے آگے جو خود ذلیل تھا۔ طلیق بن طلیق آزاد کردہ غلام۔ ابو ہانی کہتے ہیں کہ اس روز اشتر نے بہت بہادری کی۔ شدت کی پیاس میں بھی برابر لڑتے جاتے تھے۔ جب ان کے سامنے پانی لایا گیا تو اُنھوں نے یہ کہہ کر واپس کر دیا:

''تاوقتیکہ اور مسلمان پانی نہ پی لیں میں نہیں پیوں گا''۔ (سیرۃ علویہ ص ۲۹۹)

مالک اشتر نے اس معرکہ میں اپنی جان لڑا دی۔ وہ اپنے گھوڑے پر سوار بار بار دشمنوں میں گُھس گُھس پڑے اور ان کی صفوں کو تہ و بالا کر کے پلٹے، قبضہ زندگی اُن کی سپر تھی، ایمان ویقین اُن کا قوت بازو تھا جو بھی سامنے آتا اس پر باز شکاری کی طرح ٹوٹ پڑتے، بہتوں کا اُن کے خوف ہی سے دم نکل گیا۔ تلوار ونیزہ سے پہلے اُن کی ہیبت ہی کام کر گئی، گھوڑا ان کا تباہی کا پیش خیمہ تھا جو اُس کے سامنے ٹھہرنے کی کوشش کرتا اُن پر ٹوٹ پڑتا، جو اس سے کترا کے نکلتے اُن کے پیچھے پڑ جاتا، ہلاکت اس کے سموں سے لپٹی اور موت اسکی رفتار پر رقصاں تھی۔

اشتر کی تلوار بجلی کی طرح کوندتی۔ کسی کا سر اُڑتا تو کسی کا دھڑ گرتا۔ اسپِ سیاہ اُنھیں تلواروں اور نیزوں پر اُڑا لیے پھرتا۔

شروع میں خاص خاص افراد مالک اشتر کی تلوار کا نشانہ ہوئے۔ مشہور اور نمودار بہادرانِ عرب جنگی شجاعت وہ بہادری کے شام میں ڈنکے پٹتے تھے۔ ابن فیروز نے انہیں للکارا کہ اے سیاہ گھوڑے کے سوار ادھر آ۔ مالک اشتر دوڑے، نیزہ کا ایک بھرپور ہاتھ مارا اُسکی پشت دو ٹکڑے ہو گئی، پھر دوسرے پہلوانوں کی شامت آئی، اُنھیں میں نامل نام کا ایک شخص تھا جو علمدار لشکر بھی تھا۔ مالک ابن اوہم تھا جو شام کا مشہور بہادر تھا۔ اجلح تھا جسے چوٹی کے پہلوانوں میں گنا جاتا تھا۔ سبھی اُن کی تلوار کا شکار ہوئے۔ موت کبھی مالک کی طرف لپکتی اور کبھی ان پہلوانوں کی طرف۔ کئی مرتبہ ایسا ہوا موت پہلوانوں کا رُخ چھوڑ کر مالک کا رُخ کرتی اور پھر اُنھیں چھوڑ کر پہلوانوں کے سر پر منڈلا جاتی۔

ابن اوہم مالک پر حملہ آور ہوا اور چھا گیا۔ اُن پر دیکھنے والوں نے سمجھا کہ مالک مارے گئے۔ مگر جب اُس نے

نیزہ چلایا تو یہ گھوڑے کی پیٹ سے پھسل کے شکم کی طرف آ رہے اور بال بال بچے۔ ابن اوہم کو سکتہ سا لگ گیا پلک جھپکنے کی بات تھی پھر گھوڑے کی پیٹھ پر جمے بیٹھے تھے۔ مذاق اُڑاتے ہوئے کہا:

تمھارا نیزہ دھوکا دے گیا تم کو۔ اس کے ساتھ ہی ایک ہاتھ جو مارا تو ابن اوہم کا قصّہ پاک تھا۔

ابن اوہم کے بعد زائل سامنے آیا۔ اصیل گھوڑے پر سوار اور پوری طرح چوکنا اور ہوشیار، تاک میں لگا ہوا کہ ذرا غافل ہوں اور کام تمام کر دے۔ پلک جھپکتے ہی اُس نے نیزہ کا وار کیا اور لوگوں نے دیکھا کہ مالک گھوڑے کے قدموں پر لوٹ رہے ہیں مگر مالک کی قبر وہاں بننے والی نہ تھی۔ زرہ نے نیزہ کے وار کو بیکار کر دیا اور دیکھتے ہی دیکھتے مالک کی تلوار کا پہلا وار گھوڑے پر پڑا جس سے اُس کے پاؤں کٹے دوسرا وار زائل پر اور وہ خاک وخون میں غلطاں تھا۔

اجلح کا بھی یہی حشر ہوا۔ کوئی امتیازی شان اُسے اپنے ساتھیوں کے مقابلہ میں حاصل نہ ہوئی سوا اسکے کہ ماتم کرنے والی ایک بہن اُسے نصیب تھی جس نے اُسکے ذکر کو قدرے زندگی بخش دی۔ بہن نے اپنے بھائی کا بڑا غم منایا ہر وقت روتی او رنوحہ وماتم کرتی، بھائی کا ایسا مرثیہ پڑھتی کہ سننے والوں کی روح تحلیل اور دل پارہ پارہ ہو جاتے۔ اسی غم میں اس کی جان بھی گئی

ایک دن امیر المومنینؑ نے اُسے اپنے بھائی کا مرثیہ پڑھتے ہوئے سنا:

الا فابکی اخا ثقة فقد واللہ ابکینا

میرے بھائی پر رو جو بھروسہ والا تھا خدا کی قسم اُس نے ہم لوگوں کو رلا دیا

اتانا الیوم مقتله فقد جزت نواصینا

اس کے قتل کی خبر ہمیں آج پہونچی اور اس نے ہم لوگوں کی پیشانیاں رگڑ دیں

کریم ماجد الجد من یشفی من اعادینا

وہ خود بھی شریف تھا اور اسکے باپ دادا بھی شریف تھے وہ ہمارے دشمنوں سے ہمارا جی ٹھنڈا کرتا تھا

امیر المومنینؑ تڑپ گئے اور اُسکی مصیبت پر آپ کا قلب مبارک بھی رنجیدہ ہو گیا جب اس نے یہ شعر پڑھا:

شفانا اللہ من اهل العراق فقد ابادونا

خداوند عالم عراق والوں کی طرف سے ہمارا دل ٹھنڈا کرے کہ اُنھوں نے ہمیں تباہ وبرباد کر دیا

امیر المومنینؑ اصحاب کی طرف مڑے اور فرمایا:

”یہ جو تم عورتوں کی نوحہ وزاری دیکھ رہے ہو یہ ان کے بس کی بات نہیں۔ ان شام والوں نے اپنی عورتوں پر انتہائی ظلم کیا انھیں بیوگی میں مبتلا کیا اور انھیں محزون ومصیبت زدہ بنا کے رکھدیا۔ یہ ساری باتیں جگر خوارہ کے بیٹے کی طرف سے ہو رہی ہیں

۔خداوند اس پر ان سب کے گناہ کا بار رکھ اور ان کے بوجھ کے علاوہ اور بھی بہت سے بوجھ ڈال۔"

اشتر اور اشعث نے تابڑ توڑ سخت سے سخت حملے کیے ایک حملے پر دوسرا حملہ۔ اپنے دشمن کے بڑے بڑے سورماؤں کو تہ تیغ کیا۔ اشتر اپنے سواروں کے ساتھ ایک ساتھ قیامت ڈھائے ہوئے تھے، اشعث اپنے پیادوں کے ساتھ دوسری طرف تباہی مچائے ہوئے تھا، دیکھتے ہی دیکھتے دشمن کی صفیں بکھرنے لگیں، مجمع کائی کی طرح پھٹنے لگا اور گھاٹ کا راستہ صاف تھا۔

سپاہیوں کے قدم اُکھڑنے کے بعد معاویہ کے قدموں کو ثبات کہاں سے حاصل ہوتا، اُنھوں نے فرار کی ٹھانی اور وہاں سے بھاگ کر تین فرسخ دور جا کر مقیم ہوئے اور وہاں سے بقیہ فوج کو کہلا بھیجا:

"لڑائی بند کر دو اور دریا اُن کے حوالے کر دو۔"

اب لڑائی کی ہمّت بھی کہاں سے ہوتی، جس نے اپنا نفس خدا کے ہاتھ بیچ رکھا تھا وہ فتحیاب ہوا اور جس نے اپنی آخرت کا حصہ دنیاوی خواہشوں کے بدلے بیچ دیا وہ گھاٹے میں رہا۔ حق سر بلند ہوا اس لیے کہ وہ ہمیشہ سے سر بلند ہے اور باطل برباد ہوا اس لیے کہ وہ ہمیشہ سے برباد ہے۔

جس وقت گھاٹ امیرالمومنینؑ کی فوجوں کے قبضہ میں آ گیا اور معاویہ اپنے لشکر سمیت دور بھاگ گئے تو عمرو عاص نے معاویہ سے کہا:

"معاویہ اب بتاؤ اگر یہ لوگ تم پر اسی طرح پانی آج بند کر دیں جس طرح ہم نے بند کر دیا تھا تو کیا اُن کی طرح پانی کے لیے تم بھی لڑ سکتے ہو۔"

معاویہ نے غم و غصہ کو ضبط کرتے ہوئے کہا:

"جو بات ہو چکی اب اُس کا تذکرہ ہی کیا"۔

معاویہ نے دریا پر نظر کی۔ فتحیاب لشکر کا جائزہ لیا۔ امیرالمومنینؑ کی پاکیزہ طبیعت پر نظر کی۔ چہرہ پر کچھ دیر کے لیے غور و فکر کی شکنیں ابھریں۔ پھر چہرے پر اطمینانی کیفیت پیدا ہو گئی۔ اُنھوں نے عمرو عاص سے پوچھا:۔

"فرزند عاص! تمھارا کیا خیال ہے علیؑ کے متعلق؟

عمرو عاص نے کہا:

"میرا گمان یہ ہے کہ جو حرکت تم نے مُباح سمجھی علیؑ کبھی مُباح نہیں سمجھیں گے وہ پانی کے لیے نہیں بلکہ اور غرض سے یہاں آئے ہیں۔"

(الامام علیؑ ابن ابی طالب جلد سوم۔ سیرۃ علویہ۔ تاریخ اسلام ماسٹر ذاکر حسین دہلوی وغیرہ)

❑❑

تیسرا باب

صُلح کی کوشش

فُرات پر قبضہ کو دو ہی دن ہوئے تھے کہ ذی الحجّہ کا مہینہ آ گیا۔ یہ دو دن امن و عافیت سے گذرے۔ کسی طرف سے چھیڑ چھاڑ نہیں ہوئی۔ امیر المومنینؑ نے اپنے ساتھیوں کو نہ شماتت کی اجازت دی نہ تشدد کی۔ نہ اسی کو پسند کیا کہ کوئی انتقامی کارروائی کی جائے اور جس طرح معاویہ نے آپ کی فوج پر پانی روک دیا تھا آپ کی طرف سے بھی بندش ہو۔ جس وقت مہم سر کر کے اشعث امیر المومنینؑ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی:

''امیر المومنینؑ اب تو آپ ہم سے راضی ہو گئے ہوں گے؟ خداوند عالم نے پانی پر آپ کو قابض کر دیا۔''

امیر المومنینؑ نے اپنے سپاہیوں سے خطاب کر کے فرمایا:

''بقدر ضرورت پانی لے لو اور اپنے اپنے کیمپ میں واپس جاؤ۔''

ساتھی بگڑے کہ ہم دشمنوں سے ویسا ہی سلوک کیوں نہ کریں جو اُنھوں نے ہمارے ساتھ کیا جس طرح اُنھوں نے ہمیں پانی سے روکا تھا ہم بھی اُنھیں روکیں گے۔ آپ نے فرمایا:

''لوگو! خداوند عالم نے تمھیں ان پر فتحیاب کیا اُنھوں نے اپنے ظلم اور بغاوت کی سزا پائی۔ ہمارا دین اور ہمارا اخلق اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ ہم اپنے دشمن سے ویسا ہی سلوک کریں جو اس نے ہم سے کیا تھا۔ ہم جاہلوں کا کام کبھی نہ کریں گے، ہم اُن کے سامنے کتاب الٰہی پیش کریں گے اور انھیں ہدایت کی طرف بلائیں گے، اگر انھوں نے ہماری دعوت کو قبول کر لیا تو خیر، ورنہ پھر ہمارے اور اُن کے درمیان تلوار کی دھار فیصلہ کرے گی۔''

آپ نے معاویہ کے پاس کہلا بھیجا:

''ہم تمھاری زیادتیوں کا انتقام نہیں لیں گے تم آؤ اور پانی لو ہم تم اس میں برابر کے حقدار ہیں۔''

تھوڑی دیر میں لوگوں نے دیکھا کہ اہل عراق اور اہل شام دونوں ایک گھاٹ سے پانی لے رہے تھے اور کوئی ایک دوسرے سے تعرض نہیں کر رہا تھا۔ (الامام علیؑ ابن ابی طالبؑ، جلد سوم، سیرۃ علویہ وغیرہ)

اس جگہ ہر شخص کے دل میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا حضرت علیؑ کی یہ کارروائی ٹھیک تھی؟ کیا حضرت علیؑ کو نہیں چاہیے تھا کہ

وہ بھی اپنے دشمن سے اسی قسم کا سلوک کرتے جو وہ اُن سے کر چکا تھا۔جنگی نقطہ نظر سے خواہ حضرت علیؑ کا اپنے دشمن سے یہ برتاؤ ٹھیک ہو یا غلط لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ کا یہ کارنامہ آپ کی شرافت، بزرگی اور اخلاقی بلندی کی ایک زندہ مثال ہے (خلفائے محمد عمر ابوالنصر)

پورے دو دن امن وسکون سے گزرے، نہ کسی نیزے کو حرکت ہوئی، نہ کوئی تلوار نیام سے باہر آئی۔تیسرے دن یکم ذی الحجہ کو امیر المومنینؑ نے اپنے چند رفیقوں بشیر بن عمرو انصاری سعید بن قیس ہمدانی اور شبث بن ربعی تمیمی کو بلا کر کہا: ''تم لوگ معاویہ کے پاس جاؤ اور کہو کہ وہ بھی عامۃ المسلمین کی طرح بیعت کرلیں اور جماعت میں داخل ہو جائیں۔ان لوگوں میں سے کسی نے سوال کیا:

حضور! ہم انھیں اسکی لالچ نہ دیں کہ اگر وہ آپ کی بیعت کرلیں گے تو آپ انھیں اُن کے عہدہ پر برقرار رکھیں گے؟

آپ نے سودا بازی کرنے سے صاف انکار کر دیا اور فرمایا:

تم لوگ اُن کے پاس جاؤ، انھیں قائل کرنے کی کوشش کرو اور دیکھو کہ وہ کہتے کیا ہیں؟

مگر معاویہ نے اس مرتبہ بھی کوئی نئی بات نہیں کی جو سرکشی اور تمرد پہلے تھا اُسی کا مظاہرہ اب بھی ہوا۔وہ پہلے جو طے کر چکے تھے اس سے ذرہ برابر پیچھے نہ ہٹے۔بشیر بن عمرو نے گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے معاویہ سے کہا:

اے معاویہ! عنقریب تم اس دنیا کو چھوڑ کر دوسری دنیا میں جانے والے ہو، جہاں خدائے تعالیٰ تمھارے اعمال کا محاسبہ کرے گا اور جو کام تم نے دنیا میں کیے ہیں اُن کا پورا پورا بدلہ دے گا۔میں تمھیں اللہ کا واسطہ دیتا ہوں کہ تم اُمّت میں تفرقہ پیدا نہ کرو اور مسلمانوں کے خون سے اپنا دامن بچاؤ۔

معاویہ نے اس نصیحت کا مذاق اُڑاتے ہوئے کہا:

یہی نصیحت تم نے علیؑ کو کیوں نہیں کی؟

اُنھوں نے جواب دیا:

علیؑ تمھاری طرح نہیں ہیں، وہ اپنی فضیلت، دینی عظمت، اسلام میں سبقت اور رسولؐ اللہ سے قرابت کی بناء پر بنی نوع انسان میں سب سے زیادہ خلافت کے مستحق ہیں۔

معاویہ نے پوچھا:

''پھر وہ کہتے کیا ہیں؟''

اُنھوں نے جواب دیا:

وہ تمھیں اللہ کی اطاعت اور اپنی بیعت کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ اگر تم نے ان کی دعوت قبول کر لی تو یہ تمھارے لیے دنیاوی لحاظ سے بھی مفید ثابت ہوگا اور تم آخرت میں خدائے تعالیٰ کے سامنے سُرخ رو بھی ہوسکو گے۔

معاویہ نے کہا:

''اور ہم عثمان کا خون یوں ہی رائگاں جانے دیں۔ خدا کی قسم ایسا کبھی نہیں ہوسکتا۔''

اس پر شبث بن ربعی کھڑے ہوگئے اور بولے:

''اے معاویہ! جو کچھ تمھارا ارادہ اور مطلب ہے وہ ہم سمجھ گئے ہیں، تمھارے پاس کوئی ایسا حربہ نہیں تھا جس سے تم لوگوں کو گمراہ کرسکتے اور اُنھیں اپنے ڈھب پر لا سکتے۔ اس پر تم نے اُن کو یہ کہہ کر بھڑکانا شروع کیا کہ تمھارا امام مظلوم قتل کیا گیا ہے اور ہم اُس کے خون کا بدلہ لینے کے لیے کھڑے ہوئے ہیں۔ اس پر بیوقوف لوگ تمھارے پیچھے چل پڑے ہیں اور ہمیں معلوم ہے کہ تم نے جان بوجھ کر حضرت عثمان کی مدد کرنے میں دیر کی اور دل سے یہ چاہا کہ اُنھیں شہید کر دیا جائے تاکہ تم وہ کچھ حاصل کرسکو جو تمھارا مدعا ہے لیکن یاد رکھو کہ بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے کام لے کر ایسے لوگوں کو محروم کر دیتا ہے اور بعض دفعہ ان لوگوں کو اُن کی خواہشات اور آرزوؤں سے بھی بڑھ کر دیتا ہے۔ لیکن تمھارے لیے ان میں سے کوئی چیز بھی مفید نہیں ہوسکتی۔ اگر تم اپنے مقصد میں ناکام رہے تب تو ظاہر ہے کہ تم سے زیادہ بد بخت عربوں میں اور کوئی نہیں ہوسکتا۔ لیکن اگر کامیاب بھی ہوگئے تب بھی جہنم کی آگ کی لپیٹ سے نہیں بچ سکتے۔ اس لیے اے معاویہ! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اپنے موجودہ رویّہ کو ترک کر کے خلافت کے حق دار سے جھگڑا مت کرو۔''

(خلفائے محمد عمر ابوالنصر مترجمہ: محمد احمد پانی پتی)

شبث کی اس تقریر سے معاویہ پر سکتہ سا طاری ہوگیا۔ بگڑ کر کہنے لگے:

''اے سخت مزاج گنوار! تو نے سراسر جھوٹ بولا ہے۔ جاؤ ہمارے اور تمھارے درمیان تلوار ہی فیصلہ کرے گی۔''

معاویہ کی سرکشی اور تمرد کا نہ تو یہ پہلا ہی موقع تھا نہ آخری۔ اس سے پہلے بھی اُنھوں نے عداوت کی انتہا کر دی تھی اور اسکے بعد بھی بارہا وہ حدوں سے گذر گئے لیکن ہر مرتبہ اُنھوں نے ظاہر یہی کیا جیسے انھیں مسلمانوں کی بڑی فکر ہے اور اُن کے اتحاد واتفاق اور شیرازہ بندی کی بڑی بے چینی ہے۔ چونکہ علیؑ تمام ہی مسلمانوں کی نظروں میں معزز و محترم تھے علیؑ کی عظمت وجلالت اور افضل خلائق ہونے میں کسی کو بھی شک وشبہہ نہ تھا، اس لیے ان کی تمام تر کوشش یہی رہتی تھی کہ لوگوں کے دلوں میں جو اُن کی قدرومنزلت ہے وہ باقی نہ رہے، لوگ ان سے بیزار ہو جائیں اور ہمارے مقابلہ میں اُن کی نصرت اور حمایت پر کوئی آمادہ نہ ہو

۔ابودرداء اور ابوامامہ باہلی دوصحابی پیغمبرؐ کے شام ہی میں معاویہ کے پاس رہتے تھے۔ان دونوں نے معایہ کو سمجھانے کی کوشش کی۔ابودرداء نے کہا:

''معاویہ تم آخر علیؑ سے برسرِ پیکار کیوں ہو؟ خدا کی قسم وہ تم سے بہت پہلے اسلام لائے تم سے زیادہ اس خلافت کے حقدار ہیں اور پیغمبرؐ سے سب سے زیادہ قریبی تعلق رکھتے ہیں۔''

معاویہ نے کہا:

''میں اُن سے عثمان کے خون ناحق کے لیے لڑتا ہوں۔''

ابودرداء نے پوچھا:

کیا عثمان کو علیؑ نے قتل کیا ہے؟

معاویہ نے کہا:۔

''اگر قتل نہیں کیا تو قاتلوں کو پناہ تو دی ہے۔ان سے کہو کہ وہ قاتلین سے قصاص لے لیں۔میں اہل شام میں سب سے پہلے اُن کی بیعت کرلوں گا۔''

ان سادہ لوح بزرگوں پر معاویہ کا یہ جادو چل گیا۔وہ یہ نہ سوچ سکے کہ قصاص کا حق صرف مسلمانوں کے حاکم ہی کو حاصل ہے ورنہ ہر شخص قصاص لینے لگے تو انتظام مملکت ہی فاسد ہوجائے۔معاویہ کو اس قصاص سے واسطہ ہی کیا تھا۔دوسرے مسلمانوں کی طرح امت کی ایک فرد وہ بھی تھے اور آج یہ قصاص کا مطالبہ کیسا جب اِنھیں معاویہ نے کل عثمان کی مدد سے پہلو تہی کی تھی اور قاتلوں کو موقع دے دیا اُن کی ہلاکت کا۔حضرت عثمان نے ایک دونہیں کئی کئی خط لکھ کر معاویہ سے فوجی مدد مانگی تھی۔اگر معاویہ واقعی اُن کی زندگی چاہتے ہوتے تو شام کا لشکر بھیج کر اُن کے قتل کی نوبت ہی نہیں آنے دیتے۔

ابو درداء اور ابو امامہ اس پھسپھسی دلیل کو لیکر علیؑ کے پاس آئے اور آپ کو معاویہ کی شرط اطاعت سے خبردار کیا۔امیرالمومنینؑ سمجھ گئے کہ معاویہ کا حقیقی منشا کیا ہے اور امرِ مُحال کا مطالبہ پیش کر کے ان سیدھے سادے مسلمانوں کے ساتھ کیا چال چلی ہے۔آپ نے دونوں کا ہاتھ پکڑا اور اپنے لشکر کے پاس لے جا کر کہا:

''یہی لوگ جنھیں تم دیکھ رہے ہو قاتلین عثمان ہیں۔''

جب ان دونوں نے لشکر کا چکر لگایا اور لشکر والوں کو ان کے آنے کا مقصد معلوم ہوا تو تقریباً ۲۰ ہزار آہن پوش سپاہی اُٹھ کھڑے ہوئے اور ہم آواز ہو کر سب نے کہا:

''ہم سب ہی عثمان کے قاتل ہیں''۔

معاویہ کے پاس قصاص عثمان ہی کا ایک حیلہ نہیں ایسے ایسے بہت سے حیلے تھے۔ وہ کبھی ایک دعویٰ کرتے، جب اُسے کوئی قابل اعتراض ٹھہراتا تو دوسرا دعویٰ کر دیتے۔ دوسرے کے بعد تیسرا۔ ایک سلسلہ تھا جو ختم ہونے ہی میں نہ آتا تھا ۔ جب اُن کو قائل کرنے کی کوشش کی جاتی وہ یکے بعد دیگرے نئی چال چلتے رہتے۔

''میں علیؑ سے عثمان کے خون کا طالب ہوں، انھیں نے عثمان کو قتل کیا اور اُن کے قاتلوں کو پناہ دے رکھی ہے۔''

''اگر علیؑ نے اپنے ہاتھ سے قتل نہیں بھی کیا تب بھی حکم انھیں نے دیا تھا اور انھیں نے لوگوں کو اُن کے قتل کی ترغیب دی۔''

''اگر علیؑ کا قتل عثمان میں کوئی ہاتھ نہیں تو وہ قاتلین عثمان کو ہمارے حوالہ کر دیں وہ اُنھیں کے لشکر میں ہیں اور اُن کے اصحاب ورفقاء ہیں۔''

''علیؑ نے بغیر ہم لوگوں کے مشورہ کے خلافت کیسے ہتھیا لی۔''

''شام کے لوگ بھی مہاجرین وانصار کے تابع ہیں ان لوگوں سے تو کوئی مشورہ ہی نہیں لیا گیا۔''

بہانے پر بہانہ تھا اور حیلہ کے بعد حیلہ۔ غرض فقط یہ تھی کہ کسی طرح اپنا کام نکلے اور پھر اپنے اوپر کوئی الزام نہ آنے پائے۔ نہ بغاوت وسرکشی کا شبہ ہم پر کسی کو ہو۔ مگر یہ سارے حیلے بہانے مہمل اور اُن کے سارے دلائل مضحکہ انگیز تھے۔ واقعات کی روشنی میں کسی کو ثبات نہیں، نہ حقائق کے مقابلہ میں کسی کا بھی کوئی وزن۔ حضرت عثمان کسی ایک اکیلے شخص کے ہاتھوں مقتول ہوئے تھے نہ اُن کا قتل کسی ذاتی عداوت کا نتیجہ تھا۔ وہ ایک مملکت کے حکمراں تھے۔ رعیت اُن سے تنگ ہوئی، اُن کے خلاف عام ہیجان پیدا ہوا۔ چھوٹے بڑے ذلیل وشریف، قریب وبعید سبھوں نے مل کر اُن کے خلاف محاذ قائم کر لیا۔ جس میں مکہ و مدینہ کے معززین بھی تھے اور دیگر بلاد واطراف کے مسلمان بھی۔

امیرالمومنینؑ نے کتنا جامع تبصرہ کیا ہے اصل حقیقت واقعہ پر:

''لوگوں نے قرآن کی اُن کے خلاف تاویل کی۔ آپس میں اختلاف واقع ہو گیا۔ لوگوں نے اُنھیں اُن کے مرکز حکومت میں قتل کر ڈالا۔ ان لوگوں سے کوئی قصاص لینا ممکن ہی نہیں۔''

جب معاویہ کے ساتھیوں میں سے کسی نے آپ سے کہا:

''آپ گواہی دیتے ہیں کہ عثمان مظلوم قتل ہوئے۔''

آپ نے فوراً ہی کہا:

''نہ میں یہ کہتا ہوں کہ وہ مظلوم مارے گئے اور نہ میں یہ کہتا ہوں کہ وہ ظالم تھے اور ظلم کی پاداش میں مقتول ہوئے۔''

فتنہ سے پہلے آپ حضرت عثمان کو متنبہ کرتے تھے:

''لوگ آپ کے عدل کے زیادہ محتاج ہیں بہ نسبت آپ کو قتل کرنے کے۔''

جب حضرت عثمان نے آپ کی نصیحتوں پر کان نہ دیا، حسب معمول مسلمانوں کے ساتھ بدسلوکی کرتے رہے اور لوگوں نے چاروناچار آپ کو قتل کردیا تو آپ نے قاتل ومقتول دونوں کے متعلق کھلے لفظوں میں اپنی رائے ظاہر کی:

امتاثر فاساء الاثرة وجزعتم فأساء تم الجزع ولله حكم واقع فى المستاثر والجاذع۔

اُنھوں نے اپنے عزیزوں کی طرفداری کی تو بُری طرح طرفداری کی اور جب تم گھبرا گئے تو بُری طرح گھبرا گئے اور ان دونوں بے جا طرفداری کرنے والے اور گھبرا اُٹھنے والے کے درمیان اصل فیصلہ کرنے والا اللہ ہے۔

مگر معاویہ کسی طرح جھکنے کا نام نہیں لیتے تھے۔ اُنھیں جب بھی بحث ومباحثہ یا حجت وتکرار کا موقع ملتا لوگوں کے سامنے اپنے انھیں خیالات کا اظہار کرتے۔ اس امید میں کہ ممکن ہے سادہ لوح افراد میری باتوں سے متاثر ہوجائیں۔ عرب کے سبھی رہنے والے ان پر مرتے اور انتقام کے دیوانے تھے۔ شام تو اُن کا پورا اطاعت گذار تھا ہی، وہاں تو کوئی اُنکی مرضی کے خلاف ایک حرف بھی زبان پر لانے والا نہیں تھا، یہانتک کہ آج کے دن بھی جبکہ شامیوں کو شکست فاش کی ذلّت نصیب ہوئی تھی کسی پوچھنے والے نے معاویہ سے نہ پوچھا اور نہ اُنھیں مجبور کیا کہ امیر المومنینؑ جو صلح ومصالحت کی دعوت دے رہے ہیں اُسے ضرور قبول کرلینا چاہیے۔

❑❑

چوتھا باب

لڑائی کی شروعات

ذی الحجّہ کا پورا مہینہ چپقلش میں گذرا۔ نہ صلح ایسی صلح تھی نہ جنگ ایسی جنگ۔ فریقین کی طرف سے میل ملّت کے مظاہرے بھی ہوتے تھے اور عناد وعداوت کے بھی۔ امیر المومنینؑ برابر کوشاں رہے کہ کسی بھی صورت سے یہ جنگ ٹل جائے اور کُشت وخون کی نوبت نہ آئے اور ادھر معاویہ کی گردن اور اکڑتی جاتی اور تمرد وعناد بڑھتا جاتا۔ جب کامیابی نصیب ہوتی تو جابر بن جاتے اور جب شکست اُٹھانے کی نوبت آتی تو مکر وفریب کی باتیں کرتے، صُلح مصالحت کے لیے آدمی دوڑانے لگتے

امیر المومنینؑ کے ہمراہیوں کا سینہ اب تنگ کرنے لگا تھا۔ وہ آنکھوں سے دیکھتے کہ دشمن اپنی ڈھٹائی پر اسی طرح تلا ہوا ہے، وعظ ونصیحت کی لاکھ کوشش کی جا رہی ہے، اپنی ہٹ سے باز نہیں آتا۔ امیر المومنینؑ کی نرمی اور رحم دلی کی پالیسی سے کبھی لوگوں کو شبہ ہوتا کہ امیر المومنینؑ شاید طے نہیں کر پائے کہ معاویہ سے لڑنا جائز ہے یا نہیں۔ کبھی یہ سمجھتے کہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ موت سے ڈرتے ہیں۔ حضرت کو جب ان چہ میگوئیوں کی اطلاع ملی تو آپ نے فرمایا:۔

اما قولکم اَکُلَّ ذالك کرا هية الموت فوالله ما ابالی اذ خلت الی الموت اوخرج الموت اِلّی واما قولکم شکافی اهل الشام فوالله ما دفعت الحرب یوما الاوانا اطمع ان تلحق بی طائفة فتهتدی بی ما وتعشو الی ضوئی وذالك احب الی من ان اقتلها من ضلالها وان کانت تبوء باثامها "

"تم لوگوں کا یہ کہنا کہ یہ پس وپیش کیا اس لیے ہے کہ میں موت کو ناخوش جانتا ہوں اور اس سے بھاگتا ہوں تو خدا کی قسم مجھے ذرا پروا نہیں کہ میں موت کی طرف بڑھوں یا موت میری طرف بڑھے اور اسی طرح تم لوگوں کا یہ کہنا کہ کیا مجھے اہل شام سے جہاد کرنے کے جواز میں کچھ تامل ہے تو خدا کی قسم! میں نے جنگ کو ایک دن کے لیے بھی التو میں نہیں ڈالا مگر اس خیال سے کہ ان میں سے شاید کوئی گروہ مجھ سے آکر مل جائے اور میری وجہ سے ہدایت پا جائے اور اپنی چوندھیائی ہوئی آنکھوں سے میری روشنی کو بھی دیکھ لے اور مجھے یہ چیز گمراہی کی حالت میں اُنھیں قتل کر دینے سے کہیں زیادہ پسند ہے اگرچہ اپنے گناہوں کے ذمہ دار بہر حال یہ خود ہوں گے"۔ (ترجمہ نہج البلاغہ مفتی جعفر حسین جلد اول)

امیر المومنینؑ کا ہمیشہ سے یہی مقولہ تھا اور یہی طرز عمل بھی۔ جہاں تک ممکن ہوتا جنگ میں قائل کرتے کہ شاید خداوند

عالم دشمن کو ہدایت دے اور شیطان کے بہکانے سے اُسے محفوظ رکھے، پہلے نرمی برتتے اور جب بالکل مایوسی ہو جاتی تب تلوار اُٹھاتے اور قصہ پاک کر کے دم لیتے آج کے دن بھی آپ صبر سے اسی لیے کام لے رہے تھے۔ توقع تھی کہ شاید میری امیدیں بر آئیں۔ کل وہی آپ تھے اور بدر و اُحد، خندق و خیبر کا منظر تھا اور ہاتھوں میں وہی تلوار جس نے کافروں کے ہر گھر میں صف ماتم بچھا دی تھی۔ آپ گھمسان کے رن میں دشمن کی صفوں میں گھُس جاتے اس عالم میں کہ نہ سر پر خود ہوتا نہ بدن میں زرہ۔ جب آپ کے اصحاب اندیشہ وتشویش کا اظہار کرتے تو مُسکرا کر فرماتے:

''تم لوگ مجھے موت سے ڈراتے ہو، خدا کی طرف سے مجھے بہت مضبوط سپر حاصل ہے۔ جب میرا وقت آ جائے گا تو یہ سپر ہٹ جائے گی اور مجھے موت کے حوالہ کر دے گی۔ اُس وقت البتہ نہ کوئی تیر خالی جائے گا اور نہ کسی زخم سے جانبری ہو گی۔''

موت کے ڈر سے کبھی آپ نے جنگ سے گُریز نہ کی، موت تو بہر حال ہر ایک کو آنی ہے۔ آپ دشمنوں سے حتی الامکان جنگ سے بچتے کہ شاید اُن کو سمجھ آ جائے۔ اُس وقت آپ کا اور معاویہ کا معاملہ درپیش تھا بلکہ اسلام کا معاملہ تھا۔ تمام مسلمان کی جان خطرہ میں تھی ان البلاء اذا نزلت عمت مصیبت جب آتی ہے تو گناہگار اور بے گناہ سب ہی لپیٹ میں آ جاتے ہیں۔

(۲)

جنگ صفین کا سلسلہ تقریباً سو دن رہا۔ ۹ لڑائیاں ہوئیں لیکن اکثر لڑائیاں لوٹ مار اور جھڑپ کی حیثیت رکھتی تھیں، جن میں کسی طرف سے پوری قوت کا استعمال نہیں ہوا، نہ کسی فیصلہ کن نقطہ پر اُن کا اختتام ہوا۔

لڑائی کا طریقہ یہ تھا کہ امیر المومنینؑ اپنے کسی صحابی کو حکم دیتے، وہ ایک دستہ فوج کا لیکر دشمن سے جنگ کرنے جاتا، کبھی دن میں ایک ہی لڑائی ہو کر رہ جاتی، کبھی دو دو مرتبہ ہوتی پھر ہر فریق دن ڈوبتے اپنے اپنے کیمپ واپس آ جاتا، کبھی اشتر فوج کی کمان کرتے، کبھی اشعث بن قیس، کبھی دوسرے افراد جیسے حجر ابن عدی، شبث بن ربعی، خالد بن معمر، زیاد بن نضر، زیاد بن حفصہ تیمی، سعد بن قیس، محمد ابن حنفیہ، معقل ابن قیس، قیس ابن سعد وغیرہ۔ معاویہ کی طرف سے عبد الرحمان بن خالد بن ولید، ابو الاعور سلمی، شرحبیل بن سمط کندی، حمزہ بن مالک ہمدانی باری باری سے آتے۔ لڑائی کی یہی صورت آخر ماہِ ذی الحجّہ ۳۶ھ تک رہی۔ گویا دونوں فریق عام تباہی و بربادی کے ڈر سے اپنی پوری طاقت میدان میں لانے سے گریز کرتے تھے۔ صلح کی بات چیت اس دوران میں بھی جاری تھی اور مصالحت کی طرف سے بالکل ناامیدی نہیں ہو گئی تھی۔ نیکوکار اور دیندار افراد برابر لوگوں کو اتحاد و اتفاق کی تلقین کرتے رہتے۔

محرم شروع ہوتے ہی لڑائی رُک گئی۔تلواریں نیاموں میں چلی گئیں ان کی جگہ زبان وقلم نے لے لی۔ یہ چاند ہوتے ہی پھرایک مرتبہ قاصد ایک دوسرے کی طرف سے صلح ومصالحت کے لیے آنے جانے لگے۔

حتیٰ کہ معاویہ کی طرف سے بھی مصالحت میں دلچسپی کا اظہار ہونے لگا جیسے انھیں بھی اسکی بڑی خواہش رہی ہو، وہ اس پر کسی حد تک مجبور بھی تھے۔عوام کے دل میں صلح کی تمنائیں جاگ رہی تھیں۔فریقین میں سے ہرفریق اس کی اہمیت کا قائل تھا،سبھی کو توقع تھی کہ محرم کے مہینہ میں جنگ تو ہوگی نہیں بہت ممکن ہے سمجھوتہ کی کوئی صورت نکل آئے۔مگر حقیقت میں معاویہ کا ارادہ صلح کا نہ تھا۔اُنھوں نے میل مِلّت کی کوئی سچی کوشش نہیں کی۔وہ ایسا کربھی کیسے کر سکتے تھے جبکہ اس صورت میں سراسر انکا گھاٹا تھا۔میل ہوجانے پر اُن کے منصوبے خاک میں مل جاتے۔اصل بات یہ تھی کہ وہ دیکھتے تھے کہ عوام امن وامان سے زندگی بسر کرنے کے خواہاں ہیں، وہ اس طرح مل جل کر رہنا چاہتے ہیں جیسے کچھ دن پہلے رہتے تھے۔انھیں اندیشہ ہوا کہ کہیں ہمارے مخالف نہ ہوجائیں اور ہم ہی کو فتنہ وفساد کا بانی اور اتحاد کا دشمن سمجھنے لگیں۔بس یہی ایک حیلہ رہ جاتا ہے کہ ہم بھی اُن کے ہم آواز ہوجائیں اور جو یہ کہتے ہیں وہی ہم بھی کہنے لگیں۔اسی منصوبہ کے تحت اُنھوں نے بھی اپنی طرف سے امیر المومنینؑ کی خدمت میں حبیب بن سلمہ فہری، شرحبیل بن سمط کندی اور معن بن یزید الاخنس کو صلح کی بات چیت کرنے کے لیے بھیجا۔حبیب نے گفتگو شروع کی اور کہا:

''حضرت عثمان خلیفۂ برحق تھے، کتاب اللہ پر اُن کا عمل تھا تم نے ان کی زندگی کو گوارا نہ جانا اور خیال کیا کہ وہ بہت دن کے بعد مرینگے۔تم نے ظلم کر کے اُن کا خاتمہ کر دیا۔اگر تم کو انکار ہوتو اوّلاً تم قاتلوں کو ہمارے حوالے کر دو پھر خلافت سے علیٰحدہ ہوجاؤ۔مسلمان اپنے اتفاق سے جسے چاہیں گے خلیفہ کرلیں گے''۔

امیر المومنینؑ نے فرمایا:

''کیا خوب تم اور مجھے معزول کرو۔خاموش رہوتم اس معاملہ میں بولنے کے اہل نہیں ہو۔''

حبیب نے کھڑے ہوکر کہا:

''تم مجھے اُس حالت میں دیکھو گے جو تمھیں پسند نہیں ہوگی۔''

آپ نے فرمایا:

خدا مجھے اس دن کے لیے زندہ نہ رکھے، جاؤ جو تمھارے دل میں ہوکر گزرو۔''

نزاع وتکرار بڑھتی گئی۔علیؑ اپنے حق پر جمے ہوئے تھے اور وہ لوگ حسب معمول بہتان تراشی اور افترا پردازی پر

۔ بال برابر بھی اپنے بغض وعناد سے ہٹنے پر تیار نہیں۔ امیرالمومنینؑ کی مخالفت کے سوا کوئی دوسری بات ہی نہ تھی اور نہ اسکے علاوہ کوئی غرض کہ آپ اس خلافت سے دستبردار ہو جائیں جسے عامۃ المسلمین نے متفقہ طور پر آپ کے حوالہ کیا تھا۔ جب امیرالمومنینؑ نے دیکھا کہ یہ لوگ دلیل و برہان سے قائل ہونے والے نہیں تو آپ نے اُن کے جوش محبت اور جذبہ الفت سے اپیل کی جو ہر مسلمان کے دل میں پیغمبرؐ اسلام کے لیے مخصوص ہے۔ مگر وہاں پیغمبرؐ کا خیال تھا ہی کس کو جو علیؑ کی باتوں پر دھیان ہوتا۔

امیرالمومنینؑ نے فرمایا:

''................. مجھے تم لوگوں سے سخت تعجب ہے، باوجودیکہ میں اہل بیت نبی کریمؐ میں ہوں اور اسی خاندان سے ہوں جس سے تمھیں بغض نہ رکھنا چاہیئے۔ میرے ہوتے ہوئے تم معاویہ کے مطیع کیوں ہو گئے؟ تمھیں میری مخالفت کرنا اور میرے مقابلہ میں کسی اور کو لانا زیب نہیں دیتا۔ میں تمھیں کتاب اللہ اور سنت نبویؐ کی طرف دعوت دیتا ہوں اور باطل کو مٹانے اور حق کو زندہ کرنے کی طرف بلا رہا ہوں۔۔۔۔''

شرحبیل نے یہ سن کر کہا:

''آپ یہ گواہی تو دیجئے کہ عثمان مظلوم مارے گئے''۔

آپ نے فرمایا:

''میں نہ یہ کہتا ہوں کہ وہ مظلوم قتل کئے کیے گئے اور نہ یہ کہتا ہوں کہ وہ ظالم ہونے کی حالت میں قتل کیے گئے۔''

اس پر ان تینوں قاصدوں نے کہا:

''جو شخص یہ نہیں کہتا کہ حضرت عثمان مظلوم مارے گئے ہمارا اُس سے کوئی واسطہ نہیں۔''

یہ کہہ کر وہ تینوں واپس چلے گئے۔ امیرالمومنینؑ نے اس وقت یہ آیت پڑھی:

انك لا تسمع الموتی، ولا تسمع الصم الدعاء اذا ولوا مدبرین وما انت بھادی العمی عن ضلالتھم ۔ان تسمع الا من یومن بایاتنا فھم مسلمون۔

تو نہ مردوں کو کچھ سنا سکتا ہے اور نہ بہروں کو جب وہ پیٹھ پھیر لیں، تو اندھوں کو اُن کی گمراہی سے نجات نہیں دلا سکتا ۔تو اپنی باتیں اُنھیں لوگوں کو سنا سکتا ہے جو ہماری آیات پر ایمان لائیں اور تابعداری اختیار کریں۔

اس طرح معاویہ نے بھی یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی کہ ہمیں بھی امن وامان پسند اور صلح ومصالحت مرغوب ہے۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ اُنھوں نے در پردہ فتنہ کی آگ بھڑکانے اور مسلمانوں میں رخنہ ڈالنے کی کوئی کوشش اُٹھا نہیں رکھی ،سفیروں کو بھیجنے کا مطلب محض یہ تھا کہ اصل نیت اُن کی ڈھکی چھپی رہے، سادہ لوح اور بھولے بھالے مسلمان اُن کے حقیقی ارادہ سے

واقف نہ ہونے پائیں۔اُن سفیروں کو بھیجتے وقت بھی معاویہ جانتے تھے اور بھیجنے کے پہلے اور بعد بھی سمجھتے تھے کہ علیؑ کی بیعت تمام ارباب حل وعقد کے اتفاق سے طے پائی ہے انھیں اس میں کوئی دخل دینے کا حق حاصل نہیں۔اُن کے لیے بس یہی دو صورتیں ہیں کہ یا تو بیعت کر کے مسلمانوں کی جماعت میں شامل رہیں یا بیعت سے علیٰحدہ ہوکر باغی بن جائیں۔مگر معاویہ ہی کب ہوتے جو علیؑ کی بیعت کر لیتے۔

معاویہ کے سفیر ناکام واپس ہوئے اور آ کر انھوں نے معاویہ سے ساری روئداد کہہ سنائی۔اس سے پہلے اور بعد کی سفارشیں بھی ناکام رہا کیں مگر معاویہ ہمیشہ اسی ناکامی سے فائدہ اُٹھاتے تھے انکی کوشش ہی رہتی کہ سفارت کبھی کامیاب ثابت ہی نہ ہو۔اپنی طرف سے کبھی سفیر کو بھیجا تو اپنے ہی جیسے سخت، متمرد اور سرکش مزاج افراد کو بھیجا اور ایسے مطالبوں کے ساتھ جن کی منظوری علیؑ کے امکان ہی میں نہ تھی اور جب علیؑ کی طرف سے سفیر آئے تو اُنھیں اپنی ضد اور ہٹ سے ناکام واپس جانے پر مجبور کیا۔وقت کے لحاظ سے جیسا بھی اُنھیں موقع مل سکا، نہ ڈرانے دھمکانے سے باز رہے نہ بہلانے پُھسلانے سے۔اگر دیکھتے کہ علیؑ کے قاصد کو ڈرانے دھمکانے سے کچھ فائدہ اُٹھایا جاسکتا ہے تو دھمکی دیتے اگر دیکھتے کہ خوشامد اور چاپلوسی سے کام نکل جاتا ہے تو ریاکاری اور ضمیر فروشی کی حد کر دیتے۔اُنھوں نے ہر مرتبہ علیؑ کے قاصدوں کو بے حد وحساب زر ومال اور جاہ و منصب کی طمع دلا کر توڑنے کی بھی کوشش کی۔چنانچہ پانی والی جنگ کے بعد جب امیرالمومنینؑ نے بشیر وسعید کو معاویہ کے پاس یہ پیام دیکر بھیجا کہ اطاعت قبول کر کے تم بھی مسلمانوں کی جماعت میں داخل ہو جاؤ تو اتفاق ایسا ہوا کہ سعید بن قیس سے پہلے شبث بن ربعی نے گفتگو چھیڑ دی۔معاویہ نے اصل موضوع سے کترا کر جس پر گفتگو کرنے لیے وفد آیا تھا کوشش کی کہ شبث اور سعید ہی کو آپس میں ٹکرا دیں۔

سعید کی ہمدردی میں بگڑتے ہوئے بولے:

''تمھاری حماقت کی پہلی دلیل تو یہی ہے کہ تم نے اس شریف ومعزز اور اپنی قوم کے سردار کی بات کاٹ دی اور اُن سے پہلے بول پڑے۔''

لیکن معاویہ کی اس بات پر نہ شبث ہی نے دھیان دیا نہ سعید بن قیس نے۔محرم کے مہینہ میں امیرالمومنینؑ نے پھر دوبارہ وفد بھیجا۔اس وفد میں عدی بن حاتم، یزید بن قیس الارجبی، زیاد بن حفصہ، شبث بن ربعی شامل تھے۔جب یہ لوگ معاویہ کے پاس پہونچے تو عدی بن حاتم نے بات چیت شروع کی اُنھوں نے کہا:

''اے معاویہ ہم تمھارے پاس اتحاد واتفاق کی دعوت لے کر آئے ہیں۔اگر تم نے اسے قبول کر لیا تو مسلمانوں کے

درمیان صلح ہو جائیگی۔ اُنکے آپس کے جھگڑے مٹ جائیں گے اور اُن میں خون خرابہ نہ ہوگا، دیکھو علیؑ تمھارے چچا زاد بھائی ،مسلمانوں کے سردار، امت میں سب سے افضل اور سابقون الاولون میں ہیں۔ تمام لوگوں نے اُن کی بیعت کر لی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کو صحیح راستہ دکھایا ہے۔ لیکن تم نے اُن کی دعوت قبول نہیں کی اور اُنھیں خلیفہ تسلیم نہیں کیا۔ اے معاویہ! اپنی ہٹ سے باز آجاؤ۔ کہیں تمھارے ساتھ بھی وہی نہ ہو جو اہل جمل کے ساتھ ہو چکا ہے۔''

معاویہ نے کہا:

''اے عدی! افسوس تم مجھے دھمکانے آئے ہو یا صلح کی بات چیت کرنے۔ خدا کی قسم میں حرب کا بیٹا ہوں جنگ سے مُطلقاً نہیں ڈرتا۔ مجھے یہ بھی پتہ ہے کہ عثمان کے قاتلین میں شامل ہو۔ تم سے بھی ان کا قصاص لیا جائے گا اور تم بھی ان لوگوں کے زُمرہ میں شامل کیے جاؤ گے جنھیں اللہ عزوجل قتل کرے گا''۔

گفتگو کا یہ رنگ دیکھ کر زیاد بن حفصہ نے کہا:

''ہم تمھارے پاس صلح کی بات چیت کرنے آئے تھے مگر تم شیخی ہانکنے لگے۔ یہ بیکار باتیں چھوڑو جن سے کوئی فائدہ نہیں وہ بات کرو جس سے ہمارا تمھارا نفع ہو۔''

یزید بن قیس نے کہا:

''ہم تمھیں وہ پیغام پہونچانے آئے ہیں جس کے لیے ہمیں بھیجا گیا ہے، جو کچھ تم کہو گے اپنے خلیفہ کو پہونچا دیں گے ۔البتہ ہم تمھیں نصیحت کرنے سے باز نہیں رہ سکتے اور وہ یہ کہ تم علیؑ کی بیعت کر کے اُمّت کی شیرازہ بندی میں مدد دو۔ علیؑ کی فضیلت تمھیں بخوبی معلوم ہے اور امید ہے کہ تم سے یہ امر پوشیدہ نہ ہوگا کہ اہل دین اور اہل فضیلت کبھی علیؑ کی اطاعت سے انحراف نہیں کر سکتے۔ اس لیے اے معاویہ! تم خدا سے ڈرو اور علیؑ کی مخالفت نہ کرو۔ خدا کی قسم ہم نے کوئی شخص علیؑ سے زیادہ متقی، پرہیزگار اور صفات حسنہ سے متصف نہیں دیکھا۔

معاویہ نے کہا:

''تم نے مجھے علیؑ کی اطاعت اور جماعت میں شریک ہونے کی دعوت دی ہے، جس جماعت کی طرف تم مجھے بلاتے ہو آخر وہ کونسی جماعت ہے۔ باقی رہا علیؑ کی اطاعت تو مجھے اس سے اتفاق نہیں ہے۔ اُنھوں نے ہمارے خلیفہ کو قتل کیا، جماعت میں تفرقہ پیدا کیا، عثمان کے قاتلین کو پناہ دی۔ علیؑ کہتے ہیں کہ اُنھوں نے عثمان کو قتل نہیں کیا۔ ہم اُن کی بات مان لینے کے لیے تیار ہیں لیکن تمھیں معلوم ہے جن لوگوں نے اُن کے قتل میں حصہ لیا وہ اُن کی فوج میں شامل ہیں اور اُن کے یار و مددگار ہیں

۔مصالحت کی صرف یہی صورت ہے کہ علیؑ قاتلین عثمان کو ہمارے حوالہ کر دیں۔ہم اُنھیں قتل کریں گے۔اس کے بعد علیؑ کی اطاعت اور اُنکی خلافت تسلیم کرلیں گے۔''

اس پر شبث نے کہا:''معاویہ! کیا تمھیں اس بات سے خوشی ہوگی کہ تم عمّار جیسی شخصیت کو پکڑلواور انھیں قتل کر دو۔''

معاویہ نے کہا:''کیوں؟ عمار یاسر میں کیا خاص بات ہے، جواُنھیں قتل نہ کیا جائے؟ خدا کی قسم اگر میں ابن سمیہ پر قابو پا لوں تو عثمان کے قصاص میں تو اُنھیں قتل نہ کروں لیکن عثمان کے غلام قاتل کے قصاص میں ضرور قتل کردوں۔''

شبث نے کہا:

''خدا کی قسم! یہ اس وقت تک نہیں ہوسکتا جب تک گردنیں جسم سے جدا نہ ہوجائیں اور زمین کی پشت اور آسمان کا سینہ تمھارے لیے تنگ نہ ہوجائے۔''

معاویہ نے کہا:

''اگر ایسا ہی ہونا ہے تو پہلے تمھارے لیے ہوگا۔''

اس طرح یہ سفارت بھی ناکام ہوگئی اور یہی معاویہ کا مقصود بھی تھا۔ یہ لوگ سخت کلامی سے برافروختہ ہوکر اُٹھ آئے۔ معاویہ نے زیاد بن حفصہ کو روک لیا۔علیحدہ لے جاکر اُن سے کہنے لگے:

''اے برادر! علیؑ نے قرابت قطع کردی ہمارے خلیفہ کو قتل کرایا اور قاتلوں کو پناہ دی، میں تم سے مدد چاہتا ہوں اپنے قبیلہ کے ساتھ میری مدد کرو۔ میں حتمی وعدہ کرتا ہوں کہ اگر مجھے فتح ہوئی تو دوشہروں میں سے (مکہ ومدینہ، مصر، کوفہ) جس کو تم پسند کروگے اس پر تم کو حاکم بنادوں گا۔''

معاویہ نے سمجھا تھا کہ ہم جس کو چاہیں مال ودولت کی طمع اور جاہ ومنصب کی لالچ دے کر خریدلیں گے۔اُنھیں غلط فہمی تھی کہ قبیلۂ تیم کا یہ شخص زیاد بن حفصہ بھی ہمارے جال میں آسانی سے پھنس جائے گا۔ یہ بھی تیمی تھے اور طلحہ بھی تیمی جو جنگ جمل میں مقتول ہوئے جب اُنھیں اپنے قبیلہ اور خاندان کے مقتولین کا قصاص لینے کی ترغیب دی جائے گی تو یہ آسانی سے کٹ کر ہم سے آملیں گے۔زیاد نے نظر اُٹھا کر معاویہ کو دیکھا اور دیر تک اُن کی نظریں جمی رہیں۔آنکھوں سے چنگاریاں چھوٹ رہی تھیں، اُنھوں نے بڑے سکون ووقار سے جواب دیا:

''معاویہ! میں دلیل روشن پر ہوں۔خدا کا احسان وانعام مجھ پر ہے کہ میں موید من اللہ ہوں۔گنہگاروں کا پشت پناہ نہیں ہوسکتا۔''

یہ کہہ کر لشکر میں چلے آئے۔ان لوگوں کے جانے کے بعد معاویہ نے عمروعاص سے کہا:

''میں ان میں سے جس کسی سے کوئی بات کہتا ہوں وہ ایک ہی جواب دیتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ دل میں یہ سب متفق ہیں

(تاریخ طبری جلد پنجم۔ سیرۃ علویہ ص ۳۰۴ و ص ۳۰۴ ۱۳الامام علی ابن ابی طالب، جلد سوم، خلفائے محمد عمر ابوالنصر۔ کتاب الصفین، نصر بن مزاحم وغیرہ)

صلح ومصالحت کی کوششوں میں اتنے دن بیکار ہی گئے۔ تمام امیدیں منقطع ہوگئیں۔ ڈھیل دینے اور نرمی سے کام لینے کا کوئی بھی ثمرہ حاصل نہیں ہوا۔

امیر المومنینؑ کو وقت کی بربادی کا اتنا صدمہ نہیں تھا جتنا اس امر کا رنج وملال کہ ہماری اب تک کی ساری جدوجہد اکارت گئی۔ سال بھر سے زیادہ کی مُدت ہوگئی تھی آپ کو تخت نشین خلافت ہوئے، اس عرصہ میں آپ معاویہ کے ساتھ انتہائی نرمی برتتے رہے محض اس توقع میں کہ ممکن ہے راہ راست پر آجائیں اور امت اسلام اس تباہی وبربادی سے محفوظ رہے جو اُن کی سرکشی وبغاوت کی صورت میں یقینی ہے۔ صلح کی یہ کوشش آپ کا بہت بڑا معرکہ اور بڑا ہی مہتم بالشان جہاد تھا۔ باوجود ہر طرح کا اختیار واقتدار رکھنے کے سال بھر تک اس بغاوت کو برداشت کرتے رہنا اور خوں ریزی سے بچنے کی امکانی سعی ایسا زبردست واقعہ ہے جسکی نظیر نہیں ملتی۔

کہنے والے کہتے ہیں کہ علیؑ اتنی ڈھیل معاویہ کو نہ دیئے ہوتے تو جنگ صفین کی نوبت ہی نہ آتی اور نوبت آتی بھی تو ایسا برا انجام نہ ہوتا جیسا کہ تحکیم کی صورت میں رونما ہوا۔ یہ اتنے مہینے جو آپ معاویہ کو طرح دیتے رہے اسی طرح دینے ہی کی وجہ سے آپ کے معاملات درہم وبرہم ہوگئے اور آپ کا دور حکومت انتہائی ناکام ورثابت ہوا۔ کاش آپ دشمن کی سرکوبی میں عجلت سے کام لیتے۔ کاش آپ جنگ جمل سے فارغ ہوتے ہی شام پر چڑھ دوڑتے۔ جس طرح معاویہ نے آپ کے لشکر پر پانی بند کر دیا تھا آپ بھی معاویہ کی فوج پر پانی بند کر دیتے۔ اسی قسم کے اور بھی اعتراض آپ کی سیاست پر کرنے والے کرتے ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ آپ کے محیّر العقول طرز عمل نے بجائے قدرومنزلت گھٹانے کے اور بڑھا دی، آپ ویسے ہی سربلند نظر آتے ہیں جیسا ایک انسان کامل کو ہونا چاہئے۔

معاویہ کو طرح دیتے رہنے سے آپ کا کوئی نقصان ہرگز نہیں ہوا، نہ آپ کے عزم وارادہ میں کمزوری پیدا ہوئی، نہ آپ کی تلوار کی باڑھ کند ہوئی، نہ آپ کے ڈھیل دینے سے معاویہ کو کسی بھی قسم کا فائدہ پہونچا، اتنے دن ڈھیل دینے کے بعد بھی جب آپ نے تلوار ہاتھ میں لے لی اور فیصلہ کن مرحلے تک پہونچنے کی ٹھان لی تو شام والے تلواریں پھینک پھینک کے بھاگنے لگے۔

اصل بات یہ ہے کہ آپ کو نقصان خود آپ کے ساتھیوں نے پہونچایا۔ آپ کے دشمنوں نے جو دوست کے بھیس میں آپ کے ساتھ ساتھ تھے۔ یہ کچھ سرکردہ افراد، جرگہ جتھے والے لوگ تھے جو ظاہراً آپ کی فوج میں شامل مگر باطناً اُن کی تمام ہمدردیاں معاویہ کے ساتھ تھیں جیسا کہ آئندہ واقعات خود اس کا روشن ثبوت ہیں۔

❑❑

پانچواں باب

صفین کی لڑائی

محرم کا مہینہ تمام ہوا۔ اسی کے ساتھ صلح وسلامتی کی امیدیں بھی رخصت ہوگئیں۔

صفر کا چاند افق پر نمودار ہوا۔

اسی وقت امیر المومنینؑ کی طرف سے مرثد بن حارث جشمی نے لشکر معاویہ کی طرف جا کر منادی کی:

''شام والو! ہم نے تمھیں بہت ڈھیل دی، اور حق کی طرف رجوع کرنے اور سرکشی سے باز آجانے کے لیے کافی مہلت دی۔ ہم نے تم پر بار بار کتاب خدا پیش کی اور اسکی طرف تمھیں بلایا مگر تم اپنی سرکشی سے باز نہ آئے اور نہ حق کے قبول کرنے پر آمادہ ہوئے۔ خدا کی قسم ہم نے ابتک جو اپنے ہاتھ تم سے روکے رکھے تو اس وجہ سے نہیں کہ ہم تمھاری طرف سے کسی شک و شبہہ میں تھے۔ نہ تم پر ترس کھا کر ہی ہم جنگ سے باز رہے۔ ہم صرف اس انتظار میں تھے کہ محرم کا مہینہ گذر جائے اور صفر آجائے۔ شام والو! تم میں سے ہر ایک کو پیغام جنگ ہے۔ خدا خیانت کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔''

ادھر مرثد اعلان کر رہے تھے، ادھر امیر المومنینؑ اپنے چند ساتھیوں کے ہمراہ اپنے لشکر میں دورہ کر رہے تھے۔ آپ نے ایک ایک کیمپ میں جا کر سپاہیوں کو جنگ کی ترغیب دی۔ میمنہ، میسرہ، قلب لشکر مرتب فرما کر ہر ایک کے سردار مقرر کیے ،اس رات کسی کی پلک تک نہ جھپکی۔ سبھی امیر المومنینؑ کے ارشادات کی تعمیل میں مصروف تھے۔ آپ مثل نسیم ایک طرف سے دوسری طرف اور ایک قبیلہ سے دوسرے قبیلہ کی طرف جاتے آتے رہے، نہ آپ پر تھکن تھی نہ نیند کا غلبہ تھا۔ صبح ہوتے ہی پوا رلشکر اسلحہ سے لیس ہو کر صف بستہ تھا۔ معلوم ہوتا تھا جیسے سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہو۔ فوج کے پھر ہرے لہرا رہے تھے اور اسلحوں کی چمک سے آنکھیں جھپکی جاتی تھیں۔

امیر المومنینؑ اپنے لشکر کا جائزہ لینے کھڑے ہوئے اور جیسا کہ اس سے پہلے کے مواقع پر بھی آپ نے اپنے فوجیوں کو ہدایتیں اور نصیحتیں کی تھیں اس مرتبہ بھی آپ نے اُنھیں نصیحت کی:

''جب تک وہ پہل نہ کریں تم اُن سے جنگ نہ کرنا کیونکہ تم بحمد اللہ دلیل و حجت رکھتے ہو اور تمھارا انھیں چھوڑ دینا کہ وہی پہل کریں یہ اُن پر دوسری حجت ہوگی۔ خبردار! جب دشمن (مُنھ کی کھا کر) میدان چھوڑ بھاگے تو کسی پیٹھ پھرانے والے کو قتل نہ

کرنا۔ کسی بے دست و پا پر ہاتھ نہ اُٹھانا۔ کسی زخمی کی جان نہ لینا اور عورتوں کو اذیت پہونچا کر نہ ستانا۔ چاہے وہ تمھاری عزت و آبرو پر گالیوں کے ساتھ حملہ کریں اور تمھارے افسروں کو گالیاں دیں کیونکہ اُن کی قوتیں، اُن کی جانیں اور اُنکی عقلیں کمزور و ضعیف ہوتی ہیں۔ ہم (پیغمبرؐ کے زمانہ میں بھی) مامور تھے کہ اُن سے کوئی تعرض نہ کریں حالانکہ وہ مشرک ہوتی تھیں۔ اگر جاہلیت میں بھی کوئی شخص کسی عورت کو پتھر یا لاٹھی سے گزند پہونچاتا تھا تو اس کو اور اسکے بعد کی پشتوں کو مطعون کیا جاتا تھا''۔

(ترجمہ نہج البلاغہ، مفتی جعفر حسین، جلد سوم)

(۲)

اعلان جنگ کے بعد بھی کئی دن تک کوئی زبردست ٹکر نہیں ہوئی۔ معمولی معمولی لڑائیاں ہوا کیں۔ دونوں طرف سے فوجوں کے چھوٹے چھوٹے دستے میدان میں آجاتے اور آپس میں مقابلہ شروع ہو جاتا۔ رات ہونے پر یہ دستے اپنی اپنی جگہ واپس آجاتے۔ یکم صفر چہارشنبہ کے دن سے دوسرے چہارشنبہ تک یہی حال رہا جس طرح ماہ ذی الحجہ میں معمولی جھڑپیں ہوا کیں، صفر کے شروع میں بھی وہی کیفیت رہی، ہر فریق تشدد سے گریز کر رہا تھا۔

حتیٰ کی خود مالک اشتر جب پہلے دن فوج لے کر لڑنے نکلے تو اُنھوں نے بھی اپنی طاقت کا پورا امظاہرہ نہیں کیا، نہ پورے دن اُنھوں نے جنگ لڑی، اسی طرح ہاشم بن عتبہ بن ابی وقاص اور عبداللہ ابن عباس کا بھی یہی طرز عمل رہا۔ انھوں نے بھی ابتدا میں پوری طاقت صرف نہیں کی، صبح کو حملہ آور ہوئے اور دوپہر سے پہلے واپس ہو گئے۔ یہ توقف واحتیاط اور لڑائی میں اختصار کسی شک کی بنا پر نہیں نہ کسی تردد کی وجہ سے تھا بلکہ لڑائی کا دستور ہی یہی ہے کہ پہلے ہی پوری طاقت نہیں جھونک دی جاتی۔ ایسا بھی نہیں کہ ابتدائی لڑائیاں صرف جھڑپوں ہی تک محدود رہی ہوں۔ دونوں طرف سے تلواریں کچھ دیر چل کے پھر رک گئی ہوں بلکہ اکثر ان لڑائیوں کا آغاز حملہ سے ہوا اور اختتام پسپائی پر۔

پہلی صفر کو مالک اشتر اپنے رسالہ کو لے کر نکلے۔ معاویہ کی طرف سے حبیب بن مسلمہ فہری اپنے رسالہ کو لیکر مقابلہ پر آیا۔ دن بھر سخت لڑائی ہوئی، کوئی نتیجہ خیز فیصلہ نہ ہوا۔

دوسری صفر کو ہاشم بن عتبہ سواروں اور پیادوں کے ساتھ میدان جنگ میں آئے۔ لشکر شام سے ابوالاعور سلمی نکلا۔ دن بھر لڑائی ہوئی، نہ کسی کو فتح ہوئی نہ کسی کو شکست۔

تیسری صفر کو جناب عمار اپنے رسالہ کو لیکر نکلے۔ ۹۰ برس کا سن، بڑھاپے سے کمر خمیدہ، ہاتھ پیر میں رعشہ مگر عالم یہ کہ لڑائی کی امنگ اور جہاد کے شوق نے چہرے کو گلنار بنا رکھا تھا۔ آپ نے اپنے ساتھیوں سے پکار کر کہا:

''اسلام والو! تم خدا اور رسولؐ کے دشمن کو دیکھنا چاہتے ہو، دیکھو وہ معاویہ ہے۔ اس سے لڑو۔ وہ ان لوگوں میں سے ہے جو خدا کے نور کو بجھانا چاہتے ہیں اور دشمنان خدا کی پشت پناہی کرتے ہیں۔''

اُس وقت اُن کے کسی ساتھی نے کہا:

''ابوالیقظان! کیا رسول اللہؐ نے نہیں فرمایا تھا کہ لوگوں سے اس وقت تک لڑو جب تک وہ اسلام نہ لائیں، جب اسلام قبول کرلیں تو اُن کی جان بھی محفوظ ہے اور مال بھی۔''

جناب عمار نے فرمایا:

''بے شک رسول اللہؐ نے ایسا ہی فرمایا ہے، مگر خدا کی قسم یہ لوگ اسلام لائے ہی نہیں۔ اُنھوں نے تو صرف مسلمانوں کی صورت بنالی تھی۔ دل میں کفر چھپائے ہوئے تھے۔ اب جب کہ انھیں مددگار مل گئے تو انھوں نے اپنے کفر کو ظاہر کردیا۔'' (کتاب الصفین نصر بن مزاحم۔ الامام علی بن ابی طالب جلد چہارم)

اتنا کہنے کے بعد عمار نے اپنے غنیم وعمرو عاص پر جو اس دن معاویہ کی فوجوں کی کمان کر رہے تھے پوری شدّت سے حملہ کردیا۔ جیسے چیتا اپنے شکار پر اُچھل پڑتا ہے یا جیسے دریا کا بند ایک دم ٹوٹ جائے۔ عمار نے زیاد بن نصر سے جو سوار فوج کے افسر تھے کہا، تم بھی اہل شام پر حملہ کردو۔ زیاد اُن پر ٹوٹ پڑے۔ ظہر تک یہ لڑائی برابر کی رہی، پھر عمار نے ایسا سخت حملہ کیا کہ عمرو عاص کا منھ پھر گیا اور وہ بھاگ کر اپنے لشکر سے جاملے۔

(۳)

عمار کا یہ حملہ کوئی فیصلہ کن نہ تھا، اسی پر جنگ کا خاتمہ ہوگیا، یہ تو ایک یلغار تھی جس کا انجام عمار کی فتحیابی اور عمرو عاص کی پسپائی کی شکل میں ظاہر ہوا۔

اسی کے ساتھ عمار کی جنگ تبلیغ و دعوت کی بھی جنگ تھی۔ اس جنگ میں عمار نے عقیدہ کے اسلحہ سے اسی طرح کام لیا، جس طرح نیزہ وشمشیر سے۔ عمار نے اعلان کیا کہ معاویہ کوئی سیاسی حریف نہیں بلکہ وہ اصل میں مسلمان ہی نہیں صرف زبان سے اپنے کو مسلمان کہتے ہیں ایمان کا اُن کے دل میں گذر تک نہیں ہوا۔ موت کے ڈر اور تلوار کی باڑھ نے انھیں مسلمان بننے پر مجبور کیا اسوقت جب کہ سارا جزیرہ عرب پیغمبرؐ اسلام کے زیر نگین آگیا۔ عرب کے تمام باشندے طوعاً وکرھاً آپ کے قدموں پر جھکنے اور خدا کے سجدے میں پیشانی رکھنے پر مجبور ہوگئے۔ معاویہ کے ساتھ جو لوگ ہیں وہ بھی انھیں معاویہ جیسے ہیں، معاویہ نے انھیں دھوکہ فریب سے اپنے ساتھ اکٹھا کرلیا ہے۔

جناب عمار کا یہ وار بھی نیزہ وشمشیر کے واروں کی طرح کاری ثابت ہوا۔اس وار نے معاویہ کی صفوں میں انتشار پیدا کر دیا۔بہت سے لوگ اُن کی طرف سے ٹوٹ کر امیر المومنینؑ کی فوجوں میں آ کر مل گئے۔چنانچہ جس وقت شمر بن ابرہہ بن صباح حمیری شام کے قاریوں کی ایک جماعت کے ساتھ فوج سے نکل کر امیر المومنینؑ کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس وقت احساس شکست سے معاویہ کی حالت دگرگوں تھی۔عمرو عاص نے معاویہ سے کہا:

''معاویہ! تم اہل شام کی مدد سے ایسے شخص سے لڑنے پر آمادہ ہو جسے محمد مصطفےؐ سے بہت نزدیکی قرابت حاصل ہے۔اسی کے ساتھ اسلامی خدمات میں اس کا کوئی جواب نہیں۔وہ پیغمبرؐ کے منتخب صحابہ اور آن حضرت کے مشہور بہادر قاریان قرآن اور معززین ومہاجرین وانصار کو لے کر تم سے لڑنے آئے ہیں۔لوگوں کے دلوں میں ان سب کی انتہائی ہیبت ہے۔لہذا شام والوں کو بہلا پھسلا کر اور اُنھیں حرص وطمع میں مبتلا کر کے ان سے لڑنے میں جلدی کرو تم اور سب کچھ بھول سکتے ہو مگر یہ تمھیں ہرگز نہیں بھولنا چاہیے کہ تم باطل پر ہو۔''

(کتاب الصفین نصر بن مزاحم۔الامام علی ابن ابی طالب،جلد چہارم)

معاویہ نے شامیوں کو جمع کر کے تقریر کی:

''لوگو! تم ہمیں اپنی جانیں اور کاسہ ہائے سر عاریت دیدو،سُستی اور کاہلی سے کام نہ لو،نہ جنگ میں کوتاہی ہونے پائے،آج کا دن بہت ہولناک دن ہے،آج تمھاری غیرت،حمیت کا امتحان ہے،تم لوگ حق پر ہو،ہمارے ہاتھوں میں حجّت ہے،تم ان لوگوں سے برسر پیکار ہو جنھوں نے (عثمان کی) بیعت توڑ دی اور حرام خون (عثمان کا) بہایا۔''

خود عمرو عاص نے اسی اسلحہ سے کام لینا چاہا جس سے جناب عمّار نے کام لیا تھا،اُنھوں نے ایک سیاہ کپڑا نیزہ میں باندھ کر بلند کیا۔یہ وہ علم تھا جو رسول اللہؐ نے کسی جنگ میں سنوار کے عمرو عاص کو دیا تھا۔اس علم پر نظر پڑتے ہی لوگوں میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں۔کچھ لوگوں نے خیال کیا کہ عمرو عاص واقعی راستی پر ہیں جبھی تو پیغمبرؐ نے انھیں علمدار لشکر مقرر کیا تھا اور اپنے ہاتھ سے سج کے علم دیا تھا۔

امیر المومنینؑ نے اسی وقت لوگوں کی غلط فہمی دور کرتے ہوئے فرمایا:

''جانتے ہو اس علم کا کیا قصہ ہے۔''

لوگوں نے کہا،

ہاں حضور! یہ وہ علم ہے جو رسول اللہؐ نے اپنے ہاتھ سے سجکر عمرو عاص کو دیا تھا۔''

آپ نے فرمایا:

''حضرت رسول خداؐ نے اس دشمن خدا عمرو عاص کو یہ سیاہ کپڑا دیکر فرمایا تھا کہ کون اسے لیتا ہے اس کے شرائط کے ساتھ ؟عمرو عاص نے پوچھا یا رسول اللہؐ اس کے شرائط کیا ہیں ؟ آں حضرت نے فرمایا: اس کے شرائط یہ ہیں کہ اسے لے کر کسی مسلمان سے جنگ نہ کی جائے اور نہ اُسے کافروں سے قریب کیا جائے۔عمرو عاص نے وہ علم لے لیا مگر خدا کی قسم اُس نے کافروں ہی سے اُسے قریب کیا اور مسلمانوں ہی سے جنگ کی۔''

پھر آپ نے آسمان کی طرف سر بلند کر کے اور معاویہ کے خیمہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا:۔

''قسم ہے اُس ذات اقدس کی جس نے دانہ کو شگافتہ کیا اور جانوروں کو خلق فرمایا، یہ لوگ ہر گز مسلمان نہیں ہوئے انھوں نے ظاہری اسلام اختیار کیا باطن میں کفر ہی چھپائے رہے، جب انھیں یاور وانصار مل گئے تو پھر اسی ہماری دیرینہ عداوت پر پلٹ آئے۔'' (کتاب الصفین نصر بن مزاحم ص ۱۱۰۔الامام علی ابن ابی طالب، جلد چہارم وغیرہ)

عمرو عاص کی یہ چال ناکام رہی۔امیر المومنینؑ کے ان کلمات نے اُن کے اس داؤں کو ناکارہ کر دیا۔شام کے کچھ لوگ ایسے بھی تھے جنھوں نے ابھی تک اپنا دل شیطان کے ہاتھ فروخت نہیں کیا تھا۔جناب عمار کی تقریر نے ان کے دل میں جو اشتباہی کیفیت پیدا کر دی تھی وہ جوں کی توں باقی رہی۔اُن کے شک وشبہہ کی جڑیں امیر المومنینؑ کی اس تقریر سے اور گہری ہوگئیں اور اسی کا نتیجہ تھا کہ بہت سے افراد معاویہ کا ساتھ چھوڑ چھوڑ کے امیر المومنینؑ کی جماعت میں آ شامل ہوئے۔

جناب عمار کا جوش وولولہ، میدان جنگ میں پامردی وثابت قدمی، دشمن کو کیفر کردار تک پہونچا کے دم لینے کا تہیہ دیکھ دیکھ کے امیر المومنینؑ کے ہمراہیوں کی ہمّت بڑھتی تھی۔ان کا خون کھول کھول کے رہتا کہ کیونکر دشمن پر چڑھ دوڑیں اور اس کا قصّہ پاک کر کے دم لیں۔عمار نے اپنے حملہ سے لڑائی کی آگ پوری طرح بھڑکا دی تھی۔امیر المومنینؑ کے جتنے مخلص جاں نثار تھے سبھی نے اسمیں حصہ لیا۔ایسے ایسے حملے کیے کہ کامیابی کوئی دم کی بات تھی۔کسی دن عبداللہ بن عباس فوجوں کو لے کر حملہ آور ہوئے تو کسی دن محمد بن حنیفہ نے فوج کی قیادت کی۔ہر شخص اس میں برابر کا حصہ لینے کے لیے کوشاں تھا۔خود امیر المومنینؑ کئی مرتبہ لشکر کی قیادت کرتے ہوئے میدان میں آئے۔

چوتھے دن معاویہ کی طرف سے عبیداللہ بن عمر لشکر کی قیادت کرتے ہوئے میدان میں آئے۔اُنھوں نے آتے ہی محمد ابن حنیفہ کو چیلنج کیا کہ محمد سے آکر مقابلہ کر۔امیر المومنینؑ اپنے مرکب کو اُسکی طرف دوڑا کر لے گئے۔فرمایا:

''آؤ میں تم سے جنگ کے لئے تیار ہوں مجھ سے لڑلو۔''

عبید اللہ بن عمر کے ہوش اُڑ گئے۔ ساری شجاعت غائب ہوگئی چہرے پر سیاہی کھنڈ گئی نیزہ لٹکا کے گھوڑے کا منہ پھیرا اور پیچھے ہٹتے ہوئے کہا:

''آپ سے لڑنے کی مجھے ضرورت نہیں۔''

محمد بن حنیفہ بہت رنجیدہ ہوئے، اُنھوں نے امیر المومنینؑ سے عرض کی:

''آپ نے مجھے مقابلہ کرنے سے روک دیا، اگر مجھے چھوڑ دیئے ہوتے تو مجھے امید تھی کہ میں قتل کر کے پلٹتا۔''

آپ مسکرائے، محبت بھرے لہجے میں فرمایا:

''اگر میں مقابلہ کرتا تو اسے ضرور قتل کر کے رہتا اور اگر تم مقابلہ کرتے تو امید ضرور تھی کہ تم اُسے بھی قتل کر ڈالتے پھر بھی اس کا امکان تھا کہ کہیں وہی تم پر غالب نہ آجاتا اور تمھیں قتل کر ڈالتا۔''

مگر شکار ہاتھ سے نکل جانے کا صدمہ ایسا تھا کہ محمد سے برداشت نہ ہوسکا۔ اُنھوں نے پھر پلٹ کر کہا:

''آپ اس فاسق، کمینے اور دشمن خدا سے مقابلہ کے لیے جاتے۔ خدا کی قسم اگر اس کا باپ بھی آپ سے مقابلہ کرنے کی درخواست کرتا تب بھی مجھے گوارا نہ ہوتا کہ آپ اُن کے مقابلہ کے لیے جائیں۔''

(کتاب الصفین نصر بن مزاحم۔ الامام علی ابن ابی طالب جلد چہارم)

پانچواں دن ادھر سے عبد اللہ بن عباس اور اُدھر سے ولید بن عقبہ نکلا۔ گھمسان کی جنگ ہوئی۔ ابن عباس غالب رہے۔

چھٹے روز ادھر سے قیس بن سعد اور ادھر سے ذی الکلاع حمیری نکلا۔ دن بھر لڑائی ہوتی رہی۔

ساتویں روز ادھر سے مالک اشتر اور ادھر سے حبیب بن مسلمہ نکلا۔ سخت لڑائی ہوئی۔

ہفتہ عشرہ پر لڑائی اسی ڈھنگ پر جاری رہی، کوئی فیصلہ نہ ہوسکا۔ اب امیر المومنینؑ نے پورے لشکر کے ساتھ عام حملہ کرنے کا ارادہ کرلیا۔ آپ نے فرمایا:

''جب تک مجموعی قوت سے اُن پر حملہ نہیں کیا جائے گا لڑائی ختم نہ ہوگی۔''

آپ نے اپنی فوج میں ایک پر جوش خطبہ دیا اور نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

''تمام ستائشیں زیبا ہیں اس معبود حقیقی کے لئے کہ جسکو وہ توڑنا چاہے اسے کوئی جوڑ نہیں سکتا اور جسکو جوڑنا چاہے اُسے کوئی توڑنے والا نہیں۔ جس کو وہ قوت دے اسکو کوئی ضعیف نہیں کرسکتا۔ اگر وہ چاہے تو اختلاف ہی بالکل باقی نہ رہے۔ ایک متنفس بھی اسکے خلاف کرنے پر قادر نہیں۔ وہی ہمکو اور ان مخالفین کو میدان میں لایا ہے۔ اگر چاہے تو آن واحد میں ظالموں کو عذاب دے۔ دنیا کو دار الاعمال اور آخرت کو اس نے دار القرار بتایا تاکہ بدکار اپنے اعمال قبیحہ کی سزا اس عالم میں پائیں اور اچھوں کو

اچھا بدلہ ملے۔۔۔۔۔۔۔

دیکھو! ہوشیار رہو! کل پھر دشمن کا سامنا ہے۔خدا سے فتح وظفر اور صبر و استقلال کی دعا مانگوں نہایت مستعدی اور ہوشیاری سے مقابلہ کرنا۔''

رات بھر امیر المومنینؑ لڑائی کی تیاریوں میں مشغول رہے فوجیوں کو جنگ کی ترغیب وتلقین کی اُنکے رسالے اور دستے مرتب کیے اُن کی صفوں کو آراستہ کیا۔زرہ پوشوں کو آگے رکھا۔بے زرہ سپاہیوں کو اُن کے عقب میں۔جب رات تمام ہوئی اور صبح کا اجالا پھیلا تو آپ کا لشکر پوری طرح حملہ کے لیے تیار تھا۔مگر آپ نے اچانک حملہ کرنا مناسب نہ سمجھا۔دشمن کی غفلت سے فائدہ اُٹھانا آپ کی فطرت کے خلاف تھا۔آپ نے پہلے دشمن کو دعوت مبارزت کہلا بھیجی۔

(۴)

اعلان جنگ ہوتے ہی معاویہ کی فوجوں میں کھلبلی مچ گئی ،بہتوں کے کلیجے منھ کو آ گئے۔اب گویا تمام امیدیں منقطع ہو چکی تھیں۔آج کا دن فیصلہ کا دن تھا،جس کے حق میں بھی ہو۔

معاویہ نے گھبرا کے آواز دی

''ہراول دستہ کہاں ہے؟''

ابوالاعور سلمی اپنے رسالہ کو لے کر آگے بڑھا۔

پھر پکارے:

''ارون والے کہاں ہیں؟''

ارون والے دوڑتے ہوئے آئے ،انکا سردار سفیان بن عمرو سلمی تھا۔

پھر تیسری مرتبہ پکارے:

''قنسرین والے کہاں ہیں؟''

قنسرین کا رسالہ آگے بڑھا۔اس رسالہ کا افسر زفر بن حارث تھا۔

پھر پکارے:

''ہمارا محافظ دستہ کہاں ہے؟''

اس مرتبہ دمشق کے باشندے آگے بڑھے جنکی قیادت ضحاک بن قیس فہری کر رہا تھا۔

وہ ایک ایک رسالہ کا نام لے لے کر پکارتے جاتے اور رسالوں پر رسالے دستوں پر دستے اسلحوں سے لیس جھنڈے اور نشان لگائے غول کے غول آگے بڑھتے آتے۔

رفتہ رفتہ کر کے معاویہ کا کل لشکر بھی اکٹھا ہو گیا۔ایک دستہ آگے بڑھا اور اُس نے معاویہ کے ہاتھ پر بیعت کی کہ ہم آپکی حمایت میں جان دیدیں گے آپ پر آنچ نہ آنے دیں گے، چاہے سر قلم ہو جائیں، اُنھوں نے معاویہ کو اپنے حلقہ میں لے لیا اور اُن کے اردگرد دیوار کی طرح کھڑے ہو گئے۔

قبیلہ عک والوں کو بھی جوش آیا۔اُنھوں نے بھی مرنے مارنے کا عہد و پیمان کیا دوڑ کے ایک پتھر اٹھالائے اور کہا:

''جب تک یہ پتھر نہ بھاگے گا ہم بھی نہ بھاگیں گے۔''

یہ واقعہ بھی ہے کہ اس جنگ میں اس قبیلہ نے خوب خوب دادمردانگی دی۔

لشکر کے انتظام سے فارغ ہونے کے بعد معاویہ نے عمرو عاص سے پوچھا:

''تمھاری کیا رائے ہے؟

عمرو عاص نے کہا:

''ہم میں آپ میں جو عہد و پیمان ہو چکا ہے وہ آپکو معلوم ہی ہے۔یہ کام اب آپ ہم پر چھوڑ دیجئے۔''

معاویہ: میں ایسا ہی کروں گا۔

عمرو عاص: دوسری بات یہ ہے کہ ابوالاعور کو اُسکی جگہ سے ہٹا دیجئے اور تمامتر ذمہ داری ہمارے سر ڈال دیجئے۔

معاویہ ابوالاعور کو وہاں سے ہٹا کر دوسری طرف لے گئے اور بولے:

''اے سفیان! ابوعبداللہ (عمرو عاص) بڑے دوراندیش اور تجربہ کار آدمی ہیں۔اُن کے ایسی دوراندیشی نہ ہم میں ہے نہ تم میں۔میں نے انھیں سواروں کا افسر مقرر کر دیا ہے تم کمان اُن کے حوالے کر دو۔''

اس کے بعد عمرو عاص اپنے فرائض کی طرف متوجہ ہوئے، اس صف کو درست کیا، اس میں تبدیلی کی، سواروں کے دستے مرتب کیے پیدلوں کی قطاریں ٹھیک کیں۔بہت سی لڑائیوں میں فوج کی قیادت کر چکے تھے، اُنھیں جتنا تجربہ حاصل تھا جتنے گر آتے تھے، سب سے کام لیا۔مقابلہ علیؑ ایسے انسان کا تھا اور اُن کے جانباز ساتھیوں کا جو سیکڑوں میل دور سے یہ تہیہ کر کے آئے تھے کہ یا تو جام شہادت نوش کریں گے یا دشمن پر فتحیاب ہو کر رہیں گے، جنھوں نے ایمان کو زرہ بنا رکھا تھا اور عزم و یقین کو سپر۔

جب اچھی طرح صف بندی کر چکے اور ہر طرح کا اطمینان حاصل ہو چکا تو اُنھوں نے لشکر کے بیچوں بیچ بلند جگہ پر ایک منبر اپنے لیے رکھوایا تا کہ اس پر بیٹھ کر پورے لشکر پر کنٹرول رکھ سکیں۔ یمن والوں کو حکم دیا کہ اس منبر کے چاروں طرف مضبوط گھیرا ڈال لو۔ کوئی اندر نہ آنے پائے اور حکم دیا:

''جو بھی اس منبر کے قریب آئے اسے قتل کر ڈالنا کوئی بھی ہو۔''

عمرو عاص کا یہ ساز و سامان اور اہتمام و انتظام صرف لڑائی ہی کے لیے نہیں تھا، نہ انہیں اسکی لالچ تھی کہ جیت کا سہرا میرے سر بندھے اور علیؑ جو اُن سے چند ہی قدم پر شیر کی طرح گھات لگائے بیٹھے تھے فوج کشی میں ناکام رہیں۔ اصل حقیقت حال سے وہ غافل نہیں تھے، وہ اچھی طرح سمجھتے تھے کہ اگر مجھے فتحیابی ہوئی بھی تو یہ فتحیابی میری نہیں دوسرے کی ہوگی، اس کا پھل دوسرا شخص کھائے گا۔ عمرو عاص اپنی طبیعت و فطرت کے بندے تھے وہ عمرو عاص تھے، وہ اگر کسی سے وفا کرتے تو اس لیے نہیں کہ وفا اچھی خصلت ہے اور ان کی طبیعت اچھی خصلتوں کی طرف مائل ہے۔ ہرگز نہیں، اُنھیں نہ شرافت سے غرض تھی نہ غیرت سے سروکار، اُن کی نگاہ بس اپنے ذاتی فائدے اور شخصی جاہ و جلال پر رہتی تھی۔ وفا اگر کرتے بھی تھے تو اُس کے لیے اُن کے نزدیک شرائط تھے۔ اُنکی ہر سعی و کوشش ایک قیمت رکھتی تھی۔ اچھی باتیں اُن سے ظہور میں بھی آتیں تو صرف اس لیے کہ وہ کام نکلنے کا ذریعہ ہیں۔ یوں سمجھنا چاہئے کہ اُنکی زنبیل میں ہر قیمت کی چیزیں تھیں، جیسا دام ملتا ویسی چیزیں پیش کرتے

اس دن بھی اُنکی یہی کیفیت تھی اور آنے والے دن بھی اور جب تک جئے یہی حال رہا۔ انھوں نے اپنی طبیعت پر کبھی جبر نہیں کیا۔ اور جاہ و منصب شان و شوکت اور مال و زر کے حصول کے لیے اُنھوں نے جو دستور پہلے سے بنا رکھا تھا اس سے بال برابر کبھی سرکے نہیں تھے۔ اُنھوں نے کبھی کوئی رائے نہیں ظاہر کی۔ معاویہ کو کوئی مشورہ نہیں دیا۔ اُنکی کوئی گتھی سلجھائی نہیں مگر اسی وقت جب اسکی پیشگی قیمت وصول کر لی یا وصولیابی کی طرف سے پورا اطمینان نہیں کر لیا۔ اسی وجہ سے اُنھوں نے حق کی مخالفت کی، باطل کی طرف مائل ہوئے اور صراط مستقیم کو چھوڑ کر سولہ آنہ باطل کے طرفدار ہو گئے۔

وہ معاویہ کی باتوں کو پوری طرح کان لگا کر سنتے، اُنکی گھبراہٹ اور پریشانی دیکھ کر خود بھی پریشانی کا اظہار کرتے ۔ معاویہ جتنا اپنے سپاہ لشکر کے متعلق فکر مند رہتے اتنا ہی وہ بھی فکر مند اپنے کو ظاہر کرتے۔ ان سب کے باوجود اپنے مشورے اسوقت تک پوشیدہ رکھتے جب تک قیمت نہ طے ہو جاتی۔

معاویہ نے اُن سے مدد کی خواہش کی، عمرو عاص نے شرط کی:

''بشرطیکہ حکومت میں میرا بھی حصّہ ہو۔''

معاویہ گھبرائے، اُنھوں نے پوچھا:

''حکومت میں حصہ؟''

عمروعاص ہاں، اگر خداوند عالم نے علیؑ کو موت دی اور تمام امور تمھاری مرضی کے مطابق طے پا گئے۔

معاویہ: میں نے تم سے مصر کی حکومت کا وعدہ نہیں کیا ہے؟

عمروعاص کے لبوں پر تبسم کھیلنے لگا۔ اس تبسم میں تملق بھی تھا طمع بھی اور تمسخر بھی۔ بولے:

''کیا مصر جنّت کا بدلہ ہوسکتا ہے اور علیؑ کا قتل عذاب جہنم کی قیمت بن سکتا ہے؟''

معاویہ کی ہمت پھر نہ ہوئی کہ حجت وتکرار کریں۔ وہ ڈرے کہ دیوار ہم گوش دارد، کہیں دوسرا کوئی یہ باتیں نہ سُن لے اُنھوں نے کہا:۔

''چپکے رہو، لوگ تمھاری یہ گفتگو نہ سُن لیں، اچھا میں تمھیں حکومت میں بھی حصہ دار بنالوں گا۔''

(کتاب الصفین نصر بن مزاحم، اعیان الشیعہ جلد سوم۔ الامام علی ابن ابی طالب جلد چہارم)

ادھر معاویہ وعمروعاص میں یہ سودا ہو رہا تھا ادھر امیر مومنینؑ اپنی فوجوں کی صف بندی میں مصروف تھے، ہر سپاہی جہاد وقتال کے لیے بے چین تھا۔ امیر المومنینؑ کی اس تقریر نے سپاہیوں کے شوق نبرد اور ولولہ جہاد کو اور ہوا دیدی کہ

''یقیناً خداوند عالم ان لوگوں کو دوست رکھتا ہے جو اس کے راستہ میں ایسے صف بستہ ہو کر لڑتے ہیں جیسے وہ دھات کی دیواریں ہوں۔ اپنی صفوں کو دھات کی دیواریں جیسی بناؤ۔ زرہ والوں کو آگے رکھو اور جن کے پاس زرہ نہیں ہے اُنھیں پیچھے کر لو۔ دل کو مضبوط اور قدم جمائے رہو۔ جنگ کے وقت اپنی آواز بلند نہ کرنا کہ اس سے سستی آتی ہے۔ نیزے مضبوطی سے سنبھالنا۔ جھنڈے اپنی جگہ مضبوطی سے جمے رہیں نہ ہلیں نہ اپنی جگہ سے ہٹیں۔ علم لشکر ایسے شخص کے ہاتھ میں دینا جو دلیر و بہادر اور اُسکی حفاظت میں جان لگا دینے والا ہو اور جسوقت کوئی کٹھن پڑے اُس وقت صبر واستقلال کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹے۔''

امیر المومنینؑ کا سب سے اونچا علم میمنہ کے سردار عبداللہ بن بدیل خزاعی کے مضبوط ہاتھوں میں تھا مضبوط یہ ہاتھ کوئی بزدل کا ہاتھ نہ تھا۔ انکی مردانگی اور شجاعت کا دشمن بھی کلمہ پڑھتے تھے۔ ابن بدیل نے ہاتھوں پر علم اونچا کر کے اپنے ساتھیوں سے کہا:

''خدا کی قسم! تم اپنے پروردگار کے حق اور روشن دلیل پر ہو۔ ان سرکش وبدخو شامیوں سے جنگ کرو۔ ان سے ڈرنا نہیں اور تم ان سے ڈر بھی کیسے سکتے ہو؟ تمھارے ہاتھوں میں تمھارے پروردگار کی پاک وپاکیزہ کتاب ہے۔''

پھر اُنھوں نے علم کو حرکت دیکر اور معاویہ کے لشکر کی طرف نظریں جما کر کہا:

''دشمنان خدا کی طرف چل کھڑے ہو، کیا تم ان سے ڈرتے ہو؟ خدا زیادہ سزاوار ہے ڈرے جانے کا۔ اگر تم واقعاً اہل ایمان ہو۔ ان سے جنگ کرو۔ خدا تمھارے ہاتھوں انھیں مبتلائے عذاب کرے۔ انھیں ذلیل وخوار اور تمھیں مظفر و منصور بنائے اور مومنین کے کلیجوں کو ٹھنڈک بخشے۔'' (کتاب الصفین۔ الامام علی ابن ابی طالب جلد چہارم)

(۵)

امیرالمومنینؑ کو سپاہ شام کے امنڈتے ہوئے سیلاب اور اُنکی کثرت سے کوئی ہراس لاحق نہ تھا۔ ایک لمحہ کے لیے بھی آپ کے دل میں یہ خیال نہیں آیا کہ ممکن ہے ہمیں پسپائی نصیب ہو اس لیے بہتر یہی ہے کہ جس قیمت پر بھی ہو ان سے صلح کر لی جائے، ہزیمت کا تو آپ تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔ البتہ اس تباہی وخونریزی پر جی کڑھتا تھا کہ دشمن کسی طرح اپنی ہٹ سے باز نہیں آتے اور خواہ مخواہ اپنی جانیں دینے پر تلے ہوئے ہیں۔ بھائی بھائی کا خون بہا رہا ہے اور باپ بیٹے کے خون کا پیاسا ہے۔ تمام محبت کے رشتے ٹوٹے جا رہے ہیں اور ہر رشتہ وقرابت خاک میں مل رہی ہے۔ معلوم ہوتا ہے یہ آج کے انسان نہیں دور وحشت وبربریّت کے آدمی ہیں اور اُنکی فطرتیں انسانوں کی فطرتیں نہیں بلکہ شیروں بھیڑیوں اور گدھوں کی فطرتیں ہیں۔ وحشی جانوروں کی طرح ایک دوسرے کو کاٹ رہے ہیں۔ باپ بیٹے کا گوشت نوچ رہا ہے اور بھائی بھائی کی ہڈی پسلی چبا رہا ہے اور خون پانی کی طرح بہہ رہا ہے۔ اس طرح تو سارا عرب ہی فنا اور برباد ہو جائے گا اسی کے ساتھ باپ بیٹے بھائی بھائی کے پاکیزہ رشتہ کی مٹی پلید ہو جائے گی۔ یہی وہ موقع تھا کہ جانشین رحمت للعالمین کو پھر ایک مرتبہ فطری رحم وکرم نے مغلوب کر لیا اور آپ ایک ایسا اقدام کرنے پر مجبور ہو گئے کہ دشمن تو دشمن دوست بھی انگشت بدنداں رہ گئے۔

گھمسان کا رن پڑنے والا تھا، دونوں طرف کی فوجیں جان لڑائے ہوئے تھیں، ٹھیک اُسی وقت آپ نے پکار کر ساتھیوں کو آواز دی:

''کون یہ مصحف لے کر شام والوں کی طرف جائے اور انھیں اسکی طرف بلانے پر آمادہ ہے؟۔''

لوگوں کو سکتہ سا لگ گیا۔ پسینے میں ڈوبے ساتھی جنکے چہرے جوش شجاعت ومردانگی سے لال بھبھوکا ہو رہے تھے اور بدن کا سارا خون کھچ کے چہرے پر آ گیا تھا، یہ آواز سنتے ہی تھرا کے رہ گئے۔ ہاتھ پیر سُن اور منہ پر مہر سی لگ گئی، اگر امیرالمومنینؑ کی عظمت وجلالت پہلے ہی سے دلوں میں متمکن نہ ہوتی اور وہ آپکو ہر شک وشبہہ سے بالا یقین نہ کیے ہوتے تو خدا ہی معلوم آپ کے متعلق کیا خیالات اُن کے دلوں میں پیدا ہوتے۔

مگر امیر المومنینؑ اپنے عہد پر قائم رہے۔ اسی فیاض خصلت وطبیعت پر جو قابو پانے کے بعد بھی در گذر کرنے کی عادی اور رحم وکرم کی خوگر تھی، آپ نے پھر ایک مرتبہ اپنی بات دہرائی۔ جو لوگ اس سے پہلے جنگ جمل میں بھی شریک رہ چکے تھے انکی آنکھوں میں پھر وہی منظر پھرنے لگا کہ ادھر عائشہ کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا لشکر، سپاہیوں کا جم غفیر، ان کا وہ تمردو سرکشی اور کوئی بات نہ سننے نہ ماننے کی ضد اور ادھر امیر المومنینؑ کا اُنھیں کتاب خدا کی طرف بلانا اور صلح وآشتی کا پیغام دینا اور پھر اس کا وہ انجام، یہ ساری باتیں اُنکی نظروں تلے گھوم گئیں امیر المومنینؑ آج بھی بعینہ کل کی طرح نظر آرہے تھے۔ اسی طرز عمل اور اسی سابقہ روش پر آج پھر آپ اس نئے دشمن معاویہ کو موقع دے رہے تھے کہ شاید سرکشی کے انجام کا خیال آجائے اور نصیحت قبول کرے

امیر المومنینؑ کے ساتھیوں میں سے ایک کمسن نوجوان آگے بڑھا اور عرض کی:

''میں اس خدمت کے لیے حاضر ہوں امیر المومنینؑ!۔''

اس نوجوان کے علاوہ کسی نے بھی آواز نہیں دی۔ غالباً دشمن کی غدّاری کے خوف سے سب خاموش رہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ ایسے ہی پیام صلح کا انجام جنگ جمل میں دیکھ چکے تھے۔ اُنھیں یقین تھا کہ اب نرمی مفید نہ ہوگی۔ نہ صلح کی کوشش سودمند، اب اتحاد واتفاق کا وقت ختم ہو چکا ہے۔

کسی نے بھی کوئی حرکت نہ کی نہ کسی کے منہ سے کوئی آواز نکلی۔

لڑکے نے پھر اصرار بھرے لہجے میں امیر المومنینؑ سے عرض کی:

''حضور میں اس کے لیے تیار ہوں۔''

''اچھا لو۔''

لڑکے نے قرآن ہاتھ میں لے لیا اور دشمن کی صفوں کی طرف چل پڑا۔

لڑکے کو پھر پلٹ کے آنا نصیب نہ ہوا۔ جیسا جنگ جمل میں حامل قرآن واپس نہ ہوا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے شامیوں نے اس لڑکے کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے۔

شب گذری دوسرے صبح آئی اور امیر المومنینؑ جو اب تک خچّر پر سوار ہو کر میدان میں آتے تھے، آج آپ نے وہ خچّر ہٹا دیا، چیخ کر بولے:

''گھوڑا لاؤ''

آج آپ کا لہجہ بڑا ہیبت ناک تھا۔ اب وہ نرمی ومہربانی چھپ چکی تھی۔ صلح پسندی سوگئی تھی، جسے خونریزی ناگوار

اور ہتک حرمت گوارا تھی۔ اب آپ کی شخصیت کا دوسرا پہلو سامنے آ گیا۔ جابر و قاہر جسکی ہیبت سے نرمی و امن پسندی راہ فرار اختیار کرتی ہیں اور زندگی کا دم نکلتا ہے۔ نیند کو آپ نے دور جھٹک دیا تھا اور یوں کھڑے تھے جیسے تودۂ پہاڑ۔

آپ کے اصحاب اسپ سیاہ رنگ لے کر حاضر ہوئے جسکے عضلات مثل بیزے کے ٹھوس تھے، جس میں تیندوے کی جستی اور آندھی کی تیزی تھی۔ جوڑ جوڑ پھر کتا ہوا۔ چوڑا سینہ، پتلی کمر۔ رگ پٹھے پُر گوشت اور ٹانگیں سُبک تھیں۔ امیر المومنینؑ نے جیسے ہی اُسکی پیٹھ پر ہاتھ رکھا، اُچھل کود موقوف ہوگئی۔ آپ نے اس آیت کی تلاوت کی:

سُبۡحَانَ الَّذِیۡ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقۡرِنِیۡنَ.

پاک و پاکیزہ ہے وہ معبود جس نے اسے ہمارے قابو میں کیا۔ حالانکہ ہم تو ایسے (طاقتور) نہ تھے کہ اس پر قابو پاتے۔

پیٹھ پر بیٹھتے ہی آپ نے قبلہ کی طرف رُخ کیا اور دونوں ہاتھ آسمان کی طرف بلند کر کے انتہائی تضرع وزاری سے مناجات کی:

''خداوندا تیری ہی طرف یہ قدم اُٹھے، دل مائل، ہاتھ بلند اور آنکھیں نگراں ہوئی ہیں۔ پیغمبرؐ خدا کے موجود نہ ہونے، تعداد کی کمی، دشمنوں کی زیادتی، خواہشوں کے اختلاف، زمانہ کی سختیوں کی تجھی سے شکایت ہے۔ خداوندا! ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان حق کو کشادہ کر دے تو بہترین کشادہ کرنے والا ہے۔ ان لوگوں پر ہمیں فتح شتابی عنایت فرما اور ایسی کامیابی عنایت کر جس سے حق کی سلطنت اور اقتدار مضبوط ہو''۔

پھر آپ نے اپنے ساتھیوں کو پکار کر کہا:

''خدا کی برکت کے ساتھ اُٹھ کھڑے ہو''

پلک جھپکنے کی دیر تھی کہ موت کا بازار گرم ہو گیا۔

(۲)

جس وقت امیر المومنینؑ اپنے سپاہ کو لے کر میدان کی طرف بڑھے، آفتاب طلوع ہوئے تھوڑی دیر ہوئی تھی۔ اسپ سُبک سیر اتراتا ہوا چلتا اور ٹاپوں سے غبار اڑاتا ہوا۔ آپ اُسکی پشت پر یوں بیٹھے تھے جیسے اسی کے جسم کا ایک حصّہ ہوں۔ نہ گھوڑے کے دوڑتے وقت آپ کو حرکت ہوتی نہ اس کے مڑنے اور کاوا دینے میں آپ اِدھر اُدھر جھکتے۔ چہرہ کی تابندگی سے نگاہیں خیرہ ہو رہی تھیں۔ پیشانی پر سکون و اطمینان لہریں لے رہا تھا اور لبوں پر مسکراہٹ رقصاں تھیں۔ پلکیں جھکی ہوئی جیسے غنودگی کی کیفیت ہو۔

نہ جسم پر زرہ تھی نہ سر پر خود۔ سینہ کھلا ہوا۔ دشمن کی کینہ توز نگاہوں نے دور سے استقبال کیا اور آپ قریب بھی نہ پہونچنے پائے تھے کہ معاویہ کے میسرہ نے جو آپ سے قریب پڑتا تھا آپ پر یلغار کر دی۔ ان کا دیکھا دیکھی معاویہ کے میمنہ کی فوج بھی بڑھی۔ آپ کی نظر سپاہ شام سے گذرتی ہوئی لشکر کے بیچوں بیچ بڑے سے قبہ پر پڑی جس میں معاویہ فروکش تھے اور چاروں طرف صف بہ صف اور تہ بہ تہ فوجیں اُن کے قبہ کا حلقہ کیے ہوئے تھیں۔ فوجوں کے اس قلعہ اور سپاہیوں کی اس چہار دیواری میں معاویہ اپنے کو یوں چھپائے ہوئے بیٹھے تھے جیسے بخیل اپنا خزانہ چھپاتا ہے.......... اور خیمہ کے ارد گرد ایک دو نہیں پانچ پانچ صفیں فوجیوں کی ایک سے ایک اس طرح ملا ہوا کہ ہوا تک نہ گذر سکے۔ معاویہ قلب لشکر میں تھے اُن کا محافظ دستہ لشکر کے منتخب وفادار و جاں نثار افراد پر مشتمل تھا۔ بقیہ فوجیں جنگ میں حصہ لے رہی تھیں اور یہ لوگ پوری طرح چوکنّا، حفاظت میں مصروف اور جاں نثاری کے موقعہ کے منتظر تھے۔ اُنھوں نے معاویہ کے ہاتھوں پر اس بات کی بیعت کی تھی کہ جان دیدیں گے مگر قدم پیچھے نہ ہٹائیں گے۔ ان کا نعرہ تھا کہ ''ہماری قبر یہاں ہے۔'' اتنی مضبوطی سے جمے ہوئے تھے کہ جیسے تناور درخت۔

امیر المومنینؑ اُن کے پاس پہونچ گئے۔ پیچھے پیچھے آپ کا میمنہ اور میسرہ بھی بڑھ آیا۔ میمنہ کے سردار عبداللہ بن بدیل تھے۔ میسرہ کے عبداللہ بن عباس۔ عراق کے قاریان قرآن کچھ تو عمار بن یاسر کے ہم رکاب تھے، کچھ قیس بن سعد کے ساتھ، کچھ عبد اللہ بن بدیل کے ہمراہ۔ قلب لشکر میں خود امیر المومنینؑ تھے اور آپ کے ہم رکاب مدینہ وکوفہ اور بصرہ کے معززین۔۔۔۔ دفعتاً امیر المومنینؑ پیچھے مڑے۔ مُڑنے کی دیر تھی کہ میدان جنگ میں زلزلہ آگیا۔ آپکی فوجیں دشمن کی فوجوں پر پل پڑیں۔ آپ کے میمنہ نے جسکے سردار عبداللہ بن بدیل تھے، معاویہ کے میسرہ پر حملہ کر دیا۔ حملہ اتنا اچانک اور زبردست تھا کہ معاویہ کی فوجوں کے منہ پھر گئے۔ اگلی صفیں ٹوٹ کر پچھلی صفوں پر اس طرح گریں جس طرح دیوار گرتی ہے۔ ابن بدیل کے حملے نے نہ تو سوچنے سمجھنے کا موقع دیا نہ قدم جمانے اور دلوں کو سنبھالنے کا۔ ابن بدیل اپنے رسالے کی ہمّت بڑھاتے اور کہتے جاتے تھے:

''کیا تم لوگ ان شامیوں سے ڈرتے ہو؟ تمھیں خدا سے ڈرنا چاہئے۔''

اسی کے ساتھ تابڑ توڑ حملے کرتے، وار پر وار، حملہ پر حملہ۔ ان کے ہاتھوں میں دو تلواریں تھیں اور دونوں دشمنوں کی صفوں پر بجلی کی طرح گرتیں اور ستھراؤ کرتی جاتیں۔ جیسے تلواریں نہ تھیں موت کی درانتی تھیں۔ انھوں نے حبیب بن مسلمہ کی فوجوں کو توڑ پھوڑ کے رکھدیا، سب ہی اُن کے سامنے سے بھاگ کھڑے ہوئے۔ معاویہ آوازیں دیتے ہی رہے مگر کسی نے اُن کی بات نہ سنی۔ اب معاویہ کے پاس کوئی نہ تھا سوائے اس حفاظتی دستہ کے جس نے جان دیدینے کے بیپ معاویہ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی

عبداللہ بن بدیل کی کوشش تھی کہ کسی طرح اس حفاظتی دستہ تک پہونچیں اور ان کا قلع قمع کر کے معاویہ کے خیمے کے اندر گھس

جائیں۔وہ ایک دیوار کے بعد دوسری دیوار توڑ کر گراتے ایک صف کے بعد دوسری صف کو درہم برہم کرتے ہوئے آگے بڑھتے گئے۔

معاویہ کی فوجوں سے جب اور کوئی بس نہ چلا تو اُنھوں نے عبداللہ بن بدیل پر ہر طرف سے پتھر برسانے شروع کیے ۔پتھروںکی اتنی بارش ہوئی کہ ابن بدیل زخموں سے چور چور ہو گئے ۔اُن کی پیش قدمی رُک گئی ۔اصل میں اُنھیں چاہئے تھا کہ حبیب بن مسلمہ کے لشکر کا پیچھا نہیں چھوڑتے جہاں اُنکو پسپا کیا تھا وہاں اُنکا قلع قمع کر کے دم لیتے،اسطرح اس لشکر کی طرف سے اُنھیں بھی اطمینان ہو جاتا اور امیر المومنینؑ کے لشکر کو بھی ۔لیکن اُنھوں نے اپنی توجہ معاویہ پر مرکوز کر دی ۔اُنھیں امید تھی کہ وہ تن تنہا معاویہ کا قصہ پاک کر دیں گے ۔ابن بدیل کا خیال یہ تھا کہ حبیب ابن مسلمہ کی فوجوں کو بھگا کر جو ہم معاویہ کے قلب لشکر پر پل پڑتے ہیں تو یہ ناگہانی حملہ ہی انھیں بدحواس کر دے گا اور اُنکی صفوں میں ابتری پھیل جائے گی مگر ابن بدیل نے جیسا سوچا تھا ویسا ہوا نہیں ۔اُن سے یہ چوک ہوئی کہ انھوں نے فتح و شکست دونوں کے تمام امکانات پر غور نہیں کیا۔اُنھوں نے معاویہ کے میسرہ یعنی حبیب ابن مسلمہ کی بھاگتی ہوئی فوج کو اہمیت نہ دی ۔اسے شکست تو دے ہی چکے تھے ۔سمجھے کہ معاویہ کی شکست بھی کوئی دم کی بات ہے ۔مارتے کاٹتے دشمنوں کی صفیں چیرتے بڑھے جا رہے تھے ۔رُخ اُن کا معاویہ کی طرف تھا۔معاویہ کا حال گرگوں تھا۔موت سامنے نظر آ رہی تھی ۔مقابلہ پر آنے کی ہمت نہیں ہوتی تھی ۔معاویہ نے وہ جگہ چھوڑ کے اپنی جان بچائی ۔انھیں کے ساتھ اُن کا قلب لشکر بھی ہٹ آیا مگر پیچھے ہٹ کے قلب لشکر نے پھر اپنی صفیں جما لیں ۔سواروں کا دستہ بھی مدد کو آ گیا۔اسی کے ساتھ حبیب ابن مسلمہ کی فوج حواس ٹھیک اور ہمّت مضبوط کر کے پلٹ پڑی اور پوری طاقت سے ابن بدیل پر حملہ کر دیا۔یہ حملہ اتنا زبردست تھا کہ امیر المومنینؑ کا میمنہ پسپائی اختیار کرنے پر مجبور ہو گیا۔مگر ابن بدیل کی ہمت ابھی تک اپنے شباب پر تھی ۔قلب لشکر کے پھر جمنے اور حبیب کی فوج کے دوبارہ پلٹ پڑنے سے انکے عزم و ارادہ میں کمزوری نہ پیدا ہونے دی ۔وہ معاویہ کو نشانہ کیے ہوئے آگے بڑھتے گئے ۔نہ انھیں دشمنوں کے اژدہام کی پرواہ تھی نہ سواروں کے دستہ کو خاطر میں لاتے تھے،نہ تیروں کا مینہ اُنکے قدم روکتا تھا۔آگے پیچھے دائیں بائیں چاروں طرف سے وہ دشمن کے نرغے میں آ گئے ہر طرف سے اُن کے ارد گرد دیوار کھڑی ہو گئی ۔پھر بھی اُن کے قدم نہ رُکنا تھے نہ رُکے،بڑھتے ہی گئے ۔نہ اُنھوں نے جان بچانے کا خیال کیا نہ اس مہلکہ سے نجات پانے کی کوشش کی ۔وہ تو موت کے لیے آئے ہی تھے ۔دشمن کی موت یا پھر اپنی موت ۔ان کا شیرازہ بکھر نے لگا۔ساتھی ایک ایک کر کے گھٹتے گئے،سختی پر سختی بڑھتی گئی مگر وہ اپنی دھن میں ہر چیز سے بے پرواصرف سو جانبازوں کے ساتھ معاویہ کی طرف بڑھتے گئے اور کہتے جاتے تھے:

''ارے ان شامیوں سے ڈرتے ہو! خدا سے ڈرنا چاہئے۔

(۷)

ابن بدیل کی جدو جہد اور معاویہ کا سر کاٹ لینے کی کوشش زیادہ دیر تک جاری نہ رہ سکی۔ سو ساتھیوں کی تعداد کہاں اور کہاں معاویہ کی اجتماعی طاقت، تھوڑی ہی دیر میں ابن بدیل اور اُن کے تمام ساتھی زخموں سے چور چور ہو کر زمین پر آ رہے فتحیابی ہزیمت میں تبدیل ہوگئی۔ امیر المومنینؑ نے ان لوگوں کو قلب معاویہ میں گھستے دیکھ کر ہی خطرہ کا اندازہ کر لیا تھا اور آپ نے اُسی وقت سہل بن حنیف کو اُن کی مدد پر بھیجا۔ مگر سہل ابن حنیف کو پہونچتے پہونچتے کافی دیر ہوگئی۔ اتنی دیر میں دشمن نے اپنی پوری طاقت مجتمع کر کے حملہ کر دیا۔ اس حملہ میں معاویہ کا حفاظتی دستہ بھی شریک تھا، سواروں کا رسالہ بھی اور پھر میسرہ کی فوجیں بھی سہل بن حنیف اگر ہوا کے گھوڑے پر سوار ہو کر آتے تب بھی پانسہ پلٹنے کے پہلے ان کا پہونچنا ناممکن تھا، امیر المومنینؑ کے میمنہ کے قدم پیچھے ہٹ گئے، سہل کی کوشش بھی کوئی فائدہ نہ پہونچا سکی، امیر المومنینؑ کے قلب لشکر نے جب اپنے میمنہ کی پسپائی دیکھی تو وہ آگے بڑھ کر معاویہ کے میسرہ کی فوجوں کا مقابل ہوا مگر یلغار اتنی زبردست تھی کہ قلب لشکر بھی اس کو روکنے پر قادر نہ ہوا۔ امیر المومنینؑ نے دیکھا کہ آپ کا میمنہ بُری طرح بکھر چکا ہے، کمک جو بھیجی گئی تھی اُسے بھی دشمن نے تتر بتر کر دیا اور بہت کثرت سے آپ کے سپاہی مارے گئے، جدھر نظر اُٹھتی تھی تباہی ہی تباہی نظر آتی تھی، میمنہ، میسرہ، قلب لشکر، ہر طرف افرا تفری تھی پھر بھی آپ گھبرائے نہ ہراساں ہوئے، ابھی آپ کے سینہ میں آپ کا دل موجود تھا۔ میمنہ میسرہ نہ سہی دونوں بازو سلامت تھے۔ آپ خود ایک لشکر تھے، آپ کی وحدت خود بہت بڑی کثرت تھی، موت کیا چیز ہے اور دشمن کا ساز و سامان کیا؟ آپ کے ہاتھوں میں وہ ذوالفقار موجود تھی جس نے خندق، خیبر جیسے مرحلے تنہا سر کیے تھے، امیر المومنینؑ بار بار چاہتے تھے کہ دشمن کی صفوں میں گھس پڑیں، آپ کے جاں نثار اصحاب، بیٹے، بھتیجے حائل ہو جاتے تھے۔ ہر شخص کو شاں تھا کہ ہماری جانیں قربان ہو جائیں اور امیر المومنینؑ مہلکہ میں نہ پڑیں، ان لوگوں نے آپ کو حلقہ میں لے رکھا تھا۔ آپ کے ارد گرد اپنے سینوں، گردنوں اور جسموں کا ایک حصار بنائے ہوئے تھے، آپ انھیں جھڑک کر آگے بڑھے، اس وقت آپ کے جسم پر زرہ تھی نہ ہاتھ میں سپر، ہاتھ میں کوئی اسلحہ بھی نہ تھا سوا ایک چھوٹے سے نیزے کے۔

سعید بن قیس نے حیران ہو کر پوچھا:

''امیر المومنینؑ کیا آپ کو اس کا بھی خوف نہیں کہ آپ کے دشمن اتنے قریب ہیں کہیں کمیں گاہ سے چھپ کر آپ پر حملہ نہ کر دیں؟''

آپ نے فرمایا:

''سعید! ہر شخص کے لیے خداوند عالم کی طرف سے کچھ پاسبان اور نگہبان مقرر ہیں جو اُسے کنویں میں گرنے، دیوار میں

دبنے یا کسی آفت میں مبتلا ہونے سے بچاتے رہتے ہیں۔ ہاں! جب وقت آجاتا ہے تو نگہبان اُسے اُسکے حال پر چھوڑ دیتے ہیں۔''

آپ لپک کر دشمن کی طرف بڑھے۔ بیٹوں، بھتیجوں یا اصحاب میں سے جو بھی مزاحم ہوا اُسے سختی سے جھٹک دیا۔ اس وقت آپ تن تنہا دشمن کی پوری فوج کے مقابل تھے۔ آپ کی کیفیت اس وقت ایک ایسے علم کی تھی جو ہموار زمین پر نصب ہو اور مثل ایسے ہدف ونشانہ کے تھے جو ہر طرف سے زَد پر تھا۔ تیروں کا مینہ برس رہا تھا، تلواروں کی بجلیاں کوندرہی تھیں۔

امام حسنؑ سے ضبط نہ ہوسکا آپ نے بھی آگے بڑھ کر عرض کی:

''کیا حرج ہے اسی طرف کیوں نہ چلئے جدھر آپ کے اصحاب بھی دشمن کے مقابلہ میں جمے ہوئے ہیں۔''

امیرالمومنینؑ نے اپنے میسرہ کی طرف نظر ڈالی، جہاں کچھ لوگ ابھی تک اپنی جگہ مضبوطی سے جم کر دشمن سے لڑ رہے تھے، پھر مسکراتے ہوئے فرمایا:

''بیٹا! تمھارے باپ کے لیے ایک دن مقرر ہے اس سے تجاوز ممکن نہیں۔ کوشش کرنے سے وہ وقت ٹل نہیں سکتا اور نہ جلد چاہنے سے وہ دن آسکتا ہے۔''

معاویہ کی فوجوں نے جب امیرالمومنینؑ کو اس حال سے آتے دیکھا تو جھنڈ کے جھنڈ آپ کی طرف دوڑ پڑے۔ ابو سفیان کے غلام احمر نے خیال کیا کہ یہ بہترین موقع ہے، علیؑ بالکل نہتے آرہے ہیں، اُن کو ہلاک کر کے اپنے آقا معاویہ کو تمام پریشانیوں سے نجات دلائی جاسکتی ہے۔ اس نے امیرالمومنینؑ کو بڑھتے دیکھکر یقین کرلیا کہ ان کی قضا آگئی ہے۔ گھوڑے کو ایڑ لگائی اور تلوار کھینچے اچانک آپ کے سر پر آپہونچا مگر وہ قریب پہونچکر تلوار چلانے بھی نہ پایا تھا کہ امیرالمومنینؑ نے بجلی کی سی سرعت سے اسکے پٹکے پر ہاتھ ڈالا۔ اُسے گھوڑے سے اُٹھا کر اتنی زور سے پٹکا کہ ہڈیاں چور چور ہوگئیں اور بدن کا گوشت چیتھڑے چیتھڑے اُڑ گیا۔ (کتاب الصفین نصر بن مزاحم۔ الامام علی ابن ابی طالب جلد چہارم۔ اعیان الشیعہ جلد ۳)

اس وقت آپ کے میسرہ میں صرف قبیلہ ربیعہ والے بڑی ثابت قدمی و پامردی سے جمے ہوئے تھے۔ اُن پر نہ کوئی خوف تھا، نہ محاذ جنگ کے دوسرے حصہ میں شامیوں کے غلبہ سے پریشانی لاحق تھی۔ باوجود اس کے امیرالمومنینؑ میسرہ کی طرف نہیں بڑھے اور نہ اُن کی استادہ صفوں کی آڑ میں کھڑا ہونا گوارا کیا۔ میمنہ پسپا ہو چکا تھا، قلب لشکر کی حالت بھی نازک تھی، صرف آپ ہی تنہا قائم تھے، آپ آگے بڑھے اور شام کے دل بادل میں ڈوب گئے جو سامنے آیا آپ کے ہاتھوں موت کے گھاٹ اترا، اس داروگیر کے عالم میں بھی آپ اپنے لشکر کی دیکھ بھال سے غافل نہ رہے۔ آپ دشمنوں کو مارتے بھی جاتے اور ترتیب لشکر بھی کرتے جاتے، بڑھ بڑھ کر حملہ بھی کرتے، اور اپنی بکھری ہوئی صفوں کو منظم بھی کرتے۔ کبھی میمنہ کی طرف پہونچتے

کبھی میسرہ کی طرف اُن کی ہمت بڑھاتے، صبر کی تلقین کرتے فرار کی ذلت سے ڈراتے۔آپ نے مالک اشتر کو بلا کر کہا:

''میمنہ والوں کے پاس جاؤ اور اُن سے کہو کہ تم موت سے بچ کر کہاں تک بھاگو گے؟''

محاذ کے ہر حصہ پر آپ پوری طرح نگراں تھے۔جدھر کمزوری محسوس کرتے یا صفوں میں انتشار نظر آتا فوراً ہی اس کا تدارک کرتے۔تین شب و روز صفین کا میدان قیامت کا نمونہ بنا رہا۔لگاتار لڑائی ہوتی رہی، اس پورے عرصہ میں بڑے غور سے حالات کا جائزہ لیتے رہے، اپنے لشکر کی پیش قدمی، پھر ڈھیلے پڑ جانا، یلغار اور فرار کوئی معمولی سے معمولی بات آپ سے مخفی نہ تھی۔پورے میدان جنگ پر یوں آپ کی نظر تھی جیسے کوئی کتاب کا ورق، اور جیسی ضرورت سمجھتے ویسی ہی کاروائی عین وقت پر عمل میں لاتے۔آپ کی ہمت اسی طرح شباب پر تھی اور سختی بجائے حوصلہ کو پست کرنے کے اور بڑھاتی تھی۔

جس وقت حملہ کی شدت سے آپ کے قلب لشکر میں ابتری پھیلی تو آپ نے فوراً ہی اصلی سبب کا پتہ لگایا اور اسی وقت اسکے تدارک کی سبیل بھی تجویز کر لی۔قلب لشکر میں صرف مٹھی بھر آدمی رہ گئے تھے اور ایک آپ خود تھے آپ نے جیسے ہی اپنی صفوں میں انتشار دیکھا دشمن کی صفوں میں پھاند پڑے۔کبھی ادھر ٹوٹ کر گرتے کبھی ادھر۔تن تنہا دشمن کے چڑھتے ہوئے دریا اور اُمنڈتے ہوئے سیلاب سے جنگ کر رہے تھے۔اس لئے نہیں کہ فتح آپ ہی کی ہو بلکہ اس لیے کہ گھبرائے اور سہمے ہوئے دلوں کی ڈھارس بندھے۔آپ کو دیکھ کر آپ کے سپاہی بھی تقلید کریں اور بھاگنے والے جم کر لڑنے پر آمادہ ہو جائیں۔

اُسی وقت کا واقعہ ہے کہ معاویہ کے بہت بڑے گھوڑے سوار دستہ نے امیر المومنینؑ کے سواروں کے دستہ پر حملہ کر کے اُنھیں مغلوب کر لیا۔ہزاروں سپاہی دشمن کے نرغہ میں آ گئے اور رہائی کی کوئی صورت باقی نہ رہی۔امیر المومنینؑ نے پکار کر کہا:

''کوئی ہے جو اپنی جان خدا کے ہاتھ فروخت کرے اور اپنی دنیا کو آخرت کے عوض بیچ ڈالے؟''

قبیلہ جعف کا ایک آہن پوش بہادر آگے بڑھا، عرض کی:

''آپ مجھے حکم دیجئے، جس کام کا حکم دیجئے میں ضرور انجام دوں گا۔''

آپ نے فرمایا:

''ابوالحارث! خدا تمھارے بازو سلامت رکھے، شام والوں پر حملہ کر کے اپنے ساتھیوں تک پہونچو اور اُن سے کہو کہ امیر المومنینؑ تم کو سلام کہتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ تم اپنی طرف تکبیر کے نعرے بلند کرو یہاں ہم نعرے بلند کرتے ہیں، تم اس طرف سے شام والوں پر حملہ آور ہو ہم ادھر سے حملہ کرتے ہیں۔''

لوگوں نے دیکھا کہ ابوالحارث گھوڑا اڑا کے چلے، دشمن کی آہنی صفوں میں گھستے و ہنستے اپنے ساتھیوں کے پاس جا

پہونچے، ساتھیوں نے ابوالحارث کو دیکھ کر پوچھا:

امیرالمومنینؑ کس حال میں ہیں؟

''بخیریت ہیں، تمھیں سلام کہلا بھیجا ہے۔''

اسکے بعد ابوالحارث نے امیرالمومنینؑ کا پیغام پہونچایا۔ چند ہی منٹ میں تکبیر کی صداؤں سے زمین ہلنے لگی کبھی ادھر سے کبھی ادھر سے نعرہ بلند ہوتا۔ شامیوں میں دہشت پھیل گئی۔ گھبرائے کہ یہ نئی آفت کون سی اُٹھ کھڑی ہوئی۔ وہ سمجھے کہ علیؑ بہت بڑا لشکر لے کر آپہونچے تکبیر کی صدائیں کبھی سامنے سے آتی معلوم ہوتیں کبھی پیچھے سے۔ انھیں یقین ہوگیا کہ اب ہم چکّی کے دو پاٹوں میں گھر چکے ہیں، تدبیر کام کرگئی۔ امیرالمومنینؑ کی فوج جو دشمن کے نرغہ میں گھر چکی تھی اُسے نرغہ توڑ کر باہر آنے کا موقع مل گیا۔

مالک اشتر امیرالمومنینؑ کا حکم پا کر میمنہ والوں کے پاس جو پیچھے ہٹ آئے تھے پہونچے، انھیں بار بار آوازیں دیں، غیرت دلائی، ثابت قدمی کی تلقین کی، مگر اُن لوگوں پر اتنی دہشت طاری تھی کہ بہت کم لوگوں نے توجہ کی۔ وہ اپنی گرج دار آواز سے پکارتے ہی رہے:

''میں مالک بن حارث ہوں، میں اشتر ہوں میری طرف آؤ۔''

مگر ان کی آواز سن کر اگر ایک انکی طرف آتا تھا تو دس دور بھاگتے تھے۔ وہ اُنھیں للکارتے، بُرا بھلا کہتے مگر اُنھیں کوئی پروانہ ہوتی جیسے اُنھوں نے کانوں میں انگلیاں دے لی ہوں۔ اُنھوں نے اپنی قوم والوں کو خصوصیت سے آواز دی:

''مذحج والے میرے پاس آجائیں''۔

مالک کا یہ تیر نشانہ پر بیٹھا، دہشت سے سہمے ہوئے لوگوں کی مدہوشی جیسے دور ہونے لگی، بھاگتے ہوئے قدم رُکے، پلٹے ہوئے ہوش واپس ہونے لگے۔ مالک اشتر نے اپنی قوم والوں کو خصوصیت سے پکار کر جیسے دیگر قبائل کی غیرت وحمیت کا چیلنج دیدیا، دوسروں نے محسوس کیا کہ وہ ہمیں نا قابل التفات سمجھتے ہیں اور اپنے قبیلہ والوں کو ہم پر ترجیح دیتے ہیں۔ وہ گھور گھور کے مالک کو دیکھنے لگے مگر مالک نے ان کی طرف توجہ نہ کی وہ اپنے قبیلہ والوں کو جمع کرتے رہے۔ رفتہ رفتہ ان کی جمیعت اکٹھا ہوگئی، مالک نے انھیں پھٹکارتے ہوئے کہا:

تمہارا ناس ہو خدا کی قسم! تم نے اپنے پروردگار کو راضی کیا نہ اس کی خیر خواہی کی۔ ایسا ہوا کیسے؟ تم جنگ کے سیوت، مارکاٹ کے سورما اور میدان جنگ کے شہسوار ہو۔ تم اپنے دشمن کی موت ہو، تم نیزہ باری والے مذحج ہو۔

مالک تھوڑی دیر خاموش رہے، ساتھیوں کے چہرے پر مارے شرم وندامت کے پسینہ آ گیا، مالک نے اپنی آواز میں نرمی پیدا کر کے اور شامیوں کی طرف اشارہ کر کے کہا:

''آج مجھے سرخرو کرو، میرے چہرے کا خون پلٹا لاؤ، خدا کی قسم یہ جتنے شامی تمھیں نظر آتے ہیں ان میں ایک شخص میں بھی پر مگس برابر دین خدا نہیں۔''

ساتھیوں نے کہا:

''آپ جیسا حکم دیجئے اور جدھر چاہے لے کر چلئے۔''

مالک اشتر انھیں میمنہ کی طرف لے بڑھے۔ سب سے پہلے ضرورت اسکی تھی کہ میمنہ کو درست کیا جائے جو درہم بر ہم ہو چکا تھا۔ بڑا مشکل مرحلہ تھا۔ معاویہ کی فوجوں نے میمنہ کو توڑ پھوڑ کے رکھدیا۔ میمنہ پر متعین پوری فوج جگہ چھوڑ کے پیچھے ہٹ آئی تھی۔ قبیلہ ہمدان کے صرف آٹھ سو جانباز سر ہتھیلی پر لیے دشمن کے مقابلہ میں ڈٹے ہوئے تھے، اُن آٹھ سو مجاہدوں میں سے ۱۸۰ آدمی مقتول ہوئے، اُن کے کئی سردار مارے گئے۔ ایک کے گرنے پر دوسرا بڑھ کر علم ہاتھ میں لے لیتا، دوسرے کے بعد تیسرا، اسی طرح گیارہ سردار یکے بعد دیگرے آگے بڑھے اور عروس شہادت سے ہمکنار ہوئے۔

سب سے پہلے کریب بن شریح، شرجیل بن شریح، مرثد بن شریح، ہبیرہ بن شریح، ہریم بن شریح، شمر بن شریح، چھ حقیقی بھائیوں نے یکے بعد دیگرے علم ہاتھ میں لیا اور لڑتے ہوئے مارے گئے۔ انکے بعد ابوسفیان بن زید نے علم سنبھالا وہ گرے تو حبہ بن زید نے لیا، اُن کے گرنے پر کرب بن زید نے لیا، اس طرح یہ تینوں بھائی بھی ایک ایک کر کے مقتول ہوئے اُن کے بعد پھر عمیرہ بن بشر پھر حارث بن بشر نے علم سنبھالا اور اس کی حفاظت میں یہ دونوں بھائی لڑائی لڑتے ہوئے مقتول ہوئے

پھر وہیب بن کریب نے اس علم کو ہاتھ میں لیا اور چاہا کہ جم کر دشمن سے لڑے۔ اسکی قوم کے کسی آدمی نے کہا:

اب اس علم کو لے کر ہٹ جاؤ، تمھاری قوم کے بڑے بڑے معززین قتل ہو چکے ہیں، اب اپنے اوپر بھی رحم کرو اور اپنی قوم والوں پر بھی۔''

ان بچے کھچے لوگوں نے بڑے حسرت واندوہ بھرے لہجہ میں کہا:

''کاش عرب کے کچھ لوگ ہمارے ساتھ عہدہ پیمان کر لیتے پھر ہم بھی آگے بڑھتے اور وہ بھی، اور اسوقت تک لڑتے رہتے جب تک ہم ایک ایک کر کے قتل ہو جاتے یا پھر دشمن پر فتحیاب ہوتے۔''

اُسی وقت مالک اشتر کی اُن سے ملاقات ہوئی اُن کے یہ حسرت بھرے کلمات سن کر اشتر نے کہا:

''آؤ ہمارے پاس آؤ میں تم سے حلف لیتا ہوں اور عہد و پیمان کرتا ہوں کہ ہم لوگ اُس وقت تک نہیں ملیں گے جب تک غالب نہ ہو جائیں یا اپنی جان نہ دیدیں۔''

سب ایک ایک کر کے اشتر کے گرد جمع ہو گئے اور اشتر اُنھیں لے کر میمنہ کی طرف بڑھے۔

میمنہ کی پسپائی زیادہ دیر تک نہ رہی۔ مالک کی آمد اور انکے ولولہ خیز نعروں اور جوشیلی تقریروں نے اُن میں نئی زندگی پیدا کر دی، پیچھے ہٹتے ہوئے قدم رُک گئے۔ غول کے غول اُن کے گرد آ کر جمع ہونے لگے۔ اب نہ وہ گھبراہٹ تھی نہ خوف و ہراس، کمزوری و بے بسی کا احساس جاتا رہا، اب جو تھا وہ پشیمان و رنجیدہ کہ ہم سے ایسی لغزش ہوئی کیوں۔ ان میں سے کسی کے دل میں بھی کھوٹ نہیں تھی، وہ تو معاویہ کی فوجوں کا ناگہانی حملہ اتنا شدید تھا کہ اُن کے پیر اُکھڑ گئے اور جان بچانے کی فکر لاحق ہو گئی، مالک اشتر آوازوں پر آوازیں دیتے اور ہر آواز پر کبھی اس طرف سے کوئی غول اُن کے پاس آجاتا کبھی اُس طرف سے کوئی غول۔ سب اپنے دامنوں سے شکست کا غبار جھاڑتے اور چہروں سے فرار کی سیاہی مٹاتے ہوئے آئے۔ جب ایک ایک سپاہی پلٹ آیا اور میمنہ پھر اُسی طرح مرتب ہو گیا جس طرح پہلے تھا تو مالک انھیں لے کر اُس طرف بڑھے جدھر عبداللہ بن بدیل نرغہ میں تھے۔ دشمن کا جو رسالہ سامنے آیا اُسے روندتے کچلتے راہ بناتے ہوئے آگے بڑھے۔ موت کا فرشتہ اُن کے لیے راستہ صاف کرتا جاتا اور زمین کامیابی کا فرش بچھاتی جاتی۔ ساتھی فتحیابی کے نشہ میں سرشار تھے۔ معاویہ کی فوج مالک کی جی داری و ثبات و استقلال، نیزوں کو اپنے سینے سے ریلتے دیکھکر مبہوت تھی۔ جب دشمن اُن کے سامنے ٹھہرنے کی کوشش کرتے تو وہ ان میں گھس پڑتے۔ جب ان سے کتراتے تو وہ اُن کا پیچھا کرتے اور اگر بھاگنے کا ارادہ کرتے تو دوڑ کر اُن کی راہ بند کر دیتے۔ جدھر نگاہ اُٹھتی اُنھیں مالک کی تلوار ہی نظر آتی اور اس تلوار کی آب میں اپنی موت کا عکس۔ یہاں تک کہ خود مالک کے ساتھی اُن کے جوش شجاعت کو دیکھ کر دنگ رہ گئے۔ دو بھائیوں نے آپس میں سرگوشی کی، منقذ نے کہا:

''پورے عرب میں مالک جیسا بہادر مشکل ہی سے کوئی ہوگا، اگر واقعاً اس جنگ میں اُن کی نیت ٹھیک ہے۔''

اُس کے بھائی حمیر نے کہا:

''اُن کی نیت تو وہی ہے جو تم دیکھ رہے ہو۔''

منقذ نے سر ہلا کر کہا:

''میں تو ڈرتا ہوں کہ یہ کہیں حکومت کے طلبگار نہ ہوں۔''

مگر حقیقت یہ ہے کہ مالک کو دنیا کی ذرہ برابر خواہش نہ تھی، وہ تو بس آخرت کے طلبگار تھے۔ شرافت و کردار کی مدد کر رہے تھے، اُن کا مقصود محض دو نیکیوں میں ایک نیکی تھی یا سرکش و گمراہ دشمن پر غلبہ یا پھر شہادت!!!

مالک نے بھیڑ میں دیکھا کہ امیر المومنینؑ کے کچھ لوگ امیر المومنینؑ کے ایک آدمی کو ہاتھوں پر اُٹھائے لیے جا رہے ہیں۔ وہ شخص خون میں ڈوبا ہوا ہے۔ مالک نے پوچھا یہ کون ہے؟

لوگوں نے بتایا:

''یہ زیاد بن نضر ہیں! عبداللہ بن بدیل جب دشمن کے نرغۃ میں گھر گئے تھے، زیاد نے اُن کی جگہ میمنہ کا علم ہاتھ میں لے لیا جم کر لڑے یہاں تک کہ زخموں سے چور چور ہو گئے۔''

پھر تھوڑی دیر کے بعد اُنھوں نے ایک دوسرے زخمی کو اسی طرح جاتے دیکھ کر پوچھا یہ کون ہے؟''

لوگوں نے بیان کیا:

''یہ یزید بن قیس ہیں جب زیاد زخمی ہو کر گر پڑے تو اُن کی جگہ اُنھوں نے لے لی اور میمنہ کا علم ہاتھ میں لے کر اتنا لڑے کہ یہ بھی زخموں سے چور چور ہو گئے۔''

مالک نے کہا:

''خدا کی قسم! یہ ہے پامردی و استقلال اور قابل فخر کارنامہ۔ دوسروں کو شرم نہیں آتی کہ بغیر مارے یا مرے میدان چھوڑنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔''

مالک کی کیفیت اس وقت دیکھنے کے قابل تھی۔ معلوم ہوتا تھا جیسے ایک دیو ہے گھوڑے پر سوار، اُن کا اسپ سُبک سیر آندھی کی طرح میدان کو تہ و بالا کیے ہوئے تھا۔ چھلاوے کے مانند ایک ہی لمحہ میں کبھی یہاں دکھائی دیتا کبھی وہاں۔ مالک کو اس وقت صرف یہی فکر نہ تھی کہ دشمن کی صفوں میں گھس کر جتنے ہاتھ لگیں سبھی کو ٹھکانے لگا دیا جائے، اُن کی تلوار مشین کی طرح برابر اپنا کام کیے جا رہی تھی اور وہ خود بڑے عادلانہ طریقہ پر دشمن کو برابر برابر موت و ہلاکت تقسیم کر رہے تھے مگر اُنھیں بے چینی تھی کہ کسی طرح یہ غبار چھٹے اور وہ ابن بدیل اور اُن کے جوانمرد ساتھیوں کو دیکھ سکیں جنھوں نے جان دیدینے کے لیے باہم عہد و پیمان کیے تھے۔ وہ لوگ ایک طرف زخموں سے چور چور پڑے تھے اور اُن میں رمق جان باقی تھی۔

تھوڑی ہی دیر میں مالک اپنے جانبازوں کے ہمراہ ابن بدیل کے قریب پہونچ گئے۔ ابن بدیل اور اُن کے خاک

وخون میں غلطاں ساتھیوں نے اپنے قریب لشکر کی آہٹ محسوس کر کے آنکھیں کھولیں، یہ دیکھ کر کہ یہ لوگ اپنے ہی آدمی ہیں سب میں زندگی کی لہر دوڑ گئی، ان لوگوں نے حسرت بھرے لہجہ میں پوچھا:

''امیرالمومنینؑ کا کیا حال ہے؟۔''

اشتر کے ساتھیوں نے جواب دیا:

''زندہ وسلامت میسرہ میں تشریف فرما ہیں اور دشمن سے مصروف پیکار ہیں'':

ابن بدیل اور اُن کے ساتھیوں کے چہرے کھل اُٹھے بولے:

''شکر خدا کا۔۔۔۔۔۔ہم تو یہ سمجھے ہوئے تھے کہ امیرالمومنینؑ بھی جاں بحق ہوئے اور تم لوگ بھی اُن کے ساتھ ختم ہو گئے۔''

ابن بدیل اُچھل کر کھڑے ہو گئے۔ نہ مہلک زخموں کی پرواتھی نہ ضعف ونقاہت کا ذرہ برابر خیال۔ علیؑ کے ذکر نے اُن کے تن مردہ میں گویا پھر سے جان ڈال دی۔ اب وہ پھر وہی پہلے جیسے ابن بدیل تھے۔ ضدّی اور ہٹیلے، خطروں سے کھیلنے اور موت کو للکارنے والے۔ اُنھوں نے اپنے ساتھیوں سے کہا:

''چلو اٹھو ہمارے ساتھ آؤ۔''

اب پھر ایک مرتبہ اس جانباز مجاہد نے بچی کھچی طاقت سے دشمن پر حملہ کیا۔ اس مرتبہ بھی اُن کا رُخ اسی قبہ سپید کی طرف تھا جس میں معاویہ فروکش تھے۔ ابن بدیل کے نقش قدم پر اُن کے ساتھی بھی لپکے، اتنی ہی تیزی کے ساتھ جتنا زخمی جسم کے ساتھ چلنا ممکن تھا۔ انھوں نے ایک دوسرے سے اپنے شانے ملا لیے تھے۔ یوں چلتے تھے جیسے ایک آدمی چلے۔ سب کے قدم ایک ساتھ اُٹھتے اور ایک ساتھ زمین پر ٹکتے، ان کے پہلوؤں میں دل اُچھلا پڑتا تھا کہ کسی طرح یا تو کامیابی نصیب ہو یا پھر ہماری موت آجائے۔ ابن بدیل علم لشکر اور مشعل راہ بنے ہوئے آگے آگے چل رہے تھے اور اُن کے ساتھی اُس مشعل کی روشنی میں اُن کے پیچھے رواں دواں تھے۔ مالک کے منع کرنے پر بھی ان لوگوں کی رفتار سُست نہ ہوئی۔ مالک نے بہت اصرار کیا کہ آپ اپنے ہمراہیوں سمیت یہیں رکیے۔ آپ کے لیے بھی بہتر ہے اور آپکے ساتھیوں کے لیے بھی مگر ابن بدیل نے جان بچانے سے انکار کر دیا اور اپنے قدم اور تیز کر دیے۔

ابن بدیل آگے بڑھتے ہوئے معاویہ کے قریب پہونچ گئے، اُن کی اس جرات ودلیری نے معاویہ کے سپاہیوں کے ہوش اُڑا دیئے۔ نہ آنکھوں سے کچھ دکھائی دیتا نہ ہاتھوں میں سکت باقی تھی۔ معلوم ہوتا تھا جیسے خواب دیکھ رہے ہوں ۔معاویہ کے حلق سے گھٹی ہوئی چیخ نکل گئی۔ انھوں نے اپنے سپاہیوں سے چلا کر کہا:

''ارے تمھارا ناس ہو! اگر اسلحے سے کام نہیں لے سکتے تو ڈھیلوں پتھروں سے کام لو۔''

اس چیخ نے اُن کے سپاہیوں کو ہوشیار کیا اور اب ہر طرف سے ابن بدیل پر پتھروں کا طوفان آ گیا۔ معاویہ کے کسی سپاہی کو ہمّت نہ ہوسکی کہ وہ سپاہی کی طرح اُن کی طرف بڑھے اور تلوار یا سلاح جنگ سے اُن کا مقابلہ کرے۔ کوئی اُن میں ایسا نہ تھا جسے اُن کے نزدیک آنے کی جرات ہوتی اسلحوں نے دور سے اُن کا کام تمام کیا درانحالیکہ ان کی تعداد اتنی زیادہ تھی کہ بہت آسانی سے مقابلہ کر سکتے تھے اُن سورماؤں کے وار سے اپنے کو بچا سکتے تھے۔ جس وقت ابن بدیل کی طاقت کہیں جواب دے گئی، پتھروں کی بوچھار نے اُن کو چور چور کر دیا اور ابن بدیل یوں ڈھیر ہو گئے، جیسے گوشت کے لوتھڑوں اور خون کا کوئی انبار ہو، معاویہ نے اپنے سپاہیوں سے پکار کر کہا:

''دیکھو تو کون ہے؟''

سپاہیوں نے کہا:

''ابن بدیل ہیں''

معاویہ نے آگے بڑھ کے چاہا کہ اس چادر کو ہٹائیں جو اُنھیں کے ایک سپہ سالار فوج عبداللہ بن عامر نے ابن بدیل کے جسم پر ڈال دی تھی۔ اس موقع پر عبداللہ بن عامر کی آنکھیں آبگوں ہوگئیں، چہرے پر سختی آ گئی، اس نے معاویہ کا ہاتھ جھٹک دیا اور گرج کر کہا:

''خدا کی قسم ہرگز نہیں! جب تک میری جان میں جان ہے اُن کا مثلہ نہیں کیا جا سکتا۔''

معاویہ نے نرمی سے کہا:

''چہرہ تو ان کا کھولو میں ہرگز ان کا مثلہ نہیں کروں گا، میں ان کی میت تمھیں ہبہ کرتا ہوں۔''

اس کے بعد انھوں نے شماتت اور غرور بھری نظریں اپنے دشمن (ابن بدیل) کے چہرہ پر ڈالیں اور کہنے لگے:

''پروردگار کعبہ کی قسم، یہ تھا اپنی قوم کا سردار، خداوندا اشتر نخعی اور اشعث کندی پر بھی مجھے فتحیاب کر۔

خدا کی قسم ابن بدیل ایسے ہی تھے جیسا کہ شاعر نے کہا ہے۔:

''وہ جنگ کا بھائی ہے اگر جنگ اُس پر دانت لگائے تو وہ بھی اُسے کاٹ کھاوے۔

میدان جنگ میں جب موت سے مڈبھیڑ ہوتی تو قدم پیچھے ہٹانے کو ننگ دعار سمجھتا تھا۔

وہ شیر بیشہ کی طرح اپنے بیشہ کی حفاظت کرتا تھا......

اس کے بعد بولے:

''بنی خزاعہ کے مرد تو مرد اگر ان کی عورتوں کا بھی امکان ہوتا، ہم سے لڑنے کا تو وہ ہم سے ضرور لڑتیں۔''

معاویہ اپنے قبہ میں واپس گئے اور عبداللہ بن عامر نے آنسو پی کر ابن بدیل کے چہرے پر چادر کھینچ دی۔

(کتاب الصفین نصر بن مزاحم۔ الامام علی ابن ابی طالب جلد چہارم۔ اعیان الشیعہ جلد سوم وغیرہ)

(۸)

دو پہر تک جنگ کی کیفیت ڈانواڈول رہی۔ کسی طرف غلبہ تھا کسی طرف پسپائی۔ مالک اشتر میمنہ کو درست کرنے اور سنبھالنے میں مصروف تھے۔ میسرہ میں امیر المومنینؑ جمے ہوئے مصروف کارزار تھے، نہ کوئی لشکر تھا نہ حفاظتی دستہ، صرف قوم ربیعہ کے کچھ لوگ تھے جو ثابت قدمی سے دشمن کے مقابلہ میں ڈٹے ہوئے تھے۔ طلوع آفتاب سے لے کر رات کی تاریکی پھیلنے تک اُن کی یہی کیفیت رہی۔ موت اُن سے اُلجھی ہوئی تھی اور وہ موت سے اُلجھے ہوئے تھے اور آخر وہ موت پر غالب آ کر رہے۔ امیر المومنینؑ نے اُن کے پاس پہونچ کر پوچھا:

''یہ نشان لشکر کن لوگوں کے ہیں؟

لوگوں نے بتایا کہ یہ قبیلہ ربیعہ والوں کے نشان ہیں۔

آپ نے اُن کے حق میں دعائے خیر کی اور اُن کی بڑائی ظاہر کرتے ہوئے فرمایا:

''نہیں یہ ربیعہ کے علم نہیں بلکہ خدا کے علم ہیں، خدا اُن لوگوں کو محفوظ رکھے۔ انھیں ثبات قدم اور استقلال و پامردی عنایت فرمائے۔''

پھر آپ نے ایک کمسن نوجوان کو جو سُرخ رنگ کا علم اُٹھائے تھا، پاس بلا کر کہا:

نوجوان! اس علم کو ایک ہاتھ آگے نہیں بڑھا سکتے؟

''ہاں خدا کی قسم ضرور بلکہ دس ہاتھ۔''

یہ کہہ کر وہ نوجوان جھپٹ کر آگے بڑھا اور چاہا کہ دشمن کے گھنے لشکر میں ڈوب جائے، اُسے نہ گھمسان کے معرکہ کی کوئی پرواہ تھی نہ موت سے کوئی ہراس، جوش شجاعت نے ہر چیز سے بے پروا کر رکھا تھا، مگر امیر المومنینؑ نے روکا۔

''جہاں ہو وہیں رکے رہو۔''

نوجوان رُک گیا، اُس کے پیچھے اُس کے ہمراہی بھی رُک گئے۔ شانے سے شانے ملائے ہوئے نہ اُنکی صفوں میں

کسی کا گھسنا ممکن تھا نہ اُن کے قدم کسی کے ہٹائے ہٹنے والے تھے۔ دست بدست لڑائی ہونے لگی۔ ایک ایک انچ پر خونریز جنگ ہوئی۔

معاویہ کی بڑی کوشش تھی کہ ہماری جان ہرطرح سلامت رہے، اسی لیے اُنھوں نے قلب لشکر میں اپنے لیے قبہ بھی نصب کرایا اور اُس کے لیے ایسے جنگ آزمودہ افراد کا حفاظتی دستہ بھی مرتب کیا جنھوں نے جان دیدینے کے لیے عہد و پیمان کیے تھے۔ اسی کے ساتھ اُن کی انتہائی کوشش رہی کہ کسی طرح علیؑ پر قابو چل جائے۔ کھل کے اُن پر وار نہ کیا جا سکے تو اُنکی غفلت میں حملہ کر کے کام تمام کر دیا جائے۔ اس کے لیے انھوں نے مکر وفریب کے ہتھکنڈے بھی استعمال کیے، مال و زر بھی عہدہ و منصب بھی اور تملق و چاپلوسی بھی، ہر حیلہ و وسیلہ کے ذریعہ کام نکالنے کی کوشش کی۔ لڑائی کے موقع پر اُنھیں معلوم تھا کہ علیؑ کے ایک ایک سپاہی کی نظر مجھی پر ہے۔ ہمارا سب ہی نشانہ کیے ہوئے ہیں۔ اس لیے انھوں نے محاذ جنگ سے ہٹ کے خیمہ میں قیام کرنا پسند کیا۔ پھر اس خیمہ کے لیے ایک حفاظتی دستہ بھی مقرر کیا۔ اسی پر بس نہیں بلکہ اُنھوں نے ایک احتیاطی تدبیر یہ بھی کی کہ اپنے ایک غلام حریث کو جس کی صورت اتفاق سے اُن کی صورت سے ملتی جلتی تھی برابر اپنے ہی بھیس میں رکھتے، یہ چال بڑی کامیاب ثابت ہوئی۔ معاویہ اطمینان سے خیمے میں بیٹھے ہوتے اور حریث اُن کی جگہ فوج میں شامل ہوتا۔ لوگ یہی سمجھتے کہ معاویہ خود بنفس نفیس ہمارے ساتھ شریک جنگ ہیں۔ معاویہ حریث کو ہر خطرہ سے بچاتے رہتے اس کی سلامتی کے ساتھ اُن کی سلامتی بھی وابستہ تھی ڈرتے تھے کہ کہیں یہ مارا گیا تو راز بھی فاش ہو جائیگا اور پھر چارو ناچار مجھے میدان میں آنا پڑے گا۔ یہ حریث جب میدان میں نکلنے لگتا تو وہ بڑی تاکید سے کہتے:

''حریث دیکھو علیؑ سے بچے رہنا اور جس سے بھی چاہو لڑو مگر اُن سے خبردار ہرگز نہیں!''

مگر موت کسی کے ٹالے کب ٹلتی ہے جو معاویہ کی تدبیروں سے ٹل جاتی۔ معاویہ چاہتے تھے کہ اُسے بچائے رہیں یہ مرے نہیں تاکہ ہمیں بھی چین سے بیٹھے رہنے کا موقع ملے اور ادھر شیطان اپنی تاک میں تھا کہ کسی طرح اسے گھسیٹ کر موت کے منھ میں لا ڈالے۔

عمرو عاص نے اُسے بہکاتے ہوئے کہا:

''اگر موقع ملے تو علیؑ کو چھوڑنا نہیں حملہ کر کے مار ڈالنا۔''

پھر دوبارہ کہا:

''وہ نہیں چاہتے کہ تمھاری ناموری اور شہرت ہو۔''

''کون نہیں چاہتا؟

''معاویہ نہیں چاہتے! خدا کی قسم حریث اگر تم قریشی ہوتے تو معاویہ کی یہ خواہش ضرور ہوتی کہ تم علیؑ کو مار ڈالو مگر چونکہ تم قریشی نہیں ہو اس لیے اُنھیں گوارا نہیں............''

حریث نے غصہ سے دانت پیس کر اور اژدہے کی طرح پھنکار کر کہا:

''اُنھیں گورا نہیں؟

''ہاں! تو اگر موقع ملے تو اُن پر حملہ کر ہی دینا۔''

''ایسا ہی ہوا۔ حریث بڑا نامی بہادر تھا۔ کوئی بزدل نہیں، اُس نے چلا کر کہا:

''اے علی آؤ آگے بڑھو۔''

مگر یہ آخری آواز تھی جو اُس کے منھ سے نکلی اور آخری سانس تھی جو اس نے لی۔ امیر المومنینؑ نے تمسخر بھرے لہجے میں اُس کا رُخ کرتے ہوئے کہا:

نادان سنبھل کے۔''

پلک جھپکتے ہی شمشیر اپنا کام کر چکی تھی اور حریث کا آدھا جسم دائیں اور آدھا جسم بائیں پڑا تھا۔

(کتاب الصفین نصر بن مزاحم، الامام علی ابن ابی طالب جلد ۴، اعیان الشیعہ جلد ۳، تاریخ اسلام ماسٹر ذاکر حسین دہلوی مرحوم وغیرہ)

کون سے جذبات اس وقت عمرو عاص کے دل میں کام رہے تھے، یہ خدا ہی بہتر جانتا ہے۔ وہ علیؑ کی قوت و ہیبت سے ناواقف نہ تھے، نہ غلام کو بہکانے کے وقت انھیں اس کا وہم و گمان بھی رہا ہوگا کہ غلام فتحیاب ہوگا۔ میرا خیال ہے کہ وہ اچھی طرح سمجھتے تھے کہ غلام کو بہکانے کیلئے میری زبان سے نکلا ہوا ہر لفظ ایسی سوئی ہے جس سے حریث کا کفن سلے گا اور ایسی کدال ہے جس سے اس کی قبر کھدے گی۔ اُنھیں اس غلام سے کوئی دیرینہ کینہ و عداوت بھی نہ تھی پھر بھی داؤں کر کے رہے اور اسے اپنی جان سے ہاتھ دھونا پڑا۔

ان کی یہ حرکت کسی عداوت کی بنا پر نہ تھی نہ کسی انتظام کی خاطر۔ اصل بات یہ ہے کہ وہ اپنی قدر و قیمت سے بھی بخوبی واقف تھے اور معاویہ کی حالت بھی ان پر بخوبی روشن تھی۔ انکی ہستی بس یہی ایک لے دیکے اُن کا مال و متاع اور سامان تھی اور معاویہ اس سامان کے خریدار تھے اور یہ ظاہر ہے کہ بازار میں اگر کوئی چیز صرف ایک ہی دوکاندار کے پاس ہو تو وہ منھ مانگے دام پر بیچتا ہے اور خریدار لینے پر مجبور اور اگر کئی دوکانداروں کے پاس ویسی چیز ہو تو پھر اس کی قیمت بھی معمولی ہو جاتی ہے ۔معاویہ کو ایک مددگار کی ضرورت تھی۔ عمرو عاص نے منھ مانگے دام پر اپنے کو اُن کے ہاتھ بیچا۔ تھا اب وہ بھلا کیسے گوارا کر سکتے

تھے کہ دوسرا شخص بھی اُن کا مددگار بن جائے اور اس طرح معاویہ کی نظروں میں اُن کی قدر و قیمت نہ رہے جو اکیلے ہونے کی صورت میں ہوتی اور وہ قیمت نہ ملے جو وہ چاہتے تھے۔

اسی حساب سے عمر و عاص اپنے اور معاویہ کے باہمی تعلقات کو تولتے تھے۔ ذاتی مصالح ہی نے ان دونوں کو ایک نقطہ پر لاکر اکٹھا کیا تھا۔ جس حد تک ایک کو دوسرے کی حاجت ہوئی اسی کے لحاظ سے وابستگی ہوتی اور جس حد تک ایک دوسرے سے بے نیاز ہوتا اسی کے لحاظ سے بے تعلق ہوتے۔

عمر و عاص نے اپنی اسی فطرت سے مجبور ہو کر حریث کو اپنے راستہ سے ہٹایا۔ انھیں یہ نہیں منظور تھا کہ معاویہ بالکل کمزور ہو جائیں اور اُن کی طاقت وقوت بالکل ہی زائل ہو جائے۔ بس اتنا چاہتے تھے کہ وہ اپنی سطح سے اونچے نہ ہونے پائیں اور ہمارے ہمیشہ محتاج رہیں اور ہمارا ہی سہارا ڈھونڈھیں معاویہ اُن کے پاس مشورہ لینے کے لیے دوڑے آتے اور وہ مکارانہ طریقہ سے اپنے مشورہ کو مخفی رکھتے اور مشورہ میں ایسی چیزیں بھی شامل کر دیتے جو معاویہ کی نخوت وتکبر کو صدمہ پہونچانے والی ہوتیں۔ اُنھوں نے بارہا معاویہ کو چوٹ پہنچائی اور ان کی کمزوریوں کو نمایاں ہونے کا موقع دیا۔ خود اپنے کو بڑا ہی چالاک وہ ہوشیار ثابت کرتے، جس کے آگے بڑے بڑے چالاک کان پکڑلیں اور معاویہ کو اپنے مقابلہ میں بالکل ہیچ اور لیچر ثابت کرتے۔

اسی دن کا قصہ ہے جب گھمسان کی جنگ ہو رہی تھی، امیر المومنینؑ نے معاویہ کو کئی آوازیں دیں مگر معاویہ کوئی جواب نہ دیتے تھے۔ اُنھوں نے اپنے ساتھیوں سے کہا:

''پوچھو کیا کہنا چاہتے ہیں؟۔''

''میں چاہتا ہوں کہ ذرا میرے سامنے آئیں۔''

اس موقع پر عمر و عاص اصرار کر کے معاویہ کو دونوں صفوں کے درمیان لائے یہ سننے کے لیے کہ علیؑ کیا کہتے ہیں، امیر المومنینؑ نے فرمایا:

''معاویہ وائے ہو تم پر ہمارے اور تمھارے درمیان لڑائی ہے، ہم لوگوں کی وجہ سے خوامخواہ یہ لوگ کیوں ایک دوسرے کا خون بہائیں............ آؤ ہم تم لڑ کر اس کا فیصلہ کرلیں جو فتحیاب ہو وہی خلیفہ ہو۔''

معاویہ نے عمر و عاص سے پوچھا:

''ابو عبداللہ تمھاری کیا رائے ہے، میں ان سے مقابلہ کروں؟۔''

''ہاں اس موقع کو غنیمت سمجھو۔''

''کیا؟''

''ٹھیک تو ہے علیؑ نے بڑے انصاف کی بات کہی ہے۔''

معاویہ دہشت زدہ ہو کر بولے:

''عمرو عاص پاگل تو نہیں ہو گئے ہو؟

''دیکھو اگر تم اس وقت ان کے مقابلہ سے گریز کرتے ہو تو ہمیشہ کے لیے تم اور تمھاری اولاد ذلیل ہو جائے گی اور وہ کلنک کا ٹیکہ لگے گا جو چھڑائے نہ چھوٹے گا۔''

مگر عمرو عاص کی چال کامیاب ثابت نہ ہوئی۔ معاویہ کو اپنی جان بہت پیاری تھی۔ وہ اس قبر سے کیونکر آنکھیں بند کر سکتے تھے جو چند ہی قدم پر منھ کھولے اُن کا انتظار کر رہی تھی، معاویہ نے چیخ کر کہا:

''کتنے احمق ہو تم؟ میرے ایسے آدمی کو دھوکا نہیں دیا جا سکتا۔ خدا کی قسم علیؑ کے مقابلہ میں جو بھی آیا وہ موت کے گھاٹ اُترا، تمھارا یہی منشا ہے کہ میں مارا جاؤں اور میرے بعد حکومت تم کو مل جائے۔''

معاویہ نے اپنی زندگی بچالی۔

علیؑ ہنسے۔

عمرو عاص نے مذاق اُڑاتے ہوئے کہا۔

''افسوس افسوس اپنے غنیم کے مقابلہ میں بزدلی دکھاتے ہو؟ اور اپنے خیر خواہ پر تہمت دھرتے ہو۔''

پھر عمرو عاص نے اکڑ کر کہا:

''خدا کی قسم اگر مجھے ہزار مرتبہ بھی مرنا پڑتا تب بھی میں علیؑ سے لڑنے سے گریز نہ کرتا''۔

مگر یہ ڈینگ ہی ڈینگ تھی۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد قضا قدر نے گیدڑ کے جسم سے شیر کی نقلی کھال کھینچ اُتاری، وہ ہزاروں آنکھوں کے سامنے برہنہ تھے۔ اُن کی فطرت بھی عریاں ہوگئی اور انکی شرمگاہ بھی۔

امیرالمومنینؑ نے کچھ عرصہ تک گھوڑے کو میدان میں کاوے دیے اور جب دیکھ لیا کہ معاویہ مقابلہ پر آنا نہیں چاہتے تو باگ اُٹھا کر اپنی صف میں چلے آئے۔ پھر آپ نے اور رنگ کا لباس زیب تن کیا اور معرکہ میں نکل کر مبارز طلب ہوئے۔ عمرو عاص نکل کر آئے، اس بے خبری میں کہ یہ کون شخص ہے۔ وہ قریب آ گئے، حضرتؑ اُنکے گرد پھرتے تھے اور پاس نہ جاتے تھے یہاں تک عمرو عاص دلیر ہو کر اپنے لشکر سے دور ہو گئے اور رجز پڑھنے لگے:

''اے قاتلان عثمان! میں تم سب کو شمشیر سے پُرزے پُرزے کرڈالوں گا اگر چہ ابوالحسن ہی کیوں نہ ہوں۔''

امیر المومنینؑ نے بھی رجز پڑھا۔ جب عمروعاص کو یہ معلوم ہوا کہ یہ علی ہیں تو بدحواس ہوکر بھاگے۔ امیر المومنینؑ نے بھی گھوڑا اُن کے پیچھے ڈال دیا اور دوڑا کے نیزہ کا ایک وار کیا جو اُن کے زرہ کے دامن پر لگا۔ عمروعاص نام ہی سُن کر بدحواس ہو گئے تھے۔ وار پڑنے کے بعد اور بھی جان سوکھ گئی اور گھوڑے سے سر کے بل گر پڑے۔ چونکہ پائجامہ پہنے ہوئے نہیں تھے، پاؤں اونچے ہونے کے سبب اُن کی شرمگاہ عریاں ہوگئی۔ امیر المومنینؑ کی غیرت وحمیت نے اس طرف پلٹ کر دیکھنا بھی گوارا نہیں کیا۔ آپ نے فرمایا: تمھارا ناس ہوجائے تم اپنی شرمگاہ کے آزاد کردہ ہو۔(۱)

لوگوں نے کہا:

''حضور یہ شخص بھاگا جارہا ہے۔''

آپ مبتسم ہوئے اور فرمایا:

۱:۔ نصر بن مزاحم وغیرہ نے یہ بھی لکھا کہ یہ عمرو ابن عاص امیر المومنینؑ کے ساتھیوں میں سے ایک شخص حرث بن نضر خشعی کا بڑا سخت دشمن تھا۔ امیر المومنینؑ کی ہیبت تمام شامیوں کے دل پر چھائی ہوئی تھی اور سبھی آپ کے مقابلہ سے جی چراتے تھے۔ عمروعاص کی حالت یہ تھی کہ اُٹھتے بیٹھتے حرث بن نضر کو بُرا بھلا کہتے رہتے۔ حرث نے چند اشعار کہے جن کا مطلب یہ تھا کہ

''یہ عمروعاص! جب تک علیؑ کا اور انکا سامنا نہ ہوگا، حرث کا تذکرہ کرنا نہیں چھوڑیں گے۔ کاش ان کی مڈبھیڑ معرکۂ کارزار میں علیؑ سے ہوجائے جو اپنے کاندھے پر شمشیر لیے ہونگے اور بڑے بڑے بہادروں کو خاطر میں لاتے ہوں گے۔۔۔

اس وقت اے عمرو! تمھیں اس فخر و ناز سے راحت مل جائے گی اور تم ہاشمی جوان سے ملاقاتی ہوگے اگر ہمیشہ کی عزت چاہتے ہو یا موت کی تمنا ہے تو علیؑ سے ملاقات کرو علیؑ تمھارے لیے سب ہی کچھ ثابت ہوں گے۔''

یہ اشعار کافی مشہور ہوئے، عمروعاص کو بھی معلوم ہوئے۔ انھوں نے خدا کی قسم کھائی کہ میں ضرور علی سے مقابلہ کروں گا چاہے ہزار مرتبہ کیوں نہ مرنا پڑے۔ جب دونوں لشکر ایک دوسرے سے گتھے تو عمروعاص نیزہ لے کر علیؑ پر حملہ آور ہوئے۔ علیؑ نے گھوڑے کو جو ایڑ لگائی تو وہ ان پر چڑھ بیٹھا۔ عمروعاص نے اپنے کو گھوڑے سے گرا دیا دونوں ٹانگیں اٹھا دیں اور شرمگاہ کھول دی۔ امیر المومنینؑ نے منھ پھیر لیا اور اسے چھوڑ کے پلٹ آئے۔ یہ واقعہ امیر المومنینؑ کی شرافت نفس کا محیر العقول شاہکار سمجھا گیا اور ضرب المثل بن گیا۔ (کتاب الصفین ص ۲۲۴، شرح ابن ابی الحدید جلد ۲ ص ۱۱۰)

علامہ ابن قتیبی لکھتے ہیں کہ عمروعاص نے معاویہ سے کہا تم علیؑ کے مقابلہ میں بزدلی دکھاتے ہو اور میں جو تمھاری خیر خواہی کرتا ہوں اسے مشکوک سمجھتے ہو، خدا کی قسم میں ضرور علیؑ سے مقابلہ کروں گا چاہے ہزار مرتبہ کیوں نہ مرنا پڑے۔ عمروعاص نے مقابلہ کیا، علیؑ نے نیزہ کا وار کرکے پچھاڑ دیا۔ انھوں نے اپنی شرمگاہ کھول کر اپنی جان بچائی، علیؑ نے انھیں چھوڑ دیا اور اپنا منھ اسکی طرف سے پھیر لیا۔ حضرت علیؑ نے ازراہ شرافت کبھی کسی کی شرمگاہ کی طرف نظر نہیں کی اور ہمیشہ حرام کاموں سے مجتنب رہے، آپ ایسے انسان کے لیے ایسی چیز زیبا بھی نہیں تھی۔ (امامۃ والسیاسۃ جلد ۱ ص ۹۱)

علامہ مسعودی لکھتے ہیں کہ معاویہ نے عمروعاص کو قسمیں دیں کہ تم ضرور علیؑ سے مقابلہ کرو۔ عمرو کے لیے کوئی چارۂ کار نہ رہا۔ بادل ناخواستہ میدان میں آئے۔ علیؑ نے رجز پڑھ کے اپنے کو پہچنوایا اور تلوار کا وار کیا کہ قصہ ہی ختم کردیں مگر عمرو نے اپنی شرمگاہ کھول دی اور کہا ''آپ کا بھائی مجبور و بندۂ بے بس ہے کوئی بہادر نہیں''۔ علیؑ نے اپنا منھ پھیر لیا اور کہا خدا تمھارا ناس کرے۔ عمرو جلدی سے اپنی فوج میں آملا۔ (مروج الذہب جلد ۲ ص ۲۵)

''تم لوگ جانتے ہو کون ہے؟''

''نہیں''

''یہ عمرو عاص تھے، ہمارے سامنے ننگے ہو گئے، ہم نے منھ پھیر لیا۔''

عمرو عاص جان بچا کے معاویہ کے پاس بھاگے، اُنھوں نے تمسخر بھرے لہجہ میں پوچھا:

کیا کر آئے عمرو عاص۔؟

عمرو عاص نے بغیر شرمائے جواب دیا:

''علی سے میرا مقابلہ ہوا اُنھوں نے مجھے پچھاڑ دیا۔''

معاویہ قہقہہ مار کے ہنسے اور مذاق اُڑاتے ہوئے کہا۔

''خدا کا شکر کرو اور اپنی سرین کا بھی''

عمرو عاص نے بپھر کے کہا:

''اس میں ہنسنے کی کون سی بات ہے علیؑ اپنے ایک بھائی سے لڑے اور اُسے پچھاڑ ڈالا۔ کیا تمھارا خیال ہے کہ اس کی وجہ سے آسمان خون برسائے گا؟۔''

''نہیں! یہ بات نہیں البتہ تم ہمیشہ کے لیے ذلیل ہو گئے۔''

(کتاب الصفین ص ۲۱۶، شرح ابن ابی الحدید جلد ۲ ص ۲۸۷، تاریخ ابن کثیر جلد ۷ ص ۲۶۷ وغیرہ)

اس چھیڑ چھاڑ کے باوجود اُن کے جو باہمی تعلقات تھے اُن میں کوئی فرق نہ آتا اور نہ ان کی ایک دوسرے سے وابستگی کمزور پڑتی جو مصلحت اور ذاتی اعراض کی پیدا کردہ تھی۔ یہ وہ دوستانہ مقابلہ تھا کہ مکر و فریب میں ہم زیادہ ہیں یا تم، اکڑ تم میں زیادہ ہے کہ ہم میں، ذہنی ریاضت تھی جو ایک دوسرے کے مقابلہ میں دونوں کرتے رہتے تھے، مقصد و غرض و غایت دونوں کی ایک تھی اور اس مقصد سے نہ معاویہ نے ایک لمحہ کے لیے نگاہ ہٹائی نہ عمرو عاص نے۔

عمرو عاص جس وقت معاویہ کو امیرالمومنینؑ سے مقابلہ کرنے کی ترغیب دے رہے تھے تو واقعاً ان کا منشا یہ نہ تھا کہ معاویہ علیؑ کے مقابلہ پر نکل ہی آئیں، وہ اچھی طرح سمجھتے تھے کہ علیؑ کے مقابلہ میں جانا موت کے جبڑوں میں جانا ہے۔ وہ معاویہ کو بھیج ہی نہیں سکتے تھے اس صورت میں تو اُنکا مقصد بھی فوت ہو جاتا۔ مصر کی حکومت کے خواب کیسے پورے ہوتے۔ اُنھوں نے یہ حرکت صرف اس لیے کی تا کہ معاویہ کی بزدلی عالم آشکار ہو جائے، وہ زیادہ اُڑیں نہیں اور اُسی سطح پر رہیں جہاں اُنھیں ہونا

چاہئے ۔ اس پورے عرصہ میں جس دن سے کہ ان دونوں میں گٹھ جوڑ ہوتی تھی اُن کی کیفیت مکر وفریب کے گھوڑ دوڑ کے گھوڑوں کی تھی ہر ایک چاہتا تھا کہ اپنے رفیق سے آگے نکل جائے ۔ چالبازی و دھوکہ دہی میں دوسرے کو ہرا دے اس کی اکڑ نکال دے ۔ ہر ایک کو اپنے اوپر بڑا بھروسہ تھا اور سمجھتا تھا کہ میں ہی بہت زیادہ عقلمند وہوشیار ہوں، میری ٹکر کا کوئی نہیں ۔

ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کے لیے چھیڑ چھاڑ ہوتی رہتی، ایک دوسرے پر داؤں کرتے رہتے، پھر بھی اُن کی ساری توجہ علیؑ پر مرکوز تھی، اُن کی امکانی کوشش تھی کہ علی کسی طرح ہمارے دام فریب میں گرفتار ہو جائیں ۔ اسی دن جبکہ لڑائی زوروشور سے جاری تھی اور معاویہ کا پلہ بھاری پڑ رہا تھا اُن کی فوج کی تعداد بھی بہت زیادہ تھی اور جیت کے آثار بھی ظاہر تھے، یہ دونوں سر جوڑے سازشی کاروائیوں میں مصروف تھے ۔ شام کے قبیلہ خشعم کے سردار عبداللہ بن حنش کو بلا کر ابی کعب خشعمی سے گفتگو کرنے کو روانہ کیا جو امیر المومنینؑ کے طرفداروں میں تھا اور عراق کے قبیلہ خشعم کا سردار تھا ۔ عبداللہ نے ابی کعب سے کہا:

''ہم چاہتے ہیں کہ تم بھی ہاتھ روک لو اور ہم بھی روک لیں اگر تمھارے امیر (علی ابنؑ ابی طالب) غالب آ گئے تو ہم تمھارے ساتھ ہو جائیں گے اور اگر ہمارے امیر معاویہ غالب آ گئے تو تم ہمارے ساتھ ہو جانا۔''

مگر ابی کعب اس دھوکہ میں نہ آئے وہ سمجھ گئے کہ یہ پیش کش قرابت ورشتہ داری کے بنا پر نہیں کی گئی بلکہ امیر المومنینؑ کی صفوں میں انتشار پیدا کرنا مقصود ہے تا کہ آپ کے اعوان وانصار آپ کی حمایت سے ہاتھ روک لیں اور امیر المومنینؑ اکیلے رہ جائیں ۔ شام کے قبیلہ خشعم والے ہاتھ روک بھی لیتے تو معاویہ کا کوئی نقصان نہ تھا۔ اُن کی فوج کی تعداد علیؑ کی فوج سے کہیں زیادہ تھی ۔ برخلاف امیر المومنینؑ کی سپاہ کے یوں بھی کم تھی اگر ان میں سے بھی کچھ کم ہو جاتے تو آپ ہی کا نقصان ہوتا۔ جب یہ چال ناکام ہوگئی تو دوسری چال چلی گئی ۔ شام کے قبیلہ خشعم کے سردار نے عراق کے خشعم والوں کو سنا کر اپنی جماعت سے کہا:

''اے گروہ خشعم! ہم نے اپنی قوم کے عراقی لوگوں کے سامنے یہ بات پیش کی تھی کہ ہم لوگ ایک دوسرے پر تلوار نہ اُٹھائیں آپس کی قرابت ورشتہ داری کا خیال کریں مگر اُنھوں نے انکار کیا اور ہم لوگوں سے لڑنے ہی پر مصر ہیں خیر تم اپنی تلواریں روکے رہو۔''

ابی کعب پر ان باتوں کا کوئی اثر نہ ہوا اُنھوں نے اپنے ساتھیوں کو للکار کر کہا:

''بھائیو! تمھاری جنگ جاری رہے، ہاتھ نہ رُکے جہاں تک ہو سکے اُن کے پیروں پر مارو کہ یہ بیکار ہو جائیں۔''

عبداللہ بن حنش نے دوبارہ کہا:

''ابو کعب! یہ دونوں طرف کے لوگ تمھارے ہی قبیلہ کے ہیں انصاف سے کام لو۔''

مگر ابوکعب پر اس دہائی کا کوئی اثر نہ ہوا اپنے امام کی محبت اور فریضہ اطاعت کی ادائیگی میں کوئی کمی نہ ہونے دی وہ دشمن کی صفوں کو درہم برہم کر کے آگے بڑھتے گئے یہاں تک درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔

خود قاتل نے اُن کے سرہانے بیٹھ کر اُن کا ماتم کیا اور حسرت واندوہ بھرے لہجے میں کہا:

''خدا رحمت نازل کرے تم پر ابوکعب! میں نے ایسے لوگوں کی اطاعت میں داخل ہو کر تمھیں قتل کیا جن سے تم زیادہ میرے قریبی رشتہ دار اور اُن سے بڑھ کر مجھے محبوب تھے لیکن خدا کی قسم میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کیا کہوں۔ میرا تو یہی خیال ہے کہ شیطان نے ہمیں اپنا تختہ مشق بنایا ہے اور قریش والے ہم لوگوں سے کھیل کھیلے ہیں۔''

ابوکعب کے مارے جانے پر اُن کے فرزند کعب نے بڑھ کر علم ہاتھ میں لے لیا۔ اُنکی آنکھ پر نیزہ پڑا وہ بھی گر پڑے۔ اس کے بعد شریح بن ہانی نے علم سنبھالا اور پورے جوش وخروش سے لڑے یہاں تک کہ اسّی ۸۰ آدمی اُن کی قوم کے کام آگئے۔ شام کے قبیلہ کے بھی اتنے ہی آدمی مقتول ہوئے۔ پھر شریح نے وہ علم کعب کے ہاتھوں میں دے دیا۔

اس کے بعد معاویہ اور عمرو عاص نے ایک اور چال چلی جو سب سے زیادہ خطرناک تھی۔ جس وقت میمنہ درہم وبرہم ہو گیا اور امیر المومنینؑ کے لشکر کی یہ حالت ہو گئی کہ کچھ لوگ تو بدحواسی کے عالم میں تھے کچھ لوگوں نے پسپائی اختیار کی تھی کچھ لوگ جان بچا کے میدان ہی سے راہ فرار اختیا کر رہے تھے اس وقت عبیداللہ بن عمر امام حسنؑ کے پاس دوڑے آئے اور کہا:

''آپ کے پدر بزرگوار نے قریش والوں کو پہلے بھی صدمے پہونچائے اور بعد میں بھی اب وہ سب کے سب ان کے خون کے پیاسے ہیں۔۔۔''

یہ صحیح بھی ہے امیر المومنینؑ نے واقعاً قریش والوں کو صدمے پہونچائے تھے، پہلے اُسوقت جب وہ کفر وشرک میں ڈوبے ہوئے تھے، پتھروں کے آگے سر جھکاتے تھے مگر خدا کو سجدہ کرنے سے منکر تھے، پھر زمانہ اسلام میں اس وقت اُنھیں صدمہ پہونچایا جب کہ قریش کی پیشانیاں دنیاوی جاہ جلال کے آگے سجدہ ریز تھیں، پتھروں کو چھوڑ کر اب سیم وزر کی پرستش میں مصروف تھے بدر میں اُسی طرح صدمے پہونچائے جس طرح جمل میں، اور اُحد میں اُسی طرح جس طرح صفین میں، اسوقت سے لیکر آج تک علیؑ کے خلاف قریش والوں کو ایک ہی غم وغصہ تھا بلکہ بے شمار گھاؤ تھے اُنکے دل پر، اُن عزیزوں کا صدمہ جو علیؑ کے ہاتھوں تہ تیغ ہوئے، اس علم وفضل اور فضائل ومناقب، اسلامی خدمات کا غصہ جو علیؑ سے مخصوص تھے اور قریش والے اس سے محروم، پہلے جب تک قریش والوں کا بس چلا محمدؐ سے عداوت کی، اُن سے حسد وکینہ رکھا اور جب اُن کے آگے کچھ بنائے نہ بنی، خدا نے انھیں مظفر ومنصور کیا تو ان کی آنکھ بند ہونے کے بعد اس کا رُخ علیؑ کی طرف پھیر دیا گیا۔

عبیداللہ بن عمر نے اپنی بات مکمل کرتے ہوئے کہا:

''......ایسا کیجئے کہ آپ ان کا ساتھ چھوڑ کر ادھر چلے آیئے ہم آپ ہی کو خلیفہ بنالیں گے۔

امام حسنؑ تڑپ گئے جیسے بچھو نے ڈنک مار دیا ہو۔ چیخ کر کہا:

''ہرگز نہیں خدا کی قسم یہ کبھی نہ ہوگا۔''

پھر آپ نے انتہائی حقارت بھری نظریں عبیداللہ کے چہرے پر ڈال کر کہا:

''شیطان ہی نے تجھے یہ بات سوجھائی ہے.....فرزند عمر عنقریب خدا تمھیں پچھاڑے گا اور منھ کے بل تم کو پٹکے گا......میرا اندازہ ہے کہ تم آج سے لے کر کل تک ضرور مارے جاؤ گے۔''

امام حسنؑ اُسے چھوڑ کر دوسری طرف ہٹ گئے اور عبیداللہ بن عمر اپنی زندگی کی بقیہ گھڑیاں گننے لگے۔

(الامام علی ابن ابی طالب جلد چہارم)

اس وقت معاویہ کا پلہ بھاری تھا۔ امیرالمومنینؑ کا میمنہ ابھی تک درہم و برہم تھا جسے مالک اشتر اِدھر اُدھر سے سنبھالتے پھرتے تھے، قلب لشکر میں امیرالمومنینؑ کے یمن والوں کی خاصی تعداد تھی وہ سب کے سب پیٹھ پھرا چکے تھے۔ میسرہ میں ایک تو قبیلہ مصر والے تھے دوسرے قبیلہ ربیعہ والے تو ڈٹے ہوئے تھے مگر مصر کے لوگ میدان سے ہٹ گئے تھے۔ پورا لشکر تتر بتر ہو رہا تھا۔ صرف امیرالمومنینؑ کی محیر العقول قوت قلب اور ثبات قدم تھا جو شکست فاش کو روکے ہوئے تھا، عبیداللہ بن عمر نے شام کے میمنہ والوں سے پکار کے کہا قبیلہ ربیعہ والوں کی طرف اشارہ کر کے جو امیرالمومنینؑ کے میسرہ کو سنبھالے بڑی سخت لڑائی لڑ رہے تھے:

''اے شام والو! اگر تم نے اس قبیلہ (ربیعہ) کو شکست دیدی تو عثمان کے خون کا بدلہ لے لو گے علیؑ بھی ہلاک ہو جائیں گے اور عراق والے بھی۔''

شام والے تلواریں سونت سونت کر ابن عمر کی ہمراہی میں ربیعہ والوں پر پل پڑے۔ یہ سب کے سب قبیلہ حمیر کے افراد تھے جن کا سردار ذوالکلاع حمیری (۱) تھا۔

---

(۱) نصر بن مزاحم وغیرہ نے ذوالکلاع کی اس تحقیق حدیث عمار کے متعلق ایک دوسری روایت بھی لکھی ہے جسے علامہ محسن آملی طاب ثراہ نے بھی اعیان الشیعہ جلد سوم میں نقل کیا ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم اس روایت کو بھی یہاں نقل کردیں۔

ذوالکلاع نے ابونوح سے مذکورہ بالا گفتگو کے بعد کہا:

''کیا تم سے ہوسکتا ہے کہ تم میرے ساتھ شام کے لشکر میں چلو، میں اسکی ضمانت لیتا ہوں کہ تم سے کوئی تعرض نہ کرے گا۔ تم عمرو عاص سے عمار کی کیفیت اور ہم سے جنگ کرنے میں ان کی مستعدی کا ذکر کرنا، ممکن ہے اس ذریعہ سے دونوں لشکر میں صلح ہو جائے۔''

''تم خود بھی غدار ہو تمھارے لشکر والے بھی غدار ہیں، تم خود اگر غداری نہ بھی کرنا چاہو تو یہ لشکر والے تمھیں بہکا کر غداری پر مجبور کر دیں گے۔''

''میں اس کا ذمہ لیتا ہوں نہ تم قتل کیے جاؤ گے نہ تمھاری تلوار چھینی جائے گی، نہ تمھیں بیعت پر مجبور کیا جائے گا، نہ اپنے لشکر میں واپس جانے سے تمھیں روکا جائے گا۔ بس صرف یہ چاہتا ہوں کہ تم عمرو عاص سے ملکر عمار کی کیفیت بیان کر دو۔''

دونوں لشکر شام میں پہونچے، عمرو عاص معاویہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، ذوالکلاع نے عمرو سے کہا:

میں ایک مرد ناصح اور راست گو کو تمھارے پاس لایا ہوں جو تم سے عمار کا صحیح حال بیان کرے گا۔''

''وہ کون ہے؟۔''

''یہ میرا چچازاد بھائی ابو نوح جو کوفہ کا رہنے والا ہے۔''

عمرو عاص نے ابو نوح سے کہا: میں تیرے چہرے پر ابوتراب کی نشان پاتا ہوں۔

ابو نوح نے کہا:

''میرے چہرے پر محمد مصطفیؐ کی پیروی کا نشان ہے اور میں تمھارے چہرے پر ابوجہل و فرعون کی پیشانیاں دیکھ رہا ہوں۔''

ابوالاعور سلمی نے تلوار سونت لی اور کہا یہ چھوٹا اور ذلیل شخص خود ہمارے منھ پر ہمیں گالیاں دے یہ ہم نہیں دیکھ سکتے۔''

ذوالکلاع نے کہا خدا کی قسم اگر تم نے ذرا بھی ہاتھ اُٹھایا تو میں تلوار سے تمھاری ناک توڑ ڈالوں گا؛ یہ میرا چچازاد بھائی ہے اور میری پناہ میں ہے۔ میں اس لیے لایا ہوں کہ جو شبہ واقع ہوا ہے رفع کرے۔

عمرو عاص نے پوچھا ''کیا عمار تم میں موجود ہیں؟

ابو نوح نے کہا: ''میں تمھیں عمار کے متعلق اس وقت تک کچھ نہ بتاؤں گا جب تک تم یہ نہ کہو گے کہ عمار کو کیوں پوچھ رہے ہو؟ ہمارے ساتھ بہت سے اکابر صحابہ موجود ہیں اور سب کے سب تم سے جنگ کرنے کے لیے مستعد و مشتاق ہیں'' عمرو عاص نے کہا ''میں عمار یاسر کو اس لیے دریافت کرتا ہوں کہ میں نے پیغمبرؐ خدا سے یہ حدیث سنی ہے کہ عمار کو باغی گروہ قتل کرے گا اور عمار کے شایان شان نہیں کہ وہ حق سے جدا ہوں اور آتش جہنم انھیں ہرگز گزند نہ پہونچا سکے گی۔''

ابو نوح نے کہا لا الہ الا اللہ واللہ اکبر خدا کی قسم عمار ہمارے ساتھ ہیں اور تم سے انتہائی سرگرمی سے برسر پیکار ہیں۔

عمرو عاص نے کہا ''کیا واقعی وہ ہم سے سخت جنگ کر رہے ہیں؟''

ابو نوح نے کہا ہاں! خدائے وحدہ لاشریک کی قسم یہی بات ہے اور وہ تم سے جنگ کرنے کے از حد مشتاق ہیں۔ جب ہم لوگ جنگ جمل میں مشغول تھے تو انھوں نے ایک دن مجھ سے کہا تھا کہ اطمینان رکھنا چاہیے ہم فتحیاب ہونگے اور کل مجھ سے بیان کر رہے تھے کہ اگر معاویہ کی فوجیں ہمیں شکست دیکر مدینہ کی کھجوروں تک بھی بھگا لیجائیں تب بھی ہمارے اس یقین میں کمی نہ ہوگی کہ ہم حق پر ہیں اور شام والے باطل پر اور ہمارے مقتولین جنت میں ہوں گے اور تمھارے جہنم میں۔''

عمرو عاص نے کہا۔ ''تم سے ہو سکتا ہے کہ ہماری ان سے ملاقات کرادو''۔

ابو نوح نے کہا ہاں، چنانچہ ابو نوح جناب عمار کو بلا لایا۔

عمار یاسر اور عمرو عاص کی ایک دوسرے سے ملاقات ہوئی۔ عمرو عاص نے کلمہ شہادۃ (اشھد ان لا الہ الا اللہ) زبان پر جاری کیا جناب عمار نے کہا خاموش رہو تم تو اس کلمہ کو محمد کی زندگی ہی میں چھوڑ چکے ہو۔ ہم تم سے زیادہ حقدار ہیں اس کلمہ کے۔

عمرو عاص نے کہا: میں ان سب باتوں کے لیے نہیں آیا ہوں۔ میرے آنے کی غرض یہ ہے کہ آپ اس لشکر میں بہت معزز و محترم ہیں۔ سبھی آپ کے مطیع و فرمانبردار ہیں۔ میں آپ کو خدا کا واسطہ دیتا ہوں کہ آپ ان لشکر والوں کو لڑائی سے روکیے۔ انکا خون نہ بہنے دیجئے۔ آخر اس لڑائی کا سبب کیا ہے؟ کیا ہم سب ایک ہی خدا کی عبادت نہیں کرتے۔ کیا ہم آپ کے قبلہ کی طرف رُخ کر کے نماز نہیں پڑھتے۔ آپ کی کتاب نہیں پڑھتے، آپ کے رسول پر ایمان نہیں رکھتے؟

عمار: خدا کا شکر ہے کہ اس نے تمھارے منھ سے یہ بات نکلوادی کہ قبلہ، دین، عبادت الٰہی، نبی، کتاب ہماری اور ہمارے اصحاب کی ہے تمھاری یا تمھارے ساتھیوں کی نہیں۔ خدا کا شکر جس نے تمھیں یہ اقرار و اعتراف کرنے پر مجبور کیا اور تمھیں گمراہ و گمراہ کن قرار دیا۔ تمھیں یہ بھی پتہ نہیں کہ تم ہدایت یافتہ ہو یا گمراہ اور اس نے تمھیں اندھا بتایا۔ میں تمھیں بتاتا ہوں کی کیوں میں نے تم سے اور تمھارے اصحاب سے جنگ کی۔ پیغمبر خداؐ نے مجھے حکم دیا تھا کہ ناکثین (اصحاب جمل) سے جنگ کرنا وہ میں کر چکا اور یہ بھی حکم دیا تھا کہ قاسطین سے جنگ کرو قاسطین تم ہی لوگ ہو۔ رہ گئے مارقین اب پتہ نہیں کہ ان سے جنگ کرنے کا موقع ملے گا یا نہیں۔ اے ابتر! (منقطع

النسل) کیا تمھیں خبر نہیں کہ حضرت سرور کائنات نے علیؑ کے لیے فرمایا ہے من کنت مولاہ فعلی مولاہ اللهم وال من والاہ وعاد من عاداہ جس شخص کا میں مالک ومختار ہوں علیؑ اس کے مالک ومختار ہیں۔ خداوندا تو دوست رکھ اسے جو علیؑ کو دوست رکھے اور دشمن رکھ اُسے جو علیؑ کو دشمن رکھے۔ تو میں خدا کا مطیع وفرمانبردار ہوں اسکے رسول کا مطیع وفرمانبردار ہوں اور انکے بعد علیؑ کا اطاعت گذار ہوں اور تمھارا آقا کوئی نہیں۔''

عمروعاص۔ ابوالیقظان میں تو آپ کو گالیاں نہیں دیتا، آپ کیوں دے رہے ہیں؟

عمار۔ تم مجھے گالی دے بھی کیا سکتے ہو کیا تم کہہ سکتے ہو کہ میں نے کسی دن بھی خدا ورسول کی نافرمانی کی؟

عمروعاص۔ یہ نہ سہی اس کے علاوہ دوسری برائیاں تو آپ میں ہیں؟

عمار۔ عزت دار وہی ہے جسے خدا عزت والا کرے۔ میں پہلے پست درجہ کا انسان تھا، خدا نے مجھے بلندی بخشی۔ پہلے غلام تھا اس نے مجھے آزاد کیا۔ پہلے کمزور تھا اس نے مجھے قوی کیا۔ پہلے محتاج تھا اب اس نے غنی کر دیا ہے۔

عمروعاص۔ اچھا قتل عثمان کے متعلق تمھارا کیا خیال ہے؟

عمار۔ اسی نے تو تم لوگوں کے لیے بہر برائی کا دروازہ کھول دیا ہے۔

عمرو۔ تو علیؑ ہی نے عثمان کو قتل کیا؟

عمار۔ علیؑ نے نہیں بلکہ معبود برحق جو علیؑ کا پروردگار ہے اس نے انھیں قتل کیا (کتاب الصفین نصر بن مزاحم ص ۱۷۶، شرح نہج البلاغہ ابی الحدید جلد ۲ ص ۲۷۳) دونوں میں بات کافی بڑھ گئی شام والے اُٹھ کر واپس چلے آئے معاویہ نے روداد سن کر کہا:

''خدا کی قسم اگر حبشی غلام (یعنی عمار یاسر) کی بات عام ہو گئی تو تمام عرب ہلاک ہو جائے گا۔

ذوالکلاع کی اس حدیث کی تحقیق کے لیے بے چینی، عمروعاص وعمار کی ملاقات اور انکا باہمی مناظرہ یہ ایسی چیز نہ تھی جو شام والوں سے مخفی رہتی۔ بہت سے لوگ جنھیں دنیا کے مقابلہ میں آخرت پیاری تھی۔

معاویہ کا ساتھ چھوڑ کر امیر المومنینؑ کی صفوں میں آ گئے۔ معاویہ کو بڑا صدمہ تھا کہ عمروعاص کو آخر سوجھی کیا؟ یہ حدیث بیان ہی کیوں کی؟ انھوں نے عمروعاص سے کہلا بھیجا کہ تم نے شام والوں کو میرے خلاف کر دیا۔ یہ کیا ضرور ہے کہ پیغمبرؐ سے تم نے جو بھی حدیث سنی، وہ بیان کرتے پھرو۔ عمرو نے کہا مجھے کوئی غیب کا تو علم ہے نہیں۔ میں نے یہ حدیث اسوقت بیان کی تھی جب میرے وہم وگمان میں بھی نہ تھا کہ صفین کی جنگ پیش آئے گی۔ اس وقت عمار سے ہمارے بھی تعلقات تھے اور تمھارے بھی۔ تم نے بھی تو اسی قسم کی بہت سی حدیثیں بیان کی ہیں، شام والوں سے پوچھ لو۔

دونوں میں کشیدگی بڑھ گئی مگر آخر معاویہ ہی کو جھکنا پڑا اور انھوں نے عمروعاص کو منا لیا۔

ذوالکلاع جب مارا گیا تو معاویہ نے کہا: ''مصر اگر میرے قبضہ میں آ جاتا تو اتنی خوشی نہ ہوتی جتنی ذوالکلاع کے مارے جانے پر ہوئی۔''

نصر بن مزاحم لکھتے ہیں: اسکی وجہ یہ تھی کہ ذوالکلاع معاویہ کے اکثر احکام کو ٹھکرا دیتا تھا۔

لیکن ہمارا خیال یہ ہے کہ ذوالکلاع عمروعاص کی بیان کردہ حدیث کی وجہ سے بہت ہی ڈانواڈول ہو گیا تھا۔ پھر عمار کی گفتگو میں بھی وہ موجود تھا۔ اس سے بھی اسکے شکوک وشبہات میں ترقی ہوئی۔ معاویہ کو شدید تردد تھا کہ کہیں ذوالکلاع علیؑ سے جا کر نہ مل جائے اور اس طرح ہمارے لشکر میں ایسا رخنہ پیدا ہو جائے جو پٹ ہی نہ سکے۔ جب ذوالکلاع قتل ہو گیا تو یہ اندیشہ جاتا رہا۔

دوسری جگہ نصر بن مزاحم لکھتے ہیں: 'ذوالکلاع عمروعاص سے پیغمبرؐ کی یہ حدیث سنا کرتا تھا جو آپ نے عمار کے متعلق فرمائی تھی ''تمھیں باغی گروہ قتل کرے گا اور آخری غذا تمھاری پانی ملا ہوا دودھ ہوگا'' ذوالکلاع عمروعاص سے پوچھا کرتا تھا کہ آخر اس کا مطلب کیا ہے؟ عمرو عاص تسلی دیتے کہ عمار جلد ہی ہمارے لشکر میں آ جائیں گے۔ جب عمار اور ذوالکلاع دونوں قتل ہو گئے تو عمروعاص نے کہا:

''معاویہ! خدا کی قسم میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کس کے قتل پر زیادہ خوش ہوں، خدا کی قسم اگر عمار کے قتل ہونے تک ذوالکلاع باقی رہتا تو وہ اپنی پوری قوم کے ساتھ علیؑ کی طرف جا ملتا اور ہمارا پورا لشکر بھی ستیاناس ہو کر رہ جاتا۔'' (کتاب الصفین نصر بن مزاحم۔ اعیان الشیعہ جلد سوم وغیرہ)

ان میں اور قبیلہ ربیعہ میں پرانی عداوت تھی۔ یہ لوگ تعداد میں چار ہزار سے کچھ اوپر تھے، معاویہ نے ان کی اسی دیرینہ عداوت سے کام نکالا اور انھیں ربیعہ والوں کے مقابلہ میں لاکر کھڑا کیا تھا۔ اتنے خونریز معرکے کے بعد بھی ان میں سستی پیدا نہ ہوئی تھی، انکے دل میں ایک لمحہ کے لیے بھی یہ خیال نہیں آیا کہ ہم باطل کی حمایت پر کمربستہ اور حق سے برسرِ پیکار ہیں۔ خود ذوالکلاع حمیری بھی پوری سرگرمی سے جنگ میں حصہ لے رہا تھا۔ آج ذرہ برابر اسے تردد لاحق نہ تھا حالانکہ دو ہی تین دن پہلے شک وشبہ سے اُس کی غیر حالت تھی اور قریب تھا کہ وہ جنگ سے کنارہ کش ہی ہو جائے بلکہ معاویہ کا ساتھ چھوڑ کر اپنی قوم کے ساتھ امیرالمومنینؑ سے جا ملے۔ لیکن آج اُس نے ہر قسم کے شک وشبہ کو دل سے دور کر دیا تھا اور پوری دلجمعی سے لڑائی میں شریک تھا۔

شک وشبہ کی وجہ وہ فقرہ تھا جو کئی برس ہوئے اُس نے کسی موقع پر سنا تھا اور ابھی تک اسکے حافظہ میں اس کی یاد تازہ تھی۔ جب اُسے اس فقرہ کا خیال آتا تو اُس کے جوڑ بند کانپنے لگتے اور دل تھرّا اُٹھتا اُس نے اپنے چچازاد بھائی ابونوح حمیری کو جو امیرالمومنینؑ کے جاں نثاروں میں شامل تھا کہلا بھیجا کہ

''ہم تم سے ایک بات پوچھنا چاہتے ہیں۔''

ابونوح اطمینان کرنے کے بعد کہ واپسی تک اس سے تعرض نہ کیا جائے گا اُس کے پاس آیا ذوالکلاع نے کہا:

''ہم نے تمھیں اس لیے بلایا ہے کہ تم سے ایک حدیث بیان کرنا چاہتے ہیں جو بہت دن ہوئے ہم سے عمروعاص نے بیان کی تھی، حضرت عمر کے زمانہ خلافت میں۔''

ابونوح نے پوچھا۔

''وہ کون سی حدیث ہے؟۔''

''عمروعاص نے بیان کیا تھا کہ پیغمبرؐ نے ارشاد فرمایا: ''اہل شام واہل عراق کی مڈبھیڑ ہوگی ایک لشکر حق پر ہوگا اس میں ہدایت کا امام ہوگا اور عمار اُسی کے ساتھ ہوں گے۔''

ابونوح کی آنکھیں چمکنے لگیں بولا۔

''خدا کی قسم عمار ہم میں موجود ہیں۔''

''کیا واقعاً وہ شریک جنگ ہیں؟''

''ہاں خدا کی قسم جتنی شدت کے ساتھ ہم تم سے لڑ رہے ہیں اس سے زیادہ وہ لڑنے میں سخت وشدید ہیں حالانکہ خود میری یہ کیفیت ہے کہ میرا بس نہیں چلتا کہ تم سب کو ایک ہی مرتبہ میں حلال کر دوں اور سب سے پہلے تمھیں کو قتل کر دوں کہ حالانکہ تم میرے ابن عم ہو۔''

ذوالکلاع نے حسرت وافسوس بھرے لہجہ میں کہا:

''وائے ہوتم پر یہ آخر تمھیں میری جان لینے کی تمنا کیوں ہے؟ ہم میں تم میں جو رشتہ اور تعلقات ہیں وہ ہم نے نہیں توڑے۔تم ہمارے نزدیکی رشتہ دار بھی ہو۔میں تو تمھیں قتل کر کے خوش نہیں ہوں گا۔ابونوح پر ذوالکلاع کی باتوں کا کوئی اثر نہ ہوا۔اس نے جواب دیا:

''خداوند عالم نے اسلام کے ذریعہ نزدیک سے نزدیک رشتے قطع کر دیئے ہیں اور دور دراز کے رشتوں کو قریب تر بنا دیا ہے۔میں تم سے اور تمھارے ساتھیوں سے جنگ میں کمی نہ کروں گا۔ہم حق پر ہیں تم لوگ باطل پر ہو۔ائمہ کفر اور سرگردہ مشرکین کے تم لوگ طرفدار ہو۔''

ذوالکلاع لرز اُٹھا۔یہ حدیث خود عمرو عاص کی روایت کردہ تھی۔اسی کی زبان سے اُس نے سُنی تھی اگر چہ اُسے کئی برس ہو گئے تھے وہ عمرو عاص کے پاس جا کر بپھر اُٹھا۔''

''وائے ہو کیا تم نے یہ حدیث ہم سے بیان نہ کی تھی۔''

عمرو عاص نے مُسکرا کر کہا:

''عمار اس وقت علیؑ کے ساتھ ہیں تو کیا ہوا؟ وہ عنقریب پلٹ آئیں گے۔وہ ابوتراب کو چھوڑ کر ہمارے پاس آجائیں گے۔''

ذوالکلاع پر یہ فریب پوری طرح کارگر ہوا۔اس نے سوچا عمرو عاص نے ٹھیک ہی کہا ہوگا۔جب سے یہ صفین کی لڑائی شروع ہوئی تھی بہت سے لوگ ٹوٹ ٹوٹ کر اِدھر سے اُدھر اور ادھر سے ادھر آتے جاتے رہے۔لوگوں کے نظریات میں تبدیلی ہوتی رہی۔کل تک وہ معاویہ کے ساتھ تھے آج علیؑ کے ساتھ ہیں۔آج علیؑ کی طرف ہیں تو کل معاویہ کی طرف یہ لڑائی تو گرگٹ کی طرح رنگ بدلتی رہی ہے عجیب متضاد باتیں ظہور میں آتی رہیں۔اسی اُمید میں اُس نے رات بسر کی کہ کل صبح عمار بھی ہم لوگوں کی طرف آجائیں گے۔

لڑائی کے ساتھ معاویہ کی ریشہ دوانیاں بھی پورے طور پر جاری تھیں۔پانچواں کالم (سازشی جماعت) اپنے جوڑتوڑ میں مصروف بڑی مستعدی سے زہر پھیلا رہا تھا۔

دو آدمی امیر المومنینؑ کی فوج میں ایسے تھے کہ اُنھیں اس جنگ میں بڑی اہمیت حاصل تھی۔اُنھیں کے طرزِ عمل پر فتح وشکست بہت کچھ موقوف تھی۔ایک خالد بن معمر قبیلہ ربیعہ کا سردار،جس کے قبیلہ والے اس وقت پورے جوش وخروش سے مصروف جنگ تھے۔وہ تلوار سے،ہاتھ سے،جان و دل سے،دانت و ناخن سے علیؑ کے دشمن کی تکابوٹی کر رہے تھے۔بڑے بڑے سورماؤں نے پیٹھ پھرالی تھی۔بہت بڑی تعداد فوج کی جنگ سے منھ موڑ چکی تھی مگر اُنکے جوش وولولہ میں ذرہ برابر کمی نہ آئی تھی۔

دوسرا شخص اشعث بن قیس تھا جو ابھی تک امیرالمومنینؑ کی حمایت پر کمر بستہ تو تھا مگر اسمیں خود پسندی انتہا درجہ کی تھی۔ اپنی رائے کے خلاف کوئی بات برداشت نہیں کرسکتا تھا۔ جنگ صفین کے اتنے بڑے انجام میں دونوں کا ہاتھ تھا۔

پہلا بیج نفاق کا تو وہ تھا جو معاویہ نے اس دن عین جنگ کے دوران بویا۔ اپنے بھائی عتبہ ابن ابی سفیان کو بلا کر کہا:

''اشعث بن قیس سے جا کر ملو اگر وہ راضی ہوگیا تو دوسرے بھی ٹوٹ جائیں گے۔''

عتبہ اشعث کو ڈھونڈھتا ہوا اس کے پاس پہونچا اور کہا:

''میں عتبہ بن ابی سفیان ہوں۔''

اشعث نے پوچھا کہو کیا کہتے ہو؟

عتبہ نے کہا:

''اے ابومحمد! اگر معاویہ علیؑ کے علاوہ کسی اور سے لڑنے نکلے تو وہ تم ہی ہو گے۔''

''اگر وہ میرے مقابلہ کو آئے تو وہ مجھ سے بڑھ کے نہ ہوں گے نہ میں اُن سے گھٹ کے ہوں گا۔''

عتبہ نے چاپلوسی کرتے ہوئے کہا:

''تم عراق کے لوگوں کے سردار ہو، یمن والوں کے رئیس، عثمان میں اور تم میں جو رشتہ داری تھی وہ تمھیں معلوم ہی ہے، پھر اس کے علاوہ تم اُن کی طرف سے عامل بھی رہ چکے ہو، تم اپنے ساتھیوں جیسے تو ہو نہیں۔''

دونوں باتیں صحیح تھیں۔ حضرت عثمان کے عہد حکومت میں اشعث آزر بائیجان کا گورنر تھا۔ حضرت عثمان سے اُس کو رشتہ بھی حاصل تھا۔ اسکی لڑکی حضرت عثمان کے فرزند عمرو بن عثمان سے منسوب تھی۔ انھیں باتوں کی وجہ سے اس کا میلان پہلے بھی معاویہ کی طرف ہوا تھا مگر اسکی قوم والوں نے جب غیرت دلائی تو وہاں جانے سے باز رہا اور امیرالمومنینؑ کی رفاقت اس نے اختیار کی۔ اشعث نے اُسکی بات کاٹتے ہوئے کہا:

''سید و سردار علی ابن ابی طالب ہیں رہ گئی عثمان سے رشتہ داری اور اُن کی طرف سے گورنری تو اُنکی رشتہ داری کی وجہ سے میرے شرف میں کچھ اضافہ نہ ہوگیا نہ اُنکی گورنری کی وجہ سے میری عزت بڑھ گئی اور تم میرے ساتھیوں کو جو عیب لگاتے ہو تو اُسکی وجہ سے تم مجھ سے قریب نہ ہو جاؤ گے اور نہ میں اپنے ساتھیوں سے دور ہو جاؤں گا۔''

عتبہ نے کہا:

''ہم یہ نہیں چاہتے کہ علیؑ کا ساتھ چھوڑ و اور معاویہ کی مدد کرو۔ ہماری خواہش تو بس یہ ہے کہ تم اپنے اوپر بھی رحم کرو اور

ہمارے اوپر بھی اسی میں ہماری بھی خیریت ہے اور تمھاری بھی۔''

اشعث کچھ دیر سوچا کیا۔ دل میں یہ غرور و ناز بھی تھا کہ فقط میری ہی ذات پر جنگ کا دار و مدار ہے چاہوں تو لڑائی بند کرادوں چاہوں تو جاری رکھوں، اُس نے جواب دیا:

''اچھا ہم سوچیں گے اس کے متعلق۔''

عتبہ نے واپس آکر معاویہ سے سرگذشت بیان کی تو معاویہ نے کہا:

''عتبہ یہ شخص اپنی جگہ بہت بڑا آدمی ہے اب وہ لڑائی بند کرنے کی طرف مائل ہو چکا ہے۔''

معاویہ نے نتیجہ نکالنے میں غلطی نہیں کی تھی۔ زمین پہلے سے تیار تھی۔ عتبہ نے نفاق کا بیج ٹھیک طرح سے بو دیا اور یہ پودا بڑھتا ہی گیا اس وقت سے لے کر قرآن کے نیزوں پر بلند ہونے تک بڑھتے بڑھتے پورا تناور درخت ہو گیا تھا اور اُس نے صفین کے پورے میدان کو اپنے سایہ میں لے لیا۔

دوسرا بیج نفاق کا کچھ دن پہلے بویا جا چکا تھا جو عین لڑائی کے دن پھوٹ نکلا۔ سرگوشیاں اس کے متعلق پہلے ہی سے ہو رہی تھیں مگر یہ راز طشت از بام اس وقت ہوا جب ذوالکلاع نے اپنے قبیلہ حمیر کو لیکر قبیلہ ربیعہ پر حملہ کیا جو تنہا میسرہ میں ثابت قدمی سے مصروف جنگ تھے، ٹھیک اُسی وقت خالد بن معمر سدوسی اپنے قبیلہ کو لے کر پیچھے ہٹ گیا۔ معلوم ہوتا تھا جیسے مدافعت کی تاب نہ رہی ہو، معرکہ سے خوفزدہ ہو گیا ہو مگر جب دیکھا کہ اُسکے اور اسکے قبیلہ کے علاوہ ربیعہ کے دیگر قبائل ڈٹے ہوئے ہیں پھر وہ پلٹ کر صفوں میں داخل ہو گیا۔

لوگوں میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں۔ کچھ لوگ جو پہلے ہی سے اس کی طرف سے مشکوک تھے بولے:

''ہمارا تو خیال یہ ہے کہ خالد بن معمر نے معاویہ سے لکھا پڑھی کر رکھی ہے۔''

کچھ اور لوگوں نے کہا:

''یہ میدان سے واپس جانا چاہتا تھا۔ جب دیکھا کہ ہم لوگ جمے ہوئے ہیں تو واپس آکر صف میں کھڑا ہو گیا۔

امیر المومنینؑ نے خالد سے فرمایا:

''یہ خبریں جو مجھے ملی ہیں اگر واقعاً صحیح ہیں تو میں اور میرے ساتھ جتنے مسلمان ہیں خدا کو گواہ کر کے کہتے ہیں کہ تمھیں کوئی گزند نہ پہونچے گا تم چاہے عراق چلے جاؤ یا حجاز یا ایسی جگہ جہاں معاویہ کا اقتدار نہ ہو اور اگر یہ جھوٹی خبر ہے لوگوں نے خواہ مخواہ تمھیں بدنام کر رکھا ہے تو تم حلف اُٹھاؤ تا کہ ہمیں اطمینان ہو جائے۔''

خالد نے خدا کی قسم کھائی کہ ایسی کوئی بات نہیں ۔اپنی پسپائی کی وجہ یہ بیان کی کہ میں نے کچھ لوگوں کو جب دیکھا کہ پیچھے ہٹ گئے ہیں تو میں نے سوچا کہ اُن کے پاس جا کر اُنھیں پلٹالاؤں چنانچہ جن لوگوں نے میری بات مانی میں اُنھیں لے کر آگیا۔

مگر اس کے بعد بھی خالد نے کوئی سرگرمی نہیں دکھائی۔اسکی ظاہر داری دل کے چور کو مخفی نہ رکھ سکی۔نفاق کا بیج جو اس کے دل میں گھر کر چکا تھا وہ مضبوطی سے جما رہا اور دو ہی ایک دن کے بعد اُس نے امیر المومنینؑ کا ساتھ چھوڑ کر معاویہ کا رُخ کیا ۔(شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید)

بہر حال جس وقت ذوالکلاع اور ابن عمر قبیلہ حمیر کے لشکر کو لے کر حملہ آور ہوئے تو اُنھیں پورا یقین تھا کہ ہماری جیت ضرور ہوگی۔ ہمارے دشمن بڑی خراب حالت میں ہیں۔ان کا شیرازہ بکھر چکا ہے اور اُن میں بہت سے لوگ ہم سے در پردہ مل چکے ہیں۔اُن کے مد مقابل اس وقت صرف قبیلہ ربیعہ والے تھے۔وہ اگر بہادری دکھلائیں گے بھی تو تا بہ کے؟ زیادہ سے زیادہ گھڑی دو گھڑی ہمارے سامنے ٹھہر سکیں گے بقیہ لشکر علیؑ کا تو اس وقت تتر بتر ہو ہی چکا ہے۔

لیکن ربیعہ والے بڑے سخت جان نکلے۔ذرّہ برابر بھی اُن سے کمزوری کا مظاہرہ نہیں ہوا ،نہ اُنھوں نے سُستی دکھلائی ۔ایک دستہ جب زخموں سے چور ہو کر گر پڑتا تھا اُسکی جگہ دوسرا دستہ آجاتا تھا،معلوم ہوتا تھا کہ جیسے جان دینے کے لیے سب ہی نے عہد و پیمان کر رکھا ہو۔خدا شاہد ہے کہ وہ کتنی پامردی سے لڑے اور کتنی ہولناک سختیاں اُنھوں نے جھیلیں یہاں تک کہ جب خالد بن معمر بھی میدان سے ہٹ گیا خواہ دشمن کے مقابلہ میں اپنے کو کمزور پا کر یا دشمن کے بہکانے میں آ کر تب بھی اُن لوگوں کے قدم نہیں ڈِگے۔نہ اُنھوں نے جان بچانے کی کوشش کی بلکہ اُنھوں نے خالد کو بُرا بھلا کہا، گالیاں دیں کہ اُس نے موت سے ڈر کر پیٹھ پھرالی اور غالباً اُن کے بُرا بھلا کہنے ہی کی وجہ سے خالد پھر دوبارہ آ کر جنگ میں شریک ہو گیا تھا۔

آفتاب بلند ہونے کے وقت سے لے کر غروب آفتاب تک ذوالکلاع کی فوج ربیعہ والوں سے لڑتی رہی اور ربیعہ والے اس سے برسر پیکار رہے۔برابر کی ٹکر تھی۔ذوالکلاع کی بے شمار فوج نے بار ہا چاہا کہ ربیعہ کو پیس کر رکھ دے لیکن ربیعہ والوں کی قوت ایمانی کا یہ عالم کہ اُن کا ایک ایک آدمی کئی کئی آدمیوں سے اُلجھا ہوا تھا۔ان میں کا کوئی شخص ایک لمحہ کے لیے بھی ہاتھ نہیں روکتا تھا ،سانس لینے کے لیے بھی نہیں۔نماز بھی ان لوگوں نے اشاروں سے پڑھی۔پورے دن اُن کا جو بھی قدم اُٹھا اپنے امام کی راہ میں اُٹھا اور ایک لمحہ کے لیے بھی تلوار میان میں نہ گئی کیونکہ اس وقت تلوار کو میان میں کرنا حرام تھا۔

موت کا بازار گرم تھا۔صبح سے لیکر دوپہر تک اور دوپہر سے لے کر رات تک ،موت ربیعہ کے بہادروں کے سامنے تھی مگر وہ اس موت سے ہراساں نہ تھے بلکہ فداکاری اور جاں نثاری کی اُمنگ اور بڑھتی جاتی تھی اور ذوالکلاع وعبید اللہ بن عمر کی

امیدیں رفتہ رفتہ مایوسی سے بدلتی جاتی تھیں۔ اُن کے یہ دشمن آدمی نہیں تھے بھوت تھے۔ کسی کو ایک مرتبہ موت آتی ہے اور یہ بار بار مرتے تھے پھر جی اُٹھتے تھے۔

خالد بن معمر کو بھی اس وقت جوش آ گیا۔ معاویہ سے جو ساز باز ہو چکی تھی اُسے بھُلا کر کہا:

''اے ربیعہ والو! بڑھ بڑھ کے حملہ کرنا تمھاری عادت ہے۔ دشمن کے مقابلہ میں ڈٹے رہنا تمھاری خصلت ہے۔''

ادھر امیر المومنینؑ کے ایک سردار فوج زیاد بن حفصہ قبیلہ عبدالقیس کی طرف دوڑے اور چلا کر کہا:

''آج کے دن کے بعد قبیلہ بکر کا نام ونشان تک نہ رہے گا۔ ذوالکلاع اور عبید اللہ بن عمر ربیعہ والوں کو ختم کیے دے رہے ہیں۔ جلدی خبر لو ورنہ سب کے سب ہلاک ہو جائیں گے۔''

مگر یہ قبیلہ فنا ہونے والا نہ تھا۔ زندگی بس اُسی کی ہے جو زندگی سے بے پرواہ ہو۔ بہادروں اور جیالوں سے موت بھی بھاگتی ہے۔ ربیعہ والوں کا عزم اور پختہ ہوتا گیا۔ اُن کی ضد اور سخت ہوتی گئی۔ وہ موت کے منھ میں بار بار پھاند پڑے۔ موت اُنھیں زیادہ سے زیادہ چرکا لگا کے رہ جاتی، جان نہ لے پاتی۔ معلوم ہوتا ہے ان بہادروں کے گوشت کا مزا کڑوا تھا یا اُسے بدہضمی کا اندیشہ تھا جب ہی اُنھیں کھانے کی اُسے ہمت نہ ہوئی۔

❑❑

چھٹا باب

جناب عمار یاسر کی شہادت

معاویہ کی نظریں صبح سے شام تک اسی جگہ لگی رہیں جہاں ربیعہ والے قیامت ڈھائے ہوئے تھے، اُنھوں نے منّت مانی کہ اگر میرا بس چلا اور ربیعہ والے میرے قابو میں آ گئے تو انھیں ایسی عبرتناک سزادوں گا جو ضرب المثل بن جائے۔ مردوں کو چُن چُن کر قتل کر ڈالوں گا اور عورتوں کو کنیزیں اور لونڈیاں بنادوں گا۔

معاویہ کو قبیلہ ربیعہ والوں سے صدمے بھی ایسے ہی پہونچے تھے، دن ختم ہو گیا رات کی تاریکی پھیل گئی اور ربیعہ والوں کے ہاتھ برابر چلے جارہے تھے۔ جس بہادری اور قوت قلب سے اُنھوں نے آفتاب نکلتے ہی جنگ شروع کی تھی وہی قوت قلب اور جوش شجاعت اب تک تھا، اُن کے پیر جہاں تھے وہیں رہے، نہ سر کے نہ ہٹے۔ مثل علم کے زمین میں گڑے رہے

جس وقت عبید اللہ بن عمر اور ذوالکلاع قبیلہ حمیر کو لے کر حملہ آور ہوئے تھے، ہر ایک کو یقین تھا کہ انجام انھیں کے ہاتھوں میں ہے، اِنھیں کامیابی ہوگی اور علیؑ کی فوجوں کو شکست۔ موت، خوف، فرار اس طرح آپ کی فوج میں پھیلا ہوا تھا جیسے آگ پھیلتی ہے، میمنہ میں، قلب میں، ہراول دستہ میں بلکہ محاذِ جنگ کے ہر حصہ میں سوا میسرہ کی اتنی سے جگہ کے جہاں ربیعہ والے دشمن کے حملوں کو سر وسینہ و دست و بازو سے روکے ہوئے تھے۔ واقعہ یہ ہے کہ اُنھوں نے اس جگہ کی یوں حفاظت کی جیسے گھر کی حفاظت کی جاتی ہے۔ دوپہر سے امیر المومنینؑ کی فوجوں میں تباہی مچی ہوئی تھی۔ کتنے ہی سپاہی موت سے ہمکنار ہوئے مگر ربیعہ والوں پر ذرہ برابر بھی ہراس طاری نہ ہوا۔ اُنھوں نے ہاتھ اور دل دونوں سے اس لشکر جرار کا مقابلہ کیا جسکی عبید اللہ بن عمر ہمت بڑھا رہے تھے اور ذوالکلاع ایسا آزمودہ سردار اسکی قیادت کر رہا تھا۔ صبح سے شام ہونے کو آئی مگر معاویہ کی اُمیدیں برنہ آئیں۔ ربیعہ والے قلت میں ہونے کے باوجود اس کثرت پر غالب آئے۔ جوں جوں وقت گزرتا گیا ربیعہ والوں کی ہمت بڑھتی گئی اور شام والے سُست پڑتے گئے، فرزند عمر کا غرور خاک میں مل گیا، ذوالکلاع کی تیزی ٹھنڈی پڑ گئی اور معاویہ کی کامیابی کا یقین آہستہ آہستہ مایوسی سے بدلتا گیا اور رات آتے آتے تو اُن کے رَگ وپے میں خوف اسطرح سرایت کر گیا جیسے زہریلے سانپ کا زہر، علیؑ کی بکھری ہوئی فوجیں سمٹتی گئیں، بھاگے ہوئے سپاہی پلٹ پلٹ کر صف میں آتے گئے۔ اب پھر وہ پہلے کی طرح سیسہ پلائی ہوئی دیوار کھڑی تھی، نا قابل شکست اور نا قابل تسخیر۔ اس وقت امیر المومنینؑ کے سپاہیوں میں ایک بھی

سپاہی ایسا نہ تھا جس نے اپنے دل سے وہ پہلے کا خوف و ہراس جھٹک نہ دیا ہو جو میمنہ کی پسپائی کی وجہ سے اس پر طاری ہو گیا تھا۔ اب ہر ایک نے اپنے عزم و یقین کا سہارا لے لیا تھا سب کے سب اشتر کے ارد گرد آ کر اکٹھا ہو گئے۔ ہر ایک اپنی اس جگہ پر آ گیا جہاں فرار سے پہلے تھا اور جیسے وہ اکٹھا ہوئے اُنھوں نے مل کر دشمن کی فوج پر حملہ کر دیا۔ صفین کا میدان مالک کی آواز سے گونج اُٹھا:

''فرار میں بڑی بے عزتی ہے، مرنے اور جینے دونوں کی ذلت، دنیا و آخرت دونوں جہان میں ننگ و عار۔''

اب ان کا عالم ہی کچھ اور تھا۔ جس نے اُن کے سامنے ٹھہرنے کی کوشش کی وہ موت سے ہمکنار ہوا۔ جو قدم بھی اُن کے سامنے ٹکے تلوار نے انھیں کاٹ کر جسم سے الگ کر دیا۔ آفتاب غروب ہو چکا تھا۔ ربیعہ والے شام کی فوجوں کو گاجر مولی کی طرح کاٹ رہے تھے۔

اُسی وقت معاویہ نے منت مانی کہ

''اگر بس چلا تو ربیعہ کے ایک ایک مرد کو چن چن کر قتل کروں گا۔ ان کی عورتوں کو کنیزیں بنا ڈالوں گا۔''

معاویہ کی آنکھوں میں دنیا اندھیری تھی۔ جس ہوا میں وہ سانس لے رہے تھے وہ برچھی کی طرح کلیجہ کے پار ہوئی جا رہی تھی، ربیعہ والے گلے کی ایسی ہڈی بن گئے کہ سانس لینا دوبھر تھا، بلا ٹکر ایسے چمٹے کی کسی طرح پیچھا ہی نہیں چھوڑتے تھے، سب کے قدم پیچھے ہٹے مگر ان کے نہیں اور نہ صرف یہ کہ یہ ثابت قدم رہے بلکہ انھوں نے دشمن کے حملوں کا منھ توڑ جواب دیا، اُن کی قوت کمزور کر دی اور اتنی دیر تک اُن کے مقابلہ پر ڈٹے رہے کہ مالک اشتر نے بھاگی ہوئی سپاہ کی ہمت بندھائی، انہیں ایک ایک کر کے جمع کیا اور سب کو جمع کرنے کے بعد مجموعی طاقت سے شام کی فوجوں پر حملہ کر دیا۔

معاویہ اپنے سپید قبہ میں بیٹھے رہے۔ اُنھیں لحہ لحہ کی خبریں ملتی رہیں اور اُن کے سارے خواب غلط ہوتے رہے۔ ابن بدیل کا خون رائگاں نہیں گیا۔ انھیں دم توڑے گھنٹے دو گھنٹے ہی ہوئے ہوں گے کہ شام کے سیکڑوں ہزاروں سپاہی کھیت ہو رہے۔ معاویہ کے میسرہ کی فوج جس نے امیر المومنینؑ کے میمنہ کو پسپا کر دیا تھا، اب بُری طرح کٹ رہی تھی، پیدلوں کی قطاریں بھی اور سواروں کا دستہ بھی جن کی زندگی باقی تھی وہ بھاگ بھاگ کے جان بچا رہے تھے۔

امیر المومنینؑ نے اپنے میمنہ والوں سے جنھیں مالک اشتر نے خوف و پسپائی کی پستی سے نکال کر پھر عزت کی سطح پر لا کھڑا کیا

تھا، خطاب کر کے ارشاد فرمایا:

''میدان کارزار میں میں نے تمھیں پیٹھ پھراتے اور اپنی صفوں سے الگ ہوتے دیکھا۔ میں نے دیکھا کہ تمھیں چند جفا کار و بدخواہ اور شام کے ذلیل بدوؤں نے اپنے گھیرے میں لے لیا تھا حالانکہ تم عرب کے جوانمرد، شرف کے راس و رئیس، قوم میں اونچی ناک والے اور بلند و بالا درجہ اور مرتبہ کے افراد ہو۔ اس صورت میں شکست و پسپائی تمھارے لیے مناسب نہ تھی لیکن پھر میرے سینہ کا درد شفا پا گیا۔ غم و اندوہ زائل ہوگیا، جب میں نے دیکھا کہ آخر کار تم بھی اُسی طرح انھیں گھیرے میں لے رہے ہو جس طرح اُنھوں نے تمھیں گھیرے میں لے رکھا تھا اور جس طرح اُنھوں نے تمھارے قدم اکھیڑ دیے تھے اُسی طرح تم نے بھی اُن کے قدم اکھیڑ ڈالے۔ تیروں کی بوچھار اُنھیں قتل کرتے ہوئے اور نیزوں کے ایسے ہاتھ چلاتے ہوئے کہ جس سے اُن کی پہلی صفیں دوسری صفوں پر چڑھی جاتی ہیں۔ جیسے ہنکائے ہوئے پیاسے اونٹ کو جنھیں اُن کے تالابوں سے دور بھگا دیا گیا ہو اور ان کے گھاٹوں سے علیحٰدہ کر دیا گیا ہو۔ (نہج البلاغہ جلد اول)

امیر المومنینؑ نے جیسا کہا تھا ویسا ہی ان بہادروں نے کیا۔ وہ اسی طرح ثابت قدم رہے جیسے امیر المومنینؑ۔ رات کی تاریکی اُن کے اور دشمنوں کے درمیان حائل نہ ہوسکی۔ وہ اسی طرح شمشیر زنی کرتے رہے جس طرح دن میں کی تھی۔ اب اس وقت صرف ربیعہ والے ہی اکیلے داد مردانگی نہیں دے رہے تھے بلکہ پوری فوج آپ کی اس میں شریک تھی۔ چیخ و پکار کی آوازوں سے پورا میدان گونج رہا تھا، حلق سے آوازیں یوں نکلتی تھیں جیسے بادل کی گرج، تلواریں بجلی کی طرح چمک رہی تھیں اور گھوڑے اپنی رفتار سے آندھی کو شرما رہے تھے۔

(۲)

معاویہ نے اب ایک اور تدبیر سوچی، عبید اللہ بن عمر کو بلا کر دیر تک سرگوشی کرتے رہے، تھوڑی دیر میں وہ اپنے رسالہ کو لے کر رات کی تاریکی میں کسی طرف سرک گئے۔ ارادہ یہ تھا کہ اندھیرے سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے ربیعہ والوں کی پشت پر پہونچ جائیں اور اُن پر اچانک حملہ کر کے ان کا قلع قمع کر دیں۔ عبید اللہ بن عمر کے پیچھے ان کا رسالہ تھا، رات کی تاریکی اُنھی اپنے پردے میں چھپائے ہوئے تھی۔ ریت پر چلنے کی وجہ سے پیروں کی آہٹ بھی محسوس نہ ہوتی تھی۔ یہ روانگی بہت مخفی طور پر ہوئی، انتہائی ہوشیاری کے ساتھ۔ ابن عمر کو پورا یقین تھا کہ ہمیں ضرور کامیابی ہوگی ربیعہ والے دن بھر کے تھکے ماندے ہیں پھر انھیں اس شب خون کا وہم و گمان بھی نہیں، بہت آسانی سے شکار ہو جائیں گے مگر ابن عمر کا جوں جوں قدم اُٹھتا دل کی دھڑکن تیز ہوتی جاتی اپنے دشمن سے جتنا قریب ہوتے جاتے اتنا ہی سینہ تنگ ہوتا جاتا۔ امام حسنؑ کی بددعا ابھی تک ان کے

کانوں میں گونج رہی تھی، حسنؑ کا دمکتا مکھڑا گویا نظروں کے سامنے تھا۔ وہ جدھر نگاہ اُٹھا کر دیکھتے حسنؑ کی صورت نظر آتی اور جدھر جاتے حسنؑ کی آواز انھیں اپنے قریب ہی سے سنائی دیتی۔

''عنقریب خدا تمھیں پچھاڑے گا اور منھ کے بل گرائے گا، آج یا کل۔''

صرف امام حسنؑ ہی کی بددعا نہیں تھی بلکہ ایک دن میں دومرتبہ نحوست کا پرندہ اُن کے سر پر منڈلایا تھا۔ جناب عمار نے بھی اُنھیں بددعا دی تھی۔ اُس وقت اُن کے کانوں میں عمار کا یہ فقرہ بھی گونج رہا تھا:

''خدا تمھیں پچھاڑے۔۔۔۔''

اُنھیں نظر آتا تھا کہ جیسے عمار کھڑے اُن سے کہہ رہے ہوں:

''عمر کے بیٹے! تم نے اپنے دین کو دنیا کے لیے دشمن خدا ودشمن اسلام کے ہاتھ بیچ ڈالا۔''

اور وہ اپنے دل میں جواب دیتے۔

''نہیں ہرگز نہیں، البتہ میں عثمان کا انتقام لینا چاہتا ہوں۔''

پھر اُنھیں عالم خیال میں عمار کی آواز سنائی دیتی۔

''مجھے یقین ہے کہ جو کچھ تم کر رہے ہو خدا کی خوشنودی کے لیے نہیں تمھاری نیت تو کچھ اور ہے۔ اُس دن اپنی نیت کا خیال رکھنا جب خداوند عالم بندوں کو اُن کی نیت کے لحاظ سے جزاوسزا دے گا۔''

یہی دو باتیں فقط ان کے دل کو دھڑ کانے والی نہ تھیں بلکہ آج ہی صبح ایک اور بدشگونی بھی ہو چکی تھی۔ صبح کے وقت وہ میدان جنگ میں آنے کی تیاری کر رہے تھے، اُن کی بیویاں جنگ کے لباس اور اسلحے اُنھیں سج رہی تھیں مگر ایک بیوی شیبانیہ بنت ہانی (جسکے خاندان والے امیرالمومنینؑ کی طرف سے لڑ رہے تھے) کنارے خاموش بیٹھی رہی، وہ نہ اُٹھی اور نہ اُس نے انھیں تیار ہونے میں کوئی مدد دی، جب سج سجا کر باہر نکلنے لگے تو شیبانیہ کے پاس آ کر رکے اور اُسے چھیڑتے ہوئے کہا:

''آج میں نے تمھاری قوم سے جنگ کرنے کی پوری تیاری کر لی ہے۔ خدا کی قسم مجھے امید ہے کہ آج میں اپنے خیمہ کے ہر میخ پر اُن کا ایک سردار لا کر باندھوں............''

عورت نے بغیر سر اُٹھائے کہا:

مجھے یہی تو گوارا نہیں کہ آپ اُن لوگوں سے لڑیں۔''

''کیوں؟

اس لیے کہ ہماری قوم کا جس بڑے سے بڑے سردار نے بھی رُخ کیا اُنھوں نے اسے تہس نہس کر کے رکھ دیا۔‘‘

عبیداللہ بن عمر مسکرائے، عورت نے بات پوری کرتے ہوئے کہا:

’’مجھے ڈر ہے کہ کہیں وہ لوگ آپ کو مار نہ ڈالیں۔‘‘

’’تمھارا ناس ہو............‘‘

’’مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میں اُن لوگوں کے پاس جاؤں گی اور اُن سے سوال کرونگی کی آپ کا مردہ مجھے دیدیں۔‘‘

عبیداللہ بن عمر بپھر گئے۔ بیوی کو پیٹ ڈالا اور چلتے چلتے کہہ گئے:

’’عنقریب تم دیکھوگی کہ میں تمھاری قوم کے کن کن سرداروں کو گرفتار کر کے لاتا ہوں۔‘‘

یہ سب باتیں تو خیر ایسی تھیں کہ عبیداللہ بھلا سکتے تھے، امام حسنؑ کی بددعا بھی، عمار کی بددعا بھی اور شیبانیہ کی بدشگونی بھی مگر یہ ناممکن تھا محال تھا کہ اپنے حافظہ سے امیر المومنینؑ کے وہ فقرے کھرچ کر پھیک دیتے جو آپ نے قتل ہرمزان کے دن اُن سے کہے تھے۔

جب حضرت عمر ابولولو کے خنجر سے قضا کر گئے تو کسی نے اُن سے کہدیا کہ میں نے ابولولو اور ہرمزان کو باتیں کرتے دیکھا تھا۔ ہرمزان ہی کے اشارے سے معلوم ہوتا ہے ابولولو نے اُنھیں ہلاک کیا ہے۔ عبیداللہ بن عمر لپکے ہوئے ہرمزان کے پاس پہنچے، اسے قتل کر ڈالا، ساتھ ہی ساتھ ایک نصرانی جفینہ اور ابولولو کی کم سن بچی کو بھی مار ڈالا اور ایسا خون سوار ہوا کہ مدینہ میں اُس وقت جتنے قیدی تھے سب کو قتل کرنے کے درپے ہو گئے۔ حضرت عثمان بجائے اسکے کہ وہ ہرمزان کے قصاص میں عبیداللہ کو قتل کرتے معافی دیدی۔ امیر المومنین اور دیگر صحابہ چیختے ہی رہے کہ ان سے ضرور قصاص لیا جائے کیونکہ اُنھوں نے ایک ناکردہ مسلمان کی جان لی ہے مگر حضرت عثمان نے اُنھیں دوسرے شہر میں جاگیر دے کر بھیج دیا۔ اسی موقع پر امیر المومنینؑ نے عبیداللہ سے فرمایا تھا:

’’اے فاسق! اگر کسی دن بھی میرا قابو تجھ پر چل گیا تو میں ہرمزان کے بدلہ میں تجھے قتل کر کے رہوں گا۔‘‘

یہ فقرے ابن عمر کے کانوں میں ہمیشہ گونجا کیے وہ جہاں بھی جاتے یہ آواز ان کا پیچھا کرتی جاتی۔ حضرت عثمان کے عہد میں تو کسی طرح جان بچتی رہی مگر امیر المومنینؑ کے تخت نشین خلافت ہوتے ہی اُنھیں شام بھاگنا پڑا۔ وہی ایک جان بچانے کا ٹھکانا تھا اور امیر المومنینؑ نے فرمایا:

’’آج بھاگ جائے دوسرے دن میرے ہاتھ سے بچ کے نہ جانے پائے گا۔‘‘

اس وقت وہ اپنے قدموں کی چاپ میں، سلاح جنگ کی جھنکار میں یہی آوازیں سُن رہے تھے۔ وہ چونک چونک کر ادھر ادھر کان لگا کے سنتے۔ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کے دیکھتے۔ انھیں معلوم ہوتا تھا کہ جیسے اب امیرالمومنینؑ رات کی تاریکی سے نکل کر سامنے آنے والے ہیں اور اب ان کی تلوار ہمارے سر پر پڑنے والی ہے۔

ابن عمر اب ربیعہ کے قریب پہونچ چکے تھے۔ لشکر کی آواز سے وہ چونکے۔ منزل قریب آ گئی تھی۔ اُنھوں نے خیالات کو دماغ سے جھٹک دیا اور اس مقصد کی طرف متوجہ ہوئے جس کے لیے وہ آئے تھے۔

ایک طرف ایک گوشہ میں جناب عمار مناجات الٰہی میں مشغول تھے۔ آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ بارگاہ الٰہی میں ہاتھ اُٹھے ہوئے اور لبوں پر یہ کلمات کہ

''خداوندا تو اچھی طرح باخبر ہے کہ اگر میں یہ جانتا ہوتا کہ تیری رضا اسی میں ہے کہ میں سمندر میں پھاند پڑوں تو یقینا میں ایسا کر گزرتا۔ خداوند تو اس سے بخوبی واقف ہے کہ اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ تیری خوشی اسی میں ہے کہ میں تلوار اپنے کو مارلوں تو یقینا میں اس سے گریز نہ کرتا۔ خداوند مجھے تیرے دئے ہوئے علم کی بدولت اچھی طرح معلوم ہے کہ آج کے دن ان فاسقین کے جہاد سے بڑھ کر کوئی عمل تیرے نزدیک محبوب نہیں۔ اگر اسکے علاوہ کوئی اور عمل زیادہ موجب ہوتا تیری رضا کا تو میں یقینا اسکے کرنے سے باز نہ آتا۔''

معاویہ کی تمنائیں، عبیداللہ بن عمر کا ناگہانی حملہ اور فتحیابی کی وہ توقع جو شروع میں پیدا ہو چلی تھی سب خواب وخیال ثابت ہوئیں۔ قبیلہ ربیعہ کی ثابت قدمی مالک اشتر کے بروقت پہونچنے اور بکھرے ہوئے لشکر کو جمع کر کے جم کر لڑنے ہی کے وقت یہ بات صاف ہوگئی کہ لڑائی کا رنگ اُن کے خلاف جا رہا ہے۔ دونوں لشکروں کی پوزیشن میں جو فرق تھا اس فرق کی وجہ سے وہ پہلے بھی یقین نہیں رکھتے تھے کہ جیت ہماری ہوگی اُن کی طرف عمرو عاص تھے ادھر جناب عمار، اُدھر عبیداللہ بن عمر تھے ادھر ہاشم مرقال، نہ عمرو عاص کو عمار سے کوئی نسبت تھی نہ ابن عمر کو ہاشم مرقال سے کوئی تقابل خود اُن کی جو حیثیت امیرالمومنینؑ کے مقابلہ میں تھی اسے معاویہ بھی سمجھتے تھے اور لشکر والے بھی، یہ اندازہ کرنا بہت آسان ہے کہ شک وشبہ کی فضا ہمیشہ اُنھیں کی طرف طاری رہی اور یقین واطمینان ہمیشہ علیؑ کی طرف رہا مشکوک ومترود ہمیشہ گھاٹے میں رہتا ہے چاہے اسے کتنی ہی آسانیاں کیوں نہ حاصل ہوں اور یقین واطمینان والا ہمیشہ فتحیاب رہتا ہے خواہ اُسے کتنی ہی دشواریاں کیوں نہ پیش آئیں۔

عبیداللہ بن عمر کا یہ حملہ بھی ناکام رہا۔ ربیعہ والے آسان لقمہ نہ تھے کہ حلق سے جلدی فرو ہو جاتے۔ برابر، برابر کی ٹکر رہی اگر کوئی دیکھنے والا اس تاریکی میں دیکھنے پر قادر ہوتا تو تمیز کرنا اُسے مشکل تھا کہ غالب کون ہے اور مغلوب کون؟ کس کی جیت

ہو رہی ہے اور ہار کس کی۔ پورے میدان میں تلاطم برپا تھا اور دونوں طرف کی فوجیں ایک دوسرے سے گتھی ہوئی تھیں۔

اس رات معاویہ مرے نہیں لیکن موت کا مزہ ضرور چکھنے میں آ گیا۔ یہ مزہ چکھانے والے قبیلہ ربیعہ کے مجاہد تھے۔ یہ آندھی کی طرح معاویہ کی طرف بڑھے، اُن کے سپید خیمہ کو تاکے ہوئے۔ دہشت اتنی طاری ہوئی کہ ہاتھ پیر پھول گئے۔ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا کریں۔ جلدی سے اپنے خیمہ سے نکلے اور اپنے کسی سپاہی کے خیمہ میں جا گھسے، دانت پیس کر کہنے لگے:

''ربیعہ والوں کا ناس ہو۔ اگر خدا نے مجھے فتحیاب کیا............''

ٹھیک اسی وقت اُن کے دل میں شیطان نے تدبیر القا کی۔ آنکھیں چمکنے لگیں۔ چہرے پر اطمینانی کیفیت پیدا ہوگئی۔ ایک آدمی کو بلا کر چپکے چپکے اس سے باتیں کیں۔ پھر اُسے کسی طرف روانہ کر دیا۔

معاویہ کا حفاظتی دستہ پانچ صفوں میں حلقہ کیے اُن کی حفاظت میں ربیعہ کی یلغار روک رہا تھا۔ پہلی صف ٹوٹی، دوسری صف ٹوٹی، تیسری صف ٹوٹی، چوتھی صف میں بھی شگاف پڑ گیا، اب اتنی دیر میں کہ پانچویں صف ٹوٹے معاویہ کا پیغامبر جہاں اُسے جانا تھا پہونچ چکا تھا۔ اس قاصد نے ربیعہ کے ایک سردار خالد بن معمر سے چپکے سے کہا:

''اتنی فتحیابی تو تمھیں ہو ہی چکی اب کوشش اسکی کرو کہ یہ فتحیابی پایہ تکمیل کو پہونچنے نہ پائے، خراسان کی حکومت تمھاری ہے۔''

خالد نے ہاتھ روک کیے لڑائی کا رنگ بدل گیا۔ خالد بن معمر اپنے رسالہ کو لے کر وہاں سے پیچھے ہٹ آیا۔ چند ہی برس کے بعد دیکھنے والوں نے دیکھا کہ یہ غدار و خائن شخص خراسان کا راستہ طے کر رہا ہے۔ ہاتھ میں حکومت کا پروانہ ہے اور اس پروانہ پر فرزند ابوسفیان کی مہر لگی ہوئی ہے۔

(۳)

اس وقت تو معاویہ کی جان بچ گئی۔ ایک خطرہ اُنکی حیلہ گری سے کسی طرح ٹل گیا مگر ابھی بہت سے خطرے سامنے تھے۔ وہ ہرگز نہیں بھول سکتے تھے کہ ہمارا سامنا اس وقت علیؑ کے ایسے اصحاب کا ہے جسمیں تنہا ایک شخص پوری جماعت ہے ایک اکیلا آدمی اُن کا بہت بڑا لشکر ہے۔ یہ اصحاب موت پر اسطرح ٹوٹ کر گرتے تھے جس طرح شہد کی مکھیاں پھولوں پر گرتی ہیں۔ اُنھیں نہ مصیبتوں کی پروا نہ آفتوں کا ڈر۔

اس وقت معاویہ کا سامنا ہاشم مرقال سے تھا جنکی شجاعت کی دھاک پورے عرب پر جمی ہوئی تھی۔ امیر المومنینؑ نے اُنھیں پکارا یہاں آؤ۔ وہ دوڑ کے قریب آئے۔ یہ کچھ ہنسوڑ اور ظریف بھی تھے۔

امیرالمومنینؑ نے مزاح کرتے ہوئے کہا:

''ہاشم کب تک روٹی کھاتے اور پانی پیتے رہو گے؟''

ہاشم مسکرائے۔ بولے:

''آج پوری کوشش کروں گا کہ پھر پلٹ کے آپ کے پاس نہ آؤں''

''تمھارے مقابل ذوالکلاع ہے اور وہ قیامت ڈھائے ہوئے ہے''

''خدا کی قسم آپ مجھے اچھی طرح جانتے ہیں، انشاءاللہ آج شام والوں کی کھوپریاں ہی کھوپریاں نظر آئیں گی''

ہاشم ہنستے ہوئے علم لے کر چلے۔ اپنے ساتھیوں سمیت اس جگہ جہاں موت کا بازار گرم تھا۔ لشکر مقابل کی طرف اشارہ کر کے پوچھا:

''یہ کون لوگ ہیں؟

لوگوں نے کہا:

''یہ ذوالکلاع کے قبیلہ والے ہیں''

''اور وہ لوگ؟''

''مدینہ کے لوگ ہیں اور قریش کے کچھ افراد''

''اور یہ سپید قبہ کے پاس کون لوگ نظر آرہے ہیں؟

''معاویہ ہیں اور اُن کا لشکر''

''میں اُن کے پاس کچھ کالے لوگوں کو بھی دیکھ رہا ہوں''

''وہ عمر بن عاص ہیں اور ان کے بیٹے اور غلام''

ہاشم نے ادھر سے نظر ہٹا کے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا اور کہا:

''جب تم دیکھنا کہ میں نے اس علم کو تین مرتبہ حرکت دی ہے تو سمجھ لینا کہ میں سب سے پہلے حملہ کر رہا ہوں''

پھر اُنھوں نے اپنے ساتھیوں میں سے ایک شخص کو منتخب کیا اور وصیت کی:

''اگر میں مارا جاؤں تو یہ علم تم ہاتھ میں لے لینا۔''

وہ علم اُٹھائے آگے بڑھے اُن کے پہلو میں جناب عمار بھی موجود تھے، جنھوں نے ۹۰ برس کے بڑھاپے کو دور کر دیا تھا اور

وہ جوانوں کی طرح تیز تیز چل رہے تھے۔ جب وہ اپنے ساتھی ہاشم کی رفتار میں سُستی دیکھتے اپنے نیزہ کی لکڑی اُن کے پہلو میں چبھوکر کہتے:

''یک چشم آگے بڑھو'' (ہاشم کی ایک آنکھ جنگ قادسیہ میں جاتی رہی تھی)

ہاشم ہنستے اور رفتار اور تیز کر دیتے۔ اسی طرح آگے بڑھتے گئے۔ ایک جگہ پہونچ کر علم نصب کرتے، جم کر لڑائی ہوتی، دشمن کی فوجیں پیچھے ہٹ جاتیں، ہاشم علم اُٹھا کر پھر آگے بڑھتے اور دوسرا حملہ کر دیتے۔ عمروعاص نے جب یہ منظر دیکھا کہ ہاشم کا رسالہ آگے بڑھتا ہے اور ٹھہر کر لڑتا ہے اور پھر آگے بڑھ جاتا ہے اور دوسرا قدم اس کا اس وقت تک نہیں اُٹھتا جب تک پہلی جگہ دشمن سے بالکل صاف نہیں ہوجاتی تو کہنے لگے:

''یہ سیاہ علم والا تو ایسا کام کر رہا ہے کہ اگر اسی طرح کرتا رہا تو آج ہی سارا عرب تباہ و برباد ہو جائے گا۔''

معاویہ نے انجان بن کر پوچھا:

''یہ ہے کون؟

لوگوں نے کہا:

''ہاشم مرقال''

معاویہ کے منھ سے بیساختہ چیخ نکل گئی۔

''ارے بنی زہرہ کا یک چشم............خدا اسے غارت کرے''

پھر عمروعاص سے مخاطب ہوکر بولے:

''وائے ہوتم پر اے عمروعاص! آج یہ علم ہاشم بن عتبہ کے ہاتھوں میں ہے۔ اُن کی دوڑ پہلے سے مشہور ہے اگر آج بھی یہ اُسی طرح دوڑ دوڑ کے حملے کرتے رہے تو شام والوں کے لیے آج کا دن بڑا طولانی ہوگا۔''

آج ان کا مقابلہ عمار یاسر سے تھا............کیا وہ عمار کی قدر و منزلت سے انکار کر سکتے تھے، انکی ہیبت، جلالت سے غافل ہونا اُن کے لیے ممکن تھا۔ کیا وہ عمار کے شاندار و تابناک ماضی اور ان کے گذشتہ دنوں کو بھول سکتے تھے جن دنوں میں یہ سن رسیدہ بزرگ بڑے سے بڑے فضائل و مناقب کے حامل ہوئے اور صبر و استقلال کے ایسے مظاہرے کیے کہ کفر و شرک کے عزائم خاک میں مل گئے۔ حضرت پیغمبرؐ خدا نے اُن کے کیے دعائے خیر و برکت کی اور خداوند عالم نے شاباشی دی۔

ناممکن تھا کہ معاویہ عمار کی تاریخ بھلا دیتے۔ گذشتہ باتیں ایک ایک کر کے اُنھیں یاد آتی جاتیں۔ وہ وقت جب کہ سارے

عرب میں کفر وشرک کا دور دورہ تھا ہبل ولات وعزیٰ کی حکومت تھی۔ دین حقیر و ذلیل اور شرک کا عروج تھا۔عمار کوسخت سے سخت اذیتیں دی گئیں۔ اُن کی مادر گرامی سمیہ مار ڈالی گئیں اور اُن کے پدر بزرگوار یاسر اُن کی آنکھوں کے سامنے حلال کر دیے گئے۔ یہ ساری آفتیں ٹوٹیں مگر ذرّہ برابر بھی اُن کے ایمان میں کمی نہ ہوئی۔اسی موقع پر پروردگار عالم نے ان کی عزت بڑھائی قرآن نے مدح کی۔

وَالَّذِينَ هَاجَرُوا فِي اللهِ مِن بَعْدِ مَا ظُلِمُوا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَلَأَجْرُ الْآخِرَةِ أَكْبَرُ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ.

اور جن لوگوں نے کفار کے ظلم پر ظلم سہنے کے بعد خدا کی خوشی کے لیے گھر بار چھوڑا ہجرت کی ہم ان کو ضرور دنیا میں بھی اچھی جگہ بٹھلائیں گے اور آخرت کی جزا تو اس سے کہیں بڑھ کر ہے کاش یہ لوگ جانتے ہوتے۔

گویا خداوند عالم نے عمار کی موت کو دوسرے وقت پر اٹھا رکھا اور اسکی مشیئت ہوئی کہ اُن کا خون اُنھیں اذیت دینے والوں کی اولاد کی گردن پر رہے اور اُس نے اپنے پیغمبرؐ کی زبان سے عمار کی موت کی تاریخ بھی معین کر دی تھی اُس وقت جبکہ اسلام ابھی ابتدائی دور میں تھا۔پیغمبرؐ ہجرت کر کے مدینہ آچکے تھے اور فکر تھی کہ ایک مسجد مدینہ میں تعمیر ہو جائے۔مسلمان پیغمبرؐ کا ہاتھ بٹا رہے تھے۔سب مسلمان ایک ایک پتھر کر کے لاتے اور عمار دو دو پتھر لا رہے تھے۔ چہرے پر کڑی محنت کے آثار تھے اور عمار کی ناطاقتی کے سبب بہت سے لوگوں کو اندیشہ تھا کہ کہیں عمار گر نہ پڑیں۔پیغمبرؐ کو اُن پر ترس آ گیا۔آپ نے فرمایا:

''ابوالیقظان اپنے نفس پر اتنا بار نہ ڈالو۔''

پھر جیسے پیغمبرؐ کو فوراً ہی خیال آ گیا کہ مشقت کے سبب عمار نہیں مرینگے اور ابھی ان کے مرنے میں بہت دن ہیں۔آپ نے اُن کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرا اور اُنھیں خوشخبری دی۔

''تم یقیناً جنت والوں میں سے ہو، تمھیں باغی گروہ قتل کرے گا''۔

وہ وقت جس کی پیغمبرؐ نے پیشینگوئی کی تھی یہی وقت تھا اور یہی شام والے وہ باغی جماعت تھے جنکے دل میں آگ بھڑک رہی تھی کہ کیسے عمار کو جلد سے جلد حلال کر ڈالیں اگر چہ ان میں تھوڑے سے لوگ ایسے بھی تھے جنھیں پیغمبرؐ کی حدیث یاد آ گئی تھی اور وہ سہمے ہوئے تھے کہ کہیں پیغمبرؐ کا ارشاد ہمارے اوپر ہی صادق نہ آئے۔

آج ان کا سامنا قیس بن سعد کا تھا جو قبیلہ انصار کے دیو تھے، امیر المومنینؑ کے بعد اپنے زمانہ کے سب سے بڑے بہادر، معاویہ کے لیے اگر کسی کی ذات بوجھ تھی تو انھیں کی ذات تھی۔ جتنا وہ ایک لاکھ سواروں کے لشکر سے نہیں ڈرتے تھے اتنا اکیلے

قیس سے خوف کھاتے۔ جب یہ مصر سے مدینہ واپس آ گئے تو مروان اور اسود بن البختری نے انھیں بہت ڈرایا دھمکایا۔ حسان بن ثابت نے خوب خوب زچ کرنے کی کوشش کی۔ قیس مدینہ چھوڑ کر امیر المومنینؑ کے پاس کوفہ میں آ گئے۔ معاویہ نے مروان اور اسود کو بگڑ کر خط لکھا:

''تم نے قیس اور ان کی رائے اور تدبیروں سے علیؑ کے بازو اور قوی کر دیے(۱) خدا کی قسم اگر تم دونوں ایک لاکھ جنگی سورماؤں سے بھی علیؑ کی مدد کرتے تو مجھے اتنا صدمہ نہ ہوتا جتنا اس سے صدمہ پہونچا کہ تم نے قیس کو علی کے پاس بھیج دیا۔'' (طبری جلد ۶ ص ۵۳)

آج اُن کا سامنا مالک اشتر کا تھا! قبیلہ مذحج اور نخع کے سردار اور شام والوں کے سب سے زیادہ سخت دشمن اور امیر المومنینؑ

۱: جنگ صفین میں معاویہ کہا کرتے:

''اگر خدا نے نہیں روکا تو کل قیس ہمیں نیست و نابود کر کے دم لیں گے۔ (ارشاد القلوب دیلمی جلد ۲ ص ۵۲)

قیس کے بے نظیر شجاعت کے مظاہرے عہد پیغمبرؐ میں بھی ہوئے اور عہد امیر المومنینؑ میں بھی۔ عہد پیغمبر میں جنگ بدر و احد و حنین و خیبر و خندق وغیرہ میں انھوں نے کار ہائے نمایاں کیے۔ صاحب درجات رفیعہ لکھتے ہیں کہ پیغمبرؐ کے تمام غزوات میں شریک رہے۔ پیغمبرؐ کے ساتھ انصار کے علم کے یہی علمبردار تھے۔ فتح مکہ کے دن پیغمبرؐ نے ان کے باپ سعد سے علم لے کر انھیں کو دیا تھا۔ خطیب بغدادی اپنی تاریخ جلد ا ص ۱۷۷ میں لکھتے ہیں کہ بعض غزوات میں حامل رائے پیغمبرؐ یہی قیس تھے۔ تاریخ طبری و ابن اثیر جلد ۳ ص ۱۰۶ میں ہے کہ رسول اللہؐ کے ساتھ انصار کے علم کے یہی علمبردار ہوتے تھے اور یہ صاحبان تدبیر و شجاعت و ہیبت میں سے تھے۔ استیعاب میں ہے کہ بروز فتح مکہ پیغمبرؐ کے رایت کے یہی حامل تھے۔ پیغمبرؐ نے علیؑ کو بھیجا تھا کہ سعد سے علم لے کر ان کے بیٹے قیس کو دیدو، علیؑ نے ایسا ہی کیا۔

جب امیر المومنینؑ نے شام روانہ ہونے کا قصد کیا تو آپ نے اپنے ساتھ مہاجرین وانصار کو طلب فرما کر کہا: ''آپ لوگ مبارک خیال، بہتر حلم، صادق القول اور پسندیدہ افعال کے ہیں۔ ہم اپنے دشمن کی طرف چلنا چاہتے ہیں، آپ لوگوں کی کیا رائے ہے؟ قیس بن سعد نے کھڑے ہو کر عرض کی ''امیر المومنینؑ ہمیں ساتھ لے کر دشمن کی طرف جلد چلئے اور تاخیر سے کام نہ لیجئے۔ خدا کی قسم ان شام کے دشمنوں سے جہاد کرنا ہمارے نزدیک ترک و روم کے کافروں سے جنگ کرنے سے زیادہ محبوب ہے۔

کیونکہ یہ لوگ دین میں دغا وفریب کر رہے ہیں، اصحاب پیغمبرؐ مہاجرین وانصار اور نیکوکار تابعین کو ذلیل کر رہے ہیں۔ جب یہ لوگ کسی شخص سے ناراض ہوتے ہیں تو اسے قید کر دیتے ہیں یا زدوکوب کرتے ہیں یا اسے محروم کر دیتے ہیں یا جلاوطن کر دیتے ہیں، ہمارا مال حلال سمجھتے ہیں اور ہم ان کے خیال میں ان کے غلام ہیں۔ (کتاب صفین ص ۵۰)

صعصعہ بن صوحان بیان کرتے ہیں کہ جب حضرتؑ نے جنگ صفین کے لیے علم آراستہ کیے تو آپ نے پیغمبرؐ کا لواء باہر نکالا۔ پیغمبرؐ کے انتقال کے بعد اب تک یہ نہیں دیکھا گیا تھا۔ اسے آراستہ کر کے آپ نے قیس بن سعد کو بلایا اور ان کے حوالہ کیا۔ تمام انصار اور بدر میں شرکت کا شرف رکھنے والے صحابہ سمٹ آئے۔ انھوں نے جب لوائے رسول کو دیکھا تو بیساختہ رونے لگے۔ قیس نے چند اشعار پڑھے جن کا مطلب یہ ہے کہ یہ وہ لواء ہے جس کا ہم پیغمبرؐ کے ساتھ حلقہ کیے ہوتے اور جبرئیل ہمارے مددگار تھے۔ انصار جس کے پشت پناہ ہوں اسے کوئی نقصان نہیں پہونچا سکتا نہ کسی دوسرے کی موجودگی کی اسے حاجت ہے۔ انصار وہ لوگ ہیں کہ جب وہ آمادہ پیکار ہوتے ہیں تو ان کے ہاتھ نیزوں کے ساتھ دراز ہوجاتے ہیں یہاں تک کہ شہر فتح ہوجاتے ہیں۔ (مناقب خوانذی ص ۱۲۲۔ استیعاب جلد ۲ ص ۵۳۹، اسد الغابہ جلد ص ۲۱۶۔ تاریخ ابن عساکر جلد ۲ ص ۲۴۵)

کے اولین مددگار، جب وہ مالک اشتر کو یاد کرتے تو اُنھیں یہ بھی یاد آجاتا کہ اُن کے سامنے بڑے سے بڑا جیالا ٹھہرنے کی ہمت نہیں کرتا۔ نہ بڑے سے بڑا بہادر اُن پر حملہ کرنے کی جرأت کرسکتا ہے۔ نہ کسی سورما کی مجال ہے کہ ان سے بازی لے جا سکے، وہ مالک جنھوں نے خون کو اس وقت تیزی سے حرکت دیدی جب وہ جسموں میں مضر ہو چکا تھا، لڑائی کی وہ آگ بھڑکا دی جو ٹھنڈی پڑ چکی تھی، جنھوں نے شکست و ہزیمت کے چنگل سے فتحیابی چھین لی، وہ اُس وقت ثابت قدم رہے جب سب تتر بتر ہو چکے تھے۔ وہ اس وقت ڈٹے کھڑے رہے جب سب بیٹھ چکے تھے۔ جنھوں نے علیؑ کی فوج گرا کٹھا کر کے بھرپور حملہ کر دیا تھا، جو فوج اُن کے آنے کے پہلے ٹکڑے ٹکڑے ہو کر میدان چھوڑ چکی تھی وہی اب قوت و طاقت صبر و استقلال و جاں نثاری و فداکاری کی ٹھوس دیوار تھی یہ فوج شمشیر زنی کرتی ہوئی برابر آگے رواں دواں تھی، اس کے بے پناہ حملوں کے آگے شام والوں کے حوصلے جواب دے گئے۔ آندھی اور بھونچال کی طرح سامنے جو چیز آتی اُسے تہس نہس کرتی ہوئی یہ فوج آگے بڑھتی جاتی تھی اور رُخ اس کا کسی اور طرف نہیں اسی سپید قبہ کی طرف تھا جس میں معاویہ بیٹھے تھے۔

ایک اشتر ہی پر موقوف نہیں اشتر کے علاوہ اور بہت سے ایسے تھے جن سے آج کے دن معاویہ کا سامنا تھا۔ احنف بن قیس اُنکے سامنے تھے، سہل بن حنیف تھے، ابوایوب انصاری تھے، صعصہ بن صوحان تھے، جاریہ بن قدامہ تھے سلیمان بن صرد خزاعی تھے، عبداللہ بن عباس تھے، یہ سب کے سب ایسے تھے کہ بڑے بڑے پہلوان بھی ان سے بھڑنے کی ہمت نہیں کر سکتے تھے، نہ معاویہ کے چیدہ سے چیدہ اصحاب ان کے مقابل آسکتے تھے ان حضرات کے مقابلہ میں اُن کی طرف آخر تھا ہی کون؟

کیا عمرو عاص.........؟ عبیداللہ بن عمر.........؟ ذوالکلاع.........؟ یا معاویہ کے گھر والے جیسے عتبہ، ولید، مروان وغیرہ ان لوگوں کو ان حضرات سے کسی قسم کی بھی نسبت نہیں تھی۔ معاویہ جتنا جتنا سوچتے اُن کا یقین اور پختہ ہوتا جاتا کہ وقت پڑنے پر یہ سب ہمارا ساتھ چھوڑ دیں گے۔ جب انکی پریشانیاں حد سے زیادہ ہو گئیں تو ان کے تمام مخصوص و منتخب اصحاب عمرو عاص، عتبہ بن ابی سفیان، ولید بن عقبہ، مروان بن حکم، عبیداللہ بن عامر، طلحہ ابن طلحہ خزاعی وغیرہ اُن کے پاس سر جوڑ کے بیٹھے باہم رائے مشورہ کرنے کے لیے کہ علیؑ کو کیونکر شکست دی جائے۔ عتبہ بن ابی سفیان نے کہا:

''ہمارا اور علیؑ کا معاملہ عجیب وغریب ہے ہم میں کوئی ایسا نہیں جسے علی سے صدمہ نہ پہونچا ہو اور اسکے کسی عزیز کا خون علیؑ نے نہ بہایا ہو۔ میرا صدمہ تو یہ ہے کہ علیؑ ہی نے جنگ بدر میں میرے نانا عتبہ بن ربیعہ، میرے بھائی حنظلہ کو قتل کیا اور میرے چچا شیبہ کے قتل میں شریک ہوئے۔ ولید! تمہارا صدمہ یہ کہ تمہارے باپ کو علیؑ نے قتل کیا اور تمھارے بھائیوں کو یتیم بنایا۔ ابن عامر! تمھارا صدمہ یہ ہے کہ تمھارے باپ کو پچھاڑ اتمھارے چچا کے اسلحے اور زرہ لوٹی اور طلحہ ت! مھارا صدمہ یہ کہ تمھارے

باپ کو جنگ جمل میں قتل کیا۔رہ گئے مروان تم تو تمھاری حالت یہ ہے کہ تم اُن کے ہاتھ سے مرتے مرتے بچے۔''

عتبہ کے بعد دوسروں نے بھی اپنے اُن مصائب وآلام کا ذکر کیا جو علیؑ سے پہونچے تھے۔ان میں سے ہر شخص علیؑ کے خلاف دل کا بخار نکال رہا تھا۔معاویہ نے سوچا موقع اچھا ہے، اس وقت ہر شخص علیؑ کے خلاف غم وغصہ سے پیچ وتاب کھا رہا ہے، اُنھوں نے برانگیختہ کرتے ہوئے کہا:

''یہ سب باتیں تو ٹھیک ہیں مگر اب ان کی تلافی کیونکر ہو؟''

مروان نے پوچھا:

آپ کس طرح کی تلافی چاہتے ہیں''

''میں یہ چاہتا ہوں کہ تم لوگ انھیں نیزوں سے چھلنی کردو۔''

مروان کے چہرہ کا رنگ اُڑ گیا۔اُس نے کہا:

''آپ مذاق کر رہے ہیں یا شاید ہم لوگ آپ پر بوجھ ہو گئے ہیں''

ولید نے اس تجویز کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا:

''آپ تلافی کی سوچ رہے ہیں۔آپ ہمیں جنگل کے اس سانپ کے آگے بھیجنا چاہتے ہیں جس کے کاٹے کا علاج نہیں۔

ولید نے اسی سلسلۂ گفتگو میں معاویہ پر طنز بھی کیا کہ علیؑ نے جب خود اُنھیں مقابلہ کے لیے بلایا تھا تو اُنھیں مقابلہ کی ہمت نہ ہوئی۔عمروعاص کا بھی مذاق اُڑایا کہ یہ گئے بھی مقابلہ کو تو اُن کے وار سے ایسا بدحواس ہوئے کہ اپنی شرمگاہ ننگی کر کے جان بچائی۔معاویہ کھسیانے ہو کر چپ لگا گئے۔

عمروعاص نے بپھر کر کہا کہ اگر ولید سچا ہے تو وہی علیؑ کے مقابلہ پر نکلے یا کم از کم ایسی جگہ کھڑا ہو جائے جہاں سے علیؑ کی آواز سن سکے۔ (کتاب الصفین ص ۲۲۲، شرح نہج البلاغۃ جلد ۲ ص ۱۱۰، تذکرۂ سبط ابن جوزی ص ۵۱، الامام علیؑ ابن ابی طالبؑ جلد پنجم)

(۴)

یہ کانفرنس ختم ہو گئی۔علیؑ جیسے تھے ویسے ہی رہے، ان کی ہیبت ویسی ہی رہی، کسی کو بھی اُن سے مقابلہ کی جرأت نہ ہوئی ،بس زیادہ سے زیادہ گالیاں دیکر یہ لوگ اپنے جی کی بھڑاس نکال لیتے تھے۔ان لوگوں کی وہ اکڑ، بلند و بانگ دعوے، تنہا مقابلہ کے لیے نکلنا، دھوکہ سے اُن پر حملہ کرنا اپنے مقتولین آباء واجداد اور اعزا واقربا کا انتقام لینے کی اُمنگ ایسی ہی رہی جیسے خواب کی باتیں، صرف اسی ایک جیسے پر موقوف نہیں، ایسے ایسے جلسے روزانہ ہی ہوتے جس میں معاویہ اُن کے قریبی اعزہ اور

مخلص رفقائے کار شریک ہوتے، علیؑ کو گالیاں دی جاتیں، اُن کے مفروضہ مظالم کا رونا رویا جاتا، غم وغصہ کے جذبات اُبھارے جاتے، دوسروں کو اُن سے مقابلہ پر برانگیختہ کیا جاتا، اس تمنا و آرزو میں کہ ممکن ہے ان مخصوصین میں سے کوئی علیؑ سے لڑنے پر تیار ہو جائے اور اس کا دیکھا دیکھی دوسرے لوگوں کو بھی علیؑ سے لڑنے کی ہمت ہو۔ لیکن معاویہ کے اعزہ واحباب میں سب ہی کو اپنی جان پیاری تھی۔ وہ ایسا موقع آنے ہی نہیں دیتے تھے کہ علیؑ کا سامنا ہو۔ کچھ لوگوں نے ان میں سے اتنی جان چرائی کہ شام والے ان کے سبھی مخلصین سے بدظن ہو گئے۔ سپاہیوں نے انھیں اپنا افسر ماننے سے انکار کر دیا۔ معاویہ کو یہ خطرہ تک لاحق ہو گیا کہ کہیں یہ لشکری خود مجھ پر حرف نہ رکھنے لگیں۔

ایک یمنی شخص نے آ کر معاویہ سے کہا:

''معاویہ میں نے چند شعر کہے ہیں اِسے سن لو اور بطور نصیحت کے اسے گرہ میں باندھ لو''۔

''پڑھو''

''تم نے لشکر کی افسری بُسر اور اسکے اصحاب کو دے رکھی ہے............ حالانکہ تمھارے اردگرد صرف یمن والے ہیں

....

ہم میں ہمارے غیروں کو مخلوط نہ کرو............ جس طرح خالص دودھ میں پانی ملایا جاتا ہے............''

وہ شخص یہ شعر سنا کر چلتا بنا۔ معاویہ کے حوالی موالی اُسے کڑے تیوروں سے دیکھتے ہی رہے مگر اُسے کوئی جھجک نہ ہوئی۔ خود معاویہ کے چہرے پر سیاہی چھا گئی۔ شرم سے آنکھیں اُٹھائی نہ جاتی تھیں۔ تھوڑی دیر آنکھیں بند کیے بیٹھے رہے اسکے بعد معززین یمن پر برہم ہوتے ہوئے بولے:

''کیا اس شخص نے جو کچھ کہا ہے تمھاری خوشی سے کہا ہے؟''

یمن والوں کو شرم معلوم ہوئی کہ منھ پر صاف صاف کیا کہیں، اُنھوں نے جواب دیا:

''اس نے جو کچھ کہا ہے اُسے ہم پسند نہیں کرتے''

معاویہ نے اطمینان کی سانس لی، چاپلوسی کرتے ہوئے کہا:

''میں نے تمھارے بھروسہ کے لوگوں کو اور اپنے بھروسہ کے لوگوں کو ملا کر رکھا ہے جو ہمارا خیر خواہ ہے وہ تمھارا بھی خیر خواہ ہے اور جو تمھارا خیر خواہ ہے وہ ہمارا بھی خیر خواہ ہے''۔

معاویہ نے بات تو بنا دی مگر دل میں اچھی طرح سمجھتے تھے کہ اپنے اعزہ اور مخصوصین کی طرفداری عام سپاہیوں کو خوش نہیں

کر سکتی۔ موجودہ انتظامات پر اُن کی ناراضی جوں کی توں قائم رہے گی۔''

لڑائی کی آگ پوری طرح بھڑک اُٹھی تھی۔ گھمسان کا رَن پڑ رہا تھا اور اب جنگ فیصلہ کن مرحلہ پر پہونچ چکی تھی۔ معاویہ نے مروان کو بلا کر کہا:

''اشتر نے میرا کلیجہ خون کر دیا ہے، تم قبیلہ کلاع اور یحصیب کے سواروں کو لے کر جاتے اور اس سے جنگ کرتے''.

مروان نے بڑی بے پروائی سے کہا:

''عمرو عاص سے کہئے وہی آپ کے کرتا دھرتا ہیں''.

معاویہ نے چاپلوسی کرتے ہوئے کہا:

''مگر تم تو میری جان ہو۔''

''اگر ایسا ہی ہوتا تو آپ مجھے بھی اتنا ہی دیتے جتنا عمرو عاص کو دیا ہے یا انھیں بھی اسی طرح محروم رکھتے جس طرح مجھے محروم رکھا ہے لیکن آپ نے اُنھیں تو سب کچھ دے دیا جو کچھ آپ کے ہاتھ میں تھا، اتنا ہی نہیں بلکہ جو آپ کے ہاتھ میں نہیں اسکی بھی امید دلا رکھی ہے۔ اگر آپ کی جیت ہوئی تو وہ آپ کے پاس مزے سے عیش کریں گے اور اگر آپ ہارے تو آسانی سے بھاگ جائیں گے۔''

معاویہ کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔ اُنھوں نے چیخ کر کہا:

''خدا تم سے ہمیں بے نیاز رکھے''

عمرو عاص اُن کے پاس پہونچے اور دل ہی دل میں خوش ہوتے ہوئے مگر بظاہر چاپلوسی کرتے ہوئے کہا:

''خدا کی قسم میں وہ تو نہ کہوں گا جو مروان نے کہا۔۔۔''

اس کھلی ہوئی خوشامد نے معاویہ کے بدن پر آگ لگا دی۔ بگڑ کر بولے:

''تم کہہ ہی کیا سکتے ہو، میں نے تمھیں آگے بڑھایا اسے پیچھے کیا، تمھیں اندر رکھا اُسے نکال باہر کیا۔''

عمرو عاص نے بھی ترکی بہ ترکی جواب دیتے ہوئے کہا:

''تم نے مجھے آگے اس لیے بڑھایا کہ میں تمھارے کام کا آدمی تھا۔ اندر اس لیے رکھا کہ میں تمھارا خیر خواہ ہوں۔ یہ سب مصر کی حکومت کا فساد ہے جو ہے وہ اسی کا طعنہ دیتا ہے اگر یہ لوگ اسی پر خوش ہیں کہ تم نے مصر کی حکومت کا جو وعدہ کر رکھا ہے اُسے واپس لے لو تو تم خوشی سے واپس لے سکتے ہو''۔

تلخی بڑھنے نہ پائی دونوں میں صلح وصفائی ہوگئی۔عمرو عاص قبیلہ کلاع ویحصیب کے سواروں کی قیادت کرتے ہوئے میدان میں نکلے معاویہ کو یہ جتانے کے لیے کہ ہم واقعی دل سے ان کے ہی خواہ ہیں۔اور ہمارا مقصد صرف انھیں خوش رکھنا ہے مگر میدان میں پہونچنے ہی تک فقط یہ جوش رہا۔جیسے ہی انکے غنیم نے اپنا نیزہ سیدھا کیا یہ پلٹ پڑے اور بھاگ کر جان بچانے کی فکر کرنے لگے۔

اُن کے لشکر کے ایک نوجوان نے چیخ کر کہا:

''عمرو تمھارا ستیاناس ہو..........حمیر والو تم خود ہی کیا کم ہو، لاؤ نشان لشکر مجھے دو۔''

عمرو عاص بھاگ کھڑے ہوئے مگر وہ نوجوان ثابت قدم رہا اور وہیں موت سے ہمکنار ہوا۔

مروان نے خوب بغلیں بجائیں اور عمرو عاص کا مذاق اڑایا۔یمنی لوگ پھر بگڑ کھڑے ہوئے۔اُن کے کسی آدمی نے معاویہ سے کہا:

''آپ ہمارا افسر اسے مقرر کرتے ہیں جو بجائے ہمارے ساتھ لڑنے کے بھاگ کھڑا ہوتا ہے۔آپ ہم ہی میں سے کسی کو افسر مقرر کیجئے ورنہ آپ جانیے اور آپ کا کام، ہم کو لڑائی سے کوئی سروکار نہیں۔''

یہ حالت تھی معاویہ کے مخلصین کی غیرت وخودداری کی اور بس اتنی سی ہمت تھی جسکے سہارے وہ میدان میں جاتے تھے یا بیٹھ رہتے۔گھڑیاں گذرتی جارہی تھیں صفین کی جنگ خاتمہ پر پہونچنے والی تھی۔معاویہ یہ سوچ کر ہلکان ہوئے جاتے تھے کہ علی ہر طرح محفوظ ہیں۔نہ اُن سے کسی کو مقابلہ کی جرأت ہوتی ہے نہ یہی ہمت کہ موقع پا کر ان کی غفلت میں حملہ کردے اور مار ڈالے۔شام کے بڑے سے بڑے تلوار یئے مشہور سے مشہور بہادر اُن کے سامنے جانے سے جی چراتے ہیں۔یوں جانے کو میدان میں بڑے کروفر اور بڑی آن بان سے جاتے ہیں مگر ادھر علیؑ نے اُن کا رُخ کیا اور ادھر اُنھوں نے بھی گھوڑے کا رُخ پھیر کے راہ فرار اختیار کی۔اپنے بہادروں کی اس بزدلی پر کتنا کتنا وہ بگڑتے۔انھیں عیب لگاتے کہ کو علیؑ سے مقابلہ کرنے کی جرأت ہی نہیں ہوتی۔گویا انھیں اس کا خیال ہی نہیں تھا کہ ہم نے بھی علیؑ کے مقابلہ سے گریز کیا تھا۔علیؑ بار بار دعوت مبارزت دیتے ہی رہے مگر نہ جانا تھا نہ گئے۔جوں جوں ان پر سختی بڑھتی جاتی اتنا ہی وہ اپنے ساتھیوں کی مذمت کرتے اور کہتے:

''قریش والو! بڑا تعجب ہے۔ارے عمرو عاص کے علاوہ تم میں کوئی ایسا نہیں جو علیؑ کے مقابلہ کو نکلے۔یہ کیا حال ہے تمھارا؟ قریش کی حمیت وغیرت کو کیا ہو گیا ہے؟:

مگر کسی کے کانوں پر جوں نہیں رینگتی، ان کا غیرت دلانا، برا بھلا کہنا اُن کے منجمد خون کو حرکت دینے سے قاصر رہا، نیندسی

اُن پر طاری رہی، وہ بکتے جھکتے رہتے اور یہ بہرے بنے بیٹھے رہتے۔ معاویہ کو اُن کے اس جمود پر بڑا غصہ آتا۔ وہ اپنے آپے سے باہر ہو جاتے اور خوب خوب بے نقط سُناتے۔ اس موقع پر یہ لوگ بھی خاموش نہیں رہتے بلکہ کلہ بہ کلہ، تر کی بہ تر کی جواب دیتے۔ خلوت ہی میں نہیں بلکہ مجمع عام میں تمام سپاہیوں کے سامنے۔

ایسا ہی اس وقت ہوا تھا جب معاویہ امیر المومنینؑ کے بار بار پکارنے پر بھی مقابلہ کے لیے نہ نکلے تھے۔ ان کے عزیزوں دوستوں میں کوئی بھی ایسا غیرت دار نہ تھا جو معاویہ کی لاج رکھ لیتا اور معاویہ نے بزدلی دکھا کے جو اپنے کو سب کی نظروں میں ذلیل کر لیا تھا اس ذلت کو دھو دیتا۔ عزیزوں اور دوستوں میں تو کوئی نہ نکلا البتہ اُن کے ایک معمولی سپاہی کو غیرت آگئی۔ عروہ بن داؤد دمشقی نے جب اپنے امیر کی عزت یوں خاک میں ملتے دیکھی تو اس نے پکار کر کہا:

''ابوالحسن! اگر معاویہ آپ سے مقابلہ کرنا نہیں چاہتے تو آیئے آپ مجھ سے مقابلہ کیجئے۔''

معاویہ خوشی سے باغ باغ ہو گئے۔ شام والوں پر حیرت طاری تھی۔ امیر المومنینؑ کے بعض رفقاء نے آگے بڑھ کر حضرت سے عرض کی:

''حضور اس کتے کو چھوڑ دیئے، یہ اس قابل نہیں کہ آپ اس سے لڑیں۔''

لیکن امیر المومنینؑ کے لیے ناممکن تھا کہ کوئی چیلنج دے اور آپ اُسے قبول نہ کریں، آپ نے فرمایا:

''معاویہ اور یہ دونوں میری نظروں میں برابر ہیں۔ چھوڑ دو مجھے لڑ لینے دو۔''

پھر آپ اس مغرور کی طرف متوجہ ہو کر بولے:

''عروہ جا اور اپنی قوم والوں کو بھی اپنا حال بتا دے۔''

ابھی پورا فقرہ آپ کی زبان سے ادا بھی ہونے نہ پایا تھا کہ آپ کا وار اُس پر پڑا اور وار کے ساتھ ہی عروہ کا آدھا دھڑ امیر المومنینؑ کے لشکر کی طرف گرا اور آدھا دھڑ معاویہ کے لشکر کی طرف۔ تلوار اتنے زور سے پڑی کہ میدان دہل گیا۔

عروہ کے چچازاد بھائی نے اپنے بھائی کا خون جو دیکھا تو چیخ کر بولا:

''ہائے کتنی منحوس صبح ہوئی ہے''۔

اسکے بعد امیر المومنینؑ کی طرف بڑھا کہ اپنے بھائی کا انتقام لے۔ تھوڑی دیر میں وہ بھی عروہ کے پہلو میں گوشت اور ہڈیوں کا ڈھیر تھا۔ اب کسی کی ہمت تھی کہ علیؑ کے مقابلہ پر آتا۔ معاویہ انگاروں پر لوٹ رہے تھے۔ فرط الم اور شدت غیظ و غضب سے حالت غیر تھی۔ اپنے رفیقوں کی اس شرمناک بزدلی کو دیکھ کر کوئی بھی علیؑ کے مقابلہ پر جانے کی ہمت نہیں کرتا چیخ

کر بولے:

''موت آئے ان لوگوں کو کیا ان میں کوئی ایسا نہیں جو علیؑ کو قتل کر دے، دو بدو لڑ کے یا دھوکہ فریب سے یا لشکر کی بھیڑ میں چھپ کے۔''

معاویہ کی یہ بات پوری بھی نہ ہوئی تھی کہ ولید بن عقبہ نے کہا:

''آپ خود تشریف لیجائیں، مقابلہ کے لیے۔ آپ سے بہتر کون ان کا مقابلہ کرسکتا ہے۔''

دوسرے رفیقوں نے بھی یہی کہا۔ تنہائی میں نہیں بھرے مجمع میں اور کچھ اس طرح کہا کہ معاویہ کی ساری اکڑ خاک میں مل گئی اور غرور وتکبّر چکنا چور ہو گیا۔

امیرالمومنینؑ ابھی تک مقابلہ کے لیے بار بار للکارتے تھے اور کسی کی ہمت نہیں ہوتی تھی کہ ان کے سامنے نکلے۔ عتبہ بن ابی سفیان نے معاملہ کو رفع دفع کرنے کے لیے کہا:

''علیؑ کی بات پر دھیان ہی نہ دو، سمجھ لو کہ تم کچھ سُن ہی نہیں رہے ہو، میں تو دیکھتا ہوں کہ جو بھی اُن کے پاس سے گذر جاتا ہے اُسے مار ڈالتے ہیں۔''

مگر معاویہ ڈرے کہ کہیں یہی بزدلی جو ہمارے افسران فوج سے ظہور میں آرہی ہے، عام لشکر میں نہ پھیل جائے۔ افسروں کی پست ہمتی کو دیکھ کر ماتحتوں کا جی چھوڑ بیٹھنا یقینی ہے۔ اسی وجہ سے وہ برابر اپنے رفیقوں کو علیؑ سے مقابلہ کرنے کی ترغیب دلاتے، اُنھیں بھڑکاتے رہے، آخرکار بسر بن ارطاۃ پر ان کا جادو چل گیا۔ اُنھوں نے اُسے بھڑکاتے ہوئے کہا:

''کیوں؟ علیؑ سے مقابلہ کرتے ہو؟''

''آپ سے بڑھ کر علیؑ سے مقابلہ کرنے کا کوئی دوسرا سزاوار نہیں، ہاں آپ اگر جانا نہیں چاہتے تو پھر میں تیار ہوں۔''

بُسر کے چچازاد بھائی نے بُسر سے کہا:

''میں نے سنا ہے کہ تم نے وعدہ کرلیا ہے کہ علیؑ کے مقابلہ پر جاؤ گے''۔

''ہاں''

''آخر تم کو سوجھی کیا، کیسے تیار ہو گئے۔''؟

بسر نے تھوڑی دیر سکوت کیا پھر کہا:

''محض بات نباہنے کے لیے زبان سے میری ایسی بات نکل گئی کہ اب اس سے مُکرنے میں شرم معلوم ہوتی ہے۔''

جب بسر مقابلہ کے لیے نکلا تو بار بار دل کو تسلی دیتا۔

''علیؑ سے مقابلہ کرنا یقیناً موت کو دعوت دینا ہے مگر بہر حال ایک دن مرنا تو ہے ہی''۔

مگر یہ سب کچھ اسی وقت تک تھا جب تک علیؑ کا سامنا نہ ہوا تھا۔ سامنا ہوتے ہی اس نے بھی اُسی شرمناک طریقہ سے راہ فرار اختیار کی جس طرح کل عمرو عاص اختیار کر چکے تھے۔ پہلے ہی وار میں تنہا ہو کر زمین پر آ رہا۔ جلدی سے دونوں ٹانگیں اُٹھا دیں جس سے اُسکی شرمگاہ عُریاں ہوگئی۔ اُسے یقین تھا کہ علیؑ کی تلوار ایسے دشمن پر ہرگز نہ اُٹھے گی جو تنہا ہو چکا ہو اور حیا و شرم کو بھی جس نے بالائے طاق رکھ دیا ہو۔ جان تو اُس نے بچا لی مگر اس کے بعد پھر کبھی علیؑ کے مقابلہ پر جانے کی ہمت نہیں ہوئی۔ جہاں آپ پر نظر پڑتی بہت دور ہٹ جاتا۔ کوشش یہی رہتی کہ علیؑ کی نظر ہم پر نہ پڑنے پائے۔ یہی کیفیت شام کے دوسرے نمودار افسروں کی رہی۔

(کتاب الصفین نصر بن مزاحم، الامام علی ابن ابی طالبؑ جلد پنجم۔ تاریخ اسلام ماسٹر ذاکر حسین دہلوی مرحوم وغیرہ)

(۵)

معاویہ کے ارد گرد جتنے بھی تھے سبھی غرض کے بندے تھے۔ اگر ہوا و ہوس کا ان پر غلبہ نہ ہوتا تو شاید ان میں کا کوئی بھی معاویہ کے ساتھ نہ ہوتا۔ لیکن آدمی بہر حال آدمی ہے مٹی اور کیچڑ سے بنا ہوا، نور تابندگی سے نہیں، اُس کا نفس ہر صورت سے نفس ہے۔ ہوا و ہوس کا مرکز نہ کہ خواہشوں سے خالی۔ معاویہ نے انسانی طبیعت کے اسی تاریک رُخ سے فائدہ اُٹھایا اور اسی راستہ سے اس میں داخل ہوئے، عمرو عاص کی طبیعت میں بھی، عبید اللہ بن عمر کی طبیعت میں بھی نیز اپنے عزیز و اقارب بنی امیّہ کی طبیعتوں میں بھی جو ہوا و ہوس کے غلام بن چکے تھے اور جنھوں نے انسانی شرافت کو مٹی میں ملا دیا تھا۔ جس وقت اُن کی مشکلیں اور بڑھ گئیں تو اُنھوں نے معمولی سپاہیوں کو بھی بڑی سے بڑی لالچ دی۔ اشعریوں اور قبیلہ عک کے لوگوں نے معاویہ سے کہا:

معاویہ تمھارے ساتھ ہم کو سخت مشکل آ پڑی ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ تم باطل پر ہو اور علیؑ حق پر ہیں۔ ہم نے تمھاری خوشی اور رضامندی کے لیے باطل کو اختیار کر رکھا ہے اور حق کی طرف سے روگردانی کر لی ہے۔ رات دن علیؑ سے لڑتے ہیں، آخر ہمیں اس کا پھل ضرور ملنا چاہیے......

جب ہم تمھارے ساتھ ہیں اور علیؑ سے جنگ کر رہے ہیں تو یہ بات صاف ظاہر ہے کہ دین سے ذرا بھی بہرہ مند نہ ہوں گے۔ پس کم و بیش دنیا میں حصہ ملنا چاہیے تا کہ کافروں کی طرح دین و دنیا دونوں سے محروم نہ رہ جائیں۔ اگر تم ہمارے ساتھ

احسان سے پیش آؤ گے اور بطور انعام جاگیر یا تنخواہ کچھ عطا کرو گے تو ہم تمھاری خدمت گذاری میں خوب کوشش کریں گے، نہیں تو تمھاری طرف سے ہٹ کے علیؑ سے جاملیں گے۔ اگر دنیا سے کچھ نہیں نصیب ہوگا تو دین ہی سے بہرہ یاب ہوں گے۔ لوگ یہ نہ سمجھیں گے کہ گدھے پر سوار ہوا اور پھر پیادہ کا پیادہ ہی رہا۔''

معاویہ نے کہا ہر ایک قبیلہ کی جو آرزو ہے اسے معین کرے اور اپنی خواہش کو صاف صاف بیان کرنے کی پوری کوشش کی جائے۔قبیلہ عک نے کہا کہ ہم تنخواہ اور انعام چاہتے ہیں۔اشعری والوں نے کہا ہمیں فلاں فلاں موضع گذارنے کے لیے مل جائیں اور جب تک ہم زندہ رہیں ہمارے قبضہ میں رہیں اور ہمارے بعد ہماری اولاد کو ورثہ میں پہونچیں۔

معاویہ نے اُن کی درخواستیں منظور کرلیں۔ جو گروہ کہ تنخواہ اور انعام کا خواستگار تھا اور زیادہ کی طمع رکھتا تھا اس کے لیے حکم جاری کردیا اور جو قبیلہ جائداد و جاگیر کا خواستگار تھا اُسے جائداد اور جاگیریں دی گئیں اور اُن کے نام کے فرمان لکھ دیے گئے۔

صرف اپنی طرف کے لوگوں کے ساتھ ہی یہ فیاضی نہیں تھی بلکہ جو مخالف کیمپ کے لوگ تھے علیؑ کے رفقاء وانصار انھیں بھی ہر ممکن طریقہ سے ہموار بنانے کی کوشش کی۔ جو صرف مال پر راضی تھے اُنھیں مال دیا، جو عہدہ ومنصب کے طالب تھے اُنھیں عہدہ ومنصب سے سرفراز کیا، جو اسی کا بھوکا تھا کہ ہماری بڑائی اور برتری تسلیم کی جائے اُسکی برتری کا ڈھنڈورا پیٹ دیا۔خالد بن معمر سدوسی کو خراسان کی حکومت کی آرزو دلا کر توڑا تو اشعث بن قیس کے ذہن میں یہ بات بٹھائی کہ بس جو کچھ ہو۔تمھیں ہو تم ہاتھ روک لو تو پھر علیؑ میں کہاں طاقت لڑنے کی۔ان کا مقولہ تھا کہ:

''خدا کی قسم میں مال وزر کے ذریعہ علیؑ کے تمام معتبر لوگوں کو توڑنے کی کوشش کروں گا اور اتنا مال اُن میں تقسیم کروں گا کہ آخر میری دنیا اُنکی آخرت پر غالب آجائے۔''

جب یہ خبر مشہور ہوئی کہ معاویہ نے کسی کو انعام واکرام اور کسی کو گذارہ و جاگیر عنایت کی ہے تو عراق کے بہت سی کھوٹی طبیعتوں کے آدمی ڈانواڈول ہوگئے۔ ہر ایک کی گردن معاویہ کی طرف بلند ہونے لگی اور دل میں ہوک اُٹھتی کہ کیسے دونوں ہاتھوں سے دولت سمیٹی جائے۔امیر المومنینؑ کے لشکر میں بھی حرص وطمع کا ویسا ہی طوفان اُٹھا جیسا معاویہ کی طرف اٹھ چکا تھا۔ قبیلہ ہمدان کے سورما منذر بن حفصہ ہمدانی نے امیر المومنینؑ کی خدمت میں عرض کیا:

''حضور آپ کی طبیعت کو ان باتوں سے کچھ تردد نہ ہونا چاہیے۔الحمد للہ کہ ہم آپ کی خدمت اور متابعت ہی سے نہایت شادماں ہیں اور آپ کی خدمت گذاری ہمارے لیے سب سے بڑی خوشی ہے۔اے کاش! ہم شائستگی رکھتے اور خدا نہ کرے کہ ہم دنیا کو دین پر ترجیح دیں اور فانی شے کو باقی کے عوض اختیار کریں اور حق کو چھوڑ کر باطل پر چلیں اور عراق کو شام کے لئے

ترک کردیں اور آپ کے بجائے معاویہ کو اختیار کریں ہم کو یقین کامل ہے کہ ہماری آخرت ان لوگوں کی دنیا سے اچھی ہوگی اور ہمارا امام ان کے پیشوا کی نسبت کہیں بہتر ہے اور ہمارا عراق ان کے شام سے زیادہ عزیز اور زیادہ رحمتوں والا ہے۔ ہم سب نے آپ کی خدمت کے لیے کمریں کس رکھی ہیں اور خدمت گزاری کے لیے کھڑے ہیں اور آپ کے حکم کے لیے گوش بردانہ ہیں کہ آپ اس مہم کے لیے ارشاد فرمائیں اور ہم اُسے بجالائیں اور حتی المقدار سعی بلیغ کریں اور آپکی رضامندی حاصل کریں

(الامام علی ابن ابی طالب جلد پنجم مطبوعہ مصر، تاریخ اعثم کوفی وغیرہ)

یہ لوگ وہ تھے جنھیں خدا نے محفوظ رکھا اور مال وزر کے فتنہ میں مبتلا نہ ہونے دیا۔ ان کے نزدیک دنیا مردار تھی۔ اُسکی آرائش حرام تھیں۔ ان بہادروں نے جیسا کہا تھا ویسا ہی کر دکھایا اور ایسی ہولناک لڑائی لڑی کہ دشمن کی فوجیں بھاگ کھڑی ہوئیں اور اپنی دولت پر مفتون معاویہ جان بچاتے پھرتے تھے۔

معاویہ نے اپنے مال وزر اور مکر وفریب سے امیر المومنینؑ کے عام سپاہیوں کو بھی دھوکہ دینے کی کوشش کی اور اُن سر برآوردہ مخصوص افسران فوج کو بھی جو یا تو احساس برتری کے شکار اور نام ونمود کے شیدائی تھے یا مال وزر کے پجاری بلکہ اُن کی ہمت اتنی بڑھی کہ ستاروں پر بھی کمند ڈالنے کی کوشش کی۔ امیر المومنینؑ کے ایسے مخصوص اور جاں نثار رفیقوں کو فریب دینا چاہا جن کا بال برابر بھی حق جادہ سے منحرف ہونا ممکن نہ تھا۔ معاویہ نے سوچا کہ ہم محال سے محال امر کے آگے بھی سر نہیں جھکائیں گے اور جب ہم نے اپنی چالاکیوں سے کام لیکر قیس بن سعد کو مصر سے معزول کرا دیا تو دوسروں کو شکار کر لینا کیا مشکل ہے۔ علیؑ کی صفیں پوری طرح نہ بھی ٹوٹیں۔ کم سے کم شگاف ہی پیدا ہو جائے جو وقت کے ساتھ خود بخود وسیع ہوتا جائے گا۔

یہ سوچ کر مسکرائے اور کہا:

''عمر وعاص! علیؑ کے بعد اگر کوئی ہے وہ عبید اللہ بن عباس ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ تم اپنی طرف سے اُنھیں ایک خط لکھو۔ ممکن ہے وہ کچھ نرم پڑ جائیں۔''

عمر وعاص قہقہہ مار کے ہنسے اور کہا:

عبد اللہ بن عباس ....؟ وہ فریب میں نہیں آئیں گے۔ اُن کے متعلق لالچ کرنا ایسا ہی ہے جیسا خود علیؑ کے متعلق لالچ کرنا۔''

مگر معاویہ آسانی سے ہار ماننے والے آدمی نہ تھے۔ اُنھوں نے کہا:

تم لکھو تو سہی، دیکھیں وہ کیا جواب دیتے ہیں، ہمارا مقصد صرف اس قدر ہے کہ کچھ دن کے بعد جنگ بند رہے اور ہماری فوج والے آرام پالیں، زخمیوں کا علاج ہو جائے اور جانوروں کی تھکن جاتی رہے۔''

عمرو عاص نے معاویہ کی ہدایت کے مطابق عبداللہ بن عباس کو لکھا:

''امابعد۔۔۔۔۔تمھاری بزرگی، سرداری اور شرافت کا حال تمام خاص و عام، ادنیٰ واعلیٰ کو معلوم ہے، سب اس بات کے قائل ہیں کہ تمام عرب میں علیؑ کے بعد تم سے زیادہ فاضل وکریم اور مہربان کوئی نہیں۔۔۔۔۔یہ امر واضح ہے کہ اس لڑائی میں ہماری تمھاری کیا نوبت پہونچ گئی ہے۔ ہماری یہ خواہش نہیں کہ اس جنگ کو جاری رکھیں بلکہ ہم افسوس کرتے ہیں کہ کاش ہم میں اور تم میں یہ امر پیش ہی نہ آیا ہوتا، اب بات انتہا درجہ کو پہونچ گئی ہے اور چھری ہڈی تک اُتر آئی ہے۔علیؑ کے بعد تمھیں اپنی جمعیت کے سید وسردار ہو لہٰذا جو کچھ باقی رہ گیا ہے اسکا خیال کرو اور جو ہو چکا ہے اُسے جانے دو۔خدا کی قسم اس لڑائی نے ہمارے اور تمھارے دونوں کے لیے نہ زندگی باقی رکھی نہ تاب صبر۔ اگر تم ہی ہلاک ہو گئے تو ہمیں کیا فائدہ ہوگا یا ہماری ہلاکت سے تمھیں کیا منفعت ہوگی۔۔۔''

عمرو عاص نے جو اندازہ کیا تھا وہی صحیح ثابت ہوا اور معاویہ کا خیال غلط نکلا۔ابن عباس اس پھندے میں نہ پھنسے بلکہ انھوں نے عمرو عاص کا مضحکہ اُڑایا کہ اُن کے دماغ میں یہ بات آئی ہی کیسے۔ابن عباس کے جواب نے عمرو عاص کے بدن میں آگ سی لگا دی۔غصہ میں بھرے ہوئے جواب معاویہ کے پاس لیکر پہونچے اور کہا:

''یہ سب آپ ہی کی وجہ سے ہوا اور مفت میں یہ ذلّت نصیب ہوئی''۔

عبداللہ بن عباس نے جواب میں لکھا تھا:

''تم سے بڑھ کر عرب میں کوئی اور بے حیا نہ ہوگا۔معاویہ نے تم کو اسیر ہوس بنا دیا،تم نے معاویہ کے ہاتھوں بہت سستے داموں اپنا دین بیچ ڈالا، پھر حکومت کی لالچ میں ادھر ادھر اندھے کی طرح ہاتھ مارنے لگے، مگر پلّے کچھ نہ پڑا،تم نے دنیا کی اتنی ہی قدر کی جتنی گنہ گار افراد کرتے ہیں اور بظاہر تقدس و پرہیز گاری جتاتے ہو۔تمھارا منشا صرف جنگ کی تیاری اور دینداروں کو خاک میں ملانے کا ہے اگر تم خدا کے طالب ہو تو مصر کی حکومت کی طمع چھوڑ کر اپنے گھر میں جا بیٹھو کیونکہ اس جنگ میں معاویہ علیؑ کے برابر نہیں۔علیؑ نے حق سے آغاز کیا اور اتمام حجت پر اس کا خاتمہ کیا۔معاویہ نے بغاوت سے آغاز کیا اور حد سے گذر جانے پر انتہا کی۔عراق والے شام والوں جیسے نہیں،عراق والوں نے علیؑ کی بیعت کی،علیؑ اُن میں سب سے بہتر تھے، شام کے لوگوں نے معاویہ کی بیعت کی اور شام والے معاویہ سے بہتر ہیں۔ہم اور تم برابر نہیں۔میں خدا کا طالب ہوں تم مصر کے تمنائی ہو۔مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ کس چیز نے تمھیں ہم سے دور کیا۔اس چیز کو بھی جانتا ہوں جس نے تمھیں معاویہ سے قریب کر دیا۔اگر تم شر پر تلے ہو تو ہم شر میں پہل نہ کریں گے۔اگر خیر کا ارادہ رکھتے ہو تو ہم سے پہلے خیر تک نہ پہونچ سکو

گے۔'' (امامة والسیاستہ جلد ا ص ۹۵ کتاب صفین ص ۲۱۹، شرح ابن ابی الحدید جلد ۲ ص ۲۸۸)

مگر معاویہ نہ تو ابن عباس کے لب ولہجہ سے شکستہ خاطر ہوئے نہ عمر وعاص کی خفگی و برہمی سے۔ وہ تو طے کیے بیٹھے تھے کہ مقصد براری کے لیے مکر وفریب کے جتنے داؤں ہیں چلتے ہی رہیں گے۔ اُنھوں نے عمر وعاص کو خط واپس کرتے ہوئے بڑے سکون واطمینان سے کہا:

''عبداللہ بن عباس اور علیؑ دونوں کا دل ایک ہے۔ دونوں ہی عبدالمطلب کی اولاد ہیں۔۔۔۔ مگر پہلے سے اُن کا دل نرم ضرور پڑ گیا ہے۔''

''اُسی دن یا اُسکے دو ایک دن کے بعد جب لڑائی کا رنگ اور زیادہ بگڑ گیا اور اُنکی فوج شکست پر شکست اُٹھانے لگی تو اُنھوں نے عمر وعاص سے سرگوشی کرتے ہوئے کہا:

''ابن عباس بھی قریش ہی کے آدمی ہیں۔ میں اُنھیں خط لکھنے والا ہوں۔''

عمر وعاص نے تعجب سے ان کے منھ کی طرف دیکھا اور پوچھا:

''کاہے کے لیے؟''

''بنی ہاشم کو ہم (بنی امیّہ) سے جو عداوت ہے اُسکے متعلق لکھوں گا اور اس جنگ کے عواقب ونتائج سے اُنھیں ڈراؤں گا۔ ممکن ہے ہاتھ روک لیں۔''

عمر وعاص مخالفت کرتے ہی رہے مگر معاویہ نے کوئی پروا نہ کی اور ابن عباس کو یہ خط لکھ مارا:

''تم لوگوں نے اے بنی ہاشم۔ حضرت عثمان کے مددگاروں کے ساتھ بدسلوکی کرنے میں جتنی جلد بازی سے کام لیا ہے اتنا کسی اور کے ساتھ نہیں۔ اگر یہ سب کچھ بنی امیّہ کی سلطنت وحکومت اور اُن کے اقتدار پر چلنے کے سبب سے تھا تو قبیلہ تیم وعدی (ابوبکر کے قبیلوں) کی بھی تو حکومت رہ چکی ہے۔ اُن کی حکومت میں تم لوگوں نے چوں نہیں کی اور اطاعت ہی ظاہر کرتے رہے۔ اس وقت جو تباہی مچی ہوئی ہے اُس سے تم بے خبر نہیں۔ اس جنگ میں دونوں ہی طرف کے ہزاروں آدمی ہلاک ہو چکے ہیں۔ جتنے صدمے ہمیں پہونچے ہیں اُتنے ہی تمھیں بھی، ہم کچھ اور سوچے ہوئے تھے اور ہو گیا کچھ اور...... تم آج بھی زیادہ سے زیادہ اسی شجاعت کا مظاہرہ کر سکتے ہو جو کل کر چکے ہو اور کل بھی ویسی ہی شجاعت دکھلا سکتے ہو جتنی آج دکھلا رہے ہو...... ہمارے ہاتھ میں شام کی جو حکومت ہے ہم اُس پر قناعت کیے لیتے ہیں تم عراق کی حکومت پر قناعت کرو۔ تم آج کے دن اپنی جمعیت کے سید وسردار ہو...... اگر عثمان کے بعد لوگ تمھاری بیعت کر لئے ہوتے تو بہ نسبت علیؑ کے ہم تمھیں زیادہ

پسند کرتے اور تمھاری بیعت کرنے میں جلدی کرتے۔''

ابن عباس اس رکیک وذلیل ریشہ دوانیوں اور سازشی حرکتوں پر بے حد برہم ہوئے۔ اُنھوں نے اپنے جی میں سوچا:

''معاویہ کب تک میری عقل سے کھیلتے رہیں گے۔''

اُنھوں نے جواب میں لکھا:

''تمام لوگوں نے علیؑ ابن ابی طالب کی بیعت کی ہے جو محمد سے کہیں بہتر ہیں۔ اُن کے لیے تم لوگ سیدھے نہ ہوئے تو میرے لیے کیا سیدھے ہوتے۔'' (الامام علی ابن ابی طالب جلد پنجم، کتاب الصفین نصر بن مزاحم وغیرہ)

ابن عباس کا کورا جواب پا کر بھی معاویہ مایوس نہ ہوئے۔ ابھی اُنکے ترکش میں اور بھی تیر باقی تھے۔ اُنھوں نے سوچا کہ کیوں نہ علیؑ ہی کو براہ راست لکھا جائے، کیا معلوم کہ کہیں وہی رام نہ ہو جائیں۔ کل وہ انتہائی سخت تھے تو ہوسکتا ہے آج وہ نرم ہو گئے ہوں، جہاں ہماری اتنی قوت ضائع ہوتی ہے وہیں اُن کا بھی کافی نقصان ہوا ہے، پھر ہم سے اُن سے خاندانی رشتہ بھی ہے، ممکن ہے اسی کا خیال کر کے پسیج جائیں ،معاویہ نے عمر وعاص سے کہا:

''میں سوچتا ہوں کہ علیؑ کو خط لکھوں اور ان سے کہوں کہ میں بیعت کیے لیتا ہوں۔ شام کی حکومت میرے لیے رہنے دیں۔ کم از کم اس کا فائدہ یہ تو ہوگا ہی کہ وہ ڈانوا ڈول ہو جائیں اور اُن کے دل میں کچھ نرمی پیدا ہو جائے۔''

عمر وعاص ہنسے اور کہا:

''علیؑ کو بھلا تم کیا دھوکہ دے سکو گے''۔

معاویہ نے عمر وعاص کے تمسخر کی پروا نہ کی بولے:

''کیوں؟ کیا ہم اور وہ دونوں عبد مناف کی نسل سے نہیں ہیں۔''؟

''ٹھیک ہے مگر اُن کے خاندان میں نبوت تھی اور تم اس سے محروم تھے''.

معاویہ نہیں مانے اور اُنھوں نے یہ خط لکھ ہی مارا:

''میرا خیال یہ ہے کہ اگر آپ کو اس کا اندازہ ہوتا کہ لڑائی ہمیں اور آپ کو اس نوبت تک پہونچا دے گی تو آپ ہرگز اتنی سختی سے کام نہ لیتے اور کبھی اس حد تک نہ پہونچتے .... اگرچہ ہملوگ اپنی عقلوں پر غالب آ گئے ہیں پھر بھی ابھی اتنا حواس باقی ہے کہ گذشتہ غلطیوں پر نادم ہوسکیں اور جو کچھ باقی رہ گیا ہے اُسے سنبھالنے کی کوشش کریں۔

ہم نے آپ سے پہلے بھی درخواست کی تھی کہ شام کی حکومت ہمارے لیے چھوڑ دی جائے اور مجھ سے بیعت اور اطاعت کا

مطالبہ نہ کیا جائے مگر آپ نے انکار کر دیا۔ آج بھی ہم یہی کہتے ہیں کہ اسی قرارداد پر اگر شام کا علاقہ ہمارے قبضہ میں چھوڑ دیا جائے تو یہ جنگ وجدال رک جائے اور کشت وخون موقوف ہو۔ مجھے بھی زندگی کی اسی طرح آرزو ہے جس طرح آپ کو ہے اور میں بھی موت سے ویسا ہی ڈرتا ہوں جیسا آپ ڈرتے ہیں۔ خدا کی قسم لشکر دبلا ہو گیا طرفین کے بے شمار نامور بہادر اور نیکو کار اشخاص کام آ چکے ہیں، ہم سب ایک ہی شجرہ سے ہیں، سب کے سب عبد مناف کی اولاد ہیں ہم میں سے کسی کو ایک دوسرے پر ترجیح نہیں۔''

معاویہ کے اس قسم کے خطوط کام نکالنے کے ڈھنگ یا ہتھکنڈے تھے جن سے اُنھیں اپنے غنیم کو نیچا دکھانے کی بڑی امیدیں تھیں۔ اس میں شک نہیں کہ اُن کی یہ ترکیبیں بعض مذبذب اور شک وشبہ میں مبتلا افراد پر ضرور اثرانداز ہوتی تھیں۔ اکثر ان کا وار خالی گیا مگر کبھی کبھی کامیاب بھی ہو گیا۔ معاویہ دھن کے پکے تھے۔ اس قسم کی حرکتوں میں ہر وقت لگے ہی رہتے تھے کہ کیا جانے کب تیر نشانہ پر بیٹھ جائے۔ اُنھوں نے جہاں فوجی ساز وسامان میں اپنی طاقت بھر کمی نہ کی وہاں حتی الامکان دھوکہ، فریب حیلہ، سازی بھی کوئی اُٹھا نہ رکھی۔

مگر امیر المومنینؑ کے مقابلہ میں جہاں اُن کے اور داؤں ناکام رہے، یہ چال بھی بے اثر ہی رہی، آپ نے انھیں لکھا

''اگر میں خدا کی راہ میں قتل کیا جاؤں پھر زندہ ہوں پھر قتل کیا جاؤں اور پھر زندہ ہوں یہاں تک کہ ستر مرتبہ تب بھی میں خدا کے معاملہ میں سختی برتنے اور دشمنان خدا سے جہاد کرنے سے باز نہ آؤں گا اور تمھارا یہ مطالبہ کہ شام کا علاقہ تمھارے حوالہ کر دیا جائے تو جو چیزیں میں تمھیں کل دینے پر رضامند نہ ہوا وہ آج کیسے دیدوں گا۔ رہ گیا ہمارا اور تمھارا بیم ورجا میں برابر ہونا تو تم شک وشبہ میں اتنا پکے نہ ہو گے جتنا میں پختہ ہوں۔'' (الامام علی ابن ابی طالب جلد پنجم)

(۶)

اب لڑائی فیصلہ کن مرحلہ پر پہونچ چکی تھی۔ اب یہ صورت نہ تھی کہ ایک ایک سپاہی دونوں طرف کی فوجوں سے نکل کر داد شجاعت دیتے یا ایک ایک جتھے دونوں طرف کے مقابل ہو کر برسر پیکار ہوتے۔ اب عام حملہ کی صورت تھی۔ دونوں طرف کی پوری پوری فوج نے دوسرے طرف کی تمام فوج پر ہلّہ بول دیا اور لڑائی کا خاتمہ گوئی گھڑی کی بات تھی۔

عبداللہ بن بدیل کے کام آنے پر کل مغرب کے وقت سے مالک اشتر میمنہ کی کمانداری کر رہے تھے۔ عبداللہ ابن عباس میسرہ پر تھے اور امیر المومنینؑ اس وقت ہر جگہ تھے۔ وہ قلب لشکر سے نکل کر کبھی اس بازو پر پہونچے کبھی اس بازو پر۔ پلٹ کر اپنی جگہ پر آتے اور فوراً ہی پھر دوسرا حملہ کر دیتے۔ گھمسان کے اس معرکہ میں جدھر ضرورت محسوس ہوتی ادھر آپ کے قدم بڑھتے۔

دونوں فوجیں ایک دوسرے سے بڑھ کر گتھی جاتی تھیں جیسے طوفان میں دریا کی موجیں ایک دوسرے پر چڑھی پڑتی ہیں۔

امیرالمومنینؑ کے منٹ منٹ پر ایک جگہ سے دوسری جگہ پہونچنے کی وجہ سے آپ کے افسران فوج پر بڑا ہراس طاری تھا ۔ابھی آپ قلب میں تھے اور ابھی آپ نظروں سے اوجھل ادھر آپ میمنہ میں نظر آتے اور فوراً ہی غائب نگاہیں ایک مرتبہ دیکھنے کے بعد ڈھونڈھتی رہ جاتیں، ہر طرف کے لوگوں کے دل سہمے ہوئے تھے۔گھبرائے ہوئے لہجہ میں ایک دوسرے سے امیرالمومنینؑ کی خیریت دریافت کرتا۔دل کو یہ دھڑ کا لگا ہوا کہ کہیں دشمنوں نے آپ کو کوئی گزند نہ پہونچا دیا ہو۔

احنف بن قیس ہانپتے ہوئے آپ کے پاس پہونچے۔جب اُن کی آنکھوں نے آپ کو دیکھ لیا اور حواس بجا ہوئے تو لوگوں سے خطاب کر کے بولے:

''عراق والو! آج قصہ پاک ہو جانا چاہیے۔وہ لوگ دین کی خاطر جنگ نہیں کرتے اور یہ جو اُنکی ثابت قدمی دیکھ رہے ہو وہ صرف شرم کیوجہ سے ہے۔''

پھر امیرالمومنینؑ کی طرف مڑ کر دریافت کیا:

''حضور جس طرح آج ہم نے بڑھ بڑھ کر حملے کیے ہیں کل بھی کیے تھے اب آپ کا کیا حکم ہے؟''

امیرالمومنینؑ نے فرمایا:

''جہاں پیش قدمی کا موقع ہو پیش قدمی کرو اور جہاں پسپائی مناسب ہو پسپائی اختیار کرو اور قبل اسکے کہ وہ تم پر حملہ آور ہوں تم حملہ کر دو۔''

پیش قدمی اپنی طرف سے ہو اور دشمن کے حملے کو روکنے سے پہلے اُن پر حملہ کر دیا جائے۔

احنف بن قیس نے حکم پا کر اپنی راہ لی اور امیرالمومنینؑ پھر میدان قتال کی طرف روانہ ہوئے۔نہ آپ میں سُستی تھی نہ پلک جھپکنے کا نام لیتی، نہ دل ایک لمحہ کے لیے غافل ہوتا۔اسی وقت اصبغ ابن نباتہ نے جنگ کی رپورٹ پیش کرتے ہوئے عرض کی۔

''ہمارے تابڑ توڑ حملوں سے شام والوں کے چھکے چھوٹ گئے ہم میں ابھی دم باقی ہے آپ اپنا حکم دیں اور ہمیں حملہ کی اجازت ہو۔''

آپ نے فرمایا:۔

''اللہ کا نام لے کر حملہ کرو''

گھمسان کا رن پڑ رہا تھا اور امیرالمومنینؑ بار بار دشمن کے دل بادل فوج میں ڈوب ڈوب کر اُبھرتے اور پھر ڈوب جاتے۔

آپ کے بہت سے ہمراہیوں نے سمجھا کہ آپ قتل کر دیے گئے اور قریب تھا کہ مایوسی غلبہ کر لے۔ انھیں لوگوں میں سے عدی بن حاتم تھے جو اُس وقت تلواروں اور نیزوں کی چھاؤں میں لاشوں کو روندتے ہوئے آپکی تلاش میں سرگرداں تھے۔ نہ دشمن کے حملوں کی پرواتھی نہ اپنے زخموں کا خیال تھا بس خیال تھا تو یہی کہ امیر المومنینؑ کس عالم میں ہیں۔ سہمے ہوئے دل سے کبھی زمین پر پڑے ہوئے ایک ایک مقتول کو دیکھتے کبھی زندہ ہمراہیوں کے چہرے پر غور سے نظر کرتے۔ جیسے ہی اُن کی نظر امیر المومنینؑ پر پڑی فرطِ مسرت سے تکبیر کا نعرہ بلند کیا۔ دوڑتے ہوئے حضرت کے پاس آئے روئیں روئیں سے خوشی پھوٹی پڑتی تھی عرض کیا:

''امیر المومنینؑ جب آپ زندہ ہیں تو پھر فتح ہی فتح ہے۔''

امیر المومنینؑ مسکرائے، انھیں دعائیں دیں عدی نے اپنی پیشانی سے پسینے کی بوندیں پوچھیں۔ جب دل قابو میں آیا تو عرض کی:

''میں لاشوں کو روندتا ہوا آپ کے پاس پہونچا ہوں۔ اس جنگ نے ہمارے اور اُن کے لئے کوئی پناہ نہیں رکھی۔ آپ اسوقت تک لڑتے جایئے جب تک خدا آپ کو فتحیاب نہ کردے۔''

واقعہ بھی یہی تھا کہ آج کے معرکے نے بہت مختصر تعداد بہادروں کی باقی چھوڑی۔ اکثریت اُنکی موت سے ہمکنار ہو چکی تھی۔ یہاں تک کہ وہ افراد جنھیں ہوا و ہوس نے اپنا بندہ بے دام بنا لیا تھا اور جو محض اپنی تمناؤں کو پورا کرنے کے لیے جنگ میں شریک ہوئے تھے اب وہ بھی ہر حرص و طمع سے بے نیاز ہو کر موت کی آغوش میں جا سوئے تھے۔ عبید اللہ بن عمر دنیا سے منھ موڑ کر چلے گئے کوئی بھی اُنکی آرزو پوری نہ ہوئی۔ نہ جانے کتنے دنوں سے عزت و بزرگی کے خواب دیکھ رہے تھے اور اُن خوابوں کی بدولت کتنا کتنا وہ حق سے برگشتہ ہوئے مگر آج دولت و بزرگی سے اُن کا حصہ صرف چند بالشت صفین کی زمین تھی اور عزت کے بدلہ تلوار کا ایسا بھر پور وار جس نے اُنکی زرہ کاٹی، پھر اُن کا بدن چاک کیا، پھر پیٹ میں اُتر آئی اور وہ اسکے بعد ہی زمین پر ڈھیر تھے۔ وہ ادھر زمین پر گر رہے تھے اور ادھر مشیت الٰہی کھڑی اُن کا مذاق اُڑا رہی تھی۔

اُنھوں نے ہرمزان کو قتل کر کے راہ فرار اختیار کی تھی اور علیؑ کے ہاتھوں سے بھاگتے پھرتے تھے۔ آج تلوار کے بھرپور ہاتھ نے اُنھیں یقین دلا دیا کہ یہ ہاتھ اُن کا ہر زمانہ میں پیچھا کرتا رہا۔ نیند میں بھی اور بیداری میں بھی، جنگ کے دنوں میں بھی اور امن کے دنوں میں بھی اور امیر المومنینؑ کا یہ فقرہ ہر وقت اُن کے کانوں میں گونجتا رہا کہ

''آج ہمارے ہاتھ سے بچ کر نکل جائے کل نہیں بچنے کا۔''

اسی دن جبکہ عبید اللہ بن عمر موت سے ہمکنار ہوئے اور اُن کے مرنے کی خبر عام ہوئی تو اُن کی عورتوں نے معاویہ سے

درخواست کی کہ عبید اللہ کی میت ہمیں منگوا دیجئے۔ معاویہ نے امیر المومنینؑ کے جاں نثار ربیعہ والوں کے پاس پیام بھیجا کہ دس ہزار لے لو اور عبید اللہ کی میت ہمیں دیدو۔ امیر المومنینؑ سے اسکے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے انکار کیا اور فرمایا:

''میں شام والوں کی درخواست منظور کرتا ہوں۔ تم لوگ عبید اللہ کا مردہ اُن کی بیوی دختر ہانی بن قبیصہ شیبانی کو دیدو۔''

ربیعہ والوں نے سر تسلیم خم کیا مگر اب یہ فکر لاحق ہوئی کہ عبید اللہ کا مردہ اُن کے گھر والوں کے پاس بھیجا کیونکر جائے۔ اسکے لیے سوچا گیا کہ عبید اللہ کی میت خچر پر باندھ دی جائے اور اس خچر کو شامیوں کے لشکر کی طرف ہنکا دیا جائے۔ عبید اللہ کی بیویوں کو بھی اس کی خبر مل گئی۔ وہ معاویہ کے پاس چیخیں چلائیں کہ یہ تو ہم پر اور زیادہ سخت ہے۔ اس وقت معاویہ نے حکم دیا:

''شیبانیہ سے کہو کہ وہ ربیعہ والوں کے پاس جائے اور اُن سے عبید اللہ کا مردہ مانگ لائے''۔

اُن عورتوں نے ایسا ہی کیا۔ شیبانیہ نے ربیعہ والوں کے سامنے آ کر کہا:

''میں دختر ہانی بن قبیصہ ہوں اور یہ میرا ظالم اور بے رحم شوہر تھا جسے ہم نے بہت منع کیا تھا اس کا مردہ ہمیں بخش دو''۔

''صبح کے وقت جب عبید اللہ بن عمر ہتھیاروں سے لیس ہو کر نکلے تھے تو شیبانیہ نے یہی پیشنگوئی اُن سے کی تھی اور شام ہوتے ہوتے اس کی پیشنگوئی حرف بحرف پوری ہوئی۔

ذوالکلاع حمیری نے بھی ملک عدم کی راہ لی جہاں سے واپسی کسی کو نصیب نہیں ہوتی۔ مگر اپنے بعد اپنی قوم والوں کو معاویہ کی خدمت کے لیے چھوڑتا گیا جنھوں نے ذوالکلاع ہی کی طرح آج بھی معاویہ کی پشت پناہی کی اور کل بھی اور بعد کے آنے والے دنوں میں بھی اور اپنی جان پر کھیل کر معاویہ کے لیے ایسی وسیع سلطنت قائم کر گئے جس میں آفتاب غروب نہیں ہوتا تھا۔

مگر ذوالکلاع کو ان خدمات کی جزا کیا ملی؟

اس کے مرنے پر ذرہ برابر افسوس نہیں کیا گیا۔ بلکہ اُلٹے خوشیاں منائی گئیں۔ معاویہ کے لبوں پر بھی مسکراہٹ تھی اور انکے رفیق عمرو عاص کے ہونٹوں پر بھی۔ جس وقت ذوالکلاع کے مرنے کی خبر پہونچی تو آنکھیں چمکنے لگیں اور بولے:

''مصر کے فتح کرنے پر بھی میں اتنا خوش نہیں ہوتا جتنی خوشی ذوالکلاع کے قتل ہونے پر مجھے ہوئی ہے۔''

اس کی قوم والوں نے جب معاویہ سے درخواست کی کہ ذوالکلاع کا مردہ حاصل کرنے میں ہماری امداد کیجئے تو بولے:

''نہیں میں ایسا نہیں کر سکوں گا۔''

عمرو عاص کی خوشی بھی معاویہ کی خوشی سے کم نہ تھی بلکہ اُنھوں نے تو اپنی مسرتوں کا یہ کہہ کر اعلان واظہار بھی کیا کہ

''خدا کی قسم میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کسکی موت پر زیادہ خوش ہوں۔ بخدا اگر ذوالکلاع زندہ رہتا اور عمار قتل ہو جاتے

تو وہ اپنی ساری قوم کو لے کر علیؑ سے جا ملتا اور ہمارے لشکر کو تہس نہس کر کے رکھ دیتا۔“

معاویہ اور عمرو عاص دونوں اسکے مارے جانے پر بغلیں بجارہے تھے، جس طرح دو بھیڑیے کسی مردہ کو ملکر کھائیں۔ ایسے غیر بن گئے یہ دونوں اُس کے لیے جسے اُنھوں نے راہ حق سے بہکایا تھا اور جس سے اپنے کتنے کام نکالے تھے۔ یہ غریب آخر آخر وقت تک غلط فہمی ہی کا شکار رہا۔ مرتے مرتے مر گیا مگر دل کو اسی کا یقین رہا کہ عمرو عاص نے ہم سے جھوٹ نہیں بولا اور عمار جلد ہی معاویہ سے آکر مل جائیں گے اسکے بعد وہ قتل بھی ہو گئے تو معاویہ کا گروہ باغی گروہ نہیں ہوگا۔

لیکن جناب عمار بھی شہید ہو گئے۔ وہ علیؑ کی حمایت میں جان کی بازی لگائے شام والوں سے مصروف پیکار تھے کہ پیامِ اجل آپہونچا......

اگر ذوالکلاع ایک دن یا چند گھنٹے بھی اور زندہ رہتا اور عمار اُسکی زندگی میں شہید ہو گئے ہوتے تو پھر شام والوں کا قصّہ پاک تھا۔ اُسکی پوری جمعیت ایک ایک کر کے نکل آتی اور معاویہ بے یار و مددگار رہ جاتے، بس وہی مٹھی بھر بنی امیہ کے لوگ رہتے جو اُنکے عزیز و اقارب تھے یا نوکر چاکر۔ مگر عمار ابھی زندہ تھے کہ ذوالکلاع کی موت آگئی اور قسمت نے اسکا موقع نہ دیا کہ عمر و عاص کا جھوٹ کھلنے پاتا۔ اشتباہی کیفیت باقی ہی تھی کہ وہ دنیا سے اُٹھ گیا اور اپنی قوم والوں کو معاویہ کا بہترین خیر خواہ و مددگار چھوڑ گیا جنھوں نے معاویہ کی سلطنت قائم کر دی اور معاویہ اُن کے بادشاہ بنے رہے۔

معاویہ اس رات بیٹھے عمار کے مارے جانے پر خوشیاں منا رہے تھے کہ اُن کے لشکر کے کچھ لوگ انعام و اکرام کی امید میں ایک ایک کر کے حاضر ہوئے۔ پیغمبرؐ کے بوڑھے صحابی عمار کو ہلاک کرنے کا صلہ مانگنے۔ آنے والے آکر کہتے:

”سرکار میں نے عمار کو قتل کیا ہے۔“

عمرو عاص پوچھتے:

”تم نے اُنھیں مرتے وقت کچھ کہتے بھی سنا تھا؟“

یہ سوال سن کر وہ شخص خاموش چلا جاتا یا کوئی اُلٹا سیدھا جواب دیدیتا۔

پھر دوسرا آتا اور دعویٰ کرتا:

”حضور میں نے انھیں قتل کیا ہے۔“

عمرو عاص اس سے بھی یہی پوچھتے اور وہ بھی اسی قسم کا غلط سلط جواب دیتا اور واپس چلا جاتا یہاں تک کہ ابن جون سکونی اور ابوالعادیہ فزاری آئے۔

ابن جون نے کہا:

''میں نے عمار کو ہلاک کیا ہے۔''

عمر و عاص نے پوچھا۔

''اُن کا آخری کلام کیا تھا؟

''میں نے انھیں یہ کہتے ہوئے سنا:''

الیوم القی الاحبة محمد وحزبه

آج میں اپنے پیاروں سے ملوں گا حضرت محمد مصطفےٰ اور انکی جماعت سے

''سچ کہتے ہو تم ہی اُن کے قاتل ہو۔''

پھر عمر و عاص نے اس شخص کا سر سے پیر تک جائزہ لیا اور بادل ناخواستہ کہا جیسے قدرت اُنھیں مجبوب کر رہی ہو اس حقیقت کے انکشاف پر۔

''خدا کی قسم تمھارے ہاتھ کامیاب نہیں رہے البتہ تم نے اپنے پروردگار کو ناراض ضرور کیا ہے۔''

ابن جون کو بڑی حیرت ہوئی اور اسکے رفیق ابو العادیہ کو بھی اور یہ دونوں وہاں سے عبداللہ بن عمر و عاص کے پاس پہونچے۔عمر و عاص کی شکایت کرنے اور اس کا فیصلہ کرانے کہ عمار کی تلوار اور زرہ کون لے۔

عبداللہ نے پہلے تو ان دونوں کو گھور کر دیکھا پھر برس پڑے:

''ستیاناس ہو تمھارا......نکل جاؤ ہمارے پاس سے۔رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا تھا کہ قریش والے عمار کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں، آخر قریش والوں کو کیا ہو گیا ہے۔عمار اُنھیں جنت کی طرف بلاتے ہیں اور وہ عمار کو جہنم کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ عمار کو قتل کرنے والا اور عمار کی زرہ تلوار لوٹنے والا دونوں جہنم میں ہوں گے۔

شام والوں میں اس خبر سے بڑی بے چینی پیدا ہوئی۔پیغمبرؐ کی یہ حدیث پہلے ہی سے کم مشہور نہ تھی، ذوالکلاع کی پوچھ گچھ اور عمر و عاص کی تصدیق و اقرار سے ہر شخص کو یقین ہو چکا تھا کہ عمار کا قاتل باغی ہے۔جب تک عمار جیتے رہے شام والے عمر و عاص کے اس فریب کا شکار رہے۔اُنھیں ہر لحہ امید تھی کہ عمار جلد ہی ہم سے آملیں گے مگر جب عمار آخر وقت تک علیؑ ہی کی طرف رہے یہاں تک کہ اُن کی حمایت کرتے ہوئے وہ قتل بھی ہو گئے تو اب لوگوں کی آنکھیں کھلیں اور یقین ہونے لگا کہ ہم ہی نے عمار کو قتل کیا ہے اور ارشاد پیغمبرؐ کے مطابق ہمیں باغی ہیں۔ہمارا ہی ٹھکانا جہنم میں ہوگا۔اتنی بے چینی پھیلی شام والوں

میں کہ قریب تھا سب ایک ایک کر کے معاویہ کا ساتھ چھوڑ دیں اور اُنھیں قضا وقدر کے حوالہ کر دیں مگر معاویہ شام والوں کی فطرت سے اچھی طرح آگاہ تھے۔ وہ اب تک قدم قدم پر انھیں دھوکا دیتے آئے تھے۔ اس موقع پر بھی اُنھوں نے اُن کے ساتھ فریب کیا اور یہ بات مشہور کی کہ

''عمار کا قاتل وہ ہے جو اُنھیں میدان میں لے کر آیا تھا۔''

عبداللہ بن عمرو عاص بھی موجود تھے بولے:

''اس بات سے تو لازم آتا ہے کہ جناب حمزہ سید الشہداء کو جناب رسول خداؐ نے ہلاک کیا ہے۔ کیونکہ آپ ہی انھیں لڑنے کے واسطے لے کر آئے تھے اور وحشی قاتل حمزہ گناہ سے پاک ہے۔

معاویہ نے عمرو عاص کی طرف مخاطب ہو کر کہا:

''اس بے وقوف لڑکے کو جو بے سوچے سمجھے بیہودہ بکواس کرتا ہے میرے سامنے سے دور کرو۔ (تاریخ اعثم کوفی)

ڈاکٹر طٰہٰ حسین لکھتے ہیں:

''عمار کو صفین میں کوئی دوسرا نہیں لایا تھا، نہ علیؑ ہی نے انھیں لڑائی پر یا اپنے ساتھ چلنے پر مجبور کیا تھا۔ عمار بہت سن رسیدہ بزرگ تھے، ۹۰ برس سے زیادہ اُن کی عمر تھی، جسم سوکھ کر کانٹا ہو گیا تھا، لیکن اُن کے دل، اُن کی عقل اور اُنکی بصیرت پر بڑھاپے کا کوئی اثر نہ تھا۔ اُن کی گفتگو جوان تھی، بحث و مباحثہ کرنے میں بھی وہ جوان تھے۔ جہاد کرنے میں بھی جوان تھے۔ اُنھیں نے جنگ جمل کے بعد حضرت عائشہ کو سلام کرنے کے بعد کہا تھا:

''مادر گرامی ہماری مار کاٹ کیسی پائی آپ نے؟''

جناب عائشہ نے فرمایا:

''میں تمھاری ماں نہیں نہ تم میرے بیٹے ہو''۔

جناب عمار نے ہنستے ہوئے کہا:

''نہیں آپ ضرور میری ماں ہیں اور میں آپ کا بیٹا ہوں، چاہے آپ کو ناگوار ہی کیوں نہ ہو۔''

مطلب یہ تھا کہ قرآن نے صاف صاف بتا دیا ہے کہ پیغمبرؐ کی بیویاں مومنین کی مائیں ہیں۔ حضرت عائشہ کے کچھ جواب بن نہ پڑا۔ ظاہر ہے کہ وہ قرآن کے احکام کو کیونکر بدل سکتی تھیں۔

یہ عمار علیؑ کے صحابہ میں لڑائی کے بہت سخت محرک تھے۔ سب سے زیادہ اُنھیں کو جنگ کرنے پر اصرار تھا۔ ایک دن عمر

وعاص سے برسر پیکار تھے اور یہ رجز پڑھتے جاتے تھے:

نحن نضر بنا کم علی تنزیله والیوم نضر بکم علیٰ تأویله

ضربا یذیل الهام عن مقیله ویذ هل الخلیل عن خلیله

اویرجع الحق الی سبیله

ہم نے پہلے تمھیں قرآن کے بارے میں مارا، آج اس کی تاویل کے بارے میں تمھیں مار رہے ہیں، ایسی مار جو سر اُڑا دے اور دوست کو دوست سے غافل کر دے یا یہ کہ حق اپنی جگہ آ جائے۔

اسی دن وہ عمرو عاص کے علم کی طرف اشارہ کر کے اپنے ساتھیوں سے کہتے:

''خدا کی قسم! ہم اس علم والے سے رسول اللہ کی میت میں تین مرتبہ لڑ چکے ہیں آج چوتھی مرتبہ لڑ رہے ہیں۔''

عمار نے جب اپنے ساتھیوں کی کسی قدر پسپائی دیکھی تو اُنھوں نے کہا:۔

''خدا کی قسم اگر یہ شام والے ہمیں مارتے ہوئے مدینہ تک بھی بھگا لے جائیں تب بھی ہمارے اس یقین میں کمی نہ ہوگی کہ ہم حق پر ہیں اور ہمارے دشمن باطل پر۔'' (الفتنۃ الکبریٰ جلد دوم ص ۸۴)

(۷)

جناب عمار کے آخری وقت جبکہ وہ درجہ شہادت پر فائز ہوئے، ہاشم بن عتبہ پاس تھے۔ یہ دونوں ساتھ ساتھ ملکر جنگ کر رہے تھے مگر لڑائی کی لہروں نے ایک کو دوسرے سے دور پھینک دیا۔ عمار کہیں تھے اور ہاشم کہیں۔ گھمسان کا رن پڑ رہا تھا اور دونوں دشمنوں کے نرغے میں گھر کے رہ گئے تھے۔ جناب عمار نے اپنی کمر سیدھی کی جسے بڑھاپے نے خم کر دیا تھا۔ جسم پر زرہ چست باندھی۔ عرصہ قتال پر چاروں طرف نظر کی۔ جدھر نگاہ گئی ادھر فوجوں کی ٹھوس دیوار نظر آئی جس میں تار نگاہ کا بھی گزر نہ تھا۔ اُن کے رفیق ہاشم مرقال کو نظروں سے غائب ہوئے دیر ہو چکی تھی۔ اُنھوں نے اپنے سامنے کے لوگوں پر نظر دوڑاتے ہوئے کہا:

''میں ایسے لوگوں کے چہرے دیکھ رہا ہوں جو اس وقت تک جنگ کرتے رہ جائیں گے جب تک اہل باطل شک وشبہ میں نہ پڑ جائیں۔۔۔۔''

پھر اپنے آپ سے گفتگو کرتے ہوئے اُنھوں نے بات مکمل کی:

''................خدا کی قسم! اگر یہ لوگ ہمیں مارتے ہوئے مدینہ تک بھی بھگا لے جائیں تب بھی ہمیں یہی یقین رہے گا کہ ہم حق پر ہیں اور یہ لوگ باطل پر۔''

پھر آندھی کی طرح دشمن پر ٹوٹ پڑے یہ کہتے ہوئے کہ

''خدا کی قسم! یہ لوگ طالب قصاص خون عثمان نہیں اُن کو دنیا ہی کی چاٹ پڑی ہے۔اس حیلہ سے بادشاہ بننا چاہتے ہیں۔ اگر یہ حیلہ نہ کرتے تو آج دو آدمی بھی ان کی طرف نہ ہوتے۔''

جس طرف سے عمار بن یاسر ہو کر گزرتے صحابہ کی ایک جماعت اُن کے ساتھ ہو جاتی ۔لشکر شام پر یہ برابر حملہ کرتے جاتے ۔نوے برس کی عمر تھی۔ بوجہ ضعیفی حربہ اُن کے ہاتھ میں کانپتا۔جس وقت علم اُن کے ہاتھ میں ہوتا تو علم لے کر کہتے کہ یہ وہ علم ہے جس سے تین مرتبہ بدر، احد، حنین میں آنحضرتؐ کے ساتھ لڑا ہوں، اب یہ چوتھی لڑائی ہے۔ہم تم سے یہ بھی کہتے ہیں کہ ہم تاویل قرآن پر اسی طرح لڑتے ہیں جس طرح نزول قرآن کے وقت لڑے تھے یعنی جس طرح تم حالت کفر میں نزول قرآن کا انکار کرتے تھے اور ہم تم سے لڑتے تھے، اسی طرح اب اس وجہ سے لڑے ہیں کہ تم باوجود مسلمان ہونے کے جناب امیرؑ کی خلافت کو نہیں مانتے۔

حملہ کے وقت عمرو ابن العاص مل گئے۔اُن سے فرمایا:

''عمرو! اُف ہے تم پر تم نے اپنے دین کو مصر کے بدلہ میں فروخت کر ڈالا۔''

یہ کہنے لگے:

''میں حضرت عثمان کے خون کا معاوضہ طلب کرتا ہوں۔''

عمار نے فرمایا:

''میں اپنے علم و یقین سے کہتا ہوں کہ تم اللہ کی خوشنودی نہیں چاہتے ۔اگر قتل سے بچ گئے تو موت ضرور آئے گی اُس وقت تمھیں معلوم ہو جائے گا کہ ہر شخص پر اُس کی نیت کے موافق عذاب و ثواب ہوگا۔تم تنہا آج ہی میرے ساتھ نہیں لڑ رہے ہو، تین مرتبہ آنحضرتؐ کے سامنے مجھ سے لڑ چکے ہو، آج یہ چوتھی مرتبہ ہے ۔کیا تم کو یہ یاد نہیں کہ آنحضرتؐ نے فرمایا ''اے عمار تم کو گروہ باغی قتل کرے گا۔تم اُن کو جنت کی طرف بلاؤ گے وہ تم کو دوزخ کی طرف بلائیں گے ۔کیا یہ فعل تمھارا نیکی و تقویٰ کی علامت ہے؟''

ابن العاص چپ ہو رہے۔

اس ضعیفی کی حالت میں عمار نے اٹھارہ آدمی قتل کیے۔(سیرۃ علویہ شاہ حیدر کاکوری ص ۳۱۰ و ۳۱۱)

وہ بڑھ بڑھ کر حملہ کرتے کیا مجال جو قدم ذرا پیچھے ہٹ جائیں ۔ضعیف ہاتھوں میں کہاں اتنی طاقت کہ تلوار اُٹھائیں اور نیم جاں بازوؤں میں کہاں اتنا دم کہ شمشیر زنی کریں۔سچ تو یہ ہے کہ انکا بوڑھا ہاتھ شمشیر زنی نہیں کر رہا تھا، نہ اُن کے لاغر جسم میں حملہ کی طاقت تھی، نہ اُن کی سوکھی ہوئی ٹانگوں میں دوڑنے کی سکت۔ یہ اصل میں اُن کی قوت ایمانی اور یقین کی پختگی تھی جو دشمن سے

بھرپور ٹکر لے رہی تھی۔

میدان جنگ تنور کی طرح تپ رہا تھا۔ پسینہ کی نہریں جاری تھیں۔ عمار کے ہونٹ پیاس سے جلنے لگے۔ حلق میں کانٹے پڑ گئے۔ جو خواتین سپاہیوں کو پانی پلانے پر مامور تھیں، اُن میں سے ایک عورت آگے بڑھی، اُس نے ایک پیالہ دودھ کا ان کی خدمت میں پیش کیا۔ جناب عمار نے پہلا ہی گھونٹ لیا تھا کہ بہت زور سے تکبیر کی صدا بلند کی اور چہرے پر خوشی ومسرت کی لہریں دوڑنے لگی۔ عورت بیحد متعجب ہوئی۔ مگر اب عمار دوسرے عالم میں تھے۔ اُن کی زبان پر یہ کلمات تھے۔

اللہ اکبر، صدق الصادق، سچ کہا تھا پیغمبرؐ صادق نے:

الیوم ہ القی الاحبہ محمدا وحزبہ

آج میں اپنے پیاروں سے ملاقات کروں گا حضرت محمد مصطفیؐ اور اُن کی جماعت سے۔

جناب عمار کو اندازہ ہو گیا کہ اب میرے مرنے کی گھڑی آپہونچی ہے آخرت کا سفر ہے۔ اپنے محبوب حضرت محمد مصطفیؐ کی بارگاہ اور جوار رحمت الٰہی میں پہونچنا ہے۔ جناب عمار کی آنکھوں میں پیغمبرؐ کی تصویر پھر رہی تھی اور وہ دن یاد آرہا تھا جب پیغمبرؐ نے اُن کے مرنے کی پیشنگوئی کی تھی اور بتایا تھا کہ تمھاری آخری غذا دودھ ہوگی۔

جناب عمار نے پیالہ اس عورت کو واپس کیا اور محویت کے عالم میں بولے:

''یہ میری آخری غذا تھی۔''

جناب عمار اپنے قتل گاہ کی طرف چل کھڑے ہوئے۔ اُنھوں نے اپنے ساتھیوں سے پکار کر کہا:

''تم میں سے کوئی ہے جو نیزوں کے سایہ سے گذر کر خدا کی بارگاہ میں جانا چاہے؟۔''

جانبازوں کی ایک جماعت اُن کے ساتھ دشمن پر حملہ آور ہوئی۔ جب وہ حملہ کرتے اُن کی یہ آواز مثل اسلحہ کی جھنکار کے کانوں میں گونج جاتی کہ

''جنت نیزوں کے نیچے ہے۔'' (الفتنۃ الکبری جلد دوم، الامام علی ابن ابی طالبؑ جلد پنجم، سیرۃ علویہ وغیرہ)

جناب عمار نے تابڑ توڑ حملے کیے۔ آندھی کی طرح دشمن کی طرف بڑھتے گئے۔ تلوار مشین کی طرح چل رہی تھی پیغمبرؐ کے تصور اور جنت کے اشتیاق میں ایک بیخودی سی تھی جو ہر چیز سے بے نیاز کیے ہوئے تھی۔ ٹھیک اُسی وقت لشکر شام کے دو آدمی ابن جون سکونی اور ابو لعادیہ فزاری عمار کی طرف بڑھے۔ ابن جون نے نیزہ سے وار کیا پھر دوسرا وار ابو العادیہ نے کیا۔ جناب عمار(۱) زمین پر گرے۔ لبوں پر تبسم تھا اور زبان پر یہ فقرہ کہ'' آج میں اپنے پیاروں سے ملوں گا حضرت محمد مصطفیؐ اور اُنکی جماعت سے۔''

---

(۱) احادیث متعلق بہ شہادت حضرت عمار یاسر:

بخاری و مسلم میں ہے کہ آں حضرتؐ نے حضرت عمار بن یاسر کی وفات کی خبر ان لفظوں میں دی تھی کہ ''اے عمار عنقریب تم کو گروہ باغی قتل کرے گا۔ تم ان کو جنت کی طرف بلاؤ گے اور وہ تم کو دوزخ کی طرف بلائیں گے۔''

حضرت ام سلمہ سے مروی ہے کہ ''آنحضرت نے حضرت عمار سے فرمایا کہ تم کو گروہ باغی قتل کرے گا۔

(مسلم و ترمذی و نسائی و مسند امام احمد) امام نسائی کی روایت میں جو حضرت ام سلمہ سے مروی ہے یوں ہے کہ جب خندق کا دن آیا تو آں حضرت اینٹیں اُٹھا کر دیتے جاتے تھے۔ سینہ اقدس کے بال غبار آلود ہو گئے تھے۔ ام سلمہ کا ارشاد ہے کہ خدا کی قسم اب تک مجھے یاد ہے میں بھولی نہیں ہوں، آں حضرتؐ فرماتے تھے کہ حقیقۃً نیکی آخرت ہی کی نیکی ہے۔ اے اللہ تو انصار و مہاجرین کو بخش دے۔ اتنے میں حضرت عمار یاسر آ گئے۔ آنحضرت نے ان سے فرمایا: اے عمار تجھے گروہ باغی قتل کرے گا'' ابوسعید خدری و ابوقتادہ انصاری نے بھی یہی روایت کی۔

خوارزمی کی روایت میں جو ابوسعید خدری سے مروی ہے یوں ہے کہ ہم مسجد تعمیر کر رہے تھے۔ ہم ایک اینٹ اٹھاتے تھے اور عمار بن یاسر دو اینٹیں اٹھاتے تھے۔ آنحضرت نے جب دیکھا تو سر سے مٹی جھاڑنے لگے اور فرمایا: تم کیوں اپنے دوستوں کی طرح ایک ایک اینٹ نہیں اٹھاتے حضرت عمار نے عرض کیا میں خدا سے اجرت چاہتا ہوں۔ آنحضرت نے مٹی جھاڑ کر فرمایا اے عمار تجھے باغی گروہ قتل کرے گا۔'' ابن عساکر اپنی تاریخ میں ابوسعید خدری سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا کہ آں حضرت نے ہم کو ناکثین و قاسطین و مارقین کے ساتھ جنگ کرنے کے لیے حکم دیا۔ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہؐ آپ نے ان لوگوں سے لڑنے کا حکم تو دیا مگر کس کے ساتھ؟ انھوں نے فرمایا: علی ابن ابی طالبؑ کے ساتھ جن کے ساتھ عمار بن یاسر بھی ہوں گے اور وہ جنگ میں قتل ہوں گے۔''

دیلمی نے حضرت انس سے روایت کی، آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا کہ عمار کا قاتل اور ان کو برا کہنے والا دوزخ میں ہوگا۔ حبہ بن جرین عرفی کہتے ہیں خزیمہ جمل میں حاضر ہوئے لیکن انھوں نے میان سے تلوار نہ نکالی پھر صفین میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے میں کبھی اس وقت تک تلوار میان سے نہ نکالوں گا جب تک کہ عمار یاسر شہید نہ ہو جائیں گے۔ دیکھوں ان کو کون شہید کرتا ہے۔ میں نے آنحضرت کو ارشاد فرماتے سنا ہے کہ ان کو باغیوں کا گروہ قتل کرے گا ۔جب عمار شہید ہو گئے،

خزیمہ کہنے لگے اب مجھے گمراہی ظاہر ہوگئی پھر بڑھ کر لڑے یہاں تک کہ شہید ہو گئے (خوارزمی و مسند امام احمد و اسد الغابہ) علقمہ اور اسود کہتے ہیں: جب حضرت ابوایوب انصاری جنگ صفین سے لوٹے تو ہم ان سے ملنے گئے اور ان سے کہا: اے ابوایوب! بیشک آپ کے گھر میں آنحضرت کے فروکش ہونے سے اللہ نے آپ پر بڑا کرم کیا دوسروں کے گھر کے علاوہ آں حضرت کا ناقہ آپ ہی کے دروازہ پر بیٹھ گیا۔ اب آپ مسلمانوں کے قتل کے لیے کندھے پر تلوار رکھ کر آئے ہیں۔ ابوایوب کہنے لگے کہ آنحضرت نے ہم کو بہ معیت جناب امیر ناکثین و قاسطین و مارقین سے جنگ کرنے کے لیے حکم فرمایا تھا۔ ناکثین اصحابہ جمل ہیں۔ قاسطین وہ جہاں سے ہم آ رہے ہیں یعنی اہل شام اور مارقین اہل طرفا و تخیل و اہل نہروان ہیں۔ واللہ نہیں معلوم کہ اس وقت وہ کہاں ہیں لیکن انشاء اللہ ان کے ساتھ بھی، جنگ کرنا ضروری ہے۔ پھر کہنے لگے کہ آنحضرت میرے گھر میں رونق افروز تھے، حضرت علی داہنی طرف بیٹھے ہوئے تھے اور میں بائیں طرف تھا اور حضرت انس سامنے، اچانک دروازہ ہلا کر آنحضرت نے فرمایا: اے انس دیکھو دروازہ پر کون ہے۔ حضرت انس باہر گئے واپس آ کر عرض کیا یا رسول اللہ عمار بن یاسر ہیں۔ آنحضرت نے فرمایا: عمار پاک اور پاکیزہ کرنے والے کے لیے دروازہ کھول دو۔ عمار نے حاضر ہو کر آنحضرت کو سلام کیا۔ آنحضرت نے جواب سلام دیکر فرمایا ''اے عمار عنقریب میری امت میں فتنہ ہوگا یہاں تک کہ لوگوں میں تلوار چلے گی اور ایک دوسرے کو قتل کرے گا۔ اے عمار جب تم لوگوں کو دیکھو کہ اپنے راستہ پر چل رہے ہیں تم کو لازم ہے کہ اس اصلع یعنی علیؑ کو اختیار کرو۔ علیؑ تم کو راہ ہدایت سے نہیں پھیریں گے اور نہ برائی کی

طرف رہنمائی کریں گے۔اے عمار! علیؑ کی اطاعت اور میری اطاعت خدا کی اطاعت ہے۔

اے عمار جو کوئی تلوار اس لیے حائل کرے کہ اس سے علیؑ کی اعانت کرے تو قیامت کے روز اللہ تعالیٰ اس کو موتیوں کی حمائل پہنائے گا۔اگر کوئی تلوار اس لیے حمائل کرے کہ اس سے علیؑ کے دشمنوں کی مدد کرے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے روز آگ کی حمائل اسکی گردن میں ڈالے گا۔(مسند امام احمد و تاریخ ابن عساکر)خوارزی کی روایت میں اس قدر زائد ہے کہ تجھ کو باغی گروہ قتل کرے گا تو حق کے ساتھ اور حق تیرے ساتھ ہوگا۔''

امام ابوالمعانی کتاب الارشاد میں کہتے ہیں کہ حدیث لقتلك الفئة الباغية نہایت ثابت شدہ احادیث میں سے ہے۔علامہ ابن عبد البر استیعاب میں لکھتے ہیں کہ متواتر حصہ پیش آنحضرت سے مروی ہیں کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ عمار کو گروہ باغیوں کا قتل کرے گا۔یہ آنحضرتؐ کی پیشین گوئیوں میں سے ایک پیشینگوئی ہے اور نہایت صحیح احادیث میں سے ہے جو احادیث اوپر لکھی گئی ہیں ان میں بہ استثنا دو حدیثوں کے بقیہ لفظ گروہ آنحضرت نے استعمال کیا۔

جس سے یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ کل وہ اشخاص جن میں قاتل حضرت عمار بن یاسر ہوں باغی سمجھیں جائیں گے۔یہ ظاہر ہے کہ گروہ کے لفظ میں خود معاویہ اور انکے دیگر طرفدار مئولفۃ القلوب جو شریک جنگ صفین تھے آجاتے ہیں۔کیا اب سمجھا جاسکتا ہے۔''(شاہ محمد علی حیدر کاکوروی سیرۃ علویہ ص ۳۱۲ تا ۳۱۶)

امیر المومنینؑ کو عمار کی شہادت کا بڑا صدمہ ہوا۔قریب آئے،سر اپنے زانو پر رکھا اور حسرت آمیز شعر پڑھ کر آنکھوں میں آنسو ڈبڈبالائے،فوج میں عام اظہار غم کا حکم دیا،نماز پڑھی اور اپنے ہاتھ سے دفن کر دیا۔مقدس عمار کی موت کا عمرو عاص پر بھی یہ اثر پڑا کہ بے ساختہ اس کے منہ سے نکل گیا''خوب ہوتا کہ میں اس سے بیس برس پہلے مرجاتا''۔ایرونگ لکھتا ہے کہ علیؑ کے مقتولین میں پچاس صحابی تھے جن کی موت پر خود دشمن متأسف تھا مگر بہادر عمار یاسر کی موت سے زیادہ کسی کا صدمہ نہیں کیا گیا۔علیؑ اپنی معمول اعتدال کو بھول گئے اور اپنے پُرانے جرنیل کا حال دیکھ کر بارہ ہزار سواروں کے ساتھ پر غضب حملہ کیا۔دشمن کی صفیں ٹوٹ گئیں لیکن قتل عام دیکھ کر علیؑ کا دل پھر نرم ہوگیا۔(تاریخ اسلام ماسٹر ذاکر حسین مرحوم دہلوی)

ٹھیک اُسی وقت عمرو عاص اپنے لڑکوں کو بچانے کے لیے جو نرغہ میں گھر گئے تھے،بدحواس ہو کر آگے بڑھے،اسی وقت عبد الرحمان بن خالید بن ولید معاویہ کا بڑا علم لے کر آگے بڑھا۔پورے شام والوں میں ایک ہیجانی کیفیت تھی۔اس وقت تلوار اور نیزہ اور تیروں ہی سے کام نہیں لیا جارہا تھا بلکہ پتھر بھی برسائے جارہے تھے۔

امیر المومنینؑ کو اور کسی کی پروانہ تھی۔البتہ ایک قبیلہ آپ کے سپاہیوں کے مقابلہ میں بڑی پامردی سے لڑ رہا تھا۔معلوم ہوتا تھا جیسے اس قبیلہ والوں کے پیر گڑے ہوئے ہوں۔زمین میں معلوم ہوا کہ یہ غسان والے ہیں۔امیر المومنینؑ نے فرمایا:

ان لوگوں کے قدم اس وقت نہ سرکیں گے جب تک اُن پر نیزہ و شمشیر کے بھرپور ہاتھ نہ لگائے جائیں۔''

آپ نے اپنے اصحاب کو آواز دی:

''کہاں ہیں صبر و استقامت والے اور طلبگارانِ خیر۔۔۔''

پھر اپنے فرزند محمد بن حنیفہ کو بلا کر کہا:

''اس قبیلہ کی طرف سکون واطمینان سے بڑھو۔ جب آمنے سامنے پہنچ جاؤ تو ہاتھ روکے رہنا جب تک میرا حکم نہ پہنچے۔''

دوسرا جتھا آپ نے مالک اشتر کی سرکردگی میں ادھر روانہ کیا اور اپنے ساتھیوں کو پکار کر کہا:

''لوگو! جو خدا کے ہاتھ اپنی جان بیچے گا فائدہ میں رہے گا۔ بس آج ہی کا دن اس خرید وفروخت کا ہے۔ اسکے بعد کوئی دن نہ آئے گا۔''

یہاں تک کہ جب دس ہزار سورما مجاہد آپ کے اردگرد اکٹھا ہو گئے تو آپ نے پیغمبرؐ خدا کا سیاہ عمامہ زیب سر کیا اور طے کرلیا کہ اب قصہ ختم ہی کر کے دم لیں گے۔ محمد ابن حنیفہ جچے تلے قدموں سے آگے بڑھے جا رہے تھے۔ ایک ایک سپاہی نیزہ تانے ہوئے غسان والوں کی طرف بڑھ رہا تھا۔ غسان والے اپنی جگہ مطمئن کھڑے منتظر تھے کہ اب محمد کون سا قدم اُٹھاتے ہیں، دور ہی سے تیر چلاتے رہے۔ محمد امیر المومنینؑ کی ہدایت کے مطابق اسی سکون سے بڑھتے رہے۔ موقع ملا بھی حملہ کا تب بھی انھوں نے کوشش نہیں کی۔ دفعتہ امیر المومنینؑ کا حکم پہنچا:

''ٹوٹ پڑو ان پر''

محمد اپنے ہمراہیوں کو لے کر ایک ساتھ ٹوٹ پڑے۔ ادھر سے مالک اشتر نے حملہ کر دیا اور ٹھیک اسی وقت دوسرے افسران فوج نے امیر المومنینؑ کے حملہ کیا۔ قیامت سی برپا ہوگئی۔ دس ہزار نیزے ایک ساتھ غسان والوں کے سینوں پر پڑ رہے تھے۔

(۸)

دونوں فریق ایک دوسرے کو مارتے کاٹتے رہے۔ نہ دن کی گرمی نے ان کے ہاتھ روکے، نہ رات کی تاریکی نے، نہ کشتوں کے پشتے مانع ہوئے۔ آگے بڑھنے سے صبح سے دوپہر ہوگئی دوپہر سے رات اور رات بھی آدھی گذر گئی مگر اسی طرح گھمسان کی لڑائی ہوتی رہی جیسی دن میں ہوتی رہی تھی۔

جس وقت آفتاب غروب ہوا اور رات کی تاریکی پھیلنے لگی۔ لوگوں نے سمجھا تھا کہ اب دونوں فریق ہاتھ روک لیں گے۔ لڑائی کا دستور بھی یہی تھا کہ دن بھر لڑتے۔ مغرب کے وقت ہاتھ روک لیتے مگر ٹھیک مغرب ہی کے وقت لڑائی اپنے شباب پر تھی۔ اب نہ افسر کو سپاہیوں کی پروا تھی نہ سپاہیوں کو افسر کی، خون کی گرمی نے وقت بے وقت کا خیال دل سے نکال رکھا تھا۔ دونوں فریق کے جھنڈے ایک دوسرے سے ٹکراتے دونوں طرف کی فوجیں ایک دوسرے میں دھنستی گھستی جاتیں، ہاتھ برابر

چلتے جاتے اور اس کی بھی پروانہ تھی کہ یہ ہاتھ دوست پر پڑ رہے ہیں یا دشمن پر۔ یہ رات جمعہ کی رات تھی۔ اس رات کو جنگ اتنی ہولناک ہوئی کہ صفحہ تاریخ پر اسکی نظیر نہیں ملتی ایسی قیامت کی جنگ ہوئی کہ نعروں کی گرج گھوڑوں کی ٹاپوں اور تلوار کی جھنکار سے زمین تھرا گئی خوں ریزی کی کوئی انتہا نہ رہی۔ اسی مناسبت سے اس کا نام لیلۃ الہریر رکھا گیا۔

اب لڑائی کا انجام دھیرے دھیرے قریب آنے لگا۔ کل معاویہ کی جس طاقت نے امیر المومنینؑ کے میمنہ کو پیچھے ڈھکیل دیا تھا۔ آج کے حملہ میں وہ طاقت پگھل کر رہ گئی۔ خالد بن معمر کی خیانت سے کل جان بچالی تھی مگر آج جان بچتی نظر نہ آتی تھی۔ محمد حنفیہ کے ہاتھ غسان والوں کی دیوار کو بیلچہ کی طرح توڑ پھوڑ رہے تھے۔ امیر المومنینؑ کے ہر سپاہی کے دل میں عزم مصمم تھا اور معاویہ کی صفیں ہر طرف سے ٹوٹتی جاتی تھیں۔ معاویہ نے اپنے ساتھیوں کی دلدہی کرتے ہوئے کہا:

''لڑائی کا ایسا ہی حال ہوتا ہے۔ کبھی فتح ہے کبھی شکست، اگر آج ہمارے لشکر کے کچھ آدمی مارے گئے تو کیا ہوا، ان سے زیادہ فوج مخالف کے آدمی ہلاک ہوئے ہیں۔ جس طرح ہم اپنے مقتولین کے رنج وغم میں مبتلا ہیں اسی طرح وہ بھی اپنے مردوں کے ماتم دار ہیں ۔۔۔۔ اگر ذوالکلاع ہماری طرف سے کام آگیا ہے تو اُن کی طرف سے عمار یاسر مارے گئے اور اگر حوشب قتل ہوا ہے تو ادھر ہاشم مقتول ہوئے ہیں۔ اسی طرح عبید اللہ بن عمر کے بدلہ عبداللہ بن بدیل خزاعی مارے گئے جو قاتل الافاصیل کہے جاتے تھے۔ تین شخص اور رہ گئے ہیں، مالک اشتر، اشعث بن قیس اور عدی بن حاتم ان کا بھی خاتمہ کردو۔''

واقعہ یہ ہے کہ شام والوں نے ایک لمحہ کے لیے بھی صبر واستقلال، جوانمردی و پامردی کو ہاتھ سے جانے نہ دیا۔ قبیلہ عک اور اشعریین والوں نے اُن کے اردگرد ایک چہار دیواری سی کھینچ رکھی تھی۔ سواروں کا دستہ لیکر عمرو عاص پوری طاقت سے مصروف پیکار تھے اور انتہائی کوشاں کہ میرے لڑکوں کو کوئی گزند نہ پہونچنے پائے۔ معاویہ کا سب سے بڑا علم عبدالرحمان بن خالد ابن ولید لے کر داد شجاعت دے رہا تھا۔ عمرو عاص اپنے فقروں سے اُسے جوش دلاتے اور اسکی رگ وپے میں آگ سی بھڑکاتے جاتے۔

''ہاں اے سیف اللہ کے لال ٹوٹ پڑو ان پر اب فتح ہی فتح ہے۔''

مگر مالک اشتر پہلے ہی سے ان کی گھات میں تھے، وہ اس وقت دشمن کے حملوں کو روکنے کے لیے نہیں آئے تھے بلکہ حملہ کرنے اور آگے بڑھنے کے لیے آئے تھے۔ جس وقت سے امیر المومنینؑ نے اُنھیں حملہ کرنے کا حکم دیا تھا وہ پے در پے حملہ کرتے جاتے۔ جو دستہ بھی سامنے آتا اُسے تہس نہس کرتے جاتے تھے۔ اُنکے ساتھی اُن کی اس محیر العقول شجاعت کو دیکھ کر مبہوت رہ گئے کہنے لگے:

''آج توتم نے اگلی شجاعت کی یاد تازہ کر دی ہے۔''

امیر المومنینؑ اس وقت قلب لشکر میں تھے مگر حقیقتاً وہ اپنے لشکر کے قلب میں اتنا نہیں ہوتے تھے جتنا دشمن کے قلب میں ڈوبے ہوتے۔آپ ان پر یوں ٹوٹ کر گرے جیسے کمان سے تیر نکل کر جاتا ہے۔اپنی تلوار سے دشمن کی صفوں پر بجلیاں برسا رہے تھے اور اُن کے سر آپ کے ارد گرد اس طرح اڑ رہے تھے جیسے شمع پر پروانے گرتے ہیں۔آپ کے منہ سے کوئی آواز نہیں نکلتی تھی سوا نام خدا کے۔بار بار لا الہ الاّ اللہؐ اللہ اکبر کے نعرے بلند کرتے۔جب آپ کی تلوار کسی کے دو حصے کرتی یا کسی کا سر اُڑاتی آپ نعرہ تکبیر بلند کرتے۔اس رات کو آپکی ۵۲۳ تکبیریں سنی گئیں۔[1]

حضرت کے جاں نثاروں کو کتنا کتنا خوف آپ کے متعلق لاحق ہوا۔آپ انھیں چھوڑ کر دشمن کی صفوں کی طرف بڑھتے اور دیکھتے ہی دیکھتے تہ بہ تہ فوجوں میں غائب ہو جاتے۔اتنی دیر تک نظروں سے اوجھل رہتے کہ اندیشہ ہوتا خدانکردہ آپ کہیں کام نہ آ گئے ہوں۔وقت پر وقت گذرتا جاتا اور آپ کی غیبت طول پکڑتی جاتی۔ایسا معلوم ہوتا کہ آپ اب کبھی پلٹ کر نہیں آئیں گے۔مارے خوف کے ساتھیوں کے کلیجے منہ کو آنے لگتے۔تھوڑی ہی دیر میں دکھائی دیتا کہ دشمن کی صفیں دوبارہ پھٹنے لگی ہیں اور حضرت ہر طرح محفوظ ہیں سوا اسکے کہ آپ کے کپڑے خون میں تر بتر ہیں اور پسینہ کے قطرات پیشانی سے لے کر رخساروں پر آ رہے ہیں۔بھرپور واروں کے سبب آپ کی تلوار ٹیڑھی ہو جاتی آپ گھٹنے پر رکھ کر تلوار سیدھی کرتے اور کہتے جاتے:

''خدا معاف کرے''.

مطلب یہ تھا کہ اتنی تھوڑی دیر کے لیے بھی جو میرا ہاتھ شمشیر زنی سے رک گیا اس کے لیے رنجیدہ ہوں مگر دیر تھوڑی بھی نہ ہونے پاتی کہ پھر آپ تلوار کھینچ کر دشمن کی صفوں میں گھس پڑتے اور اسکی صفوں کو تہ و بالا کر کے رکھ دیتے۔اس وقت سب کی آنکھیں دل اور کان آپ پر لگے ہوئے تھے۔جب آپ حملہ کرتے تو دشمن بدحواس ہو جاتا۔جب آپ نظروں سے اوجھل ہو جاتے تو آپ کے ساتھی سہم کر رہ جاتے۔میدان جنگ میں کوئی ایک آدمی بھی ایسا نہ تھا جسے آپ کی طرف سے خوف لاحق نہ ہو۔دشمن اپنی جان کے خوف سے ڈرے تھے اور دوستوں کو خود آپ کی جان کے متعلق اندیشہ لاحق تھا۔اصحاب کی نگاہیں حملہ

---

[1]۔حبیب السیر ونور الابصار میں ہے کہ ۵۲۳ تکبیریں حضرت کے ایک خواص نے شمار کیں اور مستقصی میں ابی سعد سمنانی سے مروی ہے کہ معاویہ نے کہا کہ لیلۃ الہریر میں جناب امیر نے ۹ سو آدمی سے زیادہ قتل کیے تھے اور اس رات میں نے ارادہ کر لیا تھا کہ یا تو عبداللہ بن عباس سے التجا کر کے علیؑ سے اجازت لے کر مکہ کی حکومت اختیار کروں یا قیصر روم کے پاس جا کر اسکے کسی جزیرہ میں سکونت اختیار کر لوں۔شامی فریاد و زاری کرتے تھے کہ معاف کرو اور جو تھوڑے سے چند ہزار باقی رہ گئے ہیں انکو چھوڑ دو۔بروایت منائج السالکین، لیلۃ الہریر میں ۳۳ ہزار اور بروایت کشف الغمہ واعثم کوفی ۳۶ ہزار کس طرفین کے مارے گئے بروایت مستقصی لیلۃ الہریر میں دو ہزار اکہتر جناب امیرؑ کے آدمی اور ۷ ہزار معاویہ کے مارے گئے۔'' (تاریخ اسلام ماسٹر ذاکر حسین صاحب دہلوی مرحوم)

کے وقت آپکے تعاقب میں لگی رہتی تھیں۔ جب آپ دشمن کی فوجوں میں گھس کر غائب ہو جاتے۔ اُن کے دل کراہتے رہتے اور اُن کے کان آپ کی تکبیر کے نعروں پر لگے ہوتے۔ جس کی ہولناک صدا مسلسل اور متواتر تھی۔ آپ کی حرکتیں بالکل بجلی کے مانند یا آئنہ کی تڑپ کی طرح تھیں۔ آپ کا نگاہوں سے اوجھل ہونا دلوں کے لیے موت سانس کی گھٹن اور آنکھوں کے لیے اندھیرا تھی اور ان سب کیفیتوں کے بعد جیسے ہی تکبیر کی آواز کان میں آتی جان پڑ جاتی۔ صدائے تکبیر ایک مژدۂ حیات تھی جسکے سننے کے لیے دوستوں کے کان بیچین رہتے اور جسکے زیر و بم پر دل ناچنے لگتے۔ آپکی آواز کا برابر کانوں میں آتے رہنا بہت بڑی نعمت تھی اور ہر وار پر تکبیر کے نعرے مژدہ جانفزا اور نوید مسرت تھے۔ ساتھ ہی ایک ایک آواز پر اس کی بھی گنتی ہوتی جاتی کہ کتنے دشمن آپ کے ہاتھوں سے اب تک موت کے گھاٹ لگے۔

آفتاب غروب ہو گیا شام آ گئی۔ رات کی تاریکی نے ہر چیز کو اپنی آغوش میں لے لیا مگر امیر المومنینؑ کے افسران فوج کی پیش قدمی جاری رہی۔

سختی بڑھتی گئی سپاہی کام آتے گئے مگر آپکا حملہ اسی زور وشور سے جاری رہا یہاں تک کی نماز کا وقت بھی آیا اور نکل گیا مگر وہ لوگ اپنی جگہ سے سرکے نہیں۔ اشارہ سے نماز ادا کرنے پر اکتفا کی:

اشعث بن قیس ہانپتا ہوا خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی۔

''امیر المومنینؑ برابر برابر کی ٹکر ہے جیسے ہمارے سوار ویسے اُن کے، جیسے ہمارے پیادے ویسے اُنکے پیادے مگر اس وقت تک ہمارا ہی زور بڑھا ہوا ہے۔''

سعید بن قیس خود حاضر نہ ہو سکے تو انھوں نے آدمی کی زبانی رپورٹ کہلا بھیجی:

''ہم دشمن سے بھڑے ہوئے ہیں اور ہمارا زور زیادہ ہے اگر کہیں اور کمک پہونچانے کا حکم ہو تو ہم حاضر ہیں۔''

ابتدائے معرکہ ہی سے ہر افسر فوج نے رابطہ قائم رکھا منٹ منٹ پر اُن کے قاصد جنگ کی رپورٹ آکر پیش کرتے اور حضرتؑ کے پیامبر تازہ احکام اُن کے پاس لے کر جاتے۔

لیکن ہاشم بن عتبہ نہ خود آئے نہ اُن کی طرف سے کوئی قاصد آیا نہ کسی ذریعہ سے اُن کی خبر معلوم ہوئی بلکہ وہ جس طرف لڑتے تھے وہاں لڑائی کی رفتار سُست ہوتی نظر آئی۔ امیر المومنینؑ نے ہاشم کے پاس کہلا بھیجا۔

''علم لے کر آگے بڑھو۔''

''ہاشم کے ہونٹوں پر درد بھری مسکراہٹ پھیل گئی۔ اُنھوں نے قاصد کی طرف حسرت کی نگاہ ڈالی، آنکھیں آبگوں ہو گئیں

، تھکے ہوئے لہجہ میں کہا:

''میری طرف تو دیکھو''

ہاشم نے جس طرف اشارہ کیا تھا قاصد نے نگاہ کی اور اُس کے منہ سے چیخ نکل گئی۔

ہاشم کی زندگی کی آخری گھڑیاں تھیں، چہرے اور آنکھوں سے بلا کی تکلیف نمایاں تھی، اپنے دونوں ہاتھوں سے اپنے پیٹ کے لمبے اور گہرے شگاف کو دبائے ہوئے تھے، خون انگلیوں کے درمیان سے پرنالہ کی طرح جاری تھا۔ اور آنتیں باہر نکل کر اِدھر اُدھر پھیل گئی تھیں۔

ہاشم دوبارہ مسکرائے، آنکھیں چمکنے لگیں جس طرح چراغ بجھنے کے وقت ایک مرتبہ بھڑک اُٹھتا ہے اُسکے بعد فوراً ہی خاک پر گر گئے۔

(۹)

معاویہ بدحواس ہوکر گھوڑے پر سوار ہوئے اور چاہا کہ بھاگ کھڑے ہوں، چہرہ تاریک ہورہا تھا۔ آنکھوں کے آگے دھند چھائی ہوئی تھی۔ ہونٹ ہلتے تھے مگر کوئی آواز نہیں نکل پاتی۔ حسرت و یاس سے چاروں طرف نگاہ دوڑاتے تھے مگر سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کدھر بھاگیں۔

اس وقت اُنکے سارے خواب چکنا چور ہو گئے تھے، اب کوئی حیلہ سجھائی نہیں دیتا تھا، تقدیر نے لڑائی کا پوری طرح فیصلہ کر دیا تھا، جہاں نظر پڑتی تباہی ہی تباہی نظر آتی، اُنکی ساری فوج بُری طرح کٹ رہی تھی، صفیں ٹوٹ گئی تھیں۔ پرے پراگندہ ہو گئے تھے یہاں تک کہ وہ جانباز سپاہی جنھوں نے انکی حفاظت میں جان دینے کے لیے قسمیں کھائی تھیں وہ بھی تھک ہار چکے تھے ۔کامیابی کی تمام امیدیں ختم ہو چکی تھیں۔ مقابلہ کیسا اب تو نوبت اسکی آگئی تھی کہ علیؑ کی فوجیں سَر پر چڑھ آئی تھیں اور قریب تھا کہ اُن کی تکا بوٹی کر دیں۔ ایک نظر انھوں نے گھوڑے پر ڈالی اور سوچا کہ میدان میں ٹھہرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ دوسری نگاہ اپنے سپاہیوں پر ڈالی جو بُری طرح ٹوٹ پھوٹ رہے تھے، ان کا انجام اسکے سوا اور کچھ نظر نہیں آتا تھا کہ خاک پر ڈھیر ہو رہیں ۔دیر تک کھڑے کھڑے وہ اپنے انجام اور اپنے ساتھیوں کے انجام کا موازنہ کرتے رہے۔ سپاہی تو بہر حال وہیں دم توڑنے والے تھے جہاں وہ تھے اور ان کے لیے بھی موقع تھا کہ بھاگ کر جان بچا لیں۔ دفعتہً ان کا خیال پلٹا، جی کڑا کر کے اُنھوں نے دونوں پیر رکاب سے نکال لیے اور طے کر لیا کہ بھاگیں گے نہیں۔ (الفتنتہ الکبریٰ جلد دوم۔ الامام علی جلد پنجم۔ خلفائے محمد عمر ابوالنصر)

مگر ان کی یہ ثابت قدمی چند گھڑیوں کے لیے تھی۔ ان کی فوج تہس نہس ہوتی جا رہی تھی۔ شامی ہتھیار پھینک کر ہاتھ جوڑ رہے تھے کہ معاف کرو اور جو باقی رہ گئے ہیں ان کو چھوڑ دو۔ امیر المومنینؑ نے اپنے ساتھیوں کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا:

''تمھاری کوششیں اس حد تک کامیاب ہو چکی ہیں، دشمن کے پیر اُکھڑ چکے ہیں، اب اُنکی آخری سانسیں رہ گئی ہیں ۔حریف کو شکست دینے کے لیے تیار ہو جاؤ اس وقت تک میدان سے منھ نہ موڑنا جب تک قطعی فیصلہ نہ ہو جائے۔''

جیسے جیسے رات کی تاریکی تحلیل ہوتی جاتی اور صبح کا اُجالا بڑھتا جاتا شام والوں کا دم ٹوٹتا جاتا۔اب ان میں حملہ کو روکنے کی طاقت نہ تھی۔معاویہ کا سپید خیمہ اب چند قدم پر باقی رہ گیا تھا بساط جنگ اُلٹنے ہی والی تھی۔معاویہ حیران و سراسیمہ کھڑے تھے۔اگر اسلحوں کی گھن گرج اور گھوڑے کی ٹاپوں کی آواز نہ ہوتی تو اُن کے دل کی دھڑکن تک سننا آسان تھا۔اُس وقت پھر اُن کے دل میں ہوک اُٹھ رہی تھی کہ کاش اپنے اعزہ واحباب میں سے یا شام کے بہادروں میں سے کوئی ایسا نکل آتا جو علیؑ سے ٹکر لیتا یا دھوکہ ہی سے اُنھیں مار ڈالتا۔اگر اس وقت کوئی آرزو تھی تو بس یہی اور اسی صورت سے اُن کی جان بچنی ممکن تھی مگر اس آرزو کا پورا ہونا ایسا ہی مشکل تھا جیسے آسمان سے ستارے توڑ لانا۔اتنے بڑے لشکر میں کوئی بھی ایسا نہ تھا جو علیؑ کے مقابلہ کی ہمت کرتا۔سب ہی سمجھتے تھے کہ علیؑ سے خواہ تن تنہا ٹکر لی جائے یا پورے لشکر کو لے کر اُن سے مقابلہ کیا جائے دونوں صورتوں میں موت ہی موت ہے۔

حتیٰ کہ عمرو عاص نے بھی اُن کا دل نہیں رکھا۔ایسی تباہی و بربادی کے وقت بھی وہ اپنے پُرانے مذاق سے باز نہ آئے۔ معاویہ کی فرمائش لشکر پر وہی جواب دیا کہ آپ خود مقابلہ کے لیے جائیے۔

زمانہ کی نیرنگیوں کی بدولت کچھ دنوں کے بعد جب امیرالمومنینؑ سے دنیا خالی ہوگئی اور معاویہ دنیائے اسلام کے بلا شرکت غیر حکمراں ہو گئے تو ایک دن پرانی یاد تازہ ہوگئی اور اُنھوں نے عمرو عاص کو چھیڑتے ہوئے پوچھا تھا:

''عمرو عاص! سچ بتاؤ اس روز صفین میں جو تم نے ہمیں مشورہ علیؑ سے لڑنے کا دیا تھا تو کیا تم نے ہمارے ساتھ دھوکہ نہ کیا تھا؟''

''نہیں خدا کی قسم ہم نے تمھیں دھوکہ نہیں دیا تھا۔''

نہیں خدا کی قسم تم نے ہمیں ضرور دھوکہ دیا تھا۔تمہیں اچھی طرح معلوم تھا کہ علیؑ کون تھے۔

''عمرو عاص نے جھٹ سے بات بنائی۔''

''علیؑ تمھیں بار بار مقابلہ کے لیے بلا رہے تھے اگر تم ان سے مقابلہ کرتے تو دو نیکیوں میں ایک نیکی ضرور حاصل ہوتی یا تو تم علیؑ کو قتل کر ڈالتے اس صورت میں دنیا جانتی کہ بڑے بڑے بہادروں کے قاتل کو تم نے مار ڈالا ہے اور تمھاری عزت دہ چند ہو جاتی۔یا علیؑ کے ہاتھوں تم خود قتل ہو جاتے اس صورت میں تم شہداء وصالحین کی رفاقت میں ہوتے اور اُن کی رفاقت کا کیا کہنا۔''

معاویہ قہقہہ مار کے ہنسے اور بولے۔

''دوسری بات پہلی بات سے بھی بری تھی۔''

صفین میں عمر وعاص کے جواب پر اسی طرح ہنستے تھے مگر اُن کی یہ ہنسی کھوکھلی تھی ہیجان سی ہنسی، کچھ دیر سناٹا رہا پھر اُنھوں نے سر اُٹھا کر یاس بھرے لہجہ میں کہا:

''عمر وعاص آج صبر سے کام لینے کا دن ہے کل فخر کرنے کا دن ہوگا۔''

عمر وعاص بولے:

''ہم لوگوں کی تو اس وقت وہی حالت ہے جیسا کہنے والے کا قول ہے ''موت حق ہے اور زندگی باطل ہے۔''

ابن نابغہ نے اس مرتبہ سچ ہی کہا تھا اس مرتبہ انھوں نے معاویہ کے ساتھ فریب نہیں کیا، نہ حق چھپانے کی کوشش کی اور حقیقت چھپانے کی گنجائش بھی کہاں تھی، یہ بات آئینہ ہو چکی تھی کہ اب زندہ بچنا محال ہے اور بس موت ہی واحد ٹھکانا ہے۔

عراق کا لشکر تیزی سے اُن کے لشکر میں دھنستا چلا آرہا تھا، سامنے کی ہر رکاوٹ کو شکست وریخت کرتا ہوا۔ وہ علیؑ کے سامنے کھڑے تھے۔ چند ہی گز کے فاصلہ پر وہ مالک اشتر تھے جو جوش میں گھوڑے سے کود پڑے تھے اور دوڑتے ہوئے بڑھ رہے تھے۔ آج کی جنگ پہلے کے دنوں کی سی جنگ نہ تھی، نہ اس جنگ کو جنگ ہی کہنا ممکن تھا۔ دونوں لشکروں کی درمیانی مسافت تنگ ہو گئی تھی۔ اب نہ تیر چلانے کا موقع تھا نہ نیزہ مارنے کا۔ دونوں لشکر تلوار سے جنگ کرتے کرتے ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہو جاتے اور ہاتھ سے ناخن سے دانت سے دشمن کو کاٹتے اور اس وحشیانہ جنگ کے دوران شامی لشکر کے ہر حصہ سے فریاد وزاری کی آواز بلند تھی۔ رو رو کے دہائی دی جاتی تھی۔

معاویہ نے بدحواس ہو کر عمر وعاص سے کہا:

''عمر وعاص رات ختم ہوتے ہوتے علی ہم لوگوں کا کام تمام کر ڈالیں گے بتاؤ کیا کیا جائے۔

عمر وعاص نے سکون بھرے لہجہ میں کہا۔

''تمھارے سپاہی علیؑ کے سپاہیوں کے برابر نہیں اور نہ تم علیؑ جیسے ہو۔ تم زندگی کے بھوکے ہو اور علیؑ موت کے متمنی ہیں۔ عراق والے ڈرتے ہیں کہ کہیں تم جیت نہ جاؤ اور شام والوں کو اطمینان ہے کہ علیؑ فتحیاب بھی ہو گئے تو ہمارے ساتھ برا سلوک نہ کریں گے۔''

معاویہ نے کوئی جواب نہ دیا۔ عمر وعاص کے اس طنز کو خاموشی سے پی گئے اور ششدر وحیران کھڑے انتظار کر رہے تھے کہ دیکھیں تقدیر کیا دکھاتی ہے۔ اسی وقت مالک اشتر آگے بڑھتے آرہے تھے اور امیر المومنینؑ برابر اُن کو کمک پہونچا رہے تھے۔ جوں جوں سپیدہ سحر نمودار ہوتا گیا علیؑ کی فتحیابی کے آثار ظاہر ہوتے گئے۔

اشتر پیروں سے چلتے ہوئے معاویہ کے قریب بڑھتے جاتے۔ موت بھی اُن کے قدم بہ قدم معاویہ کے سپید خیمہ سے نزدیک ہوتی جارہی تھی۔ شام والوں میں ہلچل مچی ہوئی تھی اوران کی چیخ وفریاد سے میدان گونج رہا تھا۔ وہ دیکھ رہے تھے کہ ہلاکت کی بجلیاں ہر طرف سے ٹوٹ ٹوٹ کے ان پر گرتی ہیں اور سرمہ بناتی جاتی ہیں۔ مارے دہشت کے ہمارے امیر کا دم نکلا جارہا ہے۔

معاویہ نے عمروعاص کا دامن پکڑ کر کھینچا اور گڑ گڑاتے ہوئے بولے:

''ہم سب کی جان گئی۔''

عمروعاص چپکے رہے کچھ نہیں بولے۔

''عاص کے بیٹے! میں اچھی طرح سمجھتا ہوں کہ تم دل میں کیا چھپائے ہو۔''

اب بھی سناٹا رہا۔

''مصر کی حکومت کا خیال کرو۔''

اتنی دیر میں فرزند نابغہ اپنے اندر کے شیطان سے مشورہ کر کے فارغ ہو چکے تھے۔ اُنھوں نے مسکراتے ہوئے معاویہ سے کہا:

''ایک بات تم ان لوگوں کے سامنے پیش کرو اگر ان لوگوں نے اسے قبول کر لیا تب بھی، نہ قبول کیا تب بھی، دونوں صورتوں میں پھوٹ پڑ جائے گی۔''

معاویہ کی آنکھیں خوشی سے چمکنے لگیں۔ عمروعاص کی باتیں غور سے سننے لگے:

''ان لوگوں کو کتاب خدا کی طرف بلاؤ۔''

پھر عمروعاص نے آدمیوں کو پکار کر کہا:

''شام والو! تم میں سے جس جس کے پاس قرآن موجود ہے نیزہ پر باندھ کر بلند کر دو۔''

یہ عمروعاص کی تازہ ترین چال تھی۔ شب جمعہ گزر چکی تھی اور ماہ صفر کے دوسرے جمعہ کی آمد آمد تھی۔

❑❑

ساتواں باب

فتنۂ تحکیم

رات گذری صبح ہوئی ،آفتاب کی شعاعیں ہر طرف پھیل گئیں ،امیر المومنینؑ کی فوجیں جو مارتی کاٹتی معاویہ کی طرف بڑھتی جاتی تھیں ،نئی سو علم استادہ دیکھ کر دفعتہ ٹھٹک کر رہ گئیں ۔ان علموں کے نہ تو پھر ہرے ہوا میں لہرا رہے تھے ،نہ ان کی شکل ہی عام جھنڈ وں کی سی تھی جو ہاتھوں میں اُٹھائے جاتے ہیں ،بلکہ وہ جھنڈے نیزوں اور تلواروں میں باندھے گئے تھے اور گھوڑے کی پیٹھوں پر اونچے کیے گئے تھے۔

امیر المومنینؑ کی فوج دیر تک سپاہ شام کو غور کی نگاہوں سے دیکھتی رہی ۔سناٹا سا سارے لشکر پر طاری تھا ۔نہ تو ہتھیاروں کی جھنکار تھی نہ قدموں کی چاپ تھی ۔سب خاموش بے حس و حرکت کھڑے تھے ۔ہاتھوں میں تلوار نیچے لٹکی ہوئی تھی ۔نیزے جھکے ہوئے تھے اور کمانیں اُتری ہوئی تھیں ۔گرد و غبار کی دھند اتنی چھائی ہوئی تھی کہ پتہ نہیں چلنے پاتا کہ آخر یہ قصّہ کیا ہے ۔امیر المومنینؑ کے سپاہی ابھی سوچ ہی رہے تھے کہ دفعتہ لشکر معاویہ کی طرف سے یہ آواز بلند ہوئی

''عراق والو! یہ خدا کی کتاب ہمارے اور تمھارے درمیان ہے۔''

حملہ آوروں پر دہشت طاری ہوگئی ۔آواز کی طرف فوراً ہی سب کے کان لگ گئے ۔نظریں اس نیزہ پر جا پڑیں جس پہ دمشق کا مصحف اعظم آویزاں تھا ۔ایک مرتبہ پھر وہی آواز سناٹے کو چیرتی ہوئی کانوں میں آئی:

''یہ خدا کی کتاب ہمارے اور تمھارے درمیان ہے''

اسی کے ساتھ دمشق کے مصحف اعظم میں حرکت پیدا ہوئی ۔اس کے عقب میں سیکڑوں ویسے ہی جھنڈے لہرانے لگے اور پھر فریاد کی آواز بلند ہوئی:

''اے گروہ عرب خدا سے ڈرو اپنی عورتوں اور لڑکیوں پر رحم کرو ۔اپنے دین کا خیال کرو۔

''اگر تم ہمیں قتل کرو گے تو ہمارے بال بچوں کا کیا بنے گا اور اگر ہم تمھیں قتل کریں گے تو تمھارے بال بچوں کا کیا حشر ہوگا اگر اہل شام نہ رہے تو مغربی سرحدوں کی حفاظت کون کریگا اور اگر اہل عراق نہ رہے تو مشرقی سرحدوں کی حفاظت کس طرح ممکن ہوگی۔

کون روم والوں سے جہاد کریگا، کون ترکوں سے مقابلہ کرے گا، کون کفار کے حملوں کو روکے گا۔“

ان صداؤں کے لفظ لفظ میں گڑگڑاہٹ تھی۔ ہر ہر حرف میں نوحہ و ماتم تھا۔ مخفی ندامت تھی۔ ان آوازوں کو سن کر جن لوگوں کے دل نرم تھے، تڑپ تڑپ اُٹھتے۔ بہتوں کی آنکھیں آبگوں ہوگئیں، ہر طرف دہائی مچی ہوئی تھی۔ بار بار فریاد کی آوازیں بلند ہوتی تھیں۔

”یہ خدا کی کتاب ہمارے اور تمھارے درمیان ہے۔“

امیر المومنینؑ کے سپاہی اس طوفان میں غرق ہو کر رہ گئے۔

ہر طرف دھیمے لب ولہجہ میں باتیں ہونے لگیں۔ ہر قبیلہ و ہر گروہ میں مدھم آوازوں کی بھنبھناہٹ تھی، یہاں تک وہ لوگ جنھوں نے خاموش رہنا مناسب سمجھا تھا، اُن کے دل بھی ان فریادوں سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہے۔

مالک اشتر بہت ناراض ہوئے، اپنے ساتھیوں کو نرم پڑتے دیکھ کر اُنھیں بڑی غیرت معلوم ہوئی۔ ان لوگوں کے ہاتھ اتنے ڈھیلے ہو رہے تھے کہ معلوم ہو رہا تھا اب اسلحے چھٹ کر گر پڑیں گے بڑھتے ہوئے قدم سُست پڑ گئے۔ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ اسکی وجہ کیا ہے کہ یہ لوگ تھک گئے ہیں یا اب لڑائی ہی سے گریزاں ہیں۔

انھوں نے چیخ کر کہا:

”صبر سے کام لو گروہ مسلمین صبر سے کام لو۔“

لڑائی کے تمام اوقات میں مالک اشتر کا یہی نعرہ رہا۔ ہر مرحلہ کو اُنھوں نے اسی نعرہ کے ساتھ طے کیا۔ منٹ منٹ پر وہ اپنے ساتھیوں کو للکارتے۔ اُن کا حوصلہ بڑھاتے اور ہر معرکہ میں آگے آگے رہتے ایسی دلیری و جوانمردی سے لڑتے کہ لوگ مبہوت ہو کر ان کی لڑائی کا تماشا دیکھتے اس طرح ٹوٹ ٹوٹ کر خطروں میں گرتے کہ دیکھنے والوں کے منھ سے چیخ نکل جاتی۔ اُن کے ساتھی اُن کے پیچھے پیچھے رہتے جیسے سحر کر دیا گیا ہو اُن پر۔ نہ اپنی جان کی پروا ہوتی نہ اپنے بچاؤ کا خیال ہوتا تھا۔ اُن کے ایک ساتھی نے اُن کی اس ہولناک جنگ کو دیکھ کر کہا:

”کیسا آدمی ہے یہ آخر! کاش کوئی مقصد بھی ان کا ہوتا“۔

دوسرے ساتھی نے فوراً جھڑکا:

”اس مقصد سے بڑھ کر اور کون مقصد ہوگا۔ تمہاری ماں تمھارے ماتم میں بیٹھے۔“

واقعہ یہ ہے کہ مالک اشتر کی جوانمردی، ثابت قدمی اور امام کی وفاداری میں کسی کو بھی شبہ نہیں ہوا اور اُن کا مقصد ہمیشہ یہی رہا

کہ وفا کے آخری نقطہ پر پہونچ جائیں وہ ایسے ہی تھے اور ایسے ہی رہے یہاں تک دفعتہ ان کی موت آپہونچی جس نے اُن کے متعلق یہ فقرہ کہا ہے ایک ایک حرف سچ کہا ہے کہ

''میں ایسے شخص کے متعلق کیا کہوں جسکی زندگی نے شام والوں کو شکست فاش دی اور جس کی موت نے عراق والوں کو شکست دیدی۔''

معاویہ منتظر تھے کہ ہمارا مکر کیا رنگ لاتا ہے اور اشتر آگے بڑھتے جاتے تھے۔ انھیں اس فریاد وزاری کی کوئی پروانہ تھی گویا وہ نہ کچھ سنتے ہی تھے نہ دیکھتے ہی، اُن کے چہرے پر کسی قسم کی نرمی و رحمدلی کے آثار نہ تھے جس طرح امیر المومنینؑ کے بقیہ ساتھیوں کے چہرے پر تھے۔ بھیانک موت تھی جو منھ کھولے ہوئے معاویہ کی طرف بڑھی جارہی تھی اور مسافت رفتہ رفتہ سمٹتی جارہی تھی۔

مگر ان سب کے باوجود معاویہ کسی حد تک مطمئن سے ہو چکے تھے، اضطراب گھٹنے لگا تھا اور دل کی دھڑکن بھی کم ہونے لگی تھی۔ اُن کی نگاہیں مالک اشتر کے سپاہیوں سے گذر کر امیر المومنینؑ کی ان صفوں پر تھیں جنھیں رحمدلی نے اپنے قابو میں کرلیا تھا وہیں انھیں امید کی کرن اور اپنے درد کا مداوا نظر آرہا تھا۔ ان صفوں میں شگاف پڑ چکا تھا اور اسی شگاف کے راستہ گھس کر وہ اپنا مقصد حاصل کرنے کے پھیر میں تھے۔

(۲)

فریاد کی آوازیں جو صبح کے وقت لشکر شام میں بلند ہوئیں وہ پہلی آوازیں نہ تھیں۔ اس سے پہلے رات ہی کے وقت ایسی آوازیں اُٹھ چکی تھیں لیکن وہ اکادکا آوازیں تھیں۔ کبھی اس طرف سے آواز بلند ہوجاتی تھی کبھی اس جانب سے۔

لڑائی کے دوران میں قبیلہ ازد کا ایک بوڑھا شخص اپنے قبیلہ اور اُن لوگوں کا جو حضرت علیؑ کی طرف سے لڑتے ہوئے مارے گئے تھے ماتم کررہا تھا اور یہ کہہ رہا تھا:

''خدا کی قسم ہم اپنے ہاتھوں کو خود اپنے ہاتھوں سے کاٹ رہے ہیں اور اپنے بازوؤں کو خود اپنی تلوار سے قطع کررہے ہیں''

لیکن یہ آوازیں کمزور اور دھیمی تھیں۔ عراق کے کچھ لوگوں نے سنا کچھ نے نہیں سنا۔

البتہ ایک شخص نے بہت کان لگا کر ان آوازوں کو سنا اور وہ اشعث بن قیس تھا۔

............صعصعہ سے روایت کرتا ہے کہ جس رات معاویہ اور علیؑ کی فوجوں کے درمیان سخت مقابلہ ہوا اور لیلتہ الھریر کی یاد تازہ ہوگئی اس رات اشعث کے منھ سے چند الفاظ ایسے نکلے جو معاویہ تک بھی پہونچ گئے۔ معاویہ نے ایسے وقت میں ان الفاظ کو بہت غنیمت جانا اور فوراً اُنکے ذہن نے انکو یہ تجویز سمجھائی۔ وہ الفاظ کیا تھے؟ اس رات اشعث اپنے قبیلہ کندہ کے سامنے کھڑا

ہوااورحمد وثنا کے بعد یہ تقریر کی:

''اے مسلمانو! تم نے دیکھا آج کے دن تم پر کیا گزری اور عربوں کی کس قدر کثیر تعداد میدان میں ماری گئی۔ میں بوڑھا ہو گیا ہوں مگر خدا کی قسم میں نے جس قدر ہولناک نظارہ آج کے دن دیکھا ہے پہلے کبھی نہیں دیکھا۔ دیکھو جو شخص میری بات سن رہا ہو وہ دوسرے شخص کو پہونچا دے کہ ہمیں یہ تہیہ کر لینا چاہیے کہ ہم کل نہیں لڑیں گے کیونکہ عرب کثرت سے مارے جا رہے ہیں اور ناحق مسلمانوں کا خون ہو رہا ہے۔ خدا کی قسم میں یہ باتیں جنگ سے ڈر کر یا بزدلی سے نہیں کہہ رہا ہوں بلکہ مجھے مسلمانوں کی عورتوں اور بچوں پر ترس آ رہا ہے۔ اگر کل تم مارے گئے تو ان غریبوں کا کیا حال ہوگا۔'' (خلفائے محمد عمر ابوالنصر ص ۱۱۶)

اشعث کی یہ تقریر صرف اسکی قوم کندہ والوں پر اثر انداز نہ ہوئی بلکہ دوسرے لوگ بھی اس سے بڑی حد تک متاثر ہوئے۔ دیکھنے میں یہ ایک خاص شخص کا مشورہ ایک خاص قبیلہ والوں کے لیے تھا مگر رفتہ رفتہ امیر المومنینؑ کے پورے لشکر میں اس کی تشہیر ہوئی۔ ایک نے دوسرے کو پہونچایا، حاضر نے غائب کو اس سے آگاہ کیا، ایک متعدی بیماری تھی اشعث کی جس میں اچھے اچھے تندرست وصحت مند افراد مبتلا ہوئے۔

یہ اشعث پرانا منافق تھا۔ ایک زمانہ میں تو یہ مرتد ہی ہو گیا تھا مگر تلوار کی ضربوں نے پھر اسے مسلمان بننے پر مجبور کر دیا تھا۔ جنگ صفین میں پھر اُسنے وہی سبق دہرایا۔ کل کی بات تھی کہ جب صفین کی جنگ زوروں پر ہو رہی تھی، معاویہ کے بھائی عتبہ بن ابی سفیان نے اُسے بہکانے کی کوشش کی تھی، اس وقت تو بات رفت گذشت ہو گئی تھی مگر آج اُسے اپنی فطرت کے مظاہرہ کا پورا موقع ہاتھ آ گیا۔ لیلۃ الہریر میں جب کہ امیر المومنینؑ کا لشکر فتحیابی کے بالکل قریب پہونچ چکا تھا، حق کا بول بالا ہونے والا تھا، اس مرتد و مغرور نے خود بھی کمزوری ظاہر کی اور دوسروں کو بھی کمزور بنانے کی کوشش کی۔ حالانکہ شام والوں کی فریادیں ابھی پوشیدہ ہی پوشیدہ تھیں۔

یہ انقلاب آخر ہوا کیسے؟ کس چیز نے اشعث میں اتنی بڑی تبدیلی پیدا کر دی؟ کہاں تو جنگ میں اس کی اتنی کدوکاوش اور کہاں جنگ روکنے کے لیے اتنا اصرار۔

یہ چیز بہرحال ناگہانی نہ تھی۔

''ان واقعات کی چھان بین کرنے سے جو جنگ صفین کے درمیان پیش آئے پتہ چلتا ہے کہ یہ فتنہ خود بخود نہیں پھوٹ پڑا بلکہ اسکے لیے بہانے سے زمین ہموار کی گئی اور اس کے تار لانے والے پس پردہ موجود تھے۔ ہمارا یقین ہے کہ معاویہ نے کامیابی حاصل کرنے اور اپنے اغراض کی تکمیل کے لیے اثناء جنگ میں کئی حیلوں سے کام لیا اور جو چاہتے تھے وہ حاصل کر لیا

۔یہ امر یقینی ہے کہ علیؑ کی فوج میں کئی لوگ ایسے تھے جو معاویہ کیطرف سے کام کر رہے تھے۔ظاہر ہے کہ جنگ کے پہلے دن اشعث کی یہ حالت نہ تھی۔وہ کیا چیز تھی جس نے اُسے اس دن کے اندر اندر بالکل بدل دیا اور وہ علیؑ اور اشتر کا زبردست مخالف بن گیا۔حضرت علیؑ کی اس نے ایک نہ سنی اور اپنی من مانی کی اور اشتر کے ساتھ ایسا رویہ اختیار کیا جیسے کہ وہ اسکا زبردست دشمن ہو۔

بہت ممکن ہے کہ معاویہ نے اسے اس دوران میں ترغیب وتحریص سے اپنی طرف ملا لیا ہو اور معاویہ کی عقلمندی اور عمر وعاص کی تدبیر سے یہ بات کوئی بعید بھی نہیں۔" (خلفائے محمد عمر ابوالنصر حالات علی ابن بی طالبؑ)

معاویہ کو بھی اشعث کی یہ تقریر جاسوسوں کے ذریعہ معلوم ہوگئی۔انھوں نے بڑی پسندیدگی کا اظہار کیا اور جی کھول کر ستائش کی:

"پروردگار کعبہ کی قسم اشعث نے بالکل ٹھیک کہا۔۔"

اگر ہم لوگ کل بھی اسی طرح لڑے تو رومی شام پر چڑھ جائیں گے اور ہماری عزتیں برباد کردیں گے۔فارس والے عراق پر چڑھ آئیں گے اور اُن کی عورتوں کی ناموس لوٹ لیں گے۔۔۔۔خدا کی قسم اشعث نے سچ کہا ہے۔اس حقیقت کا صاحبان عقل و خرد ہی کو بخوبی انداز ہو سکتا ہے۔"

معاویہ اپنے رفیق عمرو عاص کے پاس مشورہ کے لیے دوڑے گئے اور عمرو عاص نے جو آخری تدبیر سوچ رکھی تھی اور جو چال صبح کو چلنے والے تھے اسکی تمام تفصیلات سے اُنھیں آگاہ کیا۔

ادھر یہ ہو رہا تھا اُدھر امیر المومنینؑ کے لشکر میں اختلاف کے آثار ظاہر ہونے لگے تھے۔اشعث نے جو تقریر کی تھی وہ ایک دوسرے کو منتقل ہو کر پہنچ رہی تھی۔زہر برابر پھیلتا جا رہا تھا۔جن لوگوں کے اعزہ واقارب اس جنگ میں کام آئے تھے اُن پر پورا پورا اثر ہوا،ہنگامہ برپا ہوگیا۔ہاتھا پائی کی نوبت آگئی،ہر شخص اپنی سی کہتا۔کوئی کہتا کہ جنگ جاری رہنا چاہیے،کوئی کہتا تھا کہ ہم ان لڑائیوں سے تنگ آگئے ہیں،ہمارے سب بہادر ہلاک ہو چکے ہیں اب ہمیں ہاتھ روک لینا چاہیے تاکہ باقی آدمی ہلاک نہ ہو جائیں۔

عدی ابن حاتم نے امیر المومنینؑ کی خدمت میں عرض کی:

"یا امیر المومنینؑ! یوں تو سب ہی ہلکان ہوئے ہیں مگر ہم میں بہ نسبت شامیوں کے ابھی دم باقی ہے وہ لوگ اب گھبرا اٹھے ہیں اور اُن کے گھبرانے کا لازمی نتیجہ یہی ہے کہ جیت آپکی ہوگی آپ لڑائی جاری رکھئے۔"

عمر ابن حمق نے کہا:

"امیر المومنینؑ! حق کی جیت یقینی ہو چکی ہے۔آپ کی موجودگی میں ہماری رائے کا کوئی سوال نہیں جیسی آپ کی مرضی ہو عمل میں لائیے۔"

مالک اشتر نے عرض کی:

''حضور لوہے کو لوہے سے کاٹئے اور خدا پر بھروسہ رکھئے۔''

تقریباً سب ہی کی خواہش تھی کہ جنگ اسی زور وشور سے جاری رہے اور اُس وقت تک ہم لڑتے رہیں جب تک فیصلہ کن کامیابی نہ ہو جائے۔ صرف ایک اکیلے اشعث نے اس رائے کی مخالفت کی۔ اس نے نہ تو اکثریت کی رائے کی پروا کی نہ اپنے ساتھیوں کا مشورہ تسلیم کیا۔ وہ برابر اپنی رائے پر اصرار کرتا رہا۔ اس کا تقاضہ تھا کہ یہ جنگ بہر حال بند ہونی چاہیے۔ اصرار بڑھتے بڑھتے غیظ وغضب کی صورت اختیار کر گیا، معلوم ہوتا تھا جیسے وہ زبردستی اپنی بات منوانا چاہتا ہے۔

''ہم آج بھی آپ کے ویسے ہی وفادار ہیں جیسے کل تھے۔ اس وقت ہماری وہ پوزیشن نہیں جو کل تھی۔ ہماری پوری جماعت میں کوئی ایسا نہ ہوگا جو مجھ سے بڑھ کر عراق کا ہمدرد ہو اور شام والوں کا دشمن ہو۔ آپ شام والوں کی بات مان لیجئے اور کتاب خدا پر اس کا فیصلہ رکھئے۔ آپ کتاب خدا پر عمل کرنے کے اُن سے زیادہ حقدار ہیں۔ لوگ اب زندہ رہنا چاہتے ہیں لڑائی سے بے زار ہو چکے ہیں۔''

امیر المومنینؑ نے اُسے دھیما کرتے ہوئے کہا:

''اس معاملہ میں خوب غور وفکر کی ضرورت ہے۔''

مگر اشعث اپنی رائے سے ہٹنے کے لیے تیار نہ تھا، نہ اُسے یہی منظور تھا کہ میری رائے کے ہوتے ہوئے دوسری رائے پر توجہ کی جائے یا میری رائے پر کسی قسم کا بحث ومباحثہ کیا جائے۔ اس نے سپاہیوں میں اپنے خیالات پھیلانے شروع کیے۔ چپ رہنے پر بھی اکتفا نہ کی بلکہ لڑائی روکنے کے لیے اپنی زبان سے سب سے بڑھ کر کام لیا۔

اُس وقت لڑائی پورے زور وشور سے جاری تھی اور جنگ کی آگ تیزی سے بھڑک رہی تھی۔

ٹھیک اسی بحث وتکرار کے موقع پر مالک اشتر نے اپنے ساتھیوں کو پکار کے کہا تھا:

''صبر سے کام لو اے گروہ مومنین صبر سے کام لو''۔

وہ اپنی مہم پر روانہ ہوئے۔ اشعث کی باتوں نے اُن کے عزم وارادہ میں سستی نہ پیدا ہونے دی، نہ اُنکے ہاتھ ہی ڈھیلے پڑے۔ جس لڑائی کو وہ پیچھے چھوڑ آئے تھے وہ ان کے نزدیک زیادہ قابل توجہ تھی بہ نسبت ایسی بحث وتکرار کے جس کا حاصل کچھ بھی ہونے والا نہ تھا۔ ان کا خیال تھا کہ یہ بے کار سی تکرار ہے زیادہ طول نہ ہوگا حق واضح ہو چکا ہے کامیابی یقینی ہو چکی ہے، چند قدم پر معاویہ کا خیمہ رہ گیا ہے، وہاں تک پہونچے اور دشمنوں کا آخری ٹھکانا بھی ختم ہوا۔ دشمن کا قصہ پاک ہوتے ہی ساری بحث وتکرار دھری رہ جائے گی اور طرح طرح کی باتیں کرنے والے اپنے آپ خاموش ہو جائیں گے۔

وہ پوری دل جمعی سے آگے بڑھے۔فریاد کی آوازیں گونجا کیں۔شام والے دہائی دیتے رہے مگر انھوں نے اس کا نوٹس تک نہ لیا، نہ اُن کے چہرے پر ذرہ برابر بھی رحمدلی ونرمی کے آثار پیدا ہونے پائے۔

معاویہ کے بدن میں تھرتھری پڑگئی، حیران تھے کہ ہم نے جو چال چلی ہے وہ رنگ کیوں نہیں لاتی۔امیر المومنینؑ کی صفوں میں رات کو جو رخنہ ہماری سازشی کاروائیوں سے پیدا ہوگیا تھا وہ بجائے چوڑا ہونے کے تنگ کیوں ہوتا جارہا ہے۔معاویہ کے حوالی موالی بھی اس آخری تدبیر کو ناکام ہوتے دیکھ کر بلبلا اُٹھے وہ چیخے:

''معاویہ! ہمیں تو اس کے آثار نظر نہیں آتے کہ عراق والوں نے ہماری درخواست قبول کرلی ہے......

تم نے رحم کی درخواست کرکے اُن کو اور شیر کر دیا ہے اور اپنے بارے میں انھیں لالچ دلا دی ہے۔''

معاویہ کسی بات پر توجہ نہ دیتے تھے اُن کی نگاہ عالم خیال میں اب بھی امیر المومنینؑ کی صفوں میں چکّر لگا رہی تھی۔انھیں نظر آرہا تھا کہ ہماری سازش وہاں بارآور ہورہی ہے۔

اشعث بن قیس بار بار جنگ بند کرنے کے لیے اصرار کررہا تھا۔مالک اشترؓ آنکھ بند کئے ہوئے معاویہ کی طرف بڑھتے رہے۔وہ نہ فریاد کی آوازوں پر کان دھرتے تھے اور نہ ان مصاحف پر نگاہ ڈالتے تھے جو اُنکے سامنے نیزوں پر مثل جھنڈے کے بلند تھے۔

(۳)

امیر المومنینؑ ان لوگوں پر جو اصحاب معاویہ کی فریاد سننے اور اُن کی درخواست ماننے پر مصر تھے برس پڑے۔

''یہ لوگ بات تو سچی کہتے ہیں (کہ قرآن سے فیصلہ ہوجائے) مگر ان کی نیت کچھ اور ہے، اس کے ذریعہ باطل کا اظہار کرنا چاہتے ہیں۔''

لیکن وہ لوگ برابر اصرار ہی کرتے رہے۔ان لوگوں نے اپنی آنکھیں بند کرلیں، جس طرح شتر مُرغ صیاد کے دام کو دیکھ کر آنکھیں بند کرلیتا ہے۔یہ لوگ وہ تھے جو خوشنودی خدا کے لیے اپنے گھر بار کو خیرباد کہکر جنگ کے لیے نکلے تھے۔انھوں نے ہر معرکہ میں دادِ شجاعت دی۔دشمنوں کو قتل بھی کیا اور خود بھی قتل ہوئے۔آج اُن کی ہمتیں سُست پڑگئیں درانحالیکہ کامیابی کوئی دم کی بات تھی!

آپ نے انھیں متنبہ کرتے ہوئے فرمایا:

''بندگانِ خدا قرآن مجید کا فیصلہ سب سے پہلے قبول کرنے کا میں سزوار ہوں لیکن معاویہ، عمرو عاص ابن ابی معیط اور ابن ابی

حرح نہ دیندار ہی ہیں نہ قرآن ہی سے اُنھیں کوئی سروکار ہے۔ میں ان کو تم سے زیادہ جانتا ہوں۔ لڑکوں میں سب سے برے لڑکے تھے اور جوانوں میں بدترین جوان۔ یہ لوگ جو بات کہتے ہیں وہ تو سچ ہے لیکن اس سے مراد ان کی جھوٹ ہے۔۔۔''

پھر آپ نے نگاہ اُٹھا کر ان نیزوں کو دیکھا جن پر قرآن آویزاں تھے اور فرمایا:

''......جو کچھ یہ کر رہے ہیں وہ دھوکا اور مکروفریب ہے......''

بندگانِ خدا گھڑی بھر کے لیے اپنے بازو اور سر مجھے عاریت دیدو۔ فتح بہت قریب ہے اور ظالموں کی جڑ کٹنے میں تھوڑی ہی دیر رہ گئی ہے......''

بہت تھوڑے لوگوں نے رضامندی ظاہر کی مگر اکثریت ہٹ دھرمی ہی پر تلی رہی ایک جماعت نے آپ کی تائید میں نعرے بلند کیے:

''ہم لڑیں گے ہم ان شام والوں سے اسی طرح لڑیں گے جس طرح کل لڑ رہے تھے۔''

مگر ان کی آوازیں مخالفین کے نعروں میں دب کے رہ گئیں۔

''ہمیں لڑائی نے کھالیا ہے۔ ہمارے بہت سے آدمی مارے جا چکے ہیں۔ شام والے جس امر کی آپ کو دعوت دے رہے ہیں اُسے قبول کر لیجئے کہ ہم لوگ فنا ہونے کے قریب ہیں۔''

افراتفری مچ گئی۔ غول کے غول مخالفین کے میدان سے ہٹ ہٹ کے آپ کے اردگرد اکٹھا ہو گئے۔ ان کے جسموں پر زرہیں تھیں، چہروں پر خود تھے، ہاتھوں میں اسلحے تھے، لڑائی چھوڑ چھوڑ کر لوگ اکٹھا ہونے لگے۔ کوئی ادھر سے آیا کوئی ادھر سے، کچھ لوگ مل کر آئے کوئی تنہا آیا، امام کی آواز گم ہو کر رہ گئی، شور فغاں، چیخ پکار، جھگڑے تکرار سے آواز سُنائی نہ دیتی تھی، کوئی بات سننے کا روادار نہ تھا، وہی لوگ جو چند لمحے پیشتر آپ کے قدموں پر جان چھڑکتے تھے۔ آپ کے اشارہ پر موت سے ٹکر لینے پر تیار رہتے، وہی اب گویا آپ سے لڑنے بھڑنے پر تیار تھے۔

رات کے پچھلے پہر سے لے کر دن چڑھنے تک بازی پلٹ گئی، رات کے وقت صرف چند ہی آدمیوں نے لڑائی کے خلاف منھ سے باتیں نکالی تھیں۔ صبح ہوتے ہوتے بے شمار افراد اُنکے ہمنوا ہو گئے۔ اقلیت اکثریت میں تبدیل ہوگئی اور اکثریت جو جنگ جاری رکھنے پر مصر تھی جب تک فیصلہ کن فتح نہ ہو جائے اسکی جان کے لالے پڑ گئے۔

آگ قابو سے باہر ہوگئی۔ امیر المومنینؑ ہر چند کوشش کرتے یہ لوگ صبر و تحمل سے کام لیں۔ تھوڑی دیر اور میدان میں ڈٹے رہیں، پھر اُس کے بعد فتح ہی فتح ہے، مسلمانوں کا شیرازہ متحد ہو جائے گا اور فتنہ و فساد و جنگ و جدل سے ہمیشہ کے لیے نجات مل جائے

مگر جن لوگوں پر معاویہ کا جادو اچھی طرح چل چکا تھا وہ ٹس سے مس بھی نہ ہوئے۔

واقعہ یہ ہے کہ سب ہی معاویہ سے نہیں مل گئے تھے۔ کچھ لوگ تو ایسے تھے جنھیں اُن کے حد سے بڑھے ہوئے زہد و پرہیز گاری نے گمراہ کیا۔ ان لوگوں نے سوچا کہ شام والے ہمیں قرآن سے فیصلہ کرانے کی دعوت دے رہے ہیں اب اگر ہم کتاب خدا کو ٹھکراتے ہیں تو دین سے خارج ہو جائیں گے۔ کچھ لوگ ایسے تھے جنھیں لڑائی نے ادھ مرا کر دیا تھا۔ اُن کے بہت سے عزیز و اقارب دونوں طرف سے لڑتے ہوئے مقتول ہوئے تھے۔ کچھ لوگ محض جوش میں آ کر لڑائی میں شریک ہو گئے تھے ایمان کی خاطر نہیں۔ کچھ لوگ ایسے تھے جنھیں معاویہ کی دنیا نے گردیدہ بنا لیا۔ اُنھیں یقین ہو گیا کہ علیؑ کے ساتھ رہ کر ہمیں دنیاوی فوائد نہیں حاصل ہوں گے نہ کوئی شان و شوکت نصیب ہو گی معاویہ کے یہاں مال و دولت بھی ملے گی اور عہدہ و منصب بھی۔

یہ چاروں قسم کے لوگ امیر المومنینؑ کے لشکر میں شروع سے نہ تھے۔ ہم پہلے ہی بیان کر آئے ہیں کہ امیر المومنینؑ کو سب سے زیادہ فکر اس کی رہتی تھی کہ لشکر میں پوری طرح اتحاد و اتفاق ہو۔ اسی وجہ سے بصرہ کی طرف جاتے وقت آپ نے ایسے لوگوں کو اپنے ساتھ نہ لیا جو خوشی خاطر جنگ میں شریک ہونے پر تیار نہ تھے۔ بہت سے جتھے راہ میں آ کر ملتے اور ساتھ چلنے کی درخواست کرتے مگر آپ انکار کر دیتے ''جب تمھاری ضرورت ہو گی تو دیکھا جائے گا'' آپ کی مصلحت اس کی بھی گوارا نہ ہوئی کہ لشکر میں ایسے آدمی کو ساتھ رکھیں جن پر ذرہ برابر بھی قتل عثمان میں شرکت کا شبہ ہو۔ لیکن جنگ جمل میں فتحیابی کے بعد آپ کے لشکر میں بہت سے لوگ ایسے آ کر شریک ہو گئے جن کی شرکت پر آپ دل سے رضامند نہ تھے۔ اس وقت عامۃ الناس کی وہی کیفیت تھی جو ہر زمانہ اور ہر جگہ کے لوگوں کی ایسے موقع پر ہوا کرتی ہے۔ آپ چونکہ فاتح تھے اس لیے سبھی آپ کے گرد اکٹھا ہو گئے۔

سال گزشتہ ماہ جمادی الثانیہ میں جنگ جمل ہوئی تھی۔ اسی وقت سے چار جانب کے مسلمان آپ کے لشکر میں شامل ہونے لگے حکومت کے باغی سے لڑنے کے لیے اُنھیں مختلف قسم کے لوگوں سے جنگ صفین میں آپ کا لشکر مرتب تھا۔ ان لوگوں کو ناز تھا کہ ہم پیغمبرؐ کے ابن عم کے طرفدار ہیں۔ جائز اور شرعی حقدار خلافت کا ساتھ دے رہے ہیں۔ ظاہراً ان لوگوں کا مقصد یہی تھا کہ حق کا بول بالا ہو اور باغیوں کی سرکوبی ہو مگر باوجود ان سب باتوں کے لوگوں کے نفوس اُن کمزوریوں سے خالی نہ تھے جو عموماً ہر انسان میں ہوا کرتی ہیں۔ شہرت کی تمنا، دولت کی لالچ۔ سرداری کی ہوس، شروع میں تو وہ خلوص نیت ہی سے شریک ہوئے خدا و رسول کی خوشنودی امام کی اطاعت اور دینی اقدار کی بقا و استحکام کی خاطر لیکن اب جنگ کی تباہکاریوں نے اُن کے حواس رخصت کر دیے۔ پہلے دل کی آنکھوں سے کام لیتے تھے اب ظاہری آنکھوں سے دیکھنے لگے۔ ان کی حالت دگرگوں ہو چکی تھی۔ اب وہ روح کی بلندیوں سے گر کے مادہ کی سرزمین پر کھڑے تھے۔ آنکھیں کھلی تھیں، دل بند تھے۔ نفوس حاضر تھے مگر روح

غائب تھی۔ دیکھنے میں وہ انسانی پیکر تھے سنتے بھی تھے اور دیکھتے بھی لیکن سننے کے بعد اس پر غور و فکر کرنے صلاحیت مفقود ہو چکی تھی۔

امیرالمومنینؑ نے دل تنگ ہو کر فرمایا:

''تم برابر میرے فرمانبردار رہے اور میں اپنی مرضی کے مطابق تم سے کام لیتا رہا یہاں تک کہ لڑائی نے تمھیں کسی قدر ہلکان کر دیا۔ مگر اتنا تو غور کرو کہ ہلکان ہونے کے بعد تم میں دم باقی ہے۔ دشمن تو اتنا ہلکان ہوا ہے کہ اس میں دم بھی باقی نہیں رہا، جنگ نے تو انھیں بالکل ہی لب گور کر دیا ہے......

کسی شخص نے بولنا چاہا:

......اے امیرالمومنینؑ......

مگر آپ نے بولنے کی مہلت نہ دی اور اپنی بات پوری کرتے ہوئے کہا:

''......میں کہاں کا امیرالمومنین؟ کل تک میں ضرور امیرالمومنین تھا لیکن آج مامور ہوں، پہلے حاکم تھا اب محکوم ہوں۔ تمھیں زندگی سے پیار ہو گیا ہے جنگ سے جان چراتے ہو۔ مجھے یہ حق کہاں ہے کہ تمھیں مجبور کر کے وہ کام لوں جسے تم کرنا نہیں چاہتے۔''

امیرالمومنینؑ شکستہ خاطر ہو کر بیٹھ رہے کہ جب تم ہماری سنتے ہی نہیں تو جو دل میں آئے کرو یہ لوگ آپ کے گرد حلقہ کر کے کھڑے ہو گئے کوئی موافق تقریر کرتا تھا کوئی مخالف۔

(۴)

صلح کی بات چیت تمام لشکر میں پھیلتی گئی۔ امیرالمومنینؑ کی تنبیہ روک سکی نہ موافقت کرنے والوں کی موافقت، نہ مالک اشتر کی مستعدی جو اپنے تھوڑے سے ساتھیوں کو لیے معاویہ کے خیمہ کے پاس مصروف جنگ تھے۔

سپاہی کمریں کھول کھول کر لڑائی سے کنارہ کش ہونے لگے لیے کوئی یہاں بیٹھ رہا کوئی وہاں۔ جب صلح ہی ہونے والی ہے تو لڑنے کی ضرورت ہی کیا۔ کمانیں اُتر گئیں، تلواریں نیام میں چلی گئیں۔ دوسری طرف قرآن نیزوں پر بلند تھے اور دہائی تھی کہ ''یہ خدا کی کتاب ہے''، کسی اور حصہ میں کھلی بغاوت کے آثار نظر آرہے تھے۔ اب شور و شغب بس اسی طرف تھا جدھر اشتر بڑھ رہے تھے۔ یہ لڑائی کی چیخ پکار بس معاویہ کے خیمہ کے آس پاس تھی۔ اتنے میں آپ کے لشکر کے کئی ہزار آدمی زرہ بکتر پہنے اور تلواریں لٹکائے آپ کے پاس آئے۔ اُن کی پیشانیاں سجدوں کی وجہ سے سیاہ ہو گئی تھیں۔ ان لوگوں میں پیش پیش مسعر بن فدکی، زید بن حصین تھے۔ جو بعد میں خارجی ہو گئے۔ اُنھوں نے آپ کو امیرالمومنینؑ کہنے کے بجائے آپ کے نام سے پکارا اور کہا:

''اے علیؑ! آپ کتاب کے فیصلہ کی طرف آئیے جبکہ آپ کو اسکی طرف بلایا جا رہا ہے اور لڑائی بند کرنے کا حکم دیجئے ورنہ ہم

آپ کو قتل کر دینگے۔"

امیرالمومنینؑ نے فرمایا:

"وائے ہو تم پر! کتاب خدا کی طرف دعوت دینے والا پہلا شخص میں ہوں اور کتاب خدا کا فیصلہ قبول کرنے کے لیے سب سے پہلے تیار ہوں۔ نہ تو میرے لیے جائز ہی ہے اور نہ میرے مذہب میں اسکی گنجائش ہی ہے کہ میں کتاب خدا کی طرف بلایا جاؤں اور اُسے قبول نہ کروں......

اُن لوگوں نے بات کاٹی۔

"تو پھر اُن کی درخواست قبول کر لیجئے۔"

"......میں ان لوگوں سے اسی لیے جنگ کر رہا ہوں تا کہ وہ قرآن کے احکام کی پابندی اختیار کریں۔ یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے احکام خدا کی نافرمانی کی ہے۔ اس کے عہد کو توڑا ہے اور کتاب خدا کو پس پشت ڈال دیا ہے۔"

اسی وقت معاویہ کے کسی آدمی نے دونوں صفوں کے درمیان قرآن کی یہ آیت پڑھی:

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ أُوتُوا نَصِيبًا مِّنَ الْكِتَابِ يُدْعَوْنَ إِلَىٰ كِتَابِ اللَّهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ يَتَوَلَّىٰ فَرِيقٌ مِّنْهُمْ وَهُم مُّعْرِضُونَ.

معلوم ہوتا ہے جیسے اشعث بن قیس ہی کو سنانے کے لیے اس آیت کی تلاوت کی گئی تھی۔ اُس نے اپنی قوم والوں سے کہا:

"خدا کی قسم ہرگز ہم اسکے مرتکب نہ ہوں گے۔"

اور امیرالمومنینؑ سے بولا:

"ہم آپ کی طرف سے ہرگز لڑنے پر تیار نہیں۔"

ساتھ ہی ہر طرف سے دھمکی بھری آوازیں بلند ہوئیں۔

یا علیؑ! قبول کرلو قبول کرلو۔"

امیرالمومنینؑ نے اُنھیں آخری بار فہمائش کرتے ہوئے کہا:

"میں تمھیں خبردار کر چکا ہوں، ان لوگوں نے مکر کیا ہے۔ فریب سے جنگ روکنا چاہتے ہیں۔ کلام اللہ پر ہرگز عمل نہیں کرینگے۔ میں جو کہتا ہوں اُسے مانو۔ مصحف ناطق میں ہوں۔ اگر میری اطاعت کرو تو ان دشمنوں سے لڑائی جاری رکھو۔"

تمام مجمع نے چیخ کر کہا:

''ہم سے یہ نہیں ہوسکتا کہ ہم کتاب اللہ کی طرف بلائے جائیں اور نہ جائیں۔''

ان لوگوں نے آپ کے گرد حلقہ کرلیا اور آپ کے منھ کے سامنے تلواریں ہلاتے اور دھمکیاں دیتے کہ اگر آپ اپنی ضد سے باز نہ آئیں گے تو ہم آپ کو قتل کر ڈالیں گے۔ اتنا ہی نہیں بلکہ پیچھے پڑ گئے کہ مالک اشتر کو جو جنگ کرتے ہوئے معاویہ کے خیمہ کے قریب پہونچ گئے تھے فوراً بلا لیجئے۔

اشتر اس وقت ٹھیک معاویہ کے خیمہ کے دروازہ پر تھے۔ وہ خیمہ میں اب گھسنے ہی والے تھے۔ کوئی ان کے سامنے ٹھہر نے نہیں پاتا نہ کسی میں اتنا دم تھا کہ اُنکی یلغار روک سکے۔ فتح و نصرت اُن کے قدموں سے لپٹی ہوئی تھی اور شکست و ہزیمت کا معاویہ کی طرف دور دورہ تھا۔ بس خیمہ میں صرف ایک شگاف پیدا کرنا باقی تھا پھر فتح ہی فتح تھی لیکن ٹھیک اسی وقت امیر المومنینؑ کا قاصد اُن کے پاس یہ پیام لایا:

''جلدی آؤ۔''

اشتر متعجب ہو کر بولے:

''اس وقت آؤں؟ حضرت سے جا کر کہو یہ موقع اس کا نہیں کہ ایک منٹ کے لیے بھی یہاں سے مجھے ہٹائیں، مجھے خدا سے قوی امید ہے کہ فتحیابی بخشے گا۔ آپ میری واپسی کے متعلق عجلت نہ فرمائیں۔''

مگر اشتر کے جواب سے بلوائیوں کی کچھ بھی تسلی نہ ہوئی۔ باوجودیکہ فتح کی علامات بالکل واضح ہو چکی تھیں، چیخ و پکار مچی ہوئی تھی اور شام والوں کے منھ سے شکست کی فریادیں بار بار بلند ہو رہی تھیں مگر وہ اپنی ضد پر اڑے رہے، غضبناک ہو کر کہنے لگے:

''ہمارا خیال یہ ہے کہ آپ ہی نے انھیں لڑائی جاری رکھنے کا حکم دیا ہے۔

''تم خود ہی انصاف کرو۔ کیا میں نے تمھارے سامنے ہی اپنا قاصد مالک اشتر کے پاس نہیں بھیجا تھا............کیا میں نے جو کچھ قاصد سے کہا تھا وہ تمھارے سامنے اعلانیہ نہیں کہا......''

''پھر بلا لیجئے ان کو اُنھیں آنا ہی پڑے گا ورنہ ہم انھیں تلواروں سے آپ کو قتل کر ڈالیں گے۔ جس طرح عثمان کو قتل کیا تھا یا آپ کو پکڑ کر دشمن کے حوالہ کر دینگے۔''

قاصد دوبارہ بھیجا گیا۔ اشتر نے اُسے دیکھ کر کہا:

''کیا یہ سب کچھ قرآن کو نیزے پر بلند کرنے کا نتیجہ ہے؟''

ہاں!

''خدا کی قسم جس وقت یہ قرآن بلند کیے گئے تھے اسی وقت میں سمجھ گیا تھا کہ اختلاف رونما ہو کر رہے گا۔''

پھر بھی اشتر فوراً نہیں پلٹے۔کچھ دیر سوچتے رہے غالباًان کے دل میں کشمکش سی برپا تھی۔کامیابی آغوش پھیلائے ان کی طرف بڑھ رہی تھی۔بڑا نادر موقع ہاتھ آیا تھا۔اتنی محنت شاقہ کے بعد قسمت نے یہ دن دکھایا تھا۔ایسا موقع ہرگز ہاتھ سے جانے دینے کے لائق نہ تھا۔

ہمارا خیال ہے کہ وہ دیر تک غور کرتے رہے ہوں گے۔ایک مرتبہ سوچا اور یہی مناسب معلوم ہوا کہ میدان جنگ میں جما رہوں۔پھر سوچا اور دیکھا کہ کامیابی بالکل سامنے ہے اور شام کی آخری لائن ٹوٹ چکی ہے اور حفاظتی دستہ معاویہ کے خیمہ کے پاس سے یوں بھاگ نکلا جیسے شکار گھائل ہو کر بھاگتا ہے۔اس موقع پر فتحیابی میں ذرّہ برابر بھی شک کی گنجائش نہ تھی اور جتنی دیر میں وہ امیرالمومنینؑ کے پاس پہونچیں گے اتنی دیر میں دشمن کا قصہ ہی پاک ہو جائیگا۔علامہ ابن ابی الحدید لکھتے ہیں:

خلص الاشتر الیٰ معاویه فاحذه بعنقه ولم یکن بقی من قوّة الشام الا کحر کة ذنب الوزغة عنه فتلها یضرب یمیناً و شمالاً .

مالک اشتر معاویہ تک پہونچ چکے تھے اور اُسے گردن سے پکڑ لیا تھا اور شامیوں کا سارا دم خم جاتا رہا تھا بس اُن میں ایسی ہی حرکت باقی رہ گئی تھی جیسے چھپکلی کو مار ڈالا جائے تو اس کی دم دائیں بائیں اُچھلتی رہتی ہے۔''

اُنھوں نے قاصد کو تقاضا کرتے ہوئے سُنا:

''مالک فتنہ رونما ہو چکا ہے۔''

''وائے ہو تم پر کیا تم دیکھ نہیں رہے ہو کہ ہماری جیت ہو رہی ہے، دشمن اسلحے پھینک پھینک کے بھاگ رہے ہیں۔کیا دیکھتے نہیں کہ خداوند عالم کتنا بڑا فضل ہم پر کر رہا ہے۔کیا مناسب ہے کہ ہم ایسی نمایاں فتح یابی ہاتھ سے چھوڑ دیں اور پلٹ کر چلے جائیں؟''۔

''کیا تم کو یہ پسند ہے کہ تم یہاں فتح یابی حاصل کرتے رہو، وہاں امیرالمومنینؑ کو لوگ قتل کر ڈالیں یا دشمن کے حوالہ کر دیں؟''۔

اشتر کے بدن میں تھرتھری پڑ گئی گویا حسرت سے کراہ کر اُنھوں نے کہا:

''خدا کی پناہ''

اشتر کا دل پہاڑ تلے جیسے دب کے رہ گیا۔وہ اُلٹے پیروں پھرے، سر جھکائے، آنکھیں بند کیے، سانس روکے اور جمے ہوئے قدم کو زبردستی اُٹھاتے ہوئے۔

(۵)

اشتر جتنا جتنا ان بلوائیوں سے نزدیک ہوتے جاتے غیظ وغضب کا پارہ چڑھتا جاتا جیسے ہی اُن کی نگاہ اُن لمبی ڈاڑھیوں اور سیاہ پیشانیوں پر پڑی اُن کے ہاتھ قبضہ شمشیر پر جم گئے۔ دانت پیستے ہوئے بولے:

''اے ذلّت وخواری کے مجسموں اور پست ہمتی کے پتلو۔۔۔''

کسی نے ان کی پھٹکار کی پرواہ نہ کی۔ اُنکے لیے یہی کافی تھا کہ اشتر واپس آگئے تھے۔

اشتر نے اُنھیں جی کھول کر برا بھلا کہا، خوب سخت وسست سنائیں، کبھی خوشامد کرنے لگتے، کبھی ڈانٹ پھٹکار کرتے، کبھی لعنت بھیجتے، اُنھوں نے اُنکی عقل وخرد سے فریاد کرتے ہوئے کہا:

''ارے ٹھیک اس وقت جب تم جیت رہے تھے اور دشمنوں نے یقین کر لیا تھا کہ تم اُن پر غالب ہو چکے ہو تم اُن کے دھوکہ میں آگئے اور قرآن کو نیزوں پر بلند دیکھ کر ہاتھ روک بیٹھے۔ یہ لوگ خدا کی قسم قرآن کے احکام اور پیغمبرؐ کی سنت کب کی چھوڑ چکے ہیں۔ ان لوگوں کو دین سے کوئی بھی سروکار نہیں۔ تم لوگ ہرگز ان کی باتوں میں نہ آؤ۔''

وہ لوگ بولے

''نہیں یہ نہیں ہوسکتا۔''

''اچھا مجھی کو تھوڑی دیر کے لیے مہلت دیدو۔''

''نہیں یہ ناممکن ہے۔''

''بس ایک مرتبہ گھوڑا دوڑا لینے دو مجھے پوری امید ہے کہ جیت ہو جائے گی۔''

''اس صورت تمھارے گناہ میں ہم بھی شریک ہو جائیں گے۔''

''اچھا یہ بتاؤ اس جنگ میں جبکہ تمھارے بڑے بڑے دیندار اور جلیل القدر افراد مارے جا چکے ہیں تم لوگ کب حق پر تھے، کیا اس وقت جبکہ تم شام والوں سے لڑ رہے تھے تو پھر جنگ سے ہاتھ روک کر تم نے باطل کو اختیار کر لیا یا اس وقت تم لوگ حق پر ہو......''

''ہم لوگ اسی وقت حق پر ہیں۔''

''تو تمھارے مقتولین جنکے فضل وشرف سے تم انکار نہیں کر سکتے اور جو واقعاً تم سے بہتر بھی تھے اس صورت میں جہنمی ہونگے۔''

ان لوگوں نے ہٹ دھرمی کرتے ہوئے کہا:

''اپنی بحث رہنے دو ہم نے جب جنگ کی تھی تو خدا ہی کے لیے کی اور اب جنگ سے ہاتھ روک رہے ہیں تو یہ بھی خدا ہی

کے لیے ہے۔''

بحث و تکرار کا کوئی نتیجہ نہیں نکلا اور اُن کی ضد اور ہٹ بڑھتی گئی۔ مالک اشتر اور اُن بلوائیوں میں انتہائی سخت و سُست باتیں ہوئیں۔ اشتر نے غضبناک ہو کر کہا:

''تمھاری پیشانی کے کالے گھٹے جو کثرت سجود سے نمایاں ہیں۔ ہم اُن کو دیکھ کر سمجھتے تھے کہ تم بڑے نمازی اور زاہد و عابد ہو۔ آج معلوم ہوا کہ تم محض ریا کار اور طالب دنیا ہو۔ تمھارا ستیاناس ہو، نہ تم کو دنیا حاصل ہوگی نہ دین۔ ہمیشہ ذلیل رہو گے۔''

مالک اشتر اُن پر کوڑا لے کر پل پڑے۔ وہ لوگ بھی کوڑے لے کر دوڑے۔ ہنگامہ برپا ہو گیا۔ قریب تھا کہ نیا فتنہ اُٹھ کھڑا ہو، مگر امیر المومنینؑ نے دونوں فریق کو روک دیا۔

اس وقت مالک اشتر نے امیر المومنینؑ سے عرض کی:

''حضور ایک حملہ اور کر لینے دیجئے ابھی قصہ ختم ہوا جاتا ہے۔''

اس پر بلوائیوں نے زور زور سے چیخنا شروع کیا:

''امیر المومنینؑ نے حکم بنانا قبول کر لیا ہے''

''ہم تمھاری بات نہیں مانیں گے تم الگ ہی رہو۔''

''امیر المومنینؑ نے تحکیم منظور کر لی ہے۔''

اشعث مجمع سے نکل کر امیر المومنینؑ کے سامنے آیا اور عرض کی:

''میں دیکھتا ہوں کہ یہ لوگ اس پر رضامند ہیں کہ شام والوں کی بات مان لی جائے اور قرآن سے فیصلہ کرانے کو قبول کر لیا جائے......''

امیر المومنینؑ نے ایک نگاہ اشعث پر ڈالی، مالک اشتر کو دیکھا، پھر اُن بلوائیوں پر نگاہ کی جو حضرت کا حلقہ کیے کھڑے تھے۔

اشعث نے پھر چاپلوسی سے کام لیتے ہوئے بات شروع کی۔ غرض یہ تھی کہ حضرت کسی طرح تحکیم کا اقرار کر لیں۔

''......امیر المومنینؑ اگر آپ فرمائیں تو میں معاویہ کے پاس جاؤں اور پوچھوں کہ اُن کا منشا کیا ہے؟''

امیر المومنینؑ نے انتہائی تلخی سے فرمایا:

''تمھارا جی چاہتا ہے تو جاؤ''

(۲)

یہ تھا انجام اس تمام جد و جہد کا۔

یہ گھڑی صفر کے آخری جمعہ کی جبکہ بلوائی آپ کو اپنے نرغہ میں لیے ہوئے تھے۔اسلئے دھمکی کے طور پر بلائے جا رہے تھے اور پورا مجمع اپنی ضد پر اڑا ہوا تھا،آخری گھڑی تھی،امیر المومنینؑ کی حکومت کی۔

اب تو آپ کے اختیار میں یہی رہ گیا تھا کہ جبراً وقہراً وہی کریں جو بلوائی چاہتے تھے۔امیر المومنینؑ دیکھتے تھے کہ یہ خود بھی تباہی کی طرف جا رہے ہیں اور مجھے بھی گھسیٹ رہے ہیں مگر آپ اُنھیں روکنے پر قادر نہ تھے اگر آپ کا کچھ بھی بس چلتا تو اُنکی ایک نہ سنتے اور آخر وقت تک اُنکی سرکشی کا مقابلہ کرتے مگر اسکو کیا کیا جائے کہ ان لوگوں نے آپ کے قدموں میں گڑھا کھود کر آپکو پوری طاقت سے اس میں گرانے کی کوشش کی۔

کتنا کتنا آپ نے چاہا کہ ان لوگوں کو حق پر روکے رہیں اور دشمن کے مقابلہ میں جس جدو جہد سے یہ گریزاں ہیں اسی جدو جہد پر اُنھیں مجبور کر کے لائیں مگر یہ سب خواب کی باتیں تھیں جو آنکھ کھلنے پر نسیا نیا ہو جاتی ہیں۔خود امیر المومنینؑ نے اپنی بے بسی کی کیا اچھی تصویر کشی کی ہے:

''خدا کی قسم! جب میں نے تمھیں تحکیم کے مان لینے کا حکم دیا تھا اگر اسی امر ناگوار (جنگ) میں تمھیں ٹھہرائے رکھتا کہ جس میں اللہ تمھارے لیے بہتری کرتا چنانچہ تم اس پر جمے رہتے تو میں تمھیں سیدھی راہ پر لے چلتا اگر ٹیڑھے ہوتے تو تمہیں سیدھا کر دیتا اگر انکار کرتے تو تمھارا تدارک کرتا تو بلاشبہ یہ ایک مضبوط طریق کار ہوتا لیکن کس کی مدد سے اور کس کے بھروسے پر میں تم سے اپنا چارہ چاہتا تھا اور تم ہی میرا مرض نکلے اس شخص کی طرح جو (پاؤں کا) کانٹا کانٹے ہی سے نکالنا چاہتا ہو حالانکہ جانتا ہے کہ کانٹا کانٹے ہی کی طرف جھکتا ہے۔''(نہج البلاغہ جلد اول)

استاد عبد انضاح عبد المقصود لکھتے ہیں:

''اس شورش وہنگامہ کے وقت مالک اشتر ہی تنہا وہ شخص تھے،جو اس المیہ کو روکتے اور بُرے انجام کو خوش انجامی سے بدل دیتے۔''

جب لڑائی نے زور پکڑا اور گھمسان کا رن پڑنے لگا تو امیر المومنینؑ کے لشکر کے قدم پیچھے ہٹ گئے تھے،فوجوں کا شیرازہ بکھر گیا تھا اشتر ہی ایک ایسا آدمی تھا اور انھیں کی جوانمردی تھی کہ اُنھوں نے بکھرے ہوئے شیرازے کو مجتمع کیا۔بھاگی ہوئی سپاہ کو پکڑ پکڑ کر ایک جگہ لائے اور اتنا شدید حملہ کیا کہ فتحیابی کوئی دم کی بات تھی۔

اُس دن جبکہ امیر المومنینؑ کے سپاہیوں نے قرآن نیزوں پر بلند دیکھ کر لڑائی سے ہاتھ روک لیے تو وہ اشتر ہی تھے جو بالکل جیت کے نزدیک پہونچ چکے تھے۔پھر آخر یہ پلٹ کیوں آئے،قصہ ختم ہی کر کے کیوں نہیں دم لیا؟ اُن پر حرف رکھنا بہت مشکل ہے لیکن اسکے ساتھ ہی ان کی طرف سے معذرت پیش کرنا بھی دشوار ہے۔یہ صحیح ہے کہ جب امیر المومنینؑ نے آدمی بھیج کر اشتر کو

واپس بلایا ہے تو اُنھوں نے واپسی میں تردد کیا۔ کامیابی یقینی ہو چکی تھی اس لیے اپنی جگہ سے ہٹنا اُنھیں بہت شاق گذر رہا تھا۔ اُنھوں نے قاصد کو جواب دیا کہ یہ وقت یہاں سے ہٹنے کا نہیں۔ پھر دوبارہ قاصد بھیجا گیا تب بھی وہ متردد تھے۔ اُنھوں نے دوسری مرتبہ بلاوے کو نظر انداز کیا یا نظر انداز کرنے کی کوشش کی اُنھوں نے قاصد سے کہا:

''وائے ہو تم پر! تم دیکھتے نہیں کہ کامیابی کوئی دم کی بات ہے؟

پھر جب وہ جبراً قہراً واپس آ بھی گئے تب بھی وہ اس پُرفریب دعوت صلح قبول کرنے پر تیار نہ ہوئے جس کے قبول کر لینے کے لیے بلوائی امیر المومنینؑ پر زبردستی کر رہے تھے۔ اُنھیں پورا یقین تھا کہ اُن کی جیت چند ہی لمحوں پر موقوف ہے۔ اُنھوں نے بلوائیوں سے خوشامد کی:

''تھوڑی مہلت اور دیدو ایک مرتبہ اور گھوڑا دوڑا لوں۔''

اُن کے اندازہ کے مطابق ان میں اور فتحیابی میں چند قدموں کا فاصلہ باقی رہ گیا تھا۔ وہ دریائے کامرانی میں اپنا ڈول بس ڈول لٹکا دینے والے تھے مگر وہ پیاسے پلٹ آئے اور اُن کا ڈول ساحل پر خالی ہی رہ گیا۔ اُنھیں خوف تھا کہ کہیں بلوائی آپ کو دھوکہ سے نہ مار ڈالیں یا آپ کو پکڑ کر دشمن کے حوالہ نہ کر دیں۔ بس اسی خوف کی وجہ سے وہ واپس آ گئے، ان کے واہمہ نے اُنھیں یہ اندوہناک منظر دکھلایا کہ جیسے امیر المومنینؑ زنجیروں اور بیڑیوں میں جکڑے ہوئے دشمن کے پاس لیجائے جا رہے ہیں یا خون میں غرق زمین پر گرے ہوئے ہیں اور آپ ہی کی فوج کے باغی سیاہ پیشانی والوں نے آپ کا خاتمہ کر دیا ہے۔ غرض اسی ہولناک انجام کے خوف نے اُنھیں کامیابی حاصل کرنے سے روک دیا اور اُنکی واپسی کے وقت سے عملی طور پر امیر المومنینؑ کی حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔

اب سوال یہ ہے کہ کیا مالک نے ایسا کر کے ٹھوکر کھائی؟ کیا اُنھوں نے لڑائی بند کر کے غلطی نہ کی؟

میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ امیر المومنینؑ کے لشکر کے بلوائی جو لڑائی بند کرنے پر زور دے رہے تھے اور بپھرے ہوئے تھے کہ شام والوں کی درخواست ضرور مان لی جائے، اُن میں کسی کی یہ جرأت نہ تھی کہ اگر اشتر میدان جنگ سے واپس آنے سے انکار کر دیتے تو وہ حضرت کو کوئی گزند پہونچا سکتے اگرچہ وہ لڑائی سرکشی پر تُل گئے تھے پھر بھی ان کا جوش وخروش مذہبی جذبات کی بنا پر تھا۔ وہ ابھی دائرۂ ایمان سے خارج نہ ہوئے تھے، تازہ تازہ فتنہ میں مبتلا ہوئے تھے۔ ان میں بہت سے ایسے تھے جو امام کی قدر و منزلت، اسلام میں سابقیت، پیغمبرؐ سے قرابت، اور انکے اسلامی خدمات سے واقف تھے اور اُن کے دل میں آپ کی ایسی محبت وعزت تھی جو اطاعت سے منحرف اور آپ کی رائے کی مخالفت پر کمر بستہ نہیں کر سکتی تھی۔

میرا خیال ہے کہ یہ اتنے اسباب اُن بلوائیوں کو حضرت کا خون بہانے یا حضرت کو دشمن کے حوالہ ہونے سے روکنے کے لیے بہت کافی تھے ۔اختلاف ابھی تازہ تازہ تھا اور اُسکی جڑیں ابھی گہری نہ ہونے پائی تھیں ۔اُنکے نزدیک معاویہ تھے ہی کیا ؟ اُن کی قدرومنزلت ہی کیا تھی؟ اگر حضرت کے بلانے پر بھی اشتر نہ آتے جنگ جاری ہی رکھنے پر تُلے رہتے تو اس میں حضرت کا قصور بھی کیا ہوتا؟ ان بلوائیوں کی دھمکیاں محض زبانی تھیں ۔زبان سے کہتے تھے لیکن ان کے اسلحے اُنکی ترجمانی نہیں کرتے تھے ۔دھمکیاں دینے کو یوں تو اُنھوں نے بہت سی دیں ۔ایک مرتبہ دھمکی دی کہ آپ ضرور شام والوں کی بات مان لیجئے ، پھر دوبارہ دھمکی دی کہ آپ اشتر کو بلا لیجئے پھر جب اشتر بلانے پر بھی نہ آئے تو سہ بارہ دھمکی دی ، کیوں نہیں اشتر نے ایسا کیا کہ جب دوسری مرتبہ آدمی اُنھیں بلانے کو بھیجا گیا تو کان بند کر لیتے وہ کچھ سنتے ہی نہیں بلکہ ڈٹے ہوئے لڑتے ہی جاتے ، اُن کی پیش قدمی آگے کی طرف ہوتی نہ کہ پیچھے کی طرف ۔یہی اشتر کے لیے مناسب بھی تھا اور اُنھیں اس کی گنجائش بھی تھی لیکن اشتر نے قیمتی موقع ہاتھ سے کھو دیا اُن کے جذبات نے اُنھیں بے بس کر دیا ۔

اشتر کی سفارش یہ کہہ کر نہیں کی جاسکتی کہ اشتر بھی مثل دوسرے افسران فوج کے ایک افسر تھے ، اُنھیں سپہ سالار کی بات ماننی واجب تھی ، نہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ اُن کا رسالہ لشکر علوی کا ایک مختصر سا حصہ تھا ، اکیلے میدان سر کرنے کی قدرت نہ رکھتا تھا ۔ان میں سے کوئی بات بھی اُن کی سفارش نہیں کر سکتی ، نہ اُن کی واپسی کو حق بجانب قرار دے سکتی کیونکہ اس گھڑی نہ تو کوئی سپہ سالار تھا نہ کوئی لشکر اور نہ کوئی فوجی ڈسپلن ۔نیزوں پر قرآن مجید کے بلند ہوتے ہی سبھی چیزیں درہم و برہم ہوگئی تھیں ۔یہاں کوئی رسالہ لڑ رہا تھا تو وہاں کسی رسالہ نے ہتھیار کھول کر رکھ دیئے تھے ۔اس دستہ میں کوئی سرگرم پیکار تھا تو اسی دستہ میں کوئی شخص لڑائی بند کرنے پر زور دے رہا تھا۔اس موقع پر وہ نظم و نسق ہی نہ تھا جو عام طور پر لڑائیوں میں ہوا کرتا ہے ۔یہاں سب اپنی من مانی کر رہے تھے ، لہذا اشتر کے لیے بھی پورا موقع تھا کہ وہ اپنی من مانی کر جاتے ۔وہ اکیلے نہ تھے اُنکے ساتھ اُن کا رسالہ تھا ، اس رسالہ کے ایک ایک سپاہی اُن کے فرمانبردار تھے ، اُن کے سامنے موقع بھی تھا جو پھر پلٹ کر آنے والا نہ تھا ۔اگر وہ پیش قدمی جاری رکھتے تو وہ فوراً ہی سپید خیمہ کے اندر ہوتے ، بلوائی ابھی حضرت کو دھمکیاں ہی دیتے ہوتے ، قاصد تیسری مرتبہ آتا ہی ہوتا کہ یہاں صفایا ہو جاتا ۔

ایسی شاندار فتح کے بعد لوگ اسکی خوشیاں مناتے ہوتے نہ کہ کسی اور طرف توجہ کرتے ، جیسے ہی خبر پھیلتی کہ دشمن بھاگ کھڑا ہوا امیرالمومنینؑ کے لشکر کے ہر قسم کے لوگ بلوائی بھی فرمانبردار بھی فتح کے ترانے گانے لگ جاتے صلح کی دہائی دینے والا کوئی نہ ہوتا ۔

مجھے تو یہ منظر دکھائی دے رہا ہے کہ جیسے ہی خبر پھیلتی کہ دشمن بھاگ کھڑا ہوا اور امیر المومنینؑ کے لشکر کے جوان ، وہ بھی جو سر

کشتی پر تلے ہوئے تھے اور وہ بھی جو فرمانبردار تھے، فتح کے ترانے گا رہے ہیں، صلح کی دہائی دینے والا اب کوئی نہیں اور جیسے میں دیکھ رہا ہوں کہ وہ سیاہ پیشانی والے عابد و زاہد لوگ تھوڑی دیر میں ہوش میں آنے لگے ہیں اور اُن کی عقل و خرد واپس آ رہی ہے جسے عمرو عاص کے فریب نے غائب کر دیا تھا اور ایسا کیوں نہ ہوتا جبکہ وہ لوگ خونریزی بند کرنے اور امن و امان کے لیے سرکشی پر تلے تھے اور اب وہی امن و امان بہت وسیع پیرائے میں اُن کے سامنے آ رہی، فتح بھی ہو گئی تھی اور اس کے نتیجہ میں خوں ریزی بھی موقوف ہو گئی تھی۔

مگر یہ سب اندازہ ہی اندازہ ہے۔

ہم بھی اندازہ لگاتے ہیں، اشتر بھی اندازہ لگاتے تھے اور اللہ نے بھی اندازہ لگایا۔

یہ بات دل کو کتنا دکھ پہونچانے والی ہے کہ جو شخص (مالک اشتر) علیؑ سے ایسی محبت رکھتا تھا جیسی آپ کے صحابہ میں کسی کو نہ تھی جو ہمیشہ آپکی نصرت و حمایت پر کمر بستہ رہا جسنے اپنی پوری زندگی آپ کی محبت و اطاعت میں ختم کر دی، وہی شخص صفر کے دوسرے جمعہ کو صفین کے ایک گوشہ سے واپس آ کر امیر المومنینؑ کی حقیقی حکومت کی آخری سطر لکھ دے۔ حالانکہ آپ کی حکومت کو شروع ہوئے صرف ایک سال اور چند مہینے ہوئے تھے۔'' (الامام علی ابن ابی طالب جلد پنجم)

کوئی شک نہیں کہ جنگ صفین اور اُسکے بُرے انجام پر کوئی بھی مسلمان ایسا نہیں جو کچاچا نہ اُٹھے، صورت ہی ایسی رونما ہو گئی کہ جتنا جتنا اس پر غور کیا جاتا ہے خون کھولنے لگتا ہے، دل میں بے ساختہ ہوک اُٹھتی ہے کہ کاش ایسا انجام نہ ہوتا! کاش یہ بلوائی عمرو عاص کے دھوکہ میں نہ آتے، کاش مالک اشتر دشمن کا صفایا کر کے دم لیتے۔ استاد عبد الفتاح کے دل میں بھی ہوک اُٹھی ہو گی کہ مالک دو ہاتھ اور بڑھ کے لگا دیے ہوتے، خیمہ تک تو پہونچ ہی گئے تھے، صرف خیمہ کو چاک کر کے گھسنا باقی رہ گیا تھا، دو گھڑی اور ٹک جاتے تو نہ پھر معاویہ ہوتا نہ قرآن پر نیزے پر بلند ہوتے اور نہ قرآن کو حکم بنانے کی فریادیں ہوتیں۔

پھر بھی ہمیں یہ کہنے میں تامل نہیں کہ اُستاد عبد الفتاح نے اپنی ان سطروں میں مالک اشتر کے ساتھ انصاف نہیں کیا۔ ہمیں یہ تسلیم ہے کہ مالک اشتر کی اُنھوں نے ہر ہر موقع پر ویسی ہی مدح و ثنا کی ہے جس کے وہ واقعاً مستحق تھے۔ مگر مالک اشتر ایسے آدمی پر جنگ صفین کے ایسے برے انجام کی ذمہ داری ڈالنا، چاہے وہ ذرہ برابر ہی کیوں نہ ہو، حقائق سے آنکھیں بند کر لینے کے مترادف ہے۔ امیر المومنینؑ کا یہ فقرہ مالک اشتر کے متعلق خود موصوف جلد سوم میں لکھ چکے ہیں کہ ''اشتر میرے لیے بالکل ویسے ہی تھے جیسا میں رسول اللہؐ کے لیے تھا۔'' اس لئے اشتر کے متعلق یہ تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کہ اُنھوں نے امیر المومنینؑ کی مرضی کے خلاف کوئی بھی قدم اُٹھایا ہو۔ ۱۳ سو برس کے بعد ہم آپ اس نزاکت حالات اور اُن پیچیدگیوں کا کیا تصور کر سکتے

ہیں جسکی وجہ سے مجبور ہو کر عین فتحیابی کے وقت مالک اشتر کو جنگ سے ہاتھ روک لینا پڑا۔ گذشتہ صفحات میں ہم استاد موصوف ہی کی کتاب سے لکھ آئے ہیں کہ امیر المومنینؑ کا لشکر مختلف عناصر سے مرکب تھا، کچھ لوگ آپ کے مخلص و جاں نثار تھے۔ کچھ لوگ ایسے تھے جنھیں معاویہ کی دنیا نے گرویدہ کر لیا تھا

بیروت کے مورخ عمر ابوالنصر کی عبارت بھی لکھ چکے ہیں کہ:

''ان واقعات کی چھان بین کرنے سے جو جنگ صفین کے درمیان پیش آئے پتہ چلتا ہے کہ یہ فتنہ خود بخود نہیں پھوٹ پڑا بلکہ اس کے لیے پہلے سے زمین ہموار کی گئی اور اس کے تار ہلانے والے پس پردہ موجود تھے............ یہ امر یقینی ہے کہ علیؑ کی فوج میں کئی لوگ ایسے تھے جو معاویہ کی طرف سے کام کر رہے تھے۔''

مصر کے مشہور فلسفی مورخ ڈاکٹر طٰہٰ حسین نے اور زیادہ وضاحت سے کام لیا ہے لکھتے ہیں:

''میرا اعتقاد یہ ہے کہ قرآن کو نیزوں پر بلند کرنے کی چال جو عمرو عاص چلے تھے یہ اُنکی اپنی طبع زاد نہ تھی۔ اس لیے نہیں کہ اُنھوں نے علیؑ کی تقلید کی تھی بلکہ کسی اور وجہ سے جیسا کہ ہم عنقریب بیان کریں گے۔ یہ کہہ دینا مناسب ہے کہ حضرت علیؑ نے جنگ جمل میں لڑائی شروع ہونے کے پہلے دونوں لشکروں کے درمیان مصحف بلند کرایا تھا۔ مطلب یہ تھا کہ دشمن پر حجت تمام ہو جائے۔ اس کا بھی تذکرہ کر دینا بہتر ہوگا کہ طلحہ و زبیر اور حضرت عائشہ کو پیغمبرؐ سے قربت و منزلت حاصل تھی۔ وہ علیؑ کو مجبور کر رہی تھی کہ وہ احتیاط سے کام لیں۔ لڑائی میں درنگ کریں اور ان لوگوں کو قرآن اور اس کے احکام کی یاد دلائیں، اس وقت تک ان لوگوں سے جنگ نہ کریں جب تک بالکل مایوس نہ ہو جائیں اور اس بات کا یقین نہ ہو جائے کہ قرآن کی طرف اُنھیں لاکھ بلایا جائے یہ نہیں آنے کے۔ پھر جب بصرہ والوں نے اس نوجوان کو جو علیؑ کے حکم سے قرآن اُٹھائے ہوئے تھا، اپنے تیروں سے چھلنی کر دیا، اُس وقت علیؑ نے کہا تھا کہ ''اب ان سے لڑنا جائز ہو گیا'' لہٰذا اگر شام والے بھی واقعاً فتنہ و فساد اور جنگ وجدل سے بچنا چاہتے ہوتے تو یقیناً وہ لڑائی کے پہلے ہی قرآن نیزوں پر بلند کرتے اور اُس کی طرف دعوت دیتے لیکن ان لوگوں نے ایسا نہیں کیا۔ کتنا کتنا اُنھیں قرآن کی یاد دلائی گئی مگر اُنھوں نے ذرہ بھی اس کا لحاظ نہ کیا۔ کتنے کتنے علیؑ کی طرف سے قاصد ان کی طرف گئے مگر کسی کی بات سے وہ راضی نہ ہوئے اور نہ رضامندگی پر آمادگی ظاہر کی۔ لہٰذا اتنے طویل عرصہ تک خوں ریز لڑائی ہونے کے بعد کہ اسی بیچ میں محرم کا مہینہ بھی آیا اور گذر بھی گیا۔ اُن کا نیزوں پر قرآن بلند کرنا محض مکر و فریب اور حیلہ سازی تھی، وہ فتنہ سے بچنا نہیں چاہتے تھے بلکہ شرمناک شکست سے بچنا چاہتے تھے۔

سب سے بڑا گمان یہ ہے کہ علیؑ کے ساتھ کئی سردار ایسے تھے کہ نہ اُن کا دل خالص تھا نہ اُن کے نفوس خالص تھے اور نہ وہ

علیؑ کے خیر خواہ ہی تھے، کیونکہ وہ اصحاب دنیا تھے اصحاب دین نہیں۔ وہ دل ہی دل میں ان دنوں کو یاد کر کے کف افسوس ملتے تھے جو زمانہ خلافت عثمان میں اُنھوں نے بسر کیے عثمان اُنھیں طرح طرح کے انعام واکرام سے سرفراز کرتے، مال ومتاع دیتے، جاگیریں عنایت کرتے۔

میں ان لوگوں میں سے صرف ایک اشعث بن قیس کندی کا تذکرہ کرنا چاہتا ہوں۔ یہ وہ شخص تھا جو پیغمبرؐ کے زمانہ میں مسلمان ہوا پھر آپکی رحلت کے بعد مرتد ہو گیا اُس نے اپنی قوم والوں کو بھڑکا کر اچھی خاصی جنگ چھیڑ دی تھی، پھر انھیں بے سہارا چھوڑ کر تیزی سے مدینہ چل دیا حضرت ابوبکر نے صرف اسکی جاں بخشی ہی نہیں بلکہ اس سے اپنی بہن ام فروہ بھی بیاہ دی۔ ابوبکر کے مرنے کے بعد حضرت عمر کا دور آیا اس زمانہ میں یہ شخص بالکل گمنام رہا۔ حضرت عثمان کے زمانہ میں پھر فروغ ہوا۔ فارس کے کسی مقام کی حکومت بھی ہاتھ آ گئی۔ جب حضرت علیؑ نے شام کی طرف روانہ ہونے کا قصد کیا تو اسے حکومت سے معزول کر دیا۔ اسکی وجہ یہ تھی کہ اشعث نے مسلمانوں کا مال خرد برد کیا۔ علیؑ نے مطالبہ کیا اُسنے ٹال مٹول کی جسکے نتیجہ میں آپ نے اُسے حکومت سے برطرف کر دیا۔ پھر آپ نے اسے اپنے ساتھ رکھا اور اس کا مزاج سدھارتے رہے۔ جب قرآن نیزوں پر بلند کیے گئے اور حکم بنانے کی دعوت دی گئی تو یہ علیؑ کو تحکیم قبول کرنے پر سب سے زیادہ مجبور کرنے والا نکلا۔

یہ بات بھی کہہ دینا ضروری ہے کہ علیؑ شام والوں کے مقابلہ میں صرف کوفہ یا حجاز ہی کے لوگوں کو لے کر نہیں گئے تھے آپ کے ساتھ بصرہ کے بھی ہزاروں آدمی تھے۔ ان میں سے کچھ لوگ تو وہ تھے جو حضرت علیؑ کے ساتھ ہو کر طلحہ وزبیر سے لڑے، کچھ وہ لوگ تھے جو جنگ جمل میں نہ آپ کی طرف تھے نہ طلحہ وزبیر کی طرف، بلکہ کنارہ کش اور گوشہ نشین رہے۔ ان دو قسم کے لوگوں کے علاوہ بے شمار افراد ایسے تھے جو جنگ جمل میں آپ کے خلاف لڑے تھے اور طلحہ وزبیر کے قتل ہونے کے بعد شکست کھا کر آپ کے ساتھ ہو گئے تھے۔ تو یہ لوگ فی الحقیقت عثمانی تھے۔ جنگ صفین میں تھے ضرور علیؑ کے ساتھ مگر خوشی خاطر نہیں، نہ خلوص قلب سے، وہ آپ کے ساتھ بادل ناخواستہ جنگ میں شریک تھے۔ وہ لوگ آپ کی طرف سے دل میں رنج وکینہ بھی رکھتے تھے کیونکہ آپ نے ان کے بہت سے افراد کو جنگ جمل میں موت کے گھاٹ اُتارا تھا اور اُن لوگوں کو شکست فاش دی تھی۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ حضرت علیؑ کے کل ساتھی مخلص نہ تھے نہ اُنھیں آپ پر ایمان واعتقاد تھا بلکہ اُن میں مخلص ومنافق دونوں تھے۔

ہم گزشتہ صفحات میں بیان کر چکے ہیں کہ محرم کے مہینہ میں جبکہ لڑائی موقوف تھی دونوں لشکروں کے سپاہی ایک دوسرے

سے ملتے جلتے۔ ایک مرتبہ ایسا بھی ہوا کہ شدید جنگ ہوئی بہت سے لوگ مارے گئے، ان مقتولین کے دفن وکفن کے لیے بھی وقتی طور پر جنگ بند ہوگئی تھی۔ غرضکہ بہت سے مواقع ایسے تھے کہ شام والے عراق والوں سے ملے، عراق والوں نے شام والوں سے ملاقات کی اور جب ایک دوسرے سے ملے ہوں گے تو نہ یہی مشکل ہے کہ پوشیدہ طور سے باتیں کی ہوں نہ یہی نا ممکن ہے کہ اُنھوں نے کچھ رائے مشورے بھی کیے ہوں۔ لہذا بہت ممکن ہے کہ اُنھیں مواقع پر اشعث بن قیس جو عراق کا شاطر اور مکار انسان تھا عمر و عاص سے ملا ہو جو شام والوں کے شاطر اور مدبر شخص تھے اور ان دونوں نے ملکر کچھ تدبیریں سوچی ہوں اور طے کیا ہو کہ لڑائی تو بہر حال جاری رہے گی۔ اگر شام والے جیت گئے تو کیا کہنا اور اگر کہیں ہارنے کا سامان نظر آیا تو قرآن نیزوں پر بلند کرا دیے جائیں گے اور اس طرح علیؑ کے لشکر میں بری طرح پھوٹ پڑ جائے گی۔

ان لوگوں نے جیسا سوچا تھا ویسا ہی ہوا بھی۔ اشعث اور اُسکے پیرووں نے علیؑ کو مجبور کیا کہ وہ جنگ روک دیں اور علیؑ کو با دل ناخواستہ اُنکی بات ماننی پڑی۔

اور میرا سب سے بڑا گمان یہ ہے کہ یہ سازش اسی حد تک نہ رہی بلکہ اس نے اس سے بڑھ کر خطرناک صورت اختیار کی اور وہ ہے حکم کے انتخاب کا معاملہ، آخر کسی غرض ہی سے تو اشعث اور اُس کے ساتھی بضد تھے کہ ابو موسیٰ ہی ہماری طرف سے حکم ہوں گے۔ اُنھوں نے علیؑ کو اتنی آزادی بھی نہ دی کہ وہ اپنے بھروسہ اور اطمینان کے کسی شخص کو حکم مقرر کر سکیں۔ وہ لوگ اچھی طرح یہ بھی سمجھتے تھے کہ ابو موسیٰ وہ شخص ہیں جنھوں نے کوفہ والوں کو علیؑ کا ساتھ دینے سے روکا تھا اور علیؑ نے اُنھیں معزول کر دیا تھا۔

تو فی الحقیقت علیؑ تحکیم قبول کرنے کے معاملہ میں مجبور و بے بس تھے اور اپنی طرف سے حکم منتخب کرنے میں بھی مجبور تھے صفین میں جو کچھ ہوا وہ ناگہانی نہ تھا بلکہ یہ سب سازشی کاروائیاں تھیں جن میں علیؑ اور معاویہ دونوں طرف کے اُن لوگوں نے حصہ لیا جو طالبان دنیا تھے۔''

(الفتنۃ الکبریٰ جلد دوم)

یہ تمام حقائق ثبوت ہیں اسکا کہ امیر المومنینؑ کے لشکر میں بغاوت دفعۃً ہی پھوٹ نہیں پڑی بلکہ یہ منظم سازش تھی اور سوچے سمجھے ہوئے منصوبہ کے تحت عمل میں لائی گئی تھی اور کوئی سو دو سو آدمی اس میں شریک نہیں تھے بلکہ اشعث بن قیس کے ایسا یمنی قبیلہ کا سردار شریک تھا جسکے قبیلہ کے ہزاروں آدمی اس کے ہمراہ تھے اور اس کے اشارے پر ناچتے تھے۔ عمر ابو النصر نے ۲۰ ہزار ان بلوائیوں کی تعداد لکھی ہے جو تلواریں علم کیے امیر المومنینؑ کے پاس آئے تھے اور کہا تھا کہ آپ قرآن کو حکم بنانا منظور کر

لیجئے ورنہ ہم آپ کو معزول کر دینگے یا پکڑ کر معاویہ کے حوالہ کر دینگے۔

یہ صحیح ہے کہ اُس وقت تک یہ لوگ صرف زبانی دھمکیاں دیتے رہے کوئی گزند نہیں پہونچایا لیکن گزند پہونچانے میں اب قصر ہی کیا باقی رہ گئی تھی؟ جب یہ لوگ امیر المومنینؑ کے حکم سے سرتابی کر کے جنگ بند کر سکتے۔ جب بغاوت کا بدترین مظاہرہ اُن سے ممکن تھا۔ تلواریں گھما گھما کر دھمکیاں دینا ممکن تھا، جب وہ اس حد تک گستاخی پر آمادہ ہو سکتے تھے کہ امیر المومنینؑ کا لفظ چھوڑ کر آپکا نام لیکر حقارت سے پُکاریں تو کون کہہ سکتا کہ وہ مالک کے دوبارہ بلائے جانے اور پھر بھی نہ آنے پر حضرت پر حملہ ہی نہ کر بیٹھتے یا پیچھے سے مالک ہی پر ٹوٹ پڑتے اور مالک چکّی کے دو پاٹوں میں پس کر رہ جاتے۔

پھر یہی الزام جو استاد موصوف نے مالک اشتر پر لگایا ہے اُنکے مفروضات کے بنا پر بعینہ وہی الزام امیر المومنینؑ پر بھی عائد ہونا چاہیے۔ مالک اشتر بہر حال ایک افسر فوج تھے دو چار دس ہزار سپاہی ان کے رسالہ میں رہے ہوں گے اُن کا حکم زیادہ سے زیادہ اُنھیں پر چلتا ہوگا۔ امیر المومنینؑ پھر بھی امیر المومنین تھے۔ آپ تمام لشکر کے سپہ سالار اعظم تھے بقول استاد موصوف کے اُن میں بہتیرے ایسے تھے جو آپ کی قدر و منزلت اسلام میں سابقیت، پیغمبرؐ سے قرابت اور آپکی اسلامی خدمات سے واقف تھے، اُن کے دل میں آپکی ایسی محبت وعزت تھی جو اطاعت سے منحرف اور تحکیم کے مقابلہ میں آپ کے نظریہ کی مخالفت پر کمر بستہ نہیں کر سکتی تھی، اُن میں کسی کو جرأت نہ تھی کہ حضرت کو گزند پہونچا سکے" یہ اختلاف ابھی تازہ تازہ تھا اسکی جڑیں گہری نہ ہونے پائی تھیں" دھمکیاں محض زبانی تھیں اُنکے اسلحے اُن کی ترجمانی نہیں کرتے تھے" تو کیوں نہیں امیر المومنین ہی "ان بہتیرے" آدمیوں کو ساتھ لے کر ٹوٹ پڑے بلوائی زبانی ہی تو دھمکی دے رہے تھے۔ وہ دھمکی دیتے رہتے آپ اپنے جاں نثاروں کو لے کر مالک کی کمک کو پہونچ جاتے۔ یا کم از کم اپنی ضد ہی پر اڑے رہتے۔ آپ کے مصر رہنے پر سب نہ سہی اتنے آدمی ضرور آپ کو مل جاتے جو جان پر کھیل کر نیم جاں شامیوں کو ختم کر دیتے۔ یہ سب کچھ بھی نہیں اصل حقیقت وہی ہے جسے پہلے کے مورخین نے بھی تسلیم کیا ہے اور آج کل کے مورخین بھی کھل کر لکھ رہے ہیں۔ معاویہ کی ریشہ دوانیاں اندر ہی اندر جاری تھیں سازش پہلے سے چل رہی تھی اور ٹھیک اسی رات پایہ تکمیل کو پہونچی تھی جسکی صبح کو قرآن نیزوں پر بلند کیے گئے۔ اسی رات میں اشعث بن قیس نے اپنی قوم والوں سے کہا تھا" دیکھو جو شخص میری بات سن رہا ہے وہ دوسرے شخص کو پہونچا دے۔ ہمیں یہ تہیہ کر لینا چاہئے کہ ہم کل نہیں لڑیں گے کیونکہ عرب کثرت سے مارے جا چکے اور ناحق مسلمانوں کا خون ہو رہا ہے۔" ظاہر ہے کہ جب ہوا ہی بگڑ گئی ہو اور آدھے سے زیادہ لشکر سازش کا شکار ہو تو امیر المومنینؑ کیا کر سکتے تھے اور مالک اشتر کیا؟ ہاں امیر المومنینؑ اب بھی جنگ کا پانسہ پلٹ سکتے تھے بشرطیکہ وہ بھی اُنھیں اوچھی حرکات پر اُتر آتے جن سے معاویہ

کام لیتے تھے۔ وہ اس وقت بھی جیت سکتے تھے جب فرات پر آپ کا دوبارہ قبضہ ہوا تھا۔ انتقاماً آپ بھی بندش آب کر کے شام والوں کو سپر ڈالنے پر مجبور کر سکتے تھے۔ مسلمانوں کے بیت المال سے اشعث بن قیس جیسے تمام غداروں کو خریدنا اُن کے لیے ممکن تھا۔ مصر کی حکومت کا لالچ دیکر وہ عمرو عاص ایسے دین فروشوں کو اپنا طرفدار بنا سکتے تھے۔ غرضکہ وہ سب کچھ کر سکتے تھے جو معاویہ کرتے تھے مگر اس صورت میں معاویہ اور اُنمیں کوئی فرق نہ ہوتا۔ علیؑ، علی نہ ہوتے کچھ اور ہوتے اور اسلام کی تاریخ کسی اور طرح لکھی گئی ہوتی۔

(۷)

اب امیر المومنینؑ بھی بے بس تھے اور مالک اشتر بھی۔ حکومت وطاقت ان دونوں کے ہاتھوں سے نکل کر اب تیسرے شخص کے ہاتھوں میں آ گئی تھی اور وہ تھا اشعث بن قیس۔ صحیح معنوں میں حکومت اب اسی کی تھی۔ وہ جو کہتا تھا بلوائی وہی کہتے تھے اور سارا مجمع اسی کا ہم آواز تھا۔ نوبت یہاں تک پہونچی تھی کہ اسکی موافقت صرف زبان ہی سے نہیں کی جا رہی تھی بلکہ نیزہ وشمشیر سے بھی۔ اشعث معاویہ کی طرف گفتگو کرنے روانہ ہوا اور اس کے پاس پہونچکر پوچھا:

''معاویہ! تم لوگوں نے یہ قرآن مجید کس غرض سے بلند کرائے ہیں؟۔

''تا کہ ہم اور تم اللہ کے حکم کی طرف رجوع کریں۔''

''یہی ٹھیک ہے''

ٹھیک کیوں نہ ہوتا یہی تو اُسکی تمنا تھی اور یہ تمنا اُسی روز سے اس کے دل میں پرورش پا رہی تھی جس روز عتبہ بن ابی سفیان نے دوران جنگ میں آ کر اس سے کہا تھا:

''اگر علیؑ کے علاوہ معاویہ کسی اور سے ملیں گے تو وہ تم ہی ہو۔ تم عراق والوں کے رئیس اور یمن والوں کے سردار ہو۔''

آج خوابوں کی تعبیر مل رہی تھی۔ عتبہ کا قول پورا ہو رہا تھا، معاویہ اس سے ہمکلام تھے اور وہ پورے لشکر امیر المومنینؑ کا مالک ومختار بنا ہوا تھا، اُسی کا حکم چلتا تھا۔ وہ جو کہتا لوگ اُسے قبول کرتے اور اُس کے اشاروں پر اُن کے دل ودماغ اور اسلحے رقصاں تھے۔ وہ اُنھیں یوں اپنی مرضی پر چلا رہا تھا جیسے چرواہا مویشیوں کو ہانکتا ہے۔ وقت آ گیا تھا کہ علیؑ پیچھے ہٹ جائیں اور ''غدار'' اشعث آ گے ہو۔ اتنا ہی نہیں بلکہ جو حکم دے اسے علیؑ مانیں اور جس سے منع کرے اس سے باز رہیں

معاویہ نے اپنے مقصد کی وضاحت کرتے ہوئے کہا:

''تم اپنی طرف سے ایک شخص منتخب کرو اور ہم بھی ایک شخص منتخب کریں پھر دونوں سے اسکا حلف لیا جائے کہ وہ کتاب اللہ

کے موافق فیصلہ کریں گے جو کچھ وہ فیصلہ کر دیں ہم بخوشی خاطر اس پر راضی ہو جائیں۔''

اسی مضمون کا معاویہ نے ایک خط بھی امیر المومنینؑ کے نام روانہ کیا:

''ہماری اور آپ کی لڑائی میں بہت سے آدمی مارے گئے۔ مجھے خوف ہے کہ آگے چل کر کہیں پہلے سے بھی زیادہ تباہی کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ ہم سے دیر سویر ضرور اسکی باز پرس ہوگی اور سوا ہمارے اور آپ کے کوئی جواب دہ نہ ہوگا۔ کیوں نہ ہم اور آپ باہمی مفاہمت پر راضی ہو جائیں جس میں ہم دونوں کی زندگی ہے۔ تلافی مافات ہے، امت کی بھلائی اور خونریزی کا انسداد ہے۔

دین کی محبت اور کینوں کا ازالہ ہے اور فتنہ وفساد کی بیخ کنی ہے۔ اسکی صورت یہ ہے کہ ہمارے اور آپ کے درمیان دو منتخب حکم فیصلہ کریں۔ ایک آپ کی جماعت کا ہو اور ایک ہماری جماعت کا اور وہ موافق کتاب خدا کے فیصلہ دیں۔ یہ ہمارے لیے بھی بہتر ہے اور آپ کے لیے بھی۔'' (الامام علی جلد پنجم)

اشعث کا پیام لانا ہی بلوائیوں کے لیے کم تسلی بخش نہ تھا۔ معاویہ کے خط نے اُن کی خوشیاں اور بڑھا دیں۔ وہ خوش تھے اور امیر المومنینؑ خاموش۔ اُنھیں جو کچھ کرنا تھا کر گذرے۔ امیر المومنینؑ مغلوب ہو کر رہ گئے، اب اُن کی قیادت آپ کے ہاتھوں میں نہ تھی بلکہ اُنکے ہاتھ میں تھی جیسا اُن کا دل چاہتا تھا کرتے تھے۔

ان کے اصرار سے مجبور ہو کر امیر المومنینؑ کو بھی معاویہ کے نام خط لکھنا پڑا:

''یاد رکھو سرکشی اور دروغ گوئی انسان کو دین و دنیا میں رسوا کر دیتی ہے اور نکتہ چینی کرنے والے کے سامنے اسکی خامیاں کھول دیتی ہے۔ تم جانتے ہو کہ جس چیز کا ہاتھ سے جانا ہی طے ہے اسے تم پا نہیں سکتے۔ بہت سے لوگوں نے بغیر کسی حق کے کسی مقصد کو چاہا اور منشا الٰہی کے خلاف تاویلیں کرنے لگے تو اللہ نے انھیں جھٹلا دیا۔ لہذا تم بھی اس دن سے ڈرو جس میں وہی شخص خوش ہوگا جس نے اپنے اعمال کے نتیجہ کو بہتر بنا لیا ہو اور وہ شخص نادم اور شرمسار ہوگا جس نے اپنی باگ ڈور شیطان کو تھما دی اور اسکے ہاتھ سے اسے نہ چھینا چاہا۔ اور تم نے ہمیں قرآن کے فیصلہ کی طرف دعوت دی حالانکہ تم قرآن کے اہل نہیں تھے تو ہم نے تمھاری آواز پر لبیک نہیں کہی بلکہ قرآن کے حکم پر لبیک کہی والسلام۔

(ترجمہ نہج البلاغہ جلد سوم مفتی جعفر حسین لاہور)

اب امیر المومنینؑ کے لیے لے دے کے یہی رہ گیا تھا کہ معاویہ کو عاقبت سے خوف دلائیں۔ ممکن ہے انھیں اب بھی سمجھ آ جائے اور وہ اپنی گمراہی سے باز رہیں۔ حضرتؑ کو پورا یقین تھا کہ معاویہ شام والوں میں سے اگر کسی کو حکم بنائیں گے تو صرف عمرو عاص کو، آپ نے ان کو بھی وعظ و نصیحت کرنے کی کوشش کی اگرچہ یہ جانتے تھے کہ انھیں راہ راست پر لانے کی کوشش

ایسی ہی ہے جیسے کوئی ہوا کو پکڑنے کی کوشش کرے۔ آپ نے انھیں لکھا:

''دنیا اپنے ماسوا ہر چیز سے بے پروا کردینے والی ہے اور جو شخص تھوڑی سی دنیا حاصل کرلیتا ہے اس کی حرص اور بڑھ جاتی ہے اور ذخیروں کے جمع کرنے کی لالچ میں مبتلا ہو جاتا ہے اور جس قدر زیادہ جمع کرتا ہے اسی قدر زیادہ حریص بنتا جاتا ہے لہذا اے ابوعبداللہ اپنے اجر کو ساقط نہ کرنا۔'' نیز یہ بھی لکھا:

''..........یہ دنیا کی دولت وحکومت جس نے تمھیں فریفتہ بنالیا ہے یہ تم سے چھن جانے والی ہے۔ اس دنیا پر بھروسہ نہ کرنا کہ یہ بڑی دھوکہ باز ہے۔ جو کچھ گذر چکا ہے اسی سے تم اگر عبرت حاصل کرو تو جو کچھ بچ رہا ہے اسے بچالو گے اور جن باتوں کی تمھیں نصیحت کی گئی ہے ان سے منقطع ہوگے..............۔''

مگر عمرو عاص پکے دنیادار تھے، اس پر انھیں پورا بھروسہ تھا۔ وہ ہمیشہ اسی کے لیے سرگرم عمل رہے۔ یہاں تک کہ ان کی عمر تمام ہونے کو آئی اور وہ گور کنارے آلگے اس وقت پتہ چلا کہ انھوں نے جتنی بھی دنیا کمائی وہ آخرت میں کام آنے والی نہیں۔ وہ اپنی زندگی کے آخری دنوں میں اپنی بے انتہا دولت کا حساب کرتے اور کہتے:

''کون اس دولت کو اس کی گرانیوں سمیت لینے کو تیار ہے۔''

ان پر ندامت طاری ہوتی، توبہ کرنے کو جی چاہتا کہ شاید خداوند عالم ان کے گناہوں کا بوجھ ہلکا کردے، وہ دعا کیا کرتے:

''خداوندا تو نے عمرو کو مال و دولت دی، پس اگر تجھے منظور ہو کہ تو سب مال چھین لے اور عمرو پر عذاب نہ کرے تو خداوندا ضرور چھین لے۔ خداوندا تو نے عمرو کو اولاد عطا کی اگر عمرو کو لاولد کر کے عذاب معاف کرسکتا ہے تو ضرور بے اولاد کردے۔ خداوندا تو نے عمرو کو حکومت بخشی اگر حکومت سے محروم کر کے عذاب سے جاں بخشی کرسکتا ہے تو ضرور حکومت سے محروم کر دے۔'' (الامام علی ابن ابی طالب جلد پنجم)

جب ان کی موت کا وقت قریب آیا تو اپنے بیٹے عبداللہ سے کہا:

''تمہارے باپ کی بڑی تمنا تھی کہ کاش غزوہ ذات السلاسل میں مرگیا ہوتا۔ میں نے بہت سے ایسے کام کیے ہیں کہ کہہ نہیں سکتا۔ خداوند عالم سے ان کے متعلق کیا عذر کروں گا۔ پھر انہوں نے مال و دولت پر نظر کی اور اس کی بہتات دکھائی دی تو کہنے لگے'' کاش میں آج سے ۳۰ برس پہلے مرگیا ہوتا، میں نے معاویہ کی دنیا بنائی اور اپنا دین بگاڑ لیا۔ میں نے دنیا کو اختیار کیا اور آخرت پس پشت ڈال دی۔ بالکل اندھا بنا رہا یہاں تک کہ میری موت آپہونچی۔ مجھے تو یہ منظر نظر آرہا ہے کہ میرے مرنے کے بعد معاویہ میرا سارا مال اپنے قبضہ میں کرلیں گے اور تمہارے ساتھ بدسلوکی سے پیش آئیں گے۔'' (تاریخ یعقوبی جلد ۲ ص ۱۹۸)

علامہ ابن عبد البر استیعاب بر حاشیہ اصابہ، جلد ۲ ص ۵۱۳ میں لکھتے ہیں:

عبد اللہ ابن عباس عمرو عاص کے مرض الموت میں عیادت کو آئے سلام کر کے کہا:

''ابو عبد اللہ! کہیے کیا حال ہے؟''

''میرا حال یہ ہے کہ میں نے بہت تھوڑی سی دنیا بنائی اور بہت زیادہ اپنا دین برباد کر لیا۔ جس چیز کو میں نے برباد کیا ہے اس کو بنائے ہوتا اور جس چیز کو بنایا ہے اس کو برباد کیے ہوتا تو یقینا میں کامیاب رہتا اور اگر طلب وجستجو نفع بخش ہوتی تو میں ضرور طلب کرتا اور اگر بھاگنے سے جان بچ سکتی تو ضرور بھاگنے کی کوشش کرتا۔ میری حالت تو یہ ہے کہ آسمان وزمین کے درمیان لٹکا ہوا ہوں نہ تو اوپر چڑھ سکتا ہوں نہ نیچے اتر سکتا ہوں۔ بھتیجے کچھ نصیحت کرو جس سے میں فائدہ اُٹھا سکوں۔''

عبد اللہ ابن عباس نے کہا:

''افسوس افسوس! اب کہاں اس کا موقع؟''

عمرو بن عاص نے کہا:

''تم مجھے خدا کی رحمت سے مایوس کر رہے ہو۔ پروردگارا ابن عباس مجھے تیری رحمت سے مایوس کر رہے ہیں تو مجھ سے اتنا مواخذہ کر کہ آخر میں تو راضی ہو جائے۔''

مگر سچ پوچھئے تو یہ ایسے شخص کی دعائیں ہیں جو تھک ہار کر بیٹھ رہا ہو اور جس کے تمام حربے اور حیلے بہانے بیکار ثابت ہو گئے ہوں اور اب اسے نہ زیادہ دن جینے ہی کی امید ہو اور نہ حصول دنیا ہی کی کوئی راہ باقی رہ گئی ہو۔ اگر عمرو عاص کو ذرہ برابر بھی وہم وگمان ہوتا کہ ابھی میری زندگی ختم نہیں ہوئی تو یقینا ان کی کوشش یہی ہوتی کہ جتنی دنیا حاصل ہو چکی ہے اس سے اور زیادہ حاصل ہو جائے اور کبھی وہ دعا کے لیے ہاتھ نہ اُٹھاتے لیکن اس وقت وہ زندگانی دنیا سے مایوس ہو گئے تھے موت سامنے کھڑی تھی اور اب مرتے وقت خدا کی رحمت سے آس نہ بھی لگاتے تو کیا کرتے؟

غرضکہ معاویہ کا فریب کامیاب رہا سبھی اس کا شکار ہوئے۔ اور اشعث بن قیس نے اپنی مانگی مراد پائی، جس کا وہ کئی برس پہلے سے متمنی تھا۔ اسلام لانے کے بعد محض کندہ کی بادشاہت کی طمع میں یہ مرتد ہو گیا۔ اس وقت تو اس کی خواہش کچل کر رکھ دی گئی تھی مگر آج معاویہ کی ملاقات کے بعد ہی اس نے محسوس کیا کہ اب ساری باگ ڈور میرے ہاتھوں میں ہے اور جو کچھ بھی ہو گا میری مرضی سے ہو گا۔ یہاں تک کہ حکمین کے معاملہ میں بھی اس نے اپنی مرضی کے آگے کسی ایک کی چلنے نہ دی۔ امیر المومنینؑ کے ساتھیوں میں اس وقت ایک آدمی بھی ایسا نہ تھا جو اشعث کی رائے کو ٹھکرانے کی ہمت کرتا۔ عوام کا اس وقت وہی

محبوب لیڈر تھا جو چاہتا وہی ہوتا تھا۔

جس وقت سے یہ ہنگامہ کھڑا ہوا تھا اسی وقت سے یہ بات واضح تھی کہ معاویہ عمرو عاص کے علاوہ کسی کو حکم نہیں بنائیں گے اور معاویہ جس کو منتخب کریں گے شام والوں کو اسمیں کوئی عذر نہ ہوگا کیونکہ وہ ہمیشہ ہی سے معاویہ کے فرمانبردار رہے، چاہے وہ کسی ناجائز کام ہی کی طرف دعوت کیوں نہ دیں۔ وہ تو ویسے ہی تھے جیسا کہ عمرو عاص نے ان کے متعلق کہا تھا:

''مخلوق کے سب سے زیادہ اطاعت گذار اور خالق کے سب سے بڑھ کر نافرمان۔''

اور یہ حقیقت بھی روشن تھی کہ عراق والے یا تو خود اشعث کو حکم بنائیں گے یا پھر جسے اشعث ہی نامزد کردے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ معاویہ نے اپنی طرف سے عمرو عاص کو حکم منتخب کیا اور شام والوں نے خوشی خاطر منظور کیا مگر جب امیر المومنینؑ نے اپنی طرف سے حکم منتخب کرنا چاہا تو آپ کو ایسا نہیں کرنے دیا گیا۔

(۸)

عراق کے قاریان قرآن کی ایک جماعت نے کہا:

''ہم تو اپنی طرف سے ابوموسیٰ اشعری کو حکم مقرر کرتے ہیں۔''

امیر المومنینؑ متحیّر رہ گئے۔ معلوم ہوتا ہے جنگ جمل سے پہلے ابوموسیٰ کا جو طرز عمل تھا وہ ان لوگوں کو یاد نہیں رہا۔ کیسی کیسی انھوں نے کوششیں نہ کی تھیں کہ کوفہ والے آپ کا ساتھ نہ دیں اور وہ دشمنوں کے مقابلہ میں آپ کو تنہا چھوڑ دیں۔ بالکل دشمنوں جیسا برتاؤ تھا ان کا۔ ایسا شخص کب اس قابل تھا کہ وہ امیر المومنینؑ کی ترجمانی کر سکے اور آپ کے دشمنوں کے سامنے دیانت داری کے ساتھ نزاعی امور کے متعلق آپ کے نظریات رکھ سکے اور دشمن کے حملوں کا آپ کی طرف سے جواب دے۔ ہمارا تو خیال یہ ہے کہ کسی دن بھی آپ پر انھیں ایمان نہ تھا اور نہ ذرہ برابر وہ بھی آپ کی طرف مائل تھے۔ کاش یہ بلوائی امیر المومنینؑ کے انھیں فقرات کو پیش نظر رکھتے جو آپ نے ابوموسیٰ کے نام خط میں لکھے تھے۔ جبکہ وہ کوفے کے حاکم تھے۔ اس خط میں آپ نے ان کی سرکشی کی کتنی سخت سرزنش کی ہے اور کتنے سخت الفاظ میں تنبیہ کی کہ اگر تم اپنی حرکتوں سے باز نہ آؤ گے اور لوگوں کو جنگ میں میرا ساتھ دینے سے روکتے رہو گے تو اس کے انجام کے تم خود ذمہ دار ہو گے۔ آپ نے انھیں لکھا تھا:

''مجھے تمہاری طرف سے ایسی بات کی خبر ملی ہے جو تمہارے حق میں بھی ہو سکتی ہے اور تمہارے خلاف بھی پڑ سکتی ہے، جب میرا قاصد تمھارے پاس پہونچے تو (جہاد کے لیے) دامن گردان کمر کس لو اور اپنے بل سے باہر نکل آؤ اور اپنے ساتھ والوں کو بھی دعوت دو اور اگر حق تمھارے نزدیک ثابت ہو تو کھڑے ہو اور اگر بوداپن دکھانا ہے تو (ہماری نظروں سے) دور ہو جاؤ

۔خدا کی قسم تم گھیر گھار کے لائے جاؤ گے خواہ کہیں بھی ہو اور چھوڑے نہیں جاؤ گے یہاں تک کہ تم اپنی دوعملی کی وجہ سے بوکھلا اٹھو گے اور تمہارا سارا تار و پود بکھر جائے گا یہاں تک کہ تمہیں اطمینان سے بیٹھنا بھی نصیب نہ ہوگا اور سامنے سے بھی اسی طرح ڈرو گے جس طرح اپنے پیچھے سے ڈرتے ہو......"

(ترجمہ نہج البلاغہ جلد سوم مفتی جعفر حسین لاہور)

مگر ابوموسیٰ نے اس وقت نہ تو اپنی کمر کسی، نہ اپنا دامن گردانا، نہ امیر المومنینؑ کے بلانے پر وہ جہاد کے لیے باہر نکلے کا یہاں تک کہ مالک اشتر نے امیر المومنینؑ کے پاس سے آ کر انھیں برطرف کیا۔ برطرف ہونے کے بعد بھی یہ گوشہ نشین ہی رہے۔ امیر المومنینؑ کی حمایت میں ایک فقرہ بھی ان کی زبان سے نہیں نکلا۔ حیرت ہے کہ ایسے شخص کو کیونکر آج بلوائیوں نے حکم بنانا منظور کرلیا۔ کوئی شک نہیں کہ اس انتخاب کے پس پردہ اشعث بن قیس کی ذات تھی۔ ابوموسیٰ کا تقرر بھی اسی سازش کا ایک حصہ تھا جو عتبہ بن ابی سفیان کی گفتگو کے دن سے شروع ہوئی تھی جبکہ عتبہ نے اپنی چکنی چپڑی باتوں سے اشعث کے دماغ میں جنگ بند کرنے کا خیال پیدا کیا۔ دوسری کڑی اس سازش کی اشعث کی وہ تقریر تھی جو اس نے لیلۃ الہریر میں اپنے قوم والوں کے سامنے کی تھی اور انھیں متنبہ کیا تھا کہ اگر لڑائی یوں ہی جاری رہی تو سارا عرب فنا ہو جائے گا۔ تیسری کڑی یہ تھی کہ امیر المومنینؑ کو اس حد تک بے بس بنا دیا گیا کہ وہ اپنی مرضی کا حکم بھی مقرر نہ کر سکیں۔ ڈاکٹر طہٰ حسین لکھتے ہیں:

واکبر الظن عندی کسذالک ان المؤامرۃ لم تقف عند ھذا الحد وانما تجاوزتۃ الی ما ھو اشد منہ خطرا و ھو اختیار الحکمین۔ فلامر ما الح الاشعث ومن تبعہ من الیمانیۃ فی ان یختار علیؑ ابا موسی الاشعری ولم یطلقوا لہ الحریۃ فی اختیار حکم یثق بہ ویطمئن الیہ وھم یعلمون ان ابا موسیٰ قد خدل الناس عن علی فی الکوفۃ حتی عزلہ عن عملہ فقد کان علی اذا مکرھاً علی قبول التحکیم ومکرھاً علی اختیار احد الحکمین ولم تان الامور مصادفۃ وانما جاءت عن ائتمار وقد بیر بین طلاب الدنیا من اصحاب علیؑ واصحاب معاویہ جمیعاً۔ (الفتنۃ الکبریٰ جلد دوم ص ۹۱)

میرا سب سے بڑا گمان یہ ہے کہ سازش بس اسی حد تک نہ رہی بلکہ انتہائی خطرناک حد تک تجاوز کر گئی اور وہ حکم کے انتخاب کا معاملہ تھا۔ اشعث اور اس کے پیرو یمانی لوگوں نے کسی سبب ہی سے اصرار کیا تھا کہ ابوموسیٰ کو حکم مقرر کیا جائے اور ان لوگوں نے علیؑ کو اس کی آزادی نہ دی کہ اپنے بھروسہ اور اطمینان کے کسی آدمی کو منتخب کریں۔ یہ لوگ اچھی طرح جانتے تھے کہ ابوموسیٰ نے اپنی گورنری کے زمانہ میں کوفہ کے لوگوں کو علیؑ کی مدد سے روک دیا تھا یہاں تک علیؑ نے مجبور ہو کر انھیں معزول کر دیا۔ اس صورت میں علیؑ تحکیم قبول کرنے میں بھی مجبور و بے بس تھے اور حکم منتخب کرنے میں بھی لاچار اور یہ تمام امور اتفاقی طور پر پیش نہیں آئے بلکہ علیؑ کے اصحاب میں اور معاویہ کے اصحاب میں جو افراد دنیا کے بندے تھے، ان کی سوچی سمجھی سازش کے نتیجہ میں پیش آئے۔

امیر المومنینؑ نے فرمایا:

''میں ابوموسیٰ سے راضی نہیں ہوں نہ میری رائے ہے کہ انھیں حکم بنایا جائے۔''

بلوائیوں نے جن میں پیش پیش اشعث بن قیس، زید بن حصین اور مسعر بن فدکی وغیرہ تھے چلانا شروع کیا کہ:

ہم تو بس ابوموسیٰ کو حکم بنانے پر راضی ہیں۔

ہوا و ہوس لوگوں کے دلوں کو کس حیرتناک حد تک متغیر کر دیتی ہے اسکا مکمل نمونہ عراق کے بلوائیوں نے پیش کیا۔ زیادہ دن کی بات نہ تھی کہ اشعث کو امیر المومنینؑ نے آذربائیجان سے طلب کیا تھا اور اشعث متردد تھا کہ امیر المومنینؑ کے پاس جائے یا نہ جائے کیونکہ ڈرتا تھا امیر المومنینؑ کے پاس اسے کوئی اہمیت حاصل نہ ہوگی اور آپ آذربائیجان کی حکومت سے معزول بھی کر دیں گے۔ جیسا کہ آپ نے دیگر عمال عثمانی کو معزول کیا تھا۔ اسکے دل نے بہت چاہا کہ سب لے دے کے معاویہ کے پاس چلا جائے۔ اس نے اپنے مخصوص رفقا سے کہا:

''علیؑ کے خط نے مجھے وحشت میں ڈال دیا ہے۔ وہ یقینا آذربائیجان کی ساری دولت مجھ سے چھین لیں گے۔ میں تو معاویہ کی طرف جاتا ہو۔''

مگر اس کے ساتھیوں نے اسے غیرت دلائی کہ وہاں جا کر شام والوں کا دم چھلا بن کر رہ جاؤ گے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ کب کا معاویہ کے پاس چلا گیا ہوتا۔''

اب سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا چیز اسے مجبور کر رہی تھی کہ وہ امیر المومنینؑ کے لشکر ہی میں ٹکا رہے۔ اس وقت تو پورے عراق والوں کا لیڈر بنا ہوا تھا بہت آسان تھا اس کے لیے کہ معاویہ سے جا کر مل جائے اسی طرح۔

ابھی کل ہی کا واقعہ تھا کہ زید بن حصین کو بڑا پیچ و تاب آتا تھا۔ ابل ابل کر رہتا تھا کہ کیسے معاویہ پر حملہ کر دیا جائے۔ وہ نہ تو معاویہ کی بات سننے کا روادار تھا اور نہ اتنا انتظار کرنے کی تاب اس میں تھی کہ معاویہ کے پاس سے امیر المومنینؑ کے خط کا جواب آجائے تب کوئی قدم اُٹھایا جائے۔ عدی بن حاتم جس وقت یہ تقریر کر رہے تھے۔

''امیر المومنینؑ اگر آپ مصلحت سمجھتے ہیں کہ ان شام والوں کو ڈھیل دی جائے اور اتنا انتظار کر لیا جائے کہ آپ کا خط جائے اور اس کا جواب آجائے تو ایسا ہی کیجئے اگر وہ لوگ بات مان لیں گے تو سبحان اللہ! یہ ان کے لیے بھی بہتر ہوگا اور ہمارے لیے بھی اور اگر وہ سرکشی پر مصر رہیں گے تو آپ چل کھڑے ہوئیے گا اس وقت ہم لوگوں کی حجت بھی تمام ہو چکی ہوگی......''

اس وقت یہی زید کھڑا ہوا دانت پیس رہا تھا۔ عدی کی بات ٹھکراتے ہوئے اس نے کہا تھا:

''خدا کی قسم اگر ہمیں اپنے مخالفین سے جنگ کرنے میں کسی قسم کا شک وتر دد ہوتا تو اس وقت تک ہماری نیت ان سے لڑنے میں بخیر نہ ہوتی جب تک ہم انھیں کافی مہلت نہ دے دیتے لیکن اس وقت جو کچھ کیا جا رہا ہے وہ سب فضول ہے۔''

کسی نے ٹوکا کہ

''تم ہمارے سردار عدی بن حاتم کی بات کاٹتے اور توہین کرتے ہو؟

اس نے فوراً ہی جواب دیا:

''تم لوگ مجھ سے زیادہ عدی کے حقوق سے واقف نہ ہوگے لیکن میں حق بات کہنا ہرگز نہ چھوڑوں گا چاہے لوگوں کو ناگوار ہی کیوں نہ گذرے۔''

آج اسی زید کی کایا پلٹ چکی تھی۔کل جو بات اس کے نزدیک حق تھی یعنی معاویہ سے جنگ کرنا وہی آج انتہائی باطل تھی۔

امیرالمومنینؑ نے ہر ممکن کوشش کی کہ یہ بلوائی اپنی ضد پر نہ اڑیں۔آپ نے فرمایا:

''ابوموسیٰ اشعری مجھے پسند نہیں۔اس شخص نے عین وقت پر میرا ساتھ چھوڑا اور لوگوں کو میری مدد سے روکا پھر جان بچا کر بھاگ کھڑا ہوا یہاں تک کہ میں نے ہی اسے امان دی۔البتہ میں ابن عباس کو حکم مقرر کرتا ہوں۔

مگر معلوم ہوتا ہے کہ شیطان نے ان کے دلوں پر مہر لگا رکھی تھی وہ سب زبردستی پر اتر آئے،بپھر کر کہا:

''خدا کی قسم ہمیں نہ آپ کی پروا ہے نہ ابن عباس کی۔ہم تو بس ایسے آدمی کو چاہتے ہیں جو آپ اور معاویہ دونوں کے لیے یکساں ہو،کسی سے کوئی وابستگی نہ رکھتا ہو۔''

غالباً ان لوگوں کے خیال میں عمروعاص ایسے تھے جو معاویہ اور علیؑ دونوں سے یکساں تعلق رکھتے تھے معاویہ کی طرف سے عمروعاص کے حکم بنائے جانے پر انھوں نے کوئی بھی اعتراض نہ کیا۔

کتنا تعجب انگیز ہے ان بلوائیوں کا طرز عمل کو معاویہ کیلئے تو یہ جائز سمجھتے تھے کہ وہ جسے چاہیں اپنی مرضی سے حکم بنائیں مگر اپنے حکمراں کے لیے روادار نہ تھے۔پہلے تو علیؑ کو مجبور کیا کہ آپ ضرور حکم بنانے پر راضی ہو جایئے پھر انھیں انتخاب حکم کی آزادی بھی نہ دی بلکہ ایسے شخص کو حکم بنانے کے لیے پیش کیا جو قریب قریب امیرالمومنینؑ کا دشمن تھا۔ان بلوائیوں سے بڑھ کر اشعث بن قیس کی حالت حیرت انگیز ہے جسکے متعلق علامہ شیخ محمد عبدہ مصری حاشیہ نہج البلاغہ پر تحریر فرماتے ہیں:

کان الاشعث فی اصحاب علی کبد اللہ بن ابی سلول فی اصحاب رسول اللہ کل منھا راس النفاق فی زمنه

جس طرح عبداللہ بن ابی سلول اصحاب رسول میں تھا ویسا ہی اشعث بن قیس علی ابن ابی طالب کی جماعت میں تھا،یہ

دونوں اپنے اپنے عہد میں چوٹی کے منافق تھے۔

اشعث کی بے حیائی کا یہ عالم کی اسی نے خفیہ ریشہ دوانیاں کیں، سازش کر کے عراق کے لشکر میں پھوٹ ڈالی اور لوگوں کو ترغیب دی کہ جنگ بند کر کے قرآن سے فیصلہ کرایا جائے اور بعد میں اس نے سارا الزام امیر المومنینؑ کے سر رکھ دیا کہ جو کچھ ہوا آپ کی وجہ سے ہوا۔ چنانچہ صفین سے واپسی کے بعد امیر المومنینؑ ایک مرتبہ تقریر کر رہے تھے کہ ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا:

یا امیر المومنینؑ ! آپ نے پہلے تو ہمیں اس تحکیم سے روکا اور پھر اس کا حکم بھی دیدیا۔ ہمیں نہیں معلوم کہ ان دونوں باتوں میں سے کون سی بات زیادہ صحیح ومناسب تھی۔

امیر المومنینؑ نے ایک نگاہ سائل پر ڈالی دوسری نگاہ اشعث پر کی اور کف افسوس ملتے ہوئے کہا: **هٰذا جزاء من ترك العقدة**۔ جو ٹھوس رائے کو چھوڑ دیتا ہے اسے ایسا ہی خمیازہ بھگتنا پڑتا ہے۔

یعنی یہ تمہارے ہی کرتوت کا پھل ہے جو تم نے ہماری نافرمانی کر کے تحکیم کے مان لینے پر اصرار کیا تھا۔ اشعث نے ادھر ادھر دیکھنا شروع کیا تا کہ لوگ یہ سمجھیں کہ مراد حضرت علیؑ کی مجھ سے نہیں اور نہ جنگ صفین کی اس بدانجامی کے ہم اور ہمارے ساتھی ذمہ دار تھے: اس نے کہا:

''امیر المومنینؑ اس سے تو آپ ہی کی ذات پر حرف آتا ہے یہ بات آپ کے حق میں نہیں بلکہ آپ کے خلاف پڑتی ہے''

اس پر حضرت نے بگڑ کر فرمایا:

''تجھے کیا معلوم کونسی چیز میرے حق میں ہے اور کونسی چیز میرے خلاف جاتی ہے۔ تجھ پر اللہ کی پھٹکار اور لعنت کرنے والوں کی لعنت ہو۔ تو جلاہے کا بیٹا ہے۔ جولاہا اور کافر کا بیٹا منافق ہے۔ تو ایک دفعہ کافروں کے ہاتھوں میں اور ایک دفعہ مسلمانوں کے ہاتھوں میں اسیر ہوا لیکن تجھ کو تیرا مال اور حسب اس عار سے نہ بچا سکا اور جو شخص اپنی تلوار چلوادے اور اسکی طرف موت اور ہلاکت کو بلاوادے وہ اسی قابل ہے کہ قریبی اس سے نفرت کریں اور دور والے بھی اس پر بھروسہ نہ کریں۔

امیر المومنینؑ اخلاق وعادات حلم وتحمل میں نظیر پیغمبرؐ تھے۔ سخت کلامی آپ کی عادت نہ تھی۔ اتنی سخت سُست باتیں اشعث کو تب ہی کہیں جب آپ اسکی طرف سے بالکل مایوس ہو چکے تھے اور اس کی اور اس کے قبیلہ یمنی لوگوں کی نافرمانیوں نے آپ کا جینا دوبھر کر دیا تھا۔ لڑائی کے دنوں میں سرکشی کر کے یقینی فتح ہزیمت سے بدل دی اور صلح کے دنوں میں بھی امن برقرار رکھنا محال کر دیا تھا اور انھیں یمنی لوگوں کی بدولت آگے چل کر اموی سلطنت استوار ہوئی۔ یہاں تک کہ کئی برس کے بعد عجم والوں

نے اس حکومت کا تختہ الٹ کر عباسی سلطنت کی بنیاد رکھی ان یمن والوں کی تاریخ ہمیشہ سیاہ رہی ۔کتنا اچھا فقرہ کہا ہے ان کے متعلق خالد بن صفوان نے :

''ان لوگوں میں یا تو جلا ہے ہیں یا چمڑہ کمانے والے ۔ایک عورت ان کی بادشاہ بن بیٹھی ۔ایک چوہے نے ان لوگوں کو غرقاب کیا اور ہُدہُد ایسے پرندے نے ان کی نشاندھی کی ۔''

(۹)

امیر المومنینؑ اس وقت سیلاب کے دھارے کے سامنے کھڑے تھے ۔صفین کے سانحہ نے آپ کی ہیبت اور دبدبہ میں رخنہ ڈال دیا ۔اس وقت سے لے کر آخر وقت تک یہ رخنہ برابر چوڑا ہوتا گیا اور لوگوں میں آپ کی نافرمانی کی جسارت روز بروز بڑھتی گئی لیکن ان سب کے باوجود آپ نے لوگوں کی ہمدردی اور خیر خواہی اور ان کو راہ راست پر لانے کی کوئی کوشش اُٹھا نہیں رکھی ۔آپ نے اپنے لشکر والوں کے سامنے تقریر کرتے ہوئے کہا:

''دیکھو اہل شام نے تو اپنے لیے ایسے شخص کو منتخب کیا ہے جو ان کے پسندیدہ مقصد کے بہت قریب ہے اور تم نے ایسے شخص کو چنا ہے جو تمھارے ناپسندیدہ مقصد سے نزدیک ہے ۔تم کو عبداللہ بن قیس !ابوموسیٰ اشعری کا کل والا وقت یاد ہوگا کہ وہ کہتا پھرتا کہ جنگ ایک فتنہ ہے لہذا اپنی کمانوں کو توڑ دو اور تلواروں کو نیاموں میں رکھ لو ۔''

اگر وہ اپنے اس قول میں سچا تھا تو ہمارے ساتھ آنے میں خطا کار ہے جبکہ اُس پر کسی نے کوئی جبر بھی نہیں کیا تھا اور اگر جھوٹا ہے تو اُس پر تمھیں بے اعتمادی ہونا چاہیے ۔''

حاضرین لشکر میں کوئی ایسا نہ تھا جو ابوموسیٰ کی اس حرکت سے ناواقف ہو ۔خلیفہ وقت اور حاکم شرعی کے ساتھ اس شخص نے صرف یہی گستاخی نہیں کی ۔بلانے پر نہ آیا بلکہ جسارت اتنی بڑھی کہ دوسروں کو بھی اس نے آنے سے روکا ۔یہ اتنا بڑا جرم ہے جو غداری کے مترادف ہے ۔

ہمارا تو خیال ہے کہ امیر المومنینؑ کی یہ آواز صدا بہ صحرا ہی ثابت ہوئی ۔سارا مجمع خاموش کھڑا منہ تکتا رہا یہاں تک کہ وہ افسران فوج جو اس جنگ میں امیر المومنینؑ کے دست و بازو تھے ،اُنھوں نے بھی بظاہر سپر ڈال دی اور چپ چاپ دیکھتے رہے کہ ہوتا کیا ہے ۔کسی نے بھی ابوموسیٰ اشعری کو حکم بنانے سے روکنے کے لیے بلوائیوں کے سامنے کوئی عملی اقدام نہ کیا ۔

زیادہ سے زیادہ ان لوگوں نے یہ کیا کہ چوری چھپے بلوائیوں کی نظر سے بچتے ہوئے امیر المومنینؑ کے پاس آئے اور کوشش کی کہ ابوموسیٰ حکم نہ بنائے جائیں جن کے بنائے جانے پر بلوائی زبردستی کر رہے تھے ۔ان لوگوں کے اس طرز عمل سے ثبوت

ملتا ہے کہ اس وقت بس اشعث ہی کا سکہ چلتا تھا اور اسی کی حکمرانی تھی۔ کسی کی ہمت نہ تھی کہ علی الاعلان اپنی مخالفت کا اظہار کر سکے

امیر المومنینؑ نے اپنی تقریر مکمل کرتے ہوئے فرمایا:

''لہذا عمرو بن عاص کے ڈھکیلنے کے لیے عبداللہ ابن عباس کو منتخب کروان دنوں کی مہلت کو غنیمت جانو اور اسلامی شہروں کی سرحدوں کو گھیر لو۔ کیا تم اپنے شہروں کو نہیں دیکھتے کہ اُن پر حملے ہو رہے ہیں اور تمھاری قوت و طاقت کو نشانہ بنایا جا رہا ہے۔'' (ترجمہ نہج البلاغہ جلد سوم ص ۳۰۸)

حضرتؑ نے ان سے یہ بھی کہا:

''معاویہ نے اس معاملہ میں عمرو عاص کو حکم مقرر کیا ہے کیونکہ اُنھیں عمرو عاص پر ہر طرح کا اعتماد اور بھروسہ ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ تمام امور میں عمرو عاص اُن کی رضامندی مدنظر رکھتے ہیں۔ عمرو عاص قریشی ہیں اور اُنکے مقابلہ پر قریشی ہی کو ہونا چاہیے۔ بہتر یہ ہے کہ تم لوگ عبداللہ بن عباس کو حکم مقرر کرو کیونکہ عمرو عاص جو بھی گرہ ڈالیں گے ابن عباس کھول لیں گے اور جب عمرو عاص کوئی گرہ کھولیں گے ابن عباس دوسری گرہ ڈال دینگے۔''

واقعہ یہ ہے کہ ابن عباس سب سے زیادہ عمرو عاص کو پہچانتے اور اُن کی کمزوریوں سے واقف تھے لوہے کو لوہا ہی کاٹ سکتا ہے، ابن عباس سے بڑھ کر عمرو عاص سے گفتگو کرنے کے لیے کوئی دوسرا مناسب نہ تھا۔ لڑائی تو بند کر دی گئی تھی اُس وقت تک جب تک دونوں طرف کے حکم مل کر کوئی فیصلہ نہ کر دیں۔ اس لئے اب کافی موقع تھا کہ اس عرصہ میں اپنی حالت بہتر بنا لی جائے۔ لشکر کی از سر نو تنظیم بھی ہو جائے اور سامان حرب بھی وافر مقدار میں فراہم کر لیا جائے تا کہ اگر دونوں حکم فیصلہ کرنے میں ناکام رہیں تو پوری تیاری کے ساتھ دشمن کا مقابلہ ممکن ہو لیکن بلوائیوں نے امیر المومنینؑ کی ایک بات بھی نہ مانی۔ اپنی ضد پر اڑے شور و غل مچاتے رہے۔ حضرت جتنا جتنا اُنھیں قائل کرنا چاہتے انھیں اور ضد ہو جاتی اور مخالفت کا شور بڑھتا جاتا۔ اشعث ابن قیس نے رہی سہی امید بھی ختم کر دی اس نے بگڑ کر کہا:

''قیامت تک نہیں ہو سکتا کہ دونوں حکم قبیلہ مضر ہی کے ہوں .... شام والوں نے اپنی طرف سے قبیلہ مضر کے آدمی (عمرو عاص) کو منتخب کیا ہے۔ اب آپ یمن والوں میں سے کسی کو حکم مقرر کیجئے (یعنی ابوموسیٰ کو)

امیر المومنینؑ نے فرمایا:

''مجھے اندیشہ ہے کہ تمھارے یمنی شخص کو عمرو عاص دھوکہ دیدیں گے۔ اُنھیں خدا سے کوئی سروکار نہیں۔ وہ اپنی خواہشوں کے غلام ہیں۔ ابوموسیٰ دو سبب سے حکم بنانے کے لائق نہیں: اول یہ کہ وہ مجھ سے عداوت رکھتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ وہ عقل

سے کورے ہیں ان میں عمرو عاص سے نپٹنے کی صلاحیت نہیں۔''

اشعث نے کہا:

''خدا کی قسم اس صورت میں کہ ایک حکم قبیلہ مصر کا ہو، دوسرا یمنی قبیلہ کا، ہمیں ان کا ناموافق فیصلہ بھی قبول ہے، بہ نسبت اس موافق فیصلہ کے جس کے صادر کرنے والے دونوں حکم قبیلہ مضر کے ہوں۔''

امیر المومنینؑ نے فرمایا:

''اچھا اگر تم ابن عباس کو حکم بنانا نہیں چاہتے تو اشتر کو بنالو۔ یہ بھی یمنی ہیں تمہارے ہی وطن وقوم وقبیلہ کے۔''

اشعث نے بپھر کر کہا:

''یہ ساری آگ تو اشتر ہی کی بھڑکائی ہوئی ہے۔ ہم تو اشتر کے حکم کے نیچے ہی دبے ہوئے ہیں۔''

آپ نے پوچھا:

''اشتر کا کیا حکم ہے؟''

اشعث نے کہا:

''یہی کی ہم ایک دوسرے کی گردن ماریں اور ہو وہی جو آپ چاہیں اور وہ چاہے''۔

امیر المومنینؑ نے تنگ آکر فرمایا:

''جب مجھے کچھ اختیار ہی نہیں اور تم خود مختار ہو تو تم جانو، جو دل میں سماتا ہے کرتے رہو مجھ سے ناحق پوچھتے ہو۔''

حنف بن قیس نے جناب امیرؑ سے کہا:

''میں نے ابوموسیٰ کو خوب آزمایا ہے۔ اُن کی مثال بعینہ اس کنوئیں کی ہے جس کی جگت پست ہو اور پانی قریب ہو۔ ہر شخص اُس سے پانی بآسانی لے سکتا ہو، ایسی حالت میں اُن کا حکم ہونا ٹھیک نہیں۔''

مگر اشعث وغیرہ نے نہ مانا ابوموسیٰ ہی کو حکم بنانے پر اڑے رہے۔'' (سیرۃ علویہ جلد اول ص ۳۲۱، ۳۲۲)

(۱۰)

ابوموسیٰ کے آنے پر عمرو عاص بھی اقرار نامہ لکھوانے آئے۔ کاتب نے یہ عبارت لکھی:

هذا ما تقاضى عليه امير المومنين ....

یہ وہ عہد نامہ ہے جس کو امیر المومنینؑ نے .....

ابھی اتنا ہی لکھا گیا تھا کہ عمرو عاص نے اعتراض کیا:

''تم علی کا اور علی کے باپ کا نام لکھو۔ یہ ہمارے امیر نہیں۔ تمھارے ہوں تو ہوں۔ امیر المومنین کی لفظ کاٹ دو۔''

امیر المومنینؑ کے پاس جب یہ نوشتہ لایا گیا تا کہ آپ یہ لفظ مٹا دیں تو آپ مسکرائے دیر تک کچھ سوچتے رہے آپ کے ذہن میں صلح حدیبیہ کی یاد تازہ ہوگئی، جبکہ آپ چشمہ حدیبیہ کے پاس پیغمبرؐ کی طرف سے عہد نامہ لکھ رہے تھے، مشرکین کا نمائندہ سہیل اپنی ضد پر اڑا ہوا تھا اور پیغمبرؐ خدا تحمل سے کام لے رہے تھے، یہاں تک کہ آنحضرت نے بادل خواستہ خود اپنے ہاتھوں سے رسول اللہ کی لفظ مٹادی اور عہد نامہ اُسی طرح لکھا گیا جس طرح سہیل کی خواہش تھی۔ پیغمبرؐ کے کہنے سے علیؑ نے لکھا تھا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سہیل نے اعتراض کیا

''ہم اس سے واقف نہیں آپ یہ لکھئے: باسمك اللّٰهم''

پیغمبرؐ نے فرمایا:

اچھا یہی لکھو: باسمك اللهم

علیؑ نے بسم اللہ مٹا کر یہی لکھ دیا۔

پھر آپ نے لکھا:

هذا ما صالح علیه محمد رسول الله و سهیل بن عمرو

یہ وہ صلحنامہ ہے جو محمد رسول اللہ اور سہیل بن عمرو میں ہوا۔

سہیل نے اعتراض کیا:

''اگر مجھے اس کا اقرار ہوتا کہ آپ رسول اللہ ہیں تو آپ سے جنگ کیوں کرتا۔ اپنا اور اپنے والد ماجد کا نام لکھئے۔

اس موقع پر علیؑ کو غصہ آ گیا بگڑ کر کہا:

بیشک خدا کی قسم وہ خدا کے رسول ہیں، چاہے تمھیں ناگوار ہی کیوں نہ گذرتا ہو۔

مگر پیغمبرؐ نے علیؑ کو حکم دیا:

جانے دو لکھو: هذا ما صالح علیه محمد بن عبد الله۔

یہ وہ صلحنامہ ہے جو محمد ابن عبداللہ اور سہیل میں ہوا۔

معلوم ہوتا ہے اس موقع پر پیغمبرؐ نے علیؑ کے چہرہ پر کشمکش اور تردد کے آثار دیکھ لیے آپ نے تسلی و تشفی دیتے ہوئے فرمایا:

''جس طرح سہیل کہتا ہے اسی طرح لکھو۔ تمھیں بھی ایسا ہی واقعہ پیش آنے والا ہے اور اُس وقت تم مجبور بے بس ہو گے۔''

پیغمبرؐ نے جس وقت کی پیشنگوئی کی تھی وہ یہی وقت تھا۔ احنف بن قیس گھبرائے ہوئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے، دل دھڑک رہا تھا، غم وغصہ سے بات منھ سے نہیں نکلتی تھی، چہرہ پر انتہائی حزن واندوہ کے آثار طاری تھے، بڑی لجاجت سے عرض کی:

''حضور اپنے نام کے آگے سے امیرالمومنینؑ کی لفظ ہرگز نہ مٹایئے، خدا کے لیے نہ مٹایئے'':

امیرالمومنینؑ مسکراتے رہے۔

احنف نے پھر خوشامد کرتے ہوئے عرض کی:

''حضور ہرگز نہ مٹایئے گا چاہے لوگ ایک دوسرے کو قتل کیوں نہ کرڈالیں۔ ڈرتا ہوں کہ اگر اس وقت یہ لفظ مٹ گیا تو پھر نہ ملے گا۔ مٹایا نہ جائے چاہے اس پر جنگ ہو جائے۔''

اشعث نے کہا:

''یہ لفظ ضرور مٹا دیجئے''

امیرالمومنینؑ اس کی بات بھی سنکر مسکرائے۔ امیرالمومنینؑ کی لفظ مٹا کر آپ نے فرمایا:

''لا الہ الا اللہ و اللہ اکبر سنة بسنة ۔ صلح حدیبیہ میں بھی ایسا ہی واقعہ پیش آیا تھا یہ قدیمی سنت ہے، آنحضرتؐ نے اپنے ہاتھ سے لفظ رسول اللہ مٹا دیا تھا اور مجھ سے فرمایا تھا کہ تم کو بھی ایک دن ایسا ہی واقعہ پیش آئے گا۔''

عمرو بن عاص کہنے لگے:

''آپ ہم کو کفار سے تشبیہ دیتے ہیں''

آپ نے فرمایا:

''اے نابغہ کے بچے تو کب فاسقوں کا سردار و مددگار اور مسلمانوں کا دشمن نہ تھا۔''

ابن العاص کہنے لگے:

''آج کے بعد خداوندتعالیٰ آپ کی صورت پھر کبھی نہ دکھائے۔

جنابِ امیرؑ نے فرمایا:

''میری بھی خدا سے یہی دعا ہے کہ اللہ میری مجلس کو تم ایسے لوگوں سے ہمیشہ پاک رکھے۔''

ابن العاص خاموش ہو گئے۔ کاتب نے لکھنا شروع کیا:

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

یہ وہ عہد نامہ ہے جس پر علی ابن ابی طالب نے اہل کوفہ اور اُن کے ساتھیوں، اور معاویہ بن ابی سفیان نے اہل شام اور اُن کے حامیوں کی طرف سے اتفاق کیا ہے۔ طے پایا ہے کہ ہم دونوں صرف خدا اور اس کے کلام کے فیصلہ کو منظور کریں گے۔ کتاب اللہ شروع سے آخر تک ہمارے درمیان فیصلہ کن ہوگی، وہ جس بات کا حکم دے گی ہم اسکی تعمیل کریں گے اور جس بات سے منع کرے گی اس سے رک جائیں گے۔ ابوموسیٰ اشعری، عبداللہ بن قیس، اور عمرو بن عاص حکم مقرر کیے گئے ہیں، وہ کتاب اللہ کے حکم کے مطابق ہی فیصلہ کریں گے۔ اگر کوئی بات کتاب اللہ میں نہیں پائیں گے تو سنت عادلہ جامعہ کی طرف سے جس میں کسی قسم کا اختلاف نہ ہوگا رجوع کریں گے۔

علیؑ اور معاویہ کی طرف سے دونوں حکموں کو اُن کی جان و مال کی حفاظت کا پورا اطمینان دلایا جاتا ہے اور وعدہ کیا جاتا ہے کہ اُن کے فیصلہ کو نافذ کرنے میں اُمت اُن کی مدد کرے گی۔ انھیں فیصلہ کرنے کے لیے رمضان تک مہلت دی جاتی ہے وہ اپنے فیصلہ کا اعلان کسی ایسے مقام پر کریں گے جو عراق اور شام کے وسط میں ہو۔ تا فیصلہ جنگ بند رہے گی۔ فریقین آزادی کے ساتھ جہاں چاہیں گے آئیں جائیں گے۔ اگر مزید مدت کی ضرورت ہو تو حکم باہمی فیصلہ سے تاخیر بھی کر سکتے ہیں۔ اُن کو جس کسی کی شہادت کی ضرورت ہوگی وہ اُن کے طلب کرنے پر حاضر کر دیا جائے گا اور شہادتیں قلمبند کی جائیں گی جو متفقہ فیصلہ ہوگا اس پر فریقین کو عمل کرنا ہوگا۔ اگر حکم یہ چاہیں گے کہ اُن کے فیصلہ کے وقت مجمع عام نہ ہو تو وہ صرف خاص اشخاص اس موقع کے لیے طلب کرینگے۔ اگر فیصلہ سے قبل کسی حکم کی وفات ہو جائے تو اسکے بجائے اس کا فریق دوسرے شخص کو منتخب کر کے بھیج دے گا۔''

یہ عہد نامہ ۱۵ صفر ۳۷ھ کو اور طبری کے بیان کے مطابق ۱۳ صفر کو لکھا گیا اور اس پر فریقین کے دستخط ثبت لیے گئے۔''

(خلفائے محمد عمر ابوالنصر حالات علی ابن ابی طالب ص ۱۲۰ و ۱۲۱، الامام علی ابن ابی طالب جلد پنجم)

مروج الذہب مسعودی میں اتنا زائد ہے کہ دونوں حکم کتاب اللہ کے موافق فیصلہ کریں گے اگر اسکے خلاف فیصلہ ہو تو درجہ اعتبار سے ساقط سمجھا جائے گا۔ ابوموسیٰ اور عمرو عاص سے یہ عہد لیا گیا کہ یہ دونوں خدا کو حاضر و ناظر سمجھ کر بلا رو و رعایت کسی

فریق کے کتاب اللہ کے موافق حق پر فیصلہ کریں گے امت مرحومہ کو لڑائی وفساد و جنگ وجدال میں نہ ڈالیں گے۔''

(سیرۃ علویہ شاہ محمد علی حیدر کاکوری ص ۲۲۳)

(۱۱)

اشعث اب پھولے نہیں سما تا تھا جیسے کوئی بہت بڑا معرکہ جیت کر آیا ہو۔ چہرے سے فتحیابی کی خوشی پھوٹی پڑ رہی تھی۔ ہاتھ میں صلحنامہ کی تحریر لیے ایک ایک کو دکھا تا پھرتا تھا۔ اُسے خوش ہونا بھی چاہیے تھا۔ ساری طاقت اس کے ہاتھوں میں تھی۔ یمن والے اسکے پشت پناہ تھے اور سارے بلوائی اسکے حمایتی۔ اُس وقت پورے لشکر کا وہی لیڈر تھا، اُسی کی حکمرانی تھی، جس چیز کا ارادہ کرے کوئی اُسے نہ تو روکنے والا تھا نہ باز پرس کرنے والا۔ اُسی نے پہلے امیرالمومنینؑ کو لڑائی بند کرنے پر مجبور کیا پھر آپ کی مرضی کے خلاف زبردستی ابوموسی اشعری کو حکم مقرر کیا پھر مجبور کر کے عہد نامہ کی عبارت سے امیرالمومنینؑ کی لفظ کٹوائی۔ لوگ چپ چاپ تماشائی بنے دیکھتے رہے کوئی خوشی خاطر خاموش رہا کوئی مجبور و بے بس ہو کر۔ بہرحال دم کسی نے نہیں مارا یہاں تک کہ امیرالمومنینؑ کے خاص الخاص رفقا اور احباب نے بھی اس عہد نامہ پر مہر تصدیق ثبت کی اور بطور گواہ اپنے اپنے دستخط کیے۔ عدی بن حاتم، سعید بن قیس ہمدانی، اشعث ابن قیس نے امیرالمومنینؑ کی طرف سے دستخط کیے اور معاویہ کی طرف سے ابوالاعور حبیب ابن مسلمہ، زمل ابن عمر عدی، مالک بن کعب ہمدانی، عبدالرحمان بن خالد مخزومی، سبع بن یزید عتبہ ابن ابی سفیان، یزید بن ابجر عبسی دستخط کرنے والے تھے۔

امیرالمومنینؑ کے رفیقوں کے دستخط اس وجہ سے نہ تھے کہ یہ لوگ آپ کی نصرت و یاری سے جی چراتے تھے نہ اُن کے ایمان میں کوئی کمی پیدا ہو گئی تھی بلکہ یہ لوگ اُسی سیلاب کے دھارے میں بہے جس نے ہر ایک کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ آندھی کے سامنے کون ٹھہرنے کی جرأت کرتا۔ جس وقت اشعث ان لوگوں کے پاس دستخط کے لیے وہ عہد نامہ لے کر آتا اُن کے دل پر چھریاں چل جاتیں، سینہ تنگی کرنے لگتا اور آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑتے۔ اشعث نے جہاں دیگر اکابر اصحاب امیرالمومنینؑ سے دستخط لی وہاں مالک اشتر کے سامنے بھی وہ کاغذ پیش کیا۔ مالک نے جلدی سے ہاتھ کھینچ لیا جیسے وہ کاغذ نہ تھا سانپ تھا چیخ کر بولے:

''میں اگر اس پر دستخط کروں تو میرا داہنا ہاتھ ساتھ نہ دے نہ بائیں ہاتھ سے مجھے نفع ہو۔۔۔۔

اشعث نے جیسے حکم دیتے ہوئے کہا:

''دستخط کرو بھی اس پر''

''میں اس پر دستخط کروں؟ اس پر گواہی بناؤں؟ کیا میں اپنے پروردگار کی طرف سے روشن ثبوت پر نہیں ہوں۔ کیا مجھے

اپنے دشمن کی گمراہی کا پورا پورا یقین نہیں ہے؟ کیا تم لوگوں نے فتح ہوتے ہوئے نہیں دیکھی؟ اگر تم لوگ ظلم نہ کرتے تو ہماری جیت یقینی تھی۔

اشعث نے اسی غرور بھرے لہجے میں کہا:

''آؤ دستخط کرو۔ اس عہد نامہ میں جو باتیں لکھی ہیں اُس پر گواہی بناؤ۔ لوگوں سے علیحدہ رہنا ٹھیک نہیں''

اشتر سے غصہ ضبط نہ ہوسکا بگڑ کر بولے:

''ہاں خدا کی قسم! میں تم سے دنیا کے کاموں میں بھی الگ ہوں اور آخرت کے کاموں میں بھی الگ رہوں گا۔ خداوند عالم نے میری اس تلوار سے ایسے لوگوں کے خون بہائے ہیں جو تم سے بہتر تھے۔ تمھارا خون اُن کے خون سے عزت وحرمت میں بڑھ کر نہیں ہے۔''

اشتر کا ہاتھ قبضہ شمشیر پر جم گیا۔ آنکھوں سے چنگاریاں جھڑنے لگیں۔ وہ اسی وقت اس کا خاتمہ کر دیے ہوتے مگر امامؑ کی نا فرمانی کے خوف سے نیز نیا فتنہ اُٹھ کھڑا ہونے کے اندیشہ سے چاپ کر ہونٹوں کو رہ گئے۔

مالک اشتر کے اس فقرے سے اشعث کے چہرے کی رنگت سیاہ پڑ گئی، خفیف ہو کر رہ گیا۔ امیرالمومنینؑ سے بعض لوگوں نے اشتر کا انکار اور اقرار نامہ پر دستخط نہ کرنا، پھر جنگ کا ارادہ رکھنا بیان کیا، امیرالمومنینؑ نے اپنے باوفا صحابی کے خلاف کوئی حرف زبان سے نہیں نکالا بلکہ اُلٹے اُن کی مدح وثنا اور شکایت کرنے والوں کی ملامت کرتے ہوئے فرمایا:

''خدا کی قسم میں خود بھی اس صلحنامہ پر راضی نہ تھا، نہ تمھارا راضی ہونا ہی مجھے پسندیدہ تھا مگر جب تم لوگ اپنی ضد پر اڑے صلحنامہ پر راضی رہے تو میں بھی راضی ہو گیا۔۔۔۔''

پھر آپ نے اپنے ایفاء عہد اور اپنے رفیق کی مدح کرتے ہوئے فرمایا:

''۔۔۔۔۔ اب صلحنامہ پر راضی ہو جانے کے بعد اس سے اختلاف کرنا مناسب نہیں۔ نہ اقرار کرنے کے بعد اُس سے پھرنا ہی جائز ہے۔ ہاں اگر خدا کی نافرمانی اور کتاب الٰہی کے احکام ہی سے تجاوز کیا جائے تو بات دوسری ہے اگر میری نسبت یہ خیال ہو کہ میں لوگوں کے ڈر سے خلافت چھوڑ کر علیحدہ ہو جاؤں تو یہ خیال باطل ہے۔ ان لوگوں میں سے کسی کو میں ایسا نہیں پاتا جو اس امر میں میرا مقابلہ کرے، نہ میں ڈرتا ہوں کسی سے۔ بے شک جب میں راضی ہوں تو اشتر بھی ضرور راضی ہو جائیں گے۔ رہ گیا تمھارا یہ کہنا کہ اشتر نے میری بات نہیں مانی تو یہ غلط ہے۔ ارے کاش اشتر جیسے تم میں دو آدمی ہوتے یا کم سے کم ایک ہی آدمی ہوتا جو دشمن کی حیثیت سے اُسی طرح باخبر ہوتا جس طرح میں باخبر ہوں تو اس وقت تمھاری مشقت میرے لیے بہت کچھ سبک ہو جاتی

اور تمھاری بہت سی کجی میرے لیے سیدھی بن جاتی لیکن افسوس تم نے میری بات نہ مانی اور میری نافرمانی ہی پر مصر رہے۔"

(۱۲)

یہ سب کچھ کہنے سننے کے بعد بھی اشعث کی ضد ذرا کم نہ ہوئی، نہ اپنے کیے پر اُسے کچھ ندامت تھی۔شادان وفرحاں اقرارنامہ لے کر دونوں لشکروں میں گھومتا پھرتا ایک ایک کو پڑھ پڑھ کے سناتا،ایک صف سے دوسری صف میں،ایک قبیلہ سے دوسرے قبیلہ میں،اس یقین و اعتماد کے ساتھ کہ ہمارا کارنامہ ہر جگہ سراہا جائے گا،سبھی دل سے اس مصالحت اور اقرارنامے کو قبول کرینگے مگر دفعتہ ہوا بگڑ گئی،وہی جم غفیر جو چند گھنٹے پہلے اس کا ہم آواز وناصر ومددگار تھا اسی سے لب مخالفت کی آوازیں بلند ہونے لگیں،جہاں جاتا شور مچ جاتا۔جس جگہ وہ اقرارنامہ پڑھتا انکار کی صدائیں بلند ہونے لگتیں۔اب اُسے کوئی خاطر میں لانے پر تیار نہ تھا نہ اب کسی کو اس سے عقیدت باقی تھی،نہ کسی کو اس صلحنامہ سے خوشی۔متنفر سبھی تھے مگر کسی نے اپنی نفرت کا علی الاعلان اظہار کیا اور کسی نے سکوت اختیار کر کے۔

اب ایک نیا نعرہ سنائی دیا لاحکم الالِلّٰہ۔جب تک عہدنامہ لکھا نہ گیا تھا اس وقت تک تو یہ آواز مدھم تھی،دل ہی دل کے اندر ،مگر بعد میں یہی آواز نعرہ بن کر زبانوں سے نکلی۔عہدنامہ لکھے جانے کے بعد جس نے بھی اس تحکیم پر غور کیا وہ متحیر ہو کر رہ گیا ،سمجھ میں نہیں آیا کہ آخر جنگ روکی کیوں گئی،حکم بنائے کس لیے گئے اور حکم فیصلہ بھی کس بات کا کریں گے۔اسی حیرت اور سرگشتگی نے ایک جدید فتنہ کو جنم دیا اور نئے ہنگامے کی تخلیق کی۔

اشعث جہاں جہاں پہونچا وہاں لاحکم الا اللہ کے نعروں سے اس کا استقبال ہوا،قبیلہ غزہ میں اُسنے یہی نعرہ سنا۔قبیلہ مراد کے جھنڈے کے پاس بھی،بنی راسب کے رسالہ میں بھی اور بنی تمیم کے دستہ میں بھی۔ایک سمت سے دوسری سمت ایک حصہ سے دوسرے حصہ کی طرف جدھر گیا اسی نعرہ کی گونج سنائی دی،کسی آواز میں ملامت کا انداز تھا تو کسی میں غیظ وغضب کا جوش و خروش۔قبیلہ غزہ کے دونو جوانوں نے اشعث کو دیکھتے ہی لاحکم الااللّٰہ کا نعرہ بلند کیا اور اس کے ساتھ ہی آندھی کی طرح ٹوٹ کر معاویہ کے لشکر پر پڑ گئے۔مارتے کاٹتے معاویہ کے خیمہ کے پاس پہونچ کر اور کئی آدمیوں کو مار کر وہیں مارے گئے۔

عروہ بن ادیہ تمیمی نے اشعث کو دیکھتے ہی گرج کر کہا لاحکم الا اللہ تم لوگ خدا کے دین میں مردوں کو حکم بناتے ہو۔اشعث بتا کہ اب تک جو ہمارے مقتولین قتل ہوئے اُن کا کیا حشر ہوگا۔پھر اُس نے پلک جھپکتے ہی اشعث پر تلوار کا وار کیا مگر اشعث کی زندگی باقی تھی،گھوڑے کے بھڑک جانے کی وجہ سے وار خالی گیا۔اس کے بعد مختلف مناظر یکے بعد دیگرے آنکھوں کے سامنے آئے۔تحکیم سے نفرت وبیزاری سارے لشکر میں وبا کی طرح پھیلتی گئی۔اشعث نے یہ کیفیت دیکھ کر پہلے تو تعجب کیا پھر

اُس پر گھبراہٹ طاری ہونے لگی دل میں ہُوک اُٹھتی تھی کہ میرے سارے کیے دھرے پر پانی پھرا جارہا ہے پھر بھی اُس نے اپنے دل کو تسلی دی اور امیر المومنینؑ کے پاس واپس آکر کہا:

امیر المومنینؑ میں نے تحکیم کا مسئلہ شام اور عراق دونوں طرف لوگوں میں پیش کیا۔ سب نے متفقہ طور پر کہا کہ ہم راضی ہیں مگر بنی راسب اور کچھ دوسرے گنتی کے لوگوں نے کہا ہم اس پر راضی نہیں لاحکم الاللہ ......"

مگر وہ جو کسی نے کہا ہے دروغگو را حافظہ نباشد، خود اپنی ہی زبان سے اُس نے یہ بھی بتا دیا کہ کیا سچ تھا اور کیا جھوٹ۔ اُس نے کہا:

"ہم عراق اور شام دونوں طرف کے لوگوں کو لے کر حملہ کر کے ان مخالفین کو قتل کیے ڈالتے ہیں۔"

اگر گنتی کے صرف چند ہی آدمی تحکیم کے مخالف تھے تو پھر حملہ کرنے کی درخواست کیوں کی جارہی تھی؟

امیر المومنینؑ کو فوراً ہی اس مخفی خطرہ کا احساس ہوگیا۔ آپ نے اشعث سے پوچھا:

"کیا واقعاً بہت تھوڑے آدمی مخالفت کا اظہار کر رہے ہیں"؟

"جی ہاں"

"تو پھر انھیں جانے دو"

بلکہ آپ کے مخصوص رفقا اور اصحاب کے تیوروں سے بھی یہی اندازہ ہوتا تھا کہ اُنھیں یہ جنگ بندی بڑی ناگوار ہے حسرت واندوہ سے اُن کا کلیجہ خون ہوا جارہا تھا۔ ایسی شاندار فتح سے محرومی کوئی کم شرم کی بات نہ تھی۔ ان لوگوں نے امیر المومنینؑ کی خدمت میں آکر بیحد منّت سماجت کی کہ تحکیم ٹھکرا دی جائے گویا اُنھیں رنج واندوہ کے سبب یہ یاد ہی نہیں کہ امیر المومنینؑ عہد و پیمان کر کے پھر اُسکی خلاف ورزی نہیں کرتے۔

سعید بن قیس اپنے قبیلہ ہمدان کے اسلحے میں ڈوبے ہوئے سورماؤں کو لے کر پہونچے اور عرض کی:

"امیر المومنینؑ میں اپنی قوم سمیت حاضر ہوں۔ ہم آپ کے کسی حکم کی تعمیل میں چوں و چرا نہ کرینگے۔ آپ کی جو مرضی ہو ہمیں حکم دیں۔"

آپ نے لشکر شام کی طرف نظر کرتے ہوئے فرمایا:

"جب تک عہد نامہ لکھا نہیں گیا تھا تب تک گنجائش بھی تھی مگر اب کیا ہوسکتا ہے۔ ایک اکیلے قبیلہ کے لوگوں کو اتنے بے شمار لوگوں سے لڑنے کو کیسے بھیج سکتا ہوں۔ تم لوگ صبر وسکون سے اپنی جگہ واپس جاؤ۔"

اُن کے بعد سلیمان بن صرد پہونچے۔ پیشانی سے اس گہرے زخم کا خون پونچھتے ہوئے جو آج صبح دشمن سے لڑتے ہوئے پہونچا تھا اور اب تک رس رہا تھا۔ دکھ بھرے لہجہ میں بولے:

''حضور اگر مجھے مددگار مل جاتے تو یہ عہد نامہ قیامت تک نہیں لکھا جا سکتا تھا۔''

محرز بن حریش نے گڑگڑاتے ہوئے عرض کی:

''امیرالمومنینؑ کیا اس عہد نامہ کے منسوخ کر دینے کی کوئی سبیل نہیں؟ خدا کی قسم مجھے ڈر ہے کہ کہیں اس کے نتیجہ میں ہم ہمیشہ کے لیے ذلیل نہ ہو جائیں۔''

امیرالمومنینؑ نے فرمایا:

''جب عہد نامہ لکھا جا چکا ہے تو اب اسکی خلاف ورزی کیسے کی جا سکتی ہے؟''

غرضکہ وہ لوگ جنھیں عہد نامہ لکھے جانے کے بعد شدید ندامت ہوئی اور کف افسوس ملتے تھے کہ ہم نے مصالحت کی درخواست منظور کر کے بڑی غلطی کی، تھوڑی تعداد میں نہ تھے، نہ متفرق قبیلوں سے ایک ایک دو دو کر کے تھے بلکہ اُن کی بہت بڑی تعداد تھی، وہ عہد نامہ لکھے جانے کے پہلے بھی وافر تعداد میں تھے اور عہد نامہ لکھے جانے کے بعد بھی۔ مگر بہت تھوڑے سے لوگ ایسے تھے جنھوں نے علانیہ اسکی مخالفت کی اور زیادہ تر ایسے تھے جو دل ہی دل میں مخالفف رہے، زبان سے مخالفت کی جرأت نہ ہوئی اور اُن کی خاموشی کی وجہ فقط یہ تھی کہ لڑائی نے اُنھیں تھکا مارا تھا۔ اتنا تھک گئے تھے کہ نہ اب دماغ کام کرنے کے قابل تھا نہ عقل وخرد۔ لڑائی کی سختی نے جیسے انھیں بدحواس بنا رکھا تھا۔ سوچنے سمجھنے کی صلاحیت ہی باقی نہ تھی۔ جب لڑائی بند ہو گئی، عہد نامہ لکھا جا چکا، تب اُنھیں ہوش آیا۔ سوچنے لگے کہ یہ عہد نامہ کیسا کس چیز کے متعلق یہ عہد و پیمان، اور وہ بھی کن لوگوں سے؟ اس کا فائدہ کیا ہوگا؟ شام والوں کو اس سے غرض کیا ہے؟ ان تمام باتوں سے سب سے بڑی بات یہ کہ اگر تحکیم مان بھی لی جائے تو آخر یہ دونوں حکم فیصلہ بھی کس بات کا کریں گے اصل جھگڑا کیا ہے؟

عجیب حیرت وسرگشتگی کی کیفیت تھی۔ نہ اُن گتھیوں کا کوئی حل نظر آتا نہ، ان سوالات کا کوئی معقول جواب سجھائی دیتا۔ حتیٰ کہ امیرالمومنینؑ کے افسران فوج بھی اس حیرت کو دور نہ کر سکے۔ خود وہ اپنی جگہ مطمئن نہ تھے، دوسروں کو کیا مطمئن کرتے۔

(۱۳)

جھگڑا کس بات کا تھا؟

اصل سوال یہی تھا اور یہ سوال ہر شخص کے ذہن میں چکر لگا رہا تھا، اُس وقت سے جب سے کہ عہد نامہ لکھا گیا۔

شام اور عراق کے جن جن لوگوں نے قرآن سے فیصلہ کرانے کی آواز بلند کی اُنھوں نے بھی کھل کر نہیں کہا کہ کس بات کا فیصلہ قرآن سے کیا جائے گا۔

جن لوگوں نے عہد نامہ لکھا یا عہد نامہ پر گواہیاں بنائیں اُنھوں نے بھی اصل ما بہ النزاع کی صراحت نہیں کی۔

خود عہد نامہ کی عبارت بھی نہیں بتاتی کہ کس جھگڑے کے فیصلہ کے لیے یہ عہد نامہ لکھا گیا تھا؟

آخر اس ابہام کی وجہ کیا تھی؟ کیا وہ جھگڑا اتنا واضح اور عام آشکارا تھا کہ صراحت کی ضرورت ہی نہ تھی؟ جس وقت لڑائی نے شام والوں کی جان پر بنا دی اور اُن میں بالکل ہی دم باقی نہ رہا تو اُنھوں نے نیزوں پر قرآن بلند کر کے یہ فریاد کی تھی:

''عراق والو یہ خدا کی کتاب ہمارے اور تمھارے درمیان ہے۔''

اور عراق کے جن لوگوں نے اُن کی فریاد منظور کی اُنھوں نے بھی امیر المومنینؑ سے اصرار کرتے ہوئے کہا:

''یہ لوگ جس چیز کی طرف دعوت دے رہے ہیں اُسے قبول کر لیجئے۔''

اسکے بعد اصرار بڑھتا گیا۔ طرح طرح کی آوازیں بلند ہوئیں، جن میں مشورہ بھی تھا، نصیحت بھی تھی اور جبر و اکراہ بھی تھا۔ شقیق بن ثور کہہ رہا تھا:

''ہم نے شام والوں کو پہلے خدا کی کتاب کی طرف بُلایا انھوں نے نہ مانا، اُس پر ہم نے اُن سے جنگ کی۔ اب وہ خود ہمیں کتاب خدا کی طرف بلاتے ہیں اگر ہم بھی اُن کی پیشکش کو ٹھکرا دینگے تو ہم سے بھی جنگ کرنا اُسی طرح جائز ہو جائیگا جس طرح اُن سے جنگ کرنا ہمارے لیے جائز تھا۔''

اور اشعث کہہ رہا تھا:

''آپ شام والوں کی درخواست قبول کر لیجئے کہ کتاب خدا سے فیصلہ ہو جائے۔ آپ شام والوں سے کتاب خدا کے زیادہ حقدار ہیں۔''

غرضکہ ہر ایک کا کہنا یہی تھا کہ کتاب خدا سے فیصلہ ہو مگر کس بات کا فیصلہ کیا جائے؟ جھگڑے کی بات کیا ہے؟ کسی نے بھی اس کے متعلق ایک لفظ نہیں کہا۔

معاویہ نے امیر المومنینؑ کو جو خط لکھا تھا:

''کیوں نہ ہم اور آپ باہمی مفاہمت پر راضی ہو جائیں جس میں ہم دونوں کی زندگی ہے، تلافی مافات ہے، امت کی بھلائی اور خونریزی کا انسداد ہے اور دین کی شیرازہ بندی اور کینوں کا ازالہ ہے اور فتنہ و فساد کی بیخ کنی ہے اسکی صورت یہ ہے کہ

ہمارے اور آپ کے درمیان دو منتخب حکم فیصلہ کریں، ایک آپ کی جماعت کا ہو ایک ہماری جماعت کا اور وہ موافق کتاب خدا فیصلہ دیں۔''

اور عمرو عاص نے اپنے خط میں لکھا تھا:

''ہماری درستی اور باہمی الفت اسی صورت میں ممکن ہے کہ ہم حق کی طرف رجوع کریں۔ ہم نے اپنے درمیان قرآن کو حکم قرار دیا ہے۔ آپ بھی اسکو قبول کر لیجئے۔''

ان دونوں خطوں کے کسی ایک لفظ سے بھی پتہ نہیں چلتا کہ آخر کس چیز کا فیصلہ مقصود ہے؟ قرآن کو جو حکم بنایا جا رہا ہے وہ کس جھگڑے کے تصفیہ کے لیے؟''

حتی کہ خود امیر المومنینؑ نے جو خط معاویہ کو لکھا اس میں آپ نے بھی صراحت نہیں کی۔ آپ نے لکھا تھا:

''میں پہلا وہ شخص ہوں جس نے کتاب خدا کی طرف دعوت دی اور پہلا وہ ہوں جس نے اس دعوت پر لبیک کہی۔ نہ میرے لیے جائز ہے نہ مجھے اسکی گنجائش ہی ہے کہ کتاب خدا کی طرف میں بلایا جاؤں اور میں قبول نہ کروں۔ میں نے تو جنگ ہی اس لیے تھی کہ لوگ قرآن کو مانیں۔''

معاویہ کی درخواست کو قبول کرتے ہوئے لکھا تھا:

''تم ہمیں قرآن کو حکم بنانے کی دعوت دیتے ہو، اگر چہ میں جانتا ہوں کی تم کو قرآن سے کوئی سروکار نہیں اور نہ تمھیں یہ منظور ہی ہے کہ قرآن سے فیصلہ ہو پھر بھی میں یہ قبول کرتا ہوں کہ قرآن سے فیصلہ کرا لیا جائے۔''

ہر ایک نے مبہم رکھا خواہ وہ عراق کی طرف کے لوگ ہوں یا شام کی طرف کے۔ یہ تو سب نے کہا کہ جھگڑے کا فیصلہ قرآن سے کرا لیا جائے مگر وہ جھگڑا کیا ہے اسکی وضاحت کسی نے نہیں کی۔ بیشک سب نے مبہم رکھا، کسی نے بھی صراحت نہیں کی مگر جو چیز بالکل ظاہر و واضح ہو اُسکی وضاحت ہی کیا۔

(۱۴)

جو بات سب کو معلوم ہو اُسکی وضاحت ضروری نہیں۔

جھگڑے کی بنیاد یہی چیز تھی، نہ سمجھنے کی ضرورت تھی نہ سمجھانے کی، اسے علیؑ بھی جانتے تھے اور معاویہ بھی اور اُن کے دوستوں کو بھی معلوم تھا اور دشمنوں کو بھی۔ جس روز سے امیر المومنینؑ مسند نشین خلافت ہوئے تھے اُسی روز سے اختلاف ان دونوں کے درمیان پیدا ہو گیا تھا۔ اس عہد کا ہر مسلمان خواہ وہ عربی ہو یا غیر عربی یقینی طور پر جانتا تھا کہ یہ اختلاف کیوں ہے کس بات پر

ہے اور کیسے ہے؟

مختصر لفظوں میں اس جھگڑے کی تعریف یہ ہے کہ سیادت کی جنگ تھی، اقتدار کی رسّہ کشی تھی۔ یہ جنگ خاندانی تھی، دادا پر دادا کے زمانہ سے چلی آرہی تھی، اسی رسّہ کشی نے بنی عبد مناف کو دو حصوں میں بانٹ دیا تھا۔ دونوں برابر ایک دوسرے سے ٹکراتے رہے۔

بنی ہاشم اپنے اخلاق و عادات، کمالات وفضائل میں ہمیشہ بلند و ممتاز رہے۔ بنی امیہ یا تو اُن خوبیوں سے یکسر خالی تھے یا کم سے کم یہ کہ وہ ان خوبیوں میں بنی ہاشم کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔ اسی لیے وہ ان سے جلتے تھے۔ ان کے دلوں میں بغض و حسد کی آگ جلتی رہتی تھی اور یہ آگ برابر پھیلتی گئی اور آخر کار ایک تباہ کن جنگ کی صورت میں ظاہر ہوئی۔

علامہ جاحظ نے اس کینہ وعداوت کے وجوہ واسباب خلاصہ کر کے بیان کر دیے ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

''زمانہ جاہلیت میں قریش کے خصوصی عہدہ ومناصب حسب ذیل تھے:

لواء (لشکر کی علمداری) سقایۃ (حجاج کو پانی پلانا) رفادہ (حجاج کو کھانا کھلانا) حجابۃ (خانہ کعبہ کی کلید برداری) اور قیادۃ (یعنی بزم مشورہ کی صدارت اور لڑائی کے مواقع پر لشکر کی سپہ سالاری) یہ تمام عہدے عبد مناف کی اولاد ہاشم، عبدالدار اور عبد العزیٰ میں تقسیم تھے۔ عبد الشمّس کو ان میں سے کوئی منصب نہیں ملا تھا۔ اسلام آنے پر یہ تمام عہدے بنی ہاشم سے مخصوص ہو کر رہ گئے۔ عبد الشمّس کے لیے اس وقت نہ تو کوئی عزت تھی اور نہ نیک نامی، نہ اُس کا کوئی فرزند ہی ایسا ہوا جو اُس کے نام کو روشن کرتا۔ برخلاف اس کے جناب ہاشم کے فرزند عبد المطلب ہوئے جو سید البطحاء تھے۔

بنی ہاشم کی بزرگیاں جتنی ہی تعداد میں زیادہ تھیں اتنی ہی سلسلہ بہ سلسلہ بھی تھیں۔ ہر اولاد اپنے باپ کے کمالات وفضائل کی آئینہ دار ہوتی رہی۔ فضل وشرف نسلاً بعد نسل بنی ہاشم میں منتقل ہوتا رہا لیکن بنو عبد الشمّس ایسے نہیں ہوئے۔ اُمیہ حقیر و کمزور اور بدکار تھا اُس نے تو زمانہ جاہلیت میں ایسی حرکت کی جو کسی عرب نے نہ کی ہوگی۔ اس نے اپنے جیتے ہی جی اپنی بیوی اپنے بیٹے ابوعمرو کو بیاہ دی اور اس سے ابو معیط پیدا ہوا۔ (رسائل جاحظ ص ٦٧ تا ٧٥)

مذکورہ بالا سطور کی روشنی میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ بنی ہاشم اور بنی امیہ کی عداوت وخصومت کی بنیاد یہی چیز تھی کہ بنی ہاشم سید و سردار اور سرگروہ عرب تھے، بنی اُمیہ اس سے محروم تھے اور عادات وفساد کی ابتدا قطعی بنی امیہ ہی کی طرف سے ہوئی۔ ان لوگوں نے اندازہ کر لیا تھا کہ ہمیں معاشرہ میں کوئی امتیازی حیثیت حاصل نہیں۔ وہ یہ بھی سمجھتے تھے کہ بنی ہاشم سے شریفانہ طریقے پر ہم نہ تو ٹکر لے سکتے ہیں اور نہ انھیں نیچا دکھانے پر قادر ہیں۔ لہذا انھوں نے اوچھے ہتھیار اختیار کیے اور ہر اچھی بات

کی مخالفت کر کے اُن سے ٹکر لی۔ اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ بنی ہاشم شرف و بزرگی کی بلندیوں پر چڑھتے گئے اور بنی امیہ پستیوں میں گرتے گئے۔ بنی ہاشم نے اپنی اولاد کو بھی اپنے باپ دادا کے طریقے سکھلائے اور کوشش کی کہ وہ بھی اپنے بزرگوں کیطرح شریف و باعزت ہوں اور بنی امیہ نے اسکے برعکس کوشش کی۔ جناب ہاشم کے فرزند عبدالمطلب فضائل و مکارم میں اپنے باپ سے بھی بڑھ گئے اور امیہ ذلت میں اپنے ذلیل باپ سے زیادہ نکلا۔ چنانچہ وہ کمزور و حقیر بھی تھا اور زنا کار بھی۔ اسی طرح حضرت محمد مصطفیؐ اپنے آباء واجداد کے مدارج عالیہ پر فائز ہوئے اور ابوسفیان ان تمام پستیوں سے بھی پستی میں گیا جس میں اس کے آباؤاجداد تھے دونوں خاندانوں کا یہی فرق آخر تک قائم رہا۔ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ ہر ہاشمی کے لیے ایک دشمن اور حریف ہر زمانہ میں ہوتا رہا اور دونوں اپنے آباواجداد کے مسلک پر گامزن رہا کیے ادھر ہاشم تھے ادھر امیہ، ادھر عبدالمطلب تھے اُدھر حرب، ادھر محمد مصطفیؐ تھے اُدھر ابوسفیان، ادھر علیؑ تھے اُدھر معاویہ، ادھر حسینؑ تھے ادھر یزید۔ غرض تاریخ ہر دور میں اپنے ورق اُلٹ پلٹ کر دکھاتی رہی اور دونوں متضاد فطرتیں منظر عام پر آتی رہیں،

بنی امیہ و بنی ہاشم کی آویزشوں سے قطع نظر کر کے ہم مختصراً علیؑ اور معاویہ کی باہمی نزاع و خصومت کا ذکر کرتے ہیں۔ آخر یہ جنگ تھی کیوں اور کس بات پر تھی درانحالیکہ اسلام نے جاہلیت کی تمام باتوں کو ملیا میٹ کر دیا تھا۔

شاہ محمد علی حیدر کاکوروی اپنی کتاب سیرۃ علویہ ص ۳۶۱ پر لکھتے ہیں:

''واقعات بدیہی ثبوت اس امر کا پیش کر رہے ہیں کہ جنگ صفین کی تہ میں خواہش حکومت و امارت مخفی تھی اور اس قدر مسلمانوں کا خون معاویہ نے محض حکومت حاصل کرنے کی خواہش میں کر دیا تھا۔ تاریخ صاف اس امر کا ثبوت دے رہی ہے کہ معاویہ کے اس فعل میں اگر کوئی جذبہ پنہاں تھا تو وہ خواہش حکومت تھی۔ اب یہ بات دوسری ہے ہم آنکھ بند کر لیں اور بالقصد نابینا بن کر دن کو رات کہنے لگیں۔ معاویہ اسے اچھی طرح سمجھتے تھے کہ اُن کو جناب امیر کے مقابلہ میں کسی طرح حق خلافت نہیں پہونچتا۔ وہ یہ بھی سمجھتے تھے کہ اگر بر بناء حصول خلافت اعلان جنگ کیا تو بالاستثناء ان کے رشتہ داروں اور چند اہل غرض کوئی ان کا شریک نہ ہوگا اور انھیں منہ کی کھانی پڑے گی۔ اس لئے یہ ان کی حکمت عملی تھی کہ انھوں نے اپنی خواہش حکومت کو طلب قصاص کے پردے میں عوام کے سامنے ظاہر کیا۔ حضرت عثمان کی شہادت کی یاد دلوں میں تازہ تھی، قلوب اس سے متاثر تھے۔ پولیٹکل آدمی ہونے کے معنی بھی یہ تھے کہ جناب امیرؑ کو قتل حضرت عثمان کا اتہام لگایا جائے اور عوام کے اس تاثر کو اپنی ناجائز خواہش کے حصول کا نردباں بتایا جائے، ہماری اس بات کی تائید خود معاویہ کی اس گفتگو سے ہوتی ہے جو معاویہ اور حضرت عائشہ بنت حضرت عثمان سے مدینہ طیبہ میں ہوئی۔ عقد الفرید میں ہے کہ حضرت امام حسن علیہ السلام خلافت سے

دستکش ہوگئے تو معاویہ نے حضرت عثمان کا ذکر چھوڑ دیا اسکے بعد مدینہ گئے۔ حضرت عائشہ بنت حضرت عثمان سے ملاقات ہوئی تو حضرت عائشہ نے کہا کہ آپ نے میرے باپ کا بدلہ لینے کا خیال چھوڑ دیا حکومت حاصل ہوتے ہی اپنی زبان بند کر لی ۔معاویہ نے جواب دیا کہ لوگوں نے میری اطاعت کر لی میں نے امن دیا۔اس وقت یہ غنیمت جانو کہ امیر المومنینؑ حضرت عثمان کی بیٹی اور امیر المومنینؑ معاویہ کی بھتیجی کہلاتی ہو اگر میں تمھاری خاطر سے طلب قصاص کے لیے معاملت بدلوں اور معاملہ دگرگوں ہوکر حکومت میرے ہاتھ سے نکل جائے تو اس وقت تم معمولی عورت رہ جاؤ گی۔'' جو خطبہ معاویہ نے مدینہ طیبہ میں دیا تھا وہ بھی ہمارے اس استدلال کا مؤید ہے'' میں دنیا کی طرف مائل ہوا وہ میری طرف جھک پڑی میں اس کا بیٹا ہوں اور وہ میری ماں (عقد الفرید)''۔

حضرت عثمان کے قتل نے معاویہ کو بڑا غنیمت موقع فراہم کر دیا، وہ ہمیشہ سے اقتدار کے بھوکے تھے، ایک دن بھی نچلے نہیں بیٹھے روز وشب اُن کی اسی فکر میں بسر ہوتی تھی۔ اُنھوں نے صرف اسی کو کافی نہیں سمجھا کہ شام کی گورنری پر فائز رہیں بلکہ وہ اپنی قوت و طاقت میں برابر اضافہ کرتے رہے۔ حضرت عثمان کے قتل سے پہلے بلکہ اُس وقت سے ان کی کوششیں جاری تھیں جبکہ لوگ ابھی حضرت عثمان کے طرز حکومت سے شاکی بھی نہ ہوئے تھے۔ اُن کو اپنے مقاصد کے حصول میں بہت بڑی مدد اس سے ملی کہ وہ ۲۰ برس پہلے سے شام کے علاقہ پر حکومت کرتے چلے آرہے تھے۔ اُن سے پہلے دو برس تک اُن کا بھائی یزید بن ابی سفیان بھی حکومت کر چکا تھا۔ گویا جب سے یہ علاقہ مسلمانوں کے قبضہ میں آیا اُس وقت سے ابوسفیانی حکومت قائم تھی۔ شام کی حکومت حقیقۃً ایک علیحٰدہ اور مستقل حکومت تھی، مرکزی حکومت سے اس کا کوئی تعلق نہ تھا۔ معاویہ تو ایسا سمجھتے ہی تھے، معاویہ کے علاوہ اور بھی بہت سے لوگوں کا یہی خیال تھا۔ شام کے مختلف صوبوں پر معاویہ ہی اپنی مرضی سے حاکم مقرر کرتے ۔ مال خراج وغیرہ جتنا بھی آتا معاویہ ہی کے قبضہ وتصرف میں رہتا، جتنا چاہتے اپنے پاس رکھتے اور جتنا چاہتے خرچ کرتے، اس وقت کے دستور کے بالکل برعکس ۔ دستور تو یہ تھا کہ موسم حج میں ہر صوبہ کا گورنر مکہ آکر خلیفہ وقت سے ملتا اور سال بھر میں وہ جتنا مال خراج وزکوٰۃ جمع کیے ہوتا خلیفہ وقت کی خدمت میں پیش کر دیتا۔ خلیفہ وقت اسے بیت المال میں داخل کر کے مسلمانوں پر خرچ کرتے رہتے ۔ یہ حکام وعمال امین وخزانچی ہوا کرتے ۔ انھیں دینے دلانے کا کوئی حق نہیں ہوتا تھا لیکن معاویہ ہمیشہ اس قانون سے آزاد رہے۔ وہ اس مال سے فوجی طاقت بڑھاتے، پولیس میں اضافہ کرتے جیسا کہ عام طور سے حکومتیں کیا کرتی ہیں۔

معاویہ پست ہمت نہ تھے کہ خاموش بیٹھے رہتے، نہ ایسے بہادر ہی تھے کہ بغیر ساز وسامان اور تیاری کیے کسی مقصد کو لیکر اُٹھ

کھڑے ہوتے۔ وہ اس دن کے کیے پہلے ہی سے تیاری کرتے آرہے تھے۔ اسی کے ساتھ وہ ایک شاطر اور ڈپلومیٹ بھی تھے۔ انھوں نے مرکزی حکومت سے ٹکر لینے کے بہانے بھی پیدا کر لیے، ایسے بہانے کہ بہت سے لوگ اس غلط فہمی کا شکار ہو گئے کہ معاویہ ہی حق پر ہیں اور علیؑ باطل پر''

ان تمام حقائق کی روشنی میں معمولی عقل والا بھی سمجھ سکتا ہے کہ علیؑ اور معاویہ کے درمیان جھگڑا کس بات کا تھا اور یہ سارا کشت وخون ہوا کس چیز کی خاطر۔

امیر المومنینؑ نے تخت نشین خلافت ہونے کے بعد جہاں اور عمال حکومت کو خطوط لکھے تھے، وہاں معاویہ کو بھی اس مضمون کا خط لکھا:

''تمھیں معلوم ہے کہ میں نے لوگوں کے بارے میں پورے طور سے حجت تمام کر دی اور تمھارے معاملات سے چشم پوشی کرتا رہا یہاں تک کہ وہ واقعہ ہو کر رہا جسے ہونا تھا اور روکا نہ جا سکتا تھا یہ قصہ لمبا ہے اور باتیں بہت ہیں۔ بہر حال جو گزرنا تھا گذر گیا اور جسے آنا تھا وہ آ گیا لہذا اٹھو اور اپنے یہاں کے لوگوں سے میری بیعت حاصل کرو اور اپنے ساتھیوں کے وفد کے ساتھ میرے پاس پہونچو۔''

بیعت مملکت کے شرعی حاکم کی اطاعت کو کہتے ہیں، علیؑ بس فقط اسی کے طلبگار تھے۔ اُنھوں نے اپنے خطوط کے ذریعہ اپنے قاصدوں کی زبانی بس اسی چیز کا معاویہ سے مطالبہ کیا۔ اور ہر مرتبہ معاویہ نے بیعت سے گریز اور نافرمانی اور سرکشی کر کے اس مطالبہ کا جواب دیا۔ کبھی اپنی خاموشی سے، کبھی خطوط کے ذریعہ، کبھی اپنے قاصدوں کی زبانی اور انھوں نے اپنی نا فرمانی اور بیعت سے گریز کرنے کی کوئی نہ کوئی وجہ بھی تلاش کر لی، کوئی بہانہ ایسا ڈھونڈ لیا جسکی وجہ سے عوام کی نگاہوں میں وہ سرکش ونافرمان نہ ٹھہریں۔ سب سے بڑا بہانہ اُن کا یہ تہمت تھی کہ علیؑ کے ہاتھ عثمان کے خون سے رنگین ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ معاویہ نے شروع زمانہ خلافت امیر المومنینؑ میں یہ تہمت نہیں لگائی کیونکہ اُنھیں اچھی طرح معلوم تھا کہ عثمان کی جان بچانے والوں میں علیؑ سب سے پیش پیش رہے۔ البتہ جب حضرت عائشہ اور طلحہ وزبیر نے علیؑ سے جنگ کی ٹھانی اور انتقام خون عثمان کی آواز بلند کی تو معاویہ کو حکومت حاصل کرنے کی بڑی کارگر ترکیب ہاتھ لگ گئی۔ اُنھوں نے سوچا کہ علیؑ اور عائشہ وطلحہ وزبیر کی باہمی نزاع یقینا جنگ وجدال وقتل وغارت کا رنگ لائے گی۔ ایک طرف طلحہ وزبیر کمزور ہوں گے دوسری طرف علیؑ کی قوت گھٹے گی اگر علیؑ جیت بھی گئے تو اُن سے نپٹ لینا زیادہ دشوار نہیں۔

یہی وجہ تھی کہ حضرت عائشہ کی اس جنگ میں معاویہ شام ہی میں چپکے بیٹھے رہے۔ خاموش تماشائی کی حیثیت سے لڑائی کا جائزہ

لیتے رہے ۔انھوں نے عملی حیثیت سے کوئی امداد بھی حضرت عائشہ کو نہ دی ۔زیادہ سے زیادہ اُنھوں نے یہ کیا کہ حضرت عثمان کی ہلاکت پر خوب روئے پیٹے نوحہ و ماتم کیا اُن کے قتل کو بڑی مصیبت ظاہر کیا اور اُن کے مظلوم ہونے کے پروپیگنڈے کیے اور اندر ہی اندر اپنی ریشہ دوانیاں جاری رکھیں ۔طلحہ وزبیر کو اس مضمون کے خطوط روانہ کیے کہ شام والوں سے زبیر کے لیے بیعت لے رہا ہوں اور ان کے بعد طلحہ کے لیے ۔مقصد یہ تھا کہ آگ پوری طرح بھڑک اُٹھے اور زبانی باتوں سے تجاوز کر کے لوگ عملی اقدام پر آمادہ ہو جائیں اور علیؑ اور اُن کے درمیان لڑائی چھڑ جائے ۔اس کا نتیجہ ہوگا کہ علیؑ بھی کمزور ہو جائیں گے اور طلحہ وزبیر بھی اور میری قوت بنی رہے گی ۔ان دونوں کے کمزور ہونے کے بعد میدان پھر میرے ہی ہاتھ رہے گا۔

تو معاویہ نے امیر المومنینؑ کی خلافت کے ابتدائی مہینوں میں کھل کر آپ پر قتل عثمان کی تہمت نہیں لگائی، نہ انھوں نے صاف صاف کسی دوسرے ہی کا نام لیا بلکہ اس عرصہ میں ان کی زبان وقلم سے جو کچھ بھی نکلا وہ گول مول مبہم اور غیر واضح ۔امیر المومنینؑ کی خلافت کے دوسرے یا تیسرے مہینہ انھوں نے امیر المومنینؑ کو ایک خط بھیجا، جس میں صرف بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھ کر پورا کاغذ سادہ چھوڑ دیا تھا۔ایک لفظ بھی ایسا نہیں تھا جس سے پتہ چلتا کہ ان کا ارادہ کیا تھا البتہ قاصد کو سمجھا بجھا دیا تھا کہ وہاں جا کر زبانی بتانا کہ شام والے عثمان کی ہلاکت پر بیحد ناراض ہیں ۔ان کی قوت معمولی قوت نہیں اور وہ ان کے قاتلوں سے ضرور ہی انتقام لے کر رہیں گے۔

ہمارا خیال ہے کہ معاویہ کا یہ سادہ خط ایک سوچی سمجھی اسکیم تھی ۔وہ علیؑ کو تول رہے تھے کہ وہ کس قسم کا رویہ ہمارے ساتھ اختیار کرتے ہیں ۔انھوں نے نہ تو اطاعت ہی ظاہر کی نہ عداوت ہی ۔سادے کاغذ بھیجنے میں اگر چہ ایک پہلو یہ بھی تھا کہ معاویہ کو علیؑ کی بیعت کرنے میں گونہ تامل ہے لیکن پھر بھی واضح ثبوت اس کا نہ تھا کہ معاویہ کو بیعت سے قطعی انکار ہے ۔اس کی حیثیت ایک عارضی معاہدہ کی تھی جس میں باہمی سمجھوتہ کی گنجائش ہوتی ہے یا خاموش اپیل تھی معاویہ کی طرف سے کہ شام کی حکومت سے ہماری معزولی کے فیصلہ پر علیؑ پھر ایک نظر کر لیں۔

قاصد کو جو زبانی باتیں سمجھا بجھا کر بھیجا تھا اُس سے دو غرض تھی ایک تو اس امر کا اعلان کہ عثمان کا خون رائگاں نہ جائے گا چاہے دشمن کتنے ہی طاقتور ہوں، مدینہ والے اُن کے ساتھ ہو گئے ہوں اور مسلمانوں کی اکثریت ان سے خوفزدہ ہو ۔اس اعلان کے تہ میں مقصد یہ پوشیدہ تھا کہ دشمن کی قوت کا اندازہ ہو جائے جو لوگ ان سے خوفزدہ ہو کر گھر میں بیٹھ رہے تھے وہ انتقام کے لیے اٹھ کھڑے ہوں اور دونوں جماعتوں میں عثمان کے مخالفین اور وہ لوگ جو ڈر کے مارے گھر میں بیٹھ رہے تھے پھوٹ پڑ جائے اور امیر المومنینؑ کی حکومت دشواریوں میں مبتلا ہو جائے۔

دوسری غرض یہ تھی کہ شام والے عثمان کے قتل پر بہت ہی برہم ہیں اور مرنے مارنے پر تیار ہیں۔ انکے ہیجان اور غم وغصہ پر ہم ہی قابو رکھ سکتے ہیں۔ لہذا علیؑ آپ بھی سوچ سمجھ لیں، چاہیں تو ہمیں معزول کردیں چاہیں تو باقی رکھیں۔

یہ قصہ تھا اس سادہ کاغذ کا جو معاویہ کا قاصد لیکر آیا تھا۔ امیر المومنینؑ کی بیعت کے تقریباً تین مہینہ کے بعد اور اس وقت تک وہ کھل کر سامنے نہیں آئے تھے، نہ قتل عثمان کی علانیہ تہمت لگانے کی کوشش کی تھی۔ یہ خط تھا تو سادہ مگر در پردہ بہت سی باتیں اس میں مضمر تھیں۔ دھمکی، فتنہ، عارضی مصالحت اور خاموش اپیل کہ علیؑ اب بھی معاویہ کو معزول کرنے سے باز آجائیں اور بجائے ان سے خصوصیت رکھنے کے ان کی تالیف قلب کریں۔ آخر رسول اللہ بھی تو اپنے وقت میں غزوہ وطائف کے بعد ان کی اور ان کے باپ ابوسفیان کی تالیف قلب کرتے تھے۔ آج علی بھی شام کی حکومت پر باقی رکھ کر کیوں نہیں تالیف قلب کرتے۔

شروع زمانہ خلافت امیر المومنینؑ میں معاویہ کی یہی نرم پالیسی رہی۔ قطعی طور پر کوئی فیصلہ نہیں کرتے، گول مول رویہ رہا۔ قاتلین عثمان کے متعلق وہ جتنا جتنا غور کرتے انھیں ہمت نہ ہوتی کہ امیر المومنینؑ پر قتل عثمان کی تہمت لگاسکیں۔ یہی مبہم روش رہی یہاں تک کہ امیر المومنینؑ جنگ جمل سے فارغ ہوکر شام پر چڑھائی کی تیاریاں کرنے لگے۔

جریر اور معاویہ میں جو گفتگو ہوئی تھی اس سے بھی ہمارے خیال کی تائید ہوتی ہے۔ امیر المومنینؑ نے جریر کو شام بھیجا تھا کہ جاکر معاویہ سے بیعت لو۔ معاویہ تین مہینہ تک انھیں روکے رہے آخر میں کہا:

''تم اپنے صاحب (علیؑ) کو لکھو شام ومصر کی حکومت میرے لیے رہنے دیں اور جب ان کی وفات کا وقت آئے تو اپنے بعد کے لیے مجھ سے کسی کی بیعت نہ لیں، میں اطاعت قبول کرلوں گا۔''

چنانچہ جریر نے امیر المومنینؑ کو اسی مضمون کا خط لکھ کر روانہ کیا۔ حضرتؑ نے جواب میں لکھا کہ:

''معاویہ کا مطلب فقط یہ ہے کہ تم کو اتنی دیر روکے رکھیں جب تک شام والے ہموار نہ ہوجائیں۔''

امیر المومنینؑ کا یہ جواب آنا تھا کہ معاویہ کھل کر سامنے آگئے۔ اب انھیں کوئی رکاوٹ باقی نہ رہی۔ انھوں نے کھلم کھلا امیر المومنینؑ پر قتل عثمان کا الزام لگانا شروع کردیا۔ عمر وعاص بھی مصر سے آکر ان کے ساتھ شریک ہو گئے تھے کریلا خود کڑوا دوسرے نیم پر چڑھا۔ ان دونوں نے شام کے سرداران قبائل کے پاس خفیہ طور پر اپنے آدمی بھیجے، وہ آدمی انکے پاس جاکر علیؑ پر قتل عثمان کی تہمت دھرتے اور جھوٹے گواہوں سے گواہیاں بھی دلواتے۔ جب معاویہ کو پوری طرح اطمینان ہوگیا کہ ہماری سازش کام کرگئی۔ ہمارے جاسوس شام کے ہر ذی وجاہت شخصیت کے کان بھر چکے ہیں تو اب بہ بانگ دہل کہنے لگے کہ ''علیؑ ہی نے عثمان کو قتل کیا ہے۔ پہلے تو یہ کہا کرتے تھے کہ میں عثمان کا ولی ہوں اور عثمان مظلوم قتل کیے گئے اور اب انھیں یہ کہنے کی

ہمت ہوگئی کہ:

''جریر بن عبداللہ! ہم سے علیؑ کی بیعت کے طالب ہیں۔علیؑ لوگوں میں سب سے بہتر ہیں مگر دقت یہ ہے کہ انھیں نے عثمان کو قتل کیا ہے۔''

(۱۵)

معاویہ نے امیرالمومنینؑ کو قتل عثمان سے متہم کرنے کے لیے بڑے ماہرانہ طریقے سے پیش بندیاں کیں اور وہ کیوں نہ کرتے، یہی قتل عثمان ہی آرزوؤں کی تکمیل کا واحد ذریعہ تھا۔معاویہ کامیاب رہے، جبکہ بہتر یہی تھا کہ وہ ناکام رہتے، کیونکہ ان کی کامیابی اخلاق وکردار کی تباہی تھی، اور علیؑ ناکام رہے درانحالیکہ انھیں کو کامیاب ہونا چاہیے تھا مگر اُنکی ناکامیابی نے اُن کے فضائل وکمالات میں اور چار چاند لگادیئے۔

اگر یہ کہا جائے کہ علیؑ ہوا کے رُخ پر نہ چلے، سیاسی داؤں پیچ سے کام نہ لیا بلکہ انھوں نے جلد بازی سے کام لیا اور جان بوجھ کر معاویہ کو اپنا دشمن بنالیا، جبکہ ضرورت تھی کہ اُن کی تالیف قلب کی جائے، ان کو آہستہ آہستہ راہ پر لایا جائے تو یہ کہنا حقائق سے بیخبری کی دلیل ہے۔امیرالمومنینؑ کی سیاست اور تدبیر مملکت پر سب سے بڑا اعتراض جو کیا جاتا ہے وہ یہی کہ آپ نے معاویہ کے بارے میں جلد بازی سے کام لیا مگر حقیقت یہ ہے کہ اس وقت کی فضا اور حالات میں بہترین روش اور عاقلانہ طرز عمل اگر کوئی ہوسکتا تھا تو وہی جو امیرالمومنینؑ نے اختیار کیا۔بعض لوگ کہتے ہیں کہ چونکہ امیرالمومنینؑ ڈپلومیٹ اور ساز باز والے آدمی نہ تھے اور مکروفریب آپ کے مذہب میں جائز نہ تھا اس لیے آپ نے مجبوراً وہی کیا جو آپ ہی جیسا ہر شخص اس موقع پر کرسکتا تھا۔

مگر ہم یہ نہیں کہتے، ہمارا کہنا یہ ہے کہ امیرالمومنینؑ کے شریفانہ اخلاق، صدق وصفا، دینداری و پاکیزگی وغیرہ سے قطع نظر بھی کرلیا جائے تب بھی ان حالات میں وہی کرنا ممکن تھا جو آپ نے کیا۔آپ کی جگہ معاویہ یا عمروعاص ایسے سازشی اور شاطر بھی ہوتے تو ان کا طرز عمل بھی آپ کے طرز عمل سے جداگانہ نہیں ہوتا۔

شام زمانہ اسلام سے پہلے امیہ اور بنی امیہ سے متعارف تھا۔جس زمانہ میں ہاشم اور امیہ میں ریاست مکہ اور تولیت خانہ کعبہ کے متعلق نزاع ہوئی اور ہاشم کی ڈگری ہوئی، اُمیّہ شام چلا گیا اور وہاں سے تجارتی کاروبار کو فروغ دیا۔اسکی نسل وہیں پھلتی پھولتی رہی یہاں تک کہ رسالتمآب نے رحلت کی، ابوبکر خلیفہ ہوئے اور ان کے زمانہ میں شام اور مضافات حمص وغیرہ فتح ہوکر مملکت اسلامیہ میں داخل ہوئے۔ابوبکر کے خلیفہ ہونے پر ابوسفیان نے کافی ہڑبونگ مچائی تھی۔حضرت عمر کے مشورہ سے

حضرت ابوبکر نے منھ بھرائی کے طور پر شام کی گورنری اور اس کی سرحد پر مقیم افواج کی کمان یزید بن ابی سفیان کے حوالہ کر دی۔ یزید کے مرنے پر حضرت عمر نے معاویہ کو اس عہدہ پر فائز کیا۔ حضرت عمر کے عہد حکومت پھر عثمان کے زمانہ حکومت میں برابر معاویہ ہی وہاں کے حاکم رہے۔ امیرالمومنینؑ کے تخت نشین خلافت ہونے تک بنی امیہ اور معاویہ کے اقتدار و تسلط کو ۳۰ برس ہو چکے تھے۔ ظاہر ہے کہ معاویہ ایسے ڈپلومیٹ انسان کے لیے بادشاہت کا نقشہ جمانے کے لیے اتنی مدت کافی سے زیادہ تھی۔ معاویہ نے خوب پیر پھیلائے اور مطلق العنان فرمانروا کی طرح وہاں حکومت کی۔ مرکزی حکومت سے شاید ہی برائے نام تعلق رہا ہو خراج وزکوٰۃ وجزیہ وغیرہ کی جو کچھ بھی آمدنی ہوتی وہ من مانی خرچ کرتے، مرکزی حکومت کو اس میں سے ایک پیسہ بھی نہ دیتے، نہ کبھی کسی بات میں جوابدہی کی نوبت آتی۔ معاویہ لوگوں کو اپنانے کے گر بھی خوب جانتے تھے۔ جس قیمت پر بھی ممکن ہو ہر ایک کو خریدنے کی صلاحیت رکھتے تھے۔ برسہا برس کی حکومت، وافر آمدنی، بھرا ہوا خزانہ، زرخیز زمینیں، کمی کس چیز کی تھی۔ اُنھوں نے ہر وسیلہ سے کام لیا۔ صرف شام ہی کے لوگوں کو انھوں نے خریدنے پر اکتفا نہیں کی بلکہ بہت سے وہ لوگ جو امیرالمومنینؑ کے حدود حکومت میں رہتے تھے انھیں تحفے تحائف مال و دولت دے کر اپنا غلام کر لیا تھا اور یہ لوگ اندر ہی اندر ریشہ دوانیاں کرتے رہتے اور معاویہ کے لیے فضا سازگار بناتے رہتے۔

شام کے لوگوں کی سادہ لوحی اور ناواقفیت اس پیمانہ پر تھی کہ سیدھی سادی بات بھی سمجھ میں آنی دشوار تھی۔ حد یہ ہے کہ جنگ صفین کو جاتے وقت بدھ کے دن معاویہ جمعہ کی نماز پڑھا دیتے ہیں اور کم وبیش ایک لاکھ کا لشکر بے چوں وچرا نماز پڑھ لیتا ہے اور کوئی بھی پلٹ کر نہیں پوچھتا کہ بدھ کے دن جمعہ کی نماز کیسی (عبقریۃ الاسلام عباس محمود العقاد مطبوعہ مصر ص ۵۱ تاریخ مسعودی) وہ اونٹ اور اونٹنی والا واقعہ بھی سب کو معلوم ہے کہ بعد جنگ صفین کوفہ کا ایک شتر سوار شام میں آیا۔ ایک شامی اس سے الجھ پڑا کہ یہ اونٹنی ہماری ہے جو تم نے ہم سے جنگ صفین میں چھین لی تھی۔ مقدمہ معاویہ کے پاس پہونچا۔ اس شامی نے پچاس گواہ پیش کر دیے جنھوں نے گواہی دی کہ ہاں یہ اونٹنی اسی شامی کی ہے۔ معاویہ نے فیصلہ دیا کہ اونٹنی شامی کے حوالہ کر دی جائے۔ کوفہ کے باشندے نے یہ فریاد کی ذرا یہ بھی تو دیکھئے کہ یہ اونٹنی نہیں ہے بلکہ اونٹ ہے۔ معاویہ نے کہا اب تو فیصلہ صادر ہو چکا، تم اس سے دستبردار ہو جاؤ، بعد میں تنہائی میں بلا کر اس سے پوچھا کہ اونٹ کتنے داموں کا ہے جتنی قیمت اُس نے بتائی اس سے دوگنی قیمت معاویہ نے اُسے دلوا دی اور کہا علیؑ سے جا کر کہہ دینا کہ ہم ایک لاکھ آدمی ایسے لے کر تم سے لڑنے کے لیے آئیں گے جو اونٹ اور اونٹنی میں بھی تمیز نہیں کرتے۔

شام اور مضافات شام کی بے پناہ دولت و ثروت اور معاویہ کی داد و دہش کا چرچا جس طرح شام والوں میں تھا اسی طرح

عراق والوں میں بھی۔ایک طرف معاویہ اورشام والوں کی شاہانہ زندگی کی شہرت، دوسری طرف امیر المومنینؑ کی سخت گیری اور پیغمبرؐخدا جیسا عدل وانصاف۔نتیجہ یہ ہوا کہ جولوگ دنیاوی آرام وآسائش کے فریفتہ تھے اور علیؑ کے زہدوقناعت اور مساوات پروری سے دلچسپی نہیں رکھتے تھے وہ سب کے سب معاویہ کے پاس سمٹ، آئے حتیٰ کہ امیر المومنینؑ کے بڑے بھائی عقیل بن ابی طالب بھی شام چلے آئے تھے۔

عقیل کثیر العیال تھے۔امیر المومنینؑ کی خلافت کے زمانہ میں اُنھیں توقع تھی کہ ہمارے ساتھ رعایت سے کام لیں گے، اسی غرض سے وہ مدینہ سے چل کر کوفہ آئے۔مشہور ہے کہ امیر المومنینؑ نے آہنی سلاخ گرم کر کے اُن سے قریب کیا۔عقیل گھبرائے، پوچھا یہ کیا؟ آپ نے فرمایا کہ تم اتنی سی حرارت کی تاب نہیں رکھتے میں آتش قہر الٰہی کیونکر برداشت کرسکتا ہوں، دوسروں کا حق مار کر تمھیں کیسے دیدوں۔عقیل شام چلے گئے اور وہاں سب کچھ انھوں نے معاویہ سے حاصل کیا جو علیؑ سے نہ مل سکا تھا۔

معاویہ کی سیاست اور تدبیر مملکت سمجھنے میں دارمیہ کنانی والے واقعہ سے کافی مدد ملتی ہے۔امیر معاویہ حج کے ارادہ سے مکہ معظّمہ آئے تو انھوں نے اپنی کنانہ کی ایک خاتون دارمیہ حجو نیہ کے متعلق پوچھا کہ آجکل کہاں ہے؟ یہ دارمیہ حجو نیہ سیاہ رنگ کی لحیم شحیم خاتون تھیں۔لوگوں نے بتایا کہ وہ زندہ ہیں۔معاویہ نے پیادہ بھیج کر طلب کیا، جب وہ آئیں تو پوچھا:

معاویہ: اے حام کی بیٹی کیسے آنا ہوا؟ جناب نوح کے تین فرزند تھے، حام وسام ویافث دنیا انھیں تین کی نسل سے ہے۔سیاہ رنگت کی قومیں حام کی نسل سے ہیں۔معاویہ نے ان کی کالی رنگت پر طنز کرتے ہوئے انھیں دختر حام کہا۔

دارمیہ: اگر از راہ استہزا تم مجھے حام کی بیٹی کہتے ہو تو میں حام کی نسل سے نہیں ہوں۔میں تو قبیلہ کنانہ کی ایک عورت ہوں۔

معاویہ: سچ کہتی ہو، اچھا یہ بتاؤ جانتی ہو میں نے تمھیں کیوں بلایا ہے؟

دارمیہ: غیب کی باتیں تو بس اللہ ہی جانتا ہے۔

معاویہ: میں نے تمہیں یہ پوچھنے کے لیے بلایا ہے کہ آخر تم علیؑ سے اتنی محبت کیوں کرتی تھی اور مجھ سے اتنی عداوت کیوں تھی؟

دارمیہ: اس سوال کے جواب سے مجھے معاف ہی کر دیتے تو اچھا تھا؟

معاویہ: نہیں یہ نہیں ہوسکتا تمھیں بتانا ہی پڑے گا۔

دارمیہ: اچھا جب آپ جواب پر مجبور ہی کرتے ہیں تو سنیے۔میں علیؑ سے اسلیے محبت کرتی تھی کہ وہ رعیت میں

عدل وانصاف برتتے تھے اور سب کو برابر، برابر دیتے تھے اور آپ کی دشمن اسلیے تھی کہ آپ اس شخص سے برسر پیکار تھے جو آپ سے زیادہ حکومت کا سزاوار تھا اور آپ ایسی چیز کے خواہاں تھے جسکی اہلیت آپ میں قطعاً نہ تھی۔ میں علیؑ کی اطاعت اسلیے کرتی تھی کہ پیغمبرؐ نے انھیں ہمارا حاکم وامیر مقرر کیا تھا اور علیؑ فقراء ومساکین کو دوست رکھتے تھے۔ اہل دین کی عزت کرتے اور آپ سے دشمنی وبیزاری کی وجہ یہ تھی کہ آپ مسلمانوں کی خونریزی کرتے فیصلوں میں ناانصافی برتتے اور اپنی خواہش نفسانی کے مطابق فیصلہ کرتے ہیں۔

معاویہ: اچھا! تو اسی وجہ سے تمھارا پیٹ پھول گیا ہے، پستان بڑھ گئے ہیں اور سُرین اتنی پُر گوشت ہے۔

دارمیہ: خدا کی قسم یہ باتیں تو آپ کی اماں جان ہند کی بطور ضرب المثل بولی جاتی ہیں۔ میرے متعلق بالکل نہیں۔

معاویہ: ٹھہرو ٹھہرو ہم نے تو اچھی بات کہی ہے، جب عورت کا پیٹ بڑا ہوتا ہے، بچہ مکمل ہاتھ پیر کا پیدا ہوتا ہے۔ جب پستان بڑے ہوتے ہیں تو بچہ کو دودھ پورا پورا پلاتی ہے اور جب سُرین پرگوشت ہوتے ہیں تو اُسکی نشست خوشنما معلوم ہوتی ہے۔

معاویہ: اچھا یہ بتاؤ تم نے کبھی علیؑ کی زیارت بھی کی ہے؟

دارمیہ: ہاں ہاں خدا کی قسم میں نے انھیں دیکھا ہے۔

معاویہ: انھیں کیسا دیکھا؟

دارمیہ: میں نے خدا کی قسم اُنھیں اسطرح دیکھا کہ حکومت نے انھیں سرگشتہ نہیں کیا جیسا کہ آپ حکومت کے نشہ میں سرگشتہ ہو رہے ہیں اور منصب خلافت نے انھیں ایسا بیخود نہیں بنا دیا تھا جیسا کہ آپ آپے سے باہر ہو رہے ہیں۔

معاویہ: تم نے اُن کی گفتگو بھی کبھی سنی؟

دارمیہ: ہاں خدا کی قسم وہ اپنی باتوں سے دل کی تاریکیوں کو یوں روشن کر دیتے جیسے قلعی برتن کو چمکا دیتی ہے۔

معاویہ: سچ کہتی ہو۔ اچھا بتاؤ مجھ سے کیا چاہتی ہو۔

دارمیہ نے اپنی حاجت بیان کی۔

معاویہ نے پوچھا اگر میں تمھاری حاجت پوری کر دوں تو علیؑ ہی کے اتنا مجھے بھی مانو گی۔

دارمیہ نے برجستہ کہا، علیؑ کی بات تمھیں کہاں نصیب۔

معاویہ نے انکا کام کر دیا اور کہا خدا کی قسم اگر علیؑ زندہ ہوتے تو تمھیں کبھی اتنا مال نہ دیتے۔

دارمیہ: سچ کہتے ہو علیؑ ہرگز نہ دیتے، وہ مسلمانوں کے مال سے ایک درہم بھی کسی کو ناجائز نہیں دیتے تھے۔

(عقدالفرید)

بات یہاں سے شروع ہوتی ہے کہ امیر المومنینؑ کے تخت نشین خلافت ہونے پر مغیرہ بن شعبہ جو عرب کے مشہور پانچ شاطروں میں سے ایک شاطر تھے، امیر المومنینؑ کی خدمت میں آئے اور پوچھا کہ آپ معاویہ کے متعلق کیا کرنے والے ہیں، آپ نے جواب دیا کہ میں انھیں شام سے معزول کرنے کا تہیہ کر چکا ہوں کیونکہ وہ ہمارے نزدیک حکومت کے قابل نہیں ۔مغیرہ نے کہا کہ ابھی آپ جلدی نہ کیجئے، سال دو سال انھیں شام کی حکومت پر باقی رکھئے، جب آپ کی حکومت جم جائے اور آپ کو ہر طرف سے اطمینان ہو جائے تو آپ پھر معزول کر دیجئے گا۔امیر المومنینؑ نے جواب دیا کہ میں دینی معاملات میں دغا فریب جائز نہیں سمجھتا، مجھے دو روز کے لیے بھی معاویہ کو مسلمانوں کی جان و مال کا حاکم دیکھنا گوارا نہیں۔ دوسرے دن مغیرہ پھر آئے اور کہا کہ آپ ہی کا خیال صحیح ہے۔ اسکے بعد ابن عباس آئے انھوں نے پوچھا کہ مغیرہ سے کیا باتیں ہوئیں؟ آپ کے بیان کرنے پر ابن عباس نے کہا کہ مغیرہ نے پہلے دن جو مشورہ دیا تھا وہ نیکی سے تھا اور دوسرے دن کا مشورہ اُن کی دھوکہ بازی ہے۔ ہماری رائے یہی ہے کہ معاویہ کو ابھی چھیڑنا ٹھیک نہیں، اُنھیں ابھی اُن کے حال پر ہی چھوڑ دیجئے۔امامؑ نے ابن عباس کو بھی وہی جواب دیا، جو آپ نے مغیرہ کو دیا تھا۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ اگر واقعاً امیر المومنینؑ ابن عباس کا مشورہ قبول کر لیتے تو نتیجہ کیا ہوتا۔

معاملہ کے دو پہلو پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔ پہلا پہلو تو یہ ہے کہ امیر المومنینؑ کی حکومت کا سہارا کون لوگ تھے؟ دوسرا پہلو یہ کہ معاویہ اور اُن کے طرفدار کتنے تھے؟ اور معاویہ کو سہولتیں کتنی حاصل تھیں۔

امیر المومنینؑ کے سہارا بس وہی غریب و نادار مسلمان تھے جو حضرت عثمان کے عہد حکومت میں برسہا برس سے نشانۂ مظالم و مصائب تھے۔عمال بنی امیہ نے جینا دوبھر کر دیا اور آخر تنگ آمد بجنگ آمد کے مصداق انھوں نے حضرت عثمان کو قتل کر کے امیر المومنینؑ کی بیعت کی۔ ایسے لوگ مدینہ میں بھی کافی تعداد میں تھے اور اسلامی حکومت کے ہر صوبہ اور ضلع میں ان کی اکثریت تھی۔ بنی امیہ کے دور استبداد و مظالم میں اُن میں سے ہر ایک کی نگاہ علیؑ پر لگی تھی اور دل میں تمنا تھی کہ جلد وہ دن آئے کہ علمدار عدل و انصاف نمونہ اخلاق پیغمبرؐ علی ابن ابی طالب مسند نشین خلافت ہوں اور ان ظالم و ستم پیشہ حکام کے مظالم کا سلسلہ ختم ہو۔دوسری جماعت ان نیکوکار و پرہیزگار صحابہ کرام فقیہ و عالم مومنین کی تھی جو حضرت عثمان کے طرز حکومت سے نالاں تو تھے مگر انھوں نے اُنکے خلاف کوئی علمی قدم نہیں اٹھایا اور جب حضرت عثمان مار ڈالے گئے تو اُنھوں نے برضا و رغبت امیر المومنینؑ کی بیعت کر لی تھی۔

تیسری جماعت ان لوگوں کی تھی جو حضرت عثمان کے منظورِ نظر لوگ تھے، جن کے لیے حضرت عثمان نے مسلمانوں کا بیت المال وقف کر رکھا۔ تھا یہ لوگ حضرت علیؑ کی حکومت کو شکست و ریخت کرنے کے لیے شب و روز معاویہ کے ساتھ سازشیں کر نے میں مصروف تھے۔

امیر المومنینؑ کا سب سے بڑا اعتراض جو حضرت عثمان اور اُن کی حکومت پر تھا وہ یہی کہ معاویہ کو شام کا حاکم بنائے ہوئے ہیں یہ اعتراض بارہا لوگوں نے آپ کی زبان سے سنا تھا۔ حضرت عثمان یہ عذر بیان کیا کرتے کہ معاویہ ہمارے بنائے ہوئے حاکم نہیں ہیں بلکہ حضرت عمر کے زمانہ سے حاکم چلے آرہے ہیں۔ امیر المومنینؑ جواب دیتے کہ اس وقت حضرت عمر تو حضرت عمر، معاویہ اُن کے غلام یوفا سے بھی ڈرتے تھے اور اسوقت آپ کی نرمی کی وجہ سے وہ آپ کی گردن اور مسلمانوں کی جان و مال و آبرو پہ مسلّط ہیں۔

معاویہ کا استبداد اور خود رائی، خلاف شریعت اُن کے افعال اور مسلمانوں کے مال کو من مانی کاروائیوں اور سیاسی اغراض میں اُن کا صرف کرنا اتنا عالم آشکارا تھا کہ ایک منٹ کے لیے بھی امیر المومنینؑ کا اس سے چشم پوشی کرنا ناممکن تھا۔ اور اگر آپ ذرا بھی اس سے بے پروائی ظاہر کرتے تو ہر ایک یہی سمجھتا کہ معاویہ کی طرح آپ بھی دنیادار، جاہ طلب اور محض حکومت کے بھوکے ہیں مسلمانوں کا غم وغصہ اور ان کا جوش غضب اس وقت تک فرو ہو ہی نہیں سکتا تھا جب تک کہ معاویہ کی معزولی کا اعلان نہ ہو جاتا۔ اگر امیر المومنینؑ ایسا نہ کرتے معاویہ کو ڈھیل دینے کی پالیسی پر چلتے تو اُس کا نتیجہ اس کے سوا اور کچھ نہ ہوتا کہ آپ کے طرفداروں اور معتقدین کی اکثریت آپ سے بدعقیدہ ہو جاتی وہ یہی سمجھتے کہ آپ میں اور عثمان میں فرق ہی کیا ہوا۔ اُس کے علاوہ دوسری خرابی یہ ہوتی کہ کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے جو آپ کے معاویہ کو باقی رکھنے کہ وجہ سے معاویہ کی حکومت کو جائز اور حجت قرار دیتے۔ وہ سمجھتے کہ معاویہ حکومت کے قابل تھے تب ہی امیر المومنینؑ نے اُن کو حکومت پر باقی رکھا ہے۔ ان کی ہمدردیاں معاویہ کے ساتھ ہوتیں اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ اکثریت میں اور ان لوگوں میں شدید فتنہ وفساد برپا ہو جاتا۔

اگر یہی ایک دقت ہوتی کہ آپ سے مسلمانوں کی اکثریت برگشتہ ہو جاتی تو کوئی بات نہ تھی، ہوسکتا تھا کہ عراق وحجاز کے مسلمانو ں کو ہاتھ سے کھو کر آپ شام کے مسلمانوں کی ہمدردیاں حاصل کر لیتے اور اس طرح آپ کا جو نقصان ہوتا اُس کی دوسری طرف سے تلافی ہو جاتی مگر سب سے بڑی دقت اور اہم ترین سوال یہ ہے کہ امیر المومنینؑ کی ظاہر داری والے طرز عمل کے مقابلہ میں خود معاویہ کا رویہ کیا ہوتا؟ معاویہ اپنے زمانہ کے بڑے ہوشیار اور چالاک ترین آدمی تھے۔ اُن کی ہوشیاری اور چالاکی کو سبھی مورخین نے ذکر کیا ہے۔ لہذا ابن عباس کے مشورہ کے مطابق اگر امیر المومنینؑ دو ایک برس کے لیے معاویہ کو ڈھیل بھی دیدیتے تو ابن

عباس بھی جانتے تھے اور آج ہم آپ بھی سمجھتے ہیں کہ یہ ڈھیل دینا محض وقتی ہوتا۔امیر المومنینؑ معاویہ کو کسی طرح اس قابل نہیں سمجھتے تھے کہ انھیں شام کی حکومت پر باقی رکھا جائے ۔ جیسے ہی حالات ساز گار ہو جائیں گے آپ معاویہ کو برطرف کر دیں گے تو کیا اتنی سمجھ معاویہ کو نہیں تھی ۔ اُنھیں اندازہ نہ ہوتا کہ یہ بظاہر اس وقت تک کے لیے ہے جب تک علیؑ کے پاؤں جم نہیں جاتے ۔ اطمینان ہو جانے کے بعد اسی طرح وہ ہمیں حکومت سے نکال پھینکیں گے جس طرح دودھ سے مکھی نکالی جاتی ہے ۔

معاویہ کے پاس سیکڑوں دلائل وقرائن اس بات کے تھے کہ علیؑ ابن ابی طالب کے ساتھ ہمارا میل نہیں ہوسکتا اور نہ ان کی عادلانہ حکومت میں ہمیں کسی منصب کے ملنے کا امکان ہے ۔معاویہ اپنے باپ ابوسفیان کے ساتھ چار و ناچار اور بادل ناخواستہ موت کے ڈر سے مسلمان ہوئے تھے ۔اُن کے دل میں اپنے چچا، ماموں، بھائی، نانا اور دیگر اعزہ کے انتقام کی آگ ابھی سلگ رہی تھی ۔بنی ہاشم سے انھیں خاندانی بغض وعناد بھی تھا۔مسلمانوں کے بیت المال کو انھوں نے اپنا ذاتی خزانہ قرار دے کر من مانی حرکتیں بھی کی تھیں ۔ان سب باتوں کے باوجود اگر وہ کسی غلط فہمی میں مبتلا رہتے تو اُن سے بڑھ کر بے عقل کوئی نہ ہوتا ۔جس وقت مغیرہ اور ابن عباس امیر المومنینؑ کو مشورہ دے رہے تھے کہ ابھی تھوڑے دنوں تک آپ معاویہ سے نرمی برتئے تو اُس وقت معاویہ بھی یقیناً سمجھ سکتے تھے کہ علیؑ کا مہلت دینا وقتی ہے اور یہ سمجھنے کے بعد وہ بھی اپنے بچاؤ کی تدبیروں سے باز نہ رہتے

معاویہ کی واحد تدبیر یہی تھی کہ قسمت نے جو نادر موقع فراہم کر دیا ہے اس سے فائدہ اُٹھایا جائے اور وہ قتل حضرت عثمان کا معاملہ تھا۔معاویہ نے شروع ہی سے اس سے فائدہ اُٹھانا شروع کیا۔کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ اگر یہ موقع ہاتھ سے نکل گیا تو پھر علیؑ سے لڑنے کے لیے ہمارے ہاتھ میں کوئی بھی ہتھیار نہ رہ جائے گا۔عثمان جو خلیفہ وقت تھے مارے گئے تھے۔اُنکی بیوی نائلہ کی انگلیاں ان کی حفاظت میں کٹ چکی تھیں ۔معاویہ نے انکی یہ کٹی ہوئی انگلیاں اور عثمان کا خون میں بھرا ہوا کرتا شام کے منبر پر آویزاں کر رکھا تھا۔اُنکی مظلومی و بے گناہی دردانگیز پیرائے میں ہر دن بیان کی جاتی اور کہا جاتا کہ علیؑ کے اُکسانے پر اُن کے ہوا خواہوں نے عثمان کو قتل کیا ہے۔

معاویہ خوب سمجھتے تھے کہ اگر آج انتقام خون عثمان کی آواز بلند نہیں کی جاتی تو کل یہ کام ممکن نہ ہوگا۔اگر آج ہم علیؑ کی خلافت قبول کیے لیتے ہیں اور تمام مسلمانوں کی پیروی میں اُن کی بیعت کر لیتے ہیں تو کل کس منھ سے ازسرنو عثمان کے انتقام کا بہانہ لے کر اُن کے خلاف اُٹھ سکیں گے۔

کیا معاویہ کو اسکی سمجھ نہ تھی کہ اگر آج ہم علیؑ کی خلافت مانے لیتے ہیں اور ان کی بیعت کر لیتے ہیں تو اس کا صریحی مطلب یہ ہے کہ ہم نے اسکو بھی تسلیم کر لیا کہ مسلمانوں نے عثمان کو بالکل جائز قتل کیا۔وہ اپنے افعال واعمال کی وجہ سے اسی قابل تھے کہ

اُنھیں ہلاک کر دیا جائے اور بالفرض اگر وہ مظلوم قتل بھی ہوئے تو کم سے کم یہ بات تو یقینی ہے کہ اُنکے قتل میں علیؑ کا کوئی ہاتھ نہیں

اگر آج وہ یہ تمام باتیں تسلیم کر لیتے تو تھوڑے ہی دنوں کے بعد کیسے ممکن تھا کہ وہ اس پرانی داستان کو از سرنو تازہ کریں اور کل علیؑ کو اُن کے قتل سے جو بے تعلق تسلیم کر چکے تھے آج کس منھ سے کہتے کہ علیؑ ہی کے اشاروں پر عثمان کا قتل عمل میں آیا ہے

مختصر یہ کہ اگر آج اس قیمتی موقع کو معاویہ ہاتھ سے نکل جانے دیتے تو کل جب امیرالمومنینؑ کو ہر طرف سے اطمینان ہو جاتا، آپ کا تسلط قائم، مخالفین زیر انتظام مملکت درست، مالی حالت مستحکم ہو جاتی اور ہر طرف سے مطمئن ہو کر آپ معاویہ کو معزول کرتے تو کیا اُن کے لیے ممکن تھا کہ عثمان کے انتقام کی آواز بلند کرتے اور علیؑ سے جنگ کا حیلہ پیدا کرتے؟ ہرگز ایسا نہیں کر سکتے تھے اور نہ اُن کے لیے کوئی گنجائش ہی باقی ہوگی۔ ان کے لیے بس ایک ہی راہ کھلی ہوئی تھی وہ یہ کہ ادھر تو امیرالمومنینؑ ان کے ساتھ نرمی برتتے اور ڈھیل دیتے، ادھر معاویہ اعلان کرتے کہ علیؑ نے اپنا ساتھ دینے کی ہمیں دعوت دی ہے اور ہم سے خواہش کی ہے کہ ہم ان کی حکومت میں شام کی گورنری پر اسی طرح برقرار رہیں جس طرح گذشتہ خلفاء کے زمانہ میں تھے مگر چونکہ عثمان کے قتل میں علیؑ کے بھی شریک ہونے کا شبہ ہے لہذا جب تک اس معاملہ میں ان کی بے گناہی ثابت نہ ہو جائے میں نہ تو انکی بیعت کروں گا اور نہ انھیں خلیفہ تسلیم کروں گا اور علیؑ کی بے گناہی بس اسی پر موقوف ہے کہ عثمان کے قاتلوں کو ہمارے حوالے کر دیں۔ جب تک وہ قاتلوں کو حوالے نہ کریں گے ہم اور شام کے لوگ یہی سمجھیں گے کہ عثمان کا قتل اُنھیں کے اشارہ سے ہوا ہے۔

اب ہم چند باریک نکات کی طرف توجہ کرتے ہیں:

(الف) امیرالمومنینؑ اپنی تمام زندگی میں راست گفتار رہے۔ کسی موقع پر بھی آپ نے چال بازی، دغا وفریب سے کام نہیں لیا۔ اگر آپ ابن عباس کی رائے مان لیتے تو پہلی دقت تو آپ کے لیے یہ ہوتی کہ آپ کو ریا کاری وظاہر داری اور سیاسی چالبازیوں سے کام لینا پڑتا درانحالیکہ دوست دشمن عراق وحجاز کے ہوں یا شام کے سبھی واقف تھے کہ حق بات کہنے میں امیرالمومنینؑ کسی چیز کی پروا نہیں کرتے نہ حق کہنے میں آپ کو کسی کا خوف لاحق ہوتا تھا۔

ڈاکٹر طٰہٰ حسین لکھتے ہیں:

''باوجود ان مشکلات اور پریشانیوں کے اور باوجود ان تمام فتنوں کے جن کا آپ کو سامنا کرنا پڑا، ایک لمحہ کے لیے بھی اپنے معبود کے اعتقاد وایمان میں کمزوری نہیں دکھائی اور نہ حق کی پیروی میں ذرہ برابر سستی کی۔ سیدھے راستہ پر چلے اور ذرا بھی اس سے منحرف نہ ہوئے اور راستہ عدل وانصاف اور مساواۃ کا راستہ تھا۔ فتح ہوتی ہے یا شکست، پیرووں کی تعداد بڑھتی ہے یا گھٹتی ہے، اسکی آپ کو کچھ پروا نہ تھی۔ جب حق دیکھ لیتے تو بغیر انجام کی پروا کئے اس کی طرف مضبوط عزم وارادہ سے چل پڑتے

علیؑ گنتی کے ان چند آدمیوں میں سے تھے جو حق وانصاف کے معاملہ میں اس بات سے بالکل نڈر اور بے خوف تھے کہ یہ راہ موت تک لیجاتی ہے یا زندگی تک، اس کا انجام غلبہ ہوگا یا شکست، تمام عرصہ حیات میں آپ کی زندگی کا ایک ہی مقصد رہا اور وہ یہ کہ خدا مجھ سے راضی رہے اور خود میرا ضمیر بھی مطمئن ہو۔''

(ب) ڈھیل دینے کی پالیسی سے جتنا فائدہ معاویہ اُٹھاتے اور اپنے آپ کو پاک وصاف قرار دیتے اتنا ہی امیر المومنینؑ، مومنین اور جاں نثاروں کی نگاہ میں جاہ طلب، ریا کار اور دنیادار سمجھے جاتے، معاویہ کو وہ سب کچھ مل جاتا جس سے وہ محروم تھے۔علیؑ ہر اُس چیز سے محروم جاتے جو انھیں حاصل تھی کیونکہ معاویہ کی حقیقت و ماہیت کسی پر پوشیدہ نہ تھی۔حضرت عثمان کے آخر زمانہ خلافت میں سبھی نے اُن کی بے دینی، ظلم وجور، مکر وفریب کا اندازہ کرلیا تھا۔اسلام سے پہلے بھی انھیں اور انکے باپ ابوسفیان کو اسلام سے جو عداوت تھی وہ سب پر آشکار تھی۔سبھی جانتے تھے کہ ابوسفیان کی اولاد بادل ناخواستہ اسلام لائی ہے۔اگر امیر المومنینؑ مسند خلافت پر بیٹھنے کے بعد تھوڑے دنوں ہی کے لیے سہی انھیں شام کی گورنری پر باقی رکھتے تو امیر المومنینؑ کی صداقت و دیانت مشکوک ہوجاتی، اسی کے ساتھ آپکی شجاعت میں بھی شبہ پیدا ہوجاتا کہ محض خوفزدہ ہوکر آپ نے انھیں حکومت پر باقی رکھا ہے۔اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ فتنہ انگیز اور جاہ طلب افراد جیسے طلحہ وزبیر اور دیگر بااثر مخالفین جیسے عبداللہ بن عمر اور سعد بن ابی وقاص وغیرہ اس سے زیادہ فتنہ وفساد برپا کرتے جتنا انھوں نے کیا تھا اور عراق وحجاز کے عوام الناس کے افکار میں شبہ واختلاف پیدا کر کے امیر المومنینؑ کی شخصیت کو داغدار بنادیتے۔

(ج) قاتلین عثمان دو چار نہیں ہزاروں کی تعداد میں تھے۔اس میں مدینہ والوں کی تعداد بھی کافی تھی اور مصر وکوفہ وبصرہ کے مسلمان بھی بے شمار تھے۔سبھوں نے ملکر حضرت عثمان پر حملہ کیا اور ان کے گھر کا محاصرہ کر کے انھیں مار ڈالا۔قاتلوں کو شناخت کرنے کی کوئی صورت بھی میسّر نہ تھی حتیٰ کہ خود حضرت عثمان کی بیوی جو وہیں موجود تھیں کسی کو پہچاننے سے قاصر رہیں۔ظاہر ہے کہ جب قاتل کا پتہ ہی نہ ہو تو پکڑا کیسے جاتا اور امیر المومنینؑ حوالے کیسے کرتے۔اس مشکل کو معاویہ اچھی طرح سمجھتے تھے۔

(د) ان تمام باتوں سے اہم بات یہ ہے کہ ان مخالفین حضرت عثمان کا مکمل تسلط واقتدار قائم تھا۔حضرت عثمان کے قتل کے بعد شہر مدینہ انھیں مخالفین کے قبضہ اختیار میں تھا، اس چیز کو حضرت علیؑ بھی جانتے تھے اور معاویہ بھی اچھی طرح سمجھتے تھے۔معاویہ اور تمام باشندگان مدینہ کو بخوبی معلوم تھا کہ نہ صرف یہ کہ علیؑ کو قتل عثمان میں کوئی دخل نہیں بلکہ صحیح معنوں میں اگر کسی نے عثمان کی مدد کی ہے تو علیؑ نے کی۔عثمان کی ہلاکت کا بڑا سبب خود ان کی ضد تھی کہ وہ خلافت سے دستکش ہونے پر تیار نہ تھے۔دوسرے مروان کی خباثت وشیطنت تھی جو کسی طرح کم ہونے میں نہ آتی تھی مگر ظاہری طور پر شام والے جو معاویہ کے

پروپگنڈوں سے بُری طرح متأثر تھے اور امیرالمومنینؑ کے متعلق ہمیشہ بُری خبریں ہی ان کے کان میں پڑتی تھیں یہی سمجھتے کہ چونکہ علیؑ قاتلین عثمان کو گرفتار نہیں کرتے اُن سے قصاص نہیں لیتے لہذا ان کا بھی قتل عثمان میں کچھ نہ کچھ دخل ضرور ہے۔

ان تمام باتوں کا صریحی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اگر امیرالمومنینؑ معاویہ کو ڈھیل دینے کی پالیسی پر عمل کرتے تو خود اپنے خلاف بہت بڑا حربہ دشمنوں کے ہاتھ میں دیدیتے اور معاویہ کبھی دھوکہ میں آنے والے نہ تھے۔ آپ کے ڈھیل دینے سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اُٹھانے، اُن کو مسلمانوں، خصوصاً شام والوں میں زیادہ سے زیادہ فروغ حاصل ہوتا۔ امیرالمومنینؑ حد سے زیادہ کمزور ہوتے اور معاویہ موقع پاتے ہی آپ پر حملہ کر بیٹھتے۔

دو باتیں یہاں پھر ہم دھرانا ضروری سمجھتے ہیں:

پہلی بات تو یہ کہ جن لوگوں نے حضرت عثمان کے خلاف محاذ قائم کیا اور ان کی ہلاکت کے درپے ہوئے ان کی اولین غرض یہ تھی کہ حکومت کے اطوار بدلیں اور ظالم عمال معزول کیے جائیں۔ ان ظالم عمال میں سب سے نمودار معاویہ تھے، اگر وہ علیؑ سے اپنے توقعات پوری ہوتے نہ دیکھتے اور محسوس کرتے کہ علیؑ معاویہ کو برطرف کرنے میں سستی سے کام لے رہے ہیں تو شاید معاویہ کو علیؑ سے لڑنے کی نوبت بھی نہ آتی اور وہ بلوائی اپنے مقصد کو حاصل کرنے کے لیے علیؑ ہی سے بھڑ جاتے۔

دوسری بات یہ کہ بالفرض امیرالمومنینؑ معاویہ کو از راہ مصلحت شام کی حکومت پر باقی رکھنے اور بالفرض معاویہ کو آپ کی نیت پر شبہ نہ ہوتا، وہ یہی سمجھتے کہ جس طرح سابق خلفا نے ہمیں شام کی حکومت پر باقی رکھا اُسی طرح علیؑ بھی ہمیشہ باقی رکھیں گے۔ تب بھی ہم کہتے ہیں کہ معاویہ علیؑ کو خلیفہ ماننے پر تیار نہ ہوتے اور نہ تن دہی سے حکومت کے فرائض انجام دیتے۔ پہلی وجہ تو اسکی یہ تھی کہ اگر وہ آج علیؑ کو خلیفہ مان لیتے تو کل ان کی مخالفت کرنا ممکن نہ ہوتا۔ اگر وہ کرتے بھی تو شام والے قبول نہ کرتے ۔دوسری وجہ یہ تھی کہ وہ کسی کی بھی ماتحتی میں شام کی حکومت پر قانع نہ ہوتے۔ وہ تو مُدت دراز سے حضرت عثمان کے مرنے کا انتظار کر رہے تھے۔ ساز و سامان پہلے ہی سے کر رکھا تھا۔ انتظار میں تھے کہ حضرت عثمان مریں اور ادھر ہم خاندانی سلطنت کی بنیاد رکھ دیں اور اسلام کی حکومت و شہنشاہی کو اپنے قبضہ میں کرلیں۔

معاویہ سالہا سال سے انتہائی ہوشیاری و عقلمندی کے ساتھ شام پر حکومت کرتے آرہے تھے۔ جن کو خرید نا ممکن تھا اُن کو داد و دہش سے خرید، کر جو بکنے والے نہ تھے اُن پر سختی اور تشدد کر کے، شام والوں کو بیوقوف بنا کر، حضرت عثمان سے شام کے علاوہ مضافات شام کی بھی حکومت حاصل کر کے خاندانی سلطنت کی ابتدائی تیاریاں کر چکے تھے۔ وہ کسی طرح علیؑ کو امیرالمومنینؑ ماننے پر تیار نہیں ہو سکتے تھے، تصادم ہو کے رہتا۔ اس صورت میں کیا یہی بہتر نہ تھا کہ حضرت امیرالمومنینؑ اپنے ارادتمندوں کی

صفوں میں انتشار پیدا نہ کریں اور دشمن کو اپنی پوزیشن صاف اور مضبوط بنانے کا موقع نہ دیں۔

ان تمام حقائق سے یہ بات مثل آفتاب روشن ہوجاتی ہے کہ اس وقت کے حالات کے لحاظ سے بہترین راہ جو ایک انتہائی دوراندیش اور حقیقت میں سیاست داں اختیار کرسکتا تھا وہ وہی راہ تھی جو امیر المومنینؑ نے اختیار کی۔ معاویہ کے ساتھ نرمی و مصالحت کی پالیسی سوائے دہرے نقصان کے کوئی فائدہ نہ پہونچاتی۔ معاویہ تو خیر ہاتھ لگتے ہی نہیں جو ہمدرد و جاں نثار تھے وہ بھی ہاتھ سے جاتے رہتے۔

امیر المومنینؑ کی سیاست پر دوسرا اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ آپ نے تحکیم کیوں قبول کی اور قبول بھی کیا تھا تو ابوموسیٰ اشعری کو حکم بنانا کیوں منظور کیا۔ اسکے متعلق ہم گذشتہ صفحات میں بہت کچھ لکھ چکے ہیں یہاں مختصراً یہ کہتے ہیں:

امیر المومنینؑ کی افواج میں بے شمار قاریان قرآن اور مجتہدین تھے اور وہ ہر امر میں اپنے اجتہاد سے کام لیتے۔ امیر المومنینؑ کے احکام جب تک اُنکے فتاوے کے مطابق نہ ہوتے، خوشی خاطر ان کی تعمیل ہی نہ کرتے۔ برخلاف شام والوں کے کہ وہ بے چون و چرا آنکھیں بند کرکے احکام کی تعمیل کرتے، کسی کو مجال دم زدن نہ تھی۔ امیر المومنینؑ کی بے بسی کا یہ عالم تھا کہ بہت سے احکام اور انتظامات جن کے متعلق شدید ضرورت ہوتی کہ انتہائی خفیہ طور پر انجام دیے جائیں، کسی کو معلوم نہ ہوں مگر امیر المومنینؑ کے امکان میں نہ ہوتا کہ اُسے چھپا سکیں۔ آپ کے لشکر والے اس حد تک پیچھے پڑ جاتے کہ آپ کو چاروناچار اپنا پروگرام مجمع عام میں بیان کرنا پڑتا۔ امیر المومنینؑ کی مشکلوں کا خاتمہ یہیں پر نہیں ہوتا۔ دوسری مصیبت یہ تھی کہ آپ کے لشکر میں بہت سے ذی اثر و اقتدار سرداران قبائل ایسے تھے جو دشمن سے ساز باز رکھتے اور عین جنگ کے وقت اپنے ہی سپاہیوں کو توڑنے کی ہر ممکن کوشش کرتے رہتے۔ اشعث بن قیس اسکی نمایاں ترین مثال ہے۔ یہ امیر المومنینؑ کی قوت و طاقت، صلاحیت و استعداد و عزم محکم و عمل مبہم تھا کہ آپ نے دو متضاد طبیعت کے لوگوں کو ایک رشتہ میں منسلک کر رکھا تھا۔ پھر بھی ان دونوں قسم کے لوگوں کا باہمی اختلاف اور مفسدوں کی فتنہ پردازیوں نے ملکر صورت ایسی پیدا کر دی تھی کہ عراق کے بہادروں کی بہت بڑی جمعیت جو ایک طرف تو اپنے سرداروں کی سازش کا شکار تھی اور دوسرے طرف جنگ سے عاجز آ چکی تھی امیر المومنینؑ کے پیچھے پڑ گئی کہ آپ لڑائی بند کرنے کا حکم دیدیں۔ ایسی نازک صورت حال میں اگر امیر المومنینؑ لڑائی بند نہ کر دیتے تو نہ صرف آپس میں تلوار چل جاتی بلکہ خود امیر المومنینؑ کی جان خطرے میں پڑ جاتی۔ باغیوں نے انتہائی سختی سے اعلان کیا تھا کہ اگر آپ مالک اشتر کو واپس نہیں بلا لیتے ہیں تو ہم آپ کا بھی وہی انجام کریں گے جو عثمان کا کیا تھا یا پھر آپ کو پکڑ کر معاویہ کے حوالے کر دینگے۔ علیؑ موت سے کبھی نہ ڈرے مگر اس موقع پر خود اپنے دوستوں کے ہاتھوں اُنھیں مرنا منظور نہ تھا۔ اگر منظور

کر لیتے تو اس صورت میں کہیں زیادہ نقصان ہوتا بہ نسبت تحکیم قبول کرنے کے۔

(۱۶)

کسی موقع پر ابوموسیٰ نے اپنے دوستوں میں سے کسی سے یہ حدیث بیان کی تھی:

''بنی اسرائیل میں بڑا فتنہ وفساد برپا رہتا یہاں تک کہ دو حکم مقرر کیے گئے اور ان کا فیصلہ ایسا ہوا کہ فریقین اس پر راضی نہ ہوئے۔

ان کے ساتھی نے انھیں تنبیہ کرتے ہوئے کہا:

''ابوموسیٰ دیکھو خبردار؟ کہیں ایسا ہی وقت تمھارے لیے نہ آجائے اور تم بھی ایک حکم مقرر نہ کیے جاؤ۔''

''میں''

''ہاں تم''

''اس وقت خدا زمین وآسمان کہیں بھی میرا ٹھکانا نہ رکھے۔''

لیکن زمانہ کی نیرنگیوں کی بدولت ویسا ہی وقت آگیا۔ وہ اُسوقت اضافہ اور تدمر کے درمیان شہر غرض میں گوشہ نشینی اختیار کیے ہوئے بیٹھے تھے کہ ان کے غلام نے آکر کہا:

''لوگوں نے صلح کر لی۔''

''الحمدللہ''

''اور آپ کو حکم بنایا ہے''

ابوموسیٰ نے حیرت سے ہاتھ ملتے ہوئے کہا:

''انا للہ وانا الیہ راجعون''

مگر ابوموسیٰ نے حکم بننے سے انکار نہیں کیا بلکہ جھٹ تیار ہو گئے جیسے منتظر ہی بیٹھے تھے۔ اُنکے ساتھی کو بڑی حیرت ہوئی اُس نے یاد دلاتے ہوئے کہا:

''ابوموسیٰ اپنی وہ گفتگو تمھیں یاد ہے؟''

بھلا یاد کیوں نہ ہوتی مگر یاد ہوتے ہوئے بھی اُنھوں نے حکم بننے سے انکار نہ کیا۔ یہ بھی قسمت کی بات تھی کہ ابوموسیٰ جب حکم بنائے گئے تو اُنھوں نے منظور بھی کر لیا۔ اُن کی رضامندی نے امیرالمومنینؑ کی حکومت کا خاتمہ کر دیا۔ اُنکے حکم بنتے ہی شام اور

عراق دونوں طرف کے لوگوں نے یہ یقین کرلیا کہ علیؑ کی حکومت کا اب خدا حافظ۔ یہاں تک کہ وہ لوگ جو شروع سے الگ تھلگ رہے جنھوں نے معاویہ کا ساتھ دیا نہ علیؑ کا اُن سے بھی یہ حقیقت مخفی نہ رہ سکی۔ ابو موسیٰ کی زندگی کھلی ہوئی کتاب تھی۔ اُن کے گذشتہ حالات کو سامنے رکھ کر ہر شخص اُن کے ارادوں کو بآسانی معلوم کرسکتا تھا۔ وہ چاہے لاکھ چھپاتے ہوں مگر بہتوں نے اُنکے آغاز ہی کو دیکھ کر سمجھ لیا کہ انجام کیا ہوگا۔ پھر بھی امیر المومنینؑ کے بعض صحابہ نے ضروری سمجھا کہ ابو موسیٰ کو خبردار کردیا جائے۔ اس وجہ سے نہیں کہ ابو موسیٰ سے کوئی امید باقی تھی نہ ہی کسی کو وہم تھا کہ ابو موسیٰ اپنی گذشتہ حرکتیں بھلا بیٹھے ہوں گے، وہ صرف دل کی بے چینی تھی جو ہر شخص کو مجبور کر رہی تھی کہ اُنھیں ضرور متنبہ کردیا جائے۔ ہر شخص کو فکر تھی کہ اپنے سینہ کا بوجھ ہلکا کرلے۔ اگر اس موقع پر اُنھیں نصیحت نہ کی گئی تو قیامت تک یہ بوجھ سینے پر باقی رہے گا۔ ابن عباس نے ابو موسیٰ سے ملاقات کے وقت کہا:

''ابو موسیٰ تمھارا مقابلہ عرب کے مکارترین شخص سے ہے۔ معاویہ میں کوئی بات بھی ایسی نہیں جس سے وہ سزاوار خلافت ٹھہر سکیں۔ تم اپنے حق سے اُن کے باطل پر وار کروگے تو تمھارا مقصد پورا ہوجائے گا اور اگر تم نے کمزوری دکھائی اور ان کے باطل کو تمھارے حق پر دسترس ہوگیا تو معاویہ کا کام بن جائیگا......''

مگر اس کو کیا کیا جائے کہ اس جھگڑے میں حق وباطل کا معیار ابو موسیٰ کی نظروں میں وہ نہ تھا جو دیگر شریف مسلمانوں کا تھا۔

ابن عباس نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا:

''............ابو موسیٰ یہ بھی سمجھ لو کہ معاویہ مدعی خلافت ہیں درانحالیکہ نہ کسی نے ان کی بیعت کی اور نہ اہل حل وعقد نے اس کا مشورہ کیا ہے............ اگر وہ یہ دعویٰ کریں کہ عمر وعثمان نے انھیں شام کی حکومت دی تو یہ ٹھیک ہے، حضرت عمر نے انھیں ضرور عامل مقرر کیا تھا مگر ان پر کڑی نظر رکھتے تھے۔ اُن کی حالت اس طبیب کی طرح تھی جو مریض کو ہر ایسی چیز سے روکے جسے مریض کا دل چاہتا ہو اور ہر ایسی چیز پر مجبور کرے جو اُسے ناپسند ہو، پھر حضرت عثمان نے بھی انھیں شام کی حکومت پر برقرار رکھا مگر عمر وعثمان نے اور بھی تو بہت سے لوگوں کو عامل مقرر کیا تھا، معاویہ کے علاوہ کیا کسی اور نے بھی دعوائے خلافت کیا ہے...؟ یہ بھی جان لو کہ عمرو عاص کی اور باتیں چاہے کتنا ہی تمھیں پسند کیوں نہ ہوں مگر اُن کا باطن ضرور ایسا ہے جو تمھیں ناگوار ہوگا ....اور جو چاہے بھول جاؤ مگر یہ ہرگز نہ بھولنا کہ علیؑ کی بیعت انھیں لوگوں نے کی ہے جنھوں نے ابوبکر وعثمان کی کی تھی۔ ان کی بیعت ہدایت ورستگاری کی بیعت ہے اور انھوں نے جس سے بھی جنگ کی ہے وہ یا باغی تھا یا شکست بیعت کرنے والا...........''

ابن عباس ایسی صاف اور صریحی گفتگو کے بعد ابو موسیٰ کے لیے کسی تاویل یا شک وشبہ کی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی کہ علیؑ و

معاویہ میں اصل نزاع کیا تھی۔ درحقیقت معاویہ عثمان کے انتقام کے خواہاں نہ تھے نہ یہ جنگ قتل عثمان کی بنا پر رونما ہوئی تھی بلکہ معاویہ خلافت کے طلبگار تھے اور ایسے شخص سے خلافت چھیننا چاہتے تھے جسے تمام مسلمانوں نے اپنے اتفاق و اجماع سے اپنا خلیفہ مقرر کیا تھا۔ معاویہ کی حیثیت باغی کی تھی اور وہ امت کے اتحاد اور یکجہتی کو برباد کرنے کے پھیر میں تھے اور خلیفہ برحق اور حاکم شرعی کے نزدیک وہ ایسی چیز کے مستحق تھے جس کا ہر سرکش و نافرمان اور حکومت کا باغی سزاوار ہوتا ہے۔

ابوموسیٰ نے کہا:

خدا آپ کا بھلا کرے۔ خدا کی قسم علیؑ کے علاوہ میرا کوئی امام نہیں اور حضرت کا جو نظریہ ہے اُسی پر میں بھی قائم ہوں ہم اور آپ دونوں اللہ ہی پر بھروسہ کرتے ہیں۔''

مگر یہ سب ظاہرداری کی باتیں تھیں۔ اُنکے دل میں کھوٹ بہت پُرانا تھا۔ بہتیرے لوگوں نے جوان کے ماضی سے آگاہ تھے اور تھوڑے ہی دن پہلے جنگ جمل کے موقع پر ان کا تجربہ کر چکے تھے، اُن کی باتوں کا یقین نہیں بلکہ ریاکاری کی باتیں قرار دیں۔ احنف بن قیس بھی آ کر اُن سے ملے۔ بہت کچھ وعظ و نصیحت اور فہمائش و تنبیہ کی۔ فہمائش کے بعد بھید لینے اور پتہ چلانے کے لیے کہ ابوموسیٰ واقعاً امیر المومنینؑ سے خلوص رکھتے ہیں یا اُسی پرانی کجی پر باقی ہیں بولے:

''اگر عمرو عاص تم سے سیدھے نہ ہوں اور علیؑ پر اپنی رضامندی کا اظہار نہ کریں تو تم یہ تجویز رکھنا کہ یا تو عراق والے شام کے کسی قریشی کو منتخب کر لیں یا شام والے عراق کے کسی قریشی کو چن لیں۔''

ابوموسیٰ نے اس تجویز کو ناپسند نہیں کیا۔ گویا جائز اور شرعی حاکم کی برطرفی میں اُن کے نزدیک کوئی مضائقہ ہی نہ تھا۔ اُنھوں نے کہا:

''تم مطمئن رہو جیسا چاہتے ہو ویسا ہی ہوگا''

احنف نے امیر المومنینؑ کی خدمت میں آ کر عرض کی:

''امیر المومنینؑ ابوموسیٰ نے پہلے ہی فقرہ پر اپنے دل کا چور ظاہر کر دیا......''

امیر المومنینؑ مسکرائے۔ آپ اشعری کی حقیقت سے پہلے ہی آگاہ تھے۔

احنف نے بات پوری کرتے ہوئے کہا:

''میرا تو یہ خیال ہے کہ ہم لوگوں نے اپنی طرف سے ایسے شخص کو مقرر کیا ہے جو آپ کو معزول کرنے میں تامل نہ کرے گا۔''

امیر المومنینؑ نے سکون و وقار سے جواب دیا:

''تم ٹھیک ہی کہتے ہو، ابوموسیٰ کو حکم بنانے پر نہ میں راضی تھا نہ اب راضی ہوں مگر مشیت الٰہی میں کوئی چارہ نہیں، خدا کا جو حکم ہے وہ ٹل نہیں سکتا واللہ بالغ امرہ خدا اپنے حکم کو پورا کر کے رہے گا۔''

شریح بن ہانی نے ابوموسیٰ سے ذرا کھل کر باتیں کیں۔ ابوموسیٰ جب دومۃ الجندل کو روانہ ہونے لگے جہاں فیصلہ کیا جانے والا تھا تو شریح نے اُنھیں رخصت کرتے ہوئے کہا:

''ابوموسیٰ تم بہت بڑے کام کے لیے مقرر کیے گئے ہو۔ اگر تمھارے قول وفعل سے کوئی مشکل پیش آ گئی یا تم دھوکہ کھا گئے تو اسکی اصلاح کسی تدبیر سے نہ ہو سکے گی۔ خوب یاد رکھو کہ تمھیں عمروعاص سے سابقہ پڑا ہے جو خدا سے نہیں ڈرتے اور اُنھوں نے اپنے دین کو دنیا کے عوض فروخت کر دیا ہے۔ تم جو کچھ زبان سے کہو گے خواہ اپنے موافق یا مخالف وہ عرصہ دراز تک باقی اور ہر وقت لوگوں کی زبان پر جاری رہے گا چاہے وہ غلط ہی کیوں نہ ہو............ اگر معاویہ جیت گئے تو عراق والے جیتے باقی نہ رہیں گے اور علیؑ غالب ہوئے تو شام والوں کو اُن سے کوئی خطرہ نہیں............ کوفہ کی حکومت کے زمانہ میں تم سے کچھ لغزشیں ہو چکی ہیں اگر ویسی ہی غلطیاں تم نے پھر کیں تو ہم لوگوں کا یہ شک کہ تم علیؑ کے مخالف اور باطل کے طرفدار ہو، یقین سے بدل جائے گا اور تمھاری طرف سے قطعی مایوسی ہو جائے گی۔''

شریح نے دکھتی ہوئی رگ پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔ پرانی بات کے تذکرہ نے ابوموسیٰ کو آگ بگولہ کر دیا۔ بپھر کر کہنے لگے:

''جو لوگ ہمیں متہم سمجھتے ہیں وہ ہمیں حکم ہی کیوں مقرر کرتے ہیں؟''

شریح نے توقع ظاہر کرتے ہوئے کہا:

''اسی لیے کہ اب بھی تم حق کو پالو''

ابوموسیٰ نرم پڑ گئے اور بولے:

''خدا کی قسم میری یہی تمنا ہے کہ یہ جھگڑا رفع دفع ہو اور میں وہی کروں جس میں خدا کی رضامندی ہو۔''

مگر رہی سہی توقعات کو مغیرہ بن شعبہ نے آ کر ختم کر دیا۔ دونوں حکم کے ملنے کے قبل معاویہ نے قریش کے کچھ لوگوں سے جنھوں نے جنگ میں شرکت نہ کی تھی فرمائش کی کہ وہ فیصلہ کے وقت موجود رہیں۔ جیسے عبداللہ بن زبیر، ابن عمر وغیرہ، انھیں لوگوں میں مغیرہ بھی تھے جو طایف سے چل کر یہاں تک آئے تھے معاویہ نے اُنھیں ہاتھوں ہاتھ لیا اور بہت خاطر تواضع کی۔ اس امید میں کہ آگے چل کر عرب کے اس شاطر آدمی کے داؤں پیچ سے کام لینے کا موقع ملے۔ رسمی بات چیت کے بعد معاویہ نے پوچھا:

''مغیرہ تمھارا کیا خیال ہے؟''

مغیرہ تھوڑی دیر سوچتے رہے، پھر بولے:

''معاویہ اگر مجھ سے ہوسکتا تو ضرور تمھاری مدد کرتا لیکن اب تو اس کا موقع نہیں رہا۔ بس یہی ممکن ہے کہ دومۃ الجندل جا کر عمروعاص اور ابوموسیٰ سے ملوں اور جو حقیقت حال ہو آ کر تم سے بیان کردوں۔''

مغیرہ نے ایسا ہی کیا۔ وہ پہلے ابوموسیٰ سے جا کر ملے۔ باتوں باتوں میں پوچھا:

''ابوموسیٰ! اس شخص کے متعلق تمھارا کیا خیال ہے جو اس لڑائی میں کنارہ کش رہا، نہ اس نے علیؑ کا ساتھ دیا نہ معاویہ کا ۔۔۔؟''

ابوموسیٰ نے برجستہ کہا:

''ایسے ہی لوگ بہترین آدمی ہیں''

مغیرہ نے پھر کوئی بات نہ کی وہاں سے اُٹھکر عمروعاص کے پاس آئے اور پوچھا:

''ابوعبداللہ اس شخص کے متعلق تمھاری کیا رائے ہے جس نے ان معرکہ آرائیوں میں خونریزی کرنے سے پہلو بچایا اور ان جھگڑوں سے الگ تھلگ رہنا اختیار کیا ہو۔''

عمروعاص نے فوراً کہا:

''وہ شخص تمام انسانوں میں بدترین اور بہت ہی بدبخت ہے کیونکہ نہ حق کو پہچانتا ہے نہ باطل کا منکر ہے۔''

اس گفتگو سے مغیرہ کو پورا اندازہ ہوگیا کہ ابوموسیٰ کی نیت کیا ہے۔ اُنھوں نے معاویہ سے جا کر کہا:

''عبداللہ بن قیس (ابوموسیٰ) ضرور علیؑ کو خلافت سے علٰحدہ کردیں گے اور ایسے شخص کو خلیفہ بنائیں گے جو اس جنگ میں شریک نہ تھا۔ رہ گئے عمروعاص تو یہ تمھارے پورے ہمدرد ہیں جیسا کہ تم اُنھیں جانتے بھی ہو۔''

ابوموسیٰ کی یہ گفتگو بین ثبوت ہے کہ ان میں ذرہ برابر بھی تبدیلی نہیں ہوئی تھی۔ ان کے خیالات وہی پہلے کے ایسے تھے اور اُن کی روش وہی تھی جو جنگ جمل کے موقع پر تھی یعنی لڑائی میں کسی فریق کا ساتھ نہ دیا جائے۔ یہ ٹھیک ہے کہ ابوموسیٰ حقدار تھے اسکے کہ جو چاہیں نظریہ رکھیں مگر انھیں اس کا حق کہاں سے مل گیا کہ وہ تحکیم کے معاملہ کو جو عام مسلمانوں کا معاملہ تھا اپنی ہی نگاہ سے دیکھیں۔ ابوموسیٰ اس موقع پر اپنی نمایندگی نہیں کررہے تھے بلکہ عراق کے مسلمانوں اور امیرالمومنینؑ کے نمائندہ تھے۔ اُنھیں اچھی طرح معلوم تھا کہ انھیں اسی لیے حکم بنایا گیا ہے کہ وہ ادھر کے لوگوں کے خیالات جا کر عمروعاص کے سامنے

رکھیں نہ کہ اپنے خیالات کا اظہار کریں۔اگر وہ اپنے قدیمی نظریے کو چھوڑنے سے ایسے ہی مجبور تھے تو سب سے زیادہ مناسب یہ تھا کہ وہ اس منصب کو قبول ہی نہ کرتے، انکار کردیتے کہ میں حکم نہیں بننا چاہتا لیکن افسوس اسی کا ہے کہ وہ اپنے قدیمی نظریے سے پیچھے بھی نہیں ہٹے اور تحکیم کے معاملہ میں وہی کیا جو ان کا جی چاہتا تھا۔جن لوگوں نے انھیں اپنا نمائندہ بنایا تھا جنکی طرف سے وہ گفتگو کرنے کے لیے بھیجے گئے تھے اُنھیں کی مخالفت کی اور جنکی مخالفت کرنا چاہیے تھا اُنھیں کی مدد کی۔حکم بننے کے پہلے بھی وہ جانتے تھے اور حکم بننے کے بعد بھی اُنھیں بخوبی معلوم تھا کہ دونوں فریق میں جھگڑا کس بات کا ہے اور عراق والوں نے انھیں کس غرض سے اپنا نمائندہ بنایا ہے اور عہد نامہ کے شرائط کیا ہیں جن کو پیش نظر رکھ کر عمروعاص سے بحث ومباحثہ کرنا اور ملکر کسی متفقہ فیصلہ پر پہونچنا ہے۔یہ تمام باتیں ان پر روشن تھیں۔خود عہد نامہ کی عبارت میں صراحت تھی کہ دونوں حکم قرآن کے ذریعہ فیصلہ دیں گے۔اب تمام باتوں کے باوجود بھی ابوموسیٰ اپنے اجتہاد ہی پر مصر رہیں اور اپنے اجتہاد کے مطابق ہی فیصلہ دیں تو ظاہر ہے کہ ان کا فیصلہ قطعی مردود ہوگا کیونکہ انھوں نے عہد نامہ کی بنیادی شرط ہی پوری نہ کی۔یعنی قرآن سے فیصلہ نہ کیا۔اس صورت میں اُن کا اجتہاد ہوا و ہوس کا دوسرا نام ہے کیونکہ صراحت و وضاحت کی موجودگی میں اجتہاد کی گنجائش نہیں۔

ابوموسیٰ کو جو کرنا تھا کر گذرے۔ہوسکتا ہے کہ اُن سے یہ حرکت محض اس وجہ سے ہوئی ہو کہ وہ اپنے قدیمی خیالات کے اسیر تھے۔یا شاید وہ معاویہ کے جال میں پھنس گئے ہوں۔یا عمروعاص کے دھوکہ میں آ گئے ہوں۔بہر حال بظاہر یہی کہا جا سکتا ہے کہ اُنھوں نے نہ تو احنف کی نصیحت پر دھیان دیا، نہ ابن عباس کی فہمائش پر غور کیا۔نہ شریح کی تنبیہ پیش نظر رکھی۔حتیٰ کہ امیرالمومنینؑ نے اُن کے دومۃ الجندل میں پہونچنے کے بعد جو خط لکھا اس پر بھی توجہ نہ کی۔امیرالمومنینؑ نے اُنھیں لکھا تھا:

”............تمھیں جاننا چاہیے کہ مجھ سے زیادہ کوئی آدمی بھی امت محمدؐ کی جماعت بندی اور اتحاد باہمی کا خواہشمند نہیں ہے۔ اس سے میری غرض صرف ثواب خداوندی اور حسن آخرت ہے۔میں نے جو عہد کیا ہے اُسے پورا کر کے رہوں گا۔اگرچہ تم اس نیک خیال سے کہ جو مجھ سے آخری ملاقات تک تمھارا تھا پلٹ جاؤ۔یقیناوہ بدبخت ہے جو عقل و تجربہ کے ہوتے ہوئے اُسکے فوائد سے محروم رہے۔میں تو اس بات پر پیچ و تاب کھاتا ہوں کہ کوئی کہنے والا باطل بات کہے۔یا کسی ایسے معاملہ کو خراب ہونے دوں جسے اللہ درست کر چکا ہو۔لہذا جس بات کو تم نہیں جانتے اس کے درپے نہ ہو، کیونکہ شریر لوگ بُری باتیں تم تک پہچانے کے لیے اُڑکر پہونچا کرینگے۔(نہج البلاغہ جلد دوم)

❑❑

آٹھواں باب

کشتگانِ صفین

عبداللہ ابن ابزی کا قول ہے کہ جنگ صفین میں جناب امیرؑ کے ساتھ آٹھ سو اصحاب بیعت الرّضوان کے تھے ۔ان اصحاب میں سے ترسٹھ صحابہ جنگ میں شہید ہوئے جن میں عمار یاسر اور خزیمہ بن ثابت بھی تھے ۔ان کے علاوہ مہاجرین وانصار کی ایک بڑی جماعت ہمراہ تھی ۔(تحفہ اثنا عشریہ)

قبیلہ انصار جن کا مرتبہ صحابہ میں مہاجرین کے بعد قرآن و حدیث سے ثابت ہے، سب کے سب جناب امیرؑ کے ساتھ تھے بجز مسلمہ ابن مخلد و نعمان بن بشیر کے......

مقتولین کے بارے میں مؤرخین میں بہت اختلاف ہے ۔احمد بن دورقی یحیٰ بن سعین سے ناقل ہیں کہ جنگ صفین میں نوّے ہزار شامی اور بیس ہزار عراقی کل ایک لاکھ دس ہزار آدمی ایک سو دس دن میں قتل ہوئے ۔ابن دورقی کا قول ہے کہ اہل شام کی تعداد جس قدر مؤرخین بیان کرتے ہیں اس سے زیادہ ہے ۔لشکر شام میں صرف لڑنے والے ایک لاکھ پچاس ہزار سوار و پیادے تھے ۔خدمتگار و توابع اسکے علاوہ ہیں ۔ ہر سپاہی کے ساتھ اقل درجہ ایک خدمتگار ضرور ہوتا ہے اور امراء و روسا کے ساتھ پانچ پانچ دس دس بھی ہوتے ہیں ۔اگر سب شمار کیے جائیں تو تین لاکھ سے زائد ہوتے ہیں ۔اہل عراق کی تعداد ایک لاکھ بیس ہزار تھی ۔ان کے خدمت گار و توابع ملا کر دو لاکھ چوبیس ہزار ہوتے ہیں ۔ یہ تعداد تخمینی و قیاسی ہے جو میرے نزدیک خالی از مبالغہ نہیں معلوم ہوتی ۔

ہشیم بن عدی طائی شرقی بن قطامی ابو مخنف لوط بن یحیٰ کے قول کے مطابق نوے ہزار اور لشکر شام پچاسی ہزار تھا۔فریقین کے ایک لاکھ پچھتر ہزار میں سے ستر ہزار قتل ہوئے ۔ پینتالیس ہزار لشکر شام و تابعین معاویہ سے اور پچیس ہزار لشکر محبّین جناب امیرؑ سے جن میں پچیس صحابی بدری تھے ۔(مروج الذہب مسعودی)

معرکوں کی تعداد میں بھی اختلاف ہے ۔تاریخ الخمیس میں ہے کہ دونوں لشکر صفین میں ایک سو دس دن مقیم رہے، نوے لڑائیاں ہوئیں، بعض اس سے زائد کہتے ہیں ۔

روضۃ الصفا سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں لشکر صفین میں تین مہینہ کامل مقیم رہے ۔اس مدت میں پچاسی مرتبہ فریقین جنگ

کے لیے آمادہ ہوئے لیکن جنگ نہ ہوئی۔ نصف جمادی الاخر تارویت ہلال رجب جنگ ہوئی اور پھر موقوف ہوگئی اور تا انقضائے ماہ محرم موقوف رہی پھر شروع صفر سے جنگ شروع ہوگئی۔ گیارہ مہینہ تک فریقین میں مقیم رہے۔ علاوہ ماہ ہائے حرام جنگ ہوتی رہی۔ ان لڑائیوں میں قریب ستر ہزار آدمی جناب امیرؑ کے لشکر میں شہید ہوئے جن میں ستر بدری تھے۔ معاویہ کے لشکر میں ایک لاکھ بیس ہزار آدمی قتل ہوئے۔

علامہ ابن اثیر وابن خلدون لکھتے ہیں کہ ذی الحجہ کا پورا مہینہ لڑائی میں گذرا، محرم میں لڑائی موقوف رہی، یکم صفر چہارشنبہ سے شروع ہوکر دسویں صفر جمعہ کی شام کو لڑائی ختم ہوئی۔ شمار کرنے سے تقریباً چالیس لڑائیاں ہوتی ہیں یا کچھ زیادہ......''

سیرۃ علویہ شاہ محمد علی حیدر کاکوروی ص ۳۳۳ تا ۳۲۹

ہم ذیل میں پیغمبرؐ کے اُن جلیل القدر اصحاب کے اسماء گرامی درج کرتے ہیں جنھوں نے جنگ صفین میں امیرالمومنینؑ کی حمایت میں معاویہ سے جنگ کی۔ ان اصحاب میں ستر یا اسی وہ عظیم المرتبت صحابہ کبار بھی تھے جنھیں جنگ بدر میں شرکت کا شرف حاصل تھا اور جن کے متعلق جمہور اسلام کا عقیدہ ہے وہ سب کے سب جنتی ہیں۔

شاہ محمد علی حیدر کاکوروی لکھتے ہیں:

''اصحاب بدر وہ عظیم المرتبت گروہ ہے جس کے علوئے مرتبت کی اطلاع خود آنحضرتؐ کو دی گئی۔ حدیث صحیح ہے ان اللہ **اطلع علیٰ اھل بدر فقال اعلمو اما شئتم فقد غفرت لکم**۔ نیز کلام مجید خود بایں الفاظ ناطق ہے **فلم تقتلو ھم ولکن اللہ قتلھم وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمیٰ**۔ حضرت عمر توان لوگوں کو حقدار خلافت بھی سمجھتے تھے۔ عبدالرحمان ابن ابتری حضرت عمر سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر نے فرمایا کہ امر خلافت اہل بدر کا حق ہے، جب تک ایک بھی ان میں باقی ہے دوسرا حقدار نہیں۔ پھر اہل احد اس منصب کے لائق ہیں تاوقتیکہ ان میں سے ایک بھی رہے دوسرے کو نہ ملنا چاہیے پھر دیگر مہاجرین وانصار ہیں۔ لیکن طلیق ابن طلیق اور مسلمانان فتح مکہ کا اس خلافت میں کوئی حق نہیں ہے۔'' (اسدالغابہ ذکر معاویہ سیرۃ علویہ ص ۳۷۶، ۳۷۷)

(۱) اسید بن ثعلبۃ الانصاری بدری

(۲) ثابت بن عبیداللہ انصاری بدری، آپ جنگ صفین میں شہید ہوئے۔

(۳) ثعلبۃ بن قیظی بن صخر الانصاری بدری

(۴) جبیر بن انس بن ابی زریق بدری

(۵) جبلہ بن ثعلبہ انصاری خزرجی بدری

(۶) حارث بن حاطب بن عمرو الانصاری الاوسی بدری

(۷) حارث بن امیہ انصاری الاوسی بدری (۸) حصین بن حارث بن مطلب قریشی بدری

(۹) خالد بن زید بن کلب ابو ایوب الانصاری (۱۰) خزیمہ بن ثابت ذوالشہادتین انصاری بدری، جنگ صفین میں شہید ہوئے۔

(۱۱) خلیفہ یا علیفہ بن عمرو البیاضی بدری،

(۱۲) خویلد بن عمرو انصاری سلمی بدری (۱۳) ربعی بن عمرو انصاری بدری

(۱۴) رفاعہ بن رافع بن مالک انصاری خزرجی بدری

(۱۵) زید بن اسلم بن ثعلبہ بن عدی البلوی بدری (۱۶) جابر بن عبداللہ بن عمرو الانصاری السلمی بدری

(۱۷) خباب بن الارتہ، ابوعبداللہ التیمی بدری (۱۸) سہل بن حنیف بن واہب الانصاری الاوسی بدری

(۱۹) سماک بن اوس بن خرشتہ الانصاری الخزرجی بدری

(۲۰) صالح الانصاری بدری (۲۱) عبداللہ بن عتیک الانصاری بدری

(۲۲) عقبہ بن عمرو بن ثعلبہ ابومسعود الانصاری بدری (۲۳) عمار یاسر بدری آپ صفین میں شہید ہوئے

(۲۴) عمر بن انس الانصاری الخزرجی بدری (۲۵) عمرو بن حمق الخزاعی الکعبی بدری

(۲۶) قیس بن سعد بن عبادہ الانصاری الخزرجی (۲۷) کعب بن عامر السعدی بدری

(۲۸) مسعود بن اوس بن اخرم الانصاری بدری

(۲۹) ابوالہیثم مالک بن تیہان بلوی بدری، آپ صفین میں شہید ہوئے۔

(۳۰) ابوحبہ عمرو بن غزیہ بدری

(۳۱) ابوعمرہ بشر بن محصن الانصاری بدری، آپ صفین میں شہید ہوئے۔

(۳۲) ابوفضالتہ الانصاری بدری، جنگ صفین میں شہید ہوئے۔

(۳۳) ابومحمد الانصاری بدری (۳۴) ابوبردہ ہانی بن نیار یاغر بدری

(۳۵) ابوالیسر کعب بن عمرو بن عباد الانصاری السلمی بدری

(۳۶) اسود بن عیسیٰ تمیمی

(۳۷) اشعث بن قیس کندی۔ جنگ صفین میں میمنہ کا سردار

(۳۸)انس بن بدرک ابوسفیان الخشعمی (۳۹)احنف بن قیس ابوبحر تمیمی سعدی

(۴۰)اعین بن ضبعۃ الحنظلی ، جنگ صفین میں ایک رسالہ کے افسر تھے۔

(۴۱)برید الاسلمی ، جنگ صفین میں شہید ہوئے۔ان کے متعلق امیرالمومنینؑ نے یہ اشعار فرمائے تھے:

جزی الله خیر اعصبة اسلمیة حسان الوجوه صرعوا حول هاشم

برید وعبدالله منهم و منقذ وعروة ابنا مالك فی الا کارم

خداوند عالم اسلمی جماعت کو جزائے خیر عنایت فرمائے جو خوبصورت چہروں والے ہیں جو ہاشم کے اردگرد عروس شہادت سے ہمکنار ہوئے۔ برید اور عبداللہ اور اُنھیں میں سے منقذ اور عروہ مالک کے دونوں فرزند بھی ہیں جن کا شمار معززین وشرفا میں ہوتا ہے۔

(۴۲) برابرین عازب انصاری خزرجی (۴۳) بشیر یا بشیر بن ابی زید الانصاری

(۴۴) بشیر بن ابی مسعود الانصاری (۴۵) ثابت بن قیس بن الخطیم الانصاری

(۴۶)جاریہ بن زید، جنگ صفین میں شہید ہوئے (۴۷) جاریہ بن قدامہ بن مالک تمیمی سعدی

(۴۸) جبلہ بن عمر و بن ثعلبہ الانصاری (۴۹) جبیر بن حباب بن منذر انصاری

(۵۰) جندب بن زہیر الازدی الغامدی، یہ امیر المومنینؑ کے افسر فوج تھے ۔

(۵۱) جندب بن کعب عبدی اللہ الازدی الغامدی (۵۲) حارث بن عمرو بن حرام الانصاری الخزرجی

(۵۳) حازم بن ابی حازم لاحسمی، جنگ صفین میں شہید ہوئے

(۵۴) حبشی بن جنادہ بن نصر سلولی (۵۵) حجاج بن عمر وبن غز یہ الانصاری

(۵۶) حجر بن عدی کندی جو حجر الخیر کے نام سے مشہور ہیں، جنگ صفین میں افسر فوج تھے۔

(۵۷) حجر بن یزید بن سلمہ الکندی (۵۸) حنظلہ بن نعمان الانصاری

(۵۹)حیان بن ابجر کہانی (۶۰)خالد بن ابی خالد الانصاری

(۶۱)خالد بن ابی دجانہ انصاری

(۶۲)خالد بن معمر بن سلیمان السدوسی ، امیرالمومنینؑ کے لشکر کے افسر تھے۔

(۶۳) خالد بن ولید الانصاری (۶۴) خرشہ بن مالک بن جریر الاودی

(۶۵) رافع بن خدیج بن رافع الانصاری الخزرجی الحارثی

(۶۶) ربیعہ بن قیس العدوانی (۶۷) ربیعہ بن مالک بن دھیل النخعی۔

(۶۸) زبید بن عبد خولانی۔ یہ جنگ صفین میں پہلے معاویہ کے ساتھ تھے اور اُن کی فوج کے علمدار تھے، جب جناب عمار شہید ہو گئے تو پیغمبرؐ کی حدیث عمار تقتلہ فئۃ الباغیہ عمار کو باغی گروہ قتل کرے گا کے پیش نظر امیر المومنینؑ کے لشکر میں چلے آئے۔

(۶۹) زید بن ارقم بن زید بن قیس کعبی خزرجی (۷۰) زید بن جاریہ الانصاری

(۷۱) زیاد بن حنظلہ تمیمی (۷۲) زید بن جبلہ یا حبلہ

(۷۳) سعد بن حارث بن صمۃ الانصاری، جنگ صفین میں شہید ہوئے۔

(۷۴) سعد بن عمرو بن حرام الانصاری لخزرجی (۷۵) سعد بن مسعود الثقفی، جناب مختارؒ کے چچا تھے۔

(۷۶) جناب سلیمان بن صرد بن ابی الحون ابوالمطرف الخزاعی۔ یہ جنگ صفین میں امیر المومنینؑ کے میمنہ کی پیادہ فوج کے افسر تھے۔

(۷۷) سہیل بن عمرو الانصاری، یہ جنگ صفین میں شہید ہوئے۔

(۷۸) شبث بن ربعی تمیمی یربوعی ابوعبدالقدوس (۷۹) شبیب بن عبداللہ بن مشکل ندحجی

(۸۰) شریح بن ہانی بن یزید بن نہیک ابوالمقدام الحارثی

(۸۱) شیبان بن محرث (۸۲) صدی بن عجلان بن الحارث ابو امامہ باہلی

(۸۳) صعصعہ بن صوحان عبدی

(۸۴) صفر بن عمرو بن محصن، جنگ صفین میں شہید ہوئے۔

(۸۵) صیفی بن ربعی بن اوس

(۸۶) عائذ بن سعید بن زید بن جندب المحاربی الجری، صفین میں شہید ہوئے۔

(۸۷)عائذ بن عمرو الانصاری (۸۸)عامر بن واثلہ بن عبداللہ ابوالطفیل الیثی

(۸۹)عبداللہ الاسلمی ۔ جنگ صفین میں شہید ہوئے ۔ یہ منجملہ ان لوگوں کے ہیں جن کی امیرالمومنینؑ نے مدح فرمائی ہے جیسا کہ گذشتہ صفحات میں حضرت کے اشعار ہم نے ذکر کیے ہیں ۔

(۹۰)عبداللہ بن بدیل ورقاء خزاعی ۔ جنگ صفین میں شہید ہوئے ۔

(۹۱)عبداللہ بن عباس بن عبدالمطلب، صفین کے میسرۂ لشکر کے افسر تھے ۔

(۹۲)عبداللہ بن خراش ابوالعیلی الانصاری (۹۳)عبداللہ بن خلیفہ بولانی طائی

(۹۴)عبداللہ بن ذباب بن الحارث المذحجی (۹۵)عبداللہ بن طفیل بن ثور بن معاویہ بکانی

(۹۶)عبداللہ بن کعب مرادی۔ جنگ صفین میں شہید ہوئے ۔ یہ بزرگوار امیرالمومنینؑ کے اکابر اصحاب سے تھے ۔

(۹۷)عبداللہ بن یزید الخطمی الانصاری الاوسی

(۹۸)عبدالرحمان بن بدیل بن ورقاء خزاعی ۔ جنگ صفین میں شہید ہوئے ۔

(۹۹)عبدالرحمان بن حسل الجمحی ، جنگ صفین میں شہید ہوئے ۔

(۱۰۰)عبید بن خالد السلمی ۔ (۱۰۱)عبداللہ بن سہیل الانصاری

(۱۰۲)عبیداللہ بن عازب، براء بن عازب کے بھائی (۱۰۳)عبید بن عمر السلمانی

(۱۰۴)عبدحنیر بن یزید بن محمد الہمد انی ۔امیرالمومنینؑ کے اکابر صحابہ میں سے تھے ۔

(۱۰۵)عدی بن حاتم بن عبداللہ بن سعد الطائی (۱۰۶)عروہ بن زید الخیل الطائی

(۱۰۷)عروہ بن مالک اسلمی ۔ جنگ صفین میں شہید ہوئے، یہ بھی ان لوگوں میں سے ہیں جن کی امیر المومنینؑ نے اپنے اشعار میں مدح فرمائی ہے ۔

(۱۰۸)عقبہ بن عامر سلمی (۱۰۹)علاء بن عمرو الانصاری

(۱۱۰)علیم بن سلمۃ الفہمی (۱۱۱)عمرو بن بلال (یہ بزرگ مہاجر بھی تھے)

(۱۱۲)عمیر بن حارثہ الیثی (۱۱۳)عمیر بن قرہ سلمی

(۱۱۴) عمار بن ابی سلامتہ بن عبداللہ بن عمران (۱۱۵) عوف بن عبداللہ بن احمر ازدی

(۱۱۶) فاکہ بن سعد بن جبیر الانصاری الاوسی الخطمی ۔ جنگ صفین میں شہید ہوئے۔

(۱۱۷) قیس بن ابی قیس انصاری

(۱۱۸) قیس بن مکشوح ابوشارد المردی، جنگ صفین میں شہید ہوئے۔

(۱۱۹) قرظہ بن کعب بن ثعلبہ بن عمرو انصاری خزرجی

(۱۲۰) کرامہ بن ثابت الانصاری

(۱۲۱) کعب بن عمر ابوزغنہ

(۱۲۲) کمیل بن زیاد نخعی ۔ کہا جاتا ہے کہ پیغمبرؐ کی زندگی کے ۱۸ سال انھوں نے دیکھے۔ یہ بہت معزز، محترم اور ثقہ بزرگ تھے۔ (اصابہ جلد ۳ ص ۳۱۸)

(۱۲۳) مالک بن حارث بن یغوث نخعی مشہور بہ اشتر (۱۲۴) مالک بن عامر بن ہانی بن خفاف الاشعری

(۱۲۵) محمد بن بدیل بن ورقاء خزاعی، جنگ صفین میں شہید ہوئے۔

(۱۲۶) محمد بن جعفر بن ابی طالب الہاشمی، جنگ صفین میں درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔

(۱۲۷) مخنف بن سلیم بن حرث بن عوف بن ثعلبہ ازدی غابدی، جنگ صفین میں قبیلہ ازد کے علمدار تھے۔

(۱۲۸) معقل بن قیس ریاحی تمیمی یربوعی

(۱۲۹) مغیرہ بن نوفل بن حرث بن عبدالمطلب ہاشمی

(۱۳۰) منقذ بن مالک اسلمی، عروہ بن مالک کے بھائی، جنگ صفین میں شہید ہوئے۔

(۱۳۱) مہاجر بن خالد بن ولید مخزومی، جنگ صفین میں شہید ہوئے۔

(۱۳۲) نضلہ بن عبید الاسلمی ابوبریزہ

(۱۳۳) نعمان بن عجلان بن نعمان الانصاری الرزقی

(۱۳۴) ہاشم بن عتبہ بن ابی وقاص المرقال ۔ امیر المومنینؑ کے علمدار لشکر تھے، جنگ صفین میں شہید ہوئے۔

(۱۳۵) ہبیرہ بن نعمان بن قیس بن مالک بن معاویہ جعفی ۔ امیر المومنینؑ کے سردار لشکر تھے۔

(۱۳۶) دواعہ بن ابی زید الانصاری (۱۳۷) یزید بن حویرث الانصاری

(۱۳۸) یزید بن طعمۃ بن جاریہ بن لوذان الانصاری الخطمی

(۱۳۹) یعلی بن امیہ بن ابی عبیدہ بن ہمام بن حرث تمیمی حنظلی۔ کہا جاتا ہے کہ جنگ صفین میں شہید ہوئے۔

(۱۴۰) یعلیٰ بن عمیر بن لعمیر حارثہ بن عبید نہدی

(۱۴۱) ابوشمر بن ابرہتہ بن شرحبیل بن ابرہتہ بن الصباح الحمیری۔ جنگ صفین میں شہید ہوئے۔

(۱۴۲) ابویعلی الانصاری عبدالرحمان کے والد (۱۴۳) ابوجحیفہ السوائی

(۱۴۴) ابوعثمان الانصاری (۱۴۵) ابوالورد بن قیس بن فہر الانصاری

اس فہرست کے دیکھنے سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ گروہ صحابہ جناب امیرؑ کی طرف تھا۔ معاویہ کو لوگ باغی سمجھتے تھے، اصحاب بدر کے اجماع سے یہی نتیجہ نکلتا ہے۔'' (سیرۃ علویہ شاہ محمد علی حیدر کاکوروی ص ۳۴۷ تا ۳۷۶)

❑❑

نواں باب

فتنۂ خوارج

صفین کی واپسی بڑی دردناک تھی، آنکھیں اشک آلود، دل زخمی، سر جھکے ہوئے اور جسم کا ہیدہ، بلا کی پژمردگی سب پر طاری تھی۔ سایہ کی طرح سارا لشکر خاموش آہستہ آہستہ چل رہا تھا۔ یہ لوگ کوفہ کی طرف واپس ہو رہے تھے جہاں اُنھیں چین سے زندگی بسر کرنے کی امید تھی مگر ایسی زندگی جو درحقیقت موت تھی، اور جسے سچی زندگی کہتے ہیں اُسے وہ صفین کے میدان میں چھوڑ آئے تھے، کتنی دھڑکنیں دل کی، کتنے ہیجان سینوں کے اور کتنی درد بھری نگاہیں، اس زمین پر نہ جانے کس قدر ان لوگوں نے مہر پدری اور اطاعت فرزندی کا خون بہایا تھا۔ کتنے جذبات اخوت اور دوستانہ محبت کا گلا گھونٹا تھا۔ کتنے بے شمار کشتے زمین میں دفن کیے تھے، ایسی قبروں میں جن پر کوئی نشان بھی نہ تھا۔ اتنی ہی چیزیں انھوں نے وہاں نہیں چھوڑیں بلکہ باہمی خلوص اور دلوں کی صفائی بھی وہیں مر کے رہ گئی۔ حتی کہ وہ چیخ پکار اور شور وشغب جو روانگی کے وقت اُن کے ساتھ تھا وہ بھی آخر میں مر گیا ۔اب نہ اُن میں بحث ومباحثہ کی طاقت تھی اور نہ گفتگو کا یارا۔ دل ہی دل میں اپنے کو لعنت ملامت کر رہے تھے کہ ہم سے کتنی بڑی غلطی ہوگئی۔ وہ مصالحت جسکی بعض لوگوں نے آواز بلند کی تھی اور زور دیا تھا کہ ضرور قبول کر لی جائے اب وہ سراسر شکست نظر آرہی تھی اور وہ جنگ جس کے جاری رکھنے کے لیے کچھ لوگ مُصر تھے اگر جاری رہتی تو آپس ہی میں تلوار چل جاتی۔ ان دو قسموں کے علاوہ تیسری قسم کے بہت سے لوگ وہ تھے جو نہ ادھر تھے نہ ادھر، جن کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ مصالحت کے خواہاں جو ہیں انکی ہمنوائی کریں یا اُن کا ساتھ دیں جو جنگ پر مصر ہیں۔ مگر اس وقت سبھی حیران تھے، جنگ پر اصرار کرنے والے بھی، مصالحت پر زور دینے والے بھی اور مذبذب ومتردد افراد بھی۔

سب ہی حیرت میں ڈوبے ہوئے چل رہے تھے، انتہائی بے دلی وسستی کے ساتھ۔ گویا خود سے نہ چل رہے ہوں کوئی ڈھکیل کر لے جا رہا ہو، جس طرح خشک پتوں کو ہوا اڑا کر لے جاتی ہے۔ احساسات مردہ، دل ودماغ ماؤف اور آوازیں حلق میں گھٹی ہوئیں۔ شرم کے مارے اُن لوگوں نے وہ راستہ بھی اختیار نہ کیا جس راستہ سے آئے تھے بلکہ دوسرے راستہ سے چلے ۔فرات کے کنارے چلتے ہوئے یہ لوگ ھیت پہونچے، وہاں سے صندود پر آئے۔ رات گذری صبح ہوئی اور صبح ہوتے ہی جیسے بیہوشی سے یہ لوگ ہوش میں آگئے۔ سفر تمام ہونے کے قریب تھا۔ آخری منزل سامنے تھی، اب یہ لوگ نخیلہ میں تھے اور نخیلہ

کے عقب میں کوفہ کی آبادی نظر آ رہی تھی۔ دوست احباب، اعزہ واقربا کے چہرے عالم خیال میں مذاق اُڑاتے بُرا بھلا کہتے دکھائی دے رہے تھے۔ کوفہ پہونچنے میں دیر ہی کیا تھی، گھنٹہ دو گھنٹہ میں یہ لوگ وہاں کے لوگوں کے پاس پہونچ جانے والے تھے۔ وہاں یا تو لعنت ملامت کا سامنا کرنا پڑتا یا تمسخر واستہزا کا۔ پھر ہر گھر سے نوحہ وشیون کی آواز الگ دل دہلانے والی تھی۔ سب سے بڑھ کر یہ خیال سوہان روح تھا کہ آخر لوگوں کا جب سامنا ہوگا تو کہیں گے کیا۔ خاموش رہنے سے کام نہیں چلتا تھا اور بولتے تو ناکام واپس آنے کا عذر کیا بیان کرتے؟

شہر میں داخلہ کے وقت ابن ودیعہ انصاری سے مڈبھیڑ ہوئی۔ یہ دوڑ کر امام کی خدمت میں پہونچے۔ لشکر والے گفتگو سننے اور کوفہ والوں کے خیالات معلوم کرنے کے لیے نزدیک سمٹ آئے۔ امیر المومنینؑ نے ابن ودیعہ سے پوچھا:

''ہمارے بارے میں لوگوں کو کیا بات چیت کرتے سنا ہے؟''

ابن ودیعہ نے کہا:

''کچھ لوگ خوش ہیں، کچھ لوگ جنگ کے خاتمہ کو بُرا جان رہے ہیں اور لوگ تو جیسا کہ ارشاد الہیٰ ہے، ہمیشہ ایک دوسرے سے اختلاف کرتے ہی رہتے ہیں''

''مگر ارباب عقل وخرد کیا کہتے ہیں؟''

ابن ودیعہ نے جواب دینے میں کچھ دیر تامل کیا پھر بولے:

''وہ یہ کہتے ہیں کہ علیؑ کے ساتھ بہت بڑی جمعیت تھی، علیؑ نے ان میں تفرقہ ڈال دیا۔ ان کے لیے ایک مضبوط قلعہ تھا جسے اُنھوں نے منہدم کر دیا۔ اب ایسا قلعہ پھر کب دوبارہ تیار ہو سکے گا اور اتنی بڑی جمعیت کس وقت تک اکٹھا ہو سکے گی۔ دور اندیشی یہی تھی کہ جن لوگوں نے نافرمانی کی تھی اُنھیں چھوڑ دیتے، اپنے اطاعت گذاروں کو ساتھ لے کر وہ اُس وقت تک جنگ جاری رکھتے جب تک یا تو مکمل فتح ہو جاتی یا جام شہادت نوش کرتے۔''

امیر المومنینؑ نے حسرت واندوہ کے لہجہ میں اپنے لشکر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا:

''میں نے منہدم کیا کہ خود ان لوگوں نے، میں نے پھوٹ ڈالی یا ان لوگوں نے......''

یہ کہہ کر آپ آگے بڑھے۔

لشکر میں چیخ پکار پھر پیدا ہو گئی۔ سویا ہوا جھگڑا بیدار ہو گیا۔ لگے ایک دوسرے کو بُرا بھلا کہنے اور الزام دینے کہ جنگ کا ایسا برا انجام تمھاری ہی وجہ سے ہوا ہے۔ جنگ کے حامی صلح کے حامیوں کو الزام دیتے اور صلح کے حامی جنگ کے حامیوں کو۔ کوئی

کہتا کہ نہیں یہ ان لوگوں کا قصور ہے جو نہ ادھر تھے نہ ادھر، نہ جنگ ہی کے حامی تھے نہ صلح ہی کے خواہاں۔ ہر شخص اپنے کو بے قصور اور دوسرے کو خطاوار قرار دے رہا تھا۔ اگر سفر کی تھکان اور گھر بار سے قریب ہونے کی مسرت نہ ہوتی تو ممکن تھا کہ بجائے کوڑوں سے ایک دوسرے کو پیٹنے کے تلوار و نیزہ ہی سے جھگڑے کا فیصلہ کرنے کے لیے تل جاتے۔

وہ ایک دوسرے کو گالیاں دیتے، برے القاب سے پکارتے، ایک دوسرے پر چڑھے پڑتے اور یہ اُسکے منھ پر مارتا اور وہ اس کے منھ پر۔ بات بات پر تلواریں نیام سے نکل پڑتیں۔ انھیں اسکا بھی لحاظ نہیں تھا کہ امام ہملوگوں کے درمیان موجود ہیں۔ کئی کئی مرتبہ چھیڑ چھاڑ ہوئی، بدزبانی اور گالم گلوج سے بڑھ کر نوبت ہاتھا پائی تک آ گئی۔ کوفہ تک پہونچتے پہونچتے بری طرح لشکر میں پھوٹ پڑ چکی تھی۔ ایک دوسرے کے دشمن ہو گئے تھے۔ جو تحکیم کے سخت خلاف تھے یہ کہتے تھے:

''اے اللہ کے دشمنو! تم نے اللہ کے حکم میں مداہنت کی اور انسانوں کو اپنا حکم بنالیا۔''

اسکے جواب میں دوسرے لوگ جنھوں نے تحکیم قبول کر لی تھی کہتے تھے:

''تم نے ہمارے امام کو چھوڑ دیا اور ہماری جماعت میں تفریق پیدا کر دی۔''

جب حضرت علیؑ کوفہ کے قریب پہونچے اور حرد راء کے مقام پر آئے تو بارہ ہزار خوارج نے آگے جانے سے انکار کر دیا اور یہیں ٹھہر گئے۔

امیر المومنینؑ محزون و دل ملول باقی لشکر کو لیے ہوئے کوفہ کی طرف چلتے رہے۔ آپ کے عقب میں خوارج کی چیخ پکار غیظ و غضب کی آوازیں بلند تھیں۔ بارہ ہزار آدمی ایک ساتھ نعرہ لگاتے لاحکم الاللہ مگر امیر المومنینؑ برابر خاموش رہے۔ آپ نے پیچھے پلٹ کر بھی نہیں دیکھا۔ سکون و وقار سے چلتے رہے۔ شہر کے باہر قبرستان میں چند قبریں نئی نظر آئیں، لوگوں سے پوچھا یہ قبریں یہاں کیسے ہوئیں؟ لوگوں نے کہا:

''خباب بن الارت نے وفات پائی۔ وہ حسب وصیت شہر کے باہر دفن ہوئے پھر لوگوں نے اور قبریں بھی وہاں بنائیں۔''

آپ نے وہاں ٹھہر کر خباب کے مناقب بیان فرمائے اور فاتحہ پڑھ کر کہنے لگے:

''سلام ہو تم پر اے وحشتناک گھروں اور اجاڑ مقامات والو! تم ہمارے پیش رو ہو اور ہم تمھارے پیچھے پیچھے آنے والے ہیں، عنقریب ہی تم سے آملیں گے۔''

پھر آپ نے آسمان کی طرف منھ اُٹھا کر پروردگار سے مناجات کرتے ہوئے فرمایا:

''خداوندا ہمیں بھی بخش دے اور انھیں بھی۔ اپنے عفو سے کام لے کر ہم سے بھی درگذر کر اور ان سے بھی۔ خوشا حال اس کا

جس نے قیامت کو یاد رکھا، حساب و کتاب (میں پورا اترنے) کے لیے عمل کیا اور بقدر ضرورت پر قناعت کی اور خدا نے جو دیا اُس پر راضی رہا۔''

(۲)

یہ واپسی بڑی خاموشی اور آہستگی کے ساتھ ہوئی۔ لیکن اسی کے ساتھ انتہائی دردناک بھی تھی۔ جدھر قدم اُٹھتے رونے کی آواز سنائی دیتی۔ ہر گھر میں نوحہ وشیون برپا تھا۔ کوچہ بنی ثور سے متصل ہو کر گذرے وہاں ایک مکان میں لوگ رو رہے تھے، دریافت سے معلوم ہوا کہ مقتولین جنگ کے ورثاء اپنے اعزہ کو رو رہے ہیں۔ امیر المومنینؑ نے فرمایا:

''میں شہادت دیتا ہوں جو لوگ میرے ساتھ اس جنگ میں امید ثواب پر لڑے اور مارے گئے وہ شہید ہوئے۔''

پھر قبیلہ فائشین سے ہو کر محلہ شباقین میں آئے، یہاں حرب ابن سرجیل شبانی سے فرمانے لگے:

''کیا تمھاری عورتیں تم پر غالب ہیں؟ تم ان کو رونے سے منع کیوں نہیں کرتے؟''

حرب نے کہا:

''امیر المومنینؑ! اگر ایک گھر دو گھر یا تین گھر ہوتا تو ہم روک بھی سکتے تھے مگر یہاں تو یہ عالم ہے کہ کوئی گھر ایسا نہیں جس سے رونے کی آواز بلند نہ ہو۔ ہمارے خاندان کے ایک سو اسی شخص قتل ہوئے، کس کس کو سمجھائیں۔

امیر المومنینؑ نے سر جھکا لیا۔ حرب نے کچھ دیر خاموشی کے بعد عرض کی:

''مگر ہم مرد لوگ اے امیر المومنینؑ نہیں روتے بلکہ خوش ہیں اپنے مقتولین پر۔ مسرور ہیں کیونکہ وہ درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔''

امیر المومنینؑ نے تسلّی دی۔ دلاسہ کے طور پر پیٹھ پر تھپکی دیتے ہوئے کہا:

''خداوند عالم تمھارے مردوں اور تمھارے مقتولین پر رحم کرے......''

امیر المومنینؑ آگے بڑھے، حرب بھی پیادہ ساتھ چلا، آپ نے فرمایا:

''تم گھر واپس جاؤ۔ تمھارے ایسے آدمی کا میرے ایسے ساتھ پیدل چلنا حاکم کے لیے فتنہ اور مومنین کے لیے باعث ذلّت ہے''۔

پھر آگے بڑھے مخالفین نے آوازے کسنے شروع کیے۔

''خدا کی قسم علیؑ نے کچھ نہیں کیا اور بغیر کچھ کیے واپس آ گئے''

امیرالمومنینؑ کے کانوں میں بھی یہ آواز پڑی آپ نے فرمایا:

''یہ ان لوگوں کے سردار ہیں جنھوں نے ملک شام نہیں دیکھا۔''

ان ملامت کرنے والوں میں بہت سے ایسے بھی تھے جو آرام سے بیٹھے رہے، نہ گھر سے باہر نکلے تھے نہ آپ کی نصرت و حمایت کی تھی اور بہت سے ایسے بھی تھے جو جنگ صفین میں شریک بھی ہوئے، داد شجاعت بھی دی مگر ٹھیک اُس وقت جب فتح و نصرت قدم چومنے والی تھی اپنی حماقت سے لڑائی بند کردی اور شاندار فتح کھو بیٹھے۔

امیرالمومنینؑ نے ان تمام تمسخر واستہزاء اور خفگی و برہمی کو صبر و تحمل سے برداشت کیا۔ اس امید میں کہ حقیقت آج نہیں تو کل ضرور واضح ہو کر رہے گی۔ یہ لوگ خود ہی راہ راست پر آجائیں گے۔ ان ملامت کرنے والوں کی آپ کو اتنی پرواہ نہ تھی جتنا قلق واضطراب ان خارجیوں کے متعلق تھا جو اس وقت آپ کی مخالفت میں حد سے گذر گئے تھے۔ یہ لوگ کوفہ سے صفین آپ کے ساتھ ساتھ گئے تھے۔ اُسوقت کیفیت یہ تھی کہ ان سے بڑھ کر کوئی سرگرم آپ کا حمایتی نہ تھا۔ صفین سے واپس بھی آپ کے ساتھ ہوئے مگر اب ان سے بڑھ کر آپ کا کوئی مخالف نہ تھا۔ راستہ میں کٹ کر یہ لوگ مقام حروراء میں مجتمع ہو رہے تھے۔ آخر انھیں آپ کی کونسی بات ناگوار گذری؟ اور بجائے اسکے کہ یہ لوگ اپنی غلطیوں پر نادم ہوتے اور میدان جنگ میں ٹھیک لڑائی کے فیصلہ کن خاتمہ کے وقت ان سے جو زبردست کوتاہی ہوئی اس پر توبہ کرتے، یہ کیوں آپ کی مخالفت پر کمر بستہ تھے؟

ان حروراء والوں کے خیالات ونظریات کچھ اتنے پیچیدہ ومبہم تھے کہ کوئی سمجھ ہی نہیں سکتا تھا کہ آخر ان کا مطلب کیا ہے؟ کل انھیں لوگوں نے تحکیم کو قبول کیا تھا اور صرف قبول ہی نہیں کیا بلکہ اس میں اس قدر حد سے گذرے کہ امیرالمومنینؑ کو بھی اسکے قبول کرنے پر مجبور وبے بس کردیا۔ دھمکیاں دیں کہ اگر آپ قرآن کو حکم بنانا منظور نہ کرینگے تو ہم آپ کو قتل کر ڈالیں گے یا گرفتار کر کے معاویہ کے حوالہ کردینگے اور وہی تحکیم کے منکر تھے اور اتنی سختی سے منکر جیسے آسمانی عقیدہ اور خدائی فیصلہ ہو جس میں کسی چوں وچرا کی گنجائش نہیں۔ یہ لوگ قاریان قرآن تھے۔ سب سے زیادہ قرآن کے عالم (جیسا کہ یہ لوگ اپنے کو ظاہر کرتے تھے) اب ان کی کیفیت یہ تھی کہ یہ اپنے وطن میں جانا حرام سمجھتے تھے اور ان کے تعصب نے ان کے دلوں کو اتنا اندھا بنادیا کہ یہ بھی نہ سمجھ سکے کہ اپنے خیالات ونظریات کی تبلیغ کا بہترین ذریعہ وعظ و پند، افہام وتفہیم ہے نہ کہ جنگ وجدال۔

لیکن یہ لوگ تو ویسے ہی تھے جیسا کہ پیغمبرؐ نے ان کے متعلق فرمایا تھا **یتلون القرآن لا یتجاوز تراقیھم** ۔ یہ لوگ قرآن کی تلاوت کرتے ہیں مگر قرآن اُنکے حلق سے نیچے نہیں اترے گا۔ ٹھیک ایسا ہی ہوا۔ آج یہ لوگ قرآن کی تلاوت بھی کرتے ہیں اور اس میں الحاد بھی۔ اپنی مقصد براری کے لیے اپنے جی سے قرآنی آیات کی ایسی تاویلیں کرتے اور وہ معنی

پہناتے جنھیں ان آیات سے دور کا بھی تعلق نہ ہوتا۔ انکی عقلوں کی کنجی نے اُنھیں جیسے تنگ و تاریک غار میں مقید کر رکھا تھا جہاں شعور اور ادراک کی ہلکی سی روشنی کا بھی گذر نہ تھا مگر اُسے وہ وسعت علم اور کمال معرفت سمجھتے تھے، اپنے خیال میں بس فقط وہی روشنی والے تھے باقی سب اندھیرے میں۔ اُنھیں کی رائے بس صحیح رائے تھی اور اُنھیں کا ایمان بس ایمان تھا اور اسکے ماسوا ساری چیزیں گمراہی و ضلالت تھیں۔

ان لوگوں کو یہ تک منظور نہ تھا کہ وہ اور علیؑ ایک جگہ رہیں۔ اُن کے نزدیک علیؑ اور معاویہ برابر تھے اور دونوں راہ راست سے منحرف۔ جس دن سے علیؑ اور اُن کے ساتھیوں نے تحکیم قبول کی یہ لوگ ہدایت سے خارج ہو گئے کیونکہ ان لوگوں نے ایسی بات کا اقرار کیا جو دین کو منہدم کر دینے والی ہے اور وہ یہی کہ ان لوگوں نے مردوں کو حکم بنانا قبول کیا حالانکہ حکم بس اللہ ہی ہو سکتا ہے۔ اس بنا پر علیؑ سے کنارہ کشی، ان کی اطاعت سے انکار اور اُن کے خلاف خروج ضروری و لازمی ہے۔

یہ وہ انتہائی غلو سے بھرا ہوا عقیدہ تھا جس کے خوارج معتقد ہوئے اور اس حد سے گذری ہوئی نوبت پر اُن کے غور و فکر نے اُنھیں پہونچایا۔ اسلام کو جن فتنوں سے دوچار ہونا پڑا ان میں سب سے زیادہ ہولناک فتنہ اُنھیں خوارج کا تھا۔ اُس وقت بھی کچھ لوگوں نے اُنھیں عقائد کو دین و ایمان بنایا اور اُن کے بعد بھی عرصہ تک انھیں عقائد کے حامل افراد کچھ نہ کچھ پیدا ہوتے رہے۔ دنیائے اسلام ان سے پاک کبھی نہ ہوئی بلکہ مردوں کے اصلاب میں بصورت نطفہ ان کا وجود رہا۔ نسلاً بعد نسل ہر زمانہ میں ان کی ایک نہ ایک جماعت ظاہر ہوتی رہی اور ملّت اسلامیہ ان کی تباہ کاریوں کا شکار بنتی رہی۔ اگر آج عہد امیر المومنینؑ میں حروراء والوں نے علیؑ کی امامت سے انکار کیا تو کل ان کے جانشینوں نے ہر حاکم اور ہر حکومت سے سرکشی کی۔ کیونکہ اُن کے نزدیک کسی کو امام یا حاکم بننے کا حق نہیں۔ تمام مسلمان برابر ہیں۔ حکومت بھی اللہ ہی کی ہے اور بیعت بھی اللہ ہی کے لیے۔

ان خوارج نے ایک نئے دستور اساسی اور ایک جدید نظام حکومت کی ایجاد کی۔ اس نظام حکومت میں نہ تو کوئی حاکم ہے نہ محکوم، ہر شخص خدا کی رعیت ہے، اس عقیدہ کے وہ اتنی سختی سے معتقد ہوئے کہ اُنھیں یہ تک گوارا نہ ہوا کہ اپنی مختصر سی جماعت کا کسی کو حاکم مقرر کریں۔ حرقوس بن زہیر نے بھی امامت قبول کرنے سے انکار کیا۔ حمزہ بن سنان نے بھی انکار کیا۔ شر بن ہانی نے بھی انکار کیا۔ کوئی شخص اس بات پر تیار ہی نہ ہوتا تھا کہ اس جماعت کی زمام قیادت اپنے ہاتھ میں لے۔ اگر جنگ کا خطرہ نہ ہوتا جو عنقریب ان میں اور امیر المومنینؑ میں چھڑنے والی تھی تو یقیناً عبداللہ بن وہب بھی اپنے عقیدہ کی پابندی کرتے ہوئے امامت کے منصب کو قبول نہیں کرتا لیکن عبداللہ بن وہب نے اسی مشکل کی بنا پر اُسے قبول کر لیا اور اُس نے اپنی جماعت والوں سے کہا:

''......خدا کی قسم میں دنیا کی رغبت میں اس سرداری کو قبول نہیں کرتا اور نہ موت کے ڈر سے اس افسری کو چھوڑنا چاہتا ہوں۔''

کتنا حیرت انگیز ہے قول و فعل کا یہ تضاد کہ باوجودیکہ ان خوارج کا بنیادی عقیدہ تھا کہ البیعۃ للّٰہ۔ بیعت اللہ ہی کے لیے ہے، نہ کوئی حاکم ہے نہ کوئی محکوم، سب اللہ کی رعیت ہیں۔ مگر خود اپنی مختصر سی جماعت کا بغیر سردار مقرر کیے کام چلتا نظر نہیں آیا اور اس سے بڑھ کر تعجب خیز یہ ہے کہ پوری سلطنت اسلامیہ میں وہ اسی دستور کو نافذ کرنے کے درپے تھے۔ ان کا گمان یہ تھا کہ یہ سارے جھگڑے اور اختلافات حکومت کی لالچ میں ہیں۔ لہذا جب کوئی حاکم ہی نہ ہوگا تو یہ جھگڑے بھی پیدا نہ ہوں گے۔ ان کے واہمہ نے انھیں بتایا کہ یہ دستور اساسی سب نظریے سے بہتر ہے اور خالص دینی نظریہ ہے کیونکہ خدا کی حکومت تبھی صحیح معنوں میں پوری ہوگی اور لوگ حکام کی زیادتیوں سے اسی صورت میں محفوظ رہیں گے۔

امیر المومنینؑ کو ان خیالات پر بڑی حیرت ہوئی۔ ایک موقع پر آپ نے ان کے اس عقیدہ پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا:

''یہ صحیح ہے کہ خدا کے سوا کسی کو فیصلہ کا حق نہیں لیکن یہ لوگ (خوارج) تو کہتے ہیں کہ خدا کے سوا امامت بھی کسی کا حق نہیں۔ بلاشبہ لوگوں کے لیے کسی امیر کا ہونا ضروری ہے، خواہ وہ نیکوکار ہو بدکار۔ اس کی امامت میں مومن اپنے عمل بجالاتا رہے گا اور کافر اپنے حقوق حاصل کرتا رہے گا اور خداوند عالم اس نظام حکومت میں ہر چیز کو اس کی آخری حدوں تک پہونچا دے گا۔ اسی حاکم کی وجہ سے مال خراج وغنیمت جمع ہوتا اور دشمن سے لڑا جاتا ہے۔ راستے پُرامن رہتے ہیں اور قوی سے کمزور کا حق دلایا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ نیک حاکم (مر کر یا معزول ہو کر) راحت پائے اور بُرے حاکم (کے مرنے یا معزول ہونے) سے دوسروں کو راحت پہونچے۔''

یہی دستور حیات ہے اور یہی فطرت کا قانون۔ یہ بات دوسری ہے کہ خوارج اس کے تسلیم کرنے پر تیار نہ ہوئے اور محض عنا دو تعصب کے سبب ان حقائق کو دیکھنے کی کوشش کی اور نہ سننے کی۔''

(۳)

خوارج کی تحریک آخر تھی کیا؟ اور کن بنیادوں پر قائم تھی اور اس تحریک کا اثر کہاں تک پہونچتا ہے؟

اس تحریک نے اُس وقت جنم لیا جب کہ عراق و شام کی فوجیں صفین ہی میں موجود تھیں، لڑائی بند ہوگئی تھی اور فریقین کی طرف سے قرآن سے فیصلہ کرانے پر عہد و پیمان ہو گیا تھا۔ اس وقت یہ تحریک مدھم تھی، ابھی ناپختہ خیال اور بے جانچی پرکھی فکر تھی جو دفعتہ ایک دلیر نوجوان کے زبان سے نکل پڑی۔ بڑی شاندار فتح ہونے والی تھی، تھوڑی دیر اور عراقی لشکر اگر لڑائی پر جما رہتا تو شام والوں کا نام و نشان مٹ گیا ہوتا۔ لیکن عمرو عاص کے فریب کی وجہ سے یہ شاندار فتح ذلیل و رسواکُن مصالحت میں تبدیل ہوگئی۔ اس پر امیر المومنینؑ کے لشکر کے ایک نوجوان کو بڑی غیرت آئی اور اُس نے اس ذلیل صلح کو قبول کرنے سے

انکار کردیا۔ غصہ میں بپھر کر وہ بھی اُٹھا اور اس کا ایک بھائی بھی اور دونوں نے شام والوں پر حملہ کر دیا۔ لڑتے ہوئے معاویہ کے خیمہ تک دونوں پہونچ گئے اور وہاں جا کر مقتول ہوئے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ سب سے پہلے جس نے لاحکم الاللہ کا نعرہ بلند کیا وہ قبیلہ غزہ کے یہی دو صغیر السن نوجوان تھے جعد اور معدان جو حقیقی بھائی تھے۔

لیکن دونوں کے مرجانے سے اُن کی آواز نہیں مری بلکہ اُسکی گونج اونچی ہوتی گئی۔ یہ آواز کچھ ایسے لوگوں کے کانوں میں بھی پڑی جو قاریان قرآن تھے اور قرآن کے حروف والفاظ کے بڑے سخت پابند بنتے تھے۔ اُنھوں نے جیسے ہی نعرہ سنا، اُسے اپنے دل پر نقش کرلیا اور فوراً ہی یہی نعرہ صدائے بازگشت کی طرح اُن کی زبان سے بلند ہونے لگا۔ زبان پر آتے ہی ان کی عقلوں میں بھی سما گیا اور دلوں میں بھی اور اُس کے نشہ سے مست ہو گئے۔ اب نہ اُن میں سوچنے سمجھنے کی صلاحیت تھی نہ فکر و ادراک کی۔

اتنے فریفتہ اور سرگشتہ ہوئے اس نعرہ پر کہ ہر لحہ اسی کا ورد کرنے لگے اور صفین کے میدان میں دوسروں کو اس کی طرف دعوت دینی شروع کی۔ یہ ظاہری بات ہے کہ اتنے بڑے لشکر میں اپنے جیسے بہت سے آدمی انھیں مل گئے ہوں گے سیاہ پیشانیوں اور کالے گھٹوں والے اور یہ بھی ظاہری بات ہے کہ ایسے افراد جو لڑائی جاری رہنے پر مصر تھے اور صلحنامہ کے مخالف وہ بھی اُن کے پاس سمٹ آئے ہوں گے۔ یہ سب کچھ ہونا اور ایک نئی تحریک کا پیدا ہوجانا اور اس نعرہ کا جو ایک کمسن نوجوان کی زبان سے بے سوچے سمجھے نکل پڑا تھا، ایک خوشنما عقیدہ بن جانا دشوار بات نہیں۔

اسی وجہ سے ہم دیکھتے ہیں کہ یہ لوگ صفین کے میدان سے ابھی ہٹے بھی نہیں تھے کہ اس عقیدہ نے دینی لباس پہن لیا، وہ نخوت و بہادری اور شباب کی حدت جس نے جعد اور معدان کے لبوں سے یہ آواز بلند کرائی تھی وہ تو پردہ میں چلی گئی اور یہ نعرہ صریحی احکام قرآنی کی شکل میں باقی رہ گیا۔ اب یہ نعرہ نہ تھا بلکہ دین و مذہب تھا اور کلمۂ شہادت تھا۔

پہلے تو یہ لوگ، جبکہ معاویہ والوں نے قرآن نیزوں پر بلند کیے، عراق والوں کو مشرک قرار دیتے تھے کہ وہ قرآن کو حکم بنانے پر تیار نہیں، انھیں قرآن کی طرف دعوت دی جارہی ہے اور یہ اس دعوت کو قبول نہیں کررہے ہیں، لڑنے بھڑنے پر تیار ہوئے، علیؑ کو قتل کرنے اور معاویہ کے حوالہ کر دینے کا تہیہ کرلیا اور جب علیؑ نے چارو ناچار مجبور و بے بس ہو کر تحکیم قبول کر لی تو اب ان لوگوں نے اپنا پہلا نظریہ تبدیل کرلیا اور اب ان کے نزدیک یہی شرک ہو گیا کہ علیؑ نے تحکیم مان لی اور اسکے عہد و پیمان کو پورا کرنے پر مصر ہیں۔ اب اُن کے نزدیک علیؑ جبھی مومن ہو سکتے تھے کہ وہ عہد نامہ کی خلاف ورزی کرتے، صلحنامہ کو ٹھکرا دیتے اور پھر سے لڑائی شروع کر دیتے۔

خوارج کا نظریہ جسکے وہ سختی سے قائل تھے یہ تھا کہ خداوند عالم نے معاویہ اور اُن کی جماعت کے متعلق حکم نافذ فرما دیا ہے اور وہ یہ ہے کہ یہ لوگ یا تو قتل کیے جائیں یا پھر امت پر آ کر شامل ہوں، از روے کتاب خدا ان دونوں باتوں میں سے کسی ایک بات سے چھٹکارا نہیں۔

اُن کی دلیل قرآن مجید کی یہ آیت تھی:

وَإِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا فَإِن بَغَتْ إِحْدَاهُمَا عَلَى الْأُخْرَىٰ فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتَّىٰ تَفِيءَ إِلَىٰ أَمْرِ اللهِ ۚ فَإِن فَاءَتْ فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَأَقْسِطُوا ۖ إِنَّ اللهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ. إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ.

اگر مومنین کے دو گروہ آپس میں لڑیں تو ان دونوں کے درمیان صلح کرا دو لیکن اگر ایک جماعت بغاوت ہی پر تلی رہے تو ان بغاوت کرنے والوں سے جنگ کرو تا وقتیکہ کہ وہ حکم خدا کی طرف پلٹ آئیں۔ جب وہ پلٹیں تو اُن کے درمیان عدل و انصاف سے مصالحت کرا دو اور انصاف برتو کہ خداوند عالم انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ مومنین آپس میں بھائی بھائی ہیں لہذا اپنے بھائیوں کے درمیان میل کراؤ اور خدا سے ڈرو، قوی امید ہے کہ تم پر رحم کیا جائے

تو ان خوارج کے نزدیک معاویہ اور اُنکے اصحاب باغی تھے۔ ان کو راہ راست پر لانے کی ہر کوشش کی جا چکی تھی اُن سے جنگ محض اُن کی بغاوت ہی کی بنا پر لڑی گئی لہذا سوا غیر مشروط اطاعت قبول کرنے کی اُن کے لیے کوئی چارہ کار ہی نہیں۔

یہی خدا کا حکم ہے

یا یوں کہا جائے کہ یہی خدا کا وہ حکم ہے جسے حروراء والے خارجیوں نے سمجھا اور اس میں تاویل کی کوئی گنجائش نہیں۔

(۴)

امیرالمومنینؑ نے حتی الامکان خوارج سے درگذر کرنے کی کوشش کی اور اُن کے ساتھ ایسی نرمی برتی جس سے بڑھ کر نرمی کا تصور نہیں کیا جا سکتا، اُنھوں نے آپ پر زیادتیاں کیں، آپ کی ذاتی اہانت و تنقیص کی، آپ کے دین و ایمان پر حرف رکھا لیکن آپ نے کشادہ دلی سے اُن کی یہ ساری حرکتیں برداشت کیں، کیونکہ آپ آئیڈئل (مثالی) حاکم ہونے سے پہلے آئیڈیل انسان تھے۔ جانتے تھے کہ آزادی رائے کو تجدد افکار میں کتنی مداخلت حاصل ہے جس طرح آپ یہ بھی جانتے تھے کہ آزادی رائے پر پابندی یا اس کا خاتمہ درحقیقت آدمیت کا گلا گھونٹنا ہے۔

غرضکہ اس وقت سے لے کر جب سے کہ ان خوارج نے اختلاف شروع کیا اور مخالفت میں سر اُٹھایا اس وقت تک جب

تک لڑائی پوری طرح ٹھن نہ گئی، امیر المومنینؑ کی فیاضی کم نہ ہوئی اور نہ اُن کی سرکشی وزیادتی آپ کے اس مثالی سلوک و برتاؤ میں فرق پیدا کرسکی جو آپ نے دوست دشمن دونوں کے لیے مساویانہ حیثیت سے اپنے اوپر لازم کررکھی تھی۔

جس وقت امیر المومنینؑ کوفہ میں داخل ہوئے اور خوارج کٹ کر حروراء میں مجتمع ہوئے تو آپ نے اپنے اصحاب سے فرمایا: ''اگر یہ خاموش رہے تو ہماری عطاان پر عام ہوگی، اگر یہ بولیں گے تو ہم انھیں قائل کریں گے اور اگر ہم پر خروج کرینگے تو ہم اُن سے جنگ کریں گے۔''

مطلب یہ تھا کہ جب تک یہ لوگ امن پسند رہیں گے ہماری عطا اُن کو شامل رہے گی۔ نیز آپکا مقصد یہ بھی تھا کہ ان لوگوں نے تحکیم کے متعلق جو نظریہ اختیار کیا ہے وہ کوئی وزن نہیں رکھتا اور اگر ہم سے گفتگو کی نوبت آئی تو اُن کا نظریہ فوراً ہی غلط ثابت ہو جائے گا، آپ اُن کو دلائل و براہین سے قائل کرنے کی پوری قدرت رکھتے ہیں اور اگر وہ لوگ ہٹ دھرمی ہی پر تلے رہے تو پھر اُن سے جنگ بھی کرلیجائے گی۔

واقعہ یہ ہے کہ امیر المومنینؑ کو اتنی فکر اس بات کی نہ تھی کہ یہ خوارج پھر آپ کے ساتھ ہو جائیں اور آپ کی طاقت اُن کی جماعت کیوجہ سے بڑھ جائے اور جب معاویہ سے پھر جنگ چھڑے تو ان خوارج کی وجہ سے اُن کے مقابلہ میں مضبوط ہوں جتنی فکر اس بات کی تھی کہ ان لوگوں کی گمراہی و ضلالت دور ہوجائے۔ کیونکہ مادیت کے مقابلہ میں روحانیت کی آپ کو زیادہ فکر رہی۔ عقول کی اصلاح اور ارواح کے علاج کو جسم و اعضا کی اصلاح و علاج پر آپ ہمیشہ سے مقدم سمجھتے تھے۔ نفوس کی تہذیب ودستگی آپ کے نزدیک اجسام کی درستگی سے پہلے ضروری تھی۔

ایک سلطنت کے حاکم ہونے کی حیثیت سے یہ چیز تو تکلیف دہ تھی ہی کہ ایک جماعت بغاوت پر کمر بستہ ہو اور لوگوں کے اتحاد و اتفاق میں رخنہ ڈالے لیکن بلحاظ ایک دیندار ہونے کے یہ بات زیادہ شاق تھی کہ ان باغیوں کی بغاوت انسانی اقدار و کردار کے خلاف بغاوت ہو جو بنیاد اساسی ہے کسی ملت کی شیرازہ بندی کی۔ حروراء والے خارجیوں کی تحریک ایسی ہی تھی۔

(۵)

جس وقت امیر المومنینؑ نے ابن عباس کو خوارج کے پاس بھیجا کہ جا کر اُن سے گفتگو کریں اور سمجھا بجھا کر واپس لائیں تاکہ یہ پھوٹ جو آپس میں پڑ گئی ہے اور پھر سب ایک ہو جائیں تو آپ نے ابن عباس کو تاکید کردی تھی کہ دیکھو ان کو قرآن سے قائل کرنے کی کوشش نہ کرنا کیونکہ قرآنی آیات میں تاویل کرنے کی بڑی گنجائش ہے۔ ان خارجیوں کو مجادلہ ومناظرہ کا جنون کی حد تک خبط ہے، ساتھ ہی یہ غلط فہمی بھی کہ ہم قاریان قرآن ہیں اور اسکی صحیح تفسیر بس ہم ہی کو معلوم ہے۔ جب تم قرآنی آیات

پیش کرو گے تو من مانی تاویل کریں گے اور اپنے ہی نظریہ کو صحیح ثابت کرنے کی کوشش کریں گے اور اُن کا نظریہ پہلے سے معلوم تھا، صلحنامہ لکھے جانے کے بعد ہی اُنھوں نے اس کا اعلان کرنا شروع کر دیا تھا۔ لوگوں میں اسکی تبلیغ کرتے اور اپنا ہمنوا بنانے کی کوشش کرتے تھے۔ اگر ان خوارج سے کوئی کہتا کہ تم ہی لوگوں نے تو علیؑ کو تحکیم قبول کرنے پر مجبور کیا پھر انھیں اتنی آزادی بھی نہ دی کہ وہ اپنی پسند سے کوئی حکم مقرر کر سکیں بلکہ اس پر بھی مجبور کیا کہ اسی کو حکم بنائیں جسے تم مقرر کر دو لہذا اب اس تحکیم کو گمراہی کیسے قرار دیتے ہو؟ تو انھیں کسی کے یہ کہنے کی بھی پروا نہ تھی کیونکہ اُنھوں نے اپنے کافر ہو جانے کا تو اقرار ہی کر لیا تھا۔ وہ کہتے تھے کہ ٹھیک ہے کہ ہم نے تحکیم کو قبول کیا اور ہم ہی نے علیؑ کو مجبور کیا کہ ضرور تحکیم مان لیں لیکن اس وقت ہم مشرک ہو گئے تھے، اب ہم تحکیم کا انکار کر کے اس سے توبہ کرتے ہیں۔ اب ہمارا نظریہ ہے کہ خدا کے سوا کسی کو فیصلہ کرنے کا حق نہیں۔

اس میں شک نہیں کہ خوارج کا یہ نظریہ عجیب وغریب نظریہ تھا، نہ اس وجہ سے کہ یہ اُن کے پہلے طرز عمل کے بالکل برعکس تھا اور نہ اس وجہ سے کہ اس نظریہ، اور قرآن کی صریحی آیات میں مطابقت نہیں جو حکم بنانے کی بہت سے صورتوں کو مباح قرار دیتی ہیں اور نہ اس وجہ سے کہ اُن کا نظریہ کلام مجید کی ان آیات کو معطل و بیکار بنا دیتا ہے جن آیات میں حکم کے فیصلہ کو قبول کرنے کی ترغیب دلائی گئی ہے، ان تمام وجہوں سے نہیں، بلکہ اس وجہ سے کہ یہ نظریہ انتہائی خطرناک نظریہ ہے۔ اس نظریہ کی بنا پر قرآن کے صحیح نصوص جامد ہو کر رہ جاتے ہیں۔ صرف لفظیں باقی رہ جاتی ہیں، اُن کے وسیع معانی و مطالب سے فائدہ اُٹھانے کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔

تحکیم کے حرام ہونے پر خوارج اس آیت کو ثبوت میں پیش کرتے تھے:

وَإِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا فَإِن بَغَتْ إِحْدَاهُمَا عَلَى الْأُخْرَىٰ فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتَّىٰ تَفِيءَ إِلَىٰ أَمْرِ اللَّهِ فَإِن فَاءَتْ فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَأَقْسِطُوا إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ.

اگر مومنین کے دو گروہ آپس میں لڑیں تو اُن کے درمیان صلح کرا دو لیکن اگر ایک جماعت بغاوت ہی پر تُلی رہے تو ان بغاوت کرنے والوں سے جنگ کرو تا وقت یہ کہ وہ حکم خدا کی طرف پلٹ نہ آئیں، جب وہ پلٹ آئیں تو ان کے درمیان عدل وانصاف سے مصالحت کرا دو اور انصاف کرو کہ خداوند عالم انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

خوراج کہتے تھے کہ معاویہ اور اُن کے اصحاب نے بغاوت کی۔ پہلے اُن کو راہ راست پر لانے کی ہر ممکن کوشش کی گئی، جب وہ نہیں مانے تب اُن سے جنگ لڑی گئی لہذا جب تک وہ پوری طرح زیر نہ ہو جائیں غیر مشروط اطاعت قبول نہ کر لیں، جنگ بند کر دینا اور جنگ بند کر کے حکم بنانے کا فیصلہ قطعاً حرام اور قرآن مجید کے حکم کی صریحی خلاف ورزی ہے۔

حالانکہ اگر غور سے دیکھا جائے تو یہی آیت خوارج کے نظریہ کی پوری طرح تردید و تکذیب کرتی ہے۔ آیت میں تین

باتوں پر زور دیا گیا ہے:

جو شخص دو متخاصم فریقین میں مصالحت کرا سکتا ہو اُسے لازم ہے کہ دونوں میں صلح وصفائی کرا کے فتنہ کی آگ بجھا دے۔ اگر صلح وصفائی ہوتی نظر نہ آئے تو دوسرے فریق کے ساتھ ہو کر اس فریق سے جنگ کرے جو زیادتی پر تلا ہوا ہے۔ اس وقت تک لڑے کہ اُس باغی فریق کی قوت ٹوٹ جائے اور وہ بات ماننے پر آمادہ ہو۔ جب وہ بات ماننے پر آمادہ ہو جائے تو پھر اُن دونوں فریق کے درمیان عدل وانصاف سے مصالحت کر دے۔

اس بنا پر دو متخاصم فریقین کے متعلق خداوند عالم نے جو حکم دیا ہے اُس کے تین منازل ومراحل ہیں:

پہلا مرحلہ ہے کوشش صلح۔ جب جنگ چھڑے تو دونوں میں صلح وصفائی کرا دی جائے۔

وَإِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا

جب مومنین کے دو گروہ آپس میں برسرِ پیکار ہوں تو ان کے درمیان صلح کرا دو۔

دوسرا مرحلہ جنگ کا ہے۔

فَإِنْ بَغَتْ إِحْدَاهُمَا عَلَى الْأُخْرَىٰ فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتَّىٰ تَفِيءَ إِلَىٰ أَمْرِ اللَّهِ

اگر ایک فریق دوسرے فریق پر زیادتی کرے تو زیادتی کرنے والے فریق سے جنگ کرو جب تک کہ وہ حکم خدا کی طرف رجوع نہ کرے۔

تیسرا مرحلہ ہے اصلاح کا، وہ اس وقت جب باغی گروہ حق کی طرف راجع ہو۔

فَإِنْ فَاءَتْ فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَأَقْسِطُوا

اگر باغی گروہ حق کی طرف رجوع کرے تو ان دونوں کے درمیان عدل وانصاف سے صلح ومصالحت کرا دو اور اس میں انصاف برتو۔

مذکورہ بالا آیت انھیں تین مراحل کی طرف اشارہ کرتی ہے اور اس قسم کے جتنے بھی قضیے پیش آئیں اُن میں مومنین کے لیے ضروری ہے کہ ان تینوں منزلوں سے گذریں۔ یہ مرحلے بہت ہی واضح ہیں کسی کو بھی ان میں شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔ ایسے قضیوں میں اگر کوئی طریقہ کار مناسب ہوسکتا ہے تو بس یہی جس کی یہ آیت تعلیم دیتی ہے۔ دوسرے طریقہ کار جیسے کنارہ کشی یا گوشہ نشینی، غیر جانبداری وغیرہ یہ سب مہمل ہیں بلکہ اگر غور سے دیکھا جائے تو حرام کی حد میں داخل ہیں۔ امیر المومنینؑ نے اسی قرآنی حکم اور اُس کے مراحل ومنازل کو پیش نظر رکھتے ہوئے بعض اکابر صحابہ سے اُن کے نامنصفانہ سلوک کی شکایت کی تھی

۔جنگ صفین کے بعد ایک دن آپ کی خدمت میں سعد بن ابی وقاص، عبداللہ بن عمر، مغیرہ بن شعبہ اپنے وظائف مانگنے کے ارادے سے آئے۔

امیرالمومنینؑ نے پوچھا:

''تم لوگ میری مدد سے کنارہ کش کیوں رہے؟''

ان لوگوں نے معذرت کرتے ہوئے کہا:

''حضرت عثمان قتل کر ڈالے گئے، ہمیں پتہ نہیں کہ اُن کا قتل کرنا جائز تھا یا ناجائز۔ یہ ضرور ہے کہ اُنھوں نے نت نئی بہت سی حرکتیں کیں لیکن لوگوں کے توبہ کرانے پر اُنھوں نے توبہ بھی کر لی۔ پھر لوگوں نے اُنھیں قتل کر دیا۔ ہم نہیں کہہ سکتے کہ اُنھوں نے جائز قتل کیا یا ناجائز۔ رہ گئی آپ کی عظمت وجلالت وہ ہمیں اچھی طرح معلوم ہے اور ہم آپ کی سابقیت الی الاسلام اور آپ کی ہجرت کے فضائل سے بھی واقف ہیں۔''

امیرالمومنینؑ نے فرمایا:

''کیا تمھیں یہ معلوم نہیں کہ خداوند عالم نے تم لوگوں کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا حکم دیا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:

وَإِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا فَإِنْ بَغَتْ إِحْدَاهُمَا عَلَى الْأُخْرَىٰ فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتَّىٰ تَفِيءَ إِلَىٰ أَمْرِ اللَّهِ

سعد بن ابی وقاص نے اپنی کنارہ کشی کی توجیہہ کرتے ہوئے کہا:

''یا علیؑ آپ ہمیں ایسی تلوار دیدیجئے جو یہ بتا سکے کہ کون کافر ہے کون مومن۔ مجھے خوف ہے کہ کہیں میں مومن کو قتل نہ کر ڈالوں اور اُسکی وجہ سے جہنم میں نہ جاؤں۔''

سعد کو جب بھی ان کی اس کنارہ کشی اور امیرالمومنینؑ کی مدد نہ کرنے کا طعنہ دیا جاتا تو وہ کہا کرتے:

''میں نے رسولؐ اللہ کو ارشاد فرماتے سنا ہے کہ میرے بعد فتنہ رونما ہوگا، بہترین مردم وہ لوگ ہوں گے جو خائف اور روپوش رہیں''

اسی وجہ سے اُنھوں نے امیرالمومنینؑ کی مدد سے پہلوتہی کی، گھر میں بیٹھے رہے، اس ڈر سے نہیں نکلے کہ کہیں علیؑ ومعاویہ کی جنگ وہی فتنہ نہ ہو جسکی طرف پیغمبرؐ نے اشارہ کیا تھا۔

امیرالمومنینؑ نے ان کا جواب دیتے ہوئے فرمایا:

''عثمان تم لوگوں کے خلیفہ تھے، تم نے اُن کی اطاعت وفرمانبرداری پر بیعت کی تھی، اگر وہ نیکوکار تھے تو تم نے اُن کی نصرت سے گریز کیوں کیا اور اُن کے افعال ناپسندیدہ تھے تو اُن سے جنگ کیوں نہ کی؟ عثمان نے جو کچھ کیا اگر ٹھیک کیا تو تم ظالم قرار پاتے ہو کیونکہ تم نے اپنے امام کی مدد نہ کی اور اگر وہ ناپسندیدہ افعال والے تھے تب بھی تم ظالم ٹھہرتے ہو کہ تم نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے حکم کی پروانہ کی............

......پھر اسی طرح ہمارے معاملہ میں بھی تم لوگ ظالم ٹھہرتے ہو۔ ہمارے اور ہمارے دشمن کے درمیان کھڑے نہ ہوئے، خدا کے اس حکم کی تعمیل نہ کی جس کی اُس نے انتہائی تاکید کی ہے۔ خداوند عالم کا ارشاد ہے:

فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتَّىٰ تَفِيءَ إِلَىٰ أَمْرِ اللَّهِ

ہمارا مقصد سعد کی توہین کرنا نہیں، نہ ہم ان لوگوں پر الزام لگانا چاہتے ہیں جو حضرت عثمان کی زندگی میں اُن کی مدد سے کنارہ کش رہے لیکن جب وہ قتل کر دیے گئے تو ان کا ماتم کرتے پھرتے اور اٹھتے بیٹھتے اُن کی ہلاکت کا رونا روتے، خواہ اُن کی سچی محبت کی وجہ سے یا محض علیؑ کی ضد میں۔ واقعہ یہ ہے کہ ان لوگوں نے نہ حق کی نصرت کی نہ باطل سے برسرپیکار ہوئے، اُن کا طرز عمل عثمان کے معاملہ میں بھی صریحی طور پر غلط تھا اور حضرت عثمان کے بعد بھی جبکہ یہ لوگ جمل وصفین کی جنگ سے کنارہ کش رہے۔ حضرت عثمان کے معاملہ میں تو اُنھوں نے پیغمبرؐ کے اس حکم کی خلاف ورزی کی: انصر اخاك ظالماً او مظلوماً۔ اپنے بھائی کی تم مدد کرو اسکے ظالم ہونے کی صورت میں بھی اور مظلوم ہونے کی صورت میں بھی۔ اگر حضرت عثمان ظالم تھے، لوگوں پر ظلم کر رہے تھے، اُن لوگوں نے حضرت عثمان کو روکا نہیں نہ اُنھیں مجبور کیا وہ عادلانہ برتاؤ کریں اور اگر وہ مظلوم تھے تو اُن کے ساتھ ہو کر اُن کے لیے باعث تقویت نہ ہوئے اور حضرت علیؑ کے معاملہ میں انھوں نے خداوند عالم کے حکم کی مخالفت کی۔ خداوند عالم کا تو حکم ہے کہ اگر مومنین کے دو گروہ آپس میں برسرپیکار ہوں تو صلح کرادو۔ اگر کوئی جماعت زیادتی ہی پر تلی رہے تو جنگ کرو جب تک وہ حق کی طرف پلٹ نہ آئے۔ ان لوگوں نے نہ تو صلح کرانے کی کوشش کی، نہ باغی جماعت سے جنگ کی بلکہ بیٹھے دیکھتے رہے کہ حالات کونسی کروٹ لیتے ہیں، کس کا پلہ بھاری پڑتا ہے۔

ہم نے یہ واقعہ محض اس امر کے ثبوت میں پیش کیا ہے کہ اگر مومنین کی دو جماعتوں میں جنگ کی نوبت آجائے تو ہمیں منفی طرز عمل اختیار کرنا اور گھر میں بیٹھ رہنا مناسب نہیں بلکہ ضروری ہے کہ عملی اقدام کریں اور اس حکم کی پابندی کریں جسکی خداوند عالم نے تاکید کی ہے اور جس میں تین مرحلے ہیں: کوشش صلح، جنگ اور صلح۔ یہی بہترین طریقہ کار ہے۔ اسی پر پہلے بھی عمل ہوتا تھا اور آج کی موجودہ سلطنتیں بھی اسی پر عمل پیرا ہیں۔ جب دو حکومتوں میں تصادم ہوتا ہے اور وہ جنگی طاقت سے فیصلہ کرنے پر

آمادہ ہوگئی ہیں تو تیسری حکومت بیچ بچاؤ کرنے کی کوشش کرتی۔ وہ اپنی طرف سے سمجھوتہ کی تجاویز پیش کرتی ہے۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ان تجاویز کو دونوں حکومتیں مان لیتی ہیں اور قصہ ختم ہو جاتا ہے۔ کبھی یہ ہوتا ہے کہ ایک حکومت مان لیتی ہے دوسری حکومت نہیں مانتی۔ ایسی صورت میں تیسری حکومت اس حکومت کیساتھ جو اُس کی تجاویز منظور کرتی ہے معاہدہ کر لیتی ہے اور اس کے ساتھ ہوکر دوسری حکومت سے جو صلح کرنے پر تیار نہیں ہوتی جنگ کرتی ہے۔ جب یہ دوسری حکومت زیر ہو جاتی ہے تو پھر معقول تجاویز پیش کر کے صلح کرا دیتی ہے۔ ایسا ہی آئے دن ہوتا رہتا ہے اور ہر سنجیدہ و سلیم الطبع انسان اسی صورت پر عمل کرتا ہے اور یہی قرآن مجید کی مذکورہ بالا آیت کا بھی حکم ہے جسے خوارج اپنے نظریہ کی تائید میں پیش کرتے تھے حالانکہ حقیقتاً یہی آیت اُنکے نظریہ کی پوری طرح تردید کرتی ہے۔

مگر خوارج کا اصرار تھا کہ معاویہ اور انکی جماعت باغی ہے اور باغی کے لیے دو ہی صورتیں ہیں یا تو وہ قتل کی جائے یا یہ کہ وہ حق کی طرف رجوع کرے چونکہ معاویہ نے حق کی طرف رجوع نہیں کی لہذا اُن سے جنگ جاری رہنا چاہیے۔

(۲)

ابن عباس خوارج کے پاس پہونچے اور گفتگو شروع ہوئی مگر چونکہ علم و فضل میں اُنھیں بڑا درجہ حاصل تھا اس لیے اُن سے صبر نہ ہو سکا اور اُنھوں نے آتے ہی بحث شروع کر دی اور امیرالمومنینؑ کی اس تاکید کا خیال نہ کیا کہ جب تک میں نہ آجاؤں ان سے بحث نہ کرنا، اُنھوں نے آتے ہی سوال کیا:

''تم لوگ امیرالمومنینؑ کی کس بات پر ناراض ہو؟''

خوارج نے کہا:

''اسی بات پر کہ اُنھوں نے دو آدمیوں کو حکم مقرر کیا ہے''

عبداللہ بن عباس نے کہا:

''دو آدمیوں کو حکم مقرر کرنے میں تمھیں اعتراض کیوں ہے؟ جبکہ خود خداوند عالم نے اس کی اجازت دی ہے۔ ارشاد الٰہی ہے: وان خفتم شقاق بینهما فابعثو ا حکما من اهله وحکما من اهلها ان یرید اصلاحاً یوفق الله بینهما اگر تمھیں میاں بیوی میں جھگڑے کا اندیشہ ہو تو ایک حکم شوہر کے کنبے میں سے اور ایک بیوی کے کنبہ سے مقرر کرو اگر دونوں حکم چاہیں گے کہ صفائی کرا دیں تو اللہ تعالیٰ ضرور میاں بیوی کے درمیان موافقت پیدا کر دے گا۔ جب میاں بیوی کے جھگڑے کو دور کرنے کے لیے حکم مقرر کیے جا سکتے ہیں تو امت محمدیہ کے جھگڑوں کو دور کرنے کے لیے کیوں نہیں مقرر کیے جا سکتے

پھر دوسری جگہ ارشاد الٰہی ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَأَنتُمْ حُرُمٌ ۚ وَمَن قَتَلَهُ مِنكُم مُّتَعَمِّدًا فَجَزَاءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنكُمْ هَدْيًا بَالِغَ الْكَعْبَةِ

اے ایماندارو! جب تم حالت احرام میں ہو تو شکار نہ مارو اور تم میں سے جو کوئی جان بوجھ کر شکار مارے گا تو جس جانور کو مارا ہے چوپاؤں میں سے اس کا مثل تم میں سے جو دو منصف آدمی تجویز کر دیں اس کا بدلہ دینا ہوگا اور کعبہ تک پہونچا کر قربانی کیجائے۔

خوارج نے کہا:

صید وشکار اور میاں بیوی کے جھگڑوں پر باغیوں کے معاملہ کو قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ جس جگہ خداوند عالم نے انسانوں کو فیصلہ کرنے کا اختیار دیا ہے وہاں اُنھیں خود فیصلہ کرنا چاہیے لیکن جہاں اس نے خود اپنا قطعی حکم بیان کر دیا ہے وہاں بندوں کو حق نہیں پہونچتا کہ وہ اس حکم قطعی کے بارے میں غور وفکر کریں۔ خداوند عالم کا زنا کرنے والے کے متعلق حکم ہے کہ سو کوڑے لگائے جائیں۔ چور کے متعلق حکم ہے کہ اس کا ہاتھ کاٹ ڈالا جائے۔ یہ قطعی احکام ہیں، ان میں بندوں کو غور وفکر کرنے کی اجازت نہیں۔

ابن عباس نے اپنی بات پھر دہرائی:

''خداوند عالم کا ارشاد ہے یحکم به ذوا عدل منکم احرام کی حالت میں جو شخص شکار کرے اس کا فیصلہ دو عادل آدمی کریں۔''

خوارج نے برجستہ کہا:

''اچھا اسی آیت سے ہم آپ فیصلہ کرلیں۔ کیا آپ کے نزدیک عمرو عاص عادل تھے؟ کل جو ہم سے لڑ رہے تھے اور ہمارا خون بہا رہے تھے تو یقینا ہم خطا کار تھے کہ ہم نے اُن سے جنگ کی اور اگر عادل نہیں تو ظالم وفاسق کو حکم بنانے کے کیا معنی؟

معاویہ اور اُن کے ساتھیوں نے مسلمانوں کی جماعت سے علیحدہ ہو کر بغاوت اختیار کی، ان کے متعلق خداوند عالم کا ایک ہی حکم ہے کہ یا تو وہ توبہ کریں یا اُنھیں قتل کیا جائے۔

ہم نے اُن کو پہلے کتاب خدا کی طرف بلایا لیکن اُنھوں نے انکار کیا، اسکے بعد آپ نے معاہدہ کرلیا اور آپ دونوں میں صلح ہوگئی۔ حالانکہ خداوند عالم نے مسلمانوں اور اہل حرب کے درمیان اس وقت سے جب سے کہ آیت براءت نازل ہوئی ہے، معاہدہ اور صلح کو ناجائز قرار دیا ہے، سوا اس صورت کے کہ وہ جزیہ کا اقرار کریں۔

خوارج میں ایک لہر سی دوڑ گئی۔ سب نے مل کر نعرہ سر کیا لاحکم الا للہ ۔عبداللہ بن عباس کے منہ پر چیخ چیخ کر کہنے لگے **حکمت الرجال فی امر اللہ** تم نے خدا کے کام میں مردوں کو حکم بنایا۔

(الامام علی جلد پنجم ۔سیرۃ علویہ ۔خلفائے محمد عمر ابوالنصر)

(۷)

عبداللہ بن عباس نے اُس دن خوارج کو راہ راست پر لانے کی بہتیری کوششیں کی مگر اُن کی آواز خوارج کے شور وشغب میں گم ہوگئی۔اُن کی کج بحثی اور حقائق کو توڑ مروڑ کر پیش کرنے کی مسلسل حرکتوں سے اُن کا سینہ تنگی کرنے لگا کہ اتنے میں امیر المومنینؑ تشریف لائے۔آپ ان خوارج کی طرف بڑی آہستگی سے بڑھے۔دل مطمئن ، چہرے سے سکون و وقار آشکار ۔خوارج نے گردنیں اونچی کر کے آپ کو دیکھا، اُن کی چیخ و پکار آپ کو دیکھتے ہی خاموشی میں بدل گئی۔امیر المومنینؑ نے محبت بھرے انداز میں ابن عباس کے کاندھے پر ہاتھ رکھا اور پرسکون آواز میں کہا:

''اپنی گفتگو روک دو، میں نے کیا تمھیں منع نہیں کیا تھا کہ ان سے بحث نہ کرنا''

ابن عباس فوراً وہاں سے ہٹ آئے جیسے سینہ پر سے پہاڑ جیسا بوجھ ٹل گیا ہو۔ ہمہ تن متوجہ ہو کر اس سناٹے کا جائزہ لینے لگے جو امیر المومنینؑ کے آتے ہی مجمع پر طاری ہو گیا تھا۔امیر المومنینؑ نے خوارج پر نظر کی۔آپ کی نگاہ ایک ایک صف سے گذر تی ہوئی آخری صفوں تک ایک آدمی سے ہو کر دوسرے آدمی تک جا پہونچی۔آپ نے ٹھہرے ہوئے لہجہ میں فرمایا:

''کیا تم میں سے ہر شخص جنگ صفین میں شریک تھا''

کچھ لوگوں نے جواب دیا:

''ہم میں سے بعض صفین میں شریک تھے،بعض نہیں شریک تھے۔''

''تو تم لوگ دو حصوں میں ہو جاؤ۔ جو لوگ صفین میں شریک تھے وہ ایک طرف ہو جائیں اور جو نہیں شریک تھے وہ ایک طرف ہو جائیں تا کہ میں ہر ایک جماعت سے اُسی کے مطابق گفتگو کروں''

جب دونوں جماعتیں الگ الگ ہو گئیں تو آپ نے نظر اُٹھا کر دونوں جماعتوں کو دیکھا۔ پھر آپ نے سارے مجمع کو مخاطب کر کے فرمایا:

''بس !اب آپس میں بات چیت نہ کرو اور خاموشی سے میری بات سنو اور دل سے توجہ کرو اور جس سے ہم گواہی طلب کریں وہ اپنے علم کے مطابق (جوں کو توں) گواہی دے۔

پھر آپ نے خوارج سے پوچھا:

''تمھارا سردار کون ہے؟''

خوارج نے کہا:

''ابن الکوا''

عبداللہ بن الکواء لشکری جو خوارج کا سردار اور اُن کا امام جماعت تھا حضرت کی طرف بڑھا۔ آپ نے کچھ دیر تک اسکو سر سے پا تک دیکھا، پھر آپ نے اس سے نظر ہٹالی اور لوگوں سے بہت دور تکتے ہوئے اور اپنے پروردگار سے مناجات کرتے ہوئے کہا:

''خداوندا! یہ وہ منزل ہے کہ اگر اس منزل میں کوئی کامیاب رہا تو وہ بروز قیامت زیادہ کامیابی کا مستحق ہے اور جس نے فتنہ وفساد کی باتیں کیں وہ آخرت کا اندھا اور انتہائی گمراہ ہے۔''

پھر آپ خوارج کی طرف متوجہ ہوئے۔ خوارج کی ایک جماعت سمٹ کر آپ کے قریب آ گئی تاکہ آپ کی باتیں سُنے اور اپنی باتیں آپ کو سنائے۔ حضرت سے بحث ومباحثہ کرنے کے لیے وہ آپے سے باہر ہو رہے تھے۔

امیرالمومنینؑ نے اُن سے پوچھا:

''کس وجہ سے تم لوگ ہماری مخالفت پر کمر بستہ ہو؟''

خوارج نے کہا:

''اسلیے کہ آپ نے صفین کے موقع پر اللہ کے حکم کو چھوڑ کر انسانوں کا حکم بنایا''

حضرت مسکرائے، آپ کی مسکراہٹ میں اُن کے حال پر افسوس بھی تھا اور رحم بھی، تمسخر بھی تھا اور تعجب بھی، آپ نے فرمایا:

''جب ان لوگوں نے حیلہ ومکر اور جعل وفریب سے قرآن نیزوں پر اُٹھائے تھے تو کیا تم ہی لوگوں نے یہ نہیں کہا تھا کہ وہ ہمارے بھائی بند اور ہمارے ساتھ اسلام کی دعوت قبول کرنے والے ہیں؟ اب چاہیے کہ ہم جنگ سے ہاتھ اُٹھالیں۔ وہ اللہ سبحانہ کی کتاب پر (سمجھوتہ کے لیے) ٹھہر گئے ہیں، صحیح رائے یہ ہے کہ اُن کی بات مان لی جائے اور اُن کی گلوخلاصی کیجائے تو میں نے تم سے کہا تھا کہ اس چیز کے باہر ایمان اور اندر کینہ وعناد ہے۔ اس کی ابتدا شفقت ومہربانی اور نتیجہ ندامت وپشیمانی ہے۔ لہذا تم اپنے رویہ پر ٹھہرے اور اپنی راہ پر مضبوطی سے جمے رہو اور جہاد کے لیے اپنے دانتوں کو بھینچ لو اور اس چلانے والے کی طرف دھیان نہ دو، اگر اس کی آواز پر لبیک کہی تو یہ گمراہ کریگا اور اگر اسے یونہی رہنے دیا جائے تو ذلیل ہو کر رہ جائے......

پھر آپ نے سلسلہ کلام کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا اور آپ کے لب ولہجہ سے انتہائی رنج واندوہ مترشح تھا۔

''......لیکن تم لوگوں نے میری رائے ٹھکرا دی اور کہا کہ نہیں ہم ضرور ان کی بات (قرآن سے فیصلہ کرنے کو) مانیں گے ۔یاد کرو میں نے تم لوگوں سے یہ کہا تھا یا نہیں اور تم لوگوں نے میری نافرمانی کی تھی یا نہیں......پس جب تم کتاب خدا ہی کو حکم ماننے پر مصر رہے تو میں نے دونوں حکم پر شرط کر دی کہ جس چیز کو قرآن نے زندہ کیا ہے اُسے یہ بھی زندہ کریں اور جس چیز کو قرآن نے مردہ کیا ہے اُسے یہ بھی مردہ کریں۔لہذا اگر ان دونوں نے ایسا فیصلہ دیا جو قرآن کے مطابق ہوا تو ہمارے لیے کوئی چارہ کار نہیں کہ ہم قرآن کے حکم کی مخالفت کریں اور اگر ان دونوں حکم نے من مانی کی ،قرآن سے ہٹ کر فیصلہ کیا تو ہم لوگ اس فیصلہ سے بری الذمہ ہیں ،ہم لوگ مانیں گے ہی نہیں۔

خوارج دیر تک سر جُھکائے خاموش کھڑے رہے۔امیر المومنینؑ نے ایک بات بھی خلاف واقعہ نہیں کہی تھی جو کچھ گذرا تھا وہ خوارج اچھی طرح جانتے تھے اور انھیں خوارج ہی نے اپنی ضد اور ہٹ دھری سے ایسے حالات پیدا کیے، جب خود قصوروار تھے تو دوسرے کو کیا الزام دے سکتے تھے اور جب سب کچھ اپنا ہی کیا دھرا تھا تو اپنے علاوہ ملامت کس کی کرتے لیکن پھر بھی اُن کے ذہنوں میں اس تحکیم کے متعلق کچھ اُلجھن باقی تھی۔امیر المومنینؑ اُن کے چہروں کے اتار چڑھاؤ سے اُن کی اندرونی کشمکش کو اچھی طرح سمجھ رہے تھے۔آپ نے بہ کمال شفقت اُنھیں سمجھاتے ہوئے فرمایا:

''۔۔۔۔۔۔۔لیکن جب تحکیم کی صورت انجام پا گئی تو میں تمھیں دیکھ رہا تھا کہ تم ہی اس پر رضا مندی دینے والے تھے ۔خدا کی قسم اگر میں نے اس سے انکار کر دیا ہوتا تو مجھ پر اس کا کوئی فریضہ واجب نہ ہوتا اور نہ اللہ مجھ پر اسکے ترک کا کوئی گناہ عائد کرتا اور قسم بخدا اگر میں اُسکی طرف بڑھا تو اس صورت میں بھی میں ہی حق پرست ہوں جس کی پیروی کی جانا چاہیے اور کتاب خدا میرے ساتھ ہے، جب سے میرا اس کا ساتھ ہوا ہے میں اس الگ نہیں ہوا۔

خوارج نے کہا:

''ہمیں بتائیے کیا آپ خون کے بارے میں انسانوں کا فیصلہ قبول کرلیں گے؟

آپ نے فرمایا:

''ہم نے آدمیوں کو نہیں بلکہ قرآن کو حکم قرار دیا تھا چونکہ یہ قرآن دو دفتیوں کے درمیان ایک لکھی ہوئی کتاب ہے، کہ جو زبان سے بولا نہیں کرتی اس لیے ضرورت تھی کہ اُسکے لیے کوئی ترجمان ہو اور وہ آدمی ہی ہوتے ہیں جو اسکی ترجمانی کیا کرتے ہیں۔جب ان لوگوں نے ہمیں یہ پیغام دیا کہ ہم اپنے درمیان قرآن کو حکم ٹھہرائیں تو ہم ایسے لوگ نہ تھے کہ اللہ کی کتاب سے

منھ پھیر لیتے جبکہ خداوند عالم کا ارشاد ہے کہ **فان تنازعتم فی شئیً فردوہ الی اللہ والرسول** اگر تم کسی بات میں جھگڑا کرو تو اس کا فیصلہ نپٹانے کے لیے اللہ اور رسول کی طرف رجوع کرو۔ اللہ کی طرف رجوع کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ہم اس کی کتاب کے مطابق حکم کریں اور رسول کی طرف رجوع کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ہم اُن کی سنت پر چلیں۔ چنانچہ اگر کتاب خدا سے سچائی کے ساتھ حکم لگایا جائے تو اسکی رو سے سب لوگوں سے زیادہ ہم (خلافت کے) حقدار ہیں اور اگر سنت رسولؐ کے مطابق حکم لگایا جائے تو بھی ہم اُن سے زیادہ اس کے اہل ثابت ہوں گے..........''

امیر المومنینؑ نے مجمع پر نگاہ دوڑائی یہ دیکھنے کے لیے کہ میری اس تقریر کا ان لوگوں پر کہاں تک اثر ہوا۔ چہرے دل کی حالت کے آئینہ دار ہوا کرتے ہیں پھر آپ کی نگاہ مجمع سے ہٹ کر اُن کے خواص افراد پر پڑی۔ وہ گنتی کے خوارج جو بہت ہی سرکش، مخالف اور آپ کے بارے میں حد سے گذر جانے والے تھے، جن لوگوں نے جنگ صفین میں ضد کر کے جنگ بندی اور قرآن کو حکم ماننے پر اصرار کیا اور حضرت کو یہ دھمکی دی کہ اگر آپ شام والوں کی بات نہ مانیں گے تو ہم آپ کو قتل کر ڈالیں گے یا گرفتار کر کے معاویہ کے حوالہ کر دیں گے پھر دوبارہ اُنھوں نے انتہائی ضد کر کے آپکو مجبور کیا کہ اسی شخص (ابوموسیٰ) کو حکم بنائیں جسے خود خوارج پسند کرتے ہیں۔ وہی لوگ اس وقت آپ سے مناظرہ کر رہے تھے کہ آپ نے جنگ کیوں بندکی اور حکمین کی تجویز کیوں منظور کی۔ اُنھیں لوگوں نے ان تمام باتوں پر امیر المومنینؑ کو زبردستی مجبور کیا اور وہی اب آپ پر معترض تھے۔

آپ کی نگاہوں میں اس وقت سماں پھر رہا تھا جس وقت سے ان لوگوں کی سرکشی کی ابتدا ہوئی۔ جنگ پورے شباب پر تھی، فتحیابی وکامرانی کوئی گھڑی کی بات تھی اور ٹھیک اس وقت یہ لوگ دھوکا کھا گئے۔ قرآن نیزوں پر بلند دیکھ کر ان لوگوں نے لڑائی بند کر دی اور خود آپ سے بغاوت پر آمادہ ہو گئے۔ یہی سیاہ پیشانیوں اور کالے ڈھٹے والے اس بغاوت میں پیش پیش تھے۔ انکے یہی سردار زید بن حصین اور مسعر بن فدا کی اپنے جیسے قاریان قرآن اور سیاہ پیشانیوں والوں کو لے کر امیر المومنینؑ کے پاس آئے۔ اُن کی آنکھوں سے غیظ وغضب کی چنگاریاں نکل رہی تھیں۔ ان لوگوں نے آپ کی تنبیہ وفہمائش کی ذرا بھی پروانہ کی بلکہ بپھر کر اور آپ کی آنکھوں کے سامنے تلواریں نچانچا کر بولے:

''آپ شام والوں کی بات مان لیجئے کہ قرآن سے فیصلہ ہو جائے ورنہ ہم آپ کو قتل کر ڈالیں گے۔ پھر آپ نے اس وقت کا تصور فرمایا جب یہی خوارج دوبارہ سرکشی پر تل گئے اور آپ کو اپنی مرضی سے حکم مقرر نہیں کرنے دیا بلکہ مجبور کیا کہ ابوموسیٰ ہی کو حکم مقرر کیا جائے۔''

شبث بن ربعی نے آگے بڑھ کر کہا تھا:

''ہم خدا کی قسم اگر چہ ابو موسیٰ سے ایسی بات کا خوف رکھتے ہیں جیسی بات کا خوف شام والوں کو عمرو عاص سے نہیں، پھر بھی ہمیں ابو موسیٰ سے جس بات کا خوف ہے وہ ہمیں ضرر نہ پہونچائے گی اور شام والے عمرو عاص سے جو امید لگائے ہیں وہ شام والوں کے لیے نفع بخش نہ ثابت ہوگی۔ اگر آپ فرمائیں کہ ابو موسیٰ میں ضعف ہے تو اُن کا ضعف وتقوی عمرو عاص کی قوت اور فحش و فجور سے کہیں بہتر ہے۔ آپ انھیں ابو موسیٰ کے ذریعہ بلا ومصیبت کا انسداد اور عافیت کا باب کشادہ کیجئے۔''

اور اسی عبداللہ بن کواء لشکری نے جسے خوارج نے اپنا امیر صلوٰۃ مقرر کر رکھا ہے، اُس وقت بہ شدمد ابو موسیٰ کے حکم بنائے جانے پر اصرار کیا تھا اور آپ کی ایک نہیں چلنے دی تھی۔

پھر آپ نے سلسلہ تقریر جاری رکھتے ہوئے فرمایا:

ہم کو ان لوگوں سے جو اسلام کی رو سے ہمارے بھائی کہلاتے ہیں جنگ کرنا پڑ گئی ہے کیونکہ ان کی وجہ سے اس میں گمراہی، کجی، شبھات اور غلط سلط تاویلات داخل ہو گئے تو جب ہمیں کوئی ایسا ذریعہ نظر آئے کہ جس سے ممکن ہے اللہ ہماری پریشانیوں کو دور کر دے اور اسکی وجہ سے ہمارے درمیان جو باقی ماندہ لگاؤ رہ گیا ہے اسکی طرف بڑھتے ہوئے ایک دوسرے سے قریب ہوں تو ہم اسی کے خواہشمند رہیں گے اور کسی دوسری صورت سے جو اسکے خلاف ہے ہاتھ روک لیں گے۔'' (ترجمہ نہج البلاغہ مطبوعہ جعفر حسین صاحب مطبوعہ لاہور)

خوارج نے کہا:

''پھر اس فیصلہ کے لیے مدت مقرر کرنے کی کیا ضرورت تھی؟''

امیر المومنینؑ نے فرمایا:

یہ میں نے اس لیے کیا کہ اس عرصہ میں نہ جاننے والا تحقیق کرلے اور جاننے والا اپنے مسلک پر جم جائے اور شاید کہ اللہ تعالیٰ اس صلح کی وجہ سے اس امت کے حالات درست کر دے اور وہ بیخبری میں گلا گھونٹ کر تیار نہ کی جائے کہ حق کے واضح ہونے سے پہلے جلدی میں کوئی قدم اٹھا بیٹھے اور پہلے ہی گمراہی کے پیچھے لگ جائے۔۔۔''

اسکے بعد حضرتؑ نے اُنھیں بہت سی وعظ ونصیحت کی باتیں کہیں، خوارج جو جو سوال کرتے آپ ان کا تشفی بخش جواب دیتے۔ خوارج کے ذہن میں جتنے شکوک وشبہات پیدا ہوتے آپ سے بیان کرتے اور آپ ان کا ازالہ فرماتے۔ یہاں تک کہ جب ان کا ترکش بالکل خالی ہو گیا، جتنے اعتراضات وہ کر سکتے تھے سب کے اطمینان بخش جوابات اُنھوں نے پالیے تو اب اُن پر خاموشی طاری ہو گئی۔

امیر المومنینؑ نے اُنھیں پھر نصیحت کرتے ہوئے کہا:

''بلاشبہ اللہ کے نزدیک سب سے بہتر وہ شخص ہے کہ جو حق پر عمل پیرا رہے چاہے وہ اسکے لیے باعث نقصان و مضرت ہو اور باطل کی طرف رُخ نہ کرے چاہے وہ اُسکے لیے کچھ فائدہ بخش ہو رہا ہو......''

پھر آپ اُٹھ کھڑے ہوئے۔ خوارج بھی اُٹھے۔ آپ نے شفقت بھرے لہجہ میں کہا:

''اپنے شہر میں چلو خدا تم پر رحم کرے''۔

(ترجمہ نہج البلاغہ مفتی جعفر حسین۔ سیرۃ علویہ شاہ محمد علی حیدر کاکوروی۔ الامام علی ابن ابی طالبؑ جلد پنجم)

❑❑

دسواں باب

فیصلۂ حکمین

خوارج کی واپسی پر کوفہ میں بڑی چہل پہل ہوئی معلوم ہوتا تھا جیسے عید کا دن ہے۔ ہر ایک کو خوشی تھی کہ جنگی سورماؤں کی اتنی بڑی تعداد جو لگ بھگ ۱۰ ہزار کے تھی راہ راست پر آ گئی، خداوند عالم نے ان لوگوں کی ہدایت کی اور یہ پھر دوبارہ جماعت میں شامل ہو گئے، لوگ ایک دوسرے کو مبارک باد دیتے، آئندہ کے لیے بڑی بڑی امیدیں ظاہر کرتے کہ الگ ہونے کے بعد پھر ساتھ میں آ کر مل جانا کوئی شک نہیں کہ طاقت میں بہت بڑا اضافہ تھا لیکن چند ہی دن گذرے تھے کہ کوفہ والے اُلجھن میں پڑ گئے، وہ ساری خوشی اور مسرت کافور ہو گئی۔ اب سب پر حیرت و سرگشتگی طاری تھی۔ یہ لوگ ایک دوسرے سے پوچھتے کہ آخر یہ خوارج مانے کیونکر؟ کیسے اپنی ضد سے باز آئے؟ اُن کو سمجھانے بجھانے کی تمام کوششیں ناکام ہو چکی تھیں ،امیر المومنینؑ کے اصحاب آپکے قاصد اور کوفہ کے رہنے والے سبھی نے یقین کر لیا تھا کہ خوارج اپنی سرکشی سے باز آنے والے نہیں، پھر یہ کیا ہوا کہ امیر المومنینؑ کے جاتے ہی یہ سب آپ کے ساتھ کوفہ آنے پر تیار ہو گئے۔

کوفہ کی گلی گلی میں سرگوشیاں ہوئیں، جگہ جگہ اسکے چرچے ہوئے، جب بھی دو شخص ملتے اسی کا تذکرہ کرتے، رفتہ رفتہ یہ خبر زور پکڑنے لگی کہ خوارج اپنے نظریہ سے نہیں پھرے البتہ خود حضرت علیؑ نے اپنے نظریہ میں تبدیلی پیدا کر لی ہے۔ خوارج کی بات مان کر ہی وہ اُنھیں واپس لانے میں کامیاب ہوئے ہیں اور آپکا بھی اب یہی نظریہ ہے کہ حکم مقرر کر کے بڑی غلطی کی گئی۔ لوگوں کو بڑی حیرت تھی مگر سچ پوچھئے تو ہمیں ان واقعات پر کوئی تعجب نہیں۔ یہ انسان کی فطرت ہے کہ اپنی شکست و پسپائی کا کوئی نہ کوئی عذر اور جواز تلاش کرتا ہی ہے، خواہ یہ شکست جسمانی ہو یا نظریاتی۔ انسان سمجھتا ہے کہ اگر ہم اپنی شکست کا کوئی عذر نہیں نکالتے تو سوسائٹی میں ہماری کوئی پوزیشن نہیں باقی رہے گی۔ حروراء کے خوارج بھی آدمی تھے اُن کے نفوس بھی دوسروں کے نفوس جیسے تھے، کوفہ واپس آنے سے بار بار انکار کر کے پھر اُن کا کوفہ آ جانا صریحی ثبوت تھا کہ وہ غلطی پر تھے اور صاف صاف لفظوں میں اپنی شکست کا اعتراف تھا لہذا اُن کے خیال میں اس واپسی کا کوئی نہ کوئی جواز نکالنا ضروری ہی تھا۔

عجب نہیں کہ خوارج، جن کے یہ محسوسات تھے اُنھوں نے لوگوں کی یہ چہ میگوئیاں سنی ہوں اور یہ چرچے اُن کے کانوں میں پہونچے ہوں کہ یہ لوگ جماعت سے نکل جانے اور عداوت پر کمر بستہ رہنے کے بعد امیر المومنینؑ کے حلقہ اطاعت میں داخل ہو

گئے ہیں اور اُن میں سے کسی نے کہا ہو:

''امیر المومنینؑ نے تحکیم سے رجوع کر لی ہے۔۔۔۔آپ کو صرف اس کا انتظار ہے کہ جانور کھا پی کر فربہ ہو جائیں۔مال جمع ہو جائے یہ ہوتے ہی آپ دشمن سے جنگ کرنے کے لیے نکل کھڑے ہوں گے......''

یہ بھی تعجب نہیں کہ اُن کی اس قسم کی باتیں پھیلتی چلی گئی ہوں۔ایک نے دوسرے سے بیان کیا ہو، دوسرے نے تیسرے سے اور ہر ایک نے اپنی کچھ بڑھا چڑھا کر حاشیہ آرائی کر کے بیان کیا ہو اور اس طرح ایک پوری کہانی تیار ہوگئی کہ امیر المومنینؑ جب خوارج کو سمجھانے بجھانے گئے تو انھوں نے کیا کہا، امیر المومنینؑ نے کیا جواب دیا اور کس طرح اُنھیں مطمئن کر کے اپنے ساتھ لائے

وہ کہانی کچھ اس قسم کی تیار ہوئی۔

امیر المومنینؑ نے ان سے پوچھا:

''میں تمھیں خدا کی قسم دیکر پوچھتا ہوں تم جانتے ہو کہ مجھ سے بڑھ کر تحکیم کو ناپسند کرنے والا کوئی نہ تھا؟۔

خوارج نے کہا:

''بے شک آپ نے اسے انتہائی ناپسند کیا تھا۔

''تم یہ بھی جانتے ہو کہ تم ہی لوگوں نے مجھے اتنا مجبور کیا کہ چار و ناچار مجھے تحکیم قبول کرنا پڑی؟

''جی ہاں ایسا ہی ہے''۔

''پھر تم لوگ کیوں میری مخالفت پر کمر بستہ ہو اور مجھے چھوڑ بیٹھے ہو؟''

خوارج نے کفر کا اقرار کرتے ہوئے کہا:

''ہم ویسے ہی تھے جیسا آپ نے ذکر کیا اور ہم سے بے شک وہ غلطیاں ہوئیں جو آپ نے بیان کیں لیکن اس وقت ہم کافر ہو گئے تھے، ہم نے اللہ سے توبہ کر لی ہے، آپ بھی ہماری طرح توبہ کر لیجئے، ہم آپ کی بیعت کر لیں گے، ورنہ ہم آپ کے مخالف ہیں۔''

اس جگہ کہانی بتاتی ہے کہ امیر المومنینؑ نے اُن کے حسب منشا اُن سے بیعت لی اور فرمایا:

''میں ہر گناہ سے خدا سے استغفار کرتا ہوں۔چلو شہر میں چلو، ہم چھ مہینے ٹھہریں گے یہاں تک کہ مال جمع ہو جائے، جانور کھا پی کر فربہ ہو جائیں پھر ہم دشمن کے مقابلہ میں نکل کھڑے ہونگے۔''

خوارج نے امیر المومنینؑ سے اپنے کٹ جانے اور پھر دوبارہ حلقہ اطاعت میں واپس آجانے کے متعلق اسی قسم کے پروپیگنڈے کیے اور کوفہ کی کثیر آبادی اُن کے اس پروپیگنڈے کا شکار ہوئی۔لوگ انتہائی حیرت و سرگشگی اور اضطراب و پریشانی سے دوچار تھے۔امام کی عظمت و جلالت کی تنقیص ہو رہی تھی حالانکہ آپ کی ذات ہر قسم کے شکوک وشبہات سے بالا تر تھی۔یہاں

شکنی اور غداری کا الزام آرہا تھا جب کہ آپ سے بڑھ کر وفائے عہد کا کوئی دوسرا پابند نہیں ہوسکتا تھا۔ وہ وقت بھی قریب آپہونچا تھا جب دونوں حکم اکٹھا ہوں اور اپنا فیصلہ سنائیں۔

ایک شخص نے آکر آپ سے پوچھا:

''امیر المومنینؑ لوگ آپ کے متعلق بیان کرتے ہیں کہ آپ نے کفر سے توبہ کر لی ہے؟''

امیر المومنینؑ اس تہمت اور بہتان پر انتہائی تعجب اور غضبناک ہوئے۔ شدہ شدہ اس قسم کی افواہیں شام میں بھی پہونچیں۔ وہاں والے ڈرے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم حکمین کے فیصلہ کے منتظر بیٹھے رہیں اور ادھر علیؑ کی فوجیں ہم پر چڑھ دوڑیں۔ معاویہ نے فوراً ہی قاصد بھیجا جس نے آکر امیر المومنینؑ سے کہا:

''معاویہ نے عہد نامہ کی پابندی کی ہے آپ بھی پابند رہیں۔ بکر و تمیم کے بدو عرب آپ کو کہیں دھوکہ میں نہ ڈالیں۔''

اب امیر المومنینؑ کے لئے ضروری ہو گیا کہ خارجیوں کے اس فتنہ و فساد کو بڑھنے نہ دیں اور لوگوں پر اپنا موقف واضح کر دیں تا کہ کسی غلط فہمی کا شائبہ بھی باقی نہ رہے۔ چنانچہ ظہر کی نماز کے وقت آپ نے ایک خطبہ دیا اور اس میں خوارج اور اُنکی ریشہ دوانیوں کا تفصیل سے ذکر کیا۔ جتنی افواہیں گرم تھیں سب کی تردید کی اور جن لوگوں نے ان افواہوں کی تشہیر کی تھی سب کو جھوٹا قرار دیا۔ پھر آپ نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا:

''جو شخص یہ گمان کرتا ہے کہ میں تحکیم سے پھر گیا ہوں وہ جھوٹا ہے۔''

یہ لفظیں حضرتؑ کی زبان سے ادا ہوئی تھیں کہ مجمع سے ایک شخص کھڑا ہو کر چیخا:

''یا علیؑ آپ نے خدا کے دین میں آدمیوں کو شریک کیا لا حکم الا للّٰہ''

اسی کے ساتھ مسجد میں ہلڑ مچ گیا کوئی مسجد کے اس حصہ سے کوئی اس حصہ سے کھڑا ہوا اور سب مل کر چلانے لگے لا حکم الا اللہ۔

ایک شخص نے کھڑے ہو کر کلام مجید کی یہ آیت پڑھی:

لَئِنْ أَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِيْنَ.

''اگر تم شرک کرو گے تو تمھارے سارے اعمال اکارت جائیں گے اور تم خائب و خاسر لوگوں میں سے ہو گے۔''

امیر المومنینؑ نے جواب میں یہ آیت پڑھی:

فَاصْبِرْ إِنَّ وَعْدَ اللهِ حَقٌّ وَلَا يَسْتَخِفَّنَّكَ الَّذِيْنَ لَا يُوْقِنُوْنَ.

صبر سے کام لو یقینا خدا کا وعدہ سچا ہے اور بے یقین لوگ تمھیں غلط فہمی میں نہ مبتلا کریں۔''

اسی وقت سے خوارج کی عداوت آشکار ہوگئی اور وہ کھل کر سامنے آ گئے۔

(۲)

مسجد کوفہ خوارج کے ہنگاموں کی آماجگاہ بن کر رہ گئی۔ جب مسجد میں آتے نت نئے بحث ومباحثے اور مغالطہ آمیزی کی باتیں چھیڑ دیتے۔ اور اپنے مخالفین کو ٹوک ٹوک کر اُلجھتے اور اُنھیں قائل کرنے کی کوشش کرتے۔ امیر المومنینؑ کی ذات پر ہر وقت بوچھار ہوتی رہتی۔ آپ کی عدم موجودگی میں بھی آپ پر عیب لگائے جاتے اور آپ کی موجودگی میں بھی اعتراضات اور ردوقدح ہوتی، جتنا اُن کا بس چلتا آپ کی منقصت کرتے، آپ کی مخالفت کا اظہار کرتے۔ امیر المومنینؑ کبھی تو اُن سے چشم پوشی کرتے، کبھی نرمی برتتے، کبھی اُن کی باتوں کا سختی سے جواب دیتے، اس کی بیسوں مثالیں ہیں۔ ایک مرتبہ خوارج نے آپ کے منھ پر نعرہ لگایا:

"لاحکم الاللہ"

آپ نے سکون ووقار سے فرمایا:

"کلمۃ حق ارید بالباطل بات تو انکی سچّی ہے لیکن یہ لوگ اس سے جو مطلب نکال رہے ہیں وہ غلط ہے"

ایک اور مرتبہ خوارج نے آپ کو دھمکاتے ہوئے کہا:

"حکم اللہ انتظر فیکم میں تمھارے بارے میں خدا کے حکم کا انتظار کر رہا ہوں۔"

اس مرتبہ بھی آپ نے درگذر سے کام لیا جو آپکے اخلاق کے شایاں تھا، آپ نے نہ انھیں سرزنش کی اور نہ اس جرم پر کہ وہ گستاخانہ آپ سے پیش آتے ہیں اُنکے حقوق سے انھیں محروم کیا۔ آپ نے اپنے طرز عمل کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا:

دیکھو جب تک تم ہمارے ساتھ ہو ہم پر تمھارے تین حقوق ہیں: ہم تمھیں اپنی مساجد میں نماز پڑھنے سے نہیں روکیں گے تاوقتیکہ تم ان میں خدائے تعالیٰ کا ذکر کرتے رہو۔ ہم تمھیں مال غنیمت حاصل کرنے سے منع نہیں کریں گے تاوقتیکہ تم ہمارے ساتھ مل کر لڑتے رہو۔ ہم تم سے اُس وقت تک نہیں لڑیں گے جب تک تم ہم سے لڑائی شروع نہ کرو۔

اس تقریر پر یزید بن عاصم محاربی کہنے لگا:

"خداوندا ہم تجھ سے پناہ مانگتے ہیں، اپنے دین میں ذلت ہم کو گوارا نہیں کیونکہ دین کے معاملات میں ذلت پر راضی ہونا خدا کے کام میں سُستی کرنا ہے جس کا اثر ذلیل وخوار ہونا اور باعث غضب الٰہی ہے۔ اے علیؑ تم ہم کو قتل سے کیا ڈراتے ہو۔ ہم ایسے کمزور نہیں کہ تمھاری دھمکی میں آ جائیں۔ ہم امید رکھتے ہیں کہ عنقریب تم کو ذلت ورسوائی کے دروازے تک پہونچا دیں

گے۔تمھاری خطاؤں سے ہم درگذر کرنے والے نہیں۔اُس وقت تم کو معلوم ہوگا کہ کون ذلیل وخوار ہوا‘‘

امیرالمومنینؑ نے ضبط وتحمل کو ہاتھ سے جانے نہ دیا۔خوارج کی تمام حرکتوں سے درگذر کرتے رہے۔اُن کی ہدایت و رہبری اوراصلاح کا جب بھی موقع ملتا کوئی دقیقہ اُٹھانہیں رکھتے۔اپنے اصحاب کواُن کے پاس بار بار بھیج کر سمجھاتے مگر آپ کی نرمی اور درگذر ضائع ہوتی رہی اور ہر قسم کی خیر خواہی اُن کی ضد اور ہٹ دھرمی بڑھاتی گئی۔وہ پھر پہلے جیسی شورشیں کرنے لگے بلکہ انکی خصومت اس مرتبہ پہلے سے بھی دو چند ہوگئی۔ پہلے صرف تحکیم پر اپنی برہمی ظاہر کرتے تھے اب بہت سی رفت و گذشت باتیں زیر بحث آنے لگیں۔گڑے مردے اُکھاڑے جانے لگے۔ پہلے اگر صرف تحکیم پر اعتراض تھا تو آپ عہد نامہ تحکیم کی عبارت میں بھی انھیں سیکڑوں خرابیاں نظر آنے لگیں۔اس پر غم وغصہ کا اظہار کیا جاتا تھا۔آپ نے عہدنامہ میں اپنے نام کے آگے سے امیرالمومنینؑ کی لفظ کیوں مٹائی ؟ حالانکہ امیرالمومنینؑ نے اس لفظ کو مٹانے کی بہت معقول توجیہہ کردی تھی لیکن خوارج پھر بھی اسی اعتراض کو دہرارہے تھے:

’’آپ نے وہ قمیص اتاردی ہے جوخدانے آپ کو پہنائی تھی،آپ نے اپنا وہ نام مٹادیا جوخدانے رکھا تھا۔‘‘

امیرالمومنینؑ نے اُن کے سامنے کلام مجید کی یہ آیت تلاوت کی:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُو اللهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ

تمھارے لیے رسولؐ کی زندگی میں بہترین نمونہ عمل ہے اس شخص کے لیے جو خدا اور روز آخرت کا امیدوار ہو۔

صلح حدیبیہ کے موقع پر خود رسولؐ اللہ نے اپنے اسم گرامی کے آگے سے رسولؐ اللہ کی لفظ مٹادی تھی جبکہ مشرکین کے نمائندہ سہیل بن عمرو نے اعتراض کیا تھا کہ ہم اگر آپ کو رسول اللہ مانتے ہوتے تو پھر جنگ ہی کیوں ہوتی۔مگر رسول اللہ کے مٹا دینے کی وجہ سے کسی نے اس وقت یا اس کے بعد یہ نہیں کہا کہ آپ رسول اللہ نہیں رہے۔معلوم ہوتا ہے کہ خوارج کے نزدیک امامت کا منصب پیغمبر کی رسالت سے بھی بڑھ کر مقدس تھا کہ جو چیز پیغمبرؐ کے لیے ضروری نہیں سمجھتے تھے،امام کے لیے اُن کے نزدیک ضروری تھی۔

تیسرا اعتراض اُن کا جنگ جمل سے متعلق تھا کہ

’’آپ نے مسلمانوں کو قتل کیا لیکن اُن کے اموال تقسیم کرنے اور انکی عورتوں اور بچوں کو لونڈی غلام بنانے کی اجازت نہیں دی۔‘‘

یہی اعتراض بڑے شد ومد سے جنگ جمل کے بعد بھی کیا گیا تھا اور امیرالمومنینؑ نے اس موقع پر جو جواب دیا تھا وہ جیسے یہ لوگ بھول گئے تھے،آپ نے اُن کے بار بار اصرار کرنے پر کہا تھا:

’’تم میں سے کون شخص اپنی ماں کو کنیزی میں لیتا ہے۔ عائشہ کے متعلق قرعہ اندازی کرو جس کے حصہ میں ان کا نام آئے گا اُسکے حوالہ کر دی جائیں گی۔‘‘

اور شاید ابن عباس کا یہ فقرہ بھی اُنھیں یاد نہیں رہا جو اُنھوں نے حروراء میں اُن کے اسی اعتراض کے جواب میں کہا تھا:

’’یہ جو کہتے ہو کہ جناب امیرؑ نے جنگ میں اسیر نہیں بنائے تو کیا تم حضرت عائشہ کو قید کرنا پسند کرتے ہو وہ تو تمھاری ماں ہیں۔ اگر یہ کہو کہ وہ تمھاری ماں نہیں تب بھی تم کافر ہو گئے اور اگر یہ کہو کہ اُن کو قید کرنا جائز ہے تب بھی تم کافر ہو‘‘۔

بحث و تکرار کے جنون نے اُنھیں ہر چیز بھلا دی تھی۔ ایسے حقائق وہ بھولے کیا ہونگے، اصل بات یہ ہے کہ اُن کے تعصب نے اُنھیں اندھا بنا رکھا تھا۔ جسکی آنکھوں پر پٹی بندھی ہوئی ہو یا جس نے اپنی آنکھیں بھینچ رکھی ہوں اُسے اندھیرے کے سوا دکھائی کیا دے گا؟ پیغمبرؐ صادق نے بہت پہلے سے اُن کے متعلق پیشینگوئی فرمادی تھی جبکہ یہ لوگ ابھی عالم وجود میں بھی نہ آئے تھے:

تفترق امتی فرقتین تفترق بینهما فرقه فیقتلها ادنی الطائفین بالحق

میری امت دو فرقوں میں بٹ جائے گی ان دو فرقوں کے درمیان ایک تیسرا فرقہ خوارج کا نکلے گا جسے ان دونوں جماعتوں میں سے وہ جماعت قتل کرے گی جو حق پر ہوگی۔‘‘ (سیرۃ علویہ الامام علی جلد پنجم)

پیغمبرؐ کی پیشین گوئی حرف بہ حرف پوری ہوئی۔ ٹھیک اس وقت جب لوگوں میں پھوٹ پڑی ہوئی تھی یہ خوارج دین سے نکل گئے جس طرح کمان سے تیر نکلتا ہے۔ (۱) ان کا تذبذب اور اُن کی اشتباہی کیفیت ہمیشہ اُنھیں اُلٹ پلٹ کرتی رہی، کبھی آپ سے برسر پیکار ہوتے تو کبھی خاموش بیٹھ جاتے، کبھی مخالفت کرتے کبھی وفاداری کا اظہار کرتے، پھر ان میں بھی باہمی اتفاق قائم نہ رہا بلکہ کئی فرقے پیدا ہو گئے اگر ایک فرقہ آپ سے پوشیدہ عداوت رکھتا تو دوسرا علانیہ اظہار عداوت کرتا، کوئی خاموش بیٹھا رہتا تو کوئی آپ سے جنگ کرنے ہی میں خدا کی خوشنودی سمجھتا۔ نتیجہ دونوں کا لیکن ایک ہوا سبھی موت کے گھاٹ اترے۔ اگر امیر المومنینؑ کی تلوار نے اس فتنہ کو فرو نہ کر دیا ہوتا تو نہ معلوم یہ فتنہ کتنا پھیلتا اور دنیا ان کی بدولت کتنے مصائب سے دوچار ہوتی۔

(۱) خوارج کے متعلق پیغمبرؐ کی پیشین گوئی

(الف) جناب ابوسعید خدری سے روایت ہے کہ ہم لوگ رسولؐ اللہ کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے اور آپ کچھ مال تقسیم فرما رہے تھے، اتنے میں ذوالخویصرہ جو بنی تمیم کا ایک شخص تھا پیغمبر کی خدمت میں آیا اور اس نے کہا یا رسولؐ اللہ! انصاف سے کام لیجئے آنحضرت نے فرمایا وائے ہو تجھ پر اگر میں نا انصافی کروں گا تو پھر انصاف کون کرے گا۔ اگر میں نے انصاف سے کام نہ لیا تو میں بڑے نقصان اور گھاٹے میں رہا۔ حضرت علی نے کہا یا رسولؐ اللہ مجھے اجازت دیجئے کہ میں اسکی گردن اُڑا دوں۔ آپ نے فرمایا جانے دو۔ اسکے ایسے اصحاب ہیں جنکی نماز کو تم لوگ دیکھ اپنی نماز حقیر سمجھتے اور ان کے روزے کے آگے تمھارے اپنے روزے گھٹیا نظر آئیں گے۔ یہ قرآن پڑھیں گے مگر وہ ان کی ہنسیوں کے نیچے نہ اترے گا اور دین سے اس طرح صاف نکل جائیں گے جیسے تیر شکار کے جانور میں سے پار نکل جاتا ہے (اس میں خون، گوشت وغیرہ کچھ لگا نہیں رہتا) انکی علامت ایک سیاہ رنگ آدمی ہوگا جس کا ایک بازو مثل عورت کے

پستان کے ہوگا اور مثل پارہ گوشت کے جو ہر وقت پھڑکتا رہے گا۔ یہ لوگ (خوارج) اس وقت خروج کریں گے جب لوگوں میں پھوٹ پڑی ہوگی۔ ابوسعید کہتے ہیں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے اس حدیث کو پیغمبرؐ سے سنا اور اس کا بھی گواہ ہوں کہ علی ابن ابی طالبؑ نے ان لوگوں سے (یعنی خوارج) جنگ کی اور ان کی معیت میں تھا، آپ نے اس شخص کی تلاش کا حکم دیا، جب وہ لایا گیا تو میں نے اسے بالکل ویسا ہی پایا جیسا کہ پیغمبرؐ نے اسکی علامت بیان کی تھی۔ (صحیح بخاری پارہ ۱۲ صفحہ ۲۲۶) پارہ ۱۴ ص ۳۴۳، پارہ ۲ ص ۶۰، وغیرہ صحیح مسلم جلد اول ص ۳۴۱)

امام بخاری نے اس حدیث کو متعدد مقامات پر ذکر کیا ہے۔ علامہ ابن حجر عسقلانی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

''بعض روایات میں بجائے علی حین فرقۃ کے علی خیر فرقۃ ہے یعنی ''خوارج بہتر گروہ (گروہ علی ابن ابی طالب) پر خروج کریں گے۔ فتح الباری پارہ ۱۴ ص ۳۴۳) مولوی وحید الزماں خاں صاحب حیدرآبادی تحریر فرماتے ہیں: ایک روایت میں علی خیر فرقۃ ہے یعنی بہتر فرقہ حضرت علیؑ اور آپ کے ساتھیوں کا تھا اور معاویہ کا فرقہ باغی اور برا تھا (نوار اللغۃ پارہ ۲۰ ص ۸۷)

اسی مضمون کی حدیث کی شرح میں مولوی وحید الزماں خاں صاحب دوسری جگہ لکھتے ہیں:

''یہ حدیث آپ نے ان خارجیوں کے باب میں فرمائی۔۔۔ حدیث سے نکلتا ہے کہ وہ ظاہر میں بڑے نمازی اور پرہیزگار ہوں گے بلکہ ہمیشہ روزہ دار اور تہجد گذار مگر ایمان کا نور ان کے دلوں میں نہ ہوگا کیونکہ ایمان کا مدار محبت خدا و رسولؐ پر ہے۔ جب دل میں پیغمبرؐ کی محبت اور عظمت ہی نہ ہو تو یہ سب عبادت، تقویٰ، پرہیزگاری بیکار ہے۔ حضرت علیؑ اور امام حسینؑ سے جو لوگ لڑے وہ بھی بڑے تقویٰ اور پرہیزگاری کا دم بھرتے تھے لیکن کیا یہ تقویٰ انکے کام آسکتا ہے جب آنحضرتؐ کی قیادت کا ذرا بھی خیال ان کو نہ رہا۔ تھوڑی سی عبادت پیغمبرؐ صاحب اور آپکی آل کی محبت کیساتھ نجات کے لیے کافی ہے اور گاڑیوں بھر عبادت اور پرہیزگاری آل رسولؐ کی عبادت کے ساتھ محض بیکار اور بے نتیجہ ہے۔ (انوار الفت پارہ ۱۵ ص ۲)

(ب) عبید اللہ بن ابی رافع آزاد کردہ غلام رسولؐ خدا کے بیان کرتے ہیں کہ خوارج نے (جنگ نہروان) جب حضرت علیؑ کے خلاف خروج کیا تو میں حضرت علیؑ کے ہمراہ تھا۔ ان خوارج نے نعرہ لگایا لا حکم الا للہ فیصلہ کرنے کا اختیار خدا ہی کو ہے۔ حضرت علیؑ نے فرمایا بات تو ٹھیک ہے مگر مطلب غلط لیا گیا ہے۔ پیغمبر خدا نے کچھ لوگوں کے اوصاف مجھ سے بیان کیے تھے میں وہ تمام اوصاف ان لوگوں میں پا رہا ہوں، وہ حق بات اپنی زبان سے نکالیں گے لیکن وہ ان کے حلق سے نیچے نہ اُترے گی دل پر کوئی اثر نہ ہوگا، یہ لوگ خداوند عالم کے نزدیک سب سے زیادہ قابل نفرت ولائق بغض ہوں گے۔ انھیں میں سے ایک سیاہ فام شخص ہوگا جس کا ایک ہاتھ بکری کے تھن یا عورت کے پستان کے گھنڈی جیسا ہوگا، جب حضرت علیؑ ان تمام خوارج کو تہ تیغ کر چکے تو آپ نے فرمایا کہ اس شخص کو تلاش کرو لوگوں نے ڈھونڈھا مگر وہ کہیں نہ ملا آپ نے فرمایا کہ پھر جا کر دوبارہ تلاش کرو خدا کی قسم میں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا کبھی جھوٹ نہیں کہا یہ فقرہ آپ نے دو یا تین مرتبہ فرمایا۔ آخر لوگوں نے اس شخص (کی لاش) کو ایک کھنڈر میں پایا، اسے امیر المومنینؑ کی خدمت میں لائے اور آپ کے سامنے رکھا۔'' (صحیح مسلم جلد اوّل ص ۳۴۳)

امیر المومنینؑ نے ایک قاری قرآن کو قرآن کی یہ آیت پڑھتے ہوئے سنا:

قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُم بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا الَّذِينَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا

کہہ دو اے رسولؐ کہ ہم تمھیں بتا دیں کہ اعمال کے لحاظ سے سب سے زیادہ کون لوگ گھاٹے میں ہیں، وہ جنکی کوششیں زندگانی دنیا میں بھٹک کر رہ گئی ہیں اور وہ یہی سمجھتے رہے کہ ہم اچھا کام کر رہے ہیں۔

امیر المومنینؑ مسکرائے اور آپ نے فرمایا:

''اہل حروراء بھی انھیں لوگوں میں سے ہیں۔''

(۳)

کوفہ میں ہلچل تھی، ہر ایک کے دل کو اضطراب لاحق تھا۔ بحث وتکرار بڑھ کر لڑائی جھگڑے کی صورت اختیار کر چکی تھی۔ دومۃ الجندل میں حکمین کے مجتمع ہونے اور فیصلہ دینے کی تاریخ سر پر آگئی تھی۔ شعبان کا مہینہ مقرر کیا گیا تھا اور اب شعبان کی شروع کی تاریخیں تھیں۔ طرح طرح کے خیالات کی وجہ سے مسلمانوں کے دل سہمے ہوئے تھے، صرف کوفہ ہی کے نہیں بلکہ تمام اسلامی شہروں کے۔ ہر ایک کو تردد تھا کہ نہ معلوم حکمین کے اس اجتماع کا کیا نتیجہ ظاہر ہو۔

کوفہ والوں کا اضطراب کچھ اس وجہ سے نہ تھا کہ چار سو کے قریب افراد حکمین کے فیصلہ کے وقت حاضر رہنے کے لیے جانے والے تھے بلکہ اصل وجہ اس اضطراب کی حروراء والے خوارج تھے جنھوں نے یہ دیکھ کر کہ فیصلہ حکمین بہر حال ہو کر رہے گا اپنی سر گرمیاں اور تیز کر دی تھیں اور اپنے شور وغل سے پورا کوفہ سر پر اُٹھا رکھا تھا۔

اب بات چیت یا بحث ومباحثہ کی صورت نہ تھی، اس وقت تو وہ کھلم کھلا تشدد پر اُتر آئے تھے، ایسا تشدد اب تک اُن سے ظہور میں نہ آیا تھا اور نہ اتنا آپے سے باہر ہوئے تھے جیسا کہ اس وقت باہر ہوئے اور اپنے مخالفین کو اُنھوں نے اتنی گالیاں دی تھیں جتنی اس وقت دے رہے تھے خصوصاً ان لوگوں کو جو وفد میں شامل ہو کر دومۃ الجندل کی طرف عازم سفر تھے۔ امیر المومنینؑ بھی اُنسے محفوظ نہ رہے۔ آپ تو خصوصیت سے ان کے مظالم کا نشانہ تھے۔ گھر میں ہوں یا راستہ میں، مسجد میں ہوں یا حالت نماز میں، جہاں بھی آپ کو دیکھتے آپ سے انتہائی جسارت اور گستاخی سے پیش آتے۔ طرح طرح کے عیب لگاتے، سخت وتشدید کلمات سُننے پر مجبور کرتے، اگر آپ چشم پوشی یا درگذر کرتے تو اور بھڑک اُٹھتے، اگر آپ اُن کا جواب دینا چاہتے تو چیخ پکار سے آپ کو بولنے نہیں دیتے بلکہ بہت سے تو اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیتے کہ آپ کی آواز ہمارے کانوں میں پہونچنے ہی نہ پائے۔

آپ کے اصحاب نے بار بار آپ کی خدمت میں اُن کے متعلق تشویش ظاہر کی اور اصرار کیا کہ ان کا فوری تدارک ضروری ہے مگر آپ نے اُن کے ساتھ حتی الامکان نرمی سے پیش آنے کی جو روش اختیار کر رکھی تھی اسی روش پر قائم رہے۔ جتنا ہو سکا ڈھیل دی۔ صبر وتحمل سے کام لیا، اس امید میں کہ ممکن ہے کہ آج نہ سہی کل یہ راہ راست پر آجائیں اور ان کی سرکشی کا خاتمہ ہو جائے۔

منجملہ دیگر لوگوں کے اشعث بن قیس نے بھی آپ کی خدمت میں تشویش ظاہر کی۔ مطلب یہ تھا کہ اس فتنہ کو ابھی کچل دینا ضروری ہے۔ آپ نے فرمایا:

''جب تک یہ لوگ خود جنگ کی ابتدا نہ کریں گے میں ان سے جنگ نہ کروں گا..........''

پھر تھوڑی دیر آپ خاموش رہے، اس کے بعد رنج بھرے لہجہ میں بات پوری کرتے ہوئے کہا:

''............اور یہ عنقریب لڑائی میں پہل کرنے والے ہیں۔''

خوارج اب کھل کر سامنے آ گئے تھے۔

پھر بھی بھلائی اسی میں تھی کہ اُن کے ساتھ لُطف و مدارات سے پیش آیا جائے اور جہاں تک ہو سکے ان کی شرارتوں سے چشم پوشی کی جائے کہ خود ہی تھک ہار کر بیٹھ رہیں گے اور اُن کی یہ خصومت و عداوت تھم جائے گی۔ حکمین کے فیصلہ کی تاریخ بالکل قریب تھی۔ ان کے فیصلہ کا جو نتیجہ ہوگا وہ چند ہی دن یا چند ہی ہفتے میں ظاہر ہو جائے گا۔ اس وقت خوارج خود ہی سمجھ لیں گے کہ ہماری پوزیشن کیا ہے۔ قرآن کا فیصلہ یقیناً اُنھیں آپ کے حلقہ اطاعت میں پھر آ جانے کے لیے مجبور کر دیگا۔

سچ تو یہ ہے کہ صبر وتحمل کے علاوہ کوئی دوسرا چارہ کار بھی نہ تھا۔ امیر المومنینؑ کے بس میں تو یہ نہ تھا کہ آپ اُن کو مجبور کر کے اس دُبدھے اور اشتباہی کیفیت سے نکال لیں جو اُنھیں حق و باطل کے درمیان معلق کیے ہوئے تھی۔ وہ ایک مرتبہ راضی ہوتے تو بیسیوں مرتبہ آپ سے برگشتہ ہو جاتے۔ یہ ممکن نہ تھا کہ طاقت سے کام لیا جاتا کیونکہ اس وقت شدید ضرورت تھی کہ امن قائم رہے اور آپ کی جمعیت میں اتحاد و ہم آہنگی ظاہر ہو تا کہ دشمن کو کسی قسم کا لالچ نہ پیدا ہو۔ نیز آپکی طرف سے جو شخص حکم مقرر کر کے بھیجا گیا تھا یعنی ابوموسیٰ اشعری وہ آپ کی جمعیت میں اضطراب و بے چینی دیکھ کر فیصلہ میں گڑ بڑی نہ کر دے۔

یہی وجہ تھی کہ امیر المومنینؑ سے جہاں تک بن پڑا ڈھیل دیا کیے دراں حالیکہ آپ بخوبی واقف تھے کہ یہ لوگ محض شک وشبہ کی وجہ سے سرکشی پر آمادہ ہیں۔ امیر المومنینؑ نے ایک مرتبہ ایک خارجی کو رات بھر نماز اور تلاوت قرآن میں مشغول دیکھ کر کہا:

''یقین کی حالت میں سورہنا بہتر ہے شک وشبہ کی کیفیت میں نماز پڑھنے سے۔''

امیر المومنینؑ خوارج کے ساتھ نرمی برتتے رہے اور اُن کی سفیہانہ حرکتوں کو اکثر اوقات میں معاف کرتے رہے، گالیاں دیتے سُنتے اور جواب نہیں دیتے۔ آپ کے اصحاب خوارج کی ان حرکتوں پر بھڑک اُٹھتے مگر آپ اُنھیں کوئی تعرض کرنے نہیں دیتے۔ آپ ایک مرتبہ وعظ فرما رہے تھے۔ ایک خارجی کو آپ کا وعظ بہت پسند آیا، بیساختہ بول اُٹھا:

''خدا (معاذ اللہ) اس کافر کو قتل کرے کتنا زبردست فقیہ ہے۔''

امامؑ نے جیسے سنا ہی نہیں لیکن آپ کے بعض اصحاب کو آپ کا یہ حلم بہت گراں گذرتا جس طرح خوارج کی حرکتیں ناگوار گذرتی تھیں۔ اُنھوں نے چاہا کہ اس خارجی کو مار ڈالیں۔

امیر المومنینؑ نے نرمی سے سمجھاتے ہوئے کہا:

''گالی کا بدلہ یا تو گالی ہے یا پھر یہ کہ اُسکے قصور کو معاف کر دیا ئے۔''

لیکن امیر المومنینؑ جتنا بھی نرم سلوک کرتے خوارج کی عداوت و دشمنی رکھنے کا نام نہیں لیتی۔ وہ حد سے گذرتے گئے بلکہ آپ کی بردباری اُن کے تشدد میں اور اضافہ کا باعث ہوئی۔ مطلب یہ تھا کہ آپ بھی عاجز آ کر تشدد پر اُتر آئیں اور کسی طرح لڑائی کی ٹھن جائے

جب اُنکے ترکش کے سارے تیر خالی ہو گئے۔ کوئی صورت ظلم وایذا رسانی کی باقی نہ رہی اور امیر المومنینؑ نے پھر بھی صبر کو ہاتھ سے جانے نہ دیا تو اب وہ علانیہ دشمنی پر کمر بستہ ہوئے۔ اُن کے دو لیڈر امیر المومنینؑ کو گویا جنگ کا الٹی میٹم دینے کے لیے پہونچے۔ آتے ہی اُنھوں نے اپنا نعرہ بلند کیا:

لاحکم الاللہ۔۔۔۔۔

امیر المومنینؑ نے بھی سکون و وقار سے یہی جواب میں کہا:

اُس وقت حرقص بن زہیر نے انتہائی گستاخی سے کام لیتے ہوئے کہا:

''اے علیؑ! آپ گناہوں سے توبہ کریں اور اپنے قول وقرار سے جو آپ نے معاویہ سے کہا ہے پھر جائیں۔ یہ فیصلہ ناجائز اور خلاف شرع ہوگا۔ آپ ہمارے ساتھ دشمنوں پر خروج کیجئے۔ جب تک ہمارے جسم میں جان ہے ہم اُن سے لڑیں گے......''

وہ اپنی تقریر کرتا رہا، امیر الومنینؑ خاموشی سے سنتے رہے، نہ بیچ میں ٹوکا نہ کوئی جواب دیا، جب وہ اپنی تقریر کر چکا تو آپ نے بڑی نرمی اور تحمل سے فرمایا:

''میرا بھی یہی ارادہ تھا مگر تم نے میری مخالفت کی۔ اب موقع ہاتھ سے نکل چکا ہے، تم نے عہد کر کے ہاتھ کاٹ ڈالے۔ خداوند عالم کا ارشاد ہے:

وَأَوْفُوا بِعَهْدِ اللهِ إِذَا عَاهَدْتُّمْ وَلَا تَنقُضُوا الْأَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيدِهَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللهَ عَلَيْكُمْ كَفِيلًا

''اور جب تم لوگ باہم قول وقرار کر لیا کرو تو خدا کے عہد و پیمان کو پورا کرو اور قسموں کو ان کے پکا ہو جانے کے بعد نہ توڑا کرو حالانکہ تم تو خدا کو اپنا ضامن بنا چکے ہو جو کچھ تم کرتے ہو خدا اچھی طرح جانتا ہے۔

جب سب باتیں طے ہو چکی ہیں تو اب اُن کے خلاف کیسے کر سکتے ہو۔

امیر المومنینؑ نے کوئی نئی بات نہیں کہی تھی۔ یہ بات آپ اُن سے پہلے بھی کہہ چکے تھے، اُس وقت اُنھوں نے مان بھی لیا تھا لیکن اس وقت اُن کی مرضی یہی تھی کہ کسی طرح نہ مانیں۔ امیر المومنینؑ کا یہ ارشاد ایسا بہترین ضابطہ حیات اور قانون ہے

جس پر انسان کو ہر زمانہ اور ہر موقع پر پیروی کرنا لازم ہے کیونکہ یہ تمام شریعتوں کا جوہر اور اخلاق کا بہترین دستور ہے۔ لیکن حرقوس بن زہیر ماننے پر تیار نہ ہوا۔ اُس نے کہا:

''یہی تو گناہ ہے جس کے لیے ہم توبہ کرنے کو کہتے ہیں۔''

امیرالمومنینؑ نے فرمایا:

''یہ گناہ نہیں بلکہ رائے کی لغزش اور عمل کی کمزوری ہے۔ میں نے اس کی خرابیاں پہلے ہی تمھیں بتا دی تھیں اور حتی الامکان تمھیں باز رکھنے کی کوشش کی تھی۔''

زرعہ بن برج نے چیخ کر کہا:

''اے علیؑ اگر تم حکم بنانا نہیں چھوڑو گے تو ہم تم سے لڑیں گے۔ ہمارا لڑنا حق پر ہو گا کیونکہ اس میں خدا کی رضا مطلوب ہو گی۔''

امیرالمومنینؑ کو جوش آ گیا۔ آپ نے حقارت بھرے لہجہ میں کہا:

''جا دور ہو جو تیرے دل میں آئے کر گذر، میں اپنے قول سے نہیں پھر سکتا''

زرعہ نے کہا:

''ہمارا مطلب بھی یہی ہے کہ ہم سے تم سے جنگ ہو۔''

امیرالمومنینؑ نے فرمایا:

''تمھارا ناس ہو اگر تم حق پر ہوتے تو حق پر تمھاری موت اچھی چیز ہوتی لیکن تمھیں تو شیطان نے بہکا رکھا ہے، خدا سے ڈرو۔''

لیکن اُن لوگوں نے اپنے کان بہرے کر لیے اور لاحکم الاللہ کے نعرے لگاتے ہوئے وہیں چلے آئے۔

(الامام علی ابن ابی طالب جلد پنجم، سیرۃ علویہ شاہ محمد علی حیدر کاکوروی ص س)

(۴)

خوارج رات کی تاریکی میں گھروں سے نکل نکل کر عبداللہ بن وہب راسبی کے گھر میں رائے مشورہ کرنے کے لیے اکٹھا ہونے لگے۔ یہ عبداللہ بن وہب وہ شخص تھا جس کی پیشانی کثرت سجدہ سے زخمی ہو گئی تھی اور اس پر بڑا گٹھا سا بن گیا تھا۔ وہ خوارج بھی اسی جیسے تھے۔ انکی صورت دیکھ کر ہر شخص یہی خیال کرتا تھا کہ یہ تقویٰ و پرہیز گاری میں دبلے اور زہد و ورع میں پگھلے جا رہے ہیں۔ جب رات کا سناٹا پوری طرح پھیل گیا اور گھروں کے دروازے بند ہو گئے تو اب کھل کر باتیں ہونے لگیں اور پروگرام بننے لگا کہ کیونکر علیؑ اور اپنے مخالفین کو زیر کیا جائے۔

عبداللہ بن وہب نے کھڑے ہو کر تقریر کرتے ہوئے ان سے کہا:

''خدا کی قسم ایسے لوگوں کے لیے جو خدا پر ایمان اور احکام قرآنی پر اپنا عمل رکھتے ہوں مناسب نہیں کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور حق بات کہنے کو چھوڑ کر اس دنیا کو اختیار کریں جو سراسر بلا ومصیبت ہے۔ امر بالمعروف، نہی عن المنکر اور راست گفتاری اگر چہ اس دنیا میں کڑوی اور مضرت رساں ہوتی ہے لیکن بروز قیامت اس کی جزا بہت بڑی ملتی ہے اور وہ ہے خدا کی خوشنودی۔ بھائیو! اس شہر سے جس کے رہنے والے سبھی ظالم ہوں نکل کر جنگلوں، پہاڑوں یا دوسرے شہروں میں چل کر رہنا چاہیے اور ان ظالمانہ احکام اور گمراہ کن بدعتوں کو ہرگز قبول نہ کرنا چاہیے۔''

حرقوص بن زبیر نے اس رائے سے اتفاق کرتے ہوئے کہا:

''دنیاوی زندگی بہت قلیل ہے۔ اس سے ہر شخص کو جلد جدا ہو جانا ہے، خبردار اس کی زینت وتازگی اور رونق تم کو یہاں ٹھہرے رہنے کی دعوت نہ دے اور تلاش حق اور انکار ظلم سے تم کو غافل نہ کر دے۔ اے نیک بندو! خدا اُنھیں لوگوں کے ساتھ ہے جو تقویٰ و پرہیزگاری اختیار کریں اور اس کے ساتھ ان کا عمل بھی اچھا ہو۔''

دوسری رات یہ لوگ زید بن حصین کے گھر میں جمع ہوئے اس نے بھی ویسی ہی انھیں وعظ ونصیحت کی جیسی عبداللہ بن وہب راسبی نے کی تھی۔ ساتھ ہی ساتھ انھیں اشتعال بھی دلاتا جاتا اور موقع موقع سے قرآنی آیات کی تلاوت کرتا تا کہ یہ لوگ پوری طرح بھڑک اُٹھیں اور بخیال خویش خدا کی راہ میں مرنے مارنے پر تیار ہو جائیں۔ اس نے اپنے سلسلہ تقریر میں کہا:

''خداوند عالم نے ہم لوگوں سے امر بالمعروف، نہی عن المنکر، راست گفتاری اور جہاد کے متعلق عہد و پیمان لیے ہیں ....خداوند عالم نے اپنے نبی سے خطاب کر کے ارشاد فرمایا: اے داوٗد ہم نے تم کو زمین پر اپنا خلیفہ مقرر کیا ہے لوگوں کے درمیان حق فیصلہ کرو اور اپنی خواہش نفسانی کی پیروی نہ کرو کہ وہ تمھیں خدا کے راستے سے گمراہ کر دے جو لوگ خدا کے راستے سے گمراہ ہوں گے اُن کے لیے سخت عذاب ہے نیز خداوند عالم کا ارشاد ہے ''جو لوگ خدا کے نازل کردہ احکام کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہی لوگ کافر ہیں۔''

جب اُس نے اپنی تقریر سے خوب آگ لگائی سب مشتعل ہو اُٹھے تو اس نے صاف صاف لفظوں میں کہا:

''خداوندا میں گواہی دیتا ہوں کہ ہمارے مذہب اور ہم قبیلہ لوگوں نے اپنی خواہش نفسانی کی پیروی کی۔ ان لوگوں نے کتاب خدا کے فیصلہ کو چھوڑا اور قول وعمل میں جادۂ صواب سے منحرف ہو گئے۔ اب ان لوگوں سے جہاد کرنا مومنین پر فرض ہے۔''

اسکی یہ تقریر مجمع پر پوری طرح اثر انداز ہوئی اُن کے درمیان ایک شخص ڈاڑھیں مارتا ہوا اُٹھا، آنسوؤں سے پورا چہرہ تر،

فرط گریہ سے آواز صاف نہیں نکلتی تھی، کہنے لگا:

''ان لوگوں کے چہروں اور پیشانیوں کو تلواروں سے مارو تا کہ خداوند رحمان و رحیم کی بات مانی جائے اگر تم کامیاب ہوئے اور جس طرح تم چاہتے ہو اسی طرح خدا کی اطاعت کی جانے لگی تو خداوند عالم تمھیں اپنے اطاعت گذاروں کا ثواب عنایت کرے گا اور اگر تم مارے گئے تو خدا کی خوشنودی اور اس کی جنت میں پہونچنے سے بہتر کیا چیز ہو سکتی ہے؟''

یہ اُن کا آخری اجتماع نہ تھا۔ اس کے بعد بھی وہ کئی راتوں میں مسلسل ایک جگہ اکٹھا ہوتے اور اپنا پروگرام مرتب کرتے ،کبھی اس سردار کے گھر میں کبھی اس سردار کے گھر میں۔ عملی قدم اٹھانے میں دیر صرف اس بات کی تھی کہ ساری تدابیر مکمل ہو جائیں اور ایسے انتظامات پورے ہو جائیں جن کی وجہ سے کامیابی یقینی ہو۔

دوسرے لوگ اُن کی طرف سے غفلت میں پڑے رہے۔ اُن کی ساری توجہ ان وفود پر لگی ہوئی تھی جو کوفہ سے اور شام سے چل کر دومۃ الجندل میں پہونچنے والے تھے، ہر شہر اور ہر قسم کے لوگوں کی نگاہیں دومۃ الجندل پر، ابوموسیٰ، عمرو عاص پر اور اُس قرآن مجید پر لگی ہوئی تھی جس سے یہ دونوں فریقین کے درمیان فیصلہ دینے والے تھے۔ دلوں میں دھڑکن تھی، سینوں میں ہیجان تھا پھر بھی تمام اسلامی شہروں کے مسلمانون کے ذہن ان دونوں حکموں کے لب و زبان کی جنبش پر مرکوز تھے۔ جیسی بیچینی سے ہر شخص منتظر تھا کہ انجام کیا ہوتا ہے لیکن خوارج اپنی جگہ مطمئن تھے۔ انھوں نے جو منصوبہ بنایا تھا وہ بہر حال اٹل تھا۔ حکمین چاہے کسی بات پر متفق ہوں یا اختلاف کریں دونوں طرف کے مسلمان ایک ہو جائیں یا بٹ جائیں، اُن کے پروگرام میں تبدیلی ہونے والی نہ تھی کیونکہ راہ خدا میں اب جہاد کیے بغیر چھٹکارا نہیں تھا (سیرۃ علویہ، الامام علیؑ جلد پنجم)

(۵)

''فیصلہ کی میعاد رمضان تک تھی۔ جناب امیرؑ اور معاویہ نے بالاتفاق حکمین کے اجلاس کے لیے مقام دومۃ الجندل منتخب کیا۔ یہ تمام عراق و شام کے وسط میں تھا۔ جب میعاد مقررہ ختم ہونے کو آئی اور حکمین کے جمع ہونے کا زمانہ آیا تو جناب امیرؑ نے شریح بن ہانی کو چار سو سواروں کے ساتھ روانہ کیا اور عبداللہ بن عباس کو امامت نماز کے لیے حکم دیا۔ ابوموسیٰ اشعری جناب امیرؑ کی طرف سے حکم تھے۔ شریح بن ہانی سے روانگی کے وقت آپ نے فرمادیا تھا کہ عمرو بن عاص سے میری طرف سے کہہ دینا کہ:

''خدا کے نزدیک لوگوں میں افضل وہ شخص ہے جس کو حق پر عمل کرنا محبوب ہو۔ گرچہ بمقتضائے بشر بندہ اس عمل کی عزت و قدر میں کمی بیشی کر دے لیکن اس کی نیت بخیر ہو، دردِ دل سے حق کا طالب و جویا ہو۔ رہے عمرو تم کو خوب معلوم ہے کہ حق کا موقع کہاں، تم اس سے جاہل و بے خبر نہیں ہو۔ اگر تم کو طمع دنیوی نے فیصلہ حق سے باز رکھا تو یاد رکھنا کہ اس طمع کی بدولت اولیاء حق کے

تم دشمن ہو جاؤ گے اور یاد رکھو اس وقت جو کچھ نعمت و دولت تم کو حاصل ہے وہ زائل ہو جائے گی۔ خبردار ظالم و خائن و مددگار نہ ہونا۔ ایک دن وہ آنے والا ہے جس میں تم کو ندامت لاحق ہوگی۔ وہ موت کا دن ہے۔ اس دن تمنا کرو گے کہ کاش کسی مسلمان سے عداوت نہ کی ہوتی۔ کسی ناحق حکم پر رشوت نہ لی ہوتی۔ لہٰذا تم کو واجب ہے کہ سچائی اختیار کرو اور احکم الحاکمین کی روسکاری سے ڈرو۔"

معاویہ کی طرف سے بھی چار سو آدمی بمعیت عمرو ابن عاص روانہ ہوئے۔ طرفین سے ملاقات بمقام اذرح ہوئی جو مقام دومۃ الجندل کے مضافات سے ہے۔ (سیرۃ علویہ ص ۳۲۹)

پہلے یہی فیصلہ ہوا تھا کہ حکمین دومۃ الجندل میں جمع ہوں لیکن بعد میں یہ اجتماع دومۃ الجندل کے بجائے اذرح میں اس لیے ہوا کہ اس جھگڑے کی وجہ سے جو حضرت علیؑ اور خوارج کے درمیان پیدا ہو گیا تھا وقت مقررہ پر حکمین کا اجتماع نہ ہو سکا۔ کوفہ و شام کے درمیان خط و کتابت ہوئی اور دونوں فریق دوسرے فریق کی تعین پر رضامند ہو گئے۔ ساتھ ہی ساتھ یہ فیصلہ ہوا کہ اجتماع دومۃ الجندل کے بجائے اذرح میں ہو۔ (خلفائے محمد)

شریح ابن ہانی نے جناب امیرؑ کا پیام عمرو عاص سے کہا۔ وہ غصہ سے سُرخ ہو کر نہایت تیزی و سختی سے بولے:

"میں نے کب علیؑ کا مشورہ قبول کیا اُن کے حکم کو مانا اور اُن کی رائے پر اعتبار کیا۔"

شریح نے کہا:

"اے ابن نابغہ (عمرو عاص) تم کو کون چیز مانع ہے کہ جس سے تم اپنے مولیٰ اور مسلمانوں کے سردار کی نصیحت نہیں قبول کرتے۔ یہ وہ شخص ہیں جن کی رائے پر حضرت ابوبکر تھے جو تم سے یقینی بہتر و افضل تھے۔ عمل کرتے تھے۔"

عمرو عاص نے کہا:

"تم سمجھ سے بات کرنے کی لیاقت نہیں رکھتے۔"

شریح بولے:

"تم کس برتے پر اس قدر تنتے ہو؟ تم کو اپنے باپ پر فخر ہے کہ ماں پر۔ باپ تمھارے کمینہ لوگوں میں سے تھے اور ماں تمھاری نابغہ لونڈی تھی تم میں اس قدر تعلّی کیوں ہے؟"

یہ کہہ کر شریح وہاں سے اٹھ کر چلے آئے۔ (سیرۃ علویہ ص ۳۲۰)

(۲)

دومۃ الجندل میں آئے ہوئے لوگ خواب کی طرح رنگ برنگ تھے، مختلف جماعتیں، مختلف افکار، کوئی علوی تھا تو کوئی

اموی اور کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو جذبات خیالات کے لحاظ سے تھے تو خارجی مگر اپنے بھائیوں کی طرح کھل کر منظر عام پر نہیں آئے تھے۔ ان تین قسم کے لوگوں کے علاوہ چوتھی قسم ان لوگوں کی تھی جو محض واقعات کا پتہ چلانے کے لیے آئے تھے۔ انھیں اسکی پروانہ تھی کہ فریقین میں سے کس کی جیت ہوتی ہے اور کس کی ہار۔ اس چھوٹے سے شہر میں اتنے قسم کے لوگ جمع ہو گئے تھے، بھڑوں کے چھتہ کی طرح اُن کی آوازوں سے شہر گونج رہا تھا۔ باطنی کیفیتیں انھیں ہیجان میں ڈالے ہوئے تھیں۔ کسی کو اندازہ نہ تھا کہ انجام کیا ہوگا؟ پائدار امن نصیب ہوگا یا نئی تباہی و بربادی۔

ایک طرف معاویہ کے اصحاب تھے جو شام سے بصورت وفد آئے تھے، سینوں میں اُن کے ہیجان برپا تھا مگر چہروں پر اطمینان وسکون طاری کیے تھے۔ آپس میں ملتے تو انتہائی محتاط رہتے۔ باتیں کرتے تو اشاروں اشاروں میں، بحث وتکرار بھی کرتے تو چپکے چپکے، کئی مرتبہ ٹوہ میں لگے ہوئے لوگوں نے اُن کی باتیں سننے کی کوشش کی مگر کامیابی نہ ہوئی۔ کہیں جمع ہوتے تو دوستانہ طریقے پر اور جب منتشر ہوتے تو دوستانہ طریقے سے۔

معاویہ عمرو عاص کو برابر خط بھیجتے رہتے۔ قاصد خط لے کر آتا بھی اور جواب بھی لے کر چلا جاتا مگر لوگوں کو پتہ نہیں چلتا کہ کیا لے کر آیا تھا اور کیا لے کر گیا۔ خط لانے والے قاصد تک کو خط کے مضمون کا پتہ نہ ہوتا، نہ اہل شام ہی کو اس بات کی جستجو ہوتی کہ ان خطوں میں کیا لکھا ہے۔ اسی وجہ سے دوسرے لوگ بھی خط اور جواب خط کے متعلق کچھ معلوم نہیں کر پاتے۔

دوسری طرف امیر المومنینؑ کے اصحاب تھے جو عراقی وفد میں شامل ہو کر آئے تھے۔ ان میں نہ احترام واحتیاط تھی نہ ہشیاری، ان کا معاملہ سب پر عیاں تھا۔ جیسے ہی کوئی راز کی بات معلوم ہوتی فوراً زبان پر آجاتی اور بھرے مجمع میں ظاہر کر دیتے۔ ان کی گفتگو بالکل صاف ہوتی، بحث ومباحثہ کرتے تو چیخ چلا کر۔ ٹوہ لینے والے ہمیشہ ان کا بھید لیتے رہتے۔ اُنھیں راز کے ظاہر ہو جانے کی پرواہی نہ تھی۔ جب اکٹھا ہوتے تب بھی اختلاف کرتے۔ جب متفرق ہوتے تب بھی لڑ جھگڑ کر، وہ شروع سے آخر تک اختلافات کا شکار رہے۔

امیر المومنینؑ بھی عبداللہ بن عباس کو جنھیں آپ نے امیر جماعت مقرر کر کے بھیجا تھا خط بھیجا کرتے۔ یہاں قاصد ابھی اپنی سواری سے اترنے بھی نہیں پاتا کہ عراق والے اس کے اردگرد مجتمع ہو جاتے اور طرح طرح کے سوالات کرتے اور اُسکے پیچھے پڑ جاتے اور وہ ابن عباس کا جواب لے کر جانے بھی نہیں پاتا کہ یہ لوگ عبداللہ ابن عباس کے پاس جمع ہو جاتے، یہ دریافت کرنے کے لیے کہ حضرت نے کیا لکھا تھا اور اُنھوں نے کیا جواب دیا۔ ستم یہ کہ وہ علانیہ اور بھرے مجمع میں یہ حرکتیں کرتے۔ پھر ان میں باہمی بحث وتکرار ہونے لگتی۔ نہ جانے کتنی مرتبہ اُنھوں نے خط آنے پر ابن عباس سے پوچھا:

''امیر المومنینؑ نے کیا لکھا ہے؟''

جب ابن عباس جواب دینے میں دیر کرتے تو وہ بگڑ کر کھڑے ہوتے اور مارے تقاضوں کے ناک میں دم کر دیتے اور اگر وہ چھپانا چاہتے تو طرح طرح کی قیاس آرائیاں کرتے اور کہتے کہ ہمارا تو خیال ہے کہ امیر المومنینؑ نے یہ لکھا ہوگا اور جب ابن عباس عاجز آ کر سچی سچی بات بتا دیتے تو وہ اُنھیں جھوٹا خیال کرتے ہوئے کہتے:

''ہمارا تو خیال ہے کہ آپ جھوٹ بول رہے ہیں۔''

ابن عباس کی ان کے درمیان عجیب حالت تھی۔ وہ چڑھ جاتے، ان لوگوں کی حماقتیں اُنھیں مشتعل کر دیتیں اور بسا اوقات بگڑ کر کہتے:

''آخر تمھاری عقلوں کو کیا ہو گیا ہے، کیا تم دیکھتے نہیں کہ معاویہ کا قاصد آتا ہے اور کسی کو پتہ نہیں چلتا کہ وہ کس مضمون کا خط لایا ہے، وہ واپس جاتا ہے اور کسی کو معلوم نہیں ہوتا کہ کیا جواب لے کر گیا ہے، نہ وہاں شور ہوتا ہے نہ شغب، ایک تم ہو کہ مجھے چین نہیں لینے دیتے......''

یہی ان لوگوں کی حالت رہی اُس وقت سے جب سے یہ لوگ دومۃ الجندل میں پہونچے تھے۔ نہ احتیاط تھی نہ راز داری، نہ اسی کا خیال کہ کم سے کم مجمع عام میں یا اپنے دشمنوں کی موجودگی میں تو ایسی باتیں نہ کریں۔

سب سے زیادہ سرگرمی اور انہماک دومۃ الجندل میں ان لوگوں کی طرف سے دیکھنے میں آتا تھا جو پہلے بھی امیر المومنینؑ سے منحرف رہے اور اب بھی تھے۔ ان لوگوں میں سے کچھ لوگ تو وہ تھے جنھوں نے آپ کی بیعت اور نصرت دونوں سے پہلوتہی کی تھی۔ گوشہ نشینی اختیار کیے ہوئے گھر میں بیٹھے رہے۔ کچھ ایسے تھے جنھوں نے نہ تو لڑائی میں آپ کا ساتھ دیا نہ معاویہ کا لیکن میلان ان کا معاویہ ہی کی طرف تھا۔ کچھ ایسے تھے جو پہلے آپ کے علانیہ دشمن رہے (جنگ جمل میں) پھر بے بس و لاچار ہو کر گھر میں بیٹھ رہے یا از روئے مصلحت کنارہ کش رہے اس امید میں کہ شاید آگے چل کر علیؑ سے پھر ٹکر لینے کا موقع مل جائے۔

دومۃ الجندل میں ان تمام قسموں کے بہت سے لوگ تماشائی بن کر آئے تھے۔ یہ لوگ عراق کے وفد سے بھی ملتے اور شام کے وفد سے بھی، دونوں طرف آتے جاتے تھے، آنکھیں اور کان کھولے ہوئے کہ شاید کوئی بھید کی بات معلوم ہو جائے۔ یہ پتہ چل سکے کہ اس تحکیم کا کیا نتیجہ نکلے گا۔

انھیں میں عبداللہ بن زبیر تھے، مغیرہ بن شعبہ تھے، عبداللہ بن عمر تھے، اور انھیں میں سے سعد بن ابی وقاص تھے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ بھی آئے تھے بعض کہتے ہیں کہ نہیں یہ گھر ہی میں بیٹھے رہے۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ آئے تو تھے مگر دومۃ

الجندل سے کچھ دور ٹھہرے، مجمع میں آنا مناسب نہ سمجھا۔ لوگوں کو انتہائی حیرت تھی کہ آخر یہ حضرات یہاں کیسے تشریف لائے۔ اب تک تو یہ لوگ علیؑ کے مخالف تھے یا کم سے کم یہ کہا جائے کہ ایسے بے تعلق تھے کہ نہ دوست ہی تھے نہ دشمن ہی، یہ تو ہو نہیں سکتا کہ صرف سیر و تفریح یا تحکیم کا نتیجہ ہی معلوم کرنے کے لیے ان لوگوں نے آنے کی زحمت کی ہو۔

اصل بات یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک کو خلافت کی طمع تھی۔ یہ لوگ تحکیم کے جلسہ میں آئے ہی اس لیے تھے کہ لوگ ہمیں خلیفہ منتخب کرلیں۔ کیونکہ ان لوگوں کی سابقیت اسلام کا اچھا خاصا پُروپگنڈہ تھا پھر قریش سے ہونے کی وجہ سے عوام الناس میں ان کو اہمیت بھی حاصل تھی۔

اگر عبداللہ بن زبیر کو اس وجہ سے نظر انداز بھی کر دیا جاتا کہ یہ فتنہ انگیزی میں شریک اور جنگ جمل میں اہم رول ادا کر چکے تھے تو ایسے لوگ بھی تھے جو عبداللہ بن زبیر سے بہتر تھے جیسے عبداللہ بن عمر یا جیسے سعد بن ابی وقاص۔ عبداللہ بن عمر حضرت عمر کے صاحبزادے تھے۔ سعد ابن ابی وقاص پیغمبرؐ کے بزرگ ترین اصحاب سے ہونے کے علاوہ شوریٰ کے ارکان میں سے بھی تھے جو اُس وقت بڑا خصوصی شرف سمجھا جاتا تھا۔

(۷)

غالباً سعد بن ابی وقاص دومۃ الجندل میں نہیں آئے اور نہ اس تاریخی جلسہ میں کوئی حصہ لیا۔ لیکن اُن کا ذکر ضرور موجود تھا۔ اُن کے نہ آنے کی ایک وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ انھوں نے نہ علیؑ کا ساتھ دیا تھا اور نہ معاویہ کا بلکہ گوشہ نشین ہو کر بیٹھ رہے، اس لیے انھوں نے تحکیم کے موقع پر بھی موجود رہنا مناسب نہ سمجھا۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ وہ ڈرے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہاں جانے پر ذلت اُٹھانی پڑے۔ شوریٰ کا واقعہ جسے زیادہ دن نہیں گزرے تھے انھیں اچھی طرح یاد تھا۔

حضرت عمر مارے جا چکے تھے اور اُنھوں نے اپنے بعد خلیفہ کے تعین کے لیے چھ آدمیوں کی ایک کمیٹی مقرر کر دی تھی اور تاکید کر دی تھی کہ ساتواں آدمی شریک نہ ہو۔ یہ چھ آدمی لوگوں کی آنکھوں اور کانوں سے دور مسور بن مغرمہ کے گھر میں بیٹھے بات کر رہے تھے۔ ابھی تک یہ طے نہ ہوا تھا کہ کس کو خلیفہ بنایا جائے، اسی وقت عمر و عاص پہونچے، اُن کے پیچھے مغیرہ بن شعبہ آئے اور یہ دونوں دروازہ پر بیٹھ گئے، سعد بن ابی وقاص جو خود بھی ممبران شوریٰ میں سے تھے فوراً باہر نکلے اور ان دونوں کو بُری طرح پھٹکار بتائی، ڈھیلے اُٹھا کر مارے اور وہاں سے انھیں نکالتے ہوئے کہا:

''تم لوگ محض اس لیے آئے ہو کہ بعد میں لوگوں سے یہ کہہ سکو کہ شوریٰ میں ہم بھی موجود تھے۔''

سعد بن ابی وقاص نے ان دونوں کی تمناؤں پر پانی پھیر دیا تھا۔ غالباً وہی واقعہ ان کے پیش نظر تھا اور ڈرتے تھے کہ کہیں

میرے ساتھ بھی ویسا ہی سلوک نہ ہو۔ جب کہ مغیرہ بن شعبہ بھی دومۃ الجندل بھی موجود تھے اور عمرو عاص تو خیر معاویہ کی طرف سے حکم ہی مقرر ہوکر آئے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ وہ دومۃ الجندل میں آئے نہیں بلکہ کچھ دور پر مقیم رہے۔

لیکن اُن کے فرزند عمر ابن سعد کو اُنکی یہ کنارہ کشی اور گمنامی پسند نہ تھی۔ یہ نوجوان تھا اور شہرت واقتدار کا بھوکا۔ اسے انتہائی ہوس تھی کہ ہمارا بھی نام ہو اور ہم بھی بڑے آدمی سمجھے جائیں۔ چاہے وہ کسی وسیلہ اور طریقہ سے ہو۔ آنے والے دنوں نے بتا دیا کہ اس نے اپنی آرزؤں کی تکمیل کے لیے کوئی صورت اٹھا نہیں رکھی یہاں تک کہ حسینؑ کی جان بھی انہی نے لی۔ نہ خدا کی پروا کی نہ رسولؐ کی۔

عمر سعد دوڑا ہوا باپ کے پاس پہونچا۔

سعد بن ابی وقاص نے پوچھا:

''کہو کیسے آنا ہوا؟''

عمر سعد نے کہا:

''بابا جان صفین میں اہل شام واہل عراق کے درمیان جو ہولناک جنگ ہوئی وہ آپ کو معلوم ہی ہے۔ پھر ان لوگوں نے دو حکم مقرر کیے عبداللہ بن قیس (ابوموسیٰ اشعری) اور عمرو عاص۔ اب یہ لوگ دومۃ الجندل میں فیصلہ کرنے کے لیے اکٹھا ہوئے ہیں ۔اُن کے پاس قریش کے اور بھی بہت سے لوگ آئے ہیں آپ بھی وہاں چلئے کیونکہ آپ صحابی رسولؐ اور ممبران شوریٰ میں سے ایک ممبر ہیں، اب تک کسی طرف سے آپ کسی کام میں پڑے بھی نہیں۔''

سعد نے جواب دیا:

''میں نہیں جاؤں گا''

بابا جان ضرور چلئے، کل کے دن آپ ہی خلیفہ ہوں گے۔

سعد نے پھر انکار میں سر ہلایا۔

عمر سعد نے ضد کی:

''آپ ضرور چلئے، اس وقت آپ ہی سب سے زیادہ سزاوار خلافت ہیں۔''

سعد نہیں مانے، اس مرتبہ بھی ان کا وہی انکاری جواب تھا۔ عمر ابن سعد نے آخر مشتعل ہوکر کہا:

''بدو عربوں کی طرح بھیڑ بکریوں میں رہنا آپ کو پسند ہے اور وہاں مدینہ کی حکومت کے متعلق لوگ ایک دوسرے سے

دست وگریباں ہیں۔''

سعد نے سختی سے جھڑکتے ہوئے کہا:

''چپ رہو میں ہرگز وہاں نہیں جاؤں گا۔''

عمر سعد کی امیدوں پر پانی پھر گیا پھر بھی اسکی کوششیں جاری رہیں۔ باپ کے نظریے کو وہ ماننے پر کسی طرح تیار نہیں تھا، نہ اُس کے دل کو یہ منظور کہ باپ چشمہ کے کنارے بھیڑ بکریوں میں زندگی کے دن کاٹیں اور سوا گمنامی کے کچھ حاصل نہ ہو۔ دومۃ الجندل میں ہر طرف سے لوگ جوق در جوق جمع ہو رہے تھے۔ طرح طرح کے چرچے تھے۔ بہت سے لوگوں کو اس نے یہ تذکرہ کرتے بھی سُنا تھا کہ اس فتنہ وفسا سے بچنے کی بس یہی ایک صورت ہے کہ علیؑ ومعاویہ کو چھوڑ کر کسی ایسے آدمی کو خلیفہ بنایا جائے جس نے فتنہ وفساد میں کوئی حصہ نہ لیا ہو۔ سعد ابن ابی وقاص نے ابھی تک اپنے کو ہر طرح بے تعلق رکھا تھا۔ پھر وہ پیغمبرؐ کے صحابی بھی تھے اور شوریٰ کے ارکان میں سے ایک رکن بھی لہذا ان سے بڑھ کر خلافت کا مستحق اور کون ہوگا۔ عمر سعد نے اپنے بھائی عامر بن سعد کو آمادہ کیا کہ اب تم جا کر کوشش کرو کہ کسی طرح وہ گوشہ نشینی ترک کریں اور دومۃ الجندل آئیں۔ عامر نے آکر باپ سے کہا:

بابا جان لوگ دنیا کے لیے جنگ وجدال کر رہے ہیں اور آپ یہاں تشریف رکھتے ہیں۔''

مگر سعد نے عامر کو بھی ویسا ہی جواب دیا اور کسی طرح جانے پر تیار نہ ہوئے۔[1]

(الامام علی ابن ابی طالب جلد پنجم)

(۸)

فیصلہ کے لیے جو تاریخ مقرر تھی اس سے تین دن پیشتر عمرو عاص نے ابوموسیٰ سے ربط ضبط بڑھا کر اُن کی خاطر ومدارات اور مہمان داری کرنا شروع کی۔ عمدہ عمدہ کھانے دونوں وقت کھلاتے رہے۔ اپنا ہم خیال بنانے کے لیے غیر معمولی تعظیم وتوقیر شروع کر دی۔ تعریف کی کوئی حد اُٹھا نہ رکھی۔

کہنے لگے:

''آپ صحابہ کرام میں بزرگ ومُعمّر ہیں اور سب میں باعزت وحرمت ہیں۔ آپ دیکھتے ہیں کہ امت مرحومہ کس فتنہ وعذاب میں پڑ گئی ہے، اندھی ہو رہی ہے، نجات کا راستہ ڈھونڈھنے سے بھی نہیں ملتا۔ حالت موجودہ کے لحاظ سے اس امت کی

---

[1] بعض کہتے ہیں کہ جلسہ میں آئے تھے، بعد ختم شرکت پھر نادم ہو کر بیت المقدس چلے گئے۔ (ابن خلدون ابن اثیر، سیرۃ علویہ ص ۳۰۱)

بقا دشوار معلوم ہوتی ہے۔شاید اللہ تعالیٰ آپ کی برکت سے بقیہ لوگوں کو محفوظ رکھے۔ یہ تو آپ کو معلوم ہی ہے کہ ایک جان بچانے کا کس قدر ثواب ہے چہ جائیکہ لوگوں کی جان بچانا''

ابوموسیٰ نے جواب دیا:

''تم نے اس کے متعلق کیا تدبیر سوچی ہے؟''

عمروعاص بولے:

''آپ علیؑ کو معزول کر دیجئے اور میں معاویہ کو پھر ایک تیسرا شخص جو اس فتنہ میں مبتلا نہ ہو خلافت کے لیے منتخب کرلیا جائے۔''

ابوموسیٰ نے پوچھا:

''وہ کون؟''

عمروعاص کو قرائن سے ابوموسیٰ کا رجحان عبداللہ بن عمر کی طرف معلوم ہو گیا تھا، کہنے لگے:

''عبداللہ بن عمر اس کے لیے موزوں ہیں۔''

ابوموسیٰ نے کہا:

''بے شک وہ خلافت کے لیے موزوں ہیں مگر تم پر کیسے اعتبار کروں۔ابھی مجھ سے یہ کہہ رہے ہو پھر اگر وقت پر بدل جاؤ تو میں تمھارا کیا کرلوں گا۔''

عمروعاص کہنے لگے:

''آپ مجھ سے جس طرح چاہیں قسم لے کر اپنا اطمینان کرلیں۔''

پھر کوئی عہد و میثاق، قول، قرار باقی نہ رہا جس کو عمروعاص نے ابوموسیٰ کے سامنے اپنی زبان سے نہ کر ڈالا ہو۔ابوموسیٰ اُن کے دم میں آ گئے اور خود بھی اقرار کرلیا کہ اب مجھ کو تم پر اعتبار ہے۔

(عقدالفرید سیرۃ علویہ ص ۳۳۲)

بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ عبداللہ بن عمر کی تجویز خود ابوموسیٰ کے دماغ کی پیداوار تھی اور اُنھیں نے اُسے عمروعاص کے سامنے پیش کیا۔عمروعاص سے اُنھوں نے پوچھا:

''تم ایک ایسی رائے کے متعلق کیا خیال رکھتے ہو جس سے خدا کی خوشنودی اور قوم کی بہبودی دونوں میسر آئیں۔

عمروعاص: وہ کیا ہے؟

ابوموسیٰ: عبداللہ بن عمر فاروق کو منصب خلافت پر متمکن کرنا چاہئے کیونکہ اُنھوں نے ان خانہ جنگیوں میں کسی طرح کا حصہ نہیں لیا۔

عمروعاص: معاویہ میں کیا خرابی ہے۔

ابوموسیٰ: معاویہ نہ تو اس منصب جلیل کے لیے موزوں ہیں اور نہ اُن کو کسی طرح کا استحقاق ہے اگر تم مجھ سے اتفاق کر لوتو ابھی فاروق اعظم کا عہد لوٹ آئے، ابن عمر اپنے باپ کی یاد پھر تازہ کر دیں۔

عمروعاص: میرے لڑکے عبداللہ پر آپ کی نظر انتخاب کیوں نہیں جاتی، فضل ومنقبت میں وہ بھی کچھ کم نہیں۔

ابوموسیٰ: بیشک تمھارا لڑکا صاحب فضل ومنقبت ہے لیکن ان خانہ جنگیوں میں شریک کر کے تم نے ایک حد تک اُس کے دامن کو داغدار کر دیا ہے۔ عبداللہ بن عمر فاروق کا لباس تقویٰ ہر قسم کے دھبوں سے پاک ہے، آؤ انھیں کو مسند خلافت پر بٹھا دیں۔

عمروعاص: اس منصب کی صلاحیت صرف اس میں ہو سکتی جس کے دو داڑھیں ہوں، ایک سے کھائے دوسرے سے کھلائے۔

ابوموسیٰ: عمر عاص تمھارا بُرا ہو مسلمانوں نے کشت وخون کے بعد ہمارا دامن پکڑا ہے، اب پھر اُن کو ہم فتنہ وفساد میں مبتلا کریں۔

عمروعاص: پھر آپ کی رائے کیا ہے؟

ابوموسیٰ: ہماری رائے ہے کہ علیؑ ومعاویہ دونوں کو معزول کر دیں اور مسلمانوں کی مجلس شوریٰ کو پھر نئے سرے سے اختیار دیں کہ جس کو چاہے منتخب کرے۔

عمروعاص: مجھے اس رائے سے اتفاق ہے۔ (سیرۃ علویہ ص ۳۳۲)

جس روز مجلس فیصلہ منعقد ہوئی، طرفین کے لوگ جمع ہوئے، جن لوگوں نے امیر المومنینؑ کی بیعت سے گریز کیا تھا وہ بھی شریک مجلس ہوئے، گفتگو کی ابتدا عمروعاص نے کی۔

عمروعاص: اے ابوموسیٰ آپ جانتے ہیں کہ حضرت عثمان مظلوم مارے گئے۔

ابوموسیٰ: ہاں

عمروعاص: کیا آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ معاویہ اور اُن کی قوم حضرت عثمان کے خون کے ولی ہیں۔

ابوموسیٰ: ہاں

عمروعاص: اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے: مَنْ قُتِلَ مَظْلُومًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ سُلْطَانًا فَلَا يُسْرِفْ فِّي الْقَتْلِ إِنَّهٗ كَانَ مَنْصُورًا جو شخص مظلوم قتل کیا جائے تو ہم نے اُس کے ولی کو صاحب اختیار کیا ہے وہ بدلہ لینے میں زیادتی نہ کرے اگر وہ ہمارے حکم پر چلے گا تو ضرور فتحیاب ہوگا۔

پھر معاویہ کو امیر بنانے میں آپ کے لیے کیا امر مانع ہے؟ حالانکہ آپ جانتے ہیں کہ وہ حضرت عثمان کے ولی اور قریش کے ایک معزز گھرانے کی فرد ہیں۔ اگر آپ کا یہ خیال ہو کہ معاویہ کو خلیفہ بنا دینے میں لوگوں کو یہ اعتراض ہوگا کہ اُنھیں اسلام میں سبقت کا شرف حاصل نہیں اس لیے خلیفہ نہیں بنائے جاسکتے تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ مظلوم وشہید خلیفہ حضرت عثمان کے ولی ہیں اور حسن سیاست وحسن تدبیر میں اپنا جواب نہیں رکھتے۔ اس کے علاوہ رسولؐ اللہ کی زوجہ محترمہ حضرت ام حبیبہ کے بھائی ہیں۔ رسولؐ اللہ کے کاتب وحی رہے ہیں۔ یاد رکھئے اگر وہ خلیفہ ہو گئے تو آپکی انتہائی تعظیم کریں گے اور آپ کے ساتھ اتنا بہتر سلوک کریں گے کہ آج تک کسی خلیفہ نے نہ کیا ہوگا۔ اگر اس امر میں آپ نے میری رائے کی موافقت کی تو جس شہر کی آپ حکومت پسند کریں گے فوراً آپ کو دی جائے گی۔

ابوموسیٰ: اے عمر! خدا سے ڈرو۔ خلافت کے استحقاق میں سیاست وملک داری کا لحاظ نہیں کیا جاتا۔ اگر اس کا لحاظ کیا جاتا تو آل ابرہہ ابن صباح اس کے زیادہ حقدار تھے۔ اس امر میں تقویٰ وایمانداری کا لحاظ کیا جاتا ہے، جو متقی وامین ہوں وہی خلیفہ ہوتے ہیں۔ معاویہ میں جو شرف ہے اس کے ہم منکر نہیں لیکن وہ شرف استحقاق خلافت کے لیے کافی نہیں۔ اگر شرافت قریش کا پاس کیا جائے تو علیؑ ہی اس کے زیادہ مستحق ہیں۔ قرب نبوی کا لحاظ کیا جائے تو اُن سے زیادہ معاویہ قریبی رشتہ دار نہیں۔ اب رہا تمھارا یہ قول کہ معاویہ طالب قصاص عثمان ہیں۔ اس وجہ سے اُن کو امامت دیجائے تو یہ چیز اُن کو خلافت کا مستحق نہیں بنا دیتی۔ میرے تو ذہن میں بھی مہاجرین اولین کو چھوڑ معاویہ کو خلیفہ بنانے کا خیال نہیں آسکتا۔ حکومت کا جو تم وعدہ کرتے ہو اگر معاویہ کو خلافت ملی تو مجھے خاطر خواہ حکومت دی جائے گی اس کا جواب یہ ہے کہ اگر تمام ملک شام کی حکومت مجھے دینا چاہیں تب بھی اُنھیں امیر وخلیفہ نہ بناؤں۔ میں خدا کے کام میں رشوت نہیں لیتا۔ سب سے بہتر یہی ہوگا کہ عمر ابن خطاب کا نام زندہ کرو اور اُن کے بیٹے کو خلیفہ بناؤ قصہ ختم ہو اور سب کو اطمینان حاصل ہو۔

عمروعاص: میرے لڑکے کے خلیفہ بنانے میں کیا حرج ہے؟

ابوموسیٰ: تمہارا لڑکا بے شک حق پرست تھا مگر تم نے اس کو بھی اس فتنہ میں شامل کرلیا۔

عمر و عاص: عبداللہ ابن عمر میں تو اس بارِ عظیم کے برداشت کی قوت نہیں۔

(بدائع، شمس التواریخ، سیرۃ علویہ ص ۳۳۴ تا ۳۳۵، خلفائے محمد عمر ابوالنصر ص ۱۳۶ و ۱۳۷)

اس مناقشہ اور گفتگو سے ظاہر ہوتا ہے کہ حکمین اس بات پر رضا مند ہو گئے تھے کہ علیؑ و معاویہ دونوں میں سے کوئی شخص بھی خلیفہ نہ ہو۔ البتہ دونوں کا اختلاف اس امر میں تھا کہ اُن کی جگہ اور کون شخص خلیفہ ہو اور کسے مسلمانوں پر حکومت کے سارے اختیارات تفویض کیے جائیں۔ لیکن کوئی شخص بھی یہ سمجھنے سے قاصر ہے کہ ان دونوں نے خدائے تعالیٰ کی کتاب کے کس حکم اور رسولؐ کے کس ارشاد کے ماتحت یہ رضا مندی ظاہر کی تھی۔ ان کا فرض یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب اور سنت رسولؐ کے صریحی احکام کے مطابق ان دونوں میں فیصلہ کرتے اور اس بارے میں اللہ تعالیٰ کے اس حکم پر عمل کرتے:

وَإِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا فَإِنْ بَغَتْ إِحْدَاهُمَا عَلَى الْأُخْرَىٰ فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتَّىٰ تَفِيءَ إِلَىٰ أَمْرِ اللَّهِ

اگر مومنینؑ کی کوئی جماعت کسی دوسری جماعت سے جھگڑ پڑے تو ان دونوں جماعتوں کے درمیان صلح کرادو لیکن اگر اس پر بھی کوئی جماعت زیادتی پر تلی رہے تو اس زیادتی کرنیوالی جماعت سے جنگ کرو یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف رجوع کرے۔

ابوموسیٰ نے پھر عمرو عاص سے کہا:

''عرب نے بعد جنگ تم کو یہ اختیار دیا ہے، خدا کے لیے پھر فتنہ نہ پھیلاؤ۔''

عمرو عاص نے کہا:

''آپ اپنا منشا ظاہر کریں، آپ کا مقصد کیا ہے؟''

ابوموسیٰ نے کہا:

''میری رائے یہ ہے کہ ہم ان دونوں شخصوں کو معزول کر دیں اور اس امر خلافت کو عام مسلمانوں کے سپرد کر دیں، وہ جس کو چاہیں مشورہ کر کے خلیفہ بنالیں۔''

عمرو عاص نے کہا:

''میری بھی یہی رائے ہے۔'' (سیرۃ علویہ، شاہ محمد علی حیدر کاکوروی)

(۹)

آخر وہ خطرناک گھڑی آگئی جس کا دھڑکا بہت سے دلوں کو لگا ہوا تھا اور جس نے تاریخ کا رُخ پلٹ دیا۔ دومۃ الجندل میں آئے ہوئے تمام لوگ، عراق کا وفد بھی، شام کا وفد بھی اور وہ تمام لوگ بھی جو تماشائی کی حیثیت سے آئے تھے۔ ایک جگہ اکٹھا

ہوئے اس فیصلہ کو سننے کے لیے جس پر آئندہ کے امن وامان ہی کا انحصار نہیں تھا بلکہ شریعت اسلامیہ کی موت وحیات کا فیصلہ تھا

عمرو عاص کا شروع سے طریقہ یہ تھا کہ وہ پہلے ابوموسیٰ اشعری کو بولنے کا موقع دیتے تھے اور ہر بات میں اُن کو مقدم رکھتے

عمرو عاص اُن سے کہتے:

''آپ رسول اللہ کے جلیل القدر صحابی ہیں، مجھ سے زیادہ عمر رسیدہ ہیں، اس لیے پہلے آپ بولیے اسکے بعد میں کچھ عرض کروں گا۔''

ایسا کرنے سے اُن کی غرض یہ تھی کہ ابوموسیٰ اشعری کو پہلے کلام کرنے کا موقع دیکر ان کی زبان سے حضرت علیؑ کو معزول کرنے کا لفظ نکلوالیا جائے، چنانچہ اُنکی یہ غرض پوری ہوگئی، صرف لوگوں میں اس بات کا اعلان کرنا باقی رہ گیا تھا۔ سابقہ گفتگو ایسی جگہ ہوئی جہاں معدُ دے چند آدمی تھے۔ اب باری اسکی تھی کہ مجمع عام میں یہ دونوں حکم اپنا فیصلہ سنائیں۔ عمرو عاص نے حسب معمول ابوموسیٰ سے کہا:

اُٹھیے اور لوگوں کے سامنے اپنا فیصلہ بیان کیجئے۔

ابوموسیٰ نے کہا:

نہیں پہلے تم کھڑے ہو اور اپنا فیصلہ سُناؤ۔

عمرو عاص نے کہا:

سبحان اللہ میں آپ پر سبقت کیسے کرسکتا ہوں۔ آپ پیغمبرؐ کے بزرگ ترین صحابی ہیں۔ خدا کی قسم مجھ سے یہ کبھی بھی نہ ہوگا

ابوموسیٰ نے کہا:

کہیں دھوکہ دینے کا ارادہ تو نہیں۔

اس پر عمرو عاص نے پھر اپنا قول وقرار دہرایا اور سخت سے سخت قسمیں کھائیں کہ ہم میں آپ میں جو طے ہو چکا ہے اس سے سرموانحراف نہ کروں گا۔ (عقد فرید ج ۳ ص ۱۱۵)

ابوموسیٰ کھڑے ہوکر کہنے لگے:

اے لوگو! ہم نے اس معاملہ پر خوب غور وخوض کیا آخر ہم اور یہ ایک امر پر متفق ہوگئے ہیں۔ ہمیں اُمید ہے کہ خداوند عالم اس ذریعہ سے امت مرحومہ میں صلح کردے گا......''

اس قدر کہنے پائے تھے کہ ابن عباس نے بات کاٹ کر کہا:

''اے ابوموسیٰ ہوشیار ہو جاؤ، مجھے شبہہ ہو رہا ہے کہ تمھیں دھوکہ دیا جا رہا ہے، اگر متفق ہو گئے ہو تو عمرو بن العاص کو پہلے کہنے دو۔ یہ شخص غدّار طبیعت کا آدمی ہے۔ مجھے پورا اندیشہ ہے کہ یہ پہلے تم سے جو قول و قرار کر چکے ہیں تمھاری تقریر کے بعد کہیں اُس سے پھر نہ جائیں اور مخالفت نہ کر بیٹھیں۔ لہٰذا مناسب ہے کہ پہلے یہی گفتگو کریں۔''

(طبری جلد ۶ ص ۳۹)

ابوموسیٰ نے نہ مانا، لاپرواہی سے جواب دیا کہ:

''اس قسم کی کوئی بات نہیں ہوگی۔ جب ہم دونوں ایک فیصلہ پر رضامند ہو گئے ہیں تو پھر مخالفت کے کیا معنی؟''

پھر سلسلہ کلام اس طرح شروع کیا:

''اے لوگو! ہم نے امت مرحومہ کے معاملہ میں غور کیا اور اُسکی اصلاح و اتفاق و رفع اختلاف و فساد کے لیے ایک رائے پر ہم اور ابن العاص متفق ہو گئے ہیں۔ وہ یہ کہ ہم علیؑ اور معاویہ دونوں کو معزول کر دیں اور مسلمانوں کو اختیار دیں کہ وہ مشورہ سے جسے چاہیں خلیفہ بنالیں۔ لہٰذا میں نے علیؑ اور معاویہ دونوں کو معزول کر دیا، آپ سب لوگ جس کو چاہیں خلیفہ بنائیں۔''

جب ابوموسیٰ اپنی تقریر (۱) ختم کر چکے تو عمرو عاص کھڑے ہوئے اور حمد و ثنا کے بعد کہنے لگے:

---

(۱): بعض مورخین کا خیال ہے کہ یہ سب کچھ بھی نہ ہوا تھا۔ نہ ابوموسیٰ اور عمرو عاص نے کوئی تقریر کی۔ عمرو عاص نے ابوموسیٰ کیساتھ غداری کی بلکہ صرف یہ ہوا کہ دونوں کی متفقہ رائے سے ایک تحریر لکھی گئی جس میں اس امر پر دونوں نے اتفاق کیا کہ علیؑ اور معاویہ دونوں کو معزول کر دیا جائے اور مسلمانوں کے باہمی فیصلہ سے کوئی تیسرا شخص خلیفہ مقرر ہو مگر یہ طے نہ ہو سکا کہ خلیفہ ہو تو کون ہو۔ ابوموسیٰ عبداللہ ابن عمر کو خلیفہ بنانا چاہتے تھے اور عمرو عاص اس کے مخالف تھے انھوں نے عبداللہ بن عمر کی جگہ کئی اور صحابہ کے نام خلافت کے لیے تجویز کیے لیکن ابوموسیٰ کا اصرار عبداللہ بن عمر ہی پر رہا اس طرح کوئی فیصلہ نہ ہو سکا۔ آخر عمرو بن العاص نے کاغذ لپیٹا اور حکمین کی گفتگو ختم ہو گئی۔

بیروت کے مورخ عمر ابوالنصر نے اسی قول کو ترجیح دی ہے اور اس کی حمایت میں ایک محاکمہ بھی لکھ مارا ہے۔

''اگرچہ اکثر مورخین نے پہلی روایت بیان کی ہے لیکن موخر الذکر روایت زیادہ قرین قیاس معلوم ہوتی ہے کیونکہ اگر عمرو بن العاص چالاکی سے بھی کام لیتے اور ابوموسیٰ کے کہنے کے بموجب حضرت علیؑ کو معزول قرار دیتے اور معاویہ کو باقی رکھتے تو ان کی یہ چالاکی معاویہ کو کوئی فائدہ نہیں پہونچا سکتی تھی لیکن جس بات پر دونوں فریقوں کا اتفاق ہوا تھا وہ یہ تھی کہ قرآن کریم کے مقتضیٰ کے ماتحت دونوں حکم جس بات پر متفق ہوں گے فریقین کو اسے قبول کرنا ہوگا یہ شرط نہ تھی کہ اگر کوئی ایک حکم کسی بات پر راضی ہو جائے تو اس بات کو واجب العمل قرار دیا جائے، یہ بات کسی تاریخ میں نہیں ملتی کہ ابوموسیٰ کسی وقت بھی معاویہ کی خلافت پر رضامند ہو گئے تھے۔'' (خلفائے محمد ترجمہ شیخ محمد احمد پانی پتی مطبوعہ لاہور)۔

اس محاکمہ بلکہ مغالطہ آمیزی پر تبصرہ کرنے کے بجائے بہتر معلوم ہوتا ہے کہ ڈاکٹر طہٰ حسین کی عبارت نقل کر دی جائے۔

موصوف اپنی کتاب الفتنۃ الکبریٰ جلد دوم میں لکھتے ہیں:

''کچھ مورخین نے خیال ظاہر کیا ہے کہ عمرو عاص مکر و فریب کی اس حد تک نہیں پہونچے بلکہ انھوں نے صرف اسی پر اکتفا کی کہ معاویہ اور علیؑ دونوں کو معزول کر دیں جس طرح ابوموسیٰ نے ان دونوں کو معزول کیا تھا لہٰذا انھوں نے علیؑ اور معاویہ کو ایک جیسا کر دیا اور یہ ان کی بہت بڑی کامیابی تھی۔''

لیکن یہ روایت شاذہ (جس کے راوی صرف ایک دو آدمی ہیں) درست نہیں۔ اگر عمر وعاص ابو موسیٰ کی طرح یہی کہتے کہ ہم دونوں نے علی و معاویہ دونوں کو معزول کرنے پر اتفاق کرلیا ہے تو پھر شام والے واپس پلٹ کر معاویہ کو خلافت کا سلام کیوں کرتے اور ان سلام کرنے والوں میں خود عمر وعاص بھی موجود تھے۔ اور ان دونوں حکمین کے متفقہ فیصلہ کے بعد کہ علیؑ و معاویہ دونوں معزول بہت سے عراق والے علیؑ کی خلافت کیسے قبول کرتے درآنحالیکہ ان لوگوں نے اپنی خوشی سے ابو موسیٰ اور عمر وعاص کو حکم مانا تھا اور عہد و پیمان کیے تھے کہ یہ دونوں جو بھی فیصلہ کریں گے وہ قابل قبول ہوگا۔

اسی کے ساتھ لازمی بات تھی کہ مکہ و مدینہ میں بڑی گڑبڑ پیدا ہو جاتی۔ یہاں کے باشندوں نے عہد و پیمان کیے تھے کہ اگر حکمین نے فیصلہ میں حق سے انحراف نہ کیا تھا تو ہم یقیناً اس فیصلہ کی پابندی کریں گے پھر یہ کیا ہو گیا کہ ان لوگوں نے سارے عہد و پیمان توڑ ڈالے اور جاہلیت کی روش پر چلنے لگے۔ نیکوکار صحابہ وہ بھی جنھوں نے علیؑ کی بیعت کی تھی اور وہ بھی جنھوں نے بیعت کرلی تھی وہ اس وعدہ خلافی اور پیماں شکنی پر کیسے راضی رہے۔ اس روایت کے تو یہ معنی ہیں کہ اس وقت کے سارے مسلمان ہوا و ہوس کے بندے ذاتی نفع کے حریص اور خداوند عالم کے اس حکم کے مخالف تھے کہ ''جب تم لوگ باہم قول و قرار کرلیا کرو تو خدا کے عہد و پیمان کو پورا کرو اور قسموں کو انکے پکا ہو جانے کے بعد نہ توڑو حالانکہ تم خدا کو اپنا ضامن بنا چکے ہو۔''

یہ بالکل سمجھ میں آنے والی بات نہیں کہ تمام کی تمام امت عہد شکنی، ہدایت کے بدلہ ضلالت اور وفاء کے بدلہ غداری اختیار کرنے پر مجتمع ہوگئی تھی۔ اصل بات یہ ہے کہ ایک حکم یعنی عمرو عاص نے اپنے ساتھی ابو موسیٰ کے ساتھ غدّاری کی اور شرمناک غداری۔'' (الفتنۃ الکبریٰ جلد دوم ص ۱۱۰ و ۱۱۱)

''حاضرین جلسہ! ابو موسیٰ نے جو کچھ کہا وہ آپ سب لوگوں نے سن لیا، اُنھوں نے اپنے صاحب (علیؑ) کو معزول کر دیا آپ سب اس کے گواہ ہیں، میں بھی علیؑ کو معزول کرتا ہوں لیکن اپنے صاحب (معاویہ) کو بحال رکھتا ہوں کیونکہ وہ عثمان خلیفہ مقتول کے ولی و وارث ہیں اور اُنکے قائم ہونے کے مستحق ہیں۔

ابو موسیٰ یہ تقریر سنتے ہی بھڑک اُٹھے:

''یہ کیا؟ تم پر خدا کی لعنت ہو! تمہاری مثال تو بعینہ اس کتے کی ہے جس پر اگر بوجھ لادا جائے تو ہانپتا ہے، اگر نہ لادا جائے تو بھی ہانپتا ہے۔''

عمر وعاص نے اُنھیں ڈانٹ بتائی: ''اور آپ اس گدھے جیسے ہیں جس پر کتابیں لاد دی گئی ہوں۔ یہ کہہ کر ابو موسیٰ کے ایک لات ماری۔ (سیرۃ علویہ شاہ محمد علی حیدر امامۃ والسیاستہ ج ۱ ص ۱۴۳)

سعد بن ابی وقاص نے کہا:

''اے ابو موسیٰ! عمرو ابن عاص نے اپنے داؤں سے تم کو کس قدر سست کر دیا''

عبدالرحمان بن ابی بکر کہنے لگے:

''آج سے پہلے ابو موسیٰ مر گئے ہوتے تو بہتر تھا۔

عبداللہ ابن عباس نے کہا:

''ابو موسیٰ اس میں تمھارا کوئی قصور نہیں، گناہ اس کا ہے جس نے تمھیں پیش کیا اور تم کو گفتگو کرنے کے لیے یہاں کھڑا کیا۔''

غرض کہ ابوموسیٰ پر ہر طرف سے ملامت کی بوچھار ہونے لگی۔ ابوموسیٰ شرم کے مارے سر نہیں اُٹھا پاتے، معذرت کرنے لگے کہ

''میں کیا کروں مجھ سے ابن عاص نے ایک امر پر اتفاق کیا لیکن پھر اُس سے بدعہدی کر کے پھر گئے۔'' (سیرۃ شاہ محمد علی حیدر کاکوروی)

عمروعاص کی اس شرمناک غدّاری پر آگ سی لگ گئی۔ عراق والے جتنے تھے سبھی بھڑک اُٹھے۔ شریح بن ہانی کوڑا لے کر عمروعاص پر پل پڑے۔ عبداللہ بن عمروعاص نے باپ کو پٹتے دیکھ کر شریح پر کوڑے برسانے شروع کر دیے۔ لوگوں نے بڑی مشکل سے بیچ بچاؤ کیا۔ ابوموسیٰ مکہ کی طرف بھاگ کھڑے ہوئے۔ عمروعاص بھی مع اپنے ہمراہیوں کے معاویہ کے پاس آئے اور اُنھیں امیر المومنینؑ کہہ کر خلافت کا سلام کیا۔ (سیرۃ علویہ، الفتنۃ الکبریٰ، جلد دوم ص ۱۱۰)

❑❑

گیارہواں باب

جنگ نہروان

امیر المومنینؑ کو جب کوفہ میں تحکیم کا نتیجہ معلوم ہوا تو آپ کو حیرت نہ ہوئی لشکر والوں کی سرکشی اور ابوموسیٰ کے حکم بنائے جانے کے سبب آپ پہلے ہی سے سمجھتے تھے کہ انجام کیا ہوگا۔ پھر بھی اس موقع پر آپ کا حزن واندوہ فطری تھا۔ آپ مسجد میں تشریف لائے اور بالائے منبر جا کر تقریر کرتے ہوئے فرمایا:

(ہر حالت میں) اللہ کے لیے حمد وثنا ہے گو زمانہ (ہمارے لیے) جانکاہ مصیبتیں اور صبر آزما حادثے لے آیا ہے، میں گواہی دیتا ہوں کہ اسکے علاوہ کوئی معبود نہیں، وہ یکتا و لاشریک ہے، اس کے ساتھ کوئی دوسرا خدا نہیں، اور محمدؐ اس کے عبد اور رسول ہیں۔

(تمھیں معلوم ہونا چاہیے کہ) مہربان، باخبر اور تجربہ کار ناصح کی مخالفت کا ثمرہ حسرت وندامت ہوتا ہے۔ میں نے اس تحکیم کے متعلق اپنا فرمان تمھیں سنا دیا تھا اور اپنی قیمتی رائے کا نچوڑ تمھارے سامنے کہہ دیا تھا۔ کاش کہ قُصَیّر [1] کا حکم مان لیا جاتا لیکن تم تو تند خو مخالفین اور عہد شکن نافرمانوں کی طرح انکار پر تل گئے یہاں تک کہ ناصح خود اپنی نصیحت کے متعلق سوچ میں پڑ گیا اور طبیعت

---

[1]۔ یہ ایک مثل ہے کہ جو ایسے موقع پر استعمال کی جاتی ہے کہ جہاں کسی نصیحت کرنے والے کی بات ٹھکرا دی جائے اور بعد میں پچھتایا جائے۔ اس کا واقعہ یہ ہے کہ حیرہ کے فرمانروا جذیمہ ابرش نے جزیرہ کے تاجدار عمرو بن طرب کو قتل کر دیا جس کے بعد اس کی بیٹی زباء جزیرہ کی حکمراں قرار پائی۔ اس نے تخت نشین ہوتے ہی اپنے باپ کے انتقام لینے کی یہ تدبیر کی کہ جزیمہ کو پیغام بھیجا کہ میں تنہا امور سلطنت کی انجام دہی نہیں کر سکتی اگر تم مجھے اپنے حبالہ عقد میں لے کر میری سرپرستی کرو تو میں شکر گزار ہونگی۔ جذیمہ اس پیشکش پر پھولا نہ سمایا اور ہزار سوار ہمراہ لے کر جزیرہ جانے کے لیے آمادہ ہو گیا اس کے غلام قُصَیّر نے بہت سمجھایا بجھایا کہ یہ دھوکا اور فریب ہے۔ اس خطرے میں اپنے آپ کو نہ ڈالیے مگر اس کی عقل پر ایسا پردا پڑا ہوا تھا کہ اس کی سمجھ میں یہ بات نہ آتی تھی کہ زباء نے اپنی رفاقت کے لیے اپنے باپ کے قاتل ہی کو کیوں منتخب کیا۔ بہر صورت یہ چل کھڑا ہوا اور جب حدود جزیرہ میں پہنچا تو گو زباء کا لشکر استقبال کے لیے موجود تھا مگر اس نے نہ کوئی خاص آؤ بھگت کی نہ پرتپاک خیر مقدم کیا۔ یہ رنگ دیکھ کر قصیر کا پھر ماتھا ٹھنکا اور اس نے جذیمہ سے پلٹ جانے کو کہا مگر منزل کے نزدیک پہونچکر آتش شوق اور بھڑک اُٹھتی تھی۔ اس نے پروانہ کی اور قدم بڑھا کر شہر کے اندر داخل ہو گیا وہاں پہنچتے ہی قتل کر ڈالا گیا۔ قصیر نے دیکھا تو کہا لو کان یطاع لقصیر امر کاش قصیر کی بات مان لی ہوتی) اور اس وقت سے یہ مثل چل نکلی۔

اس چقماق کی طرح بجھ گئی کہ جس نے شعلہ دینا بند کر دیا ہو۔ میری اور تمھاری حالت شاعر بن اہوازن کے ہی قول کے مطابق ہے:

امو تکم اموی بمخر ج الکوی فلم تستبینو النصح الاضی الخد

میں نے مقام معرج اللوی (ٹیلے کے موڑ) پر تمھیں اپنے حکم سے آگاہ کیا (گو اس وقت تم نے میری نصیحت پر عمل نہ کیا) لیکن دوسرے دن صبح کو میری نصیحت کی صداقت دیکھ لی"

آگاہ ہو کہ دونوں حکموں نے حکم قرآن پس پشت ڈالا، جس امر کو قرآن نے مردہ کر دیا تھا اُنھوں نے زندہ کیا اور جس کو قرآن نے زندہ کیا تھا اُسے مردہ کر ڈالا۔ دونوں نے اپنی رائے اور خواہش نفسانی کی پیروی، فیصلہ کرنے میں ہدایت نہ پائی۔ فیصلہ بغیر حجت و دلیل کے کیا جو نہ قرآن کے موافق نہ سنت نبویؐ کے مطابق ہے، پھر ان دونوں نے بھی باہم اختلاف کیا۔ اس اختلاف رائے نے ان کو راہ راست سے دور پھینکا جب کہ اُن کا فیصلہ سراسر قرآن وسنت کے خلاف ہے تو ایسے فیصلہ سے خدا اور اُس کے رسولؐ دونوں بیزار ہیں اور خدا کے نیک بندے بھی اُس سے ناراض ہیں۔ لہٰذا تم سب اہل شام کی لڑائی کے لیے تیار ہو جاؤ اور سفر جہاد ملک شام کا پھر سامان درست کر لو۔ دوشنبہ کی صبح کو لشکر بہمہ وجوہ مستعد ہو کر جانب شام روانہ ہو جائے"

(الفتنۃ الکبریٰ جلد دوم ص ۱۱۲، سیرۃ علویہ ص ۴۱۴، ترجمہ نہج البلاغہ مفتی جعفر حسین جلد اول لاہور)

امیر المومنینؑ نے چاہا کہ خوارج کو بھی شام کے سفر میں ساتھ لے لیا جائے، یہ لوگ چونکہ تحکیم کے سخت خلاف تھے اس لیے یہ توقع بیجا نہ تھی کہ اس جہاد میں وہ بھی پورے جوش وخروش سے کام لیں گے۔ یہ خوارج عبداللہ بن وہب کی قیادت میں کوفہ سے نکل کر نہروان میں فروکش تھے۔ آپ نے اُنھیں یہ خط لکھ کر روانہ کیا۔

از طرف بندۂ خدا امیر المومنین علیؑ وزید بن حصین، عبداللہ بن وہب اور اُن کے تمام ہمراہوں کو واضح ہو کہ ان دونوں حکموں نے جن کے فیصلہ پر سب راضی تھے خلاف حکم خدا و رسول، اپنے نفس کے موافق فیصلہ کیا لہٰذا ہم اُن سے جنگ کے لیے جانے والے ہیں۔ دشمنوں سے مقابلہ کرینگے ہم اُسی سابق رائے پر قائم ہیں۔ ہمارا خط جس وقت تم لوگوں کے پاس پہونچے فوراً ہمارے پاس چلے آؤ اور ہمارے ساتھ ہو کر اپنے دشمن کی طرف چلو۔"

اشاعر بن ہوازن سے مراد درید بن صمہ ہے اور یہ شعر اس نے اپنے بھائی عبداللہ بن صمہ کے مرنے کے بعد کہا۔ جس کا واقعہ یہ ہے کہ عبداللہ اپنے بھائی کے ہمراہ بنی بکر ابن ہوازن پر حملہ آور ہوا اور ان کے بہت سے اونٹ ھنکا لایا۔ واپسی پر جب مقام معرج اللوی میں ستانے کا ارادہ کیا تو درید نے کہا کہ یہاں ٹھہرنا مصلحت کے خلاف ہے ایسا نہ ہو کہ پیچھے سے دشمن ٹوٹ پڑے مگر عبداللہ نے نہ مانا اور وہاں ٹھہر گیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ صبح ہوتے ہی دشمنوں نے حملہ کیا اور عبداللہ کو وہیں قتل کر دیا۔ درید کے بھی زخم آئے لیکن وہ بچ نکلا اور اسکے بعد چند اشعار کہے۔ ان میں سے ایک شعر یہ ہے جس میں انکی رائے کے ٹھکرا دیے جانے سے جو تباہی آئی تھی اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔ (ترجمہ نہج البلاغہ مفتی جعفر حسین مطبوعہ لاہور)

مگر خوارج آپ کا ساتھ دینے پر تیار نہ ہوئے۔ اُنھوں نے جواب میں لکھا:

ہم نے پہلے ہی آپ سے کہا تھا کہ حکمین کو چھوڑ یئے لیکن آپ نے نہیں مانا اب ہم آپ کی بات ماننے سے انکار کرتے ہیں کیونکہ آپ خوشنودی خدا کے لیے لڑنا نہیں چاہتے بلکہ اپنے نفس کی خاطر لڑنا چاہتے ہیں۔ آپ یہ سمجھتے تھے کہ رسولؐ اللہ سے آپکی قرابت لوگوں کو اس پر آمادہ کریگی کہ وہ آپ کے برابر کسی کو نہ سمجھیں لیکن جب آپ نے لوگوں کو دیکھا کہ وہ آپ کی طرف متوجہ نہیں ہوتے تو آپ دنیا کی خاطر اُن سے لڑنے کھڑے ہوئے۔ ہمیں نہ آپ کی پرواہ ہے نہ اس دنیا کی کچھ غرض جو آپ چاہتے ہیں، ہاں اگر آپ اپنے کافر ہوجانے کا اقرار کریں، پھر توبہ کریں جس طرح ہم نے توبہ کی ہے تو ہم آپ کے ساتھ ہوکر آپ کے دشمن سے لڑیں گے ورنہ ہمارے اور آپکے درمیان سوا تلوار کے اور کچھ نہیں۔''

(سیرۃ علویہ ص ۴۰۵، الفتنۃ الکبریٰ)

امیر المومنینؑ نے جب خوارج کا یہ خط پڑھا تو آپ کو اُن کی طرف سے بالکل مایوسی ہوگئی۔ پھر بھی آپ نے انھیں چھیڑنا مناسب نہ سمجھا اور شام کی طرف چلنے ہی پر کمر بستہ رہے آپ کو اُمید تھی کہ شاید کچھ دنوں کے بعد خوارج سوچیں سمجھیں اور آج نہ سہی تو کل راہ راست پر آجائیں، آپ نے اُنھیں اُنکے حال پر چھوڑتے ہوئے شام جانے کا ارادہ کیا جہاد پر ترغیب دینے کے لیے اہل کوفہ کو جمع کر کے فرمایا:

''اے حامیان اسلام! جس نے اللہ کے لیے جہاد نہ کیا، سُستی اور کاہلی سے چھوڑ بیٹھا، خوب سمجھ لو کہ وہ شخص چاہ ہلاکت میں گر پڑا اور مستحق نزول غضب الٰہی ہوگیا۔ خدا کی رحمت جو ہر وقت بندوں کے شامل حال ہے اگر ہلاکت سے نہ بچائے تو دوسری بات ہے، اے لوگو اللہ سے ڈرو، اور جو لوگ خدا اور اسکے رسولؐ سے دشمنی کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ خدا کے نور کو بالکل بجھا دیں ،اُن سے جنگ کرو۔ جو لوگ خاطی وظالم وگمراہ ہیں، نہ قرآن کو سمجھتے ہیں نہ اُس پر عامل، نہ دین کو جانتے ہیں اور نہ اس میں ملکہ تام رکھتے ہیں، نہ قوت اجتہاد کے حامل ہیں نہ خلافت و امامت کے اہل ہیں، نہ سابقیت اسلام اُن کو حاصل ہے، اُن سے ضرور جہاد کرو ۔اگر یہ لوگ تم پر حاکم ہوجائیں گے تو تم پر قوانین ہرقل وکسریٰ جاری کرینگے، احکام قرآنی واحادیث بالکل اُٹھا دیں گے۔ اب اہل شام سے جنگ کے لیے آمادہ ہوجاؤ۔ ہم نے بصرہ والوں کو بھی بلایا ہے وہ آجائیں تو سب ایک ساتھ روانہ ہوں۔

(سیرۃ علویہ ص ۴۰۵ و ۴۰۶)

اسی کے ساتھ ایک خط آپ نے بصرہ میں عبداللہ بن عباس کے پاس روانہ کیا جس میں لکھا تھا:

''ہم نخیلہ میں اپنے لشکر کو جمع کر کے ٹھہرتے ہیں۔ ہم سب نے اہل شام سے جنگ کا قصد کیا ہے۔ تم بصرہ والوں کو ہمارے ساتھ چلنے پر راضی کرو اور تیار رہو، جس وقت ہمارا قاصد پہونچے اُن کو فوراً ہمارے پاس بھیج دینا۔''

ابن عباس نے امیرالمومنینؑ کا یہ خط مجمع عام میں پڑھ کر سنایا اور لوگوں کو جنگ پر آمادہ کیا۔ اُن کی ترغیب سے پندرہ سو آدمی بسر داری احنف بن قیس جنگ کے لیے آمادہ ہوئے۔ دوبارہ پھر ابن عباس نے لوگوں کو مجتمع کر کے فرمان سنانے کے بعد کہا:

میں نے تم کو حسب الحکم امیرالمومنینؑ علی بن ابی طالب جنگ کے لیے آمادہ کیا ہے۔ مجھے سخت افسوس ہے کہ تم ساٹھ ہزار مرد میدان اور جنگجو ہو، ان میں سے کل پندرہ سو آدمی جنگ کے لیے تیار ہوتے ہو، اس قلیل تعداد کو میں کیا بھیجوں۔ تمھیں تو نہیں مگر مجھے بھیجتے ہوئے شرم آتی ہے، تم میں سے خبر دار کوئی شخص باتیں نہ بنائے، مجھے یقین ہے کہ جو شخص امیرالمومنینؑ کا ساتھ نہ دیگا وہ ضرور گنہگار ہوگا۔ میں اچھی طرح تم کو سمجھا تا ہوں اگر تم نے نہ مانا تو پچھتاؤ گے اور نادم ہوگے، اپنے امام برحق کا ساتھ نہ چھوڑو، ابن قدامہ سعدی کو اپنا سردار کر کے روانہ ہوجاؤ۔''

اس مرتبہ سترہ سو آدمی مزید تیار ہوئے۔ اس وقت بصرہ کی جنگی رجسٹر میں ساٹھ ہزار ایسے اشخاص کا اندارج تھا جو لڑنے کے قابل تھے۔ اُن کے بیٹے اور غلام ان کے علاوہ تھے لیکن ابن عباس کی پوری کوششوں کے باوجود صرف تین ہزار دو سو آدمی جنگ کے لیے جانے پر آمادہ ہوئے۔

جب حضرت علیؑ نے یہ حال دیکھا تو کوفہ کے روساء کو بلا کر اُنھیں اہل بصرہ کی افسوسناک روش سے آگاہ کیا اور فرمایا: اب یہی صورت باقی رہ گئی ہے کہ ایسے لوگوں کو جو لڑائی میں شامل ہو سکتے ہیں، ایسے بچوں کو جو بلوغت کے قریب پہونچ گئے ہوں اور اُنھیں لڑائی کے فنوں سے کچھ واقفیت حاصل ہو اور غلاموں کو کوفہ سے بلا لیا جائے تا کہ اس طرح لشکر میں تقویت کا کچھ سامان بہم پہونچ سکے چنانچہ اس تحریک پر چالیس ہزار جنگ کے قابل افراد، سترہ ہزار قریب البلوغت لڑکے اور آٹھ ہزار غلام کوفہ سے آگئے۔

امیرالمومنینؑ نے سعد بن مسعود گورنر مدائن کو بھی حکم بھیجا کہ جس قدر وہاں سپاہی ہوں روانہ کریں۔ جب بصرہ کوفہ اور مدائن سے لشکر جمع ہوگیا تو آپ کو معلوم ہوا کہ لشکر کے بعض افراد یہ کہہ رہے ہیں کہ ہمیں پہلے حروریوں (خوارج) سے نپٹ لینا چاہیے اور اُنھیں شکست دے کر ان کا کس بل نکالنا چاہیے۔ اُن سے فارغ ہو کر ہم اطمینان سے شام کی جانب کوچ کر سکیں گے۔ آپ نے یہ سن کر لشکر والوں کے سامنے تقریر کی جس میں فرمایا:

''تم خوارج کی جنگ کو مقدم سمجھتے ہو یہ کوئی ایسی اہم بات نہیں۔ میرے نزدیک اسوقت اہل شام سے جنگ ضروری ہے، اگر اہل شام کو اس حال پر چھوڑ دو گے تو اُن کے غلبہ اور قوت میں ترقی ہوجائے گی۔ اُن کا مقصود بھی یہی ہے کہ وہ جس طرح ہو حکومت حاصل کریں۔ انہیں مہلت دینا مناسب نہیں، ابھی شکستہ حال میں سنبھلنے نہیں پائے ہیں اُن کے سر پر پہونچ جاؤ۔''

ہر طرف سے لشکر میں یہ آواز بلند ہوئی:

''امیر المومنینؑ جہاں اور جس طرف مناسب ہو چلئے''

صیفی بن فصیل شیبانی نے کہا:

''امیر المومنینؑ ہم آپ کی جماعت اور آپ کے انصار ہیں، جس کو آپ دشمن رکھتے ہیں اسے ہم بھی دشمن رکھتے ہیں اور جو آپ کا مطیع وفرمانبردار ہے اسکے ہم بھی دوست ہیں، آپ ہمیں لے کر اپنے دشمن کی طرف چلئے، چاہے وہ خود بھی ہوں اور جہاں بھی ہوں آپ مددگاروں کی کمی محسوس نہ کریں گے۔''

محرز بن شہاب نے کھڑے ہو کر عرض کی:

''امیر المومنینؑ آپ کے شیعے آپ کی مدد کرنے اور آپ کے دشمن سے جہاد کرنے میں مثل شخص واحد کے دل کے متحد و متفق ہیں۔ آپ کو فتحیابی کی خوشخبری ہو۔ آپ چاہے ہمیں خوارج کی طرف لے کے چلئے چاہے شام کی طرف ہم آپ کے شیعے ہیں اور آپ کی اطاعت اور آپ کے دشمنوں سے جہاد کرنے میں ہمیں بہترین ثواب کی امید ہے اور آپ کی مدد سے گریز کرنے میں سخت ترین عذاب کا خوف ہے۔'' (خلفائے محمد عمر ابوالنصر، سیرۃ علویہ، اعیان الشیعہ، الفتنۃ الکبریٰ وغیرہ)

(۲)

ادھر خوارج نہروان میں اکٹھا تھے۔ اُن کی جمیعت دن بدن بڑھتی جاتی تھی۔ اسی کے ساتھ اُن کی فتنہ انگیزیاں بھی۔ قتل وغارت کا اُنھوں نے بازار گرم کر رکھا تھا۔ اُن کے راستے سے دو شخص گذرے ایک مسلمان تھا ایک کافر، مسلمان کو تو اُنھوں نے پکڑ کر قتل کر دیا کیوں کہ وہ اُن کے نزدیک کافر تھا۔ ان کے عقائد کے خلاف اُس کے عقائد تھے اور نصرانی کے ساتھ انتہائی مہربانی کا برتاؤ کیا اور آپس میں کہا:

''پیغمبرؐ اُن ذمی کافروں کے متعلق جو تاکیدیں کر گئے ہیں اُن کا خیال رکھنا لازمی ہے''

واصل بن عطا اپنے ساتھیوں سمیت آ رہے تھے، خوارج کا سامنا ہو گیا، خوارج نے اُن سے پوچھا:

تم اور تمھارے یہ ساتھی کون ہیں؟

واصل نے کہا ہم لوگ مشرک اور آپ لوگوں کی پناہ کے طالب ہیں تاکہ خدا کا کلام سنیں اور اُس کے معانی ومطالب سمجھیں۔

خوارج نے کہا ہم تمھیں پناہ دیتے ہیں۔

واصل نے کہا ہمیں تعلیم بھی دیجئے۔

خوارج نے اپنے عقیدہ کے مطابق انھیں احکام اسلامی کی تعلیم بھی دی۔ واصل نے کہا ہمیں اور ہمارے ساتھیوں کو آپ کی تمام باتیں قبول ہیں۔

خوارج نے کہا اب تم لوگ اپنے گھر جاؤ تم ہمارے بھائی بن چکے ہو۔

واصل نے کہا نہیں بلکہ آپ ہی لوگ ہمیں اپنی حفاظت میں ہمارے گھر تک پہونچا دیں کیونکہ خداوند عالم کا ارشاد ہے :وان احد من المشرکین استجارك فاجره حتی یسمع کلام الله ثم ابلغه مامنه اگر مشرکین میں سے کوئی مشرک تم سے پناہ مانگے تو اُسکو پناہ دو تاوقت یہ کہ وہ کلام خدا سُن لے پھر اُسکے ٹھکانے پر پہونچا دو۔

خوارج نے واصل کی یہ باتیں سُن کر ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور کہا:

ٹھیک کہتے ہو، یہ حق ہے ہمارا تم پر۔

پھر اُن خوارج نے اُنھیں اپنی حفاظت میں اُن کے گھروں تک پہونچا دیا۔

پیغمبرؐ خدا کے ایک جلیل القدر صحابی عبداللہ بن خباب بن الارت اپنے عیال کے ساتھ ادھر سے گذر رہے تھے کہ خوارج نے اُنھیں نرغہ میں لے لیا، پوچھا:

''کون ہو تم؟''

عبداللہ بن خباب۔ میں ایک مرد مومن ہوں۔

خوارج: علی ابن ابی طالب کے متعلق تم کیا کہتے ہو؟۔

عبداللہ بن خباب: وہ امیر المومنینؑ اور خدا اور رسولؐ پر سب سے پہلے ایمان لانے والے مسلمان ہیں۔

خوارج: تمھارا نام کیا ہے؟۔

عبداللہ بن خباب: میں عبداللہ ہوں، خباب بن الارت صحابی رسولؐ اللہ کا فرزند۔

خوارج: کیا ہم نے تمھیں ڈرا دیا ہے۔

عبداللہ بن خباب: ہاں

خوارج: ڈرو نہیں۔

خوارج: ہم سے اپنے باپ کی بیان کی ہوئی کوئی حدیث سناؤ جسے انھوں نے رسولؐ اللہ سے سنا ہو، شاید ہمیں اس سے فائدہ ہو۔

عبداللہ بن خباب: میرے والد نے مجھ سے بیان کیا کہ اُنھوں نے رسول اللہؐ کو ارشاد فرماتے سنا کہ عنقریب ایسا فتنہ وفساد ہوگا جس میں انسان کا دل مردہ ہوجائے گا جس طرح اس کا بدن مردہ ہوجاتا ہے۔ صبح کے وقت باایمان ہوگا شام ہوتے ہوتے

کافر ہو جائے گا۔

خوارج: ہم تم سے یہی حدیث سننا چاہتے تھے۔ اچھا یہ بتاؤ تحکیم قبول کرنے اور فیصلہ حکمین کے بعد علیؑ کے متعلق تمھارا کیا خیال ہے؟

عبداللہ بن خباب: علی تمھارے مقابلہ میں کتاب اللہ کو زیادہ سمجھنے والے اور اس پر عمل کرنے والے ہیں۔

خوارج: خدا کی قسم تم اپنی نفسانی خواہش کی پیروی کر کے یہ شہادت دے رہے ہو اور لوگوں کو انکے کاموں کے بجائے اُن کے ناموں کی وجہ سے فضیلت دیتے ہو۔ اس لیے ہم تمھیں قتل کریں گے اور اس طرح قتل کریں گے کہ آج تک کسی کو قتل نہ کیا ہو گا۔

یہ کہہ کر اُن کی مشکیں کس لیں اور اُنکو مع اُنکی بیوی کے جو حاملہ تھیں کھجور کے درخت کے نیچے لائے۔ وہ درخت پختہ کھجوروں سے لدا ہوا تھا، اتفاق سے ایک دانہ اوپر سے گرا جسکو ایک خارجی نے اُٹھا کر منھ میں رکھ لیا اس پر دوسرا خارجی بولا:

''احمق! ناجائز طریق سے حاصل کر کے کھاتا ہے۔''

اس نے کھجور منھ سے نکال کر پھینک دی۔ اتفاقاً ایک سوّر ادھر سے نکلا جو کسی ذمی کا تھا، ایک خارجی نے لپک کر ایک وار میں اسکو مار ڈالا۔ خوارج نے کہا:

''تو نے یہ برا کیا، زمین پر فساد کرنے کی جو ممانعت ہے وہ یہی ہے۔''

وہ خارجی اس پر نادم ہوا، مالک کو تلاش کر کے اور اس کو کچھ دیکر راضی کر لیا۔

عبداللہ یہ حرکتیں دیکھ رہے تھے، بلجاجت کہنے لگے:

''میں دیکھتا ہوں کہ تم اپنے معاملات میں سچے ہو، مجھے امید ہے کہ تمھاری ذات سے مجھے کوئی صدمہ نہ پہونچے گا، میں مسلمان ہوں، اسلام میں کوئی بدعت جو خون کو مباح کر دے مجھ سے ظاہر نہیں ہوئی جس کی وجہ سے میں مستحق قتل قرار دیا جاؤں تم لوگوں نے مجھے امن دیا اپنی زبان سے کہہ چکے تم نہ ڈرو۔''

اس عاجزی کے جواب میں ان خوارج نے عبداللہ کو زمین پر پچھاڑ کر بکری کی طرح ذبح کر ڈالا، خون بہہ کر پانی تک پہونچا ،نہر کے کنارے ذبح کیا تھا۔ پھر بیوی کی طرف متوجہ ہوئے، اُن کا پیٹ چاک کر کے ہلاک کر ڈالا، ساتھ میں قبیلہ بنی طئے کی تین عورتیں تھیں انھیں قتل کیا، ام سنان صیداویہ کو بھی مار ڈالا۔ اسی پر اکتفا نہیں ہوئی بلکہ اُن کی جرأتیں اور ہمتیں اور بڑھ گئیں ۔ جو بھی مل جاتا اُسے لوٹ لیتے قتل کر ڈالتے۔ آس پاس جتنی آبادیاں تھیں سبھی کی جان عذاب میں تھی۔

امیر المومنینؑ شام کی طرف روانہ ہی ہونے والے تھے کہ ان واقعات کی آپ کو خبر ملی۔ آپ نے حریث بن مرّہ عبدی کو

بغرض تحقیق حال روانہ کیا لیکن خارجیوں نے اُن کو بھی قتل کر دیا۔ جب قاصد کے قتل کی خبر لشکر میں پہونچی تو لشکر والوں نے متفق ہو کر عرض کیا:

''امیر المومنینؑ اگر ہم نے اُن خارجیوں کو چھوڑ دیا تو کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ ہمارے پیچھے ہمارے اہل وعیال پر حملہ کر کے اُنھیں قتل کر دیں اور ہمارے مال واسباب لوٹ لیں۔ اسلیے ہمیں پہلے اُن کا سر کچلنا چاہیے، جب ہم ان سے فارغ ہو جائیں گے تب شام چلیں گے۔

امیر المومنینؑ کے لیے بھی اسکے سوا کوئی چارہ نہ رہا کہ وہ پہلے خوارج کا قلع قمع کریں چنانچہ آپ لشکر لے کر نہروان کی طرف روانہ ہوئے۔ چلنے سے قبل مسافر بن عفیف ازدی نجومی سے ملاقات ہوئی، اس نے کہا:

امیر المومنینؑ اس گھڑی نہ جایئے جب دن کی تین گھڑیاں گذر جائیں تب روانہ ہوں۔ اگر اس وقت آپ جائیں گے تو آپ کو اور آپ کے اصحاب کو تکلیف اور شدید نقصان کا سامنا کرنا پڑیگا جو وقت میں بتا رہا ہوں اگر آپ اُسوقت جائیں گے تو آپ مظفر ومنصور ہوں گے اور اپنے دل کی مراد پائیں گے۔

امیر المومنینؑ نے فرمایا:

''تم جانتے ہو میری اس سواری کے پیٹ میں کیا ہے، نر ہے یا مادہ''

نجومی نے کہا:

''اگر حساب لگاؤں تو بتا سکتا ہوں۔''

امیر المومنینؑ نے فرمایا:

''جس نے تمہیں سچّا سمجھا اس نے قرآن کی تکذیب کی۔ خداوند عالم کا ارشاد ہے **ان اللہ عندہ علم السّاعۃ وینزل الغیث ویعلم مافی الارحام** خدا ہی کو قیامت کا علم ہے، وہی پانی برساتا ہے، وہی جانتا ہے کہ شکموں کے اندر کیا ہے۔

پھر آپ نے کہا:

''تم جس علم کے مدعی ہو پیغمبرؐ نے بھی اس کا دعویٰ نہیں کیا، کیا تمھارا یہ خیال ہے کہ تم وہ گھڑی بتا سکتے ہو جس میں سفر کرنے والا نفع حاصل کرے گا اور تم اس گھڑی سے روک سکتے ہو جس میں اگر کوئی سفر کرے تو ہلاکت وتباہی سے دوچار ہو؟ جس نے تمھیں سچا سمجھا وہ خدا کی مدد سے مستغنی ہو گیا۔ تمھاری باتوں کا یقین کرنے والے کو چاہئے کہ وہ بجائے خدا کے تمھاری حمد و

ثنا کرے کیونکہ تم ہی نے اپنے خیال کے مطابق اس گھڑی کی طرف اس کی رہبری کی جس میں سفر کرنے والے نفع اٹھائیں اور تم ہی نے اس گھڑی سے روکا جس میں سفر کرنے سے تباہی ضروری تھی۔ جو شخص تمھاری باتوں پر ایمان لائے مجھے اس کا خطرہ ہے کہ کہیں اس جیسا نہ ہو جس نے خدا کا ضد اور ہمسر قرار دیا............"

"............خداوندا کوئی شگون نہیں سوا تیرے شگون کے اور کوئی نقصان نہیں سوا تیرے نقصان کے اور تو ہی معبود حقیقی ہے تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔"

پھر آپ نے فرمایا:

ہم اسی وقت سفر کریں گے جس وقت تم نے سفر کرنے سے ہمیں روکا ہے" پھر آپ لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور ارشاد فرمایا:

"اے لوگو! نجوم کے سیکھنے سے پرہیز کرو مگر اتنا کہ جس سے خشکی اور نرمی میں راستے معلوم کر سکو اس لیے کہ نجوم کا سیکھنا کہانت اور غیب گوئی کی طرف لے جاتا ہے اور منجم حکم میں مثل کاہن کے ہے اور کاہن مثل ساحر کے ہے اور ساحر مثل کافر کے ہے اور کافر کا ٹھکانا جہنم ہے، بس اللہ کا نام لیکر چل کھڑے ہو۔"

آپ نے اس نجومی سے کہا:

خدا کی قسم اگر اب مجھے معلوم ہوا کہ تم علم نجوم پر عمل کرتے ہو تو ہمیشہ کے لیے قید خانہ میں ڈالدوں گا اور جب تک میرا اختیار باقی رہے گا تمھارا وظیفہ بند کردوں گا۔"[1] (نہج البلاغہ وشرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، سیرۃ علویہ شاہ محمد علی حیدر)

(۳)

امیر المومنینؑ نہروان کی طرف روانہ ہوئے۔ ایک شخص آپ کے سپاہیوں میں سے جو مقدمہ لشکر میں شامل تھا، گھوڑا اڑاتا ہوا آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی "امیر المومنینؑ خوشخبری ہے"

آپ نے پوچھا "وہ کیا؟

اس نے کہا:

"خوارج آپ کی تشریف آوری کی خبر سن کر دجلہ کے پل سے اس پار اتر آئے ہیں، یہ پل قنطرۂ طبرستان کے نام سے

---

[1] بعد جنگ نہروان امیر المومنینؑ نے فرمایا اگر ہم لوگ اس ساعت میں روانہ ہوئے ہوتے جو ساعت نجومی نے بتائی تھی تو ہماری اس شاندار فتح یابی پر لوگ کہتے کہ یہ سب اس نجومی کی ہدایت پر چلنے کا نتیجہ ہے۔ کوئی شک نہیں کہ پیغمبرؐ خدا کے ہاں کوئی نجومی نہیں تھا اور نہ آنحضرتؐ کے بعد ہم لوگوں کے لیے کوئی نجومی رہا۔ ہم نے بغیر کسی نجومی کے مدد کے کسریٰ کے ملک بھی فتح کیے اور قیصر کے بھی۔ لوگو! خدا پر بھروسہ اور اسی پر اعتماد رکھو وہ اپنے سوا ہر ایک سے بے نیاز کر دینے والا ہے۔ (شرح ابن ابی الحدید)

مشہور تھا جو درمیان حلوان و بغداد کے واقع تھا، خداوند عالم نے انھیں بالکل آپ کے بس میں کر دیا ہے۔''

امیر المومنینؑ نے فرمایا:

''تم نے اپنی آنکھوں سے انھیں پل اس پار اترتے دیکھا ہے؟''

اس نے کہا ہاں! امیر المومنینؑ نے اس سے تین مرتبہ پوچھا اور ہر بار اس نے یہی کہا کہ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔

امیر المومنینؑ نے فرمایا:

''خوارج خدا کی قسم پل اس پار ہرگز نہیں اترے، وہ نہر کے ادھر ہی ہلاک ہوں گے۔ خدائے وحدہ لاشریک کی قسم وہ ادھر آنے بھی نہیں پائیں گے کہ خداوند عالم انھیں ہلاک و برباد کر دے گا۔''

''پھر دوسرا سوار بھی دوڑتا ہوا آیا۔ اس نے بھی یہی خبر دی۔ امیر المومنینؑ نے کوئی توجہ نہ کی۔ پھر آنے والوں کا تار بندھ گیا ہر ایک کا یہی کہنا تھا کہ خوارج نہر سے ادھر آ گئے چونکہ خوارج اور ان لوگوں کے درمیان دریا کا موڑ حائل تھا یہ لوگ بوجہ خوف قریب نہ جا سکے دور سے دیکھ کر آ کے بیان کر دیا تھا۔ امیر المومنینؑ نے پھر سن کر فرمایا بخدا وہ اس پار ہیں اور وہ پل کے اسی طرف مارے جائیں گے تمھاری طرف کے پورے دس آدمی بھی قتل نہ ہوں گے ان کے لشکر کے دس آدمی بھی جانبر نہ ہوں گے۔ اہل لشکر کو اس ارشاد کے باوجود پھر بھی شک تھا۔

امیر المومنینؑ نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور خود تحقیق حال کے لیے آگے بڑھے۔ ایک شخص کا بیان ہے کہ میں حضرت کے پیچھے پیچھے چلا اس نیت سے کہ اگر واقعتاً خوارج نہر کے اس پار آ گئے ہوں گے تو میں اپنا نیزہ حضرتؑ کی آنکھوں میں پیوست کر دوں گا کہ خواہ مخواہ غیب دانی کا دعویٰ کرتے ہیں۔

امیر المومنینؑ جب نہر کے پاس پہونچے تو دیکھا کہ خوارج نہر کے ادھر ہی ہیں۔ انھوں نے اپنی نیامیں توڑ کے پھینک دی ہیں۔ گھوڑوں کو پے کر دیا ہے اور گھٹنوں کے بل کھڑے ایک آواز سے اپنا نعرہ لاحکم الاللہ لگا رہے ہیں۔

ہمراہی خوارج کو اسی طرف دیکھ کر زور سے تکبیر کہہ اٹھے۔

امیر المومنینؑ نے فرمایا:

''خدا کی قسم نہ میں نے کبھی جھوٹ بولا نہ کبھی جھٹلایا گیا۔ اس شخص نے امیر المومنینؑ سے عرض کیا: حضور میں بڑے شک و شبہ میں پڑ گیا تھا، میں آپ سے بھی توبہ کرتا ہوں اور خدا سے بھی، اللہ مجھے معاف کر دیجئے۔''

امیر المومنینؑ نے فرمایا:

خداوند عالم ہی گناہوں کا بخشنے والا ہے۔ اللہ تمھیں معاف کرے۔

(تاریخ کامل شرح ابن ابی الحدید اعیان الشیعہ، سیرۃ علویہ شاہ محمد علی حیدر)

امیر المومنینؑ خوارج کے قیام گاہ سے تھوڑے فاصلہ پر اترے اور ان سے کہلایا:

''قاتلوں کو ہمارے حوالہ کر دو، اس وقت ہم تم سے تعرض نہ کریں گے۔ ہمارا ارادہ اہل شام سے لڑنے کا ہے شاید اس عرصہ میں خداوند عالم تمھارے دلوں کو پھیر دے اور تمھیں پھر انہیں نیکیوں کی توفیق مل جائے جو تم پہلے بجالائے تھے۔''

خوارج نے اس پیغام کے جواب میں کہلا بھیجا:

''ہم سب نے انھیں قتل کیا ہے اور ہم سب ان کا اور تمھارا خون بہانا حلال سمجھتے ہیں۔''

قیس ابن سعد بن عبادہ انصاری، خوارج کو سمجھانے گئے، اس طرح گفتگو کی:

''اے اللہ کے بندو! ہمارے مجرموں کو اپنی جماعت سے علیحدہ کر کے ہمارے پاس بھیجدو اور تم سب از سر نو امیر المومنینؑ کی اطاعت میں داخل ہو کر ہمارے ساتھ شامیوں پر چڑھائی کرو۔ تم لوگ گناہ کبیرہ کے مرتکب ہو، مسلمانوں کو مشرک و کافر سمجھتے اور ان کو بے گناہ قتل کرتے ہو۔''

عبداللہ بن شجرہ سلمی کہنے لگا:

ہم پر امر حق مثل آفتاب روشن ہو گیا، اب ہم تمھاری متابعت نہیں کرتے۔''

قیس نے کہا:

''میں تم کو خدا کی قسم دلاتا ہوں کہ اپنی جانوں پر رحم کرو اور اپنے ہاتھوں سے انھیں ہلاکت میں نہ ڈالو کیونکہ مجھے یقین ہے کہ فتنہ تم پر غالب آئے گا، عنقریب تم سب کو ہلاک و برباد کر دے گا۔''

پھر حضرت ابوایوب انصاری نے سمجھانا شروع کیا:

اے خدا کے بندو! ہم تم ابھی ایک حالت پر ہیں اور الحمد للہ کہ ہم جیسے پہلے تھے اب بھی ویسے ہی ہیں۔ ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم ہم سے کس بات پر لڑنا چاہتے ہو۔

خوارج نے کہا:

اگر آج تمھارے ساتھ ہو کر اہل شام سے لڑیں تو کل پھر تم لوگ ہم پر حکم بناؤ گے۔

ابوایوب انصاری کہنے لگے:

''خدا کے لیے فتنہ موجودہ کو دفع کرو اور آئندہ کی روک ٹوک کرلو۔''

مگر خوارج کسی طرح نہیں مانے۔ ابوایوب انصاری بھی بے نیل مرام واپس ہوئے۔

پھر امیر المومنینؑ خود تشریف لے گئے اور آپ نے فرمایا:

''اے گروہ عداوت شعار! تم کو میری عداوت اور ضد نے جماعت سے نکال دیا۔ تم اپنی نفسانیت سے امر حق کے قبول کرنے سے باز رہے، یہ عداوت ونفسانیت تمھارے لیے اچھی نہیں ۔تم سخت مصیبت اور قہر الٰہی میں پڑو گے ۔ یاد رکھو میرا کہنا مانو ابھی کچھ نہیں گیا ہے، تمھاری اس سرکشی و نافرمانی کا یہ نتیجہ ہونیوالا ہے کہ تم قتل ہو گے لوگ تم پر لعنت کریں گے، اسی جنگل میں تمھاری لاشیں درندے کھائیں گے، تمھارے اس عناد کی کوئی دلیل خدا کی طرف سے نہیں، تمھارا دعویٰ باطل محض بلا حجت و دلیل ہے ۔تم کو یاد نہیں کہ حکم بنانے سے میں نے تم کو بتاکید منع کیا تھا، صاف صاف کہہ دیا تھا کہ یہ مکر و فریب محض تم لوگوں کے بہکانے کے لیے ہے ۔اہل شام کو درحقیقت امر حق منظور نہیں نہ یہ لوگ اہل تقویٰ و دیانت سے ہیں، ان کے قول وفعل پر ہرگز اعتبار نہ کرنا چاہیے، افسوس تم نے میرا کہنا نہ مانا، اپنی ضد پر قائم رہے، جب میں نے تمھارے حسب خواہش اقرار کرلیا اور حکمین سے قرآن و حدیث کے موافق فیصلہ کرنے کے شرائط کیے تو اب اگر حکمین نے خلاف قرآن و حدیث کیا تو اس میں میرا کیا اختیار ہے ۔اب ہم فیصلہ کو نہیں مانتے انکے مقابلہ کو نکلے ہیں، تم کو مخالفت کی کوئی وجہ نہیں، ہمارے ساتھ ہو کر دشمنوں سے لڑو۔''

خوارج کہنے لگے:

''بیشک حکم مقرر کرنے کی ہم نے رائے دی تھی، ہماری خواہش سے حکم مقرر ہوئے، ہم نے اپنی غلطی کا اعتراف کیا اور گنہگار ہوئے، اپنے کو کافر سمجھ کر توبہ کرلی آپ بھی اپنے گناہ کا اقرار کر کے توبہ کیجئے، ہم آپ کے ساتھ ہیں، اگر آپ کو توبہ سے انکار ہے تو ہم آپ سے لڑیں گے۔''

امیر المومنینؑ نے فرمایا:

''افسوس تمھاری عقلیں کیا ہوگئیں، تم یہ نہیں سمجھتے میں آں حضرت پر ایمان لایا، ہجرت کی غزوات میں شریک رہا، میرا گناہ کیا ہے؟ میں نے کون بات گمراہی کی کی۔''

اس تقریر پر خوارج نے ایک دوسرے کو پکار کر کہا:

اب گفتگو نہ کرو خدا سے ملنے کی تیاری کرو

امیر المومنینؑ نے نصیحت سے تنگ آ کر فرمایا:

''اب ایک بات یہ باقی رہ گئی ہے کہ تم اپنی جماعت میں جس شخص کو عقلمند و معاملہ فہم سمجھتے ہو اس کو مجھ سے بحث کرنے کے لیے بھیجدو، اگر وہ مجھ کو قائل کر دے تو میں تمھارے کہے پر عمل کروں گا اگر وہ ہار جائے تو تم سب میرے مطیع ہو جانا۔''

خوارج نے عبداللہ بن الکواء کو منتخب کر کے پیش کیا۔ امیر المومنینؑ نے اس سے پوچھا:

''کیا وجہ پیش آئی کہ جس سے تم میرے مطیع ہو کر دفعتہ مجھ سے پھر گئے اور میری نافرمانی پر کمر بستہ ہو کر میرے دشمن ہو گئے۔ جنگ جمل میں تم شریک تھے، جب تم نے مخالفت نہ کی۔''

ابن الکواء نے کہا:

''جنگ جمل میں آپ نے کب کسی کو حکم مقرر کیا تھا؟

امیر المومنینؑ نے اس سے پوچھا:

''میرا فیصلہ قرین ہدایت ہے یا آنحضرت کا۔

ابن الکواء نے کہا:

''آنحضرت کا فیصلہ و احکام قطعی حق اور شک و خطا سے پاک ہے۔''

امیر المومنینؑ نے فرمایا:

''تم نے سنا ہوگا کہ جس وقت نجران کے نصاریٰ نے آنحضرت سے بحث کی تو آیت مباہلہ نازل ہوئی۔ یہ امر تو یقینی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اہل نجران کے کاذب ہونے میں کوئی شک نہ تھا۔ یہ بتاؤ کہ اس نے پھر محاکمہ و مباہلہ کا کیوں حکم دیا۔''

ابن الکواء نے کہا:

''یہ مسئلہ تو اجماعی ہے کہ اہل نجران دین باطل پر تھے۔ آیت خدا کے یہاں سے نازل ہوئی، اس پر قیاس نہیں کیا جا سکتا کیونکہ آپ نے اپنی خلافت پر شک کیا، تقرر حکمین پر راضی ہوئے جبکہ آپ نے خود شک کیا تو ہم کو اگر آپ کے خلیفہ ہونے میں شک ہو تو کونسی تعجب کی بات ہے۔''

پھر امیر المومنینؑ نے ایک آیت پڑھی جس سے تقرر حکمین کا جواز ثابت ہوتا تھا۔ اس پر ابن الکواء چپ ہو گیا۔ کچھ دیر سوچنے کے بعد کہنے لگا:

ہم مانتے ہیں کہ جو کچھ آپ کہتے ہیں سب ٹھیک ہے مگر اس آیت میں صرف یہ عیب ہے کہ جس وقت آپ نے ابو موسیٰ کو حکم مقرر کیا اس وقت آپ (نعوذ باللہ) کافر ہو گئے۔

امیرالمومنینؑ نے فرمایا:

''جس طرح معاویہ نے عمرو عاص کو حکم بنادیا ویسے ہی میں نے ابوموسیٰ کو حکم کیا، اسمیں کون سا کفر ہوا؟

''ابوموسیٰ کافر ہیں۔''

''دومۃ الجندل جاتے وقت کافر ہوئے یا فیصلہ کرتے وقت؟''

''فیصلہ کرتے وقت۔

''جس وقت میں نے اپنے پاس سے روانہ کیا تھا اس وقت تو وہ کافر نہ تھے، فیصلہ کے وقت اگر وہ کافر ہو گئے تو مجھ پر کیا گناہ، بالفرض اگر آنحضرت کسی مسلمان کو مشرکوں کے پاس فیصلہ کرنے کے لیے روانہ فرماتے اور آنحضرت کی یہ غرض ہوتی کہ یہ شخص مشرکوں کو اسلام کی دعوت دے، اگر وہ شخص وہاں جا کر بجائے دین اسلام کے اور کسی دین کی دعوت دیتا تو آنحضرت پر کیا اعتراض وارد ہوتا؟ اسی طرح اگر ابوموسیٰ گمراہ ہوئے اور خلاف حق انھوں نے یہ فیصلہ کیا تو مجھ پر کیا الزام؟ یہ ہرگز ایسا فعل نہیں جو تمھارے لئے مسلمانوں کے خون کو مباح کر دے۔''

خوارج اس جواب سے بالکل ساکت ہو گئے اور خفیف ہو کر ابن الکواء سے کہنے لگے:

''اس شخص سے بحث نہ کرو واپس آؤ۔''

وہ لوگ واپس گئے، امیرالمومنینؑ بھی واپس تشریف لائے، یہ خیال کرلیا کہ اب لڑائی کے سوا کوئی صورت نہیں، یہ لوگ ہرگز راہ راست اختیار نہ کریں گے۔ (سیرۃ علویہ محمد علی حیدر کاکوروی ص ۴۱۱ تا ۴۱۳)

(۴)

اتمام حجت ہو چکی تھی، خوارج کو ہر طرح سمجھایا جاچکا تھا مگر ان کی سرکشی تھی کہ ختم ہونے میں نہیں آتی تھی۔ اب ان کی طرف سے ذرا بھی بے پروائی صرف آپ کے لشکر ہی کے لیے نہیں بلکہ تمام مملکت اسلامیہ کے لیے عظیم ترین تباہی کا سبب بن سکتی تھی۔ مجبوراً امیرالمومنینؑ بھی سامان جنگ اور ترتیب لشکر کی طرف متوجہ ہوئے۔ آپ نے لشکر کو اس طرح مرتب کیا کہ میمنہ پر حجر بن عدی، میسرہ پر شبث بن ربعی، بعض اقوال کے مطابق معقل بن قیس ریاحی، سواروں کے رسالے کے افسر ابوایوب انصاری اور پیادوں کی کمان پر ابوقتادہ انصاری کو مقرر کیا۔ اہل مدینہ کی جو جماعت سات یا آٹھ سو کی تھی ان پر قیس بن سعد بن عبادہ کو سردار مقرر کیا۔

خوارج نے بھی حسب ذیل اشخاص کو مختلف حصص فوج کی کمان پر مقرر کیا، ان کے میمنہ کا افسر زید بن حصین طائی، میسرہ کا

قیس بن شرع ابن ادنی عبسی ،سواروں کا افسر حمزہ بن سنان اسدی ، پیادوں کا افسر حرقوس بن زبیر اسدی تھا۔ دونوں لشکر آراستہ ہو کر دوسرے کے مقابل ہوئے ۔امیر المومنینؑ کی اپنے سپاہیوں کو تاکید کی تھی کہ جب تک خوارج جنگ میں پہل نہ کریں تم حملہ کی ابتدا نہ کرنا۔اب تک جتنی لڑائیاں آپ کے عہد خلافت میں پیش آئیں امیر المومنینؑ بہت سختی سے اس کے پابند رہے کہ حملہ کا آغاز اپنی طرف سے نہ ہو اور دشمن کو اچھی طرح سوچنے سمجھنے کا موقع دیدیا جائے ۔آپ نے بار بار مصالحت اور سمجھوتہ کے لیے ہاتھ بڑھایا۔کئی کئی قاصد بھیجے،خود متعدد مرتبہ سامنے آ کر وعظ ونصیحت میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا اور جب وہ حملہ کا آغاز کر بیٹھے تو دفاعی طور پر ان کے مقابلہ میں تلوار اٹھائی ۔اس مرتبہ بھی آپ نے یہی کیا کہ باوجودیکہ ہر طرح سے مایوسی ہو چکی تھی ،آپ نے ان کو راہ راست پر لانے کی ایک اور کوشش کی ۔ابوایوب انصاری کو ایک سفید جھنڈا دے کر بھیجا۔انہوں نے پکار کر کہا:

''تم میں سے جس نے عبداللہ بن خباب اور دوسرے مسلمانوں کے قتل میں حصہ نہیں لیا اگر اس جھنڈے کے نیچے آ جائے تو وہ امن ہے، جو شخص کوفہ یا مدائن چلا جائے اور اس جماعت کو چھوڑ دے وہ بھی مامون ہے۔ ہم یہ اعلان اس لیے کر رہے ہیں کہ اپنے بھائیوں کو قتل کرنا اور ان کے خون سے ہاتھ رنگنا نہیں چاہتے۔''

یہ سن کر فروہ بن نوفل شجاعی نے کہا:

''ہمیں نہیں معلوم کہ امیر المومنینؑ سے کس بنا پر لڑنے آئے ہیں ،ہمیں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ سر دست لڑائی سے واپس جائیں اور اپنے معاملہ میں یہاں تک غور کریں کہ ہم پر امر حق واضح ہو جائے ، پھر اس وقت لڑیں گے یا اطاعت کریں گے۔''

یہ کہہ کر وہ پانچ سو سواروں کو لے کر لشکر سے نکل گیا اور مقام نوبندجان مقیم ہوا،ایک گروہ متفرق ہو کر کوفہ چلا آیا۔سو آدمی نکل کر امیر المومنینؑ کے لشکر میں آ ملے۔

امیر المومنینؑ کے سپاہیوں کو پہلے ہی سے تاکید تھی کہ خوارج جب تک حملہ نہ کریں تم اپنے ہاتھ روکے رہنا۔ایک خارجی نے بڑھ کر امیر المومنینؑ کے صفوف لشکر پر حملہ کر دیا اور تین آدمی قتل کر ڈالے اور رجز پڑھی :

''میں سب کو قتل کرتا ہوں مگر علیؑ نہیں دکھائی دیتے ،اگر سامنے آ جائیں تو میں انھیں اپنے نیزہ کا مزہ چکھاؤں۔''

امیر المومنینؑ آگے بڑھے اور ایک ہی وار میں اسے قتل کر ڈالا ۔جب آپ کی تلوار اس پر پڑی تو اس نے کہا:

''جنت کی طرف جانا کتنا خوشگوار ہے۔''

عبداللہ بن وہب سردار لشکر نے یہ سن کر کہا:

''خدا کی قسم میں نہیں جانتا کہ جنت کی طرف جانا ہے یا جہنم کی طرف۔''

عبداللہ کا یہ فقرہ بنی سعد کے ایک خارجی نے بھی سُن لیا، اس نے کہا:

''میں اس شخص (عبداللہ بن وہب) کے دھوکہ میں یہاں چلا آیا تھا، اب دیکھتا ہوں کہ خود اسے شک لاحق ہے۔''

یہ کہہ کر وہ اپنے ساتھیوں سمیت جنگ سے کنارہ کش ہو گیا۔ (کامل للمبرد، شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، اعیان الشیعہ جلد سوم)

خوارج نے ایک دوسرے سے کہا چلو جنت میں جانے کی تیاری کرو، یہ کہہ کر لشکر پر حملہ کر دیا۔ امیرالمومنینؑ نے بھی اپنے ساتھیوں کو حملہ کا حکم دیا اور اس کے ساتھ ہی خود بھی ذوالفقار لے کر ان پر ٹوٹ پڑے۔ آپ نے پے در پے تین حملے کیے اور ہر مرتبہ ستھراؤ کر کے پلٹے، ذوالفقار آپ کی ٹیڑھی ہو ہوگئی اور آپ نے گھٹنے پر رکھ کر سیدھا کیا۔ امیرالمومنینؑ کے لشکر کے میمنہ و میسرہ کے سواروں نے خوارج کو دونوں طرف سے گھیرا، تیر اندازوں نے تیروں کے مینھ برسانا شروع کیے پیادوں نے نیزے اور تلواریں مارنا شروع کیں، اس چوطرفہ مار سے خوارج بدحواس ہو کر بھاگنے لگے راستہ ہر طرف سے بندھا تھا بھاگ نہ سکے، حمزہ بن سنان نے نکلنے کی کوشش کی، اسود بن قیس نے حملہ کر دیا۔ امیرالمومنینؑ نے اور مدد بھیجی، ایک ساعت میں سب کا خاتمہ ہو گیا۔ ابوایوب انصاری نے آکر بیان کیا کہ میں نے زید بن حصین کے سینہ پر ایسا نیزہ مارا کہ توڑ کر نکل گیا۔ وہ زمین پر گرا میں نے اس سے کہا اے دشمن خدا تجھے دوزخ کی بشارت ہو، اس نے جواب دیا کل قیامت میں معلوم ہوگا کہ کون دوزخ میں جانے کا مستحق ہے، یہ کہہ کر مر گیا۔ امیرالمومنینؑ نے فرمایا:

''وہی دوزخ میں جانے کا مستحق ہے۔''

پھر ہانی ابن خطاب ازدی اور زیاد بن حفصہ، عبداللہ بن وہب سردار خوارج کے قتل کے بارے میں جھگڑتے ہوئے حاضر ہوئے، امیرالمومنینؑ نے پوچھا کیا معاملہ ہے؟ دونوں نے جواب دیا کہ ہم نے پہچان کر حملہ کیا اور ایک ساتھ نیزہ مار کر گرا دیا ،آپ نے فرمایا:

''تم دونوں اس کے قاتل ہو۔''

عبداللہ بن زحر نے عبداللہ بن شجرہ اسلمی کو مارا، شریح بن ادنی کسی مکان کی پناہ لے کر لڑ رہا تھا، چند ھمدانی اس پر حملہ آور ہوئے، ایک شخص نے بڑھ کر اس کا پیر کاٹ ڈالا، دوسرے حملہ میں اسکو ختم کر دیا۔ حبش بن ربیعہ کنانی نے حرقوس بن زہیر کو قتل کیا، اس کا لقب ذی الثدیہ تھا۔ امیرالمومنینؑ نے لڑائی شروع ہونے کے پہلے ہی اپنے ساتھیوں سے کہہ دیا تھا کہ تم میں (۱) سے دس آدمی بھی قتل نہ ہونگے اور ان خارجیوں کے مشکل سے دس آدمی بھاگ کر جان بچا سکیں گے۔

(۱): اس جنگ میں امیرالمومنینؑ سے متعدد کرامتیں دیکھنے میں آئیں، کئی خبریں غیب کی آپ نے بیان کیں۔ آپ نے زرعہ بن طائی کو بری طرح مارے جانے کی خبر دی۔

ربیعہ بن شداد خشعمی نے جو آپ کے ہمراہ جنگ جمل میں قبیلۂ خشعم کا سردار و علمبر دار تھا بعد واقعہ تحکیم جب لوگوں نے امیر المومنینؑ کے ہاتھوں پر خوارج سے جنگ کرنے کے لیے بیعت کی تو یہ بھی آیا اور اس نے بھی بیعت کی۔ امیر المومنینؑ بعد بیعت بغور اس کے چہرے کو دیکھنے لگے اور فرمایا کہ میں اس وقت اپنی آنکھ سے دیکھ رہا ہوں اے ربیعہ کہ تم خوارج سے مل کر مارے گئے، گھوڑوں کی ٹاپوں سے تمھارے اعضا بالکل ریزہ ریزہ ہو گئے چنانچہ نہروان میں ایسا ہی ہوا۔

آپ نے اپنے ہمراہیوں کو بتایا کہ خوارج پل کے پار نہیں آئے بلکہ اسی طرف ہیں، علامہ ابن الحدید لکھتے ہیں کہ یہ خبر منجملہ ان اخبار کے ہے جو حد تواتر تک پہونچی ہوئی ہیں کیونکہ بے شمار افراد نے امیر المومنینؑ کے اس فقرہ کو سنا اور آپ سے نقل کیا۔

آپ نے ذی الثدیہ کے متعلق خبر دی کہ مقتولین میں وہ بھی ہے، اصحاب تلاش کر کے مایوس ہو چکے تھے، تلاشی میں کوئی کوشش اٹھا نہیں رکھی گئی تھی، امیر المومنینؑ کا اصرار تھا کہ مقتولین میں وہ ضرور ہے۔

اسی طرح آپ کا اپنے ہمراہیوں سے یہ ارشاد کہ تم میں سے دس بھی مارے نہ جائیں گے اور خوارج کے دس بھی بچنے نہ پائیں گے۔ اس پیشینگوئی کو فراست و ثاقب نظری کا نتیجہ نہیں قرار دیا جا سکتا کیونکہ دور رس نظریں فتح و شکست کا اندازہ تو لگا سکتی ہیں اور جنگ کے نتائج کو بھانپ لے جا سکتی ہیں لیکن دونوں فریق کے مقتولین کی صحیح صحیح تعداد سے آگاہ کر دینا ان کی حدود پرواز سے باہر ہے، یہ اسی کی باطن بین نگاہیں ہی حکم لگا سکتی ہیں کہ جو غیب کے پردے الٹ کر آنیوالے منظر کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہو اور علم امامت کی چھوٹ مستقبل کے صفحہ پر ابھرنے والے نقوش اس کو دکھا رہی ہو۔ چنانچہ اس وارث علم نبوت نے یہی فرمایا تھا وہی ہوا اور خوارج میں سے نو آدمیوں کے علاوہ سب کے سب موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے۔۔۔۔ اور آپ کی جماعت میں سے صرف آٹھ آدمی شہید ہوئے۔۔۔'' (اعیان الشیعہ جلد سوم، ترجمہ نہج البلاغہ مفتی جعفر حسین مطبوعہ لاہور)

محی السند لغوی و دیلمی لکھتے ہیں کہ آنحضرت نے فرمایا: اے علی تو خوارج سے آزمایا جائے گا اور تو ان سے لڑیگا۔'' ابو سعید خدری سے مروی ہے کہ ایک دن ہم آنحضرتؐ کے حضور میں بیٹھے ہوئے تھے، آں حضرت مال غنیمت تقسیم فرما رہے تھے، ذوالخویصرہ آکر کہنے لگا یا رسولؐ اللہ عدل کیجئے گا، آن حضرتؐ نے فرمایا تو ہلاک ہوا اگر میں عدل نہ کروں گا تو کون عدل کرے گا۔ حضرت عمر عرض کرنے لگے یا رسولؐ اللہ مجھ کو اجازت دیجئے کہ میں اس کی گردن ماردوں، فرمایا چھوڑ دو اس کے ساتھ ایسے ہیں کہ تم کو اپنی نماز ان کے مقابل حقیر معلوم ہوگی، وہ قرآن پڑھیں گے لیکن قرآن انکے گلے کے نیچے سے اترے گا نہیں، وہ دین سے ایسا بھاگیں گے جیسے تیر کمان سے جاتا ہے اور اس میں خون کا کوئی اثر نہیں پایا جاتا اگر تبر کا پھل بھی اٹھا کر دیکھا جائے یا اس کا سوفار دیکھا جائے تو بھی خون کا نشان نہ معلوم ہوگا، وہ بہترین گروہ پر خروج کریں گے، ان کا پتہ یہ ہے کہ ان میں ایک ناقص الخلقت سیاہ چشم آدمی ہوگا ایک ہاتھ اس کا مثل عورت کے پستان یا گوشت کے لوتھڑے کے حرکت کرتا ہوا ہوگا۔

ابو سعید خدری کہتے ہیں کہ میں اس کی گواہی دیتا ہوں کہ میں علی ابن ابی طالبؑ کے ساتھ تھا جب وہ اس گروہ سے جنگ کر رہے تھے، آپ نے ان لوگوں کو مقتولین کی طرف بھیجا وہ لوگ مخدج کو اٹھا لائے جو نشانیاں آنحضرت نے فرمائی تھیں وہ سب اس میں موجود تھیں۔

اس حدیث کو شیخین یعنی بخاری و مسلم نے اور ان کے علاوہ ابوداوٗد طیاسی، احمد بن حنبل، ابو الیعلیٰ، ابن جہان حاکم اور خطیب نے بہ ادنیٰ تغیر روایت کیا ہے۔

ابو سعید خدری کے علاوہ وہ صحابہ کی ایک جماعت نے مثل حضرت عمر و حضرت علیؑ و عبداللہ بن عباس و ابن عمر و ابن مسعود ابن خباب بن الارت، عقبہ بن عامر و سعد و عمار ابن یاسر نے بھی اسکو روایت کیا ہے، مسروق تابعی بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت عائشہ کی خدمت میں حاضر ہوا وہ مجھ سے پوچھنے لگیں کہ خارجیوں کو کس نے قتل کیا۔ میں نے عرض کیا جناب امیرؑ نے، حضرت عائشہ چپ ہو گئیں۔ مسروق کہتے ہیں میں نے عرض کیا یا ام المومنین میں آپ کو خدا و رسول کی قسم

دیکر پوچھتا ہوں اگر آپ نے ان خوارج کی نسبت کوئی حدیث سنی ہو تو مجھ سے بیان فرمائیے۔ حضرت عائشہ نے جواب دیا میں نے آنحضرتؐ کو فرماتے سنا ہے کہ وہ بدترین خلائق ہیں اور ان کو بہترین خلیق قتل کریں گے۔

دوسری روایت میں ہے کہ حضرت عائشہ نے پوچھا اے مسروق تجھے مخدج کا کچھ علم ہے، میں نے کہا ہاں، جناب امیرؑ نے اس کو ایک نہر کے قریب جس کے نشیبی حصہ کو تامرا اور اونچے حصہ کو نہروان کہتے ہیں قتل کر دیا۔ حضرت عائشہ فرمانے لگیں خدا عمرو بن العاص کو مارے اس نے مجھ کو لکھا کہ میں نے اس کو نیل مصر کے کنارے مارا۔ (سیرۃ علویہ شاہ محمد علی حیدر کاکوروی)

چند گھنٹوں میں اس لڑائی کا خاتمہ ہو گیا۔ خوارج کا اس طرح صفایا ہوا کہ نو آدمیوں کے علاوہ جنھوں نے بھاگ کر اپنی جان بچالی تھی ایک متنفس بھی زندہ نہ بچا۔ امیرالمومنینؑ کے لشکر میں سے صرف آٹھ آدمی شہید ہوئے۔ (سیرۃ علویہ شاہ محمد علی حیدر کاکوروی)

ابن اخیر اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے:

''خوارج اتنے تھوڑے وقت میں قتل کیے گئے کہ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کسی نے ان سے کہا ہو:

''مرجاؤ''

اور وہ مر گئے''۔ (خلفائے محمد عمر ابوالنصر ترجمہ شیخ محمد احمد پانی پتی مطبوعہ لاہور)

(۵)

ظہور خوارج سے پیشتر جناب امیر اپنے اصحاب سے فرمایا کرتے تھے کہ ایک فرقہ خروج کرے گا اور خلیفہ وقت کی اطاعت اور اسلام سے ایسا صاف نکل جائے گا جیسے تیر شکار کو پھاڑ کر نکل جاتا ہے۔ اس گروہ کی علامت یہ ہے کہ اس میں ایک شخص ناقص الید یعنی پیدائشی ناقص ہاتھ والا ہوگا۔ یہ حدیث آپ کے اصحاب بار بار آپ سے سن چکے تھے، بعد فراغ نہروان و قتل خوارج جناب امیر نے اہل لشکر کو حکم دیا کہ ان لاشوں میں سے مرد ناقص الید کو تلاش کرو، لوگوں نے تلاش شروع کی لاش نہ ملی، بعض نے دعویٰ کے ساتھ یہ آ کر بیان کیا کہ اس جماعت میں ایسا کوئی شخص موجود نہیں، جناب امیرؑ نے فرمایا:

''بخدا وہ ضرور ہے میں نے نہ کبھی جھوٹ بولا نہ کبھی جھٹلایا گیا۔''

لوگوں کو پھر تلاش کرنے کی تاکید کی چنانچہ لوگ پھر تلاش کرنے لگے۔ اتفاق سے ایک شخص کو لاش مل گئی، وہ خوش ہو کر چلّا اُٹھا امیرالمومنینؑ وہ شخص مل گیا، بعض کا قول ہے کہ جناب امیرؑ خود ابن عمار اور ریان بن صبرو کو لے کر تلاش کرنے نکلے، لاشوں کے درمیان وہ لاش پڑی پائی، جناب امیرؑ نے حکم دیا کہ اسکو سب سے الگ نکالو۔ چنانچہ لاش الگ دیکھ کر نکالی گئی جس میں درحقیقت ایک ہاتھ صرف کندھے تک تھا کہنی کلائی پنجہ اس میں نہ تھا، بجائے کہنی کے ایک گوشت کا لوتھڑا عورت کے پستان کے طریقہ پر تھا۔ ایک گھنڈی بشکل سر پستان اس پر لگی ہوئی تھی جس پر چند سیاہ بال تھے، گوشت کا لوتھڑا کھینچنے سے ربر کی طرح بڑھ کر

دوسرے ہاتھ کے برابر ہو جاتا، چھوڑ دینے سے پھر مونڈھے کے برابر آجاتا۔ جناب امیرؑ نے یہ دیکھ کر فرط خوشی میں تکبیر کہی اور فرمایا:

''کبھی میں جھوٹ نہیں بولا نہ خدا نے مجھے کبھی جھوٹا کیا۔ مجھے اس کا اندیشہ نہ ہوتا کہ تم لوگ عمل کرنا چھوڑ دو گے تو جو کچھ میں نے آنحضرت سے سنا ہے ابھی سب کے سامنے بیان کر دیتا۔''

پھر خوارج کی لاشوں کو مخاطب کر کے فرمایا:

''افسوس تم کس قدر سختی اور عذاب دائمی میں مبتلا ہوئے جس نے تم کو فریب دیا اس نے تم کو بڑا نقصان پہونچایا۔'' (سیرۃ علویہ ص ۴۱۶)

(۶)

جنگ کے خاتمہ پر امیر المومنینؑ کے حکم سے ایسے زخمیوں کی تلاش شروع ہوئی جن میں ابھی رمق جان باقی تھی۔ چار سو زخمی نکلے۔ امیر المومنینؑ نے ان زخمیوں کو ان کی قوم وقبیلہ والوں کے حوالہ کیا اور فرمایا کہ ان کا علاج ومعالجہ کرو جب یہ اچھے ہو جائیں تو انھیں کوفہ لے کر آنا۔ ان خارجیوں کا مال واسباب جتنا ہاتھ آیا وہ سب جمع ہوا۔ اسلحے اور دیگر آلات جنگ اور گھوڑے تو اہل لشکر پر تقسیم فرما دیئے باقی دیگر اسباب لونڈی اور غلام کوفہ پہونچ کر ان کے وارثوں کے حوالے کر دیئے۔

عدی بن حاتم صحابی امیر المومنینؑ کا فرزند طرفہ بھی خوارج کے ساتھ ہو کر لڑا اور مارا گیا تھا۔ عدی نے اس کی لاش تلاش کر کے دفن کی۔ دوسرے ساتھیوں نے بھی بعض ان خوارج کی لاشیں دفن کیں جو ان کے عزیز واقارب تھے۔ جب امیر المومنینؑ کو معلوم ہوا تو آپ نے بطور انکار فرمایا ''کیا تم قتل کر کے دفن کرتے ہو؟ (اعیان الشیعہ جلد سوم، تاریخ طبری، سیرۃ علویہ)

خوارج کے بری طرح تباہ و برباد ہونے پر آپ کے ساتھیوں نے کہا۔ وہ لوگ سب کے سب ہلاک ہوئے۔

آپ نے فرمایا:

''ہرگز نہیں۔ جب بھی ان کا کوئی سردار ظاہر ہوگا تو اسے (۱) کاٹ کر رکھ دیا جائے گا یہاں تک کہ ان کی آخری فردیں چور اور ڈاکو ہو کر رہ جائیں گی۔''

---

(۱): جنگ نہروان ۳۸ھ میں ہوئی اور اس میں خوارج کا بالکل ہی خاتمہ ہوگیا۔ پھر بھی یہ لوگ کبھی کبھی سر اُٹھاتے اور نیست ونابود کیے جاتے رہے، امیر المومنینؑ کی زندگی میں بھی انھوں نے جا بجا علم بغاوت بلند کیے اور امیر المومنین کی شہادت کے بعد بھی اموی حکومت کے لیے دردسر بنے رہے مگر ان کا انجام ہمیشہ تباہی و بربادی ہی ہوا۔

جنگ نہروان کے تھوڑے ہی دنوں بعد اشرس ابن عوف سلیمانی نے خروج کیا، جناب امیرؑ کی مخالفت پر کمر باندھ کر بمقام وسکرہ دوسو آدمیوں کی جماعت کے ساتھ مقیم ہو کر علم بغاوت بلند کیا۔ یہ فرقہ گویا مقتولین نہروان کا نام زندہ کرنیوالوں میں تھا۔ جناب امیر نے اس کی سرکوبی کے لیے اشرس بن حبان کو تین سو آدمیوں کی جماعت کے ساتھ روانہ فرمایا۔

ماہ ربیع الآخر ۳۸ھ میں اشرس بن عوف قتل ہوا۔ اسکے قتل ہو جانے کے بعد ہلال بن علقمہ قبیلہ تمیم ۰۰۰۰۰ اور اس کے بھائی مجالد نے خروج کیا یہ

اسنبد ان میں آیا ان کی مہم پر معقل بن قیس ریاحی روانہ ہوئے جنھوں نے ان دونوں کو مع دوسو آدمیوں کے قتل کیا، یہ واقعہ ماہ جمادی الاول میں ہوا۔ اس کے بعد اشہب بن بشر و بقولے اشعث نے قوم بجیلہ سے ایک سو اسی آدمیوں کے ساتھ خروج کیا۔ یہ اولاً اس معرکہ میں گئے جہاں ہلال اور اس کے ہمراہی قتل ہوئے تھے مقتولین پر نماز جنازہ پڑھ کر دفن کیا۔

جناب امیرؑ نے اس گروہ بداطوار پر جاریہ بن قدامہ سعدی کو یا حجر بن عدی کو روانہ فرمایا۔ اشہب سے اور ان سے مقام جرجرایا بن مضافات جوخی مقابلہ ہوا۔ اشہب مع اپنے ساتھیوں کے جمادی الآخری میں فی النار ہوا۔ پھر سعید بن قفل تیمی نے قبیلہ تیم اللہ بن ثعلبہ سے بندپ جین میں دوسو سواروں کے ساتھ خروج کیا پھر وہاں سے درنجان جو مدائن سے دو فرسخ پر ہے آیا اسکے مقابلہ کو سعد بن مسعود پہونچے اور ماہ رجب میں اس جماعت کو ختم کیا۔ پھر سعدی تمیمی نے شہروز میں خروج کیا اس کے ساتھ اکثر غلام آزاد غیر عرب مختلف اقوام سے تھے جو دوسو اور ایک روایت میں چار سو تھے، یہ کوفہ پر چڑھائی کے ارادہ سے روانہ ہوا۔ جب کوفہ پانچ کوس رہ گیا تو اتر پڑا۔ جناب امیرؑ کو جب اسکے آنے کی خبر معلوم ہوئی تو پہلے اپنے ایک معتمد شخص کو بغرض افہام و تفہیم روانہ کیا۔ اس نے بکمال تمرد جواب دیا کہ ہم سے بجز حرب و ضرب اور کچھ امید نہ رکھنا چاہیے۔ جناب امیرؑ نے سات سو سپاہیوں کے ساتھ شریح بن ہانی کو روانہ کیا، خوارج نے بڑے زور سے حملہ کیا جسکے نتیجہ میں شریح کے ہمراہی ۵ سو کے قریب بھاگ کھڑے ہوئے اور شریح صرف دوسو آدمیوں کے ساتھ رہ گئے اور انھیں دوسو آدمیوں کے ساتھ شریح ان سے لڑتے رہے۔ جناب امیرؑ کو جب یہ حال معلوم ہوا تو آپ نے اولاً جاریہ بن قدامہ کو بغرض افہام و تفہیم روانہ کیا پہونچ کر انھوں نے سمجھایا مگر وہ نہ مانے اسی اثنا میں جناب امیرؑ تشریف لائے تب آپ نے بھی سمجھایا جب نہ مانے تو تلوار نکال لیا اور سب کو کاٹ کاٹ کے ڈال دیا، صرف پچاس آدمی باقی بچے جنھوں نے امان طلب کی آپ نے امان دی۔ ان میں چالیس زخمی تھے جن کو جناب امیر کوفہ لے آئے اور علاج کیا جس سے تندرست ہو گئے۔ یہ واقعہ ماہ رمضان ۳۸ھ میں پیش آیا۔ (تاریخ کامل ابن اثیر، اعیان الشیعہ جلد سوم، سیرۃ علویہ ص ۴۱۹)

پھر آپ نے فرمایا:

میرے بعد خوارج[1] کو قتل نہ کرنا اس لیے کہ جو حق کا طالب ہو اور اسے نہ پا سکے وہ ویسا نہیں ہے کہ جو باطل ہی کی طلب میں ہو اور پھر اسے پا بھی لے (نہج البلاغہ)

---

[1] قتل خوارج سے روکنے کی وجہ یہ تھی کہ چونکہ امیرالمومنینؑ کی نگاہیں دیکھ رہی تھیں کہ آپ کے بعد تسلط و اقتدار ان لوگوں کے ہاتھوں میں ہوگا جو جہاد کے موقع محل سے بے خبر ہوں گے اور صرف اپنے اقتدار کو برقرار رکھنے کے لیے تلواریں چلائیں گے اور یہ وہی لوگ تھے جو امیرالمومنینؑ کو برا کہنے اور برا سمجھنے میں خوارج سے بھی بڑھے ہوئے تھے۔ لہذا جو خود گم کردہ راہ ہوں انھیں دوسرے گمراہوں سے جنگ و قتال کا کوئی حق نہیں پہونچتا اور نہ جان بوجھ کر گمراہیوں میں پڑے رہنے والے اس کے مجاز ہو سکتے ہیں کہ بھولے سے بے راہ ہو جانے والوں کے خلاف صف آرائی کریں۔ چنانچہ امیرالمومنینؑ کا یہ ارشاد واضح طور سے اس حقیقت کو واشگاف کرتا ہے کہ خوارج کی گمراہی جان بوجھ کر نہ تھی بلکہ شیطان کے بہکانے میں آکر باطل کو حق سمجھنے لگے اور اسی پر اڑ گئے اور معاویہ اور ان کی جماعت کی گمراہی کی یہ صورت تھی کہ انہوں نے حق کو حق سمجھ کر ٹھکرایا اور باطل کو باطل سمجھ کر اپنا شعار بنائے رکھا اور دین کے معاملہ میں ان کی بیباکیاں اس حد تک بڑھ گئی تھیں کہ نہ انھیں غلط فہمی کا نتیجہ قرار دیا جا سکتا ہے اور نہ ان پر خطائے اجتہادی کا پردہ ڈالا جا سکتا ہے جبکہ وہ اعلانیہ دین کے حدود کو توڑ دیتے تھے اور اپنی رائے کے سامنے پیغمبرؐ کے ارشاد کو درخور اعتنا نہ سمجھتے تھے۔ (ترجمہ نہج البلاغہ مفتی جعفر حسین مطبوعہ لاہور)

امیر معاویہ نے دین و شریعت اور خدا اور رسولؐ کے ارشادات کی کس طرح دھجیاں اڑائیں، اس کا مختصر سا تذکرہ ہم حضرت امیرالمومنینؑ حصہ ثالثہ کے آخری صفحات پر کر چکے ہیں، ناظرین ایک نظر پھر اسے دیکھ لیں۔

بارہواں باب

جنگ نہروان کے بعد

خوارج کا فتنہ بڑی حد تک فرو ہوگیا، بڑے بڑے سردار مارے گئے اور اب بظاہر امیرالمومنینؑ کی فوجوں کو شام کی طرف پیش قدمی کرنے میں عُذر کی کوئی گنجائش نہ تھی لیکن جس طرح جنگ صفین کا خاتمہ فتنہ تحکیم کی تباہی و بربادی پر ہوا اسی طرح یہ جنگ نہروان بھی اپنے بعد کے لیے ہولناک مصائب کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔ امیرالمومنینؑ کو دونوں لڑائیوں کے خاتمہ پر لشکر والوں کی سرکشی، باہمی اختلاف، لڑائی سے گریز، پست ہمتی اور بزدلی کا سامنا کرنا پڑا۔ صفین میں لشکر والوں نے قرآن نیزوں پر بلند دیکھ کر اپنے ہاتھ روک لیے اور اچھی خاصی جیت ہار سے بدل گئی، یہاں نہروان میں اتنی شاندار فتح یابی کے بعد آگے بڑھنے سے لشکر والوں کے قدم رک گئے اور جو اصل مقصد لے کر کوفہ سے نکلے تھے یعنی شام پہونچ کر دشمن کی سرکوبی اس سے جان بوجھ کر آنکھیں بند کرلیں۔

امیرالمومنینؑ نے جنگ سے فارغ ہونے کے بعد لشکر والوں کے سامنے تقریر کی، حمد وثنائے الٰہی کے بعد ارشاد فرمایا:

''خداوند عالم نے تمھیں بڑی شاندار فتح عنایت کی ہے، خوارج پر تم کو غلبہ عنایت کیا اب تم فوراً ہی شام کے دشمنوں کی طرف چل پڑو۔''

لشکر والوں نے عرض کی:

''امیرالمومنینؑ ہمارے تیر ختم ہو گئے، تلواریں کند ہوگئیں، نیزوں کی سنانیں بیکار ہوگئیں، خوارج کی جنگ سے تھکے بھی ہوئے ہیں، آپ فی الحال کوفہ واپس چلیں تاکہ کسل رفع ہو جائے اور سامان جنگ بھی درست ہو جائے اور کیا عجب ہے کہ اور لوگ بھی ہمارے ساتھ ہو جائیں، اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ دشمنوں کے مقابلہ میں ہماری قوت زیادہ ہوگی۔''

امیرالمومنینؑ نے پھر اصرار کیا:

''شام کی طرف بڑھے چلو، واپسی کا خیال نہ کرو، اس صورت میں سوا نقصان کے کچھ حاصل نہ ہوگا۔''

لشکر والوں نے کہا:

''حضور سردی بہت سخت ہے۔''

امیرالمومنینؑ نے فرمایا:

''شام والوں کو بھی تو اسی سردی کا سامنا ہے''

لشکر والے اب بھی نہیں مانے اور ان کا جواب انکار ہی میں رہا۔

امیرالمومنینؑ نے فرمایا:

''وائے ہو تم لوگوں پر، یہ پرانی عادت ہے،، بنی اسرائیل نے بھی جناب موسیٰؑ کو یہی جواب دیا تھا۔ اے موسیٰ وہاں بڑے سرکش لوگ ہیں ہم وہاں ہرگز نہ جائیں گے جب تک وہ لوگ وہاں سے ہٹ نہ جائیں گے، اگر وہ لوگ چلے گئے تو ہم وہاں جائیں گے۔''

کچھ لوگوں نے عرض کی:

''امیرالمومنینؑ ہم لوگ بری طرح زخمی ہوئے ہیں، آپ کوفہ چلئے اور وہاں کچھ دن قیام کیجئے پھر وہاں سے شام چلئے گا خداوند عالم بہتری کرے گا۔''

امیرالمومنینؑ کے لیے اب چارۂ کار ہی کیا تھا۔ بادل ناخواستہ آپ کوفہ کی طرف واپس ہوئے۔ پھر بھی آپ کا دل آمادہ نہیں تھا کہ شام والوں کو زیادہ سنبھلنے کا موقع دیا جائے۔ آپ فوجوں کو لیے ہوئے کوفہ کے قریب نخیلہ پہونچ کر جو فوجی چھاؤنی تھا ٹھہر گئے تاکہ لوگ آرام کرلیں اور کوفہ جا کر اپنے بال بچوں کو دیکھ آیا کریں اور ان کی محبت میں رات کو گھر میں نہ رہیں اور چند روز بعد جب تھکان دور ہو جائے سامان سفر درست کر کے اہل شام سے جنگ کے لیے چلیں۔

یہی دوراندیشی کا تقاضا بھی تھا اور وقت کی ضرورت بھی، مگر لشکر والوں نے اس حکم کی بھی تعمیل نہیں کی۔ چند روز تک تو نخیلہ میں ٹھہرے رہے، پھر ایک ایک کر کے اپنے گھروں میں پہونچتے گئے۔ ساری چھاؤنی خالی ہوگئی، جو لوگ چلے گئے تھے وہ پھر واپس نہیں ہوئے، جو باقی رہ گئے تھے وہ جانے کے لیے بیتاب تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ امیرالمومنینؑ تنہا رہ گئے اور آپ کے ساتھ گنتی کے چند رفقاء انصار اور سرداران فوج۔ مجبوراً امیرالمومنینؑ بھی چھاؤنی سے اٹھ کر کوفہ آرہے، یہاں آ کر آپ نے پھر لشکر والوں کو اکٹھا کیا اور ان کے سامنے تقریر کرتے ہوئے فرمایا:

''لوگو! دشمن سے جنگ کے لیے کمر بستہ ہو جاؤ کہ ان سے جہاد خدا کی خوشنودی اور اس کے تقرب کا ذریعہ ہے۔ ایسے لوگوں سے مقابلہ ہے جو راہ حق چھوڑ کر وادی خلافت میں گمراہ ہیں۔ قرآن کے حکم سے بے خبر احکام الٰہی کو چھوڑ کر اپنی سرکشی و گمراہی میں بھٹکتے پھرتے ہیں۔ ایسی قوم سے جہاد کے لیے جتنا ہو سکے قوت و طاقت مہیا کرلو آلات حرب اور سواریاں وغیرہ درست کرلو اور خدا پر بھروسہ کر کے اہل شام کی طرف روانہ ہو، اللہ تمہارا وکیل و کفیل ہے۔''

اس تقریر کا بھی کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔ لشکر والے خاموش بیٹھے سنا کیے کسی نے بھی چلنے پر آمادگی ظاہر نہ کی۔ آپ نے پھر کچھ دنوں کے لیے ڈھیل دیدی۔ جب ان کے سکوت کا سلسلہ طویل ہوتا گیا اور ان میں حرکت پیدا نہ ہوئی تو آپ نے ایک دن لشکر کے

روساء و امرا کو بلا کر تاخیر کا سبب پوچھا۔کسی نے حیلے بہانے کیے،کسی نے ظاہر داری برتی ۔بہت کم ایسے لوگ تھے جو خوشی خاطر جانے پر تیار تھے۔امیر المومنین کو تاب صبر نہ رہی اور آپ نے غیظ و غضب میں بھر کے فرمایا:

''حیف ہے تم پر میں تمھیں ملامت کرتے کرتے بھی اکتا گیا ہوں ۔کیا تمھیں آخرت کے بدلے دنیوی زندگی اور عزت کے بدلہ ذلت ہی گوارا ہے،جب تمھیں دشمنوں سے لڑنے کے لیے بلاتا ہوں تو تمھاری آنکھیں اس طرح گھومنے لگ جاتی ہیں کہ گویا تم موت کے گرداب میں ہو اور جان کی غفلت اور مدہوشی تم پر طاری ہے،میری باتیں جیسے تمھاری سمجھ ہی میں نہیں آتیں ،تم ششدر رہ جاتے ہو۔معلوم ہوتا ہے جیسے تمھارے دل و دماغ پر دیوانگی کا اثر ہے کہ تم عقل سے کام نہیں لے سکتے تم ہمیشہ کے لیے مجھ سے اپنا اعتماد کھو چکے ہو،نہ تم کوئی قوی سہارا ہو کہ تم پر بھروسہ کر کے دشمنوں کی طرف رخ کیا جائے اور نہ تم عزت و کامرانی کے وسیلے ہو کہ تمھاری ضرورت محسوس ہو،تمھاری مثال تو ان اونٹوں کی سی ہے جن کے چرواہے گم ہو گئے ہوں ،اگر انھیں سمیٹا جائے تو دوسری طرف سے تتر بتر ہو جائیں گے ۔خدا کی قسم تم جنگ کے شعلے بھڑکانے کے لیے بہت بُرے ثابت ہوئے ہو، تمھارے خلاف سب تدبیریں ہوا کرتی ہیں اور تم دشمنوں کے خلاف کوئی تدبیر نہیں کرتے،تمھارے (شہروں کے) حدود دن بدن کم ہوتے جا رہے ہیں مگر تمھیں غصہ نہیں آتا،وہ تمھاری طرف سے کبھی غافل نہیں ہوتے اور تم ہو کہ غفلت میں سب کچھ بھولے ہوئے ہو۔خدا کی قسم میں تمھارے متعلق یہی گمان رکھتا ہوں کہ اگر جنگ زور پکڑے اور موت کی گرم بازاری ہو تو تم ابن ابی طالب سے اس طرح کٹ جاؤ گے جسطرح بدن سے سر (کہ دوبارہ پلٹنا ممکن ہی نہ ہو) جو شخص کہ اپنے دشمن کو اپنے اوپر اس طرح قابو دیدے کہ وہ اسکی ہڈیوں سے گوشت اتارلے اور ہڈیوں کو توڑ دے اور کھالوں کو پارہ پارہ کر دے تو اس کی عاجزی انتہا کو پہونچی ہوئی ہے اور سینے کی پسلیوں میں گھرا ہوا دل کمزور و ناتوان ہے ۔اگر تم ایسا ہونا چاہتے ہو تو ہوا کرو لیکن میں اس وقت تک نہ ہونے دوں گا جب تک مقام مشارف کی (تیز دھار) تلواریں نہ چلالوں کہ جس سے سر کی ہڈیوں کے پرخچے اڑ جائیں اور بازو اور قدم کٹ کٹ کے گرنے لگیں ،اسکے بعد جو اللہ چاہے وہ کرے۔

اے لوگو!ایک تو میرا حق تم پر ہے اور ایک تمھارا حق مجھ پر ہے کہ میں تمھاری خیر خواہی پیش نظر رکھوں اور بیت المال سے تمھیں پورا پورا حصہ اور تمھیں تعلیم دوں تاکہ تم جاہل نہ رہو اور اسطرح تمھیں تہذیب سکھاؤں جس پر تم عمل کرو اور میرا تم پر یہ حق ہو کہ بیعت کی ذمہ داری کو پورا کرو اور سامنے اور پس پشت خیر خواہی کرو،جب بلاؤں تو میری صدا پر لبیک کہو اور جو حکم دوں اسکی تعمیل کرو۔(سیرۃ علویہ شاہ محمد علی حیدر کاکوروی،ترجمہ نہج البلاغہ مفتی جعفر حسین مطبوعہ لاہور)

افسوس کہ امیر المومنینؑ کی یہ آواز بھی صدا بہ صحر ثابت ہوئی اور لشکر والے ٹس سے مس نہ ہوئے ۔تقریر سن کر سارا مجمع اپنے اپنے گھروں کی طرف روانہ ہو گیا،کسی نے بھی آپکی حامی نہ بھری ،نہ وہ لڑنے کے لیے نکلے نہ اسکی تیاری کی ،جہاد کے لیے روانگی تو

الگ رہی، روانگی کا ارادہ تک انھوں نے ظاہر نہ کیا۔ وہ اپنے شہر ہی میں ٹھہرے، روز مرہ کی زندگی میں مشغول رہے، پورے اطمینان اور دل جمعی کے ساتھ گویا انھیں کوئی مہم اب درپیش ہی نہ تھی اور نہ انھیں شہر میں آنے کی اجازت اس شرط پر ملی تھی کہ گھر پہونچ کر لڑائی کی پوری تیاری کریں گے۔

ڈاکٹر طہٰ حسین کوفہ والوں کی اس تساہلی کی توجیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''لیکن وہ چیز جس کو نہ علیؑ نے سوچا نہ کوئی دوسرا اس دن متوجہ ہوا یہ بات تھی کہ یہ تین ہزار خارجی جو جنگ نہروان میں مارے گئے سب کے سب عراق کے تھے، ان میں اکثریت کوفہ والوں کی تھی اور تھوڑے سے بصرہ کے لوگ تھے اور ان خارجیوں میں کوئی ایسا نہ تھا جس کا تعلق کوفہ یا بصرہ کے کسی خاندان سے نہ ہو۔ ان خارجیوں کے بہت سے ہم خاندان و ہم قبیلہ علیؑ کے لشکر میں تھے اور انھیں نے ان خارجیوں کو قتل کیا، مثلاً عدی ابن حاتم نہروان میں علیؑ کے ساتھ اور ان کا لڑکا زید خارجیوں کے ساتھ قتل ہوا اسی طرح بہت سے عزیز رشتہ دار تھے کہ اس دن بعض نے بعض کو قتل کیا۔ یہ ٹھیک ہے کہ وہ مذہبی جذبہ ہی تھا جس نے رشتہ دار کو رشتہ دار سے آمادہ جنگ کیا۔ خوارج بھی مذہبی جذبہ ہی کے تحت لڑے اور علیؑ کے ہمراہی بھی مذہبی جذبہ ہی کے تحت، سب اپنے اپنے نزدیک خلوص نیت سے جنگ میں شریک اور حق کی حمایت پر کمر بستہ رہے لیکن بہر حال وہ سب کے سب آدمی تھے اور ان کے دل میں بھی حزن واندوہ کی ویسی ہی لہریں اٹھتی تھیں جو عام آدمیوں کے دل میں بیٹے بھائی اور دوست کے بچھڑنے پر اٹھتی ہیں اور ان کے دل میں بھی غم وغصہ کا ویسا ہی طوفان اٹھتا تھا جیسا کہ ہر عرب کے رہنے والے کے دل میں، بیٹے بھائی اور دوست کے مارے جانے پر اٹھتا ہے۔ وہ بھی ویسا ہی محسوس کرتے تھے جیسا زمانہ جاہلیت کا وہ شاعر محسوس کرتا تھا جس کا شعر ہے:

فان اك قد بردت بهم غليلى   فلم اقطع بهم الا بنانى

اگرچہ میں نے انھیں تہ تیغ کر کے اپنے دل کی آگ ٹھنڈی کر لی ہے لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ میں نے خود اپنے ہی ہاتھ کاٹے ہیں اور جیسا دوسرا شاعر محسوس کرتا تھا۔

قومى هم قتلو ا اميم اخى   فاذا رميت اصابنى سهمى

فلئن عفوت لا عفون جلالا   ولئن سطوت لا وهنين عظمى

میری قوم والوں ہی نے میرے بھائی کو قتل کیا ہے اب اگر میں ان پر تیر چلاؤں تو الٹا وہی تیر مجھے لگے گا اور اگر میں درگذر کروں تو یقیناً عظیم ترین جرم سے درگذر کروں گا اور اگر میں حملہ کر بیٹھوں تو اس سے اپنی ہی ہڈیاں کمزور ہوں گی۔

جنگ جمل میں کوفہ والوں کو بڑی مسرت ہوئی تھی کہ انھوں نے بصرہ والوں پر فتح حاصل کی اور اسی فتحیابی نے ان میں اتنی

ہمت پیدا کر دی کہ وہ شام والوں پر چڑھ دوڑے لیکن اس جنگ نہروان میں کوفہ والوں نے کوفہ والوں کو قتل کیا۔(۱) بصرہ والوں نے بصرہ والوں کو لہٰذا اس جنگ دلوں میں حزن واندوہ کا ہیجان پیدا ہوا اور ان کے نفوس کو رنج واندوہ نے ڈھک لیا ہو تو کوئی تعجب نہیں اور نہ اس میں کوئی تعجب ہے کہ علیؑ نے انھیں شام چلنے کی دعوت دی ہو اور ان کے سرداروں نے حیلے بہانے کیے ہوں، بعض ان میں سچے ہوں بعض مکار و کاذب۔

(۱): ڈاکٹر صاحب نے اہل عراق کی تساہلی کے جو اسباب وعوامل لکھے ہیں ان میں کئی ایک ہمارے نزدیک محل نظر ہیں۔

صرف جنگ نہروان ہی میں یہ صورت نہ تھی کہ بھائیوں نے بھائیوں کو قتل کیا، باپ نے بیٹے کو اور دوست نے دوست کو، یہ تو شروع ہی سے چلا آرہا تھا ۔ جنگ جمل میں بھی یہی صورت ہوئی اور جنگ صفین میں بھی۔

جنگ جمل کے متعلق پہلے تو یہ کہنا ہی غلط ہے کہ اس میں ایک طرف کوفہ والے تھے اور دوسری طرف بصرہ والے کیونکہ حضرت عائشہ اور امیر المومنینؑ دونوں کے لشکروں میں دونوں جگہ کے لوگ تھے کم یا زیادہ، خود ڈاکٹر طہٰ حسین جنگ صفین کے سلسلہ میں لکھ چکے ہیں: ویجب ان نذ کر ایضاً ان علیاً لم ینهض الی انشامه باهل الکوفة ومن تابعة باهل الحجاز وحدهم وانما نهض کذالك بالوف من اهل البصرة وکان منهم من وفی له یوم الجمل وکان من اعتزل الناس فی ذالك الیوم۔

علی جنگ صفین میں کوفہ یا حجاز ہی کے فرمانبرداروں کو لے کر نہیں گئے بلکہ آپ کے ہمراہ بصرہ کے بھی ہزاروں آدمی تھے ان میں کچھ تو وہ تھے جنھوں نے بصرہ میں وفاداری کا حق ادا کیا تھا اور کچھ وہ تھے جو اس دن کنارہ کش رہے (الفتنة الکبریٰ جلد دوم ص ۸۹) اور دوسرے یہ کہ کوفہ و بصرہ والے ایک دوسرے کے غیر نہ تھے بلکہ ہم قوم وہم قبیلہ تھے۔ سکونت بدل جانے کی وجہ سے انکی آپس کی فتنہ واریاں نہ ختم ہوگئیں تھیں خود ڈاکٹر طہٰ حسین جنگ جمل کے سلسلہ میں لکھتے ہیں وکان الافراد من اهل البصرة نون عسکر علی یأتی الربعی من اهل البصرة قومه من ربیعة الکوفة ویأتی المضری قومة المضر بین ویأتی الیمنی قومه الیمنیة۔ بصرہ والے علی کے لشکر میں آتے جاتے، بصرہ کے خاندان ربیعہ والے کوفہ کے ربیعہ والوں کے پاس آتے بصرہ کے مضر والے کوفہ کے مضر والوں کے پاس آتے بصرہ کے یمنی لوگ کوفہ کے یمنیوں کے پاس آتے۔

غرضکہ بصرہ کوفہ کے لوگ ایک دوسرے کے غیر نہ تھے بلکہ ہم قوم وہم قبیلہ اور عزیز و رشتہ دار تھے مگر بقول ڈاکٹر طہٰ حسین چونکہ دونوں طرف کے لوگ مذہبی جذبہ کے تحت خلوص نیت سے جنگ میں شریک اور حق کی حمایت پر کمر بستہ تھے، اس لیے جنگ کے موقع پر کسی نے ایک دوسرے کا خون بہانے سے دریغ نہ کیا، جمل کے بعد صفین کی لڑائی پیش آئی، یہاں بھی یہی صورت تھی، بھائی بھائی میں جنگ ہوئی باپ بیٹوں میں جنگ ہوئی اور دوست دوست میں ہوئی، اگر امیر المومنینؑ کے لشکر میں قریشی، ربعی، مضری، اور یمانی لوگ تھے تو معاویہ کے لشکر میں بھی۔ پھر ایک دو دن لڑائی نہ ہوئی بلکہ ۹۰ لڑائیاں ہوئیں اور سو دو سو آدمی نہیں مقتول ہوئے بلکہ ایک طرف ۲۵ ہزار تو دوسری طرف ۴۵ ہزار افراد موت کے گھاٹ اترے۔

تو جو نوبت جنگ نہروان میں آئی جس میں تین ہزار افراد مقتول ہوئے وہی نوبت اس سے پہلے جنگ جمل میں آجانی چاہیے تھی جہاں دس بارہ ہزار آدمی قتل ہوئے اگر وہ تین ہزار خوارج ان کے عزیز رشتہ دار تھے تو یہ دس بارہ ہزار جمل کے مقتولین بھی ان کے عزیز رشتہ دار تھے یہی صورت جنگ صفین میں تحکیم کے پہلے آجانی چاہیے تھی کہ کوفہ والوں نے اپنے ہزاروں عزیزوں رشتہ داروں کو قتل کیا تھا۔ آخر یہ نہروان کی لڑائی ختم ہوتے ہی کوفہ والوں پر رنج واندوہ کیسے پھٹ پڑے کہ امیر المومنینؑ لاکھ لاکھ سمجھاتے ہیں مگر وہ ٹس سے مس نہیں ہوتے۔ زیادہ نہ سہی تو کم سے کم تھوڑے ہی سے رنج وملال کا اظہار جنگ جمل میں ہوتا، جنگ صفین میں (معاویہ کے قریب کے پہلے) ہوتا جہاں تین مہینہ تک موت کا بازار گرم رہا۔ جنگ نہروان شروع ہونے سے پہلے انھیں احساس ہوتا کہ یہ خارجی ہی سہی مگر ہمارے ہی قوم وقبیلہ کے ہیں۔ امیر المومنینؑ تو پہلے ہی سے کہہ رہے تھے کہ خوارج کو چھوڑو شام کی طرف چلو کہ اصل دشمن وہاں ہے، ان خارجیوں کو آج نہ سہی تو کل عقل آجائیگی اور

جب شام کا فتنہ مٹ جائیگا تو یہ خود ہی راہ راست پر آجائیں گے مگر خود ان ہی عراق والوں نے امیر المومنینؑ کو مجبور کیا کہ حضور پہلے ان سے نپٹ لینا ضروری ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہمارے پیچھے ہمارے گھر والوں پر حملہ کر بیٹھیں اور ہمارے مال و اسباب لوٹ لیں، اہل و عیال کو ختم کر ڈالیں تو کہاں ان عراق والوں کی ان خوارج سے اتنی بے زاری کہ انہوں نے شام والوں سے پہلے ان سے دو ہاتھ کر لینا ضروری سمجھا اور کہاں انھیں خوارج کی محبت ان کے دل میں ایسی امنڈ آئی کہ جنگ ختم ہوتے ہی ان کے سوگ میں بیٹھ رہے اور ان کے صدمہ میں اصل دشمن ہی بھول بیٹھے۔

پھر یہی صدمات اعزہ کی ہلاکت، دوستوں کی مفارقت، بیٹے بھائی کی موت شام والوں کو بھی تو دیکھنی پڑی، اعداد و شمار اگر جنگ صفین کے مقتولین کے اکٹھا کیے جائیں تو ان کے نقصانات کہیں زیادہ نظر آتے ہیں بہ نسبت عراق والوں کے لیکن ہمیں کوئی تاریخ نہیں بتاتی کہ شام والوں نے اپنی اس تباہی و بربادی کے بنا پر معاویہ کے حکم سے ایک مرتبہ بھی سرتابی کی ہو، ان کی فرمانبرداری و مستعدی جیسی اول دن رہی ویسی ہی آخری دن تو آخر کوفہ و شام والوں کی کیفیتوں میں اس فرق کی کیا وجہ تھی؟۔

اصل بات یہ ہے کہ پیغمبرؐ کے انتقال کے بعد ۲۵ برس کے عرصہ میں مسلمانوں کی نظریں اس قدر زنگ آلود ہو چکی تھیں کہ ان میں حق کی حمایت کا وہ جوش و خروش ہی باقی نہ رہا جو پہلے تھا۔ رسول اللہ کی زندگی میں مسلمان اسی وقت تلوار اٹھاتے تھے جب دشمن ان پر حملہ آور ہوتا تھا۔ کفار و مشرکین پہل کر بیٹھتے تھے۔ پیغمبرؐ کے انتقال کے بعد پرائے ملکوں پر جتنی چڑھائیاں ہوئیں وہ صرف توسیع مملکت اور دنیا بھر کے مال و دولت کو اپنے گھروں میں لا ڈالنے کے لیے ہوئیں۔ جبتک ان کا گھر بھرتا رہا حاکم وقت کے دست و بازو بنے رہے اور جب حکومت کی طرف سے کمی ہونے لگی اور حضرت عثمان نے صرف اپنے عزیزوں کے گھر بھرنے شروع کیے تو وہی تلواریں ان کے مقابلے میں کھنچ گئیں۔ اور اب امیر المومنینؑ کی نصرت حمایت میں ان کی سستی و تساہلی بھی اسی بنا پر تھی کہ ان کی امیدیں بر نہ آئیں وہ توقعات پورے نہ ہوئے جو حضرت عثمان کی ہلاکت سے انھوں نے قائم کر رکھے تھے۔

معاویہ ان لوگوں کی دکھتی ہوئی رگ سے واقف تھے لہذا انھوں نے کوفہ والوں کو انکے گھر بیٹھے ہی مال و دولت سے مالا مال کر دیا کہ جب پیٹ بھرا رہے گا تو خواہ مخواہ آرام کی سوجھے گی۔ معاویہ جنگ صفین میں ایک تجربہ کر چکے تھے۔ شام کے بھرے ہوئے خزانے کو پہلے آلہ کار بنایا گیا تھا۔ وہ لوگ اب بھی علیؑ کے لشکر میں موجود تھے اور امیر المومنینؑ سے کٹ کر اسی لیے شام گئے تا کہ امیر المومنینؑ کی تیاریوں پر نظر رکھیں اور اپنی تدبیروں سے ان کو بیکار بناتے رہیں۔

فیصلہ تحکیم کے بعد شام کی طرف روانگی کی پوری تیاری ہو چکی تھی لیکن ان لوگوں نے اپنی چالبازیوں سے امیر المومنینؑ کو مجبور کر دیا کہ شام کی طرف جانے کا ارادہ ملتوی کر کے پہلے خوارج سے نپٹیں اور جب خوارج سے فراغت ہو گئی اور اب تھکن اور اسلحوں کے ختم ہو جانے کا عذر کر کے ایسی صورت پیدا کر دی کہ پھر شام جانے کی نوبت نہیں آئی۔

بیروت کا مورخ عمر ابو النصر لکھتا ہے:

''ان لوگوں میں جو نہروان کے بعد (کوفہ) جانے کے لیے بیتاب تھے، اشعث بن قیس پیش پیش تھا۔ جنگ صفین کے واقعات میں ہم اس کا تذکرہ تفصیل سے کر چکے ہیں، کچھ بعید نہیں کہ یہ شخص معاویہ کے معیدین اور ساتھیوں میں سے ہو اور حضرت علیؑ کے ساتھ رہنے سے اس کا مقصد محض آپ کو نقصان پہونچانا ہو کیونکہ اگر یہ واقعتاً لڑائی کا خواہشمند نہ تھا تو حضرت علیؑ کے ساتھ نکلنے کا کیا مقصد ہو سکتا ہے۔'' (خلفائے محمد عمر ابو النصر ترجمہ مولوی محمد احمد پانی پتی)

وہ جو کسی نے کہا ہے بد اچھا ہے بدنام برا، اشعث کا تو نام ہی بدنام ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ امیر المومنینؑ کے لشکر میں اشعث جیسے معاویہ کے زرخرید بہتیرے تھے۔ حقیقی اسباب اہل کوفہ کی تساہلی کے وہی تھے جنھیں خود ڈاکٹر طہٰ حسین نے بعد میں ذکر کیا ہے۔ ایک تو معاویہ کی طرف سے رشوت میں تحفے تحائف اور بخشش و عطایا کی ریل پیل، دوسرے امیر المومنینؑ کا محیر العقول عادلانہ برتاؤ کہ مقبوضہ ممالک سے جو کچھ مال خراج وغیرہ حاصل ہوتا سب وہ برابر تقسیم کر دیتے اور انھیں گھر بیٹھے وہ سب کچھ مل جاتا جو جنگ میں جانے کے بعد ملتا۔

آپ نہ شریف کو رزیل پر ترجیح دیتے نہ عربی کو عجمی پر نہ رؤسا و سرداران قبائل سے وہ برتاؤ کرتے جو سلاطین ان کے ساتھ کیا کرتے، روپیہ پیسہ کے زد سے کسی کو اپنا ہمنوا بنانے کی آپ نے کوشش نہیں کی، معاویہ اس کے بالکل برعکس تھے اسی لیے لوگوں نے آپ سے آنکھیں چرانی شروع کر دیں اور

معاویہ کی طرف گردنیں اٹھا کر دیکھنے لگے۔امیر المومنینؑ نے مالک اشتر سے اپنے اصحاب کی پست ہمتی، جان چرانے اور معاویہ کے پاس بھاگ جانے پر ایک مرتبہ اپنے ملال کا اظہار کیا۔ مالک نے عرض کیا:

''امیر المومنینؑ ہم لوگوں نے بصرہ والوں سے کوفہ وبصرہ کے لوگوں کے ہمراہ جنگ کی، اس وقت تک لوگوں کی رائے ایک تھی، اختلاف اسکے بعد پیدا ہوا۔لوگ ایک دوسرے کے دشمن ہو گئے ان کی نیتیں کمزور ہوگئیں اور تعداد کم ہوگئی، آپ عدل وانصاف کو ہاتھ میں لیے رہے۔آپ ان کے ساتھ حق وانصاف کے ساتھ پیش آتے رہے، ذلیل کا حق آپ نے شریف سے لیا، جس کے نتیجہ میں شریف کی کوئی خصوصی منزلت آپ کے نزدیک نہیں رہی آپکے اس عادلانہ برتاؤ کو دیکھ کر ایک جماعت گھبرااٹھی اور آپ کے منصفانہ طرز عمل سے ان کے توقعات خاک میں مل گئے۔دوسری طرف انھوں نے معاویہ کو دیکھا کہ وہ اہل ثروت وعزت کے ساتھ خصوصی برتاؤ اور داد ودہش کرتے ہیں اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگوں کے دل دنیا کی طرف جھک پڑے اور دنیا کا طلبگار کون نہیں؟ اکثر لوگ باطل کے طلبگار اور دنیا کے خواہاں ہوتے ہیں۔امیر المومنینؑ اگر آپ بھی مال خرچ کریں تو لوگوں کی گردنیں آپ کی طرف جھک جائیں۔ان کی خیر خواہی خالص ہوجائے، محبت سچی ہو، آپ کے دشمن کا شیرازہ منتشر ہو۔

امیر المومنینؑ نے فرمایا:

''تم نے ہمارے طرز عمل اور عادلانہ روش کا جو ذکر کیا تو خداوند عالم فرماتا ہے: جو شخص نیک کام کریگا اپنے لیے کرے گا اور جو شخص برا کام کرے گا اس کا وبال بھی اسی پر ہوگا۔''

خداوند عالم اپنے بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں اور تم نے یہ جو ذکر کیا کہ حق ان لوگوں پر گراں ہے اور اسی وجہ سے ان لوگوں نے ہمارا ساتھ چھوڑ دیا ہے تو خداوند عالم بخوبی جانتا ہے کہ ان لوگوں نے ہمارے جور وظلم سے ہمارا ساتھ نہیں چھوڑا اور نہ ہم سے بھاگ کر عدل کے پاس گئے ہیں۔ان لوگوں نے محض دنیا کی طلب کی جو ان سے جلد زائل ہوجانے والی ہے ان سے قیامت کے دن ضرور پوچھا جائے گا کہ وہ دنیا کے طلبگار تھے یا خدا کے لیے عمل کرتے تھے۔اب رہ گیا تمھارا یہ کہنا کہ میں بھی مال خرچ کر کے لوگوں کو اپنا بناؤں تو ہمارے لیے ہرگز اسکی گنجائش نہیں کہ ہم مال خراج سے کسی کو اسکے حق سے زیادہ دیں۔خداوند عالم کا ارشاد ہے۔ کم من فئة قليلة غلبت فئة كثيرة باذن الله والله مع الصابرين بہت سی مختصر جماعتیں ہیں جو حکم خدا سے کثیر التعداد جماعتوں پر غالب ہوگئیں اور خدا صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔خداوند عالم نے جس وقت حضرت محمد مصطفیٰؐ کو مبعوث بہ رسالت کیا تو آپ تن تنہا تھے پھر آپ کی تعداد زیادہ ہوگئی اور خداوند عالم نے آپ کی جماعت کو ذلت کے بعد عزت عنایت فرمائی۔خداوند عالم کی اگر مرضی ہوگی کہ ہماری اس حکومت کو باقی رکھے تو وہ اس کی تمام دشواریوں کو دور اور تمام مشکلات کو آسان کردے گا۔میں تمھارے مشورہ سے وہ حصہ ضرور قبول کرونگا جس میں خدا کی خوشنودی ہوگی تم میرے نزدیک قابل اعتماد اور سب سے زیادہ خیر خواہ ہو۔(شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید)

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسی سلسلہ میں ہم بخاشی شاعر کا بھی تذکرہ کرتے چلیں کہ اسکی سرگزشت سے جہاں امیر المومنینؑ کے کیریکٹر پر روشنی پڑتی ہے وہاں ان اسباب کا بھی پتہ چلتا ہے کہ مسلمانوں کی اکثریت آپ کی نصرت سے کیوں گریزاں تھی۔''بخاشی ماہ رمضان کی پہلی تاریخ کو گھر سے نکلا، اس کا گذر ابی سمال اسدی کی طرف سے ہوا جو اپنے گھر میں بیٹھا ہوا تھا۔ابوسمال نے اسے دیکھ کر پوچھا کہ کہاں جارہے ہو۔اس نے کہا ذرا کناستہ تک جارہا ہوں ابوسمال نے اسے اکل وشرب کی دعوت دی، بخاشی نے کہا تم پر وائے ہو! رمضان کے پہلے ہی دن۔ابوسمال نے کہا یہ سب باتیں جانے بھی دو۔بخاشی نے پوچھا اسکے بعد کیا پروگرام ہے؟ ابوسمال نے کہا میں بہترین شراب پلاؤں گا جو طبیعت کو باغ باغ کردے گی۔بخاشی سواری سے اتر پڑا اور دونوں نے ناشتہ کیا پھر شراب آئی جسے جی کھول کر پیا، عصر کا وقت آتے آتے دونوں نشہ میں واہی تباہی بکنے لگے۔

ابوسمال کے پڑوسی نے امیر المومنینؑ کو اس واقعہ کی خبر دی۔آپ نے کچھ لوگوں کو بھیجا جنھوں نے آکر گھر کا محاصرہ کرلیا۔ابوسمال تو بھاگ نکلا مگر

بخاشی اسیر ہو گیا۔امیر المومنینؑ کی خدمت میں لایا گیا۔جب صبح ہوگئی تو امیر المومنینؑ نے بطور حد ۸۰ کوڑے لگوائے۔

صاحب کتاب الغارت نے روایت کی ہے کہ امیر المومنینؑ نے بخاشی کو جب کوڑے لگوائے تو اس پر کافی لوگ بگڑ گئے۔ان بگڑنے والوں میں سب سے نمایاں طارق بن عبداللہ بن کعب نہدی تھا۔اس نے امیر المومنینؑ کی خدمت میں آ کر کہا:

امیر المومنینؑ ہمارا خیال تو تھا کہ نافرمان و مطیع ،مخالف وموافق عادل حاکموں کے نزدیک جزا میں ایک جیسے نہیں مگر آپ نے ہمارے بھائی بخاشی کے ساتھ جو سلوک کیا ہے اس نے ہمارے دلوں میں آگ لگا دی ہے اور اس سے ہمیں یقین ہو گیا کہ کوئی آپ کا دشمن ہو یا دوست آپ کے نزدیک دونوں یکساں ہیں۔''

امیر المومنینؑ نے فرمایا:

وانہا لکبیرۃ الا علی الخاشعین۔بخاشی بھی تو مسلمانوں ہی کی ایک فرد ہے۔اس نے خدا کی حرمت ضائع کی،جس کی سزا میں ہم نے اس پر حد جاری کی جو اس کے لیے کفارہ ہو گئی۔ارشادالٰہی ہے **لایجر منکم شنان قوم ان لا تعدلوا اعدلوا ھو اقرب للتقویٰ** (اور تمھیں کسی قبیلہ کی عداوت اس جرم میں نہ پھنسوا دے کہ تم ناانصافی کرنے لگو،خبردار، بلکہ تم ہر حال میں انصاف کرو یہی پرہیزگاری سے قریب ہے۔

طارق امیر المومنینؑ کے پاس سے نکلا۔راستہ میں اشتر سے ملاقات ہوئی۔اشتر نے پوچھا طارق تم نے امیر المومنینؑ سے یہ کہا ہے کہ آپ نے ہمارے دلوں میں آگ لگا دی ہے۔طارق نے کہا ہاں، مالک نے کہا تم نے بالکل غلط کہا ہمارے سینے امیر المومنینؑ کے ارشادات کا یقین کرنے والے اور ہم لوگ آپ کی اطاعت میں بالکل متحد ہیں۔طارق نے بگڑ کر کہا اشتر جلد ہی پتہ چل جائیگا کہ ہم نے سچ کہا تھا یا تم سچ کہتے ہو۔

جب پردۂ شب حائل ہوا تو طارق و بخاشی بھاگ کر معاویہ کے پاس پہونچے۔جب یہ دونوں وہاں پہونچے تو چوبدار نے ان کے آنے کی معاویہ کو اطلاع دی،اس وقت اکابر شام معاویہ کے پاس بیٹھے تھے،جن میں عمر بن مرہ جہنی اور عمرو بن صیفی وغیرہ تھے۔جب طارق اور بخاشی معاویہ کے سامنے پہونچے تو معاویہ نے کہا:

''مبارک ہو آنا اس شخص کا جس کی شاخ ہری بھری ہے،جس کی جڑ گہری ہے،جو بغیر کسی کے بنائے پیدائشی سردار ہے،ایسا شخص جس سے لغزش و خطا یہ ہو گئی تھی کہ صاحب فتنہ اور سرگردہ ضلالت و گمراہی کا پیرو تھا۔''

طارق یہ سن کر اٹھ کھڑا ہوا اور کہا معاویہ میں بھی کچھ کہنا چاہتا ہوں خفا نہ ہونا۔پھر اس نے کہا:

''ہم جس بارگاہ میں تھے (امام تقی عادل کے حضور) وہاں ہم پیغمبرؐ کے عظیم المرتبت اور سرچشمہ رشد وہدایت اصحاب کے ساتھ تھے جو ہمیشہ ہدایت کا منارہ اور دین کے ستون رہے وہ نسلاً بعد نسلٍ ہدایت یافتہ اور دین والے رہے نہ کہ دنیا والے،تمام بھلائیاں انھیں لوگوں میں تھیں۔بڑے بڑے سرداروں نے اور شریف ومعزز گھرانے والوں نے ان کی پیروی کی،وہ اصحاب نہ تو ناکثین تھے نہ قاسطین،ہمارے ایسے لوگوں میں سے جس شخص نے بھی ان سے گریز کیا اور انکی صحبت سے بھاگا وہ صرف حق کی کڑواہٹ کی وجہ سے اور ان کے راستہ کے سنگلاخ ہونے کی وجہ سے ان بھاگنے والوں پر طمع دنیا کا غلبہ تھا اور ہوا وہوس کا تسلط واقتدار۔اے معاویہ! اگر ہم تمھارے پاس بھاگ آئے ہیں تو اس پر تمھیں اکڑنا نہ چاہیے۔

معاویہ کو انتہائی غصہ آیا لیکن انھوں نے غصہ کا اظہار نہیں کیا اور کہا:

''اے عبداللہ ہم نے جو کچھ کہا اس سے ہمارا مطلب یہ نہ تھا کہ ہم تمھیں بے نیل مرام رکھیں اور تمھارے ساتھ مدارات نہ کریں کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کرنے کا ارادہ کچھ ہو اور زبان سے کچھ نکل جائے۔

پھر معاویہ نے طارق کو اپنے ساتھ تخت پر بٹھالیا اور اسکی طرف پوری طرح متوجہ ہو کر باتیں کرنے لگے۔تھوڑی دیر کے بعد طارق وہاں سے

اٹھا اور اسی کے ساتھ عمرو بن مرہ اور عمرو بن صیفی بھی اٹھے تو ان دونوں نے برا بھلا کہنا اور لعنت ملامت کرنی شروع کی کہ تم نے معاویہ کے ساتھ اتنی گستاخانہ باتیں کیں۔ طارق نے کہا میں کیا کروں میں اپنے آپے ہی میں نہ رہا جب معاویہ اس شخص کو عیب لگانے لگے جو ان سے دنیا و آخرت دونوں میں بہتر ہے تو مجھے ایسا محسوس ہونے لگا کہ ایسی بات سننے سے بہتر ہے کہ میں زمین میں دھنس جاؤں۔''

تو طارق کا خیال تھا کہ عدل گستر حکام کے نزدیک فرمانبردار اور نافرمان، مخالف و موافق اپنے اعمال کی جزا و سزا میں برابر نہیں دونوں میں فرق ہے، نافرمان و مخالف سختی کا مستحق ہے اور فرمانبردار اور موافق ہر ممکن رعایت کا۔ اسے اپنی قوم کے متعلق ناز تھا کہ ہم امیر المومنینؑ کے فدائی اور آپ کے پر جوش حمایتی ہیں اسی لیے اسے توقع تھی کہ ہم لوگوں سے جو بھی غلطی یا خطا ہوگئی امیر المومنینؑ چشم پوشی سے کام لیں گے۔ جب اس نے دیکھا کہ جو برتاؤ اور سلوک عام مسلمانوں کے ساتھ ہوا کرتے ہیں وہی ہم لوگوں کے ساتھ بھی ہیں جو حضرتؑ کے دست و بازو ہیں تو یہ چیز اسے برداشت نہ ہوسکی اور اتنی ناگواری بڑھی کہ باوجود امیر المومنینؑ کے انتہائی طرفدار ہونے کے معاویہ سے جا کر مل گیا۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ طارق امیر المومنینؑ سے وابستہ رہنے کے باوجود آپ کو کچھ بھی نہیں سمجھ سکا۔ اسے پتہ ہی نہ چلا کہ امیر المومنینؑ کو بس ایک ہی چیز سے پیار ہے اور وہ حق و انصاف ہے۔ آپ اپنی زندگی کا واحد مقصد یہ سمجھتے ہیں کہ عدل و انصاف کی اشاعت ہو۔

یہی وہ راز ہے کہ چودہ سو برس گذرنے کے بعد علیؑ آج بھی زندہ اور قائم ہیں۔ حق کے ساتھ وابستگی کی وجہ سے آپ کی ذات وہ روشن منارہ ہے جو ہمیشہ بھولے بھٹکے ہوئے لوگوں کو راہ حق و انصاف دکھاتی رہے گی۔

امیر المومنینؑ طارق جیسے افراد کے جذبات سے ناواقف نہ تھے لیکن آپکے لیے گنجائش ہی کیا تھی؟ رعایا کے ساتھ پیش آنے میں آپ شریعت کے قیود کے پابند تھے، شریعت کی پیروی و اطاعت اپنا سب سے بڑا فریضہ سمجھتے تھے، یہی وجہ تھی کہ ایسے معاملات میں جہاں شریعت کا صریح حکم موجود ہوتا آپ اس حکم سے سرمو تجاوز نہیں کرتے، نہ اجتہاد سے کام لیتے نہ قیاس سے، کیونکہ خدا و رسول کے صریح حکم کے مقابلہ میں اجتہاد نہیں چلتا۔ امیر المومنینؑ دنیاوی امور کو بھی دینی امور کے مطابق رکھتے تھے اور تمام مسلمانوں کو ایک ساتھ ایک راستہ پر لیکر چلتے تھے، کسی کو آگے بڑھاتے تھے تو کتاب وسنت ہی کے ذریعہ اور گھٹاتے تو کتاب وسنت ہی کے ذریعہ۔ سیاست، ڈپلومیسی کے لیے آپ سے شریعت کی مخالفت ناممکن تھی۔

مستحقین سزا کو آپ اسی وقت سزا دیتے تھے جب آپ کے نزدیک یہ بات اچھی طرح پایہ ثبوت کو پہونچ جاتی کہ ملزم نے واقعی جرم کیا ہے، جرم سرزد ہونے سے پہلے کسی کو سزا نہیں دیتے تھے۔ تو امام اگرچہ اپنے پیروں کو اپنے دل میں جگہ دیتے تھے لیکن جب بھی ان کے خلاف شریعت حرکات کا اندازہ ہوتا تو بلا پس و پیش اپنے دل سے نکال باہر بھی کر دیتے تھے۔ اس بنا پر یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ طارق ایسے پیروان امیر المومنینؑ دشمن کے پاس جانے سے پہلے بھی جذباتی طور پر دشمن ہی کے ساتھ تھے، امیر المومنینؑ کا ساتھ چھوڑ کر انکا دشمن کے پاس چلا جانا بس ایسا ہی تھا جیسے کہ وہ ایک جگہ سے دوسری جگہ چلے گئے ہوں، اسی طرح اس کا برعکس بھی ہوسکتا ہے یعنی جو لوگ پہلے دشمن کے ساتھ تھے پھر اس کا ساتھ چھوڑ کر امیر المومنینؑ کے پاس چلے آئے وہ بھی جذباتی طور پر پہلے ہی سے امیر المومنینؑ کے ساتھ تھے۔

امیر المومنینؑ نے اسی مفہوم کی طرف اپنے اس فقرہ میں اشارہ فرمایا ہے:۔

انی و شیعتی فی میثاق اللہ لا یزد فینا رجل ولا ینقص الی یوم القیامہ۔

میں اور میرے شیعے میثاق الٰہی میں گنے چنے ہیں نہ کم ہوں گے نہ زیادہ قیامت تک۔ (الصراع بین الامور بین ومبادی الاسلام مصنفہ ڈاکٹر نوری جعفر مطبوعہ بغداد)

اسی کے ساتھ جب ہم اس بات کو بھی ملالیں کہ جب سے علیؑ مسند نشین خلافت ہوئے انھوں نے اسلامی لشکر کو اسی منحوس لڑائی میں مصروف رکھا جو رشتہ کو قطع کرنیوالی اور آپس کے تعلقات کو ختم کرنیوالی تھی۔ باپوں کی لڑائی بیٹوں سے، بھائیوں کی لڑائی

بھائیوں سے، دوست کی لڑائی دوست سے اور عزیز کی عزیز سے، لہذا ہمارا خیال یہ ہے کہ اگر عراق والوں کے نفوس میں تھکن عام ہوگئی ہو اور وہ اس لڑائی کو ناپسند کرنے لگے جس کا انجام حسرت واندوہ کے سوا کچھ نہ تھا تو عراق والوں کا کوئی قصور نہیں اور امام (علیؑ) کی بھی کوئی ملامت نہیں کی جاسکتی اور نہ کسی کے لیے ممکن ہی ہے کہ ان کی ملامت کرے۔ علیؑ بڑی سختی سے اسکے معتقد تھے کہ مسلمانوں کا فریضہ ہے کہ جتنا بس چلے حق کی مدد کریں چاہے اس کی راہ میں کتنی ہی مصیبتیں کیوں نہ جھیلنی پڑیں اور کتنے ہی شدائد کا کیوں نہ سامنا ہو۔ آپ کے اصحاب کے اعتقادات بھی ایسے ہی تھے اور ان کا کامل ایمان تھا اس پر کہ صحیح دینداری یہی ہے۔ اسی لیے انہوں نے جمل میں بھی اپنے سر دھڑ کی بازی لگائی اور صفین میں بھی۔ ان دو معرکوں کے بعد اب وہ ایک مرتبہ اور جان پر کھیلنے کے لیے تیار تھے اسی لیے وہ کوفہ سے نکلے اور شام کی طرف چلے بھی لیکن بیچ میں انھیں خوارج سے نپٹنا ضروری ہوگیا تا کہ ان کی پشت مظبوط رہے اور انکی عدم موجودگی میں ان کے اہل وعیال اور مال ومتاع کو کوئی گزند نہ پہونچے۔ لیکن نہروان میں انھیں شر ہی شر نصیب ہوا۔ عزیزوں کا خون پہلے ہی بہت بہہ چکا تھا، صدمے اور ملال پہلے ہی بہت اٹھا چکے تھے اس جنگ میں مزید صدمات سے دو چار ہوئے اور سیکڑوں رشتہ دار تہ تیغ ہوئے۔ اس کے علاوہ وہ لوگ ابوبکر وعمر کے زمانہ سے دیکھتے چلے آرہے تھے کہ لشکر غیر ممالک کی فتح کے لیے بھیجے جاتے تھے تا کہ اسلامی سلطنت کا دائرہ وسیع ہو اور علیؑ کی خلافت میں انھیں ایک مرتبہ نہیں کئی مرتبہ مسلمانوں سے برسر پیکار ہونا پڑا جس کے نتیجہ میں سوا اپنے نقصان کے کچھ حاصل نہ ہوا۔ وہ لوگ دیکھتے تھے کہ فتح کا سلسلہ رک گیا ہے، سلطنت کی سرحدیں ڈانوا ڈول ہو رہی ہیں روم والوں کی نظریں شام پر پڑ رہی ہیں اور معاویہ مال واسباب رشوت میں دیکر جان بچا رہے ہیں، مشرقی سرحدوں کو سنبھالنا بھی علیؑ کے عاملوں کے لیے دشوار ہو رہا ہے اگر کوئی بغاوت پھوٹ پڑتی ہے تو بڑی مشکل اور شدید دقتوں سے وہ بغاوت دبائی جاتی ہے۔

ان سب باتوں کے بعد وہ دیکھتے تھے کہ پیغمبرؐ کے بزرگ اصحاب لڑائی جھگڑے سے کنارہ کش گھر میں گوشہ نشین ہیں، مسلمانوں سے لڑنا انھیں پسند نہیں، ان میں بعض تو ایسے لوگ ہیں جنھوں نے اپنی تلواریں توڑ کر پھینک دی ہیں کیونکہ مسلمانوں کی تلواریں دشمنوں سے لڑنے کے لیے تھیں نہ کہ دوستوں سے لڑنے کے لیے۔ پھر یہ بھی حقیقت ہے کہ قوت ایمان، یقین، عزم محکم اور رائے کی پختگی میں ہر شخص علیؑ جیسا نہ تھا لہذا کوئی تعجب نہیں یہ تمام باتیں علیؑ کے ہمراہیوں کے لیے اکٹھا ہوگئی ہوں اور ان کے نفوس میں رنج واندوہ کا طوفان اٹھ کھڑا ہوا ہو، دل میں شک پیدا ہوا ہو اور ان کے ضمیر میں وہ مخفی ندامت پیدا ہوگئی ہو جو حیرت میں مبتلا کر دیتی ہے اور جسکی وجہ سے ہمت شکستہ اور ارادے کمزور ہو جاتے ہیں۔

ان سب کے علاوہ یہ بات بھی ہے کہ عراق والے صلح اور امن میں راحت واطمینان محسوس کرتے ہوں۔ وہ اپنے گھروں میں اطمینان سے بیٹھے رہتے، بغیر لڑے بھڑے مال خراج وافر تعداد میں حاصل ہوتا۔ علیؑ نے اُن کے ساتھ وہ طرز عمل اختیار کیا جو انھوں

نے کبھی دیکھا نہ تھا۔علیؑ نے عمر کو اسی طرز عمل کا مشورہ دیا تھا مگر عمر نے قبول نہ کیا لہذا لازمی بات تھی کہ علیؑ کے ہاتھوں میں جب زمام حکومت آئے تو وہ اسی طرز عمل کو اختیار کریں۔عمر نے جب لوگوں سے مشورہ لیا تھا کہ اتنا بے شمار مال وزر جو سرحدی ممالک سے خراج میں وصول ہوتا ہے کیا کیا جائے تو علیؑ نے اُنھیں مشورہ دیا کہ جو کچھ بھی مال وصول ہو وہ سب پیسہ پیسہ کر کے لوگوں پر تقسیم کر دیا جائے۔بیت المال میں کچھ بھی نہ رہے،عمر نے علیؑ کی بات نہیں مانی اور ان لوگوں کا مشورہ قبول کر لیا جنھوں نے رائے دی تھی کہ حساب کا محکمہ قائم ہو اور لوگوں کی تنخواہ مقرر کر دی جائیں۔

جب علیؑ کے ہاتھوں میں زمام حکومت آئی تو انھوں نے یہ وطیرہ اختیار کیا کہ جو کچھ آتا فوراً ہی تقسیم کر دیتے بس صرف اتنا روک لیتے جو رفاہ عامہ کے کاموں کے لیے ضروری ہوتا۔علیؑ کو اور کسی چیز سے اتنی نفرت نہ تھی جتنی مال جمع کرنے سے تھی،وہ اس معاملہ میں بڑی سختی برتتے تھے۔یہاں تک روایت کی جاتی ہے کہ بیت المال میں جھاڑو دلوا کر پانی چھڑکواتے پھر اس میں دو رکعت نماز پڑھتے،وہ ڈرتے تھے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ناگہانی طور پر موت آجائے اور بیت المال میں کچھ ایسا مال رہ جائے جو مستحقین کو نہ پہونچ سکے۔چنانچہ جب علیؑ کے پاس پھل لائے جاتے تو چاہے وہ کم ہو یا زیادہ اُسے بھی تقسیم کر دیتے،شہد یا زیتون اور اسی قسم کی اور بھی کوئی چیز آتی تو اسے بھی بانٹ دیتے۔یہاں تک کہ ایک دن اُنھوں نے سوئی اور دھاگا تک تقسیم کر دیا۔

اسی وجہ سے صلح وامن ان عراق والوں کو محبوب و پسندیدہ تھا جن کے یہاں سرحدی اور مشرقی ممالک سے جو مال خراج و غنیمت وغیرہ آتا وہ آتے ہی بٹ جاتا اور تھوڑا بہت جو کچھ حصہ ہوتا وہ گھر بیٹھے ہی مل جاتا۔

یہ صلح وامن انھیں بہر حال محبوب ہونا بھی چاہیے خصوصاً اس بے نتیجہ جنگ کے مقابلہ میں جس میں حاصل تو کچھ نہ ہوتا البتہ نقصان ہی سراسر ہوتا اور اس پر مزید یہ کہ اس جنگ میں اپنے ہی دوستوں عزیزوں کو اپنے ہاتھ سے قتل کرنا تھا۔

غرضکہ علیؑ کے ساتھی اسی راحت پسندی کی کیفیت میں رہے اور جب بھی انھیں جہاد کی دعوت دی جاتی وہ چپکی سادھ لیتے ۔اس پر طُرہ یہ ہوا کہ معاویہ نے اپنی سازشی کارروائیاں تیز کر دیں جن کے نتیجہ میں اُن کے مال و دولت میں اور اضافہ ہوا اور اُن کے سرداروافسران فوج صلح وسلامتی کو اور زیادہ پسند کرنے لگے۔معاویہ کے خطوط ان سرداران فوج کے پاس مسلسل آنے لگے جن میں اُن سے بہت بہت وعدے کیے جاتے،انھیں امیدیں دلائی جاتیں اور وعدوں اور امیدوں سے پہلے تحفے تحائف اور بخشش وعطایا پہونچ جاتے۔سو ۱۰۰ پیشگی بھیجتے تو ہزار کا بعد میں بھیجنے کا وعدہ ہوتا یہاں تک کہ معاویہ نے ان سرداروں کے ضمیروں کو خرید لیا اور اُن کو امام کے لیے خراب کر کے رکھ دیا اور اُنھیں بالکل منافق بنا کے چھوڑا۔زبان سے تو وہ اطاعت کا اظہار کرتے لیکن دل میں نافرمانی اور مدد نہ کرنے کا تہیہ چھپائے ہوتے اور اپنے ماتحتوں میں بھی وہ اسی نفاق کی اشاعت کرتے علیؑ اپنے نفس کے لیے مکر وفریب اور دھوکہ بازی کو بالکل جائز نہیں سمجھتے تھے۔وہ ان باتوں پر خالص دین کو ترجیح دیتے

تھے، وہ حق ہی پر جان دیتے چاہے اسکی راہ میں جتنی بھی مشقتیں اُٹھانی پڑیں، جہاں دینے کا محل نہ ہوتا ایک پیسہ نہ دیتے، نہ روپیہ سے لوگوں کی فرمانبرداری خریدنا چاہتے نہ رشوت کے ذریعہ مسلمانوں کے معاملات کو استوار کرنا پسند کرتے تھے۔ اگر علیؑ چاہتے تو ضرور مکروفریب سے بھی کام لے سکتے تھے لیکن اُنھوں نے دین کو ترجیح دی اور حق وصداقت، خدا اور مسلمانوں کے ساتھ اخلاق وخیرخواہی کے اتنا ہی پابند رہے جتنا ایک اعلیٰ کردار اور مثالی انسان کے لیے ضروری ہے، اُنھوں نے نہ فریب کیا نہ دھوکہ بازی۔

علیؑ کی زندگی جنگ نہروان کے بعد ایک مسلسل مصیبت بن گئی اور مصیبت ایسی جو انتہائی جانکاہ تھی وہ حق کو مثل آفتاب کے روشن دیکھتے تھے اپنے ساتھیوں میں وہ قوت وطاقت، تعداد اور ساز وسامان بھی پاتے تھے جس کے ذریعہ اس حق تک پہونچنا اور اعلائے کلمہ حق کا بلند کرنا ممکن تھا لیکن وہ اپنے اصحاب کو دیکھتے کہ وہ اپنے حق کو حاصل کرنے میں تساہلی برت رہے ہیں اور آپ کی نصرت ویاری سے گریزاں ہیں۔ وہ بلائے جاتے ہیں مگر آتے نہیں، انھیں حکم دیا جاتا ہے مگر وہ اطاعت نہیں کرتے نصیحت کی جاتی ہے مگر وہ نصیحت حاصل نہیں کرتے، انھیں زندگی سے پیار ہوگیا ہے اور موت سے نفرت ہے، عافیت پسند ہیں اور لڑائی سے دل تنگ ہیں، راحت میں مزے لیتے ہیں اور تعب سے گھبراتے ہیں۔ یہاں تک کہ نوبت یہ آپہونچی کہ معاویہ عراق اور دیگر محروسہ ممالک پر لوٹ مار اور قتل وغارت کرنے لگے۔ علیؑ نے انھیں بار بار پکارا مگر اُنھوں نے جواب نہ دیا، مسلسل احکام دیے مگر ان احکام کی اطاعت نہ کی، وہ کہتے ہیں مگر سوا گنتی کے اصحاب کے کوئی سنتا نہیں، وہ چند اصحاب کے بھی بنائے کچھ نہیں بنتی۔

آپ سمجھتے تھے کہ پیغمبرؐ کی وفات کے بعد خلافت آپ ہی کا حق تھا، لیکن جب یہ خلافت آپ سے پھیر لی گئی اور دوسرے لوگ خلیفہ ہو گئے تو آپ نے صبر سے کام لیا۔ اب اتنے عرصے کے بعد آپ کے پاس خلافت آئی بھی تو خراب وخوار اور ستیا ناس ہو کر۔ ایک بڑے ناپسندیدہ فتنہ کے بعد آپ تک پہونچی اور آپ کو اور آپ کے اصحاب کو شدید ترین پریشانیوں میں گرفتار کرگئی اور آپ کو ایسے موقف پر لا کھڑا کیا جو ہر عزت دار اور ہر صادق الایمان مومن کو انتہائی ناگوار ہونا چاہیے یعنی ایسے امام کا موقف جس کی اطاعت نہ کی جاتی ہو، جو حق کو چاہتا ہو مگر اُس تک پہونچ نہیں پاتا ہو اس وجہ سے نہیں کہ اس امام میں کوئی کمزوری تھی نہ اس وجہ سے کہ اس کے اصحاب کی تعداد کم تھی یا سامان ٹھیک نہیں تھا بلکہ اس وجہ سے کہ اس امام کے اصحاب امام کی اطاعت ہی نہ کرنا چاہتے تھے نہ اُس کی نصرت ویاری پر آمادہ تھے۔

(الفتنۃ الکبریٰ جلد دوم ڈاکٹر طٰہٰ حسین مطبوعہ مصر)

❑❑

تیرہواں باب

فتنۂ راشد بن خریت

امیر المومنینؑ کے ہمراہیوں کی بے وفائی اسی حد پر آ کر نہیں رکی بلکہ اس سے بھی زیادہ روح فرسا اور جان لیوا ہوگئی۔ جلد ہی معلوم ہوگیا کہ جنگ نہروان کی کامیابی مفید اور نتیجہ خیز نہیں ہوئی۔ نہروان میں تمام خوارج کا خاتمہ نہیں ہوگیا تھا بلکہ صرف اُن کی ایک جماعت ختم ہوئی تھی۔ جنگ کے بعد یہ خوارج کوفہ میں بھی موجود تھے، بصرہ میں بھی اور ان دونوں کے درمیانی آبادیوں میں بھی۔

ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ خوارج کی ایک جماعت تو وہ تھی جو علانیہ باغی ہو چکی تھی اور اُنھیں کی اکثریت نہروان میں تہ تیغ ہوئی لیکن بہت سے ایسے تھے جن کے عقائد و خیالات تو وہی تھے جو خارجیوں کے تھے مگر انھوں نے از راہ مصلحت کھلم کھلا بغاوت نہ کی بلکہ کوفہ والوں میں گھلے ملے موجود تھے۔ یہ لوگ غم و غصہ کو سینے میں لیے کوفہ میں رہتے بستے، دل میں اُن بھائیوں کی آتش انتقام چھپائے جو نہروان میں مقتول ہوئے، شکست و ہزیمت نے اُن کے خیالات و عقائد میں تبدیلی پیدا نہ کی تھی بلکہ اور پختگی و استحکام پیدا ہوگیا تھا، کینہ و بغض اور انتقام کی طلب نے اُن کے خیالات میں اور سختی پیدا کر دی تھی۔ حالات کی بنا پر اُن خارجیوں نے اپنے لیے ایک مخصوص لائحہ عمل متعین کر لیا تھا اور وہ یہ کہ امام کے ساتھ جہاں تک بن پڑے مکر و فریب سے کام لیا جائے، اس کی نصرت نہ کی جائے، لوگوں کو اس کے خلاف برانگیختہ کیا جائے اور جب اپنے سے بڑھی ہوئی قوت سے تصادم کا خطرہ نہ ہو تو لوگوں کو اپنے مذہب کی طرف دعوت دی جائے اور جب اپنی تعداد بڑھ جائے اور حکومت سے ٹکر لینا ممکن ہو تو ایک جگہ اکٹھا ہو کر علم بغاوت بلند کر دیا جائے۔

اس لائحۂ عمل کی بنا پر نہروان کے بعد بھی خوارج کوفہ میں علیؑ کے ساتھ مقیم رہے۔ یہ لوگ سازشیں کرتے، موقع کی تاک میں رہتے اور لوگوں کے دلوں کو آپ کی طرف سے برگشتہ کرتے رہتے۔ یہ لوگ نماز میں بھی آتے، آپ کے خطبے اور باتیں بھی سنتے، کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا کہ ان میں سے کوئی بیچ تقریر میں ٹوک دیتا اور آپ کی گفتگو قطع کرنے کی کوشش کرتا، دل کو یہ اطمینان رہتا کہ علیؑ عدل و انصاف کو ہاتھ سے جانے نہ دیں گے، ہم سے مواخذہ نہ کریں گے، اُنھیں یقین کامل تھا کہ جب تک ہم خود پہل نہ کریں گے علیؑ ہم پر ہاتھ نہیں اُٹھائیں گے۔ مال خراج و غنیمت سے جو ہمارا حصہ ہوگا وہ اپنے وقت پر ہمیں ملتا ہی رہے گا اور اس سے ہم اپنے حالات بھی درست کریں گے اور لڑائی کی تیاریاں بھی کرتے رہیں گے۔

علیؑ نے اپنی جگہ یہ طے کر لیا تھا کہ جب تک خوارج خود پہل نہ کریں ہم اُن کے ساتھ برائی سے نہ پیش آئیں گے، آپ نے خوارج کے سامنے اس کا اعلان بھی کر دیا تھا۔ آپ کے اسی عدل و انصاف اور فراخ دلی نے ان کے دلوں میں لالچ پیدا کر دیا اور آپ کی نرمی و حسن سلوک نے اُنھیں سرکشی پر برانگیختہ کیا۔ ایسا نہ تھا کہ آپ ان باتوں سے بے خبر ہوں۔ آپ ان باتوں سے پوری طرح آگاہ تھے۔ آپ کے دل میں یہ بات بیٹھ چکی تھی کہ خوارج مجھے قتل کر کے رہیں گے۔ آپ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ" میری ڈاڑھی میرے سر کے خون سے رنگین ہو کر رہے گی پیغمبرؐ خدا آپ کو بتا گئے تھے کہ تم عنقریب قتل کیے جاؤ گے اور تمھارا قاتل اس امت کا بدترین شخص ہوگا۔ چنانچہ اکثر اوقات جب آپ اپنے اصحاب کی بے وفائیوں سے عاجز ہوتے اور اُن کی نافرمانیوں پر سینہ تنگی کرنے لگتا تو فرماتے:

"امت کے اس بدترین آدمی کو کیا چیز تاخیر پر مجبور کر رہی ہے۔"

خوارج اپنے عقائد و خیالات کے علانیہ اظہار میں جب بھی موقع ملتا باز رہتے۔ چنانچہ خریت بن راشد سامی جو جنگ صفین میں امیر المومنینؑ کے ہمراہیوں میں تھا اور بعد واقعہ تحکیم کوفہ ہی میں مقیم تھا، ایک دن ۳۰ ساتھیوں کے ہمراہ امیر المومنینؑ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا:

"خدا کی قسم میں نہ تو آپ کی بات مانوں گا نہ آپ کے پیچھے نماز پڑھوں گا۔ میں آپ کا ساتھ چھوڑ کر چلا جاؤں گا۔"

امیر المومنینؑ نے فرمایا:

"اس صورت میں تم اپنے عہد کو توڑو گے اور اپنے پروردگار کے نافرمان ہو گے اور جو کچھ نقصان ہوگا تمھارا ہی ہوگا۔ بتاؤ تو سہی آخر کس سبب سے تم ان باتوں پر آمادہ ہو؟"

خریت نے کہا:

"اس لیے کہ آپ نے مردوں کو حکم بنایا۔ حق کے بارے میں اس وقت کمزوری دکھلائی جب کامیابی یقینی ہو چکی تھی اور آپ ان لوگوں کی طرف جھک پڑے جنھوں نے اپنے نفس پر ظلم کیا تھا۔ میں آپ کا بھی مخالف ہوں اور اُن لوگوں کا بھی دشمن ہوں۔"

امیر المومنینؑ نے اس سرکشی پر کسی غیظ و غضب کا اظہار نہیں فرمایا۔ بلکہ آپ نے اسے گفتگو اور بحث و مباحثہ سے قائل کرنے کی کوشش کی، اس امید میں کہ اس کی غلط فہمی دور ہو جائے اور حق کی طرف پلٹ آئے۔ خریت سے آپکی باتوں کا کچھ جواب بن نہ پڑا کہنے لگا:

"اس وقت میں جاتا ہوں کل پھر آؤں گا۔"

امیرالمومنینؑ نے اُسے جانے دیا کوئی تعرض نہ کیا، نہ یہ مناسب سمجھا کہ کل تک کے لیے اُسے قید ہی میں رکھیں بلکہ اگر کسی نے اُسکی گرفتاری کا مشورہ بھی دیا تو آپ نے فرمایا:

''اگر ہر مشتبہ آدمی کے ساتھ یہی سلوک ہم کرنے لگے تو اس طرح تمام قید خانے بھر جائیں گے۔ جب تک کوئی شخص علانیہ مخالفت نہ کرے ہمارے لیے گنجائش ہی نہیں کہ ہم اسے ضرب و تادیب کریں، قید خانہ میں ڈال دیں۔''

آپ نے خریت سے فرمایا:

''جاؤ کل آنا، شیطان تمھیں بہکانے نہ پائے اور نہ نادان لوگ تمھیں گمراہ کرسکیں، اگر تم نے مجھ سے ہدایت چاہی اور میری بات ماننے پر تیار رہے تو میں تمھیں راہ حق دکھا دوں گا۔''

خریت امیرالمومنینؑ کے پاس سے اُٹھ کر اپنے گھر آیا۔ صبح ہونے سے پہلے ہی اپنے رفقا و انصار کو لے کر کوفہ سے نکل کھڑا ہوا۔ امیرالمومنینؑ کو جب اس کے چلے جانے کی خبر ملی تو آپ نے فرمایا:

''خدا انہیں ہلاک کرے جس طرح قوم ثمود ہلاک ہوئی، شیطان نے اُن سبھوں کو بہکایا اور گمراہ کیا، کل وہ اُن سے بیزار ہو جائے گا اور اُن کا ساتھ چھوڑے گا۔''

زیاد بن حصفہ نے عرض کی:

''امیرالمومنینؑ ہمیں اس مختصر جماعت کے ساتھ چھوڑ کر چلے جانے کا غم نہیں، وہ رہتے تو ہماری جماعت میں کوئی اضافہ نہ ہوتا، اُن کے چلے جانے سے کوئی کمی نہ ہوگی البتہ خوف اس کا ہے کہ یہ لوگ آپ کے بہت سے مطیع و فرمانبردار کو بہکا کر خراب کر دیں گے۔ آپ مجھے اجازت دیجئے کہ ان لوگوں کا پیچھا کروں اور جس طرح بن پڑے اُن کو واپس لاؤں۔

امیرالمومنینؑ نے فرمایا!'' جاؤ خدا تمھاری رہبری کرے، جب وہ جانے پر آمادہ ہوئے تو آپ نے فرمایا:

''تمھیں معلوم بھی ہے کہ یہ لوگ کدھر گئے؟ زیاد نے کہا:'' بالکل نہیں مگر آگے بڑھ کر لوگوں سے پتہ چلا لوں گا۔''

امیرالمومنینؑ نے فرمایا!'' جاؤ خدا تم پر رحم کرے، سر دست یہاں سے نکل کر ویرابی موسیٰ میں ٹھہرو اور اسوقت تک وہاں سے نہ ہٹو جب تک میرا حکم نہ پہونچ جائے، اگر یہ خوارج علانیہ ایک جماعت کی حیثیت سے نکلے ہیں تو میرے عامل ضرور مجھے خبر دیں گے۔ میں اپنے تمام عاملوں کو اس کے متعلق فرمان روانہ کرتا ہوں۔''

پھر آپ نے ایک ہی مضمون کا خط عاملوں کے نام روانہ کیا:

''کچھ لوگ جن کی ہمیں تلاش ہے بھاگ کر یہاں سے گئے ہیں، ہمارا خیال ہے کہ وہ مضافات بصرہ کی طرف گئے ہیں۔ تم

اپنے شہر والوں سے اُن کے متعلق دریافت کرو اور اپنے حدودِ حکومت میں ہر طرف جاسوس معین کر دو اور جیسے ہی کوئی خبر معلوم ہو ہمیں مطلع کرو۔''

زیاد بن حصفہ اپنے گھر آئے اور اپنے ساتھیوں کو جمع کر کے تقریر کی:

''اے خاندان بکر بن وائل! امیر المومنینؑ نے ایک بڑی مہم پر مجھے مامور کر کے روانہ کیا ہے اور مجھے حکم دیا ہے کہ اس مہم میں اپنے خاندان والوں سے مدد لوں، تم لوگ اُن کے شیعے، اعوان و انصار اور تمام قبائل عرب میں سب سے زیادہ اُن کے نزدیک بھروسہ کے آدمی ہو تم لوگ اسی وقت میرے ساتھ چلنے پر کمر بستہ ہو جاؤ۔''

زیاد کی تحریک پر فوراً ۱۳۰ آدمی تیار ہو گئے۔ یہ کوفہ سے نکل کر ویرابی موسیٰ میں پہونچے اور دن بھر امیر المومنینؑ کے خط کے انتظار میں ٹھہرے رہے، زیاد کی روانگی کے بعد ہی ایک قاصد قدظہ بن کعب انصاری کا خط لیے امیر المومنینؑ کے پاس پہونچا۔ قرظہ بن کعب بھی امیر المومنینؑ کے عامل تھے اُنھوں نے خط میں لکھا تھا:

''امیر المومنینؑ کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ کوفہ سے ایک رسالہ ادھر سے گزرا اور ایک دہقانی مسلمان سے اُن کی مڈبھیڑ ہو گئی جس کا نام زادان فروخ تھا، ان لوگوں نے اس سے پوچھا کہ مسلمان ہو یا کافر؟ اس نے کہا مسلمان ہوں، ان لوگوں نے پوچھا علیؑ کے متعلق کیا کہتے ہو؟ زادان نے کہا وہ امیر المومنین سید البشر اور وصی رسولؐ اللہ ہیں۔ ان لوگوں نے کہا اے دشمن خدا تو کافر ہے پھر کچھ لوگ اس پر ٹوٹ پڑے اور اپنی تلواروں سے اُس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے۔ زادان کے ساتھ ایک کافر بھی تھا جو یہودی مسلک کا تھا ان لوگوں نے اس سے پوچھا تمہارا دین کیا ہے اُس نے بتایا کہ میں یہودی ہوں۔ ان لوگوں نے کہا اس کو جانے دو اس پر ہاتھ اُٹھانا ہمارے لیے جائز نہیں۔ اس یہودی نے میرے پاس آکر یہ سارے واقعات بیان کیے۔ امیر المومنینؑ جیسا مناسب سمجھیں حکم دیں۔''

امیر المومنینؑ نے یہ اطلاع پا کر عبداللہ بن وال تیمی کے ہاتھ زیاد بن حصفہ کو یہ فرمان بھیجا:

''میں نے تمہیں حکم دیا تھا کہ جب تک میرا خط تمھیں نہ پہونچے تم ویرابی موسیٰ میں ٹھہرے رہنا اسکی وجہ یہ تھی کہ خریت اور اُس کے ساتھی کدھر گئے ہیں، یہ پتہ نہ تھا۔ اب معلوم ہوا ہے کہ یہ لوگ بصرہ کے مضافات میں جا پہونچے ہیں، تم ان کا پیچھا کرو کہ ان لوگوں نے ایک مسلمان کو بے خطا مار ڈالا ہے، پہلے تم ان کو سمجھانا اور واپس لانے کی کوشش کرنا اگر نہ مانیں تو خدا پر بھروسہ کر کے اُن سے جنگ کرنا۔ ان لوگوں نے حق کو چھوڑ دیا، خون ناحق کے مرتکب ہوئے اور راہ چلتوں کو خوفزدہ کیا ہے۔''

عبداللہ بن وال نے امیر المومنینؑ سے اس کی اجازت طلب کی کہ خط پہونچا کر میں بھی زیاد کے فوجی دستہ میں شریک ہو

جاؤں؟ امیر المومنینؑ نے رضامندی کا اظہار کیا اور فرمایا:

''مجھے خدا سے امید ہے کہ تم حق پر میری مدد کرنے والوں میں ہو گے۔''

عبداللہ خط لیے ہوئے زیاد کے پاس پہونچے، پھر یہ سب دیرابی موسیٰ سے نکل کر نضر کی طرف چلے، وہاں جا کر معلوم ہوا کہ خریت اپنے ساتھیوں کو لے کر جرجرایا کی طرف گیا ہے۔ زیاد بھی اسی طرف روانہ ہوئے۔ انذار کے مقام پر مڈبھیڑ ہو گئی، خریت مع اپنی جماعت کے وہاں ایک روز قبل سے آیا ہوا تھا، زیاد جب پہونچے تو دیکھ کر لڑائی کے لیے تیار ہو گیا اور بڑھ کر زیاد سے پوچھا تم یہاں کس لیے آئے ہو؟ انھوں نے بات بنائی۔ ابھی ہم کسلمند ہیں، تم سے تنہائی میں باتیں کریں گے، کوئی خاص بات نہیں، خریت رک گیا۔ زیاد پانی کے قریب اُترے۔ اپنی جماعت سے کہنے لگے تعداد میں ہم اور یہ برابر ہیں، لڑائی آخر میں ضرور ہو گی، ہمت نہ ہارنا، یہ کہہ کر پھر زیاد خریت کے پاس گئے اسکے ساتھی آپس میں کہہ رہے تھے کہ یہ لوگ سفر سے کسلمند ہیں ہم نے اُن کو آرام کرنے کی ناحق مہلت دی، اُن کو اسی حال میں قتل کرنا مناسب تھا۔ زیاد کچھ بولے نہیں خاموش خریت کے پاس چلے گئے اور اس سے پوچھا:

''تم نے امیر المومنینؑ اور ہم لوگوں کی کیا خطا دیکھی جو ہم کو چھوڑ دیا؟''

خریت نے جواب دیا:

''میں نے تمھارے امام کی عادت اور امامت اچھی نہ پائی اس لیے میں نے اُن کو چھوڑ دیا۔ اب میں اُن لوگوں کے ساتھ ہوں گا جو شوریٰ کر کے کسی ایک کو باتفاق تمام اہل اسلام خلیفہ بنالیں گے۔''

زیاد نے کہا:

''جناب امیرؑ ایسا شخص تمھیں کہاں مل جائے گا؟''

خریت نے کہا: ''میں تو یہ نہیں کہتا۔ زیاد نے جواب دیا کہ جب تسلیم کرتے ہو تو مسلمان کو ناحق کیوں قتل کیا؟

خریت نے کہا میں نے تو نہیں مارا، ہمراہیوں نے ضرور ایک دہقانی کو قتل کیا ہے۔''

زیاد نے کہا: ''قاتل کو ہمارے حوالے کر دو تا کہ قصاص میں ہم اسکی گردن ماریں۔''

خریت نے جواب دیا: ''یہ ناممکن ہے میں ایسا نہیں کر سکتا۔''

اس گفتگو سے کچھ کام نہ نکلا۔ آخر کار جنگ کی نوبت پہونچی۔ پہلے نیزہ بازی ہوئی پھر تلواریں نکل آئیں۔ دیر تک تلوار چلتی رہی، دونوں طرف کے لوگ زخمی ہوئے، زیاد کے ساتھیوں میں سے دو آدمی زخمی ہوئے، خریت کی طرف سے ۵ آدمی قتل ہوئے

۔رات تک لڑائی ہوئی، زیاد بھی زخمی ہوئے، خریت رات ہی کو ساتھیوں سمیت بھاگ گیا۔ زیاد تعاقب نہ کر سکے، بصرہ واپس آئے، یہاں پہونچنے پر معلوم ہوا کہ خریت اہواز پہونچ گیا۔ وہاں اس کے پاس دوسو کی جماعت ہوگئی۔ زیاد نے یہ سب حال جناب امیرؑ کو لکھ دیا۔ آخر میں یہ لکھا کہ میں بہ انتظار صدور حکم یہاں مقیم ہوں۔ جناب امیرؑ نے یہ خط پڑھ کر حاضرین کو سنایا۔ معقل بن قیس نے کھڑے ہو کر عرض کیا کہ اس گروہ باغی کے لیے لشکر جرار ہونا چاہئے تاکہ ان کا بالکلیہ استیصال ہوجائے۔ اگر اُن کے برابر لوگ ہوں گے تو مغلوب نہ ہوں گے، جناب امیرؑ نے معقل سے فرمایا: ''تم بھی جاؤ، خدا سے ڈرتے رہنا، ظلم نہ کرنا، غرور نہ کرنا، خدا غرور کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔ معقل دو ہزار اہل کوفہ کے ساتھ روانہ ہوئے، یزید بن معقل بھی ساتھ تھے ، پھر ابن عباس کو لکھا کہ دو ہزار کا لشکر کسی مرد شجاع کی سرداری میں معقل کی مدد کو روانہ کرو۔ راستہ بھر وہی سردار رہے، جب معقل مل جائیں تو وہی سردار ہوں گے۔ پھر دوسرا خط زیاد بن حضفہ کو لکھا کہ تم میرے پاس چلے آؤ، ادھر خریت کی جماعت بھی بڑھتی جاتی تھی۔ گروہ کفار اہواز بھی مل گیا تھا۔ عرب کے دیگر اقوام کمینے، چور، قزاق سب ساتھ ہو گئے اور یہ سب اس لیے ساتھ ہوئے کہ خراج سے بچت ہوگی، گویا وہ اس نواح کا خودسر مستقل حاکم ہو گیا۔

معقل بن قیس اہواز پہونچے اور بصرہ کے لشکر کے انتظار میں ٹھہرے رہے۔ جب لشکر پہونچنے میں دیر ہوئی تو اپنی فوج کو لے کر خریت کی تلاش میں نکلے۔ ایک ہی منزل تک گئے تھے کہ بصرہ کا لشکر بہ سرداری خالد بن معدان طائی مل گیا۔ دونوں لشکر آگے بڑھے۔ کوہستان رامہرمز کے ایک پہاڑ میں خریت کا لشکر ملا۔ دونوں لشکر اُسی مقام میں ٹھہرے، معقل بن قیس نے اپنے لشکر کو اس طرح مرتب کیا کہ میمنہ پر اپنے بیٹے یزید کو میسرہ پر منجاب بن راشد ضبی کو مقرر کیا۔ خریت نے میمنہ پر عرب مقرر کیے اور میسرہ پر قوم اکراد۔ جب صف آرائی ہو چکی تو خوب جم کر لڑائی ہوئی۔ معقل نے سخت حملہ کیا، تھوڑی دیر تک تو خریت کا لشکر لڑتا رہا پھر بھاگ نکلا، معقل نے تعاقب کیا۔ ستر آدمی بنی ناجیہ اور عرب کے مارے گئے۔ کفار اکراد تین سو مارے گئے۔ خریت جماعت سے نکل کر بھاگا۔ سواحل بحر پر جا کر ٹھہرا، وہاں پہونچکر اس نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ جس گاؤں میں پہونچتا وہاں کے باشندوں کو جناب امیرؑ کی مخالفت پر ابھارتا، یہاں تک کہ مختلف بلاد کے باشندے اس کے تابع ہو گئے اور اس کی ضائع شدہ قوت عود کر آئی۔ معقل علاقہ اہواز میں مقیم رہے۔ جناب امیرؑ کی خدمت میں عرضداشت متضمن بہ نوید فتح ارسال کی۔ جناب امیرؑ نے اپنے اصحاب کو یہ خبر سنائی اور اُن سے مشورہ لیا، سب نے بالاتفاق کہا ہماری رائے میں آپ معقل کو حکم دیں کہ وہ خریت کا پیچھا نہ چھوڑیں یا تو اس کو قتل کر ڈالیں۔ ممالک اسلامیہ سے اس کو نکال دیں۔ چنانچہ معقل کو یہی لکھا گیا۔ معقل اس کی تلاش میں اپنا لشکر لیکر آگے بڑھے اور بحر فارس کے ساحل پر اُسے پالیا جہاں اُس نے لوگوں کو بہلا پھسلا کر

اپنا ہمنوا بنا لیا تھا اور ادھر اُدھر کے لوگوں کو اپنے ساتھ ملا کر اچھی خاصی جمعیت بہم پہونچائی تھی۔ خریت نے اُن کی آمد سن کر ایک چال چلی۔ بقیہ خوارج جو ساتھ تھے اُن سے کہا: میں تمھارے عقیدہ و مذہب پر ہوں، عثمانی گروہ سے کہا میں تمھارے مذہب پر ہوں، مانعین زکوٰۃ سے کہنے لگا تم زکوٰۃ نہ دینا۔ نومسلم نصاریٰ سے اُن کے مذہب کے مطابق کہنے لگا تو مسلموں کی ایک خاصی جماعت اس کا ساتھ دینے کے لیے تیار ہوگئی۔ معقل نے پہونچکر اس کے مقابل اپنا لشکر اُتارا اور امن کے نشان نصب کر کے عام ندا کر دی کہ خریت اور اُس کے ساتھیوں کے علاوہ جو شخص اس نشان کے نیچے آجائے گا اسکو امن ہے، اس ترکیب سے جس قدر مختلف مذاہب کے لوگ خریت کے ساتھ ہو گئے تھے یکبارگی علیحٰدہ ہو گئے۔ اُس کے ساتھ صرف اس کے ساتھی یا وہ لوگ جو زکوٰۃ نہیں دینا چاہتے تھے یا چند نصاریٰ رہ گئے۔ معقل نے لشکر مرتب کر کے حملہ کر دیا۔ خریت گھبرا کر اپنے ساتھیوں سے کہنے لگا اب اپنی حفاظت کر و یہ لوگ بغیر مار ڈالے اور تمھارے اہل و عیال کو بغیر لونڈی بنائے چھوڑنے والے نہیں ہیں۔ لشکریوں میں سے ایک شخص کہنے لگا یہ سب تیرے ہاتھ اور زبان کے کرتوت ہیں جس سے ہم لوگ مفت بلا میں پھنس گئے۔ نعمان بن اصبہان نے خریت کو نیزہ سے زخمی کیا، پہلے دونوں میں دو ہاتھ چلے بالآخر خریت قتل ہوا اور ایک سو ستر آدمی اس کے ساتھ قتل کیے گئے، بقیہ بھاگ گئے۔

اس کے بعد معقل نے اُن کی قیام گاہوں میں جتنے مرد، عورتیں اور بچے پائے اُنھیں ایک جگہ جمع کیا اُن میں سے جو مسلمان تھے ان سے بیعت لیکر انھیں رہا کر دیا اور جو مرتد ہو گئے تھے اُنھیں اسلام قبول کرنے کے لیے کہا۔ چنانچہ ایک بوڑھے نصرانی کے علاوہ سب نے اسلام قبول کر کے رہائی پائی اور اس بوڑھے کو قتل کر دیا گیا اور جن بنی ناجیہ کے عیسائیوں نے اس شورش انگیزی میں حصہ لیا تھا اُنھیں اُن کے اہل و عیال سمیت کہ جن کی تعداد سو تھی اپنے ہمراہ لے لیا۔ جب معقل ان قیدیوں کو لے کر اردشیر خرہ (ایران کا ایک شہر) پہونچے تو قیدی وہاں کے حاکم مصقلہ بن ہبیرہ کے سامنے چیخے چلّائے اور گڑ گڑا کر اس سے التجائیں کیں کہ اُن کی رہائی کی کوئی صورت کی جائے۔ مصقلہ نے ذہل بن حارث کے ذریعہ معقل کو کہلوایا کہ اسیروں کو میرے ہاتھ بیچ دو۔ معقل نے اسے منظور کیا اور پانچ لاکھ درہم میں وہ اسیر اُس کے ہاتھ بیچ ڈالے اور اس سے کہا کہ اُن کی قیمت جلد از جلد امیر المومنینؑ کو بھیجدو۔ اس نے کہا کہ میں پہلی قسط ابھی بھیج رہا ہوں اور بقیہ قسطیں بھی جلد بھیج دی جائیں گی۔ جب معقل امیر المومنینؑ کے پاس پہونچے تو یہ سارا واقعہ اُن سے بیان کیا۔ حضرتؑ نے اس اقدام کو سراہا اور کچھ دنوں تک قیمت کا انتظار کیا مگر مصقلہ نے ایسی چپ سادھ لی کہ گویا اُسکے ذمہ کوئی مطالبہ ہی نہیں ہے۔ آخر حضرت نے ایک قاصد اسکی طرف روانہ کیا اور اُسے کہلوا بھیجا کہ یا تو قیمت بھیجو یا خود آؤ۔ وہ حضرتؑ کے فرمان پر کوفہ آیا اور قیمت کے طلب کرنے پر

دو لاکھ درہم پیش کر دیے اور بقایا مطالبہ سے بچنے کے لیے معاویہ کے پاس چلا گیا، جنھوں نے اُسے طبرستان کا حاکم بنا دیا۔

(سیرۃ علویہ، ترجمہ نہج البلاغہ مفتی جعفر حسین مطبوعہ لاہور)

ڈاکٹر طٰہٰ حسین لکھتے ہیں:

''تو مصقلہ کی فرمانبرداری اور علیؑ کی اطاعت اس شخص جیسی نہ تھی جو حق کو پہچانتے اور اُس پر ایمان رکھتے ہوئے صبر و استقلال سے سرگرم اطاعت ہو، چاہے اُس راہ میں جتنے بھی مشکلات پیش آئیں بلکہ جس طرح عام آدمیوں میں سے کوئی شخص کسی خلیفہ کی فرمانبرداری کر سکتا ہے ویسا ہی وہ بھی فرمانبردار تھا۔ عافیت پسند، موقع کا متلاشی اور اپنی ذاتی بھلائی کا خواہاں۔ ہر چیز سے پہلے اپنی منفعت کا خواہشمند، اس قماش کا مصقلہ ہی اکیلا آدمی نہ تھا، عوام کا کیا ذکر کوفہ اور بصرہ کے بہت سے معززین واشراف اسی رنگ ڈھنگ کے تھے۔

تو مصقلہ قیدیوں کو خریدتا ہے اور اُنھیں آزاد کر دیتا ہے اور یہ سب کچھ کرنے سے غرض نہ تو یہی ہوتی ہے کہ خدا کے ہاں اجر ملے نہ یہی مقصد ہوتا ہے کہ لوگوں میں نام ہو بلکہ جو کچھ کرتا ہے وہ صرف عصبیت کی بنا پر اور حاکم وقت کو مکر و فریب سے راضی کرنے کی کوشش کرتا ہے اور جب حاکم کو اس کے مکر کا علم ہو جاتا ہے اور وہ حق کا مطالبہ کرتا ہے تو اس سے صبر نہیں ہوتا اپنے ذمہ جو دین ہے اُس کی ادائیگی کی کوشش نہیں کرتا بلکہ ان لوگوں کے پاس بھاگ جاتا ہے جو خلیفۂ وقت سے برسرِ پیکار ہیں اور اُس کے ساتھ مکر و فریب کرتے رہتے ہیں اور وہاں جا کر دشمن بن جاتا ہے حالانکہ پہلے طرفدار تھا۔

اور جس طرح مصقلہ کا یہ فعل قابل نفرت ہے کہ اس نے قرضہ کی ادائیگی سے جان بچا کر راہ فرار اختیار کی اور خلیفہ وقت سے فریب کیا اسی طرح معاویہ کا مصقلہ کی آؤ بھگت کرنا اور اسکو انعام واکرام سے نوازنا بھی مستحسن نہیں سمجھا جا سکتا۔ اُنھوں نے اُسکی خیانت و بددیانتی کی وہ جزا دی جو کوئی سچا مسلمان نہیں دے سکتا۔ اگر روم کا کوئی شخص قیصر کا ساتھ چھوڑ کر معاویہ کے پاس آ جاتا، قیصر کو زک پہنچانے اور معاویہ کے ساتھ ہو کر اس سے لڑنے کے لیے اور معاویہ اس کے ساتھ ایسا حسن سلوک کرتے تو تعریف بھی کی جا سکتی تھی لیکن اُنھوں نے تو ایسے شخص کو پناہ دی جس نے بے سبب اپنے امام کے ساتھ فریب کیا اور بغیر کسی بات کے پیمان شکنی کی تھی اور کسی طرح بھی ان نوازشوں کا مستحق نہ تھا سوا اسکے کہ عراق میں گڑ بڑی پیدا کرنے میں اس کے ذریعہ بڑی مدد مل سکتی تھی۔

یہیں سے بہت نمایاں طریقہ پر معاویہ کی سیاست کے کئی پہلو سامنے آ جاتے ہیں جن سے وہ اپنی حکومت کو مضبوط کرنے کے خواہشمند تھے، اُن کی سیاست دنیاوی سیاست تھی، دنیاوی اعراض و اغراض تھے، اسکے منافع اور تمنائیں تھیں، اسکی

خواہشیں اور ہوا و ہوس تھی۔

اور یہیں سے فرق واضح ہوجاتا ہے کہ علیؑ کی سیاست خالص دینی سیاست تھی اور معاویہ کی سیاست خالص دنیاوی سیاست تھی، رہ گئے علیؑ تو انھیں جب مصقلہ کے فرار کی خبر معلوم ہوئی تو اُنھوں نے اس کے سوا کچھ نہ کہا:

''خدا مصقلہ کا برا کرے، کام تو اُس نے شریفوں کا سا کیا لیکن غلاموں کی طرح بھاگ نکلا۔''

پھر آپ نے مصقلہ کے گھر کو گرا دیے جانے کا حکم دیا اور وہ گھر گرا دیا گیا۔

(الفتنۃ الکبریٰ جلد دوم ص ۱۲۸)

مصقلہ کے بھائی نعیم بن ھبیرہؔ شیبانی بھی جاں نثارانِ جناب امیرؑ سے تھے، اُن کے نام مصقلہ نے ایک خط شام سے لکھا اور ایک شخص حلوان نامی جو نصارائے بنی تغلب سے تھا اُس کے ہاتھ روانہ کیا۔ خط کا مضمون یہ تھا کہ معاویہ وعدہ کرتے ہیں کہ وہ تم کو نہایت عزت کے ساتھ پرگنہ کی حکومت عطا فرمائیں گے لہذا تم اس خط کو دیکھتے ہی میرے پاس چلے آؤ۔ حلوان کو مع خط، مالک بن کعب ارجی پکڑ کر جناب امیرؑ کے پاس لائے۔ جناب امیرؑ نے حلوان کا ہاتھ کٹوا دیا جس کے صدمہ سے وہ مر گیا۔ نعیم کو جب اسکا آنا اور خط لانا معلوم ہوا تو مصقلہ کو لکھا کہ تم نے میرے متعلق خیال فاسد رکھ کر حلوان کو روانہ کیا تم نے بہت غلطی کی، وہ طمع اُجرت میں خط لایا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اُسکی جان گئی۔ مجھ کو تمھاری اس نازیبا حرکت پر سخت تعجب ہے کہ تم کس قدر جناب امیرؑ کے مطیع و فرمانبردار تھے اور بنی شیبان میں نیک نام تھے۔ جس امر کو ناپسند کرتے تھے اس میں خود مبتلا ہوئے کہ جناب امیرؑ سے پھر گئے۔ جو مال تمھارے ذمّہ واجب تھا اگر ادا کر دیتے تو بڑا کام تھا اس کارِ خیر سے تمھارا نام ہوتا اور خاندان کا نام زندہ ہوجاتا۔ تم نے یہ بہت بُرا کیا کہ اہل شام سے مل گئے، ابن ہندہ کے مال و دولت کی طمع میں بھٹک گئے جس سے تمھاری قوم والے سب تم سے ناخوش ہیں۔'' مصقلہ کو جب یہ خط ملا تو نادم ہوئے کہ بے شک میں نے بہت بُرا کام کیا پھر اسکے پاس حلوان کی قوم والے دیت طلب کرنے آئے اس نے مجبوراً دیت دے کر اپنا پیچھا چھڑایا۔

(تاریخ کامل ابن اثیر، سیرۃ علویہ شاہ محمد علی حیدر کاکوروی)

❑❑

چودہواں باب

سقوطِ مصر

امیر المومنینؑ کی زندگی انھیں تلخیوں میں گذرتی رہی ایک طرف دوستوں کی غداری اور خیانت تھی تو دوسری طرف دشمن کا مکر وفریب تھا اور آپ ان سب کے درمیان اپنے واضح اور روشن طرز عمل پر سختی سے جمے ہوئے تھے۔ نہ تو کوئی ذلیل ورسوا کی بات گوارا کرتے نہ اپنے دین میں دغا وفریب جائز سمجھتے۔ اپنی صاف وصریح سیاست سے بالکل ہٹنے والے نہیں۔ نہ کم نہ زیادہ ۔مصائب وآلام مسلسل نازل ہوتے رہے۔ ایک صدمے کے بعد دوسرا صدمہ پہونچتا رہا اور آپ اپنے راستہ پر گامزن رہے، نہ دائیں مڑے نہ بائیں۔ غیظ وغضب آپ کا انتہا کو پہونچ جاتا، زندگی سے انتہائی دل تنگ ہوجاتے مگر آپ نے جو لائحہ عمل اپنے لیے طے کرلیا تھا اس سے ایک لمحہ کے لیے بھی غافل نہ ہوئے۔

ابھی آپ نہروان کی افتاد سے پوری طرح فارغ نہ ہوئے تھے کہ خود اپنی مملکت میں انتشار وابتری دیکھنی پڑی۔ معاویہ نے جابجا لوٹ مار شروع کر دی اور آپ کی سلطنت کا دائرہ گھٹنے لگا۔ اہل شام معاویہ کے پوری طرح مطیع تھے اور اُن کی اطاعت مخلصانہ تھی۔ معاویہ کوئی حکم دیتے تو چون وچرا نہ کرتے، اُن کے بلانے پر دوڑ کر آتے۔

امیر المومنینؑ کے تخت نشین خلافت ہونے کے دن ہی سے معاویہ کی نظریں مصر پر گڑی ہوئی تھیں کیونکہ مصر معاویہ سے قریب اور حضرت علیؑ سے دور تھا۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ حضرت عثمان کے خلاف جن لوگوں نے محاذ قائم کیا اُن میں مصر والے سب سے پیش پیش تھے اور اُن کے شدید دشمن تھے، اس لحاظ سے بھی مصر کو اپنے قابو میں لانا ضروری تھا۔ معاویہ چاہتے تھے کہ اپنے مکر وفریب اور داؤں پیچ سے مصر پر قابض ہوجائیں۔ اور آخر کار وہ اپنی کوششوں میں کامیاب بھی ہوئے لیکن بہت کچھ دشواریوں کے بعد امیر المومنینؑ نے قیس بن سعد ابن عبادہ کو مصر کا حاکم مقرر کیا اور کوئی شبہ نہیں کہ وہ اس حکومت کے لائق اور اس بار گراں کو بخوبی اٹھانے والے تھے۔ وہ مصر پہونچے، منبر پر جا کر حضرت علیؑ کا فرمان سنایا۔ لوگوں نے فوراً ہی اُن کے ہاتھ پر علیؑ کی بیعت کر لی اور اقتدار قائم ہوگیا۔ کچھ لوگ البتہ بیعت سے گریزاں اور گھر میں گوشہ نشین رہے اُنھوں نے قیس کو لکھا کہ ہم آپ سے لڑنا نہیں چاہتے اور نہ خراج کی ادائیگی ہی میں کوئی عذر ہے، صرف بیعت میں اتنی مہلت چاہتے ہیں کہ دیگر مقامات کا حال معلوم ہوجائے، قیس نے اُن سے مصالحت کر لی اور چھیڑنا مناسب نہ سمجھا۔ قیس کے مصر پہونچنے کے بعد معاویہ وعمر عاص نے اُنھیں ورغلانے کی کوشش کی۔ دونوں نے خطوط بھیجے مگر قیس نے مناسب عنوان سے اُنھیں ٹال دیا نہ تو

بالکل صاف جواب دے کر اُنھیں مایوس کیا نہ کسی قسم کی امید دلائی۔ وہ صرف اپنے حدود حکومت میں جو مرکز خلافت سے کافی دور تھا اُن کی ایذا رسانیوں اور مکر وفریب سے بچنا چاہتے تھے لیکن معاویہ نچلے بیٹھنے والے نہ تھے۔ اُنھوں نے قیس کو پھر خط لکھا اور ابکی صاف لفظوں میں لکھا تا کہ قیس کے خیالات کھل کر معلوم ہو جائیں اور یہ پتہ چل سکے کہ وہ دوست ہیں یا دشمن۔ جب معاویہ قیس کیطرف سے مایوس ہو گئے تو اب گالیوں پر اتر آئے وہ دکھاوے کی خاطر داری جاتی رہی اور اُنھوں نے قیس کو لکھا کہ تم یہودی ہو یہودی کے بیٹے ہو۔ قیس نے بھی ترکی بہ ترکی جواب دیا اور لکھا کہ تم بت پرست ہو بت پرست کے بیٹے ہو نیز یہ کہ تم باپ بیٹے (ابوسفیان ومعاویہ) اسلام میں بادل ناخواستہ داخل ہوئے اور خوشی خاطر نکل گئے۔

معاویہ سمجھ گئے کہ قیس نہ تو دھمکی میں آنے والے ہیں اور نہ اُنکے ساتھ مکر وفریب چل سکتا ہے اسلیے انھوں نے اپنی چال بدل دی۔ مصر میں اُن پر داؤں نہ کر سکے تو عراق میں داؤں کیا۔ قیس کی طرف سے اپنے نام ایک خط تصنیف کیا جس میں قیس نے حضرت علیؑ سے اپنی برگشتگی عثمان کی ہمدردی اور اُنکے خون کا قصاص لینے پر آمادگی ظاہر کی تھی۔ معاویہ نے یہ خط لکھ کر خفیہ طریقوں سے کوفہ والوں کے پاس بھیجدیا۔ حضرت علیؑ نے اس خط کو بالکل ہی جھوٹا جانا اور اپنے اصحاب سے صرف یہ کہا کہ میں قیس کو تم سے زیادہ پہچانتا ہوں لیکن آپکے ساتھی اس فریب میں آ گئے اور اُنھوں نے یہ یقین کر لیا کہ واقعی یہ خط قیس ہی کا لکھا ہوا ہے۔ وہ حضرت علیؑ کے پیچھے پڑ گئے کہ آپ مصر کی حکومت سے قیس کو معزول کر دیں۔ حضرت علیؑ نے پھر بھی توقف سے کام لیا اور قیس کو لکھا کہ جو لوگ بیعت سے گریزاں ہیں اُن سے جنگ کرو اور سوا بیعت کے کوئی چیز قبول نہ کرو۔ قیس نے جواب میں بہت تعجب کا اظہار کیا کہ امیر المومنینؑ ان لوگوں سے جو لڑائی جھگڑا نہیں چاہتے کیوں جنگ کا حکم دے رہے ہیں! اُنھوں نے درخواست کی کہ مصر کے معاملات مجھ پر چھوڑ دیے جائیں۔ امیر المومنینؑ یہاں سے دور ہیں میں ہر وقت یہاں کا رہنے والا ہوں میں جیسا مناسب سمجھوں گا کرونگا اگر یہاں کے لوگوں سے چھیڑ چھاڑ کی گئی تو قوی امکان اس کا ہے کہ حالات خراب ہو جائیں اور ہوا کا رُخ پلٹ جائے اور جو لوگ ابھی تھوڑے ہیں کل مددگار پا کر زیادہ ہو جائیں ادھر سے معاویہ بھی ان کی مدد کو آ جائیں۔'' قیس کا یہ جواب آنے پر کوفہ والوں نے یقین کر لیا کہ وہ دل میں شر چھپائے ہوئے اور اپنے امام کے مخالف ہیں، انھوں نے اُن کی معزولی کا اور زیادہ سختی سے مطالبہ کرنا شروع کیا، اُس وقت تک پیچھے پڑے رہے جب تک امیر المومنینؑ نے اُن کو معزول کر کے اُن کی جگہ محمد ابن ابی بکر کو حاکم مقرر نہ کر دیا۔

محمد بن ابی بکر اور قیس بن سعد میں فرق یہ تھا کہ محمد نوجوان تھے، زیادہ تجربہ انھیں حاصل نہ تھا اور قیس ایک مرد جہاں دیدہ۔ زمانہ کا سرد وگرم چکھے ہوئے، محمد عثمان کے معاملہ میں انقلاب پسندوں کے شریک تھے اور قیس نے کوئی حصہ نہ لیا تھا۔ محمد جوانی

کے سبب جلد لڑنے بھڑنے پر تیار ہو جانے والے آدمی تھے اور قیس صبر وتحمل کا مجسمہ، جو قدم اُٹھاتے سوچ سمجھ کر، لڑائی اُسی وقت پسند کرتے جب اسکے سوا کوئی چارۂ کار نہ ہوتا۔ جب محمد مصر پہونچے تو قیس وہاں سے فوراً مدینہ روانہ ہو گئے، ٹھہرے نہیں پھر وہاں سے حضرت علیؑ کی خدمت میں آئے، جنگ صفین میں شریک ہوئے اور سامنے اور پیٹھ پیچھے ہر حال میں آپ کے خیر خواہ رہے۔'' (الفتنتہ الکبریٰ ڈاکٹر طٰہٰ حسین جلد دوم)

''ابھی محمد بن ابی بکر نے مصر میں پورے ایک ماہ بھی قیام نہ کیا تھا کہ اُنھوں نے ان لوگوں کو جن سے قیس صلح کیے ہوئے تھے پیغام بھیجا کہ یا تو ہماری اطاعت کرو یا ہمارے شہروں کو چھوڑ دو۔ اُنھوں نے جواب میں کہلا بھیجا کہ ابھی ہم کچھ نہ کریں گے ہمیں اتنی مہلت دی جائے کہ ہم معاملات کا انجام دیکھ لیں کہ کیا ہوتا ہے جلدی نہ کیجئے۔ محمد نے منظور نہ کیا، نہ وہ لوگ راضی ہوئے اور ہر ایک دوسرے سے ہوشیار رہنے لگا۔

ادھر صفین کا واقعہ ہوا۔ یہ سب محمد سے مرعوب تھے، جب انھیں معاویہ اور شام کے حالات معلوم ہوئے اور یہ کہ اب معاملہ حکمین کے ذریعہ سے طے ہوگا، اور امیر المومنینؑ عراق والوں کے ساتھ شام اور معاویہ کو چھوڑ کر واپس ہو گئے تو اُنھیں محمد کے خلاف یورش کرنے کی جرأت پیدا ہوئی اور اُن کی مخالفت کا اظہار شروع کر دیا۔ محمد نے جب یہ دیکھا تو انھوں نے محمد بن جبھان اور یزید بن حارث کو اُن سے لڑنے کو بھیجا، وہ لوگ قتل کر دیئے گئے۔ بنی کلب کے ایک شخص کو بھیجا وہ بھی قتل ہوا۔ اب معاویہ بن خدیج نے علی الا علان گلی کوچہ میں خون عثمان کے طلب کرنے کے لیے لوگوں کو آمادہ کرنا شروع کیا بہت سے لوگوں نے اسکا ساتھ دیا۔ مصر کے نظام میں ابتری ہو چلی۔ جناب امیرؑ کو ان باتوں کا علم ہوا تو آپ نے فرمایا کی حکومت مصر کے لیے دو شخصوں میں سے کسی ایک کو ہونا چاہئے یا تو قیس ہوں جنھیں ہم نے کل بادل ناخواستہ معزول کیا تھا، یا مالک اشتر ہوں، صفین سے واپس ہو کر حضرت نے مالک اشتر کو اُنکی حکومت (جزیرہ) پر روانہ کیا تھا اور قیس سے فرمایا تھا کہ تم ہمارے ساتھ رہو، ہماری پولیس افسری کے لیے۔ جب ہم حکمین کے معاملہ سے فارغ ہو جائیں اس کے بعد تم آزر بائیجان کی حکومت پر چلے جانا، چنانچہ قیس پولیس کے افسر رہے، جب حکمین کا معاملہ طے نہ ہوا تو حضرت نے مالک اشتر کو جو اُس وقت نصیبین میں تھے یہ خط لکھا:

''بعد حمد وصلوٰۃ کے واضح ہو کہ تم ان لوگوں میں سے ہو جن سے دین قائم کرنے اور گنہ گاروں کی نخوت مٹانے میں مدد لیتا ہوں۔ تم وہ ہو جس کے ذریعہ سے خطرناک سرحدوں کی حفاظت کرتا ہوں۔ میں نے محمد بن ابی بکر کو مصر کا حاکم بنایا تھا۔ ان پر خوارج نے خروج کیا ہے، محمد کم سن نو جوان ہیں اُنھیں لڑائیوں کا تجربہ نہیں، تم ہمارے پاس آجاؤ کہ ہم غور کریں کہ کیا مناسب ہے، اپنی جگہ پر اپنے اصحاب میں سے کسی معتمد اور مخلص کو نائب بنا دو۔'' والسلام

مالک اشتر یہ فرمان پاتے ہی نصیبین سے روانہ ہو گئے۔ شبیب ابن عامر ازدی کو اپنا نائب بنایا۔ امیر المومنینؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرتؑ نے اُن سے مصر کے حالات بیان فرما کر ارشاد کیا اسوقت مصر کی حکومت کے لیے تمھارے سوا اور کوئی نہیں ہے، خدا تم پر رحم کرے مصر چلے جاؤ میں تمھاری رائے کو کافی سمجھتے ہوئے فی الحال کوئی ہدایت نہیں کرتا۔ جو امر اہم درپیش ہے اس میں خدا سے مدد مانگنا۔ سختی کو نرمی سے ملا دو جب تک نرمی مناسب ہو نرمی کرنا جب سوا سختی کے کوئی چارہ کار نہ ہو تو سختی سے پیش آنا۔

اِدھر جناب اشتر حضرت کی خدمت سے واپس ہو کر اپنے قافلہ تک پہونچے تھے کہ ادھر معاویہ کا جاسوس یہ خبر لے کر گیا کہ اب مصر کا حاکم مالک اشتر کو بنا کر روانہ کیا گیا ہے۔ معاویہ پر یہ خبر بہت گراں گزری۔ ان کے دل میں مصر کی لالچ گھر کر چکی تھی۔ اُنھوں نے خیال کیا کہ اگر کہیں مالک مصر پہونچ گئے تو یہ محمد بن ابی بکر سے زیادہ شدید ہوں گے۔ اُنھوں نے حاکم خراج قلزم سے کہلا بھیجا کہ اشتر کو مصر کا حاکم بنا کر بھیجا گیا ہے اگر تم نے ان کا کام تمام کر دیا تو جب تک ہم زندہ ہیں تم سے خراج نہ لیا جائے گا۔

جناب اشتر کوفہ سے نکل کر قلزم تک پہونچے۔ مصر سے حجاز کے لیے کشتیاں جاتی ہیں، وہاں انھوں نے منزل کی۔ اتفاق سے یہ جگہ اُسی شخص کی تھی جسے معاویہ نے ان کے قتل کے لیے لکھا تھا۔ اُس نے جناب مالک کی خدمت حاضر ہو کر عرض کی کہ یہ جگہ سب سے بہتر ہے جانوروں کا چارہ اور انسانوں کی غذا وافر ہے۔ میں خراج گذاروں میں سے ہوں۔ میرے یہاں قیام فرما کر قدرے استراحت فرمائیے، کھانا کھلانے کے بعد اس مجسمہ صدق وصفا کو شہد کا شربت بنا کر دیا گیا جس میں زہر ملا دیا گیا تھا مالک اشتر اُسے پیتے ہی شہید ہو گئے۔'' (رسالہ محمد بن ابی بکر مطبوعہ سرفراز پریس لکھنو، سیرۃ علویہ شاہ محمد علی حیدر کاکوروی)

عیوان الانبیاء میں ہے کہ جب جناب امیرؑ نے اُن کو مصر کا حاکم کر کے بھیجا، راستہ کے ایک زمیندار سے معاویہ نے کہلا بھیجا اگر تو مالک کو زہر دے کر مار ڈالے تو تجھ سے بیس برس کا خراج معاف کر دیا جائے گا۔ اس کے پاس ابن آثال کا بنایا ہوا زہر بھیجدیا جس کو زمیندار نے شہد کے شربت میں پلایا جس سے مالک شہید ہو گئے۔ جب معاویہ کو مالک اشتر کے انتقال کی خبر ملی تو کہا:

''واہ رے جگر کی ٹھنڈک! اللہ تعالیٰ کے کچھ لشکر ہیں جن میں شہد بھی ہے'' (عیوان الانبیاء ابن قتیبہ جلد ا ص ۲۰۱، سیرۃ علویہ ص ۴۳۳)

شام والوں کے سامنے تقریر کرتے ہوئے کہا:

''علی ابن ابی طالبؑ کے دو ہاتھ تھے ایک میں نے جنگ صفین میں کاٹ ڈالا یعنی عمار بن یاسر کو قتل کیا اور دوسرا ہاتھ آج کے دن کاٹ لیا یعنی مالک اشتر ختم ہو گئے۔'' (تاریخ طبری جلد ۶ ص ۲۵۵، تاریخ کامل ابن اثیر جلد ۳ ص ۱۵۲)

معاویہ کو مالک کی شہادت سے جتنی مسرت ہوئی اس سے کہیں زیادہ امیر المومنینؑ کو رنج واندوہ ہوا۔ آپ نے اُن کی خبر

شہادت سن کرفرمایا:

’’اناللہ وانا الیہ راجعون۔تمام مدح وستائش پروردگار عالم ہی کے لیے ہے، بارالہا میں مالک اشتر کی موت پر تجھ سے اجر کا طالب ہوں۔اُن کی موت زمانہ کے مصائب سے ہے............ پھر آپ نے فرمایا خدا رحم کرے مالک اشتر پر، اُنھوں نے اپنے عہد کو پورا کیا زندگی کے دن پورے کیے اور پروردگار کے پاس پہونچ گئے، (پیغمبر خدا کی جدائی کی) شدید ترین مصیبت اٹھانے کے بعد جس سے بڑھ کر کوئی دوسری مصیبت نہیں ہوسکتی ہم نے ہر مصیبت پر اپنے کو صبر کا عادی بنالیا ہے۔اب کوئی مصیبت، مصیبت نہیں معلوم ہوتی۔‘‘

قبیلہ نخع کے بزرگوں کا بیان ہے کہ جب امیر المومنینؑ کے پاس مالک اشتر کی خبر مرگ آئی تو ہم آپکی خدمت میں حاضر ہوئے، دیکھا کہ آپ آہیں بھرتے اور صدمہ وافسوس فرمارہے ہیں، پھر آپ نے فرمایا:

’’خدا بھلا کرے مالک کا کسے معلوم کہ مالک کیا تھے، اگر وہ پہاڑ سے ہوتے تو پہاڑ کا بہت بڑا ٹکڑا ہوتے اگر پتھر ہوتے تو سخت چٹان ہوتے۔خدا کی قسم مالک! تمھاری موت ایک عالم کو مغموم اور ایک عالم کو مسرور کردے گی۔مالک ہی جیسے شخص پر رونے والی عورتوں کو رونا زیبا ہے مالک کے ایسا کوئی ہے بھی؟‘‘

علقمہ بن قیس نخعی کہتے ہیں کہ حضرت امیر المومنینؑ اتنا رنج واندوہ فرماتے رہے کہ ہمیں اندیشہ ہوا کہ کہیں آپ بھی رحلت نہ فرماجائیں۔مدتوں رنج وغم آپ کے چہرے سے نمایاں رہا (نہج البلاغہ جلد ۲ ص ۲۳۹) شرح ابن ابی، الحدید جلد ۲ ص ۳۰، لسان العرب جلد ۴ ص ۳۳۶، تاریخ کامل جلد ۳ ص ۲۵۲، تاج العروس جلد ۲ ص ۴۵۴)

علامہ ابن ابی الحدید لکھتے ہیں کہ مالک اشتر، شہسوار، شجاع، رئیس اور اکابر واعاظم شیعہ سے تھے۔حضرت امیر المومنینؑ کی مودت اور نصرت میں نقطۂ انتہا پر فائز تھے۔حضرتؑ نے ان کے انتقال پر فرمایا:

رحم اللہ مالکا فلقد کان لی کما کنت لرسول اللہ خداوند عالم مالک پر رحم فرمائے وہ میرے لیے ایسے ہی تھے جیسا کہ میں خود رسولؐ اللہ کے لیے تھا۔(شرح نہج البلاغہ جلد ۳ ص ۴۱۶)

محمد ابن ابی بکر اپنی معزولی اور مالک اشتر کے حاکم مصر ہوکر آنے کی خبر سے رنجیدہ تھے۔امیر المومنینؑ کو جب اشتر کی شہادت اور محمد کے رنجیدہ ہونے کی کیفیت معلوم ہوئی تو آپ نے اُنھیں لکھا:

’’مجھے اطلاع ملی ہے کہ تمھاری جگہ پر اشتر کو بھیجنے سے تمھیں ملال ہوا ہے تو واقعہ یہ ہے کہ میں نے یہ تبدیلی اس لیے نہیں کی تھی کہ تمھیں کام میں کمزور اور ڈھیلا پایا ہو اور یہ چاہا ہو کہ تم اپنی کوشش کو تیز کرو اور اگر تمھیں اس منصب حکومت سے جو تمھارے ہاتھ میں تھا میں نے ہٹایا تھا تو تمھیں کسی ایسی جگہ کی حکومت سپرد کرتا جس میں زحمت کم ہو اور وہ تمھیں پسند بھی زیادہ آئے۔

بلاشبہ جس شخص کو ہم نے مصر کا والی بنایا تھا وہ ہمارا خیر خواہ اور دشمنوں کے لیے سخت گیر تھا، خدا اس پر رحمت کرے اس نے زندگی کے دن پورے کر لیے اور موت سے ہمکنار ہو گیا اس حالت میں کہ ہم اس سے رضا مند ہیں، خدا کی رضا مندیاں بھی اُسے نصیب ہوں، اور اُسے پیش از پیش ثواب عطا کرے، اب تم دشمن کے مقابلہ کے لیے باہر نکل کھڑے ہو اور اپنی بصیرت کے ساتھ روانہ ہو جاؤ اور جو تم سے لڑے اس سے لڑنے کے لیے آمادہ ہو جاؤ اور اپنے پروردگار کی راہ کی طرف دعوت دو اور زیادہ سے زیادہ اللہ اس سے مدد مانگو کہ تمھاری مہمات میں کفایت کرے گا اور مصیبتوں میں تمھاری مدد کرے گا انشاء اللہ''

(ترجمہ نہج البلاغہ مفتی جعفر حسین مطبوعہ لاہور)

''اہل شام صفین سے واپس ہو کر حکمین کے فیصلے کے منتظر تھے، اس فیصلہ کے بعد جب معاویہ کی بیعت ہوئی تو اسکی مخالفت روز بروز بڑھتی چلی گئی، عراق والوں نے (جن میں اکثریت انھیں لوگوں کی تھی جو آپ کو چوتھا خلیفہ مانتے تھے) بات بات پر اختلاف شروع کیا۔ ہزار کی ایک جماعت خارجی بن کر پہلے ہی الگ ہو چکی تھی، بقیہ نمائشی جاں نثار اپنے اپنے ارادوں میں سُست پڑنے لگے۔ ادھر جناب مالک مصر تک پہونچنے ہی نہ پائے تھے کہ راستہ ہی میں شہید کر ڈالے گئے، مصر میں داخلی شورش ہو چکی تھی، معاویہ نے اس وقت کو غنیمت جانا، اُسے مصر کے سوا کسی بات کی فکر نہ تھی، اُسے مصر والوں کا ہر وقت دھڑکا رہتا تھا، کیونکہ شام سے مصر بہت قریب ہے اور اُسکے اکثر باشندے عثمانیوں کے مخالف تھے بلکہ عثمان کے گھر کا محاصرہ کرنے والوں میں مصریوں کی بھی ایک جماعت موجود تھی مگر معاویہ کو یہ معلوم تھا کہ اُنھیں میں ایک گروہ ایسا بھی ہے جسے قتل عثمان اچھا نہیں معلوم ہوا ہے، اور وہ حضرت علیؑ کا مخالف ہے۔ مصر کی لالچ اس کے دل میں اس لیے تھی کہ وہاں سے کافی خراج وصول ہوتا تھا۔ اگر مصر پر قبضہ ہو جائے تو پھر بے دریغ روپیہ بہایا جائے اور حضرت علیؑ سے اچھی طرح جنگ کی جائے۔ اُس نے اپنے ساتھ کے قریشیوں عمرو بن عاص سہمی، حبیب بن مسلمہ فہری، بسر بن ارطاۃ عامری، ضحاک بن قیس فہری اور عبداللہ بن خالد بن ولید کو طلب کیا ان کے بعد شرجیل بن سمط حمیری، ابوالاعور اسلمی اور حمزہ بن مالک کو بھی بلایا اور ان سب سے کہا کہ میں تم سب سے ایک بہت ضروری امر میں مشورہ کا طالب ہوں، تم بتا سکتے ہو ہم نے تمھیں کس لیے طلب کیا ہے؟ سب نے جواب دیا ہم کو غیب کی باتیں نہیں معلوم، مگر عمرو عاص بول اُٹھا کہ تم نے مصر کے متعلق مشورہ کے لیے بلایا ہے کیونکہ اس کی آبادی بہت اور خراج زیادہ ہے اگر واقعاً یہی قصد ہے تو تمھاری رائے بہترین رائے ہے ہم ہر طرح کی کمک کو حاضر ہیں۔ صفین کی لڑائی سے پہلے ہی معاویہ عمرو عاص سے وعدہ کر چکا ہے کہ مصر اگر قبضہ میں آ گیا تو اس کی حکومت تمھارے ہی حوالے کروں گا۔۔ اس لیے اور بھی عمرو عاص کو مصر کے معاملہ سے دلچسپی تھی، معاویہ نے ایک طولانی تقریر کر کے دوسرے لوگوں کی ہمدردیاں بھی حاصل کرنا

چاہی، نتیجہ میں اُن سب نے عمر وعاص کی رائے سے موافقت کا اظہار کیا، جس کے بعد معاویہ نے کہا کہ عمر وعاص نے مصمم ارادہ تو ظاہر کر دیا مگر ہمیں یہ نہ بتایا کہ طریقہ کار کیا ہونا چاہیے؟ عمرو نے کہا میری رائے یہ ہے کہ ایک عظیم الشان لشکر کسی آزمودہ کار افسر کی قیادت میں دیکر روانہ کرو، جو لوگ مصر میں عثمانی ہیں وہ بھی اس لشکر سے اگر مل جائیں گے اور تمہارے دشمنوں کے خلاف کام کریں گے، امید تو ہے کہ کامیابی حاصل ہو، معاویہ نے کہا اس کے علاوہ بھی کچھ اور رائے ہے جس پر ہم اس اقدام سے پہلے عامل ہوں؟ عمر وعاص بولا اب میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا۔ معاویہ نے کہا میری رائے تمہاری رائے کے مخالف ہے، میں مناسب سمجھتا ہوں کہ لشکر کشی سے قبل مصر کی مخالف اور موافق دونوں جماعتوں کو خطوط لکھے جائیں، موافقین کو یہ لکھا جائے کہ وہ اپنے امر پر ثابت قدم رہیں اور انھیں امید دلائیں کہ ہم عنقریب مصر پہونچنا چاہتے ہیں اور جو مخالفین ہیں اُنھیں صلح کی دعوت دیں۔ کچھ دھمکائیں کچھ لالچ دیں، اگر یہ بغیر لڑائی کے ہمارے موافق ہو جائیں تو کیا کہنا، ورنہ لڑائی تو لڑنا ہی ہے۔ اے عمر وعاص تمھیں جلدی اور مجھے تاخیر پسند ہے! عمر وعاص نے کہا جو تمہاری مرضی ہو کرو، میں تو سوا ایک پُر زور جنگ کے اور کچھ انجام نہیں دیکھ رہا ہوں، معاویہ نے مسلم بن مخلد اور معاویہ بن خدیج کندی کو خط لکھا، یہ دونوں جناب امیرؑ کے مخالف تھے۔

''بعد حمد وصلوٰۃ کے واضح ہو کہ خداوند عزیز وجلیل نے تم دونوں کو ایک امر عظیم کے لیے بھیجا ہے جس کی وجہ سے تمہارے اجر کو عظیم اور مسلمانوں میں تمہارے مرتبہ کو اور درجہ کو بلند قرار دیگا، تم دونوں نے خلیفہ مظلوم (عثمان) کے خون کا مطالبہ کیا اور تم بہت غضبناک ہوئے جبکہ کتاب خدا کے حکم کو چھوڑ دیا گیا تھا۔ تم دونوں نے صاحبان ظلم وعدوان سے جہاد کیا، تم خوشنودی خدا و اولیاء خدا کی جانب سے یہ تعجیل نصرت کی بشارت حاصل کرو، دار دنیا اور ہماری سلطنت میں تمہارے ساتھ ہمدردی کی جائے گی، یہاں تک کہ معاملہ کا وہ انجام ہو جو تمھیں پسند ہے جس کے بعد تم دونوں کا حق ادا کیا جائے گا۔ تم اپنے ارادوں پر قائم رہو، اپنے دشمن سے جہاد کرو جو تمہارے خلاف ہیں، اُنھیں بھی اپنی راہ ہدایت کی جانب دعوت دو گویا کہ ہمارا لشکر تم پر اپنا سایہ ڈال چکا اور جو تم ناپسند کرتے ہو وہ بات برطرف ہوگئی اور جو تم چاہتے ہو اُسے دوام نصیب ہو اتم دونوں پر سلام اور خدا کی رحمت ہو۔''

یہ خط سبیع نامی اپنے غلام کے ہاتھ مصر بھیجا۔ وہ لے کر مصر وارد ہوا محمد بن ابی بکر مصر کے حاکم ہیں، مخالفین نے اُن سے لڑائی کی ٹھان رکھی ہے، مگر اقدام سے ہچکچا رہے ہیں، معاویہ کے آدمی نے جا کر مسلم بن مخلد کو خط دیا۔ اس نے کہا اسے معاویہ بن خدیج کے پاس بھی لے جا جب وہ پڑھ چکے تو خط کو لیے ہوئے مجھ سے پھر ملاقات کر، میں دونوں کی طرف سے جواب لکھ دوں گا، غلام معاویہ کا خط لے کر معاویہ بن خدیج کے پاس گیا، اُس نے خط پڑھا، غلام نے کہا مسلمہ نے یہ خط پھر مانگا ہے کہ آپ کی اور اپنی طرف سے جواب لکھ دیں، معاویہ بن خدیج نے موافقت ظاہر کی، غلام مسلمہ کے پاس خط واپس لایا اس نے دونوں کی طرف سے

یہ جواب لکھا:

''بعد حمد وصلوٰۃ کے معلوم ہو کہ یہ امر جس کے لیے ہم نے اپنے جانوں کی بازی لگائی ہے اور جس کے لیے اپنے دشمن کی مخالفت مول لی ہے، ایسا امر ہے جس سے ہم اپنے پروردگار کی جانب سے ثواب کی اُمید رکھتے ہیں اپنے مخالفین کے خلاف نصرت کے طالب، اور بہ تعجیل ان کی سزا کے امیدوار ہیں جنھوں نے ہمارے امام (عثمان) کے خلاف کوشش کی اور ہماری زمین پر بھی پڑاؤ ڈال دیا تھا، ہم نے اپنی سرزمین سے صاحبان غوایت کو دور کر دیا اور اُن لوگوں کو اُبھار لیا ہے جو صاحبان عدل و انصاف ہیں۔ اپنے گھوڑوں اور پیادوں کو لے کر جلد آؤ، ہمارے دشمن ہم سے نبرد آزما تھے ہم اُن سے کم تھے، اگر تمھارے پاس سے ہم کو مدد پہونچ گئی تو خدا تم کو فتح نصیب کرے گا۔''

جب یہ خط معاویہ کو ملا وہ فلسطین میں تھا۔ اُس نے پھر اپنے اُنھیں احباب کو جمع کیا اور جواب دکھایا، اُن سے مشورہ کا طالب ہوا، سب نے یہی رائے دی کہ اپنا ایک لشکر اُن کی مدد کے لیے روانہ کر دو تم مصر کو فتح کر لوگے، معاویہ نے عمروعاص سے کہا تیار ہو جاؤ اور اُسے کئی ہزار کا لشکر دے کر مصر روانہ کر دیا۔ عمروعاص لشکر لے کر مصر کے قریب پہونچا، عثمانیوں کی جماعت بھی اُس سے آ کر ملحق ہو گئی، عمروعاص نے لشکر اُتارا اور محمد بن ابی بکر کو یہ خط لکھا:

''اے ابوبکر کے بیٹے اپنی جان لے کر ہمارے مقابلہ سے ہٹ جاؤ۔ میں نہیں چاہتا کہ تمھیں ایک ناخن سے بھی اذیت پہونچاؤں۔ یہاں کے باشندے تمھارے خلاف ہیں اور تمھاری نافرمانی پر ایکا کر لیا ہے۔ وہ تمھارے اتباع پر نادم ہیں۔ اگر لڑائی کا بازار گرم ہوا تو وہ تمھیں چھوڑ کر الگ ہو جائیں گے۔ تم مصر سے نکل جاؤ میں تمھیں نصیحت کرتا ہوں''۔ والسلام

اسی خط کے ہمراہ عمروعاص نے ایک خط بھیجا جو معاویہ نے محمد بن ابی بکر کو لکھا تھا:

''ظلم اور بغاوت کا انجام بُرا ہوتا ہے، خون ناحق بہانے والا دنیا میں عذاب اور آخرت کے انجام بد سے محفوظ نہیں رہ سکتا، ہم تم سے زیادہ کسی کو نہیں جانتے جو عثمان کے ساتھ بغاوت کرنے والا، اُن کی عیب جوئی کرنے والا اور اُن کی شدید مخالفت کرنے والا ہو، تم نے ان کے خلاف کوشش کرنے والوں کے ساتھ مل کر کوشش کی، ان کے خلاف مدد کرنے والوں کی مدد کی، تم نے خون بہانے والوں کے ساتھ اُن کا خون بہایا، اس کے بعد تمھیں یہ خیال ہے کہ میں تم سے غافل ہوں، سو رہا ہوں کہ تم مصر کے شہر میں آ کر بے خوف ہو جاؤ گے حالانکہ اس کے اکثر باشندے ہمارے ہم خیال ہیں اور تمھاری بات ٹھکرانے والے ہیں، وہ تمھارے خلاف ہم سے فریاد کر رہے ہیں، میں نے تم سے جنگ کرنے کو ایک ایسی جماعت روانہ کی ہے جو تم پر غضبناک ہے اور تمھارا خون بہائے گی اور تم سے جہاد کر کے قرب خدا حاصل کرے گی، ان سب نے خدا سے عہد کیا ہے کہ تم کو ضرور ضرور

قتل کریں گے، اگر ان سے تمھارے متعلق وہ نہ ہوسکا تو خدا تم کو اپنے اولیاء میں سے کسی اور کے ہاتھوں سے قتل کروائے گا، میں تم کو ڈراتا ہوں، خدا تم سے اپنے ولی اور خلیفہ کا قصاص لے گا، تم نے اُن پر ظلم کیا، ان سے بغاوت کی، اُن کو برا بھلا کہا، یوم الداران پر تشدد کیا، تم نے اپنے حربہ سے ان کے شکم اور انکی رگہائے گردن پر ضرب لگائی، ان تمام باتوں کے باوجود بھی میں تمھیں قتل کرنا نہیں چاہتا اور نہ اس امر کے درپے ہونا چاہتا ہوں، مگر تم کو کبھی اپنے عذاب سے خدا بچنے نہیں دیگا، تم جہاں بھی ہو ہٹ جاؤ اور جان کو نجات دو''۔ والسلام

محمد بن ابی بکر پریشان ہیں، معاویہ کا لشکر شہر کے باہر اترا ہوا ہے، ایک مقامی جماعت جا کر مخالفین سے مل گئی ہے، دیگر باشندگان شہر کی بھی ہمتیں پست ہیں، اُنھوں نے عمرو عاص اور معاویہ کے خطوں کو پڑھ کر ایک عریضہ کے ساتھ خدمت امیر المومنینؑ میں روانہ کر دیا۔

''بعد حمد وصلوٰۃ اے امیر المومنینؑ! عاصی بن عاصی مصر کے قریب آ پہونچا، اس کے پاس مصر کے وہ لوگ بھی جمع ہو گئے ہیں جو اس کے ہم خیال تھے اس کے ساتھ ایک بڑا سا لشکر بھی ہے، اپنی طرف کے لوگوں میں ایک قسم کی بزدلی بھی دیکھ رہا ہوں اگر حضور کو مصر کی ضرورت ہے تو لشکر اور اموال سے میری مدد فرمائیں والسلام علیک ورحمۃ اللہ وبرکاتہ''۔

حضرت کو خط ملا، آپ نے جواب تحریر فرمایا:

''بعد حمد وصلوٰۃ کے معلوم ہو کہ تمھارا خط پہونچا، جس میں تم نے لکھا ہے کہ ابن عاص ایک جرار لشکر لے کر مصر کے قریب آ گیا ہے اور جو لوگ اس کے ہم خیال تھے وہ اُس سے جا ملے۔ ایسے لوگوں کا تمھارے پاس سے چلا جانا جو اس کے ہم خیال تھے تمھارے پاس رہنے سے بہتر ہے، تم نے لکھا ہے کہ اپنی طرف والوں میں تم بزدلی محسوس کر رہے ہو، تم بزدل نہ ہو، چاہے وہ لوگ بزدل ہو جائیں، قلعہ بند ہو جاؤ، اپنے دوستوں کو اپنے پاس جمع کر لو اپنے لشکر میں دیدبان پھیلا دو، اُن سے لڑنے کو کنانہ بن بشیر کو نامزد کرو، جو اپنے تجربہ خلوص اور شجاعت میں معروف ہیں، میں لوگوں کو تمھاری مدد کے لیے بھیجنے ہی والا ہوں، اپنے دشمن کے مقابلہ میں جمے رہو، اپنی بصیرت پر گزر جاؤ، اپنی نیّت پر اُن سے جنگ کرو، خدا کی راہ میں اُن سے جہاد کرو، اگر تمھارا گروہ قلیل ہے تو کوئی بات نہیں، اکثر خداوند عالم قلیل کی نصرت فرماتا ہے اور کثیر کو چھوڑ دیتا ہے، میں نے اُن دونوں کے خطوط بھی پڑھے جو مصیبت خدا پر ایک دوسرے کے دوست ہیں اور گمراہی میں متحد ہیں، جو حکومت میں رشوت دیتے اور لیتے ہیں، جو اہل سے تکبر کرتے ہیں وہ اپنے نصیب سے فائدہ اُٹھا رہے ہیں، جیسا کہ ان کے قبل والوں نے اپنے اپنے نصیب سے فائدہ اُٹھایا، تم کو اُن کا گرجنا چمکنا ضرر نہیں پہونچا سکتا، اگر تم نے اب تک اُن کے خطوں کا جواب نہیں دیا ہے تو جس کے وہ اہل

ہیں ویسا ہی جواب لکھ دو۔ کیونکہ تم جو چاہو وہ کہہ سکتے ہو"۔ والسلام

امیر المومنینؑ کا فرمان پہونچنے کے بعد محمد بن ابی بکر نے معاویہ اور عمرو عاص کے خطوں کا جواب لکھا۔

معاویہ کے نام لکھا:

"بعد حمد وصلوٰۃ کے واضح ہو کہ میرے پاس تمھارا خط پہونچا، تم نے عثمان کا واقعہ لکھا ہے۔ اس سلسلہ میں میں تم سے عذر و معذرت کرنا نہیں چاہتا، تم نے مجھے لکھا ہے کہ میں تمھارے مقابلہ سے ہٹ جاؤں گویا تم میرے ناصح ہو اور مجھے لڑائی سے ڈرا رہے ہو جیسے تم مجھ پر بڑے مہربان ہو، مجھے خدا سے امید ہے کہ لڑائی کا انجام تمھارے خلاف ہو اور خدا تم لوگوں کو اس معرکہ میں ہلاک کر دے، تم پر ذلت نازل کرے اور تم میدان سے پیٹھ پھیر لو اگر دنیا میں نتیجہ تمھارے موافق ہوا تو ہوا کرے اپنی جان کی قسم کتنے ہی ظالم ہیں جن کی تم لوگوں نے مدد کی اور کتنے ہی مومنین ہیں جن کو تم نے شہید کر ڈالا۔ ان کے اعضا کے ٹکڑے ٹکڑے کیے، خدا ہی کی طرف بازگشت ہے اور تمام امور اسی کی طرف پلٹتے ہیں، وہ ارحم الرّاحمین ہے۔ جو کچھ تم کہتے ہو اُس پر خدا ہی سے استعانت مطلوب ہے"۔

عمرو عاص کو لکھا:

"بعد حمد وصلوٰۃ کے معلوم ہو کہ میں نے تمھارے خط کو دیکھا۔ احوال پر مطلع ہوا، تم نے کہا ہے کہ تمھیں ناپسند ہے کہ تمھاری جانب سے مجھے ایک ناخن سے بھی تکلیف پہونچے، میں خدا کو گواہ کر کے کہتا ہوں کہ تم باطل پرستوں میں ہو، مگر تمھیں گمان ہے کہ تم نصیحت کرنے والوں میں ہو، میں قسم کھا کر کہتا ہوں تم میری نظر میں متہم ہو، تم نے لکھا ہے کہ شہر والوں نے میری اطاعت ترک کر دی ہے اور میرے اتباع پہ نادم ہیں، اس طرح کے لوگ تمھارے اور شیطان رجیم کے گروہ کے تھے اور ہمیں خدا کافی ہے جو رب العالمین ہے اور وہی اچھا وکیل ہے، میں اُس خداوند عزیز و رحیم پر بھروسہ رکھتا ہوں جو رب عرش عظیم ہے"

محمد کا خط عمرو عاص کو ملا، اب وہ لشکر لے کر مصر میں داخل ہونے کی نیت سے چل کھڑا ہوا، ادھر محمد بن ابی بکر نے بھی مصریوں کو جمع کر کے انھیں جہاد پر آمادہ کرنا شروع کیا اور کہا:

"اے گروہ مومنین! وہ لوگ حرمتوں کی ہتک کرتے ہیں، گمراہی پر ہیں اور زبردستی لوگوں پر بلندی حاصل کرنے کی فکر میں رہتے ہیں، تم سے دشمنی کرنا اپنا نصب العین بنا چکے، اپنے لشکروں کو لے کر تمھارے فکر میں روانہ ہو چکے جو مغفرت اور جنت کا طالب ہو اُسے چاہیے کہ اُن کے مقابلہ میں نکل کر خدا کی راہ میں اُن سے جہاد کرے، خدا تم پر رحم کرے، تم لوگ کنانہ بن بشیر کے ساتھ جمع ہو جاؤ۔"

کنانہ، عمرو عاص کے قریب پہونچے، وہ ان کے مقابلہ پر آیا اور اُس نے ایک ایک رسالہ ان کے لڑنے کے لیے بڑھانا شروع کیا، شام کی فوجوں کا جو جتھا کنانہ کے مقابلہ میں پہونچا انھوں نے ایسا دلیرانہ مقابلہ کیا کہ اس کو پسپا کر کے عمرو تک واپس کر دیا۔ اسی طرح متواتر کئی رسالوں کو فاش شکست دیکر پلٹا دیا۔ بقول صاحب روضۃ الصفا: کنانہ کے مقابلہ کے لیے عمر وعاص نے محمد بن ابی بکر کے بھائی عبدالرحمٰن بن ابی بکر کو روانہ کیا، اور عبدالرحمٰن شکست کھا کر فرار کر گئے اور عمرو عاص سے جا ملے۔ عمرو نے یہ حال دیکھ کر ابکی معاویہ بن خدیج کو کنانہ کے مقابلہ کے لیے ایک عظیم الشان لشکر دے کر بھیجا، کنانہ اُس لشکر کو دیکھ کر اپنے گھوڑے سے اُتر آئے ان کو دیکھ کر ان کے ساتھ والے بھی پیادہ ہوئے، کنانہ نے اپنی مختصر سی فوج لے کر مخالف کے عظیم لشکر کو کاٹ کاٹ کر گرانا شروع کر دیا، اثنائے جہاد میں آیہ قرآنیہ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ أَن تَمُوتَ إِلَّا بِإِذْنِ اللهِ كِتَابًا مُّؤَجَّلًا کی تلاوت کرتے جاتے تھے، بہت دیر تک اس شیر دل بہادر نے اپنے ہمراہیوں کے ساتھ شمشیر زنی کے جوہر دکھلائے، تلوار کا قبضہ نہیں چھوٹا یہاں تک کہ لشکر مخالف کی کثرت کی بنا پر یہ شہید کیے گئے۔ اب عمرو عاص کی ہمت اور بڑھی اور وہ محمد بن ابی بکر پر حملہ کا قصد کر کے بڑھنے لگا، مصر کا نوجوان حاکم محمد اس وقت اضطراب میں ہے، مخالفت کی فوج تعداد میں بہت زیادہ ہے، اُن کے ہمراہ ایک چھوٹا سا لشکر ہے جس کی بزدلی کے بھی شاکی ہیں، کنانہ کی شہادت نے لشکر والوں کی ہمتیں پست کر دی ہیں، اب اُنھیں کمک کی شدید ضرورت ہے کہ برابر کا مقابلہ ہو سکے اور اس بہادر کے دل میں میدان جنگ کے متعلق کوئی حسرت باقی نہ رہ جائے۔

آیئے ہم کوفہ کے حالات پر ایک نظر ڈالیں، امیر المومنینؑ اپنے ایک گرامی نامہ کے ذریعہ سے مدد روانہ کرنے کا وعدہ فرما چکے ہیں۔

آپ نہج البلاغہ میں حضرتؑ کے ان خطبوں کا مطالعہ کریں جن میں باوقات مختلفہ حضرت نے اپنے ساتھ والوں کی حالت بیان فرمائی ہے اور یہ دیکھیں کہ کس طرح حضرت اُنھیں اُبھارنا چاہتے ہیں اور وہ منھ چراتے ہیں اور یہ کہ حضرت نے یہاں تک فرما دیا کہ ”میں دوست رکھتا ہوں کہ میرے یہاں کے دس دس کے عوض میں معاویہ کے اصحاب کا سا ایک ایک اطاعت شعار شخص مل جائے“ یہ بھی فرمایا ہے کہ تم نے میرا کلیجہ پکا دیا، سینے میں پیپ بھر دی“ اور یہ کہ معاویہ والے اپنے باطل کے امام کی اطاعت میں سرگرم ہیں مگر تم اپنے امام برحق کی اطاعت سے روگردانی کرتے ہو۔“

اس کی وجہ کیا تھی؟ کیوں حضرت کو اپنے اصحاب سے شکایت پیدا ہوتی تھی اور وہ کیوں آپ کی اطاعت نہیں کرتے تھے؟ وجہ صاف ظاہر ہے آپ کے ماننے والوں میں دو طرح کے لوگ تھے، ایک جماعت ان کی تھی جو آپ کو اپنا امام مفترض

الطاعة اور منصوص من اللہ سمجھتے تھے۔اس طرح کے لوگ تو ظاہراً اور باطناً ہر طرح آپ کی اطاعت کو اپنا ایمانی فریضہ جانتے تھے،آپ کی محبت کا دم بھرتے تھے،آپ کے پسینہ پر اپنا خون بہانے کے لئے ہر دم تیار رہتے ،اُن میں شاذ و نادر کسی سے بمقتضائے بشریت کوئی بات امیر المومنینؑ کے منشاء کے خلاف ہو جاتی ہو تو وہ قابل لحاظ نہیں ،آخر جائز الخطا انسان تھے ،معصوم تو نہ تھے مگر بہر حال یہ ہر طرح سے آپ کے مقاصد کے حامی اور ناصر تھے لیکن ایسے لوگ آپکے ہمراہیوں میں زیادہ نہ تھے ،بہت کم اور گنتی کے۔دوسری جماعت جس کی اکثریت تھی وہ ان لوگوں کی تھی جو آپ کو چوتھا خلیفہ مانتے تھے اور اُنھیں خیال تھا کہ یہ ہمارے بنائے ہوئے خلیفہ ہیں۔یہ آپ سے کچھ توقعات رکھتے تھے،سابق کے خلفاء نے عادتیں خراب کر دی تھیں ،ادھر حضرت بیت المال سے کسی کو اس کے حق سے ایک حبّہ بھی زیادہ دینے کے لیے تیار نہ تھے،اسکے ماسوا اگلے خلفاء سے آپ کو کسی طرح کا خلوص یا حسن ظن نہ تھا بلکہ ان سے سخت تکلیفیں اُٹھائی تھیں ،کبھی کبھی خطبوں میں شکایت فرماتے تھے اور اپنے تاثرات قلبی کا وقتاً فوقتاً اظہار کرتے رہتے تھے اس وجہ سے یہ جماعت یوں تو آپ کے ساتھ ہوگئی مگر واقعاً اس کا دل اُنھیں خلیفہ بنا کر خوش نہ تھا،ایک جماعت نے الگ ہو کر جمل کی جنگ چھیڑ دی، کچھ لوگ معاویہ سے مل گئے صفین کا معرکہ ہوا ،اس میں بھی عین وقت پر اختلاف ڈال کر دشمن کی ناکامیابی کو کامیابی میں تبدیل کروا دیا،حکمین کا قضیہ، جناب قیس بن سعد کی معزولی اور جناب محمد بن ابی بکر کی نصرت کو نہ جانا،سب ایک ہی سلسلہ کی کڑیاں ہیں۔

مصر کے انقلاب کا وقت ایسا ہے جب کہ آپ کے لشکر کا مشہور افسر مالک اشتر جام شہادت پی چکا ،عمار صفین کے معرکہ میں باغی جماعت کے ہاتھوں شہید ہو چکے، یہ دونوں بزرگوار بقول معاویہ امیر المومنینؑ کے دو ہاتھ تھے جو قطع کیے جا چکے ،جمل اور صفین کے معرکوں میں آپ کے بہت سے مخلصین کام آچکے،حضرت کوفہ والوں کو برابر آمادہ کر رہے ہیں، چاہتے ہیں وہ مصر جائیں مگر وہ ٹال رہے ہیں، یہاں خاص اسی موقع کے حضرت کے چند خطبے درج کیے جاتے ہیں کہ ناظرین کو کوفہ کی حالت کا اندازہ ہو سکے۔ابن ابی الحدید ناقل ہیں کہ جبیب کا بیان ہے کہ میں حضرت علیؑ کی خدمت میں حاضر تھا کہ آپ کی خدمت میں عبداللہ بن معین اور کعب بن عبداللہ، محمد بن ابی بکر کے پیچھے ہوئے جنگ کے لیے مدد حاصل کرنے کے واسطے آئے۔حضرت نے الصلوۃ جامعہ کہلوا کر منادی کروائی ،لوگ جمع ہوئے اور آپ منبر پر تشریف لے گئے ،حمد و باری اور درود و سلام کے بعد فرمایا۔

''یہ محمد بن ابی بکر اور تمھارے مصری بھائیوں کی فریادیں ہیں ،نابغہ کا بیٹا جو دشمن خدا اور دشمن ولی خدا اور دشمن کا دوست ہے روانہ ہو چکا ،ایسا نہ ہو کہ گمراہی والے اپنے باطل اور طاغوت کی راہ پر جمع ہونے سے زیادہ شدید ہوں، اُنھوں نے تم سے اور تمھارے بھائیوں سے جنگ کرنے میں پہل کی ہے،تم مواسات اور نصرت کے لیے جلد روانہ ہو جاؤ، بندگان خدا! مصر

شام سے بڑا ہے، اہل مصر شام والوں سے بہتر ہیں، تم کو مصر کے معاملہ میں مغلوب نہ ہونا چاہیے، تمھارے قبضہ میں مصر کا باقی رہنا دشمن کو سرنگوں اور ناکام کرنے کے مرادف ہے تم جزعہ کی طرف نکل کر چلو (جزعہ کوفہ اور حیرہ کے درمیان ایک مقام کا نام ہے) تاکہ پھر انشاء اللہ ہم سب وہاں جمع ہو جائیں۔

دوسرے دن حضرت صبح سویرے جائے معہود پر تشریف لے جاکر منتظر رہے یہاں تک کہ دن ادھیا گیا لیکن حضرت کے پاس سو نفر بھی جمع نہیں ہوئے، آپ واپس آ گئے، شام ہوئی آپ نے اعیان واشراف کو بلا بھیجا، وہ دارالامارہ میں حاضر ہوئے ،اس وقت حضرت بہت رنجیدہ اور غمگین تھے، آپ نے فرمانا شروع کیا:

''خداوند عالم کی حمد ہے اسکی قضاء وقدر پر اور اس بات پر بھی حمد ہے کہ اس نے مجھے تمھارے ہاتھوں مبتلا کیا۔ اے وہ جماعت! جو میری اطاعت نہیں کرتی جب میں اُسے حکم دیتا ہوں اور میری دعوت پر لبیک نہیں کہتی جب میں اسے بلاتا ہوں، تم نصرت دین اور حق کے لیے جہاد کرنے میں کاہے کے منتظر ہو؟ اس دنیا میں باطل کے سامنے ذلیل ہونے سے موت بہتر ہے ،خدا کی قسم اگر مجھے موت آ گئی اور ضرور آئے گی تو تم مجھے اپنی صحبت کا بہت زیادہ دشمن پاؤ گے! کیا تمھارا کوئی دین نہیں جو تمھیں ایک نقطہ پر جمع کرے؟ کیا تم میں حمیت باقی نہیں جو تمھیں جوش میں لائے؟ کیا تم اپنے دشمن کے لیے نہیں سن رہے ہو کہ وہ تمھارے قبضہ کے شہروں کو کم کیے دے رہا ہے؟ تم پر چڑھائی کر رہا ہے؟ کیا تعجب کی بات نہیں کہ یہ جفا کار معاویہ ظالموں کو بلاتا ہے اور وہ اس کا اتباع کرتے ہیں .... وہ ان لوگوں کو سال میں دو ایک مرتبہ جس بات کے لیے چاہتا ہے بلاتا ہے اور وہ قبول کرتے ہیں، اور میں تم کو بلاتا ہوں حالانکہ تم صاحبان عقل ہو، بقیہ الناس ہو مگر تم اختلاف کرتے ہو اور مجھ سے الگ الگ رہتے ہو، میری نافرمانی اور مخالفت کرتے ہو۔''

یہ سن کر مالک بن کعب ارجی نے اُٹھ کر کہا کہ لوگوں کو میری سرکردگی میں جمع فرما دیجئے وقت گزرا جاتا ہے، اجر مشقت ہی سے ملتا ہے، پھر اُنھوں نے مسلمانوں کی طرف رُخ کر کے کہنا شروع کیا: ''لوگو! خدا سے ڈرو اور اپنے امام کے کلمہ کی اطاعت کرو، ان کی دعوت کی لاج رکھو، اپنے دشمن سے جہاد کرو'' یا امیر المومنینؑ ہم لڑنے کو جائیں گے، حضرتؑ نے اپنے غلام سعد کو حکم دیا کہ وہ لوگوں میں ندا کرے کہ مالک بن کعب کے ساتھ مصر جاؤ، مگر ایک ہفتہ تک بھی لوگ مالک کے پاس جمع نہ ہوئے، جو چند لوگ مالک کے پاس آئے تھے انھیں لے کر مالک پشت کوفہ پر منتظر رہے، حضرت بھی تشریف لائے، دیکھا سب ملا کر صرف دو ہزار ہیں، حضرت نے فرمایا خیر جاؤ، روانہ ہو جاؤ مگر خدا کی قسم مجھے خیال نہیں کہ تم اپنے بھائیوں کو خاتمہ بالخیر ہونے کے پہلے پاسکو گے، مالک بن کعب یہ چھوٹا سا لشکر لیے ہوئے مصر روانہ ہو گئے۔

یہاں مصر کا یہ حال ہے کہ عمر وعاص نے کنانہ کے قتل ہونے کے بعد محمد بن ابی بکر سے مقابلہ شروع کر دیا، جنگ چھڑی محمد کے ساتھ والے ان کو چھوڑ کر چلدیئے، کوفہ سے ابھی تک مدد نہیں پہونچی، دمشق کا لشکر پوری طاقت سے دباؤ ڈالتا ہوا بڑھتا چلا آرہا ہے، محمد کب تک اکیلے مقابلہ کریں، خستہ اور زخم خوردہ ہو کر (بقول مؤرخین) راستہ کے ایک خرابہ میں دم لینے کو بیٹھ گئے، عمر وعاص نے ان کی لشکر گاہ پر قبضہ کرلیا، معاویہ بن خدیج محمد کی جستجو میں نکلا، راستہ میں لوگوں سے دریافت کرتا جاتا ہے کہ ادھر سے کوئی گزرا تو نہیں ہے؟ ایک شخص نے کہہ دیا کہ ہاں اس خرابہ میں ایک شخص بیٹھا ہوا ہے، محمد کو گرفتار کیا گیا، یہ اُس وقت بہت پیاسے ہیں اور بقول سبط ابن جوزی: روزے سے ہیں، محمد کے بھائی عبدالرحمن بن ابی بکر بھی عمر وعاص کے لشکر میں موجود ہیں، اُنھوں نے کہا تجھ کو قسم ہے میرا بھائی یوں مجبوری اور بے بسی کے عالم میں نہ قتل کیا جائے، تم معاویہ بن خدیج کے پاس پیغام بھیج دو۔

معاویہ نے منظور نہ کیا، محمد نے پانی مانگا، معاویہ بن خدیج نے جواب دیا اگر میں تمھیں ایک قطرہ بھی پانی پلا دوں تو خدا مجھے کبھی سیراب نہ کرے گا، تم لوگوں نے عثمان پر پانی بند کیا اور اُن کو پیاسا قتل کیا، ابوبکر کے بیٹے اب میں تم کو یوں ہی پیاسا قتل کر دوں گا اور خدا تمھیں حمیم و غسلین سے (جہنم میں) سیراب کرے گا، محمد نے کہا او یہودیہ جولاھے کے بچے، قیامت کا دن نہ تیرے قبضے میں ہے نہ عثمان کے، اس دن کا مالک تو اللہ ہے جو اپنے دوستوں کو سیراب کرے گا اور دشمنوں کو پیاسا رکھے گا، اور دشمن خدا تو ہے، تیرے ساتھ والے ہیں اور جن کا تو دوست ہے اور جو تیرے دوست ہیں۔ خدا کی قسم اگر میری تلوار میرے قبضہ میں ہوتی تو، تو مجھ پر اتنا قابو نہ پا سکتا، معاویہ بن خدیج نے محمد سے کہا کیا تمھیں معلوم ہے کہ میں تمھارے ساتھ کس طرح پیش آؤں گا؟ میں تمھیں اس مرے ہوئے گدھے کے پیٹ میں رکھ کر اس میں آگ لگا دوں گا، تم کو جلا ڈالوں گا، محمد نے کہا اگر تم نے میرے ساتھ ایسا کیا تو کیا تعجب ہے، بہت سے اولیاء خدا کے ساتھ تم اس طرح کا ظالمانہ برتاؤ کر چکے ہو۔ میں خدا سے امیدوار ہوں کہ وہ میرے لیے اس آگ کو جس سے تو مجھے ڈرا رہا ہے، **برداً و سلاماً** کر دے گا، جیسا کہ خدا نے اپنے خلیل ابراہیم کے لیے کیا اور تیرے معاویہ کو دہکتی ہوئی آتش جہنم کا ایندھن بنائے گا، عمر وعاص کی طرف اشارہ کر کے کہا اور اسے بھی، جب بھی وہ آگ بجھنے لگے خدا اُس کے شعلوں کو اور تیز کر دے، معاویہ بن خدیج نے جواب دیا میں تمھیں ظلماً تھوڑی قتل کر رہا ہوں، میں تو عثمان کا بدلہ لے رہا ہوں؟ محمد نے کہا تجھے عثمان سے کیا مطلب؟ وہ ایک ایسا شخص تھا جس نے حکم خدا اور قرآن کو بدل دیا حالانکہ خداوند عالم قرآن کریم میں ارشاد فرماتا ہے: جن لوگوں نے اس کے مطابق حکم نہ کیا جو خدا نے نازل کیا ہے وہ لوگ کافر ہیں............ یہی لوگ ظالم ہیں یہی لوگ فاسق ہیں، ہم نے انکی چند باتوں پر اعتراض کیا اور یہ

چاہا کہ وہ خلافت سے دستبردار ہو جائیں، اُنھوں نے منظور نہیں کیا جسکی وجہ سے قتل کرنے والوں نے انھیں قتل کرڈالا۔ معاویہ بن خدیج کو محمد کی یہ دلیرانہ گفتگو بُری لگی اور انھیں شہید کیا، پھر اس پیکر اخلاص و وفا کو گدھے کے مردے میں بند کر کے جلا ڈالا۔ (شرح ابن ابی الحدید)

اسد الغابہ، الاستیعاب اور شذرات میں یہ قول بھی نقل کیا گیا ہے کہ اُن کو خود عمرو عاص نے اپنے ہاتھ سے شہید کیا۔

صاحب حیواۃ الحیوان ابن خلکان سے ناقل ہیں کہ ایک روایت یہ بھی ہے کہ معاویہ بن خدیج نے اُنھیں زندہ ہی مرے ہوئے گدھے کی کھال میں بند کر کے جلا ڈالا........... جہاں پر قتل ہوئے وہیں ان کا جثہ سپرد خاک کیا گیا۔

(حیواۃ الحیوان ص ۳۶۴ ج ۱) میں ہے کہ معاویہ بن خدیج نے محمد کو صفر ۸ ۳ ہجری میں شہید کیا اور حکم دیا کہ ان کی لاش میں رسّی باندھ کر راہوں میں گھسیٹا جائے اور مرے ہوئے گدھے میں رکھ کر جلائے جائیں۔

(ابن اثیر، واسد الغابہ ص ۲۲۴ ج ۴) میں لکھتے ہیں جب ام المومنین عائشہ کو قتل محمد کی خبر پہونچی تو انھیں بہت صدمہ ہوا اور کہا کہ میں انھیں اپنا بھائی بلکہ اپنا فرزند سمجھتی تھی اُنکے جلائے جانے کے بعد پھر کبھی ام المومنین نے بھنا ہوا گوشت نہیں کھایا۔

(صاحب حیواۃ الحیوان ص ۳۶۴ ج ۱) میں لکھتے ہیں کہ عائشہ نے اپنے بھائی عبدالرحمن کو عمرو عاص سے محمد بن ابی بکر کی سفارش میں بھیجا، عمرو نے یہ کہہ کر عذر کر دیا کہ یہ معاملہ معاویہ بن خدیج سے متعلق ہے۔ جب محمد شہید ہو گئے تو انکا غلام سالم اُن کا پیراہن لے کر مدینہ آیا، خبر شہادت سنائی، مردوں اور عورتوں کا ہجوم ہو گیا، معاویہ کی بہن ام حبیبہ بنت ابی سفیان زوجہ نبی نے ایک مینڈھا بھنوا کر عائشہ کے پاس بھیجا اور کہلا بھیجا کہ دیکھو اس طرح تمھارے بھائی بھون ڈالے گئے۔ عائشہ نے مرتے دم تک بھنا ہوا گوشت نہیں کھایا اور بقول ابن ابی الحدید جب کبھی اُنھیں راہ چلتے ٹھوکر لگتی تھی تو اپنے بھائی کے قاتلوں کو یوں نفرین کرتی تھیں ''تعس معاویہ بن ابی سفیان وعمر بن العاص ومعاویہ بن الخدیج'' (خدا معاویہ، عمرو عاص اور معاویہ بن خدیج کو غارت کرے) اور ہر نماز کے بعد قنوت میں ان تینوں کے لیے بد دعا کرتی تھیں۔ سبط ابن جوزی اس واقعہ کو تذکرہ میں یوں نقل فرماتے ہیں:

''جب قتل محمد کی خبر عائشہ کو ملی تو وہ بہت روئیں اور وہ اپنی ہر نماز کے بعد معاویہ اور عمرو عاص کے لیے بد دعا کیا کرتی تھیں، جب ام حبیبہ معاویہ کی بہن کو ان کے قتل اور جلائے جانے کی خبر ملی تو اُنھوں نے ایک مینڈھا بھنوا کر عائشہ کے پاس بھیجا اس سے مقصود خون عثمان کے عوض میں محمد بن ابی بکر کے قتل ہونے پر اظہار مسرت وتشفی تھا، عائشہ نے اُنکے اس فعل سے متاثر ہو کر زبان پر یہ کلمات جاری کیے، خدا زانیہ زادی پر لعنت کرے، خدا کی قسم اب میں کبھی بھنا ہوا گوشت نہ کھاؤں گی۔

نیز اُنھوں نے اپنے بھائی کے عیال کو بلا کر اپنے پاس رکھا اور خود اُن کی تربیت کی، صاحب اصابہ بھی لکھتے ہیں کہ عائشہ نے محمد کے فرزند قاسم کی تربیت اپنے ذمہ لے لی تھی۔

ان واقعات سے آپ کو اندازہ ہوگا کہ ام المومنین اپنے بھائی سے کتنی محبت کرتی تھیں۔عمرو عاص سے سفارش فرمائی۔قتل کی خبر سن کر بہت روئیں، ام حبیبہ پر لعنت کی، عمر بھر بھنا ہوا گوشت نہیں کھایا، نمازوں کے بعد اپنے بھائی کے قاتلوں کے لیے بددعا کرتی رہیں۔

سابق میں لکھا جا چکا ہے کہ محمد بن ابی بکر کی طرف سے مدد مانگنے والا آیا تو امیرالمومنینؑ نے مسلمانوں کو جمع کر کے مصر جانے کی تاکید فرمائی تھی اور پوری ایک ماہ کی مدّت گزرنے کے بعد صرف دو ہزار کا لشکر مالک بن کعب کی قیادت میں مصر روانہ ہوا ابھی یہ لوگ کوفہ سے صرف پانچ روز کے راستہ پر ہوں گے کہ ادھر سے حجاج بن غزیہ انصاری اور عبدالرحمن بن مسیّب فزاری آتے دکھائی دیے، فزاری شام میں حضرتؑ کے جاسوس تھے، اُنھوں نے آکر بتایا کہ میں شام سے نہیں نکلا، مگر یہ کہ میں نے دیکھا کہ عمرو عاص کی جانب سے معاویہ کے پاس قتل محمد بن ابی بکر کی خبر بعنوان بشارت بھیجی گئی، پھر متواتر لوگوں نے آکر فتح مصر کی خوشخبری سنائی، معاویہ اُن کے قتل کا منبر پر خود اعلان کر چکا تھا یا امیرالمومنینؑ میں نے کبھی ایسی مسرت نہیں دیکھی جتنی اس خبر سے اہل شام کو حاصل ہوئی۔حضرتؑ نے فرمایا کہ اُنکی شہادت پر ہمارا غم بھی اتنا ہی ہے جتنی شامیوں کو خوشی ہے، نہیں بلکہ ہمارا غم بدرجہا اُنکی خوشی سے زائد ہے، دوسری طرف حجاج بن غزیہ انصاری جو خود مصر میں جناب محمد کے ساتھ تھے، اُنھوں نے چشم دید حالات بیان کیے۔حضرت کو محمد سے جو دلی رابطہ تھا وہ محتاج بیان نہیں، بچپنے سے آپ ہی نے پالا تھا، وہ ایک جوان صالح عبادت گذار اور مومن مخلص تھے ہمیشہ امیرالمومنینؑ کی نصرت کو اپنا فریضہ سمجھتے رہے اور آخری رمقِ حیات تک پیمان وفا پر قائم رہے، جان دیدی مگر ولائے ابوتراب سے منہ نہ موڑا۔ظاہر ہے کہ حضرت کو آپکی شہادت سے کس قدر رنج پہونچا ہوگا ،اسی لیے تمام مورخین باتفاق ناقل ہیں کہ حضرت علیؑ کو اُن کے قتل کا بہت صدمہ ہوا، آپ اتنے رنجیدہ ہوئے کہ چہرہ اقدس پر آثار حزن وملال نمایاں ہو گئے تھے۔''

ابن ابی الحدید حضرتؑ کے حُزن وملال کا تذکرہ کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ اُس وقت امیرالمومنینؑ نے ایک خطبہ ارشاد فرمایا جس میں کہا:

''آگاہ ہو کہ مصر کو اُن فُجّار اور اولیاء ظلم وجور نے فتح کرلیا، جنھوں نے لوگوں کو راہ خدا سے روکا، اور اپنی گمراہی کی وجہ سے اسلام سے بغاوت کی، آگاہ ہو کہ محمد بن ابی بکر شہید ہو گئے، خدا ان پر اپنی رحمت نازل کرے، ہم اُن کی مصیبت کو قربتہً الی

اللہ برداشت کرتے ہیں۔خدا کی قسم مجھے معلوم ہے کہ وہ رضائے الٰہی کے منتظر رہتے تھے اوراس کی جزا کے لیے عمل کرتے تھے۔وہ فاجر کے دشمن اور مومن کی صورت کے عاشق تھے،خدا کی قسم میں اپنے نفس میں کوئی کوتاہی نہیں پاتا جس پر اُسے سرزنش کروں،میرے نفس کولڑائیاں لڑنے کا پورا علم ہے،میں دور اندیشی کے راستوں سے واقف ہوں،میں صائب رائے کے ساتھ اُٹھا کرتا ہوں،میں تمھیں پکارتا ہوں،تم میری بات نہیں سنتے،نہ میرے حکم کی اطاعت کرتے ہو،جسکی وجہ سے معاملات کا انجام خراب ہوجاتا ہے۔تم اس طرح کے لوگ ہو کہ نہ تو تمھارے ذریعہ سے کسی خون کا عوض لیا جاسکتا ہے نہ قصاص ،میں نے تمھیں اپنے بھائیوں کی مدد کی جانب سے آج سے تقریباً پچاس راتیں پہلے دعوت دی...........مگرتم اس طرح بوجھل اور کاہل ہوگئے جیسے جہاد کی پرواہ ہی نہیں،نہ ثواب کی فکر،پھرتم میں سے ایک چھوٹا سا کمزور اورضعیف لشکر نکل کرآیا،جیسے اُسے موت کی طرف ہنکایا جارہا تھا اوراپنی موت کواپنی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔اف''

یہ فرماکرحضرت منبرسے اُترآئے۔

اس موقع پرحضرت نے ابن عباس کوحسب ذیل مکتوب تحریرفرمایا،جواُس وقت حاکم بصرہ تھے:

''بندۂ خداامیرالمومنین کی طرف سے عبداللہ بن عباس کے نام۔۔۔۔۔۔

سلام'' علیک ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

تم کومعلوم ہوکہ مصرفتح کرلیاگیااورمحمد بن ابی بکرشہید کردیے گئے۔میں نے واقعہ سے پہلے ہی لوگوں سے کہا تھااورمحمد کی فریاد کوپہونچنے کاحکم دیا تھا،اُنھیں ظاہر بہ ظاہراورمخفی طور پرہرطرح سے اس امرکی طرف دعوت دی اور باراُن سے کہا،اُن میں کوئی توبہ مجبوری بڑھا،کسی نے جھوٹے بہانے کیےاورکوئی نصرت چھوڑکربیٹھ رہا،میں خدا سے سوال کرتا ہوں اُنکے ساتھ سے مجھے نجات دے۔خدا کی قسم اگر مجھے دشمن سے لڑائی میں شہادت کا لالچ نہ ہوتا اورایسے وقت میں اپنے نفس کوموت پر آمادہ نہ کیے رہتا تو میں یہ چاہتا کہ ان لوگوں سے ایک دن کے لیے بھی ملاقات نہ کروں،خداوند عالم ہم کواورتم کواپنے تقویٰ اور ہدایت کی توفیق دے۔وہ ہرچیز پر بہت زیادہ قادر ہے۔والسلام علیک ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،(شرح معتزلی ص ۳۵ ج ۲)

نہج البلاغہ میں ابن عباس کے نام مکتوب گرامی کے حسب ذیل الفاظ ہیں:

''میں نے چاہا تھا کہ مصر کا حاکم ہاشم بن عتبہ کو بنادوں اوراگرایسا کرتا تو وہ اُن کے لیے میدان خالی نہ کرتا نہ اُنھیں موقع سے فائدہ اُٹھانے دیتا،اس میں محمد بن ابی بکرکی مذمت نہیں ہے،وہ میرا حبیب اورمیرا پروردہ تھا(اپنی بساط بھر جواُن سے ہو سکا کیامگرضرورت اُن سے زیادہ جری کی تھی)

عبداللہ ابن عباس نے حضرتؑ کو حسب ذیل جواب تحریر فرمایا:

بندہ خدا عبداللہ بن عباس کی جانب سے بندۂ خدا امیر المومنینؑ کی خدمت میں، سلام' علی امیر المومنین ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ، مجھے آپ کا مکتوب ملا جس میں آپ نے مصر کے فتح ہونے اور محمد بن ابی بکر کے قتل کا ذکر فرمایا ہے اور یہ کہ آپ نے خدا سے سوال کیا ہے کہ وہ آپ کو رعیت کے ہاتھوں سے نجات دے جس کے ساتھ آپ مبتلا ہیں، میں خدا سے دعا کرتا ہوں وہ آپ کی بات کو اونچا رکھے اور اپنے ملائکہ سے آپکی نصرت کرے، خدا ضرور آپ کے ساتھ احسان کرے گا آپکی تبلیغ کو عزت دے گا ،آپ کے دشمن کو ذلیل کرے گا۔

یا امیر المومنینؑ! میں آپ کی خدمت میں یہ بھی عرض کرتا ہوں کہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ لوگ سُستی کرتے ہیں مگر پھر ان میں ولولہ پیدا ہو جاتا ہے، یا امیر المومنینؑ! آپ اُن سے نرمی کریں اور اُن کے بارے میں خدا سے نصرت طلب فرمائیں، خداوند عالم آپ کے غم میں کافی ہوگا۔ السلام علیک ورحمۃ اللہ وبرکاتہ''۔

شارح معتزلی لکھتے ہیں کہ اس کے بعد ابن عباس نے بصرہ سے آکر حضرتؑ کو محمد بن ابی بکر کی تعزیت ادا کی اور حضرت امیر المومنینؑ نے حضرت محمد کے لیے حسب ذیل کلمات ارشاد فرمائے:

''خداوند عالم محمد پر رحم فرمائے! وہ کم سن نوجوان تھا، میں نے چاہا کہ ہاشم بن عتبہ کو مصر کا حاکم بناؤں، خدا کی قسم اگر وہ مصر کا حاکم بنتا تو ابن عاص اور اُسکے اعوان کے لیے میدان نہ چھوڑتا، مقتول نہ ہوتا، مگر یوں کہ اسکی تلوار اُسکے ہاتھ ہوتی، اس سے میرا مقصود محمد بن ابی بکر کی مذمت کرنا نہیں ہے، اُس نے اپنے کو مشقت میں ڈالا اور جو حق اُس پر تھا وہ اُس نے بقدر استطاعت ادا کیا۔''

حضرتؑ سے عرض کیا گیا کہ آپ نے محمد بن ابی بکر کی شہادت پر بہت غم کیا، تو آپ نے فرمایا: مجھے غمگین ہونے سے مانع کیا تھا، وہ تو میرا پروردہ، میرے بیٹوں کا بھائی تھا، میں اس کا باپ تھا اور اُسے اپنا فرزند سمجھتا تھا۔

اُن نافہم انسانوں کی جانب سے جن کی نظر میں (معاذ اللہ) امیر المومنینؑ سیاست نہیں جانتے تھے، منجملہ اور امور کے ایک اعتراض یہ بھی کیا جاتا ہے کہ آپ نے مصر کی حکومت ایک نوجوان کے سپرد کر دی جو ناتجربہ کار اور سیاست سے ناواقف تھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ دشمن کا مقابلہ نہ کر سکا اور مصر معاویہ کے قبضہ میں چلا گیا،

ہمارے اس رسالہ میں ایک جگہ ایسی باتیں دکھائی گئی ہیں جن کی وجہ سے معاویہ کو اپنے مقاصد میں کامیابی حاصل ہوتی گئی۔ یہاں پر ہم اس اعتراض کے جواب میں ابن ابی الحدید معتزلی کی ایک عبارت درج کیے دیتے ہیں، پہلے تو اُنھوں نے تمام ان اعتراضات کا جواب دیا ہے جو جناب امیرؑ پر سیاسی حیثیت سے وارد کیے جاتے ہیں، اور بالخصوص اُن لوگوں کا جواب

دیا ہے جو کہتے ہیں کہ خلیفہ ثانی اور معاویہ حضرتؑ سے زیادہ ماہر سیاسیات تھے، یہ پوری بحث بہت گراں قدر ہے، ہم یہاں پر صرف اپنے موضوع کے متعلق حصہ نقل کرتے ہیں جو صاحب چاہیں وہ شرح نہج البلاغہ (ج ۲ ص ۵۷۳ تا ص ۵۸۵) میں جملہ افادات کا مطالعہ فرمالیں۔

چنانچہ (ص ۵۸۵ ج ۲) میں لکھتے ہیں: منجملہ ان اعتراضات کے ایک یہ بھی ہے کہ آپ نے محمد بن ابی بکر کو مصر کا حاکم بنایا اور قیس بن سعد کو معزول کیا جس کے نتیجہ میں محمد مقتول ہوئے اور مصر معاویہ کے قبضہ میں چلا گیا۔

جواب یہ ہے کہ یہ بات نہیں کہی جا سکتی کہ محمد حکومت مصر کے اہل نہ تھے۔ اسلیے کہ وہ شجاع، زاہد، فاضل، صحیح العقل اور صائب الرائے تھے اور ان لوگوں میں سے تھے جو امیر المومنینؑ کی محبت میں مخلص تھے اور اُن کے فرمان کے اطاعت گذار ،ان میں سے تھے جو حضرت کو کسی معاملہ میں متہم نہیں سمجھتے تھے نہ اُن کے اخلاص میں کسی طرح کا شک رکھتے تھے۔ محمد اُن کے پرورش کیے ہوئے اُن کے شاگرد، تربیت اور شفقت میں مثل اُنکی اولاد کے تھے اسکے علاوہ مصر والے بھی محمد سے محبت رکھتے تھے اور ان کی حکومت کو دوسروں سے مقدم جانتے تھے، جب اُنھوں نے عثمان کا محاصرہ کیا اور عبداللہ ابن ابی سرح کی معزولی کا مطالبہ کیا تھا تو انھیں کا نام بحیثیت حاکم تجویز کیا تھا، عثمان نے بھی اُنکی حکومت کو منظور کر کے عہد نامہ لکھ دیا تھا، محمد مصر والوں کے ساتھ روانہ بھی ہو گئے مگر بعد میں خلیفہ ثالث نے ایک خط اور روانہ کیا جو محمد بن ابی بکر اور مصر کے بارے میں تھا جس کا قصہ بہت معروف ہے جسکے نتیجہ میں محمد اور اُن کے ہمراہی پلٹ آئے۔ اسکے بعد قتل عثمان کا واقعہ ہوا۔ اس وقت ظاہر رائے اور وجہ تدبیر اسکے سوا کچھ نہ تھی کہ محمد بن ابی بکر ہی کو مصر کا حاکم بنایا جائے، خصوصاً جب کہ مصر والے ان کا نام پیش بھی کر چکے تھے اور محمد اپنے خصائل فضل کے کامل ہونے کی وجہ سے اسکا استحقاق بھی رکھتے تھے چنانچہ ظاہری حالت تو یہی تھی کہ لوگ انکی اطاعت پر متفق رہیں گے، اُن کی نصرت کریں گے ان سے محبت کریں گے، لیکن بعد میں (معاویہ کی ریشہ دوانیوں سے) معاملات ٹھیک نہ رہے اور محمد قتل کر دیے گئے اور یہ بات امیر المومنینؑ کے لیے موجب اعتراض نہیں ہو سکتی کیونکہ امام اسی بات کو اختیار کرتا ہے جس میں مصلحت دیکھے۔

چنانچہ رسولؐ اللہ نے جنگ موتہ میں حضرت جعفر کو رئیس لشکر بنایا اور وہ شہید کر دیے گئے۔ اُن کے بعد زید کو وہ بھی شہید ہوئے۔ اُنکے بعد عبداللہ بن رواحہ کو وہ بھی شہید ہوئے اور لشکر نے شکست کھائی، جو اُن میں سے مدینہ پلٹ کر آیا وہ بدترین حالت میں پلٹا، کیا کسی کو یہ حق حاصل ہے کہ اس امر میں رسالت مآب پر اعتراض کرے اور اُن کے حسن تدبیر کو مطعون کرے۔''

(رسالہ محمد ابن ابی بکر مطبوعہ لکھنو)

❑❑

پندرہواں باب

عبداللہ بن عبّاس کا قضیہ

امیر المومنینؑ ان تمام پریشانیوں سے دل گرفتہ تھے ہی عبداللہ بن عباس نے اپنے برتاؤ سے آپ کے صدمات کو اور دہ چند کر دیا، وہ عبداللہ بن عباس جو سب سے زیادہ امیر المومنینؑ کے مقرّب بارگاہ اور چہیتے تھے، یہ آپ کے ابن عم اور آپ کی طرف سے بصرہ کے عامل تھے، اُنھیں آپ کی وززات کا درجہ حاصل تھا، آپ کے دلی کیفیات اور باطنی امور سے سب سے بڑھ کر واقف تھے، آپکی خیرخواہی ونصرت کرنے پر انھیں سب سے زیادہ قدرت بھی حاصل تھی اور اس قابل تھے کہ جب ساری دنیا آپ سے برگشتہ ہو جائے، دوست منھ پھرالیں اور دشمن آمادہ پیکار ہوں تو یہ خلوص قلب سے آپ کے مددگار رہیں۔

علیؑ نے اُن کے بارے میں کوئی کوتاہی نہ کی نہ اپنی کوئی بات اُن سے چھپائی، نہ اپنا کوئی راز مخفی رکھا۔ آپ فطری طور پر اُنھیں اپنا وزیر سمجھتے تھے۔ خود آپ کوفہ میں تشریف فرما رہے اور اُنھیں بصرہ کی حکومت دی جو تمام مملکت اسلامیہ میں سب سے عظیم حصہ ملک اور وہاں کی حکومت سب سے بڑا مہتم بالشان منصب تھا۔ امیر المومنینؑ کو ہر ایک کی طرف سے بیوفائی کا اندیشہ ہوسکتا تھا مگر آپ کے وہم وگمان میں بھی یہ بات نہ آسکتی تھی کہ ہم ابن عباس کے ذریعہ مبتلائے آزمائش ہوں گے۔

ابن عباس کو دینی علوم میں جو مہارت حاصل تھی، دنیاوی امور کا جو تجربہ حاصل تھا، قریش میں خصوصاً بنی ہاشم میں جو وجاہت حاصل تھی، ان سب کا تقاضا تھا کہ اپنے ابن عم سے کبھی برگشتہ نہ ہوں، چاہے آفتیں کتنی ہی ٹوٹتی رہیں اور مصیبتیں کتنی ہی نازل ہوتی رہیں لیکن وہ جیسا کہ ان کے حالات سے ظاہر ہوتا ہے، معاویہ کے مکروفریب کی کامیابی، اہل شام کا آنکھیں بند کر کے معاویہ کی اطاعت کرنا، عراق والوں کا آپ سے انحراف، کچھ کی خفیہ خفیہ آپ سے لڑنے کی تیاریاں، کچھ کا علانیہ آپ کے خلاف علم بغاوت بلند کرنا دیکھ کر صفین سے شکستہ خاطر ہو کر پلٹے، پھر وہ فیصلہ حکمین میں شریک ہوئے، وہاں اُنھوں نے دیکھا کہ اہل عراق ہار گئے اور شام والوں کی جیت ہوگئی۔ وہ فیصلہ حکمین سے پلٹے اور یہ یقین کر کے پلٹے کہ دنیا علیؑ سے اب منھ پھرا چکی ہے۔ زمانہ اُن کے خلاف ہو گیا ہے اور حالات معاویہ کے سازگار ہوتے جارہے ہیں۔ اُنھوں نے دیکھا کہ ان تمام باتوں کے باوجود علیؑ اپنے سیدھے راستے ہی پر گامزن ہیں، نہ کسی طرف مڑتے ہیں اور نہ پلٹتے ہیں اور نہ اُنھیں کسی دوسرے ہی کا صراط مستقیم سے مڑنا یا کج ہونا گوارا ہے۔ وہ اپنی سیاست کو بالکل سہل وآسان رکھنا چاہتے ہیں۔ وہ مسلمان کے ساتھ وہی شفقت ومہربانی کا برتاؤ چاہتے ہیں جو عمر

کا برتاؤ تھا لیکن وہ لوگوں پر عمر جیسا تشدد نہیں کرتے۔ جو آپ سے آمادہ پیکار ہوتا آپ بغیر ڈھیل دیے اُس سے جنگ کرتے۔ جو آپ سے صلح کرتا آپ اس سے صلح کرتے اور اس صلح میں کسی تدبیر یا پیش بندی کی ضرورت نہیں سمجھتے ہیں۔ اپنے ساتھ مکرو فریب کرنے والے کو آپ سزا نہیں دیتے، نہ محض بدگمانی کی بنا پر کسی کو گرفتار کرتے ہیں۔ نہ لڑائی میں اُس وقت تک پہل کرتے ہیں جب تک دوسرا آپ پر پہل نہ کردے۔

ہم دیکھ چکے ہیں کہ جب علیؑ فیصلہ حکمین کے بعد دوبارہ شام کے قصد سے نکلے ہیں تو ابن عباس آپ کے پاس نہیں آئے اور نہ آپ کے ہمراہ جنگ نہروان میں شریک ہوئے۔ وہ بصرہ میں مقیم رہے اور صرف لشکر بھیج دینے پر اکتفا کی۔ معلوم ہوتا ہے وہ اس بے فائدہ جنگ سے عاجز آ گئے تھے۔ اسی لیے بیٹھے انجام کے منتظر رہے۔ پھر اُنھوں نے دیکھا کہ جنگ نہروان کا انجام اچھا ہونے کے بجائے برا ہی ہوا۔ آپ کے لشکر میں پھوٹ پڑ گئی، لوگ آپ کی مدد سے گریزاں ہو گئے، آپ نے خوارج کو تہس نہس ضرور کر دیا مگر اپنے ہی لوگوں کی جماعت کو ہلاک کیا، پھر آپ شام بھی جانے نہ پائے بلکہ کوفہ پلٹ آئے جہاں سے پھر نکلنا میسّر نہ ہوا۔ ابن عباس نے دیکھا کہ ہمارے ابن عم کا ستارہ اب غروب ہونے لگا ہے اور معاویہ کا ستارہ بلندی کی طرف جا رہا ہے، اس لیے وہ بصرہ ہی میں مقیم اپنے متعلق زیادہ سوچتے رہے بہ نسبت ابن عم کے متعلق سوچنے کے۔ وہ ان آفتوں پر غور کرتے رہے جو پے در پے علیؑ پر ٹوٹ رہی تھیں، اُنھوں نے زر و مال سے کچھ چیزیں اپنے لیے خاص کر لیں اور بیت المال کے متعلق انکا طرز عمل کچھ ایسا رہا جو علیؑ کے طرز عمل کے خلاف تھا بلکہ خود ابن عباس کے پہلے طرز عمل کے منافی تھا جبکہ علیؑ کے حالات بگڑے نہیں تھے۔ اُنھوں نے بصرہ کے بیت المال کے خزانچی ابو الاسود دوئلی کے متعلق محسوس کیا کہ یہ ہمارے تصرفات کو کچھ ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھتے ہیں، ایک دن کچھ سخت سُست کہہ بیٹھے۔ ابولاسود پہلے ہی سے تنگ تھے، اُنھوں نے امیر المومنینؑ کو لکھا:

''امابعد، خداوند عالم نے آپ کو حاکم، امین، نگراں اور ذمّہ دار قرار دیا ہے۔ ہر چیز کی باز پُرس آپ ہی سے ہوگی۔ ہم نے آپ کو خوب اچھی طرح پرکھا اور آزمایا، آپ بہت بڑے امین، رعیت کے خیر خواہ نظر آئے آپ لوگوں کو انکی دنیا سے مالا مال کرتے رہے اور خود اپنے کو اس سے محفوظ رکھے رہے، آپ نہ لوگوں کے اموال کھاتے نہ اُن کے معاملات میں کسی طرح کی

۱۔ یہ پوری عبارت ڈاکٹر طہٰ حسین کی عبارت کا ترجمہ ہے۔ یہاں ہمیں کہنا صرف یہ ہے کہ علیؑ کی سیاست اور مسلمانوں کے ساتھ برتاؤ بعینہ رسولؐ کی سیاست اور رسولؐ کا برتاؤ تھا۔ عمر کو آپ سے کوئی واسطہ نہیں۔ اگر علیؑ کو عمر کی سیرت ہی پر چلنا مقصود ہوتا تو عمر کے قتل ہو جانے کے بعد ہی خلیفہ ہو گئے ہوتے جبکہ سیرت شیخین پر عمل کرنے کی شرط آپ کے سامنے پیش کی گئی تھی مگر ابوبکر ہوں یا عمر انکی سیاست کچھ اور تو ہو سکتی تھی رسولؐ اللہ کی سیاست نہیں اسی لیے آپ نے یہ شرط ٹھکرا دی تھی۔

رشوت قبول کرتے ،آپ کے عامل اور ابن عم جو ہیں! اُنھوں نے آپ کو خبر کیے بغیر اپنے قبضہ کا سارا مال ہضم کر لیا اور مجھ سے ناممکن ہے کہ اس خبر کو آپ سے مخفی رکھوں ،خدا آپ پر رحم کرے، ہمارے بارے میں جو مناسب حکم ہو ارشاد فرمائیں اور جو رائے ہو تحریر کریں'' والسلام۔

کوئی شک نہیں کہ ابوالاسود کے اس خط نے علیؑ کو گھبرا دیا ہوگا۔ان کے صدمات و آلام میں بہت زیادہ اضافہ اور اُن کی جانکاہیوں میں اور زیادتی کر دی ہوگی لیکن آپ نے صبر سے کام لیا جیسے ہر مصیبت پر آپ صبر کرتے آئے اور آپ نے ابو الاسود کو لکھا:

''امابعد میں نے تمھارا خط پڑھا۔تمھارے ایسے آدمی کو امام اور امت کا خیر خواہ، حق کا ساتھی، ظلم کا مخالف ہونا ہی چاہیے، تم نے جو باتیں مجھے لکھی ہیں اُنکے متعلق میں نے ابن عباس کو خط لکھا ہے اور تمھارے خط کی اطلاع اُنکو نہیں دی۔جن باتوں میں امت کی بھلائی ہو اُن کی مجھے خبر کرتے رہنے سے تم باز نہ رہنا۔تم اسی کے سزاوار بھی ہو اور یہ بات تم پر واجب بھی ہے۔'' والسلام۔

اسی وقت آپ نے ابن عباس کو بھی یہ خط لکھا:

''امابعد مجھے ایسی بات معلوم ہوئی ہے جسکے واقعاً اگر تم مرتکب ہوئے تو ضرور تم نے اپنے پروردگار کو ناراض کیا اور اپنی امانتداری داغدار کر دی اور اپنے امام کی نافرمانی اور مسلمانوں کی خیانت کی۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم نے کچھ زمینیں اپنے لیے خاص کر لی ہیں اور تمھارے قبضہ میں جو مال و متاع تھا وہ کھا گئے ہو۔تم اپنا حساب میرے پاس لکھ بھیجو اور یہ سمجھ لو کہ خدا کا حساب لوگوں کے حساب سے کہیں زیادہ سخت ہے۔والسلام۔''

کوئی تعجب نہیں کہ علیؑ نے ابوالاسود کو ہمت بھی دلائی ہو کہ اُن کی موجودگی میں جو واقعات پیش کرتے رہیں اُنکو لکھتے رہو اور ابن عباس کے متعلق ابوالاسود دوٴلی کے شکایت نامہ پر آپ نے خوشنودی کا اظہار کیا ہو کیونکہ علیؑ مال اور عُمّال کے معاملہ میں انتہائی سخت تھے۔آپ کو انتہائی فکر رہتی کہ عمال کی کوئی بات ہم سے پوشیدہ نہ رہے جیسا کہ آپ آگے چل کر دیکھیں گے۔

اسی طرح یہ بھی تعجب انگیز نہیں کہ آپ نے ابن عباس کو مذکورۂ بالا خط لکھا ہو کیونکہ وہ مالی امور میں نہ تو نرمی برتنے کے عادی تھے نہ مسلمانوں سے کسی بات میں دغا فریب کے خوگر تھے۔البتہ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ ابن عباس پر حضرتؑ کے خط کا کوئی اثر نہ ہوا اُنھوں نے حضرت علیؑ کو بس یہ جواب میں لکھا:

''امابعد آپ کو جو اطلاع ملی ہے وہ غلط ہے۔میرے قبضہ میں جو مال و اسباب ہے اس کا میں مستعدی سے محافظ و نگراں

ہوں۔تہمت لگانے والوں کو آپ سچا سمجھیں خدا آپ پر رحم کرے''۔والسلام

اس خط کا مضمون ایسا ہے کہ نہ تو اس سے ابن عباس کا دامن صاف ہوتا ہے نہ اس کا پڑھنے والا مطمئن ہوسکتا ہے، اس سے تو بس اتنا معلوم ہوتا ہے کہ ابن عباس کو اپنے نفس پر بہت بھروسہ تھا اور دوسرے لوگوں کو اپنے مقابلہ میں ہیچ سمجھتے تھے۔ابن عباس حضرت عمر کی مصاحبت میں بھی رہ کے انکی سیرت کا اور حساب کے معاملہ میں عمال پر سختی برتنے کا مشاہدہ کر چکے تھے، پھر وہ علیؑ کی صحبت میں رہے اور انھوں نے دیکھا کہ وہ مالی معاملہ میں نہ نرمی برتتے ہیں نہ رورعایت سے کام لیتے ہیں، یہی وجہ تھی کہ ابن عباس کے اس جواب سے علیؑ کا کچھ بھی اطمینان نہ ہوا۔آپ نے پھر انھیں خط لکھا اور سختی سے مطالبہ کیا کہ ہمارے پاس تفصیلی حساب لکھ بھیجو۔

''امابعد میں اس وقت تک تمھیں چھوڑنے کا نہیں جبتک مجھے یہ نہ بتاؤ کہ تم نے کتنا جزیہ وصول کیا، کہاں سے وصول کیا، کن کن کاموں میں خرچ کیا ہے، میں نے جن چیزوں کے متعلق تمھیں امین بنایا ہے اور انکی حفاظت کا خیال رکھنے کی تاکید کی ہے اُن کے متعلق خدا سے ڈرو، تم نے جو کچھ بھی مال لیا ہے اُس سے کم ہی فائدہ اُٹھا سکو گے اور انجام اس کا بہت ہی سخت ہوگا''۔والسلام

حیرت کی بات ہے کہ ابن عباس کو جیسے ہی یہ خط ملا اور اُنھوں نے پڑھا آپے سے باہر ہو گئے۔اُنھوں نے نہ اس عامل کا طرز عمل اختیار کیا جسے اموال مسلمین کی حفاظت و نگرانی پر متعین کیا گیا ہو اور حساب مانگنے پر اُس نے حساب پیش کر دیا ہو اور نہ اُس ابن عم کا برتاؤ کیا جو اپنے ابن عم کے حق قرابت اور دوستانہ تعلق کا لحاظ رکھتا ہے، نہ اُس حاکم و نگراں کا طرز عمل اختیار کیا جو امام کے حق کا لحاظ کرتا ہے اور سمجھتا ہے کہ امت کے مال و متاع اور سود و بہبود کی جو ذمہ داری مجھے سونپی گئی ہے تو امام کو حق ہے کہ وہ ایک ایک چیز کے متعلق ہم سے محاسبہ کرے۔اُنھوں نے ان تینوں میں سے کسی ایک جیسا طرز عمل اختیار نہیں کیا بلکہ اُنھوں نے اپنے کو اپنے امام کا ہمسر اور اپنے امام کے برابر قرار دیا اور سمجھا کہ مجھ سے بدگمان ہونا یا مجھے متہم سمجھنا تو الگ رہا میں اس سے بھی کہیں بلند و برتر ہوں کہ امام مجھ سے کسی چیز کے متعلق باز پرس کریں یا کسی چیز کا حساب لیں۔

ابن عباس تمام لوگوں سے زیادہ اس بات سے باخبر تھے کہ شیخین کا طریقہ یہ رہا کہ عوام میں سے ہر مسلمان کو حق ہے کہ اپنے امام سے حساب طلب کرے اور پوچھ گچھ کرے کہ کتنا مال کہاں سے آیا اور کہاں خرچ کیا۔اس طرح یہ طریقہ بھی رہا کی امام کو حق ہے بلکہ امام کا فریضہ ہے کہ وہ اپنے ولاۃ و عمال سے ہر چیز کا حساب لے اور حساب لینے میں پورا تشدد برتے تا کہ عمال و ولاۃ نہ تو کوئی کوتاہی کرنے پائیں اور اُن کے متعلق رعیت کو بدگمان ہونے کا موقع ملے نہ اُن کے بارے میں ان کمزور لوگوں کے خیالات خراب ہوں جو ان ظالموں کے ظلم و تعدّی سے بچنے اور اُن کی ستمرانیوں سے محفوظ رہنے کی قدرت ہی نہیں

رکھتے۔ابن عباس بخوبی آگاہ تھے کہ عمر کا طریقہ یہ تھا کہ عوام اپنے عمال کی جو شکایت بھی بیان کرتے توجہ سے سنتے، ان عمال و ولاۃ کی موجودگی میں بھی اور اُن کے پیٹھ پیچھے بھی اور جو شکایت اُنکے سامنے پیش کی جاتی اس کی وہ پوری تحقیقات کرتے، عدل کا بھی یہی تقاضا تھا اور خدا و عوام کے سامنے بری الذمہ ہونیکی بھی یہی صورت تھی، ابن عباس یہ بھی جانتے تھے کہ جب عمر کسی عامل کو معزول کرتے تو جو کچھ اس کے پاس مال و متاع ہوتا اس کا نصف وصول کر لیتے اور جس دن سے کسی عامل کو مقرر کرتے اسی دن سے اس کے مال و اسباب کا حساب لگانا شروع کر دیتے اسکی معزولی تک تمام عامل اسکو قبول کرتے، نہ ناراض ہوتے نہ تنگدل اور نہ اپنی اس میں توہین محسوس کرتے۔اُنھیں عاملوں میں بہت سے بزرگان صحابہ پیغمبر بھی تھے۔پھر ابن عباس یہ بھی سمجھتے تھے کہ بہتیرے مسلمان جس میں ممکن ہے ابن عباس بھی رہے ہوں حضرت عثمان سے اسی بات پر ناراض ہوئے کہ عوام کے مال میں اسراف سے کام لیتے تھے اور اُن کے ولاۃ و عمال سے اسی لیے بگڑے کہ وہ اپنے کو ترجیح دیتے اور عوام کے مال میں بُری طرح خورد بُرد کرتے رہتے۔حضرت عثمان اسی معاملہ میں بالآخر قتل بھی ہوئے۔

اور اُن کے ابن عم (حضرت علیؑ) نے اسی لیے خلافت قبول کی تاکہ پیغمبرؐ کی سنت اور شیخین کے طریقہ کو زندہ کریں۔تو اگر انھوں نے اپنے کسی عامل سے چاہے وہ عامل ابن عباس ہی کیوں نہ ہوں اگر اموال مسلمین کا حساب طلب کیا تو کوئی حد سے تجاوز نہیں کیا تھا، نہ ابن عباس کی کوئی توہین کی تھی۔

ان سب باتوں کے بعد ابن عباس اپنے ابن عم کو اچھی طرح پہچانتے تھے اور ان کے امکان میں تھا کہ خط کا جواب ایسے مناسب پیرایہ میں دیتے جس سے علیؑ راضی ہوتے نہ کہ اس طریقہ سے جواب دیں جو اُنھیں ناگوار گذرے، اُن کے مزاج کو برہم کردے اور اُن پر شاق ہو۔ابن عباس کے لیے ممکن تھا کہ وہ نرم پیرایہ میں لکھ کر بتاتے کہ ہم نے جزیہ میں سے اپنے لیے کچھ بھی نہیں لیا اور نہ ناجائز کاموں میں صرف کیا، ان کے امکان میں یہ بھی تھا کہ وہ کوفہ چلے آتے اور اپنی زبان سے اصل حقیقت حال بیان کر دیتے لیکن اُنھوں نے ان تمام باتوں سے گریز کیا اور اُنھیں بہت ناگوار ہوا کی علیؑ ان کے ساتھ بھی وہی طریقہ برتیں جو دیگر عمال کے ساتھ برتتے ہیں، ابن عباس نے اپنا عہدہ گورنری چھوڑ دیا لیکن اپنے امام سے معافی کے خواستگار نہ ہوئے، نہ اس کا انتظار کیا کہ امام خود اُنھیں معاف کر دیں، وہ سبکدوش ہو گئے اس لیے نہیں کہ وہ کوفہ پلٹ کر آئیں یا عراق میں مقیم ہوں یا کسی ایسی جگہ قیام کریں جہاں امام کے لیے اُن سے مواخذہ اور سبکدوشی سے پہلے جو باتیں اُن سے عمل میں آئی تھیں انکی باز پرس ممکن ہو بلکہ وہ بصرہ سے رخصت ہو کر مکہ میں جا مقیم ہوئے جہاں امام کا بس ہی نہیں چل سکتا تھا اور نہ انھیں کوئی سزا دینی ممکن تھی۔وہ حرم خدا میں بیخوف ہو کر ٹھہرے، امیر المومنینؑ کے دبدبہ سے بھی مطمئن اور معاویہ کی ایذا

رسائیوں سے بھی محفوظ۔

پھر انھوں نے اتنے ہی پر اکتفانہ کی بلکہ اپنے ابن عم کو ایسی ایسی سخت باتیں لکھیں جو اُن کے نفس کو اذیت دینے والی اور اُن کے قلب وضمیر کو گہرا صدمہ پہونچانے والی تھیں۔ اُنھوں نے کھلم کھلا لکھا کہ مسلمانوں کا کچھ مال ہضم کر کے خدا سے تلافی ہونا مجھے پسند ہے بہ نسبت اسکے کہ میں خدا سے اس حال میں ملوں کہ میری گردن پر وہ خون ہو جو جمل میں بہے، صفین میں بہے، اس سے بڑھکر تکلیف دہ اور انتہائی تڑپا دینے والی بات یہ تھی کہ اُنھوں نے لکھا کہ آپ نے اب تک مسلمانوں کے جتنے خون بہائے ہیں وہ سب حکومت کی خاطر۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ابن عباس کو اس کا اعتقاد ہی نہ تھا کہ اُنھوں نے حق کی راہ میں جہاد کیا اور ایسے لوگوں سے جنگ کی جن سے جنگ کرنا علیؑ پر واجب تھا۔

یہ تمام باتیں ابن عباس نے علیؑ کو لکھیں لیکن وہ ایک بہت بڑی بات بھول گئے جو انتہائی اہم اور ہیبت ناک بھی تھی اور وہ یہ کہ ان تمام خون کے بہانے میں خود ابن عباس اپنے ابن عم علیؑ کے برابر کے شریک رہے۔ وہ جمل میں موجود تھے، صفین میں بھی تھے اور ان دونوں لڑائیوں میں فوج کی قیادت بھی انھوں نے کی تھی۔ اس بنا پر وہ خدا سے جب ملیں گے تو اُنکے ذمہ مسلمانوں کا صرف مال ہی نہ ہوگا بلکہ وہ تمام خون بھی ہوں گے جن کے بہانے میں وہ علیؑ کے شریک رہے مگر ان میں اور علیؑ میں بہت واضح فرق ہوگا۔ علیؑ نے جتنے خون بہائے اس اعتقاد وایمان کے ساتھ بہائے کہ میں نے خدا کی راہ میں بہائے اور ابن عباس نے جتنے خون بہائے یہ سمجھ کر بہائے کہ میں حکومت وسلطنت کے لیے بہا رہا ہوں۔ اسی وجہ سے حضرت علیؑ نے ابن عباس کا جب یہ خط پڑھا تو صرف یہی فقرہ کہا، جس سے ان کے انتہائی حُزن واندوہ اور دوست ودشمن دونوں سے انتہائی مایوسی کی تصویر کھنچ جاتی ہے کہ:

اور ابن عباس اس خونریزی میں ہمارے شریک نہیں تھے۔''

آپ ابن عباس کا وہ خط پڑھیے جو اُنھوں نے اپنے امام اور اپنے ابن عم کو لکھا تھا اور دیکھئے کہ اسمیں کس قدر روکھا پن اور بے مروتی کوٹ کوٹ کر بھری ہے اور خلافت کے پہلے اور تخت نشین خلافت ہونے کے بعد اُنھوں نے علیؑ کی جتنی محبت اور خیر خواہی کی تھی اُس پر بُری طرح پانی پھیر دیا ہے۔

''امابعد! میں نے یہاں کے مال میں سے جو کچھ لیا ہے اُسے آپ بہت بڑی مصیبت سمجھ رہے ہیں، خدا کی قسم اگر میں زمین کے اندر کا تمام سونا چاندی اور زمین کے اوپر کا کل مال واسباب لے کر اللہ سے ملاقات کروں تو یہ مجھے کہیں زیادہ محبوب و پسندیدہ ہوگا بہ نسبت اس کے کہ خدا سے اس حال میں ملاقات کروں کہ میں نے حکومت وسلطنت کی خاطر امت کا خون بہایا

ہو، آپ جس کو چاہیے یہاں کی حکومت کے لیے مقرر کر کے بھیجد یجئے۔''

بگاڑ کی نوبت یہاں تک آپہونچی اور اتنی سختی کے ساتھ جو ابن عباس کے لیے ہرگز مناسب نہ تھی اگر وہ سیرت پنجتن اور علیؑ کے طرز عمل کو یاد کرتے اور اپنے نفس کو بھول جاتے تو اُن شان کے لائق یہی تھا کہ وہ ان باتوں سے پرہیز کرتے لیکن افسوس تو یہی ہے کہ وہ اپنے نفس کو کچھ بھی نہیں بھولے نہ اپنی حد کے اندر رہے۔

ابوالاسود دوئیلی رعیت کی ایک فرد تھے۔ انھیں حق حاصل تھا کہ امام کے حضور عامل کی شکایت پیش کریں پھر وہ بصرہ کے بیت المال کے خزانچی بھی تھے۔ ان کا فریضہ تھا کہ خزانہ میں والی کے تصرفات کے متعلق جو باتیں نامناسب نظر آئیں امیر المومنینؑ کی خدمت میں اُسے پیش کر دیں۔ مگر ابن عباس کی برہمی و خفگی اُسی حد پر آ کر نہیں تھمی اور جتنا بیت المال میں وہ خورد برد کر چکے تھے اتنے ہی پر اکتفا نہیں کی بلکہ اس سے بڑھکر ہولناک حرکت انھوں نے کی جس نے صرف امامؑ ہی کو رنج نہیں پہونچایا بلکہ تمام رعیت خصوصاً بصرہ کے لوگوں کے لیے دلی اذیت کا باعث ہوئی۔ اُنھوں نے بصرہ چھوڑ کر مکہ جانا طے کر لیا مگر بصرہ سے وہ خالی ہاتھ نہ گئے بلکہ بیت المال میں جتنی چیزیں لے جانے کے قابل تھیں سب اپنے ساتھ لے کر چلے، یہ سمجھتے ہوئے کہ اس میں ہمارا اتنا ہی حق ہے جتنا کہ تمام بصرہ والوں کا۔

ابن عباس کہتے تھے کہ بصرہ والے اس مال کو جس کا مؤرخین نے ۶ ملین یعنی ۶۰ لاکھ درہم تک اندازہ کیا ہے آسانی سے نہیں لیجانے دیں گے۔ انھوں نے بصرہ کے اپنے ننہالی رشتہ داروں یعنی بنی ہلال کو بلایا اور اُن سے خواہش کی کہ ہماری مدد کرو جب تک میں اپنی محفوظ جگہ تک نہ پہونچ جاؤں۔ بنی ہلال نے انکی درخواست منظور کی۔ ابن عباس بیت المال کا سارا درہم و دینار لے کر چلے۔ بنی ہلال انکی حفاظت کے لیے ساتھ ساتھ تھے۔ بصرہ والوں میں ہیجان برپا ہو گیا اور انھوں نے چاہا کہ ابن عباس سے سب چھین لیں قریب تھا کہ بنی ہلال اور بصرہ کی تمام آبادی میں لڑائی ٹھن جائے، بنی ہلال کی پرانی عصبیت اور خاندان پرستی زندہ ہو گئی تھی۔ وہ اپنے بھانجے ابن عباس کے لیے جان دیدینے پر تیار تھے اور بصرہ کے دیگر قبائل کو یہ کسی طرح گوارا نہ تھا کہ ہماری آنکھوں کے سامنے ہمارا ہی مال اس طرح لوٹ لیا جائے۔ قبیلہ ازد والوں نے بنی ہلال کا ساتھ دیا جو اُن کے پڑوسی تھے۔ قبیلہ ربیعہ، احنف بن قیس اور بنی تمیم کے کچھ لوگ جو احنف کے زیر اثر تھے اُنھوں نے بھی ابن عباس سے تعرض کرنا مناسب نہ سمجھا لیکن بنی تمیم کے باقی سب افراد اس مال کی واپسی کے لیے مرنے مارنے پر تل گئے۔ اُن میں اور بنی ہلال میں جھڑپیں بھی ہوئیں اور قریب تھا کہ کافی خون خرابہ ہو لیکن بصرہ کے دور اندیش لوگ بنی تمیم کے پیچھے لگے رہے اور اُنھیں سمجھا بجھا کر پلٹا ہی لائے۔ ابن عباس اپنے ننھالی رشتہ داروں کے جلو میں بے خوف و خطر سب مال لیے مکہ پہونچ گئے

اور بیت الحرام کے سایہ میں فروکش ہوئے۔ مکہ آتے ہی اُنھوں نے آسائش اور زیب و زینت کی طرف توجہ کی۔ روایتیں بتاتی ہیں کہ ۳ ہزار دینار میں اُنھوں نے تین خوبصورت کنیزیں خرید لیں۔

حضرت علیؑ کو ان باتوں کی اطلاع ہوئی، آپ نے انھیں لکھا:

''امابعد! میں نے تمھیں اپنی امانت میں شریک بنایا تھا اور میرے عزیزوں میں تم سے بڑھ کر میرے لیے کوئی بھروسہ کا آدمی نہ تھا کیونکہ تم میرے بڑے ہمدرد وغمگسار اور امانتدار تھے لیکن جب تم نے دیکھا کہ زمانہ تمھارے ابن عم (علیؑ) کے خلاف ہوگیا، دشمن برسر پیکار ہے، لوگوں کی دیانتداری غارت ہوچکی ہے اور یہ اُمت آزمائشوں میں گرفتار ہے تو تم نے بھی سپر کا رُخ پھیر دیا (یعنی برگشتہ ہو گئے) ساتھ چھوڑنے والوں کی طرح تم بھی ساتھ چھوڑ گئے اور تمام ترک نصرت کرنے والوں سے بڑھ کر ترک نصرت کی اور دیگر خیانت کرنیوالوں کی طرح تم نے بھی خیانت کی۔ تم نے اپنے ابن عم کیساتھ نہ تو ہمدردی کی نہ امانت ادا کیا۔ گویا تمھارا جہاد خدا کی راہ میں نہ تھا یا معلوم ہوتا ہے تم اپنے پروردگار کی طرف سے روشن نشانی پر نہ تھے اور جیسے تم اب تک اُمت محمد کو ان کی دنیا کے بارے میں فریب دیتے رہے یا موقع کے تلاشی تھے کہ کب وہ اپنے مال خراج سے غافل ہوں اور میں اڑا لیجاؤں، جب اُنکی غفلت نے تمھیں موقع دیا تو تم نے تیزی سے دوڑ لگائی، پوری طرح اچھل پڑے اور موقع سے فائدہ اٹھایا جس طرح خونخوار بھیڑیا اپنے شکار کو لے کر بھاگتا ہے تم بھی اپنے قبضہ کے تمام مال وزر لے بھاگے، بڑے کشادہ سینہ کیساتھ مسلمانوں کے مال کو حجاز میں لے گئے، نہ گناہ کا ڈر نہ خدا کا خوف، معلوم ہوتا ہے یہ سارا مال تمھارے باپ اور ماں کی میراث تھی جسے تم نے سمیٹا۔ سبحان اللہ کیا تم روز قیامت پر ایمان نہیں رکھتے اور حساب سے نہیں ڈرتے، کیا تمھیں معلوم نہیں کہ تم حرام کھا رہے ہو اور حرام پی رہے ہو کیا تمھیں یہ بات انتہائی ہولناک نظر نہیں آئی کہ تم یتیموں، بیواؤں اور مجاہدان راہ خدا کے مال سے کنیز خریدتے ہو اور عورتوں سے نکاح کرتے ہو۔ خدا سے ڈرو اور مسلمانوں کا مال واپس کردو۔ اگر تم نے ایسا نہ کیا اور خداوند عالم نے مجھے تم پر قابو دیا تو میں حق وصول کر کے اور اسکی جگہ پلٹا کر ظالم کو تہس نہس کر کے اور مظلوم کے ساتھ انصاف کر کے خداوند عالم سے تمھارے متعلق ضروری معذرت پیش کروں گا۔''

اس سے بڑھ کر بلیغ کلام میری نظر سے نہیں گذرا، انتہائی حزن واندوہ، حق خدا و اموال مسلمین کے لیے غیظ وغضب کی اس سے بہتر تصویر کشی نہیں ہوسکتی۔

لیکن عبرت کی بات یہ ہے کہ ابن عباس نے اس خط کا جو جواب دیا وہ اپنے نفس پر انتہائی بھروسہ کرنے اور دوسرے کی رائے حقیر سمجھنے کی بدترین مثال ہے۔

''اما بعد آپ کا مکتوب ملا۔ہم نے بصرہ کے بیت المال سے جو مال لیا ہے اسے آپ بہت اہمیت دے رہے ہیں۔اپنی جان کی قسم ہم نے جو کچھ لیا ہے اس سے کہیں زیادہ ہمارا حق ہے۔والسلام''

اس حیرت انگیز مکتوب پر زیادہ بحث کرنے کی ہمیں ضرورت نہیں معلوم ہوتی۔اس خط میں تو انھوں نے اپنا حق ہی ثابت کیا ہے اور نہ وہ مواخذہ ہی سے بچ سکتے ہیں۔ہم دونوں بزرگوں کی اس نزاع کو وہ خط لکھ کر ختم کرتے ہیں جو علیؑ نے اس کے جواب میں ابن عباس کو لکھا تھا۔

''اما بعد انتہائی حیرت انگیز اور تعجب خیز ہے یہ امر کہ تم اپنے نفس کو اس خیال سے خوش کرتے ہو کہ مسلمانوں کے بیت المال میں کسی بھی مسلمان سے تمھارا حق زیادہ ہے۔اگر اس امر محال کا دعویٰ اور امر باطل کی تمنا تمھیں گنہ گار ہونے سے بچا دیتی تو ضرور رستگار ہوتے۔خدا کی قسم اس دعوائے باطل کی بنا پر تم دور سے بھی دور تر ہو۔مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم نے مکہ کو اپنا وطن بنایا ہے اور اُسے اپنا مستقل ٹھکانا قرار دیا ہے۔تم نے مدینہ اور طائف کی کنیزیں خریدی ہیں۔تم نے اپنی آنکھوں سے دیکھ کر انھیں پسند کیا اور دوسرے کے مال سے ان کی قیمت ادا کی۔خدا کی قسم جب مجھے یہ گوارا نہیں کہ تم نے مسلمانوں کا جو مال لیا ہے وہ میرے لیے حلال ہو اور میں اس کو اپنی میراث میں چھوڑ جاؤں تو کیونکر اس پر تعجب نہ کروں کہ تم حرام مال کھا کھا کے خوش ہوتے ہو۔ذرا تھمو اور اپنی جگہ ٹھہرو، تم انتہا کو پہونچ گئے جہاں سے مبتلائے غرور انسان حسرت سے چلدے گا اور حد سے تجاوز کرنے والا، توبہ کی آرزو کرنے والا ظالم دوبارہ دنیا میں آنے کی تمنا کرے گا اور اُس وقت کچھ بنائے نہ بنے گی۔والسلام''

بعض راویوں کا کہنا ہے کہ حضرت عمر نے کہیں کی حکومت ابن عباس کو دینی چاہی تھی لیکن وہ انکے بارے میں بھی ڈرے اور خود ان سے بھی خوفزدہ ہوئے ان سے تو یوں خوفزدہ ہوئے کہ کہیں مال خراج کھانے میں تاویل سے کام نہ لیں اور ان کے بارے میں یوں ڈرے کہ کہیں یہ گنہ گاری میں مبتلا ہو جائیں۔ان راویوں کا کہنا ہے کہ امیر المومنینؑ نے جب ابن عباس کو بصرہ کا عامل مقرر کیا تو اُنھوں نے جو کچھ وہاں کا مال اپنے لیے مباح کیا وہ اس آیت کی تاویل کر کے، **واعلموا انّما غنمتم من شئیٍ فان للہ خمسہ وللرسول ولذی القربیٰ والیتامیٰ والمساکین وابن السبیل** جان لو تم لوگ کہ مال غنیمت میں جو چیز تمھارے ہاتھ آئے اس کا پانچواں حصہ اللہ کے لیے ہے اور رسولؐ اور رسولؐ کے قرابتداروں کے لیے ہے اور یتیموں مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہے، ابن عباس رسولخدا کے قریبی رشتہ دار تھے لہذا ان کا اس خمس میں حق تھا جسے اللہ نے رسولؐ اور ان کے قرابت داروں اور ایتام و مساکین و مسافروں میں تقسیم کر دیا ہے۔

لیکن میرے نزدیک ابن عباس زیادہ صاحب نظر عقلمند اور اپنے دین کے عالم تھے بہ نسبت اسکے کہ وہ ایسی (لغو و مہمل)

تاویل کرتے وہ بغیر کسی شک وشبہ کے یقینی طور پر جانتے تھے کہ اس خمس میں ہمارا اتنا ہی حصہ ہے جتنا دیگر حقداران خمس کا یعنی ،قرابتداران رسول وایتام ومساکین اور ابنائے سبیل جتنا مستحق ہیں وہ بھی مستحق تھے۔وہ یہ بھی جانتے تھے کہ اس خمس میں سے خود اپنے ہاتھ سے اپنا حصہ لے لینا جائز نہیں بلکہ اس امام کے ہاتھ سے لینا چاہیے جو اسی لیے مقرر ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے درمیان مال خراج تقسیم کرے اور جتنا مناسب سمجھے رفاہ عامہ میں خرچ کرے اور یہی امام قرابتداران رسولؐ اور ایتام ومساکین وابنائے سبیل کے درمیان خمس تقسیم کرتا ہے۔

اگر ابن عباس کے علاوہ کوئی دوسرا مسلمان یہ سمجھ کر کہ بیت المال میں میرا بھی حق ہے خود سے لے لے اور اتنا ہی لے جتنا اس کا حق ہوتا ہے تب بھی وہ حد سے متجاوز اور حاکم وقت سے سرکشی کرنے والا سمجھا جائے گا اور امام کا فریضہ ہوگا کہ قرار واقعی سزا اس شخص کو دے

ابن عباس ان تمام باتوں کے بعد اچھی طرح سمجھتے تھے کہ ان کے بھائی امیر المومنین علیؑ ،بلحاظ قرابت اور خلیفہ وقت ہونے کے زیادہ لائق ہیں کہ وہ اس خمس کی تقسیم میں پیغمبرؐ کی قائم مقامی کریں۔

حیرت کی بات ہے کہ اکثر محدثین اس واقعہ ہی کو گول کر گئے اور انھوں نے اسکی طرف اشارہ بھی نہیں کیا کیونکہ ابن عباس کو پیغمبرؐ سے جو قرابت تھی اور دین وفقہ میں انھیں جو منزلت حاصل تھی اس کی بنا پر اس کا گمان بھی نہیں کیا جا سکتا کہ وہ حق سے اتنا تجاوز اور امامؑ کی ایسی مخالفت کریں گے۔

دوسرے مؤرخین نے اس قصہ میں کچھ زیادتی سے بھی کام لیا ہے۔وہ لکھتے ہیں کہ ابن عباس نے حضرت علیؑ کے آخری خط کے جواب میں لکھا:

''اگر آپ اپنے طرز عمل سے باز نہ آئیں گے تو میں یہی مال معاویہ کے پاس پہونچا دوں گا جسے وہ آپ سے لڑنے میں کام میں لائیں گے۔

میں سمجھتا ہوں کی اسکی نوبت نہیں آئی اور ابن عباس اپنے ابن عم کی مخالفت پر اس حد تک نہ گئے لیکن پھر بھی اس واقعہ کے نتائج ایسے رونما ہوئے جو علیؑ اور انکے اصحاب کے لیے سخت پریشانی کا باعث ہوئے اور اُنکی حکومت کے لیے بھی۔''

(الفتنۃ الکبریٰ جلد دوم ص ۱۳۳ تا ۱۴۰)

علامہ محسن عالمی طاب ثراہ لکھتے ہیں:

ابن عباس امیر المومنینؑ کے ہونہار شاگرد تھے اسکے علاوہ پیغمبرؐ کی صحبت اور تعلیمات سے بھی بہرہ مند ہوئے،اسی وجہ سے حبر الامۃ کے لقب سے یاد کیے جاتے ہیں۔امیر المومنینؑ کیساتھ تمام لڑائیوں میں شریک رہے۔امیر المومنینؑ نے انھیں بصرہ کا

حاکم مقرر کیا اور اہم کاموں کے لیے انھیں کو منتخب کرتے، جنگ جمل کے بعد ام المومنینؑ عائشہ سے گفتگو کرنے کے لیے انھیں کو بھیجا تھا اور اس موقع پر انھوں نے بڑا شاندار کارنامہ انجام دیا پھر آپ نے معاملہ تحکیم میں انھیں کو اپنی طرف سے حکم بنانا چاہا لیکن خوارج نہیں مانے۔ خوارج سے گفتگو کرنے کے لیے بھی انھیں روانہ کیا۔ انھوں نے امیر المومنینؑ اور ان کے فرزندوں کی نصرت میں بڑی اہم خدمتیں انجام دی ہیں۔ انھیں نے بعد شہادت امام حسینؑ، یزید کو وہ مشہور خط لکھا تھا۔ امام حسنؑ و حسینؑ جب فرس پر سوار ہوتے تو رکاب تھامتے۔ علامہ مسعودی نے روایت کی ہے کہ جب ان کا دم مرگ آیا تو انھوں نے کہا:

''خداوندا میں انھیں باتوں پر زندہ رہا جن باتوں پر علیؑ زندہ رہے اور انھیں باتوں پر جان دے رہا ہوں جن پر علیؑ نے جان دی تھی۔''

ان کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ یہ امیر المومنینؑ سے جدا ہو گئے تھے اور بصرہ کا بیت المال لے کر مکہ چلے گئے لیکن ایک جماعت نے اس سے انکار کیا ہے۔

کشی نے اپنے رجال میں بسلسلہ اسناد روایت کی ہے کہ حضرت امیر المومنینؑ نے انھیں بصرہ کا عامل مقرر کیا تھا۔ یہ بصرہ کے بیت المال کا تمام مال لے کر کے چلے گئے۔ اس مال کی مقدار دو لاکھ درہم تھی۔ امیر المومنینؑ کو جب یہ خبر ملی تو آپ بالائے منبر تشریف لے گئے اور فرمایا:

''پیغمبر کا چچا زاد بھائی باوجود اپنے علم اور قدر و منزلت کے ایسا کام کرتا ہے تو ان لوگوں پر کیا بھروسہ کیا جا سکتا ہے جو ان سے گھٹ کے ہیں۔''

ابن اثیر ۴۰ھ کے واقعات میں لکھتے ہیں:

اسی سال عبداللہ بن عباس بصرہ سے چلکر مکہ جا پہونچے، اکثر مورخین کے قول کی بنا پر اور کچھ لوگوں نے اس سے انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ نہیں وہ امیر المومنینؑ کی شہادت اور امام حسنؑ کی صلح تک بصرہ کے عامل رہے پھر مکہ گئے لیکن پہلی بات زیادہ صحیح ہے۔ امام حسنؑ کی صلح تک موجود رہنے والے عبید اللہ بن عباس ہیں''

پھر ابن اثیر نے بصرہ سے روانگی کی وجہ لکھی ہے کہ عبداللہ بن عباس کا گذر ابو الاسود کی طرف سے ہوا جو اُس وقت بصرہ کے قاضی تھے۔ ابن عباس نے اُن سے کہا:

''اگر تم چوپاؤں میں رہتے تو اونٹ ہوتے اگر راعی ہوتے تو چراگاہ تک نہ پہونچ پاتے۔''

ابو الاسود نے امیر المومنینؑ کو لکھا کہ آپ کے ابن عم (عبداللہ بن عباس) نے اپنے قبضہ کا تمام مال و زر بغیر آپ کو خبر کیے ہضم کر لیا ہے۔ امیر المومنینؑ نے اسکے متعلق ابن عباس کو لکھا۔ ابن عباس نے جواب دیا کہ آپ کو جو خبر ملی ہے وہ غلط ہے، امیر

المومنینؑ نے لکھا'' مجھے لکھو کہ تم نے کتنا جزیہ وصول کیا کس سے لیا، اور کس پر خرچ کیا۔ ابن عباس نے جواب میں لکھا میں سمجھتا ہوں کہ بصرہ کا مال جو میں نے لیا ہے اسے آپ بڑی اہمیت دے رہے ہیں، آپ جس کو چاہیے یہاں کی حکومت کے لیے بھیجد یجئے۔ یہ خط لکھ کر بصرہ سے چل کھڑے ہوئے اور اپنے ننہالی رشتہ دار بنی ہلال بن عامر کو اپنی مدد کے لیے بلایا۔ بنی قیس سب اکٹھا ہو گئے، انھوں نے بیت المال ساتھ لیا اور کہا کہ یہ ہماری تنخواہ ہے جواب تک جمع ہوتی رہی، بصرہ والوں نے پیچھا کیا کہ ان سے مال چھین لیں مگر بنی قیس مانع ہوئے اور وہ سب لیے دیے مکہ پہونچ گئے'' (تاریخ کامل)

نہج البلاغہ میں امیرالمومنینؑ کا ایک مکتوب کسی عامل کے نام ہے، عامل کے نام کی اسمیں صراحت نہیں کی گئی، اس خط میں مکتوب الیہ کی شدید مذمت ہے۔ کشی نے شعبی سے روایت کی ہے کہ مکتوب الیہ عبداللہ بن عباس ہی ہیں اور یہ خط انھیں اس وقت لکھا گیا جب وہ بصرہ کا تمام مال سمیٹ کر حجاز کی طرف چل دیے تھے۔ کشی نے امیرالمومنینؑ کا یہ خط بہت تفصیل سے نقل کیا ہے، ابن ابی الحدید نے بھی شرح نہج البلاغہ میں ذکر کیا ہے، بعض فقرے اس کے یہ ہیں:

''میں نے تمھیں اپنی امانت میں شریک کیا تھا اور تمھیں اپنا بالکل مخصوص آدمی قرار دیا تھا اور تم سے زیادہ میرے قوم و قبیلہ میں میرے بھروسے کا کوئی آدمی نہ تھا لیکن جب تم نے دیکھا کہ زمانہ تمھارا چچازاد بھائی کے خلاف حملہ آور ہے.........تو تم نے بھی اپنے ابن عم سے رُخ موڑ لیا اور ساتھ چھوڑ دینے والوں کے ساتھ تم نے بھی ساتھ چھوڑ دیا اور خیانت کرنے والوں میں داخل ہو کر تم بھی خائن ہو گئے۔ اس طرح نہ تم نے اپنے چچازاد بھائی کے ساتھ ہمدردی کا خیال کیا نہ امانتداری کے فرض کا احساس کیا.....گویا تم اس امت کے ساتھ اسکی دنیا بٹورنے کے لیے چال چل رہے تھے.......... چنانچہ جب امت کے مال میں بھر پور خیانت کرنے کا موقع نہیں ملا تو جھٹ سے دھاوا بول دیا......اور جتنا بن پڑا اس مال پر جو بیواؤں اور یتیموں کے لیے محفوظ رکھا گیا تھا یوں جھپٹ پڑے جس طرح پھرتیلا بھیڑیا زخمی اور لاچار بکری کو اُچک لیتا ہے اور تم نے اسے حجاز روانہ کر دیا اور اُسے لیجانے میں گناہ کا احساس تمھارے لیے سدّ راہ نہ ہوا۔ خدا تمھارے دشمنوں کا برا کرے، گویا یہ تمھارے ماں باپ کا ترکہ تھا ......اللہ اکبر کیا تمھارا قیامت پر ایمان نہیں؟ کیا حساب کتاب کی چھان بین کا ذرا بھی ڈر نہیں؟ اے وہ شخص جسے ہم ہوشمندوں میں شمار کرتے تھے ....خدا کی قسم اگر حسنؑ و حسینؑ بھی وہ کرتے جو تم نے کیا ہے تو میں ان سے بھی کوئی رعایت نہ کرتا''

............(ترجمہ نہج البلاغہ مفتی جعفر حسین مطبوعہ لاہور)

کشی نے صراحت کی ہے کہ یہ خط عبداللہ بن عباس ہی کے نام امیرالمومنینؑ نے لکھا تھا۔ اس کے علاوہ خط کے الفاظ بھی بتاتے ہیں کہ مکتوب الیہ ابن عباس کے علاوہ کوئی دوسرا نہ تھا۔

مثلاً امیرالمومنینؑ کا یہ ارشاد۔ میں نے تمھیں اپنی امانت میں شریک کیا یا جیسے میرے قوم وقبیلہ میں میرے بھروسے کا تم سے بڑھ کر کوئی آدمی نہ تھا یا جیسے آپ کا یہ فقرہ لا ابا لغیرك خدا تمھارے دشمنوں کا برا کرے یا جیسے آپ کا یہ فقرہ اے وہ شخص جسے ہم ہوشمندوں میں شمار کرتے تھے۔ یا آپ کا یہ فقرہ اگر حسنؑ وحسینؑ ایسا کیے ہوتے۔ یہ فقرہ بتاتا ہے کہ مکتوب الیہ حسنؑ وحسینؑ ہی جیسا نزدیکی رشتہ دار تھا کوئی۔

علاّمہ محسن عاملی لکھتے ہیں:

''ابن اثیر نے یہ جو لکھا ہے کہ ابن عباس نے ابوالاسود دولی سے کہا اگر تم چوپایوں میں سے ہوتے الخ تو اس کو صحیح قرار دینا بہت دشوار ہے، کیونکہ ابن عباس، ابوالاسود کے فضل وشرف سے ہر ایک سے بڑھ کر واقف تھے، لہذا وہ ابوالاسود کو ایسی بات کہہ سکتے تھے جو کسی شریف کے منھ سے نکلنی دشوار ہے، ابن عباس کی عظمت وجلالت اور کمال معرفت ناممکن قرار دیتی ہے کہ وہ اپنی زبان سے ایسی بات نکالیں، ہمارا تو خیال ہے کہ جس شخص نے یہ فقرے ابن عباس کی طرف منسوب کیے ہیں اس نے اپنی غرض کے ماتحت ابوالاسود اور ابن عباس دونوں کو ایک ساتھ انکے درجہ سے گرانا چاہا ہے، کیونکہ ابن عباس اور ابوالاسود دونوں امیرالمومنینؑ کے فدائی اور مخلص شیعہ تھے۔ اب جن مؤرخین نے ابن عباس اور امیرالمومنینؑ کی یہ خط وکتابت نقل کی ہے اگر اُسے ہم صحیح مان بھی لیں تب بھی ابن عباس کے آخری خط کو صحیح ماننا ناممکن ہے جس میں یہ فقرہ ہے کہ:

......اگر میں زمین کی ساری دولت لیکر اللہ سے مل آتا ہوں تو یہ مجھے کہیں زیادہ پسندیدہ ہے بہ نسبت اس کے کہ میں کسی مسلمان کا خون اپنی گردن پر لیکر جاؤں............''

ابن عباس کو جو علم وفضل حاصل تھا وہ دنیا جانتی ہے۔ اس علم وفضل کے حامل ہوتے ہوئے کیونکر ممکن ہے کہ وہ ایسے شخص کے قتل کرنے کا عیب لگائیں جسے قتل کرنے اور جس سے لڑنے کا خود خداوند عالم نے اس آیت میں حکم دیا ہے فقاتلوا التی تبغی ....جو جماعت بغاوت پر تلی ہے اس سے جنگ کرو۔ ہم فرض بھی کرلیں کہ ابن عباس نے فریب دینا چاہا اور ان لوگوں کی پیروی کی جو کہتے تھے کہ عمار کا قاتل وہ ہے جو اُنھیں میدان جنگ میں لایا۔ تو انصاف سے کہئے کیا ابن عباس یہ بھی جانتے تھے کہ یہ چیز ایسی ہے کہ خود ہماری عزت خاک میں مل جائے گی اور لوگ ہمیں کو عیب لگائیں گے۔ خود ابن عباس اس خونریزی میں شریک رہ چکے تھے تو قبل اسکے کہ وہ اور کسی پر ناحق خونریزی کا الزام لگاتے خود اپنے کو عیب لگاتے۔ وہ یہ جواب دینے پر مجبور بھی نہ تھے جیسا کہ وہ لوگ مجبور تھے جنھوں نے عمار کو قتل کیا اور اگر اس جواب سے ابن عباس کا مقصد یہ تھا کہ لوگوں کے سامنے اپنی معذرت پیش کریں تو یہ بھی بیکار ہے، کیونکہ دنیا جانتی ہے کہ یہ جواب مہمل ہے اور ابن عباس ہر خون کے بہانے میں شریک

رہ چکے ہیں۔اس معذرت پر بجائے اس کے کہ لوگ انکو معذور سمجھتے زیادہ قابل ملامت سمجھتے۔عذر گناہ بدتر از گناہ۔اگر ابن عباس چاہتے تو پہلے ہی جواب پر اکتفا کرتے کہ بیت المال میں میرا حق تھا میں نے لے لیا۔اگر امیر المومنینؑ ان کو لکھتے کہ تم نے اپنے حق سے زیادہ لیا ہے تو ابن عباس کے لیے ممکن تھا کہ گول مول جواب دیدیتے جس میں مذکور ہوتا کہ ہم نے اپنے حق سے زیادہ نہیں لیا۔غرضکہ اس قسم کا جواب دیئے ہوتے تو یہ قابل قبول بھی تھا اور سمجھا جاسکتا کہ واقعی امیر المومنینؑ میں اور اُن میں یہ خط وکتابت ہوئی تھی لیکن ابن عباس نے تو ایسا جواب دیا جس کا مہمل وفاسد ہونا ہر شخص جانتا ہے۔یہیں سے شک پیدا ہو جاتا ہے پوری خط وکتابت میں کہ واقعاً ابن عباس اور امیر المومنینؑ میں یہ خط وکتابت ہوئی بھی تھی یا نہیں۔

ابن ابی الحدید نے راوندی سے نقل کیا ہے کہ مکتوب الیہ عبداللہ بن عباس نہیں بلکہ عبیداللہ بن عباس ہیں مگر ابن ابی الحدید نے اسکی تردید کردی ہے کہ عبیداللہ حضرت علیؑ کی طرف سے یمن کے حاکم تھے اور کسی نے بھی نہیں لکھا کہ انھوں نے کوئی مال غصب کیا ہو اور امیر المومنینؑ کے حلقہ اطاعت سے نکلے ہوں۔علامہ ابن ابی الحدید لکھتے ہیں:

یہ خط وکتابت والا مسئلہ میرے لیے بڑا مشکل مسئلہ ہے۔اگر یہ کہوں کہ امیر المومنینؑ نے کوئی خط لکھا ہی نہیں، راویوں نے گڑھ کر امیر المومنینؑ کی طرف منسوب کردیا تو اس صورت میں تمام راویوں کی مخالفت ہوتی ہے جن کا اتفاق واجماع ہے کہ یہ خطوط امیر المومنینؑ ہی کے ہیں اور اگر مکتوب الیہ ابن عباس کو قرار دوں تو یہ بھی مشکل ہے۔کیونکہ جانتا ہوں کہ وہ امیر المومنینؑ کے انتہائی اطاعت گذار وجاں نثار تھے، آپ کی زندگی میں بھی اور مرنے کے بعد بھی۔اگر مکتوب الیہ کسی دوسرے کو قرار دوں تو سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر کس کو۔امیر المومنینؑ کے اعزہ میں سے آخر وہ کون شخص تھا۔امیر المومنینؑ کی لفظیں بتاتی ہیں کہ مکتوب الیہ آپ ہی کے گھر کا اور چچازاد بھائی ہی کوئی تھا الخ۔

علّامہ عاملی لکھتے ہیں کہ کشی کے صراحت کردینے کے بعد کہ یہ خطوط امیر المومنینؑ کے ہیں اور آپ نے ابن عباس کو یہ خطوط لکھے تھے، ابن عباس کے علاوہ کسی دوسرے کو مکتوب الیہ قرار دینا ٹھیک ہی نہیں ہوسکتا نہ کوئی تردد کی گنجائش باقی رہتی ہے۔

ظاہری بات یہ ہے کہ ابن عباس کا امیر المومنینؑ سے علیٰحدہ ہو جانا اور بصرہ کا مال لے لینا مشہور واقعہ ہے۔امام حسنؑ نے تخت خلافت پر متمکن ہونے کے بعد عبیداللہ بن عباس کی سرکردگی میں بارہ ہزار کا ایک لشکر معاویہ سے لڑنے کے لیے روانہ کیا، اس لشکر میں جناب قیس بن سعد بن عبادہ بھی تھے، عبیداللہ معاویہ سے ۵ لاکھ درہم نقد لے کر مل گئے اور امام حسنؑ کے لشکر علیٰحدہ ہوگئے اُس وقت قیس بن سعد نے امام حسنؑ کے لشکر کے سامنے تقریر کی تھی۔

''عبیداللہ نے جو حرکت کی ہے اس سے تم لوگ ہراساں نہ ہونا یہ پورا گھرانا ہی ایسا ہے، ان کے باپ عباس بروز بدر پیغمبرؐ سے لڑنے کے لیے نکلے، ان کے بیٹے عبداللہ بن عباس نے بصرہ کا سب مال ہتھیا لیا اور مکہ بھاگ گئے تھے دوسرے بیٹے

عبیداللہ نے جو حرکت کی ہے وہ تم دیکھ ہی رہے ہو۔''

عبداللہ بن زبیر بھی ابن عباس کو طعنہ دیا کرتے کہ تم نے بصرہ کا مال غصب کر لیا تھا اور وہاں کے مسلمانوں کو اس عالم میں چھوڑا تھا کہ وہ گٹھلیاں کھاتے تھے۔ ابن عباس نے اس واقعہ سے اپنی بات نہیں ظاہر کی بلکہ یہ جواب دیا کہ اس مال میں ہمارا حق تھا ہم نے لے لیا۔

ابن الحدید لکھتے ہیں: زیادہ تر مؤرخین کا مسلک یہی ہے کہ ابن عباس نے بصرہ کا مال غصب کیا اور امیر المومنینؑ سے علیٰحدہ ہو گئے اور دیگر مؤرخین نے جو بہت تھوڑی تعداد میں ہیں کہا ہے کہ ایسا نہیں ہوا، عبداللہ بن عباس نہ علیؑ سے جدا ہوئے نہ اُنکے بیٹے حسنؑ سے، وہ شہادت امیر المومنینؑ تک بصرہ کے عامل رہے۔ یہ لکھ کر ابن ابی الحدید لکھتے ہیں کہ یہی درست اور مناسب ہے

علامہ اپنی کتاب خلاصہ میں لکھتے ہیں کہ ابن عباس امیر المومنینؑ کے دوستدار اور انکے شاگرد تھے، عظمت وجلالت اور امیر المومنینؑ کے ساتھ خلوص رکھنے میں کافی مشہور ہیں۔ کشی نے کچھ حدیثیں ایسی ذکر کی ہیں جن سے ان کی منقصت نکلتی ہے مگر ابن عباس اس سے ارفع واعلیٰ ہیں۔

شہید ثانیؒ خلاصہ کے حاشیہ میں لکھتے ہیں: ''کشی نے صرف ۵ حدیثیں ایسی لکھی ہیں جن میں ابن عباس کی قدح مذکور ہے سب کی سب کمزور سند کی ہیں''۔

سید ابن طاؤس لکھتے ہیں: عبداللہ بن عباس کی امیر المومنینؑ سے محبت، خلوص، دوستی مددگاری، ان کی حمایت، اُن کی نصرت و یاری ایسی باتیں ہیں جن میں کوئی شبہ ہی نہیں کیا جا سکتا۔

پھر سید ابن طاؤس اُن روایات کا جواب دیتے ہوئے جن میں ابن عباس کی مذمت مذکور ہے لکھتے ہیں: ابن عباس کو جو منزلت حاصل تھی وہ چیز ہی ایسی ہے جس پر لوگ ان سے حسد اور بہتان تراشی کریں جیسے حسین وجمیل عورت کو اس کی سوکنیں حسد کی وجہ سے بدصورت بتاتی ہیں۔

سید ابن طاؤس لکھتے ہیں کہ اگر ابن عباس کے متعلق ایک ہزار روایتیں بھی اس قسم کی پائی جائیں تو رد کر دینے کے قابل ہونگی چہ جائیکہ یہ چند حدیثیں جو ضعیف ورکیک ہیں۔

علامہ ابن ابی الحدید لکھتے ہیں: ''عبداللہ بن عباس کے امیر المومنینؑ سے علیٰحدہ نہ ہونے کا ثبوت وہ روایت ہے جسے ابو الفرج اصبہائی نے روایت کیا ہے کہ جب امیر المومنینؑ کی شہادت ہوئی تو معاویہ نے خفیہ طریقہ پر ایک شخص کو کوفہ اور بنی قین سے ایک شخص کو بصرہ بھیجا کہ وہاں کے حالات معلوم کر کے معاویہ کو لکھیں۔ یہ دونوں شخص پکڑے گئے اور قتل ہوئے اُس پر عبداللہ ابن عباس نے بصرہ سے معاویہ کو لکھا:

''امابعد تم اور تمھارا جاسوس جو بنی قین سے تھا اور بصرہ میں قریش کی غفلت کی تلاش میں آیا تھا الخ۔

یہ خط ثبوت ہے کہ ابن عباس وقت وفات امیرالمومنینؑ بصرہ ہی میں موجود تھے۔

ابن الحدید لکھتے ہیں: وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ ابن عباس امیرالمومنینؑ سے ہرگز جدا نہیں ہوئے اور نہ اُن میں اور امیر المومنینؑ میں کوئی اختلافی صورت پیدا ہوئی، کہتے ہیں کہ ایسا ہونا کیونکر ممکن ہے، اگر ایسا ہوتا تو معاویہ سب سے پہلے انھیں توڑنے کی کوشش کرتے اور اپنے پاس بلا لیتے مگر معاویہ نہ انھیں توڑ سکے نہ اپنے سے ملا سکے۔ درانحالیکہ معاویہ امیرالمومنینؑ کے بہت سے عمال کو مال و دولت کی لالچ دیکر بہکا چکے تھے مگر ابن عباس اور معاویہ میں ہمیشہ ٹھنی رہی۔ تاریخ وسیر کا ہر ایک پڑھنے والا جانتا ہے امیرالمومنینؑ کی وفات کے بعد معاویہ سے ابن عباس کتنا اختلاف کیا کیے۔ کیسی کیسی سخت باتیں سنائیں، اُن کے منھ پر امیرالمومنینؑ کی کتنی مدح وستائش کی اور آپ کے خصوصیات وفضائل اور کمالات کے تذکرے کیے، اگر ابن عباس اور امیرالمومنینؑ کے درمیان کوئی غبار یا کدورت ہوتی تو یہ صورت ہرگز نہ ہوتی۔

یہ سب نقل کرنے کے بعد علامہ محسن عاملی طاب ثراہ لکھتے ہیں:

''یہ کہنا کہ ابن عباس نے بصرہ کا مال نہیں لیا، امیرالمومنینؑ نے انھیں وہ خطوط نہیں لکھے جو ہم اوپر درج کر چکے ہیں، مذکورہ بالا روایات کے دیکھنے کے بعد بالکل ہی غلط ہے، کشی اور دیگر علماء نے ان کی برگشتگی کے متعلق جو روایات لکھی ہیں ان کی تصحیح کی بھی ضرورت نہیں کیونکہ ابن عباس کا بصرہ کا مال لے کر چلا جانا اور امیرالمومنینؑ اور ان کے درمیان خط وکتابت ایسی ہی مشہور ہے جیسی ابن عباس کی عظمت وجلالت، امیرالمومنینؑ سے خلوص اور امیرالمومنینؑ کی فضیلتوں کی معرفت مشہور ہے۔ ہمارا خیال یہ ہے کہ امیرالمومنینؑ نے ابن عباس سے جب حساب لینے میں سختی کی اور انھوں نے سمجھ لیا کہ امیرالمومنینؑ پائی پائی کا حساب لے کر رہیں گے، کسی چیز میں بھی چشم پوشی نہ فرمائیں گے، ان کے نفس نے انھیں آمادہ کیا کہ وہ بصرہ کا مال لے لیں اور مکہ چلے جائیں۔ وہ معصوم نہیں تھے اور دنیا کی محبت ہر ایک کے دل میں ہوتی ہے لیکن جب امیرالمومنینؑ نے انھیں خط لکھا، وعظ و نصیحت کی اور توبہ کرنے کا حکم دیا تو انھوں نے توبہ کر لی اور جلد ہی واپس آ گئے۔ انکی واپسی کا مؤرخین نے اگر ذکر نہیں کیا تو اس سے کوئی حرج نہیں بلکہ مؤرخین کا یہی ذکر کر دینا کافی ہے کہ وقت وفات امیرالمومنینؑ وہ بصرہ میں تھے جیسا کہ ابن عباس کا مذکورہ بالا خط بنام معاویہ شاہد ہے۔ رہ گیا وہ آخری جواب جو ابن عباس نے امیرالمومنینؑ کو لکھا تھا جس میں یہ فقرہ ہے کہ زمین کی ساری دولت لے کر اللہ سے ملنا مجھے زیادہ محبوب ہے بہ نسبت اسکے کہ میں اللہ سے اس حال میں ملوں کہ مسلمانوں کا خون میری گردن پر ہو، تو ہم خدا کی پناہ مانگتے ہیں کہ ابن عباس کے قلم سے نکلا ہو۔'' (اعیان الشیعہ جلد سوم قسم ثانی)

□□

سولہواں باب

مملکت اسلامیہ پر معاویہ کی غارتگری

ان باتوں کے نتائج نہایت ہولناک رونما ہوئے ،صرف یہی نہیں کہ امیر المومنینؑ کو اپنے گھر والوں ، اپنے ساتھیوں اور اپنی سلطنت کی طرف سے صدمات سے دو چار ہونا پڑا بلکہ وہ نظام سیاسی خطرے میں پڑ گیا جس کی حفاظت کے لیے امیر المومنینؑ نے تخت خلافت پر آنا قبول کیا تھا یعنی نظام خلافت اور خود اسلام کی وہ خصوصیت خطرے میں پڑ گئی جس کی پیغمبرؐ اسلام اور خلفاء کو بہت زیادہ فکر رہا کرتی یعنی اس خاندانی عصبیت کا مٹانا جس پر عرب زمانہ جاہلیت میں جان دیا کرتے تھے۔

معاویہ نے دیکھا کہ عراق میں علیؑ کی حکومت کا معاملہ دگرگوں ہے، اُن کے ساتھی ٹوٹتے جا رہے ہیں، اُن میں پست ہمتی آ چکی ہے، وہ کمزور ہو چکے ہیں، علیؑ کا قابو اُن پر نہیں رہا۔جس کی وجہ سے مصر کے معاملہ سے پورے طور پر فارغ نہ ہونے کے باوجود دوسرے حصہ ملک کی لالچ اُنکے دل میں پیدا ہوگئی جو مصر سے کم اہمیت نہیں رکھتا تھا، یعنی بصرہ اور بصرہ کے مضافات ایرانی شہر۔معاویہ کو یہ بھی یاد آیا کہ عثمانی لوگ بصرہ میں پھیلے ہوئے ہیں۔ یہاں کے باشندے انتقام خون عثمان کی خاطر حضرت عائشہ کی معیت میں ایک مرتبہ علیؑ سے ٹکر بھی لے چکے ہیں اور جنگ جمل کا واقعہ ابھی تک اُنکے ذہنوں سے فراموش نہیں ہوا ہے اور ابھی ان کے دل میں ایسے گھاؤ موجود ہیں جو اب تک بھرے نہیں۔معاویہ نے یہ بھی دیکھا کہ ابن عباس اپنے ابن عم سے ناراض ہو کر بصرہ سے چلدیے ہیں چنانچہ ان کے دل میں طمع پیدا ہوئی کہ بصرہ والوں کو بھڑکائیں، ان کے اعزہ جو جنگ جمل میں مارے جا چکے ہیں ان کی یاد تازہ کریں اور تحریک کریں کہ اس وقت موقع ہے اپنے مقتول اعزہ کا انتقام لے لو۔

انھوں نے اس سلسلہ میں عمرو عاص سے مشورہ کیا۔عمرو عاص نے انکی تائید کی اور ترغیب دلائی کہ اس تجویز کو فوراً عمل میں لانا چاہیے ۔معاویہ نے ایک مضبوط آدمی کو منتخب کیا جسے حضرت عثمان سے قرابت بھی تھی یعنی عبداللہ بن عامر خضرمی جو حضرت عثمان کا خالہ زاد بھائی تھا، معاویہ نے اُسے بصرہ روانہ کیا اور تاکید کی کہ بنی تمیم کے یہاں ٹھہرنا۔ازدوالوں سے دوستی پیدا کرنا مگر ربیعہ والوں سے بچتے رہنا کیونکہ ان کا میلان علیؑ کی طرف ہے، عبداللہ بن عامر خضرمی نے بصرہ پہنچتے ہی بنی تمیم کو ہموار کرلیا سوا احنف بن قیس کے کہ وہ اسی طرح گھر میں ایک جماعت کے ساتھ گوشہ نشین رہے جس طرح جنگ کے موقع پر رہ چکے تھے۔

ابن عباس بصرہ سے جاتے وقت زیاد بن ابیہ کو اپنا قائم مقام مقرر کر گئے تھے۔زیاد نے چاہا کہ قبیلہ ربیعہ والوں کی پناہ

لے لیکن اس نے قبیلہ ربیعہ کے بعض معززین واشراف کو دیکھا کہ انھیں کچھ تردد ہو رہا ہے اور ٹال مٹول کر رہے ہیں اس نے قبیلہ ازدوالوں کی پناہ لی۔ ازدوالوں نے اس شرط پر پناہ دی کہ دارالامارہ چھوڑ دو اور ہمارے گھر آ جاؤ، ساتھ ہی منبر اور بیت المال بھی لیے آؤ۔ زیاد نے ایسا ہی کیا۔ بصرہ والے اس وقت کئی جماعتوں میں بٹ گئے۔ ایک جماعت معاویہ کی طرف مائل اور ان کے سفیر ابن حضرمی کی حفاظت وحمایت پر کمر بستہ، دوسری جماعت احنف بن قیس کے ساتھ ہر چیز سے کنارہ کش ۔ تیسری جماعت میں اگر چہ کچھ اندرونی اختلاف تھا مگر یہ حالات کی رفتار دیکھنے لگی اور اس کی منتظر تھی کہ واقعات کیا پیش آتے ہیں۔ یہ جماعت ربیعہ والوں کی تھی، چوتھی جماعت وہ تھی جسے نہ تو علیؑ کی فکر تھی اور نہ عثمان اور معاویہ کی، اسے تو اپنے خاندانی وجاہت کا خیال تھا (یعنی قبیلہ ازدوالے) یہ جماعت زیاد کی حمایت پر کمر بستہ ہوئی کیونکہ زیاد نے ان کے گھر آ کر پناہ لی تھی۔ انھیں ابن حضرمی پر بہت غصہ تھا کہ وہ بنی تمیم کے یہاں اترا، ان پر بھروسہ کیا اور ازدوالوں کے یہاں نہیں اترا۔ اس طرح انتہائی کریہہ صورت میں خاندانی عصبیت نمودار ہوئی۔ بصرہ کے فوجی حکومت سے زیادہ اپنے قبائل کا لحاظ کرنے لگے اور امام سے زیادہ انھیں اپنے خاندانی وقار کا پاس ولحاظ تھا اور خاندانی وقار کے لیے اتنا غیظ وغضب کا اظہار کرتے جتنا دین کے لیے بھی غضبناک نہ ہوتے اور باہم دگر اس کا مقابلہ تھا کہ ہم زیادہ بہتر طریقہ سے اپنے پناہ لینے والی کی حفاظت کرتے ہیں کہ تم؟

زیاد نے حضرت علیؑ کو بصرہ کے تمام واقعات لکھ بھیجے، حضرت علیؑ کی خواہش تھی کہ لڑائی کی نوبت نہ آئے، آپ نے قبیلہ تمیم والوں کی افہام وتفہیم کے لیے اعین بن ضبیعہ کو روانہ کیا جو خود بھی قبیلہ تمیم ہی سے تھے۔ اعین نے سمجھانے کی بہت کوشش کی مگر تمیم والے مانے نہیں بلکہ ان سے اختلاف کر کے الگ ہو گئے اور ایک رات سازش کر کے انھیں قتل کر دیا۔ زیاد نے چاہا کہ اعین کا انتقام لے چاہے اس کے لیے بنی تمیم سے جنگ ہی کیوں نہ کرنا پڑے مگر ازدوالوں نے روکا اور کہا کہ ہم نے صرف تمھاری اور بیت المال کی حفاظت کا قول وقرار کیا ہے یہ نہیں کہ تم جس سے لڑو اس سے ہم بھی لڑیں اور جس سے تم صلح کرو ہم بھی صلح کر لیں۔

زیاد نے حضرت علیؑ کو پھر خط لکھا جس میں اعین بن ضبیعہ کے قتل کی تفصیل تھی۔ امیر المومنینؑ نے قبیلہ تمیم کے ایک دوسرے شخص کو بلایا یعنی جاریہ بن قدامہ کو اور انھیں ہدایت دی کہ بصرہ جا کر اپنی قوم والوں کو متنبہ کرو، اس مرتبہ آپ نے جاریہ کو تنہا نہیں بھیجا بلکہ ایک مختصر سا فوجی دستہ بھی ساتھ کر دیا۔ جاریہ بصرہ پہونچے، زیاد سے گفتگو ہوئی پھر اپنے قبیلہ بنی تمیم والوں سے بحث ومباحثہ ہوا۔ بعض لوگوں نے ان کی بات مان لی اور بعض اپنی سرکشی پر اڑے رہے۔ جاریہ کوفہ سے ساتھ آنے والوں اور بصرہ سے ساتھ جانے والوں کو لیکر ابن حضرمی سے لڑنے پر کمر بستہ ہو گئے تھوڑی ہی دیر میں ابن حضرمی اور اس کے ساتھیوں کے قدم اکھڑ گئے اور یہ لوگ بھاگ کر ایک گھر میں جا چھپے۔ بعض مؤرخین کہتے ہیں کہ بصرہ کے پرانے قلعوں میں سے کسی قلعے کے اندر

بھاگے۔جاریہ نے انھیں کافی سمجھایااوراطاعت قبول کرنے کی ترغیب دی لیکن ان لوگوں نے انکارکیااورقلعہ بندی کی تیاریاں کرنے لگے،اس وقت مجبور ہوکر جاریہ نے لکڑیاں اکٹھا کرنے کا حکم دیااور گھر کے چاروں طرف لکڑیاں اکٹھا کر کے آگ لگادی گئی،گھر جل کر خاک ہوگیااور ساتھ ہی وہ لوگ بھی جل کر ختم ہو گئے جواس میں چھپے تھے۔کوئی بھی بچ کر نکلنے نہیں پایا۔

خطرہ برطرف ہونے کے بعد جب زیاد بیت المال کو لے کر دارالامارہ میں پھر پلٹ آیااور منبر بھی مسجد جامع میں اپنی جگہ پر آ گیاتو قبیلہ ازد والوں نے اپنے کارنامے پر خوب فخر کیا۔عمرو بن عرمد بن عودی نے شعرائے جاہلیت کی طرح اپنی قوم والوں کا مدحیہ قصیدہ لکھا،جس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

ہم نے زیاد کواس کے گھر واپس پہونچایااور قبیلہ تمیم کا پناہ لینے والا (ابن حضرمی) آگ کی نذر رہوا۔ہم لوگ ایسے آدمی ہیں کہ ہماری عادت میں داخل ہے کہ ہم اپنے پناہ لینے والے کی حمایت کرتے ہیں اور لٹنے نہیں دیتے۔زیاد جب ہم لوگوں کے گھر میں آیاتو ہم نے اس کی حمایت کی اور پناہ لینے والے کو بس وہی محفوظ رکھ سکتے ہیں جو خاندانی شرافت رکھتے ہیں۔۔الخ۔

عبرت کی بات یہ ہے کہ اس شاعر نے نہ تو علیؑ کا ذکر کیانہ عثمان کا، نہ اس کے اشعار میں صائب نظری کی طرف اشارہ تھا نہ دینداری کی طرف، نہ امام کی پرواہ معلوم ہوتی تھی نہ حکومت وقت کی فرمانبرداری کا لحاظ،اس نے صرف زیاد کا ذکر کیا جس نے اس شاعر کے قبیلہ ازد کی پناہ لی تھی اور قبیلہ ازد والوں نے اس کی حفاظت عمدہ طریقہ سے کی اور بنی تمیم کی مذمت کی تھی کہ انھوں نے اپنے پناہ لینے والے ابن حضرمی کو چھوڑ دیا یہاں تک کہ آگ اُسے کھا گئی۔ بنی تمیم نے اسکے ساتھ بیوفائی کی، اس کی حفاظت کی جو ذمہ داریاں ان کے سر تھیں انھیں پورا نہ کیا حالانکہ یہ لوگ اسے اپنی پناہ میں لے چکے تھے اوراس کی حفاظت کا وعدہ کر چکے تھے۔اس سے پہلے بھی بنی تمیم زبیر بن عوام کے ساتھ غدّاری کر چکے ہیں۔انھیں بنی تمیم نے انھیں قتل کیااوران کا لباس اور سامان لوٹ لیا تھا۔مشہور شاعر جَریر قبیلہ ازد کی مدح اوراپنے حریف فرزدق کے قبیلہ مجاشع کی ہجو کرتا ہوا کہتا ہے:

''تم نے زبیر کے ساتھ غدّاری کی،اور جس طرح قبیلہ ازد نے زیاد کی حفاظت کر کے اپنی وفا کا ثبوت دیا تم نے وفاداری نہ کی۔قبیلہ ازد والوں کا پڑوسی اور پناہ گیر تو محفوظ و مامون رہااور قبیلہ مجاشع کا پناہ لینے والا جل کر راکھ ہو گیا۔''

اگر عبداللہ بن عباس اپنے ابن عم علی مرتضیٰ کے عہد پر قائم رہتے تو یقینا معاویہ کے دل میں انکی ہیبت رہتی اوران کے دل میں بصرہ پر قبضہ کرنے کی طمع نہ پیدا ہوتی بلکہ اگر ابن عباس اپنے عہد پر قائم رہتے تو یقینا اس انتہائی بدترین قبائلی عصبیت کو ظہور میں نہ آنے دیتے اوراپنے امام کواندوہناک پریشانی سے محفوظ رکھتے جونت نئی پریشانیوں کا باعث ہوئی۔

بعض مورخین کا خیال ہے کہ یہ واقعات اس وقت پیش آئے جب ابن عباس محمد بن ابی بکر کی شہادت اور عمرو عاص کے مصر

پر قابض ہوجانے کے بعد امیر المومنینؑ کی خدمت میں تسلیؔ اور تعزیت کے لیے گئے تھے۔لیکن یہ کہنا صحیح نہیں کیونکہ اگر ابن عباس اس وقت علیؑ کے پاس موجود ہوتے تو جیسے ہی بصرہ میں گڑ بڑ خبر ملتی فوراً بصرہ پلٹ آتے ، وہ علیؑ کے پاس ٹھہرے اس بات کے منتظر نہ رہتے کہ زیاد، اعین بن صبیعہ اور جاریہ بن قدامہ سنبھال لیں گے۔

واقعی بات یہ ہے کہ ابن عباس معاملہ حکمین کے بعد اپنے ابن عم کے بارے میں کمزور ہو چکے تھے وہ نہ تو علیؑ کے ساتھ شام کی طرف گئے جس وقت علیؑ دوبارہ شام پر چڑھائی کرنے کے ارادہ سے نکلے تھے اور نہ جنگ نہروان میں شریک ہوئے، انھوں نے صرف یہ کیا کہ بصرہ سے لشکر بھیجدیا، اس سے زیادہ کچھ نہیں۔" (الفتنتہ الکبریٰ جلد دوم ص ۱۴۳ تا ۱۴۶)

معاویہ کی یہ تمنا پوری نہ ہوئی کہ جس طرح مصر قبضہ میں آگیا ہے بصرہ بھی قبضہ میں آجائے یا یہ کہ فتنہ برپا کرکے وہاں کے باشندوں کو علیؑ کے خلاف کردیا جائے۔زیادہ سے زیادہ جو انھوں نے کیا وہ یہی کہ ابن حضرمی کو بہت بری موت کے منھ میں ڈھکیل دیا۔لیکن پھر بھی ان کی اس حرکت کا نتیجہ بہت خراب ثابت ہوا۔کیونکہ بصرہ کے حالات بہت خراب ہوگئے۔یہ بات کوئی کم نہیں کہ انھوں نے دبانی فتنہ کھڑا ہی کردیا، تھوڑی دیر کے لیے یا زیادہ دیر کے لیے اور زیاد کو مجبور کردیا کہ وہ خزانہ لے کر کسی قبیلہ والوں کی پناہ میں چلا جائے اور شہر کو ایسی ابتری میں چھوڑ دے کہ انتظام شہر درہم و برہم ہو، کینہ وعناد کی گرم بازاری ہو اور بعض باشندے بعض کے خلاف ہوں۔پھر انھیں یہ اندازہ بھی ہوگیا کہ عراق میں علیؑ سے کھلم کھلا لڑائی لڑنے کا وقت ابھی نہیں آیا۔لہذا انھوں نے ایک دوسری تجویز سوچی جو کھل کر جنگ کرنے سے کم خطرناک نہ تھی بلکہ غالباً اس سے زیادہ عراق کے لوگوں کو ہراساں اور بدحواس کرنے والی تھی اور یہ یقین دلانے والی کہ علیؑ کی حکومت کافی کمزور ہوچکی ہے اور اب علیؑ سے نہ کوئی فائدہ پہونچ سکتا ہے اور نہ وہ مشکل کے وقت ہماری کچھ مدد کرسکتے ہیں۔ہم ہر وقت معاویہ کی زد پر ہیں، جب چاہیں وہ ہمیں لوٹ لیں اور جس طرح چاہیں موت کے گھاٹ اتار دیں۔

معاویہ نے چھوٹے چھوٹے فوجی دستے تیار کیے۔ہر ایک پر ایک آزمودہ کار اور لڑائی کا پورا تجربہ رکھنے والا افسر مقرر کیا اور ہر افسر کو حکم دیا کہ عراق کی سرحدی مواضعات پر جابجا چھاپے مارے اور جب بھی موقع ملے اندر گھستا جائے اور آبادیوں میں پہونچ کر جتنا ہوسکے کشت وخون اور لوٹ مار کرکے جو کچھ مال غنیمت ہاتھ آئے لیکر شام واپس آجائے۔

اُن کی ان کاروائیوں کی مثال بالکل زہریلی سوئی کی طرح تھی جو عراق کے جسم میں بار بار تیزی کے ساتھ گھس کر نکل آتی اور اپنا زہر چھوڑ جاتی جو خون کے ساتھ سارے جسم میں دوڑنے لگتا اور جسم میں کمزوری، سستی اور ناامیدی بھر دیتا اور ایسی ذلت پر مجبور کر دیتا جس کے ساتھ عزت نہ ہوتی اور ایسی پستی میں لا ڈالتا جس میں بلندی نہ ہوتی۔" (الفتنتہ الکبریٰ جلد دوم ڈاکٹر طہٰ حسین)

عین التمر پر فوج کشی:

معاویہ نے مقام عین التمر پر دھاوا بولنے کے لیے دو ہزار سپاہیوں کا ایک دستہ نعمان بن بشیر کی سرکردگی میں بھیجا۔ یہ جگہ کوفہ سے قریب امیر المومنینؑ کا ایک دفاعی مورچہ تھی جس کے نگراں مالک بن کعب ارجعی تھے، گوان کے ماتحت ایک ہزار جنگجو افراد تھے مگر اس موقع پر صرف سو آدمی وہاں موجود تھے، جب مالک نے حملہ آور لشکر کو بڑھتے ہوئے دیکھا تو امیر المومنینؑ کو کمک کے لیے تحریر کیا۔ جب امیر المومنینؑ کو یہ پیغام ملا تو آپ نے لوگوں کو انکی امداد کے لیے کہا مگر صرف تین سو آدمی آمادہ ہوئے جس سے حضرت بہت بددل ہوئے اور انھیں زجر و توبیخ کرتے ہوئے یہ خطبہ ارشاد فرمایا:

''میرا ایسے لوگوں سے سابقہ پڑا ہے جنھیں حکم دیتا ہوں تو مانتے نہیں، بلاتا ہوں تو آواز پر لبیک نہیں کہتے، تمھارا برا ہو، اب اپنے اللہ کی نصرت کرنے میں تمہیں کس چیز کا انتظار ہے، کیا دین تمھیں ایک جگہ اکٹھا نہیں کرتا اور غیرت وحمیت تمھیں جوش میں نہیں لاتی؟ میں تم میں کھڑا ہو کر چلاتا ہوں اور مدد کے لیے پکارتا ہوں لیکن تم نہ میری بات سنتے ہو نہ میرا کوئی حکم مانتے ہو، یہاں تک کہ ان فرمانبرداروں کے برے نتائج کھل کر سامنے آجائیں۔ نہ تمھارے ذریعہ خون کا بدلہ لیا جاسکتا ہے نہ کسی مقصد کو پہونچا جاسکتا ہے۔ میں نے تم کو تمھارے ہی بھائیوں کی مدد کے لیے پکارا تھا مگر تم اس اونٹ کی طرح بلبلانے لگے جسکی ناف میں درد ہو رہا ہو اور اس لاغر کمزور شتر کی طرح ڈھیلے پڑ گئے جس کی پیٹھ زخمی ہو۔ پھر میرے پاس تم لوگوں کی ایک چھوٹی سی متزلزل اور کمزور فوج آئی اس عالم میں کہ گویا اسے اس کی نظروں کے سامنے موت کی طرف ڈھکیلا جارہا ہے۔''

حضرت خطبہ دینے کے بعد جب مکان پر پہونچے تو عدی بن حاتم آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ یا امیر المومنینؑ میرے ہاتھ میں بنی طے کے ایک ہزار افراد ہیں اگر آپ حکم دیں تو انھیں روانہ کردوں، آپ نے فرمایا کہ یہ اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ دشمن کے سامنے ایک ہی قبیلہ کے لوگ پیش کیے جائیں۔ تم وادئی نخیلہ میں جا کر لشکر بندی کرو۔ چنانچہ انھوں نے وہاں پہونچ کر لوگوں کو جہاد کی دعوت دی تو بنی طے کے علاوہ ایک ہزار اور جنگ آزما جمع ہو گئے یہ ابھی کوچ کی تیاری ہی کر رہے تھے کہ مالک ابن کعب کا پیغام آگیا کہ اب مدد کی ضرورت نہیں کیونکہ ہم نے دشمن کو مار بھگایا ہے۔

اس کی وجہ یہ ہوئی تھی کہ مالک نے عبداللہ بن جوزہ کو قرظہ بن کعب اور مخنف بن سلیم کے پاس دوڑا دیا تھا کہ اگر کوفہ سے مدد آنے میں تاخیر ہو تو یہاں سے بروقت امداد مل سکے چنانچہ عبداللہ دونوں کے پاس گیا مگر قرظہ سے کوئی امداد نہ مل سکی البتہ مخنف بن سلیم نے پچاس آدمی عبدالرحمان بن مخنف کے ہمراہ تیار کیے جو عصر کے قریب وہاں پہونچے، اس وقت تک یہ دو ہزار آدمی مالک کے سو آدمیوں کو پسپا نہ کر سکے تھے۔ جب نعمان نے ان پچاس آدمیوں کو دیکھا تو یہ خیال کیا کہ اب ان کی فوجیں

آنا شروع ہوگئی ہیں لہذا وہ میدان سے بھاگ کھڑا ہوا۔ مالک نے ان کے جاتے جاتے بھی عقب سے حملہ کر کے اُنکے آدمیوں کو مارڈالا۔'' (ترجمہ نہج البلاغہ مفتی جعفر حسین مطبوعہ لاہور)

فوج کشی برانبار:

سفیان بن عوف غامدی کا بیان ہے کہ مجھے معاویہ نے بلا کر کہا کہ میں اسلحوں سے لیس لشکر جرار کے ساتھ تمھیں روانہ کرنا چاہتا ہوں۔تم فرات کے کنارے کنارے سے چل کر ہیت پہونچ کر اگر وہاں (علیؑ کا) کوئی لشکر ملے تو اس پر حملہ کر دینا ورنہ آگے بڑھکر انبار پہونچنا اور وہاں لوٹ مار مچانا۔ وہاں بھی کوئی مزاحم نہ ہو تو بڑھے چلے جانا یہاں تک کہ مدائن پہونچ جاؤ اور یہ سمجھ لوکہ مدائن اور انبار پر حملہ بالکل ایسا ہی ہے جیسا خود کوفہ پر حملہ کیا جاوے۔ سفیان! یہ حملے عراق والوں کو سہا دیں گے اور ان میں جو لوگ ہمارے ہواہ وخواہ ہیں انھیں بڑی مسرّت حاصل ہوگی۔لوگوں کو ہماری طرف دعوت دینا اور جس کو بھی اپنی رائے پر نہ پانا اُسے تہ تیغ کر دینا۔جس گاؤں سے بھی گذرو اُسے لوٹ لو اور جتنا مال ومتاع وہاں سے ملے سب اپنے قبضہ میں کر لو کہ مال وزر کی تباہی قتل ہی جیسی ہے بلکہ قتل سے زیادہ جانکاہ وروح فرسا۔ (شرح نہج البلاغہ جلد اول ص ۱۴۴)

سفیان پہلے ہیت پہونچا وہاں جب کچھ نہ ملا تو انبار میں داخل ہوا۔ یہاں اسلح خانہ تھا پانچ سو آدمی اس پر متعین تھے، اس وقت اتفاق سے دوسو رہ گئے تھے، اس جماعت کے سردار کمیل بن زیاد نخعی تھے۔ ان کو معلوم ہوا کہ کچھ لوگ قریب میں مقیم ہیں تو شب خون مارنے کے قصد سے کمیل مع ہمراہیوں کے اُدھر متوجہ ہوئے، کمیل قریب پہونچے ہی تھے کہ سفیان دوسرے راستہ سے انبار پہونچ گیا۔ یہاں کا میدان صاف پا کر شامی لشکر نے جنگ شروع کر دی، انبار والے جرأت و ہمت سے لڑے۔ ان کے سردار شرس ابن حسان بکری مع تیس آدمیوں کے شہید ہوئے، شامیوں نے خوب لوٹا۔ مالا مال ہو کر واپس چلے گئے۔ جناب امیرؑ بوجہ غیر حاضری کمیل انبار لٹ جانے سے کمیل پر سخت غضبناک ہوئے۔ ان کو عتاب آمیز فرمان لکھا اور سفیان کے تعاقب میں لشکر روانہ کیا۔ سفیان واپس جا چکا تھا لشکر ناکام واپس آ گیا۔

(سیرۃ علویہ،ص ۵۲۴ و ۵۳۴،اعیان الشیعہ علامہ محسنؒ آملی جلد ۳)

امیرالمومنینؑ کو اس ڈاکہ زنی اور قتل وغارت کی خبریں ملتیں، آپ غضبناک ہوتے، طبیعت میں ہیجان پیدا ہوتا لیکن آپ کے پکارنے پر کوئی لبیک نہ کہتا، آپ حکم دیتے مگر کوئی سنتا نہیں، کوفہ والوں کے دل خوف و ذلّت اور پسپائی کے احساس سے پُر تھے۔ ان کی ہمتیں چھوٹ گئی تھیں، مستعدی کی جگہ کاہلی نے لے لی تھی اور اب ان کو یہی غنیمت معلوم ہو رہا تھا کہ اپنے شہر میں آرام سے بیٹھے رہیں، انکا وطن محفوظ رہے، دوسری جگہ کیا ہو رہا ہے اس کی انھیں پرواہ نہ تھی۔ یہاں تک کہ امیرالمومنینؑ کا غم و

غصہ اپنے انتہا کو پہونچ گیا۔آپ نے ایک دن انتہائی رنج والم سے بھری ہوئی تقریر کی جسکے لفظ لفظ سے صدمہ وملال غیظ و غضب اوراپنے ساتھیوں سے ناامیدی مترشح تھی۔آپ نے ارشادفرمایا:

''جہاد جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے جسے اللہ نے اپنے خاص دوستوں کے لیے کھولا ہے۔ یہ پرہیزگاری کالباس،اللہ کی محکم زرہ اورمضبوط سپر ہے۔ جواس سے پہلو بچاتے ہوئے اسے چھوڑ دیتا ہے اُسے ذلت وخواری کا لباس پہناتا اورمصیبت وابتلا کی رداا‌ڑھادیتاہے اورذلتوں اورخواریوں کےساتھ ٹھکرادیا جاتاہے اور جہادکوضائع وبربادکرنے سے حق اس کے ہاتھ سے لےلیا جاتاہے، ذلت اُسے سہنا پڑتی ہے اورانصاف اس سے روک لیا جاتا ہے۔ میں نے اس قوم سے لڑنے کے لیے رات بھی دن بھی علانیہ بھی اور پوشیدہ بھی تمھیں للکارااورتم سے کہاکہ قبل اسکے کہ وہ جنگ کے لیے بڑھیں تم ان پردھاوابول دو۔خدا کی قسم جن افرادقوم پران کے حدود کے اندرہی حملہ ہوجاتا ہے وہ ذلیل وخوار ہوتے ہیں لیکن تم نے جہادکو دوسروں پرٹال دیااورایک دوسرے کی مدد سے پہلو بچانے لگے، یہاں تک کہ تم پرغارت گریاں ہوئیں اورتمھارے شہروں پر زبردستی قبضہ کرلیا گیا۔اس بنی غامد کے آدمی (سفیان بن عوف) ہی کودیکھ لوکہ اس کی فوج کے سوار(شہر)انبار کے اندر پہونچ گئے اورشرس بن حسان بکری کوقتل کردیا اورتمھارے محافظ سواروں کوسرحدوں سے ہٹادیا اور مجھے تو یہ اطلاعات بھی ملی ہیں کہ اس جماعت کا ایک آدمی مسلمان اورذمی عورتوں کے گھروں میں گھس جاتا تھا اوران کے پیروں سے کڑے، ہاتھوں سے کنگن اور گلوبند اورگوشوارے اتارلیتا تھا اوران کے پاس اس سے حفاظت کا کوئی ذریعہ نظر نہ آتا تھا سوااسکے کہ **انا للہ وانا الیہ راجعون** کہتے ہوئےصبر سے کام لیں،خوشامدیں کریں،اس سے رحم کی التجا کریں، پھروہ لدے پھندے ہوئے پلٹ گئے، نہ کسی کے زخم آیا نہ کسی کا خون بہا،اب اگرکوئی مسلمان ان سانحات کے بعد رنج وملال سے مرجائے تو اُسے ملامت نہیں کی جا سکتی بلکہ میرے نزدیک ایسا ہی ہونا چاہیے۔''

العجب ثم العجب! خدا کی قسم ان لوگوں کا باطل پرایکا کرلینا اورتمھاری جمعیت کا حق سے منتشر ہوجانا دل کومردہ کردیتا ہے اور رنج واندوہ بڑھا دیتا ہے۔

تمھارا برا ہوتم غم وحزن میں مبتلا رہو،تم تو تیروں کا (ازخود) نشانہ بنے ہوئے ہو۔تمھیں ہلاک وتاراج کیا جارہا ہے مگر تمھارے قدم حملے کے لیے نہیں اُٹھے، وہ تم سے لڑ بھڑ رہے ہیں تم جنگ سے جی چراتے ہو، اللہ کی نافرمانیاں ہورہی ہیں اورتم راضی ہورہے ہو، اگرگرمیوں میں تمھیں ان کی طرف بڑھنے کے لیے کہتا ہوں توتم کہتے ہوکہ یہ انتہائی شدت کی گرمی کا زمانہ ہے، اتنی مہلت دیجیئے کہ گرمی کازورٹوٹ جائے اوراگرسردیوں میں چلنے کے لیے کہتا ہوں توتم یہ کہتے ہوکہ کڑاکے کا جاڑا پڑرہا

ہے اتنا ٹھہر جایئے کہ سردی کا موسم گذر جائے۔ یہ سب سردی اور گرمی سے بچنے کے لیے باتیں ہیں، جب تم سردی اور گرمی سے اس طرح بھاگتے ہو تو پھر خدا کی قسم تم تلواروں کو دیکھ کر اس سے کہیں زیادہ بھاگو گے۔ اے مردوں کی شکل وصورت والے نا مردو! تمھاری عقلیں بچوں کی سی اور تمھاری سمجھ حجلہ نشین عورتوں کے مانند ہے۔ میں تو یہ چاہتا تھا کہ نہ تم کو دیکھتا نہ تم سے جان پہچان ہوتی۔ ایسی شناسائی جو ندامت کا سبب اور رنج واندوہ کا باعث بنی ہے۔ اللہ تمھیں مارے۔ تم نے میرے دل کو پیپ سے بھر دیا ہے اور میرے سینے کو غیظ وغضب سے چھلکا دیا ہے تم نے مجھے غم وحزن کے جرعے پے در پے پلائے۔ نافرمانی کر کے میری تدبیر ورائے کو تباہ کر دیا یہاں تک کہ قریش کہنے لگے علیؑ ہے تو مرد شجاع لیکن جنگ کے طریقوں سے واقف نہیں۔

اللہ ان کا بھلا کرے کیا ان میں سے کوئی ہے جو مجھ سے زیادہ جنگ کی مزاوات رکھنے والا اور میدان وغا میں میرے پہلے سے کارنمایاں کیے ہوئے ہو۔ میں تو ابھی بیس برس کا بھی نہ تھا کہ حرب وضرب کے لیے اُٹھ کھڑا ہوا اور اب تو ساٹھ سے بھی اوپر ہو گیا ہوں لیکن اس کی رائے ہی کیا جس کی بات نہ مانی جائے۔ (ترجمہ نہج البلاغہ مفتی جعفر حسین)

امیرالمومنینؑ کی اس قسم کی تقریریں بعض لوگوں کی غیرت وحمیت کے لیے تازیانہ ضرور ثابت ہوتیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ مختصر مختصر سی جماعتیں دشمن سے لڑنے بھڑنے پر آمادہ ہو جاتیں۔ امیرالمومنینؑ سرداران فوج میں سے کسی کو افسر مقرر کر کے ان لٹیروں کے عقب میں روانہ کرتے کبھی ایسا ہوتا کہ یہ لوگ وقت پر پہونچ جاتے اور دشمن کو بھاگنے پر مجبور کر دیتے اور کبھی ایسا ہوتا کہ بعد میں پہونچتے جبکہ دشمن اپنا کام کر کے چلا گیا ہوتا۔ واقعی بات یہ ہے کہ معاویہ کی ہمتیں اب بہت کچھ بڑھ چکی تھیں، اب ان کے دانت عراق پر تھے اور تمنا یہ تھی کہ کسی طرح علیؑ کا قصہ ختم کر دیا جائے، اسی وجہ سے ان کے دماغ نے ناگہانی اور مسلسل حملوں کا پروگرام بنایا اور اپنے دشمن (علیؑ) کو اس پر مجبور کر دیا کہ وہ صرف دفاع کرتے رہیں جس سے نہ شر کا ازالہ ممکن ہوتا نہ خرابی کی درستی ممکن تھی۔ (الفتنۃ الکبریٰ)

فوج کشی بر تیمار مکہ معظمہ ومدینہ منورہ:

پھر معاویہ نے عبداللہ بن مسعدہ فزاری کو سترہ سو سواروں کے ساتھ تیمار کی طرف روانہ کیا اور یہ ہدایت کی کہ جو دیہاتی تمھارے ساتھ ہو جائیں ان سے تعرض نہ کرنا، جو مخالفت کریں ان کو قتل کر ڈالنا۔ یہ لشکر قتل وغارت کرتا ہوا مکہ معظّمہ ومدینہ منورہ پہنچا۔ وہاں بھی خوب لوٹ مار کی۔ ابن مسعدہ کے ساتھ بہت سے لوگ ہو گئے۔ جناب امیرؑ نے اس ہنگامہ کو سن کر مُسیّب بن نخبہ فزاری کو دو ہزار سواروں کے ساتھ روانہ کیا۔ دونوں فریق تیمار میں ایک دوسرے سے مقابل ہوئے۔ صبح سے تا زوال سخت جنگ ہوئی۔ مسیب نے تین مرتبہ عبداللہ پر تلوار کا وار کیا۔ یہ بچا بچا کر وار کرتے کیونکہ عبداللہ ان کے خاندان وقبیلہ

کا تھا اور کہتے کہ بھاگ جا، عبداللہ بن مسعدہ ایک جماعت کو لیکر قلعہ میں داخل ہوا باقی لشکر شام کی طرف بھاگ گیا۔ مسیب کے ساتھ جو بدوی تھے انھوں نے عبداللہ کے اونٹ لوٹ لیے۔ اسکو مع رفیقوں کے تین دن قلعہ میں قید رکھا، پھر قلعہ کے پھاٹک پر لکڑیاں جمع کر کے آگ لگا دی، قلعہ جلنے لگا، نکلنے کا راستہ بجز اس پھاٹک کے دوسرا نہ تھا۔ عبداللہ جب اپنی زندگی سے نا امید ہوا تو قلعہ کی چھت پر چڑھ کر مسیب سے کہا ہم تمھارے ہم قوم ہیں ہم کو اس طرح جلائے دیتے ہو۔ مسیب نے آگ بجھوا کر اسکو نکالدیا پھر اپنے ہمراہیوں سے بات بنائی کہ میرے جاسوسوں نے آکر بیان کیا کہ شام سے لشکر لڑائی کے لیے آرہا ہے، عبدالرحمان بن شبیب کہنے لگے مجھ کو تلاش کے لیے بھیج دو۔ مسیب نے انکار کیا، اس پر شبیب کہنے لگے تم نے جناب امیرؑ سے دغا کی، ان کے کاموں میں سستی کرتے ہو۔'' (سیرۃ علویہ ص ۴۵۳، اعیان الشیعہ جلد سوم)

فوج کشی بر اسفل واقصہ:

پھر معاویہ نے ضحاک ابن قیس کو تین ہزار سواروں کے ساتھ اسفل واقصیہ پر روانہ کیا۔ اس کو تاکید کر دی کہ جس قدر دیہاتی عرب جناب امیرؑ کے مطیع ملیں ان کو لوٹ لینا۔ یہ لشکر بھی جا بجا لوٹ مار کرتا ثعلبیہ تک جا پہونچا۔ یہاں بھی اسلحہ خانہ تھا شامی لشکر اس کو لوٹ کر آگے بڑھا اور بمقام قطقطانہ داخل ہوا۔ جناب امیرؑ یہ خبر پا کر برہم ہوئے۔ حُجر بن عدی کو چار ہزار سواروں کے ساتھ بھیجا۔ ان سپاہیوں کو فی کس پچاس پچاس درہم پہلے دیدیے تھے۔ اس لشکر سے بمقام تدمر ملاقات ہوئی۔ دونوں میں لڑائی ہوئی، ضحاک کے اُنیس آدمی اور عراق کے دو آدمی مارے گئے۔ رات میں لڑائی موقوف ہوگئی، ضحاک اپنا لشکر لے کر بھاگ گیا حُجر بن عدی واپس آگئے۔ (سیرۃ علویہ)

اسی سال معاویہ خود دجلہ تک آکر واپس چلے گئے کیونکہ حضرت علیؑ یہ خبر سنتے ہی موقع پر جا پہنچے تھے۔ معاویہ کا مطلب صرف علیؑ کو منتشر کرنا تھا۔ (تاریخ اسلام عباسی، تاریخ اسلام ماسٹر ذاکر حسین دہلوی)

فوج کشی بر بلاد جزیرہ:

پھر معاویہ نے عبدالرحمان بن قباث بن اسیح کو بلاد جزیرہ پر بھیجا، اس کے ساتھ معن بن یزید سلمی بھی تھا۔ بلاد جزیرہ زیر حکومت شبیب بن عامر کرمانی والی خراسان تھا نصیبین میں رہتے تھے۔ انھوں نے اپنے کو شامیوں کے مقابلہ میں کمزور پا کر کمیل بن زیاد کو ہیت سے اپنی مدد کے لیے بلایا۔ کمیل چھ سو سواروں کے ساتھ روانہ ہوئے۔ لشکر شبیب تک نہ پہونچا تھا لشکر شام سے مقابلہ ہوگیا۔ کمیل نے عبدالرحمان اور معن بن یزید کو قتل کیا۔ لشکر بھاگنے لگا۔ کمیل نے تعاقب کر کے مارا۔ کمیل کے لشکر سے صرف دو آدمی قتل ہوئے۔ اس فتح کی خبر کمیل نے جناب امیرؑ کی خدمت میں بھیجی، جناب امیرؑ ان سے بوجہ ان کی

غفلت کے ناخوش تھے، اس کام سے مسرور ہوئے۔ پھر شبیب بن عامر اور کمیل دونوں دریائے فرات عبور کر کے معاویہ کی حد میں داخل ہوئے، بعلبک تک پہونچے۔ معاویہ کو جب اطلاع ہوئی تو انھوں نے حبیب ابن مسلمہ کو مقابلہ کے لیے بھیجا۔ یہ لوگ واپس ہو کر گرد و نواح رقہ میں آئے، وہاں سے نصیبین واپس آکر جناب امیرؑ کو اطلاع دی، جناب امیرؑ نے فرمایا خدا شبیب پر رحم کرے۔ (سیرۃ علویہ)

مکہ پر فوج کشی:

''مورخین کا اس امر میں اختلاف ہے کہ اس سال (۳۹ھ میں) امیر حاج کون ہوا؟ بعض کہتے ہیں کہ عبیداللہ بن عباس نے حج کرایا اور بعض کہتے ہیں کہ عبداللہ بن عباس نے، لیکن یہ غلط ہے، کیونکہ عبداللہ ابن عباس نے عہد خلافت مرتضوی میں خود کسی سال حج نہیں کیا۔ صحیح یہ ہے کہ قثم بن عباس امیر حاج ہوئے۔ معاویہ نے معاویہ بن یزید بن شجرہ رہاوی کو جوان کا مصاحب تھا حکم دیا کہ میں تم کو امیر حاج مقرر کر کے مکہ معظّمہ روانہ کرتا ہوں، تم اہل مکہ سے میری بیعت لینا اور علیؑ کے عامل کو مکہ معظّمہ سے نکال دینا۔ اس وقت مکہ میں قثم بن عباس عامل تھے، انھوں نے اہل مکہ کو جمع کر کے خطبہ دیا جس میں شامیوں کا مکہ معظّمہ کی طرف روانہ ہونا بیان کیا اور اہل مکہ سے اُن کے ساتھ جنگ کرنے کی استدعا کی، اہل مکہ نے کچھ جواب نہ دیا البتہ شبیب بن عثمان عبدری نے اُن کے کہنے کو بسر وچشم منظور کیا اور لڑائی کے لیے آمادہ ہو گئے۔ قثم بن عباس نے قصد کیا کہ مکہ معظّمہ سے نکل کر تاختم موسم حج کسی پہاڑی پر مقیم ہو کر کوفہ سے مدد طلب کی جائے اگر مدد آجائے تو جنگ کی جائے، ابوسعید خدری نے ممانعت کی، یہ رائے دی کہ مکہ میں مقیم رہو اگر شامی لشکر جنگ کے لیے آمادہ ہو اور تم میں اُن کے مقابلہ کی قوت ہو تو لڑنا ورنہ اختیار ہے، اُن کے کہنے سے قثم مکہ میں ٹھہرے رہے۔''

''یوم ترویہ سے دو دن پہلے شامی آگئے اور کچھ لڑائی جھگڑا نہ کیا۔ قثم نے امیر المومنینؑ کو یہ خبر لکھ بھیجی تھی، علی مرتضیٰؑ نے یکم ذی الحجہ کو ایک لشکر روانہ کیا تھا جن میں ریان بن ضمرہ حنفی اور ابوالطفیل بھی تھے۔ حج کے موقع پر معاویہ بن یزید نے قثم کو پیشوائی سے روک دیا اور لوگوں کی صلاح سے شیبہ بن عثمان عبدری کو حج کا پیشوا بنایا اور یہی غرض معاویہ کی تھی کہ حضرت علیؑ کی امارت حرمین میں مسلم نہ سمجھی جائے۔ پس شیبہ ہی نے نماز پڑھائی اور شیبہ ہی نے حج کرایا۔ حج کے بعد معاویہ بن یزید شام کی طرف مراجعت کر گیا۔ اتنے میں علی مرتضیٰؑ کی روانہ کی ہوئی فوج مکہ پہونچ گئی۔ معلوم ہوا کہ اہل شام عود کر گئے۔ معقل بن قیس کی ماتحتی میں اُنھوں نے شامیوں کا تعاقب کیا اور وادی القری سے پرے ان کو جالیا اور ان کے کئی آدمی قید کر لیے۔ انھیں اور جو کچھ مال ملا لیکر علی مرتضیٰؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ پس جو قیدی جناب امیرؑ کی طرف کے معاویہ کے پاس تھے ان سے ان کا تبادلہ کر لیا گیا

۔اسی سال معاویہ نے جزیرہ اور دومۃ الجندل پر فوجیں روانہ کیں ۔مگر جناب امیرؑ کی فوج نے جا کر انکو بھگا دیا

(سیرۃ علویہ، شاہ محمد علی حیدر کاکوروی، تاریخ اسلام ماسٹر ذاکر حسین دہلوی مرحوم)

حجاز و عراق پر دوبارہ فوج کشی:

معاویہ کو ان تجربات سے بڑی خوشی ہوئی۔اب انھوں نے چاہا کہ ان تجربات کو ذرا وسیع پیمانہ پر کیا جائے اور لوٹ مار کا سلسلہ عراق سے بڑھا کر دیگر بلاد عرب تک پہونچا دیا جائے۔عرب کے شہروں پر لوٹ مار معاویہ کے لیے آسان بھی تھی۔مکہ شہر حرام تھا، وہاں کے باشندے لڑائی لڑ ہی نہیں سکتے تھے اور نہ دونوں دشمن (علیؑ و معاویہ) اسکے پاس ایک دوسرے سے برسر پیکار ہو سکتے تھے، مدینہ والے مصالحت کی فضا میں آرام وچین کی زندگی گزار رہے تھے۔ان لوگوں کا خیال تھا کہ ہم لوگ دار ہجرت میں ہیں، مسجد نبوی کے پڑوسی ہیں، پھر مرکز سلطنت یہاں سے منتقل ہو کر کوفہ جا چکا تھا۔یہ تمام باتیں ایسی ہیں کہ مدینہ پر لوٹ مار کوئی کر ہی نہیں سکتا۔یہاں کے جنگ آزما افراد بھی یہاں موجود نہیں، اکثریت اُنکی علیؑ کے پاس پہونچ چکی ہے اور تھوڑے سے لوگ معاویہ سے جا ملے ہیں۔

یمن میں کچھ عثمانی افراد تھے اور حضرت علیؑ کے عامل عبیداللہ بن عباس سے عداوت کا اظہار کرتے پھر بھی ان کی عداوت اس حد تک نہ پہونچی تھی کہ باقاعدہ لڑائی ٹھن جائے۔وہ اپنی حرکتوں سے عبیداللہ کو مجبور کرتے کہ وہ سختی برتیں اور جب وہ سختی برتتے تو ان کی مخالفت اور ترقی کر جاتی۔

رفتہ رفتہ ان عثمانیوں نے یمن کی فضا ایسی خراب کر دی کہ عبیداللہ نے مجبور ہو کر امیرالمومنینؑ سے فریاد کی۔امیرالمومنینؑ نے کچھ لوگوں کو بھیجا کہ جا کر یمن والوں کو سمجھا بجھا کر راہ راست پر لائیں اور انھیں ڈرائیں کہ اگر یہی حرکتیں رہیں تو جلد ہی تمہاری سرکوبی کے لیے کوفہ سے فوج آنے والی ہے، ان عثمانیوں نے معاویہ سے خط وکتابت کر کے مدد چاہی۔معاویہ نے قریش کے ایک بد مزاج اور تند خو قسی القلب آدمی یعنی بسر بن ارطاۃ کو منتخب کیا اور حکم دیا کہ جتنی فوج چاہو اپنے ساتھ لے لو اور حجاز کا راستہ اختیار کر کے مکہ و مدینہ سے ہوتے ہوئے یمن تک جا پہنچو اور جو آبادی بھی تمھیں ایسی ملے جہاں کے لوگ علیؑ کے اطاعت گزار ہوں اُنھیں خوب ڈراؤ دھمکاؤ یہاں تک کہ انھیں یقین آجائے کہ جان بچنے والی نہیں اور تم انھیں پوری طرح نرغہ میں لے چکے ہو پھر تم رک جاؤ اور انھیں ہماری بیعت پر آمادہ کرو، جو شخص انکار کرے اسے قتل کر ڈالو اور جہاں بھی شیعان علیؑ ملیں انھیں تہ تیغ کرو۔یہ ہدایات لیکر بُسر روانہ ہوا۔مدینہ پہونچا وہاں کے عامل ابوایوب انصاری تھے۔پیغمبرؐ خدا کے سب سے پہلے میزبان، مدینہ آنے پر پیغمبرؐ انھیں کے یہاں مقیم ہوئے تھے ابوایوب تاب مقاومت نہ پا کر مدینہ سے رخصت ہو گئے۔بُسر مدینہ میں داخل ہوا۔

لوگوں کے مجمع میں تقریر کی۔انھیں خوب گالیاں اور دھمکیاں دیں۔کہا تمھارے منہ کالے ہوں۔ پھر انصار کو گالیاں دیں اور کہا اے گروہ یہود اور غلاموں کی اولاد خدا کی قسم میں تمھیں اتنی دردناک اذیتیں پہونچاؤں گا کہ مومنین کے کلیجے ٹھنڈے ہو جائیں۔ اس کے بعد اس نے بہت سے مکانات میں آگ لگوادی پھر وہاں سے مکہ پہونچا۔وہاں کے عامل قثم بن عباس تھے، وہ بھی وہاں سے نکل بھاگے۔بسر نے مکہ میں داخل ہو کر مکہ والوں کو خوب گالیاں دیں اور زجر و توبیخ کی۔

کلبی سے روایت ہے کہ بسر جب مدینہ سے مکہ کی طرف گیا تو اس نے راستہ میں بہت سے لوگوں کو تہ تیغ کیا اور بہت سے مال و اسباب لوٹے۔مکہ والوں کو جب خبر معلوم ہوئی تو وہ ڈر کر شہر چھوڑ بھاگے۔عبید اللہ بن عباس کے دو بچے بھی مارے ڈر کے نکلے، بسر نے انھیں پکڑ کر ذبح کر دیا۔بنی کنانہ کی کچھ عورتیں نکل پڑیں، ان میں سے ایک عورت نے کہا مردوں کا قتل کرنا تو خیر سمجھ میں آتا ہے مگر بچوں نے کیا قصور کیا ہے، بچوں کو نہ جاہلیت ہی میں قتل کیا جاتا تھا نہ اسلام ہی میں۔مکہ سے وہ چل کر طائف پہونچا۔مغیرہ بن شعبہ وہیں مقیم تھے، ان کی رعایت سے طائف والوں سے اس نے کوئی تعرض نہ کیا، وہاں سے چل کر نجران پہونچا، وہاں اس نے عبد اللہ بن عبد لمدان اور ان کے لڑکے مالک کو قتل کیا۔یہ عبد اللہ، عبید اللہ بن عباس کے سسرالی رشتہ دار تھے۔پھر اس نے نجران کے لوگوں کو جمع کر کے کہا: ''اے نصاریٰ کے گروہ اور بندروں کے بھائی اگر مجھے تمھارے متعلق کوئی بات بھی ایسی معلوم ہوئی جسے میں پسند نہیں کرتا تو میں تمھارے ساتھ ایسا سلوک کروں گا جس میں نسل برباد کھیتی تباہ، اور گھر ویران ہو جائیں گے۔پھر وہ صنعا آیا اور شہر میں داخل ہو کر بے شمار لوگوں کو قتل کیا۔مآرب کا وفد اس سے ملنے آیا تو اس نے اس وفد کے سارے آدمیوں کو مروا ڈالا۔پھر صنعا سے چلتے وقت اس نے اور تباہی مچائی۔ہزاروں افراد کو تہ تیغ کیا پھر وہ دوبارہ پلٹ کر صنعا آیا اور متمر انسانوں کو جو فارس کے رہنے والے تھے قتل کیا۔(شرح نہج البلاغہ جلد ا ص ۷ ۱۳ ابن ابی الحدید)

امیر المومنینؑ کو جب اس کی تباہ کاریوں کی اطلاع ہوئی تو آپ نے اس کی سرکوبی کے لیے لشکر روانہ کرنا چاہا مگر کوفہ والوں کی بے حسی سستی و کاہلی ختم ہونے کا نام نہ لیتی تھی۔آپ نے انکو جب جنگ سے پہلو بچاتے ہوئے دیکھا تو یہ خطبہ ارشاد فرمایا جس میں انھیں حمیت و غیرت دلائی ہے اور دشمن کی باطل نوازیوں اور ان کے مقابلہ میں ان کی کوتاہیوں کا تذکرہ کر کے انھیں جہاد پر اُبھارا ہے:

''یہ عالم ہے اس کوفہ کا جس کا بندوبست میرے ہاتھوں میں ہے۔اے شہر کوفہ اگر تیرا ایسا ہی عالم رہا کہ تجھ میں آندھیاں چلتی رہیں تو خدا تجھے غارت کرے (پھر آپ نے شاعر کا یہ شعر بطور تمثیل پڑھا:

''اے عمر! تیرے اچھے باپ کی قسم! مجھے تو اس برتن سے تھوڑی سی چکناہٹ ہی ملی ہے (جو برتن کے خالی ہونے کے بعد

اس میں لگی رہ جاتی ہے)''

مجھے یہ خبر دی گئی ہے کہ بسر یمن پر چھا گیا ہے۔بخدا میں تو اب ان لوگوں کے متعلق یہ خیال کرنے لگا ہوں کہ وہ عنقریب سلطنت و دولت کو تم سے ہتھیا لیں گے اس لیے کہ وہ (مرکز) باطل پر متحد و یکجا ہیں اور تم اپنے (مرکز) حق سے پراگندہ ومنتشر ہو ۔تم امر حق میں اپنے امام کے نافرمان اور وہ باطل میں بھی اپنے امام کے مطیع وفرمانبردار ہیں ۔وہ اپنے ساتھی (معاویہ) کے ساتھ امانت داری کے فرض کو پورا کرتے ہیں اور تم خیانت کرنے سے نہیں چوکتے ۔وہ اپنے شہروں میں امن بحال رکھتے ہیں اور تم شورشیں برپا کرتے ہو۔میں اگر تم میں سے کسی کو لکڑی کے ایک پیالے کا بھی امین بناؤں تو یہ ڈر رہتا ہے کہ وہ اسکے کنڈے کو توڑ کر لے جائے گا۔

اے اللہ وہ مجھ سے تنگ دل ہو چکے ہیں اور میں ان سے، وہ مجھ سے اکتا چکے ہیں اور میں ان سے، مجھے ان کے بدلہ میں اچھے لوگ عطا کر، اور میرے بدلہ میں انھیں کوئی اور برا حاکم دے ۔خدا ان کے دلوں کو اس طرح (اپنے غضب سے) پگھلا دے جس طرح نمک پانی میں گھول دیا جاتا ہے۔خدا کی قسم میں اس چیز کو دوست رکھتا ہوں کہ تمھارے بجائے میرے پاس بنی فراس ابن غنم کے ایک ہی ہزار سوار ہوتے ایسے (جن کا وصف شاعر نے یہ بیان کیا ہے کہ:

''اگر تم کسی موقع پر انھیں پکارو، تو تمھارے پاس ایسے سوار پہونچیں جو تیز روی میں گرمیوں کے ابر کے مانند ہیں''

آخر جاریہ بن قدامہ نے آپ کی آواز پر لبیک کہی اور دو ہزار لشکر کے ساتھ اس کے تعاقب میں روانہ ہوئے اور اس کا پیچھا کر کے اسے امیرالمومنینؑ کے مقبوضات سے نکال باہر کیا۔'' (ترجمہ نہج البلاغہ مفتی جعفر حسین مطبوعہ لاہور)

علامہ ابن اثیر لکھتے ہیں کہ امیرالمومنینؑ کو جب عبیداللہ بن عباس کے کم سن بچوں کے مارے جانے کا حال معلوم ہوا تو آپ کو کمال صدمہ ہوا اور دعا کی بارالہا بُسر کا دین اور عقل سلب کر لے۔پس علیؑ کی دعا قبول ہوئی اور وہ ایسا ہی ہو گیا اور اُسی حالت دیوانگی میں مر گیا۔ (تاریخ اسلام ماسٹر ذاکر حسین دہلوی مرحوم)

''واقعہ صفین کے بعد جو کچھ لکھا گیا اس میں کسی طرح یہ شبہ نہیں رہتا کہ معاویہ نے صفین میں علیؑ کے افسروں کی نافرمانی دیکھ کر محاکمہ کی شہرت کے بعد چھوٹے چھوٹے مقامات پر چھوٹی چھوٹی لڑائیوں کے لیے فوج بھیجی، اس سے جہاں علیؑ کی قوت کی نبض شناسی مدنظر تھی وہاں یہ بھی غرض تھی کہ علیؑ کی رعایا متواتر حملوں کی خبر سنکر مرعوب ہو جائے اور ان کی حکومت کی غیر محفوظ حالت کا خیال کر کے ہماری حکومت قبول کر لے۔یہی غرض مکہ کی راہیں لوٹنے سے تھی کہ ایام حج میں اطراف کے لوگوں کو معاویہ کی حملہ آوری معلوم ہو جائے اور ان پر یہ اثر ڈالا جائے کہ کوئی مستند امام نہیں ہے، خبر دور تک پہونچی تھی۔اسی خوف سے اس سال

خراسان کے لوگوں نے حج کا قصد نہ کیا۔

معاویہ کی اس تمام دستبرد کا علاج اس وقت ممکن تھا جبکہ ایک مرتب فوج ہر وقت اسکی سزا دہی کے لیے مستعد رہتی اور حکم پاتے ہی سر پر موجود ہو جاتی۔ایک آدھ مرتبہ کے معقول علاج کے بعد ہمت کم ہو جاتی اور اپنی ہی حفاظت کا خوف دور ہو جاتا لیکن اس کی تمام جرأت اس علم پر تھی کہ علیؑ کی فوج نافرمان ہے اور قرین قیاس ہے کہ معاویہ اور اکثر لوگوں سے وہی معاملت ہو جو اشعث بن قیس وغیرہ سے تھی۔ان حملوں کو مختصر لفظوں میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ جس وقت علیؑ کا حکم سنا گیا اور کچھ سپاہی گئے تو معاویہ کے لشکر کو شکست ہوئی ورنہ لوٹ مار کر چل دئے۔

خیال کرو ایک بیدار مغز حاکم کی تکلیفوں کا جب اس کی رائے نافرمانیوں کی بدولت فاسد ہو رہی ہو، وہ جانتا ہو کہ ہمیں اپنی حکومت میں امن وامان قائم رکھنا اور دشمن سے محفوظ رکھنا فرض ہے لیکن جس وقت چپ وراست کچھ حکم بجالانے کو ڈھونڈھتا ہے تو نافرمان طبیعتیں، ناشنو صورتیں اور نافہم وجود کا شکم پرور ڈھیر دکھائی دیتا ہے جن پر یہ الفاظ بھی کوئی مفید اثر نہیں کرتے کہ تم آزادی کھو کر ایک خود غرض قوم کے غلام بنادئے جاؤ گے اور تفرقہ ونافرمانی اس وقت تمھیں افسوس ناک معلوم ہوگی۔

ان ہمت شکن حالتوں میں بھی حضرت کے اس ارادے میں کہ معاویہ کے دماغ سے دستبرد کے خیالات دور کرنے کے لیے اس پر ایک کاری ضرب لگانی ہوگی کوئی کمی نہ ہوئی۔معاویہ کی فوجیں ان مقامات کی ہوا بھی نہ کھاتیں اگر قصۂ حکم کی خبر سنکر حضرت کا حکم مانا ہوتا اور شام کی طرف کوچ کر دیا ہوتا۔لیکن افسوس کہ صاحب اثر حکم ماننے والے موجود نہ تھے۔بہادر اشتر اپنی شجاعت کے سکے بٹھا کر آرام کی نیند سو رہا تھا،ایسی نیند جس سے تلواروں کی جھنکار،ہموں کے کڑاکے، بہادروں کے نعرے، میدان جنگ کی پر ہیبت صدائیں نہیں چونکا سکتیں۔عمار نہ تھے محمد ابن ابی بکر حق دوستی ادا کر چکے تھے۔یہ لوگ اس قابل تھے کہ ضرورت کے وقت امیر المومنینؑ انھیں یاد فرماتے اور ان کی آنکھ سے آنسو ٹپک پڑتا اور تدبّر اور دوربینی کی کمی نہ تھی، حکم بجالانے والوں کی کمی تھی۔'' (الکرار مصنفہ ریاض بنارسی مرحوم)

معاویہ کی لوٹ مار اور حدود سلطنت پر جابجا جارحانہ حملے ہی علیؑ اور عراق والوں کی پریشانی کا باعث نہ تھے بلکہ خود عراق کی اندرونی لڑائیاں بھی ان کے قلق کا باعث تھیں۔یہ لڑائیاں اگرچہ بہت معمولی تھیں لیکن پھر بھی اذیت ناک تھیں۔ان لڑائیوں کے کرتا دھرتا وہی خوارج تھے،حضرت علیؑ نے اگرچہ جنگ نہروان میں انھیں تہ تیغ کیا لیکن سارے خوارج ختم نہیں ہو گئے تھے اور نہ ان کا مذہب نیست ونابود ہوا تھا،بڑی سے بڑی قوت وطاقت اور انتہائی جاہ وجبروت والی حکومت بھی کسی نظریہ یا کسی مذہب کا بالکلیہ خاتمہ آج تک نہیں کر سکی بلکہ بسا اوقات کسی نظریہ یا مذہب کے خلاف طاقت کا استعمال اس نظریہ اور مذہب کے

اور فروغ وترقی کا باعث ہوتا ہے۔

بچے کھچے خوارج کے سینوں میں علی ابن ابی طالبؑ کے خلاف غم وغصہ کی آگ فروزاں تھی۔ان کے دلوں میں انتقام کا تہیہ تھا اور انھوں نے انتقام لینے میں کوئی دقیقہ اٹھا بھی نہیں رکھا۔وہ چھوٹے چھوٹے جتھوں کی شکل میں خروج کرتے رہے، ایک شخص خروج کرتا اسکے ساتھ سو یا دو سو آدمی ہوتے، وہ اپنے مقام سے چل کھڑے ہوتے اور کسی جگہ پہونچکر ٹھہر جاتے، زیادہ دن یا تھوڑے دن قیام کرتے، اس عرصہ میں لڑائی کی تیاریاں جاری رہتیں، جب تیاریاں مکمل ہو جاتیں تو وہ لڑائی چھیڑ دیتے، اس علاقہ کا امن وامان غارت ہو جاتا اور امیر المومنینؑ مجبور ہو جاتے کہ اپنے اصحاب میں سے کسی شخص کو ایک دستہ فوج کے ساتھ روانہ کریں، وہ شخص جاتا خوارج سے گھمسان کی لڑائی ہوتی، جب ان خوارج کا خاتمہ کر دیتا یا ان کی جمعیت تتر بتر کر دیتا تو حضرت علیؑ کے پاس واپس آجاتا، ابھی وہ آپ کے پاس پہونچنے بھی نہیں پاتا کہ دوسرے خارجیوں کے خروج کی خبر آجاتی اور پھر اُسی طرح حضرت دوسرا دستہ فوج کا بھیجنے پر مجبور ہو جاتے اور سلسلہ چلتا رہتا۔

اسی طرح اشرس بن عوف شیبانی نے خروج کیا۔جب وہ اور اس کے ساتھی مارے گئے تو ہلال بن عُلّفہ تیمی نے خروج کیا، ابھی اسکی سرکوبی پوری نہ ہونے پائی تھی کہ اشہب بن بشیر بجلی نے خروج کیا، جب وہ مارا گیا تو سعید بن قفل تیمی نے سر اٹھایا ۔حضرت علیؑ کا لشکر اس کی سرکوبی کر کے واپس بھی نہ ہونے پایا تھا کہ ابو مریم سعدی نے خروج کیا۔ابو مریم کے یہاں نئی بات یہ ہوئی کہ اس کے ساتھ عرب ہی والے نہ تھے بلکہ بہت سے موالی بھی اس کے ساتھ ہو گئے ۔اس کا مطلب یہ تھا کہ خوارج کا مذہب عربوں سے تجاوز کر کے ان لوگوں تک پہونچ گیا جو غلامی میں تھے اور فاتحین کے زیر سایہ زندگی بسر کر رہے تھے۔ان موالی کو عربوں کے باہمی اختلاف سے کوئی سروکار نہ رہتا تھا لیکن اب یہ کیفیت تھی کہ وہ بھی تحکیم کا انکار کرنے اور امام کے خلاف خروج کرنے لگے ۔عرب کے خارجیوں نے اپنے حریفوں سے لڑنے میں ان سے مدد بھی لینا شروع کر دی ۔عربی عصبیت مذہب ونظریئے کے مقابلہ میں اب خوارج کے نزدیک کوئی چیز نہ تھی ۔حضرت علیؑ کے ساتھیوں نے ابو مریم کو طعنہ بھی دیا کہ تم ہم سے لڑنے کے لیے اپنے ساتھ ان موالی کو لے کر آئے ہو جنھیں کوئی وجاہت حاصل نہیں مگر ابو مریم نے اس طعنہ کی کوئی پرواہ نہ کی اور ان موالی کو لے کر اس زور وشور سے حملہ کیا کہ امیر المومنینؑ کے سپاہیوں کے قدم اکھڑ گئے اور وہ بھاگ کر کوفہ چلے آئے البتہ سردار لشکر تھوڑے ساتھیوں کے ساتھ مقابلہ پر ڈٹا رہا اس انتظار میں کہ امیر المومنینؑ کی طرف سے جلد ہی کمک آجاتی ہے ۔امیر المومنینؑ ابو مریم سے لڑنے کے لیے جو کوفہ کے قریب آگیا تھا بنفس نفیس خود تشریف لے گئے اس کو اور اس کے ساتھیوں کو تہ تیغ کر کے پلٹے۔

امیر المومنینؑ کی زندگی مصائب و آلام کا مجموعہ ہو کر رہ گئی تھی۔ دل زخمی، اور افکار و تردد ات جان ضیق میں ڈالے ہوئے تھے ۔بقول احسان اللہ عباسی مصنف تاریخ اسلام ”علیؑ کی حالت اپنی خلافت کے زمانہ میں عجیب کشمکش میں تھی اور رسولؐ کے صحابیوں سے کسی نے بھی حضرت علیؑ کی جیسی روحانی تکلیف نہیں اٹھائی۔ لوگ حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے واقعات کو نہایت سخت سمجھتے ہیں لیکن میرے نزدیک حضرت علی ابن ابی طالبؑ کی حالت کشمکش زیادہ تر ہمدردی کے لائق ہے۔ اگر واقعہ کربلا کو طاعون سے نسبت دیں تو حضرت علیؑ کے واقعہ کو عارضہ سل سے تشبیہ دے سکتے ہیں۔ امیر المومنینؑ کی زندگی اس وقت دو حالتوں سے گذر رہی تھی اور کوئی حالت دوسری حالت سے کم جانکاہ نہ تھی۔ ایک اندرونی شورشیں جن کا سلسلہ ختم ہونے ہی میں نہ آتا تھا۔ ایک لڑائی ختم ہوتی تو دوسری لڑائی چھڑ جاتی۔ دوسرے معاویہ کی لوٹ مار اور حدود مملکت پر جا بجا ڈاکے۔ اس کا بھی سلسلہ ختم ہونے میں نہ آتا تھا، امیر المومنینؑ ایک رخنہ پُر کرتے تو دوسرا رخنہ پیدا ہو جاتا اور آپ کے اصحاب بُری طرح ہمت ہارے آرام وچین کی زندگی گذار رہے تھے، ان کی باڑھ کند، ان کی شوکت زائل ہو چکی تھی اور دور دراز تک کا دشمن ان کے متعلق لالچ کرنے لگا تھا اور گھر کا دشمن یعنی خوارج انھیں زیر کرنے پر تلے ہوئے تھے۔ معلوم ہوتا ہے جیسے ان خوارج اور شام والوں میں لاشعوری طور پر خفیہ عہد و پیمان ہو چکا تھا اور اس عہد و پیمان کی بنیاد اس پر تھی کہ جتنا ہو سکے علیؑ کو دق کیا جائے اور ان کی حکومت میں ہر ممکن دشواری پیدا کر دی جائے۔“ (الفتنتہ الکبریٰ جلد دوم)

❑❑

سترہواں باب

امیر المومنینؑ کا طرز جہانبانی

صاحب بصیرت لوگوں سے یہ بات پوشیدہ نہیں ہے کہ رسول مقبول دنیا میں کسی سلطنت کی بنیاد قائم کرنے نہیں آئے تھے، نہ وہ عربوں کو دوسری قوموں پر مسلط کرنے کا جذبہ رکھتے تھے، نسل آدم کے ایک حصہ کو دوسرے حصہ پر غلبہ دینے اور تخت و تاج حاصل کرنے کا کام تو اور لوگ بھی کر سکتے تھے اور کرتے رہے ہیں، اللہ کا رسولؐ دلوں کی دنیا بدلنے آتا ہے، اخلاق فاضلہ اور فضائل حسنہ کو ترجیح دینے کا کام کرتا ہے، آدمی کو انسان اور انسانوں کو متحد و منظم بنا کر ایک صالح تمدن اور بار آور تہذیب و ثقافت کی بنیاد رکھتا ہے

انسان سازی اور اصلاح معاشرت کا کام بہت دشوار ہے، اسکے لیے نکتہ رس دماغ اور دقیقہ شناس ذہن کی ضرورت ہے۔ رسولؐ کے گرد و پیش بیٹھنے والے زہد و تقویٰ اور دیانت و امانت کے لحاظ سے کتنے ہی بلند کیوں نہ ہوں لیکن اصلاح معیشت اور معاشرت کے نازک کام کی صلاحیت سوائے علیؑ کے شاید ہی کسی دوسرے میں ہو۔

انسان جب دنیا میں قدم رکھتا ہے تو اُسے تین رابطوں سے واسطہ پڑتا ہے۔

۱۔ خالق کے ساتھ رابطہ۔

۲۔ اپنے ہم جنس انسانوں کے ساتھ رابطہ۔

۳۔ انسان کے علاوہ دوسری مخلوق خدا سے رابطہ۔

بہت سے لوگ خالق کی یاد میں گم رہتے ہیں اور اپنے ہم جنسوں اور خدا کی دوسری مخلوق سے بیگانہ ہو جاتے ہیں۔ بہت سے لوگ خدا کو بھول جاتے ہیں اور انسانوں کے معاملات میں بری طرح اُلجھے رہتے ہیں۔ بہت سے لوگ ہیں کہ خدا کو بھی یاد رکھتے ہیں، انسانوں کا حق بھی ادا کرتے ہیں مگر دوسری مخلوق خدا کے رابطے سے غافل رہتے ہیں۔ انسانیت کی تکمیل کے لیے یہ ضروری ہے کہ تینوں کا حق ادا کیا جائے۔ اللہ کی عبادت، اس کے احکام کی پوری پوری پابندی انسانوں کے ساتھ اخوت و مساوات کا برتاؤ، دنیا کے مادی وسائل و ذرائع کو پیام توحید اور اُخوت انسانی کی ترویج و بقاء کے لیے استعمال کرنا۔

تاریخ اسلام کے اوراق موجود ہیں، غور سے ان کا مطالعہ کیجئے اور پتہ لگایئے کہ عہد نبوی میں یہ تینوں صفتیں علیؑ کے علاوہ اور کتنے آدمیوں میں موجود تھیں ۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

ملکوں پر چڑھائی کرنا، خزانے لوٹنا، تخت و تاج کا مالک بن جانا کوئی مشکل کام نہیں۔ تاریخ انسانی ایسے بہت سے قائد اور سالار پیش کر سکتی ہے جو سازگار ماحول کی بدولت کشور کشا بن گئے تھے مگر جہاں گیری اور جہانبانی میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ کتنے آدمی ایسے ہیں جو صاحب اختیار بننے کے بعد احکام الٰہی کے پابند رہے اور عبادت، اخوت و وراثت ارضی کے فرائض ادا کرنے میں کوتاہی نہیں کی۔ رسولؐ مقبول کے فیض تربیت نے علیؑ کو انسان کامل بنا دیا تھا۔ انھوں نے اللہ کے احکام کی پوری پوری پیروی کی۔ انسانوں کے ساتھ اخوت و مساوات کا برتاؤ اور مادی وسائل و ذرائع کو مخلوق کی بہبودی اور خالق کی راہ میں اس خوبی سے استعمال کیا کہ ان کی ذات نفع بخش اور فیض رساں بن گئی۔

حاکمیت صرف ذات الٰہی کے لیے زیبا ہے۔ ہم سب اس کے بندے ہیں، اپنے ہم جنس انسان پر حکومت و بادشاہت نہیں کر سکتے۔ اللہ کی نیابت میں اس کے احکام نافذ کر سکتے ہیں، انسان کے ساتھ ہمارا تعلق اخوت و مساوات کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ یہ نکتہ رسول مقبول نے خدا سے سیکھا تھا اور علیؑ کے سوا اور لوگ اس نکتے تک پورے طور سے نہیں پہنچ سکے، یہی وجہ ہے کہ ان لوگوں کی زندگی افراط و تفریط سے خالی نہیں۔

یا تو آپ کو ایسے لوگ ملتے ہیں جو حقوق عباد سے غافل ہو کر خانقاہی زندگی بسر کر رہے ہیں یا وہ شہ سوار نظر آتے ہیں جو روم و ایران کی حکومتوں پر تخت و تاراج کے بعد اللہ کی مخلوق کو غلام بنا رہے ہیں اور اس غلامی کے شکنجوں کو مضبوط کرنے کے لیے مستقل فوج رکھتے ہیں، بھرپور خزانوں کے مالک بنے بیٹھے ہیں، ایسا نظام حکومت قائم کر رہے ہیں جس کی بنیاد جبر و اکراہ اور فوج اور پولیس پر ہے، نفس انسانی ذلیل ہو رہا ہے اور شہنشاہیت اور سامراجی قوتیں چور دروازہ سے مسلم دنیا میں داخل ہو رہی ہیں۔

علیؑ جب اس عمر میں داخل ہوئے جس کو سن شعور کہتے ہیں تو روم و ایران کا سامراجی نظام دم توڑ رہا تھا۔ اس کی تباہ کاریاں عالم آشکار ہو چکی تھیں۔ مستقل فوجوں اور عامۃ الناس کی گاڑھی کمائی سے بھرے ہوئے خزانوں کے بل بوتے پر سامراجی قوتیں جو آفت ڈھاتی ہیں ان کے نتائج نگاہ کے سامنے تھے۔ ایک طرف یہ تھا اور دوسری طرف رسولؐ مقبول ایک ایسے معاشرے کی بنیاد رکھ رہے تھے جہاں اللہ کی حاکمیت کا اعتراف ضروری تھا۔ دستور اساسی چند انسانوں کا بنایا ہوا یا کسی ایک جابر آدمی کے منہ سے نکلا ہوا نہ تھا بلکہ خود اللہ کا بھیجا ہوا تھا، جس میں کسی فرد یا قوم کی برتری یا مخصوص حقوق کے لیے گنجائش نہ تھی۔ مامور من اللہ نگران امت، قانون سازی نہیں بلکہ قانون الٰہی کا نفاذ کر سکتا تھا، اور خود اس قانون کی زد سے بچا ہوا تھا، اسلامی

جہانبانی اور نظام معاشرت ومعیشت کے جو نکتے حضرت علیؑ نے رسول اکرمؐ سے سیکھے تھے اس وقت دنیا کے لیے حیرت انگیز تھے اور آج بھی جب کہ کاروان انسانیت بہت دور نکل آیا ہے، لوگ ان نکتوں پر عمل کرتے ہوئے جھکتے ہیں۔ پرانا نظام حکومت جو روم اور ایران میں رائج تھا ان کے نزدیک نا قابل قبول ٹھہرا۔ اُنھوں نے اسلامی نظام کو پسند کیا مگر رسول مقبولؐ کے دوسرے ساتھی ایسا نہ کر سکے اور انھوں نے رومی اور ایرانی طرز جہانبانی کو مفید سمجھا۔

جب ہم حضرت علیؑ کے طرز جہانبانی پر غائر نظر ڈالتے ہیں تو چند چیزیں نمایاں طور پر سامنے آتی ہیں:

(۱) وہ انسانی نفس کی شرافت اور منزلت سے واقف تھے۔ وہ کسی ایسے نظام معاشرت ومعیشت کو پسند نہ کرتے تھے جس میں جبر واکراہ اور فوج اور پولیس کی مار دھاڑ کو دخل ہو۔ ترغیب وتحریص کے ذریعہ احکام الٰہی کی پابندی ان کا شعار تھا۔ اسٹیٹ کا جو تصور اب تک دنیا کے سامنے ہے وہ جبر واکراہ سے خالی نہیں۔ حضرت علیؑ نفس انسانی کو اس بلندی پر دیکھنا چاہتے تھے جہا وہ خود اپنے فرائض وحقوق کا احساس کرے۔ چنانچہ صدقات وزکوٰۃ کی وصولی میں بھی آپ کے نزدیک جبر واکراہ کا استعمال جائز نہ تھا۔ ایک فرمان میں ارشاد فرماتے ہیں:

ولا تروعن مسلما ولا تجتازن علیه کارها ولا تاخذن عنه اکثر من حق الله فی ماله فاذا قدمت علی الحی فانزل بماءهم من غیران تخالط ابیاتهم ثم امض علیهم بالسکینة والوقار حتی تقوم بینهم فتسلم علیهم ولا تخدج بالتحیّة لهم ۔الخ (نهج البلاغه)

زکوٰۃ وصول کرنے کے لیے جاؤ تو کسی مسلمان کو ہرگز نہ ڈرانا نہ دھمکانا اور ایسے وقت اسکے پاس سے نہ گزرنا جب وہ تمھارا (آنا) پسند نہ کرتا ہو، اللہ کا جو حق اس کے مال میں ہو اس سے زیادہ نہ لینا جب تم کسی قبیلے کے پاس جاؤ تو ان کے گھروں سے دور تالاب کے پاس اترو، پھر سکون وقار کے ساتھ ان کے پاس جاؤ اور سامنے کھڑے ہو کر پہلے سلام کرو اور پورے آداب و تحیّہ بجالاؤ پھر ان سے کہو کہ مجھے خدا کے ولی اور خلیفہ نے حق اللہ کی وصولی کے لیے تمھارے پاس بھیجا ہے پس اگر تمھارے پاس واقعی اللہ کا حق ہے تو ادا کرو۔

اس پر اگر کوئی کہے کہ نہیں تو اس سے تعرض نہ کرو اور کہے کہ ہاں تو اسکے ساتھ جاؤ اور بغیر ڈرائے دھمکائے اور سختی کے جو کچھ وہ سونے چاندی میں سے دے لے لو۔

(۲) وہ تنخواہ دار فوج کے تقرر کے خلاف تھے کہ ہمزاد کی طرح اس کو مشغول رکھنا پڑتا ہے یا ممالک غیر پر حملہ کرنے کی اجازت دیجئے یا خانہ جنگی کا تماشا دیکھئے، ان کی رائے تھی کہ ہر مسلمان کو اسلام کا سپاہی ہونا چاہیے۔ جان بہت قیمتی چیز ہے، اس کو چند پیسوں پر فروخت کرنا نفس انسانی کی توہین ہے، ہاں جب ایمان پر آنچ آئے تو جان قربان کی جاسکتی ہے۔ مستقل فوج کے

نتائج ہمیشہ مُضر ہوئے ہیں، اس سے جنگجو لوگوں کی ایک قوم وجود میں آجاتی ہے جو امن پسند شہریوں سے الگ تھلگ رہتی ہے اور چونکہ اس منصب وجاہ کا انحصار جانبازی اور خونریزی پر ہوتا ہے اس لیے وہ ہمیشہ جنگ وجدل کے مواقع بہم پہنچانے کی فکر میں رہتی ہے۔ اس سے اقوام وممالک کے امن خطرے میں پڑ جاتے ہیں، اور اندرون ملک میں بھی پارٹیاں پیدا ہو جاتی ہیں اور کبھی ایک پارٹی اور کبھی دوسری فوج کو یا کبھی فوج ان پارٹیوں کو اپنے اغراض کے لیے استعمال کرتی رہتی ہے۔

آن حضرت کے عہد میں بھی مستقل اور تنخواہ دار فوج نہ تھی، قرآن مجید نے مال غنیمت سے خمس کاٹ کر بقیہ کو سپاہیوں پر تقسیم کرنے کا حکم دیا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ تنخواہ دار فوج کا اسلامی نظام حکومت میں کوئی وجود نہ تھا۔ اس کی ابتدا حضرت عمر کے عہد میں ہوئی۔ انھوں نے باضابطہ محکمۂ بندوبست قائم کیا، سپاہیوں کے رجسٹر بنے۔ تنخواہیں مقرر ہوئیں، ایک دفعہ بحرین سے پانچ لاکھ درہم آئے، حضرت عمر نے ان لوگوں سے پوچھا کہ انھیں کس مد میں خرچ کیا جائے؟

حضرت علیؑ، حضرت عثمان اور دیگر صحابہ نے مختلف تجویزیں پیش کیں، ولید بن ہشام نے کہا کہ میں نے شام کے والیان ملک کو دیکھا ہے کہ ان کے ہاں فوج کا دفتر اور رجسٹر مرتب رہتا ہے۔ حضرت عمر کو یہ رائے پسند آئی اور فوج کی اسم نویسی اور ترتیب دفتر کا خیال پیدا ہوا۔ ایک اور روایت ہے کہ رائے دہندہ نے سلاطین عجم کا حوالہ دیا۔ اور یہی روایت قرین قیاس ہے۔ کیونکہ جب دفتر مرتب ہوا تو اس کا نام دیوان رکھا گیا۔" (الفاروق حصہ دوم ص ۹۳، فتوح البلدان بلاذری ص ۴۳۵، ۴۳۶)

مولوی شبلی صاحب یہ مانتے ہیں کہ سرورکائنات کے عہد میں مستقل اور تنخواہ دار فوج نہ تھی، حضرت عمر نے اس کا آغاز کیا۔

"عرب میں شاہان یمن وغیرہ کے یہاں فوج کا کوئی منظم بندوبست نہیں تھا............ اسلام کے آغاز تک اسکی ضرورت ہی پیش نہ آئی............ حضرت عمر کی اوائل خلافت تک یہی حال رہا۔ لیکن ۲۵ھ میں حضرت عمر نے اس صیغے کو اس قدر منظم اور باقاعدہ کر دیا تھا کہ اس وقت کے لحاظ سے تعجب ہوتا ہے۔" (الفاروق حصہ دوم ص ۹۲، ۹۳)

ابتدائی سطروں سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ آنحضرت کے سامنے مستقل فوج کا کوئی نمونہ موجود نہ تھا، کیونکہ یمن کے حکمرانوں کے یہاں اس کا دستور نہ تھا اور عرب سے روم وایران کے حالات سے وہ بے خبر تھے حالانکہ اگر مولوی صاحب جرجی زیدان کی تاریخ "تمدن اسلامی"، ہی کا مطالعہ کر لیتے تو انھیں معلوم ہو جاتا کہ یمن کے حمیری، منذری اور تبع حکمرانوں کے پاس مستقل فوج موجود تھی۔

(۳) دولت کو خزانے میں بند رکھنا حضرت علیؑ کو پسند نہ تھا، وہ اس کو مسلمانوں پر تقسیم کر دیتے تھے کہ مسلمان زندہ ہیں، طاقتور اور صحت مند ہیں تو دولت بھی آتی رہے گی اور اگر وہ ختم ہو گئے یا طاقت اور صحت مند نہ رہے تو خزانہ غیار لوٹ کر لے جائیں

گے، دلیؔ پر ہمیشہ حملے ہوئے کیونکہ وہاں کا خزانہ موجود تھا، جو دلیؔ پر قابض ہوگیا وہ سارے ملک کا بادشاہ بن گیا مگر کوفہ پر کسی نے حملہ نہیں کیا اس لیے کہ علیؑ کے پاس کوئی خزانہ نہ تھا۔ وہ شام تک ساری دولت تقسیم کر دیتے تھے اور بے فکر ہو کر رات کو عبادت کرتے یا آرام فرماتے تھے، نہ غم وز دنہ غم کالا حق بات تو یہ ہے کہ علیؑ خزانے کو MERHOWES میں USSEEST کر دیتے تھے، مسلمانوں کی فوجی اور دفاعی قوت اس روپے سے تازہ دم رہتی تھی اور وقت ضرورت اس سے کام لیا جاسکتا تھا۔ رسول مقبولؐ کے عہد میں بھی خزانے کا رواج نہ تھا، حضرت عمر کے عہد میں اسکی بنیاد پڑی تھی مگر علیؑ نے اسکو قائم نہیں رکھا۔

الفاروق حصہ دوم صفحہ ۴۷ پر مولوی شبلی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

''یہ صیغہ بھی حضرت عمر کی ذات سے وجود میں آیا، آنحضرت کے زمانہ میں سب سے اخیر رقم جو وصول ہوئی وہ بحرین کا خراج تھا جس کی تعداد آٹھ لاکھ درہم تھی۔ آنحضرت نے یہ کل رقم ایک ہی جلسہ میں تقسیم کر دی۔ حضرت ابو بکر نے بھی اپنی خلافت میں کوئی خزانہ قائم نہیں کیا بلکہ جو کچھ غنیمت کا مال آیا اسی وقت لوگوں کو بانٹ دیا۔ تقریباً ۱۵ھ میں ابو ہریرہ کو بحرین کا عامل مقرر کیا، وہ سال تمام میں پانچ لاکھ کی رقم اپنے ساتھ لائے۔ حضرت عمر نے مجلس شورے کا اجلاس عام کر کے کہا کہ ایک رقم بحرین سے آئی ہے، آپ لوگوں کی کیا مرضی ہے، حضرت علیؑ نے کہا کہ جو رقم آئے وہ سال کے سال تقسیم کر دی جائے اور خزانہ میں جمع نہ رکھی جائے۔ حضرت عثمان نے اسکے خلاف رائے دی، ولید بن ہشام نے کہا میں نے سلاطین شام کے ہاں دیکھا ہے کہ خزانہ اور دفتر کا جدا جدا محکمہ ہے۔ آجکل کا زمانہ ہوتا تو غیر مذہب والوں کے نام سے اجتناب کیا جاتا، لیکن حضرت عمر نے اس رائے کو پسند کیا اور بیت المال کی بنیاد ڈالی۔''

مندرجہ بالا اقتباس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت علیؑ اسوۂ رسولؐ پر چلنا پسند کرتے تھے اور دوسروں کو ایران و روما کا طرز جہانبانی پسند تھا۔ رسولؐ مقبول کے ساتھ برسوں رہتے رہتے علیؑ تو فیر مال اور کنز و دولت کی خرابیوں سے آگاہ ہو چکے تھے۔ تربیت نبویؐ نے انکے نفس کو بتایا تھا کہ بیت المال بالآخر بادشاہوں کے عیش وعشرت کے لیے وقف ہو کر رہ جاتا ہے اور عامۃ الناس اسکے فوائد سے محروم رہتے ہیں۔ اگر خزانہ کی بنیاد نہ پڑتی تو دمشق و بغداد کے خلفاء کو اندر سبھائیں قائم کرنے کا موقع نہ ملتا۔

(۴) وہ جارحانہ اقدامات کے خلاف تھے، دفاعی جنگوں کو پسند کرتے، اسی لیے مثل رسولؐ مقبول کے ان کا دامن بھی سامراجی عزائم اور وجوع الارض کے الزام سے پاک ہے، انھوں نے خواہ مخواہ کسی ملک پر حملہ کر کے اسکی دولت کو نہیں لوٹا، اسکے امن وامان میں خلل نہیں ڈالا، نبی اور امام ملکی فتوحات اور توسیع سلطنت کے لیے نہیں آیا کرتے۔ ان کا کام اصلاح معاشرت و معیشت ہوتا ہے۔ ان کی بزرگی اور عظمت کا اندازہ اس سے کیا جاتا ہے کہ وہ اپنے اصلاحی مشن میں کس قدر کامیاب یا ناکام ہوئے۔ اگر ملکی

فتوحات کامیابی کا معیار ہوتے تو سکندر، چنگیز، ہلاکو، نپولین اور ہٹلر اپنے اپنے وقت کے امام اعظم مانے جاتے۔

پھر یہ بھی نہ تھا کہ آپ میدان جنگ سے ڈرتے اور کشمکش کا رزار سے گھبراتے ہوں، جنگ بدر سے لیکر جنگ صفین تک عہد رسول میں اور جنگ جمل سے لیکر جنگ نہروان تک اپنے زمانہ حکومت میں مدافعانہ طور پر آپ نے جو جہاد وقتال کیا ہے وہ اسلامی تاریخ میں سنہرے حرفوں سے لکھا ہوا ہے۔

(۵) رسول مقبول کی طرح آپ بھی دولت کی عادلانہ تقسیم کے حامی تھے۔ ہر چند خلافت ثانیہ کے دور میں طبقات قائم ہو چکے تھے اور حیثیت و وجاہت کے اعتبار سے وظیفے اور وثیقے مقرر کیے گئے تھے، آپ نے اس طریقے کو منسوخ کر دیا اور مسلم معاشرے میں امتیازات وطبقات نہ پیدا ہونے دیے، حکومت سنبھالنے کے بعد جب بیت المال کا جائزہ لیا تو کل مال برابر تقسیم کر دیا اور ہر مسلمان کو دو دو درہم ملے، اس پر امتیاز پرست لوگ بہت خبر بز ہوئے اور چہ می گوئیاں ہونے لگیں، آپ نے فرمایا:

''میرا مال بھی ہوتا تو میں تم کو برابر ہی دیتا، اور یہ تو ہے ہی اللہ کا مال (اور اللہ کے نزدیک سب مسلمان برابر ہیں)''

(۶) حضرت کے عہد خلافت کا نمایاں کارنامہ دارالحکومت کی تبدیلی ہے۔ ان شہروں پر جو تقدس وتبرک کا مرجع اور تعظیم کا مرکز بن جاتے ہیں جمود وخمود طاری ہو جاتا ہے، نذر ونیاز اور چراغی لینے کے متمنی باشندے فوجی اسپرٹ سے بیگانہ ہو جاتے ہیں اور کسی صالح اور نفع بخش تمدن کو قبول کرنے کی صلاحیت ان میں باقی ہی نہیں رہتی۔ قدامت پرستی اور وضعداری کا غلط تصور ان کو ترقی پذیر اعمال سے روکتا ہے اور ایجادات واختراعات میں مانع ہوتا ہے، اجمیر و بنارس کی مثالیں ہمارے سامنے موجود ہیں۔ یہاں کا معاشرہ انقلابی روح سے یکسر خالی ہے اور یہاں کے باشندے بڑھتے ہوئے زمانہ کی نت نئی تبدیلیوں کو قبول کرنے سے قاصر رہے ہیں۔

ابراہیم اور آل ابراہیم نے ہمیشہ اس نکتہ کو پیش نظر رکھا اور قدامت پسند وزوال زدہ معاشرے سے الگ ہٹ کر اپنے مرکز بنائے۔ کلدانیہ کے اُر سے حضرت ابراہیم کی ہجرت، حرّان سے کوچ کر کے کنعان کے ملک میں آباد ہونا اسی مصلحت کی بناء پر تھا۔ فتح مکہ کے بعد رسول مقبولؐ اس کو دارالحکومت بنا سکتے تھے، مگر ان کو علم تھا کہ مکہ کے پرانے رسم و رواج، وہاں کے خاندانی اور قبائلی شخصیات ان کے انقلابی پیام کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے میں مانع ہوں گے۔ مدینہ ابھی تازہ دم تھا اسکی آب وہوا قدامت پرستی کے جراثیم سے خالی تھی، وہاں ''بدنام کنندۂ نکو نامے چند'' ابھی پیدا نہیں ہوئے تھے، استخواں فروشی اور ماضی پرستی کرنے والا طبقہ ابھی وہاں وجود میں نہ آیا تھا لیکن حضرت علیؑ نے جب عنان حکومت سنبھالی ہے تو مدینے میں یہ سب چیزیں پیدا ہو چکی تھیں۔ مہاجرین و انصار کی اولاد پیرزادگی کے مرض میں مبتلا تھی ''ہم چو ما دیگرے نیست'' کا نعرہ لگا رہی تھی، تقدّس اور تبرک فروشی میں مصروف تھی، اس لیے اب وہ کسی صالح اور ترقی پذیر جدو جہد میں شریک ہونے کی اہلیت سے محروم ہو چکی تھی اور ان کو ساتھ لے کر کسی انقلابی پروگرام کا

نافذ کرنا دشوار تھا، کوفہ ابھی نیا شہر تھا، وہاں عرب کے تازہ دم شجاع خاندان آباد تھے، وہ مسلمانوں کے وسیع وعریض حکومت کے قلب میں واقع تھا، دریائے فرات کے کنارے ہونے کی وجہ سے بحری تجارت کا مرکز بن سکتا تھا، ہندوستان، چین، خراسان اور ایران خشکی کے راستے بھی یہاں سے قریب تھے، بحری راستے سے بھی پہنچنا آسان تھا، ملکی اور فوجی سہولتوں کے لحاظ سے کوفہ کا انتخاب موزوں تھا ، یہاں قیام کی وجہ سے حضرت علیؑ کو فوجوں پر اسلامی تعلیم کا اثر ڈالنے کا موقع ملا اور کوفہ اسلامی، علمی، ادبی اور نشاۃ ثانیہ کا مرکز بن گیا۔ اس زمانے میں اسلامی تمدن اور ثقافت کی نقابت فوجیوں کے اخلاق وعادات اور کردار وخصائل کے ذریعہ ہوسکتی تھی، کیونکہ یہی لوگ دور دست شہروں اور ملکوں میں جاتے تھے، اور ان کو دیکھکر باہر کے باشندے اسلامی تعلیم کا اندازہ لگاتے تھے۔ حضرت علیؑ نے کوفہ کی چھاؤنی میں قیام کرکے اس کو اسلامی ثقافت وتہذیب کا مولد ومنشاء بنادیا۔ آپکے فیوض اور علمی کارناموں کی بدولت وہاں ایک ایسی سوسائٹی پیدا ہوگئی جو زندگی کے ہر شعبے میں سبقت لے گئی اور اسلامی علوم وفنون کا سہرا علیؑ ہی کے سر رہا۔

جب آپ اس صدی کے مسلمانوں کی علمی ترقیوں کا جائزہ لیں گے تو آپ کے سامنے مکہ اور مدینہ کے بجائے کوفہ وبصرہ کی علمی اکیڈمیوں کا نام زیادہ آئے گا۔ عراق کی سرزمین پر جو علمی ترقیاں ہوئیں، ادبی، تاریخی، لسانیاتی اور فلسفیانہ لٹریچر پیدا کرنے میں یہاں کے لوگوں نے جو بیش از بیش حصہ لیا، وہ بہت کچھ اس ذات والا صفات کا منت پذیر ہے جس کے علمی خطبوں نے تحقیق وتدقیق علمی، غور وخوض اور سائنٹیفک تجسّس وتدبّر کی نئی راہیں کھول دیں۔ نہج البلاغہ کے خطبے فن خطابت وتقریر کے شاہکار ہونے کے ساتھ ساتھ علمی درس بھی ہیں، یہ انھیں کا فیض تھا کہ اونٹ چرانے والے عرب مُعلّمہ، عالمہ اور مدرس علوم بن گئے اور ان کے علمی کمالات اور علمی تجربات نے یونان وروما کو شرما دیا۔

کوفہ فوجی چھاؤنی تھا۔ وہاں مسلم دنیا کے ہر خطے کے باشندے آکر آباد ہو گئے تھے۔ ان میں اچھے بھی تھے برے بھی تھے۔ کوفیوں کے کردار کی برائیاں آپ نے بہت سنی ہونگی مگر یہ نہ بھولیے کہ حق پر قائم رہنے والے اور حق پر جان دینے والے بھی یہیں پیدا ہوئے۔ جابر وظالم سلاطین کے خلاف اگر کسی شہر نے مسلسل اور متواتر احتجاج کیا ہے تو وہ یہی کوفہ ہے۔ اسلام کے جانبازوں اور جاں نثاروں کی فہرست بنایئے اور دیکھئے کہ اس میں کوفہ کے باشندوں کے کتنے نام ہیں اور دوسرے شہروں کے رہنے والوں کا کیا تناسب ہے۔ غرض حضرت علیؑ نے کوفہ کو اپنے قیام کے لیے منتخب کر کے اسلامی دنیا میں ایک نئے مرکز علمی وعملی کا اضافہ کیا اور وہاں علم دوستوں اور فدا کارونکی سوسائٹی پیدا کر کے ایک نئے دور کا آغاز کیا اور اس سوسائٹی نے تاریخ اسلام میں وہ کارہائے نمایاں کیے جو مکہ اور مدینہ کے تقدس مآب طبقے سے بن نہ آئے۔''

(حضرت علیؑ کا طرز جہانبانی مصنفہ علامہ ابن حسن صاحب جارچوی)

❑❑

اٹھارہواں باب

امیر المومنینؑ کا طرز عمل اپنے عُمّال کے ساتھ

آپ اپنے عمال کی کڑی نگرانی کرتے سختی سے حساب لینے اور رعایا کے جو حقوق ان پر عائد ہوتے انھیں پورا کرنے کا سختی سے مطالبہ کرتے۔ جس وقت کسی کو عامل مقرر کرتے اُسے ایک عہد نامہ لکھ کر دیتے جسے وہ عامل اس علاقہ کے لوگوں کو سناتا جس علاقہ کا وہ حاکم مقرر ہو کر جاتا اگر وہ لوگ اس کو تسلیم کرتے تو وہ تحریر اُنکے اور عامل کے درمیان عہد و پیمان ہوتی، نہ تو عامل کے لیے جائز ہوتا کہ اس سے انحراف کرے یا اسکی تاویل کرے، نہ اُن لوگوں کے لیے جائز ہوتا۔ اگر وہ لوگ انحراف کرتے تو سزا کے مستحق ہوتے اور سزا اُنھیں اس عامل کے ہاتھ سے ملتی اور اگر عامل انحراف کرتا تو وہ بھی مستحق سزا ہوتا اور امام خود اس عامل کو سزا دیتے۔

پھر امیر المومنینؑ معائنہ کرنے والے اشخاص کو بھیجتے تا کہ وہ عاملوں کے چال چلن، طور طریقہ کا جائزہ لیں اور اگر کوئی بات ایسی دیکھیں جسے امامؑ کے علم میں لانا ضروری ہو تو امام کو خبر کریں۔ یہ معائنہ کرنے والے کبھی پوشیدہ طریقہ پر اپنا کام انجام دیتے کبھی ظاہر بظاہر، صرف اتنا ہی نہیں بلکہ ہر علاقہ کا ہر شخص اپنے حاکم کا نگراں ہوتا اور اس کو اختیار تھا کہ اگر اپنے عامل کو اس عہد نامہ سے منحرف دیکھے جس کا اس سے قول وقرار لیا گیا تھا تو امامؑ کی خدمت میں اس کی شکایت پیش کرے۔

کبھی ایسا بھی ہوتا کہ کسی علاقہ کے باشندے کسی کام کو اپنے لیے ضروری سمجھتے اُس میں اُنکی بھلائی ہوتی وہ امیر المومنینؑ کی خدمت میں اپنی عرضداشت پیش کرتے اور امیر المومنینؑ اس علاقہ کے حاکم سے سفارش کرتے کہ اس کام کو کر دیا جائے۔

ایک علاقہ کے لوگ امیر المومنینؑ کی خدمت میں آئے اور درخواست کی کہ ہمارے علاقہ میں ایک نہر ہے جو اب پٹ چکی ہے اگر وہ پھر کھد جائے تو اُس سے ہم لوگوں کو بہت فائدہ پہونچے گا۔ ان لوگوں نے خواہش کی کہ آپ حاکم کو لکھ دیں کہ وہ اس نہر کی کھدائی میں شرکت ہر شخص پر لازم کر دے، امیر المومنینؑ نے یہ تو منظور کیا کہ وہ نہر کھد جائے لیکن یہ درخواست منظور نہ کی کہ لوگوں کو اسکے لیے مجبور بھی کیا جائے۔ آپ نے اس علاقہ کے حاکم فرظہ بن کعب کو لکھا:

''امابعد! تمھارے علاقہ کے لوگ میرے پاس آئے اور انھوں نے مجھ سے ذکر کیا کہ انکے علاقہ میں ایک نہر تھی جو اب پٹ چکی ہے اگر وہ نہر یہ لوگ پھر کھود لیں تو اس کے ذریعہ ان کا علاقہ آباد ہوگا اور ہر قسم کا خراج دینے پر انھیں قدرت ہوگی اور ان کے یہاں سے مسلمانوں کے محاصل میں اضافہ ہوگا۔ ان لوگوں نے مجھ سے خواہش کی کہ میں تمھیں اس مضمون کا خط لکھوں

کہ تم وہاں کے لوگوں کو اس نہر کی کھدائی کے لیے اکٹھا کرو، اسکے مصارف برداشت کرنا لازم قرار دو۔ میں یہ تو مناسب نہیں سمجھتا کہ کسی کو ایسے کام پر جسے وہ نہیں چاہتا مجبور کروں ۔تم ایسا کرو کہ نہر کی کھدائی کے لیے لوگوں کو بلاؤ اور جو شخص خوشی خاطر کام کرنے پر تیار ہو اس سے کام لو اور جب وہ نہر بن کر تیار ہو جائے تو اس سے وہی لوگ فائدہ اٹھانے کے حقدار ہوں گے جنھوں نے اس کی کھدائی میں حصہ لیا ہوگا۔ جو لوگ حصہ نہ لیں گے انکو اسکے استعمال کا حق نہ ہوگا۔ اگر وہ لوگ اپنے علاقہ کو آباد کریں اور ان کی اقتصادی حالت بہتر ہو تو یہ کہیں اچھا ہے بہ نسبت ان کے کمزور ہونے کے۔''

ایک دوسرے علاقہ کے لوگوں نے اپنے عامل کی آپ سے شکایت کی کہ وہ ہمارے ساتھ حقارت سے پیش آتے ہیں اور سختی کرتے ہیں ۔آپ نے انکے معاملات کی چھان بین کی تو پتہ چلا کہ یہ لوگ حقارت سے پیش آنے کے سزوار نہیں۔ آپ نے ان کے بارے میں وہاں کے عامل عمرو بن سلمہ ارجی کو لکھا:

''تمھارے شہر کے زمینداروں نے تمھاری سختی ،سنگدلی ،تحقیر آمیز برتاؤ اور تشدد کے رویہ کی شکایت کی ہے۔ میں نے غور کیا تو وہ شرک کی وجہ سے اس قابل تو نظر نہیں آتے کہ انھیں نزدیک کر لیا جائے اور معاہدہ کی بنا پر انھیں دور پھینکا اور دھتکارا بھی نہیں جا سکتا لہذا انکے لیے نرمی کا ایسا شعار اختیار کرو جس میں کہیں کہیں سختی کی بھی جھلک ہو اور کبھی سختی کر لو اور کبھی نرمی برتو اور قرب و بعد اور نزدیکی اور دوری کو سمو کر بین بین راستہ اختیار کرو۔ انشاءاللہ۔''

یہ لوگ مجوسی تھے اس لیے حضرت کے عامل کا رویہ ان کے ساتھ ویسا نہ تھا جو عام مسلمانوں کے ساتھ تھا۔جس سے متاثر ہو کر ان لوگوں نے امیرالمومنینؑ کو شکایت کا خط لکھا اور اپنے حکمراں کے تشدد کا شکوہ کیا جس کے جواب میں حضرت نے اپنے عامل کو تحریر فرمایا کہ وہ ان سے ایسا برتاؤ کریں کہ جس میں نہ تشدد ہو اور نہ اتنی نرمی کہ وہ اس سے ناجائز فائدہ اُٹھا کر شر انگیزی پر اتر آئیں، کیونکہ انھیں پوری ڈھیل دیدی جائے تو وہ حکومت کے خلاف ریشہ دوانیوں میں کھو جاتے ہیں اور کوئی نہ کوئی فتنہ کھڑا کر کے ملک کے نظم ونسق میں روڑے اٹکاتے ہیں اور پوری طرح سختی و تشدد کا برتاؤ اس لیے روا نہیں رکھا جا سکتا کہ وہ رعایا میں شمار ہوتے ہیں اور اس اعتبار سے انکے حقوق کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔'' (ترجمہ نہج البلاغہ مفتی جعفر حسین)

آپ کے عمال وولاۃ آپ سے بہت خوفزدہ رہتے ،کبھی ایسا بھی ہوتا کہ وہ اپنی بعض باتیں آپ سے پوشیدہ رکھنا چاہتے تا کہ آپ ان کی ملامت نہ کریں ۔حضرت کو جب پتہ چلتا تو آپ صرف ملامت ہی پر اکتفا نہ کرتے بلکہ تنبیہ و سرزنش فرماتے، دھمکیاں دیتے۔جس زمانہ میں زیاد بن ابیہ عبداللہ بن عباس عامل بصرہ کی غیر موجودگی میں حاکم کے فرائض انجام دے رہا تھا ،آپ نے کسی کو اس کے پاس بھیجا کہ اسکے ہاں جو مال جمع ہے لے آئے۔ زیاد نے قاصد سے کہا کہ کردوں نے خراج کچھ کم دیا

ہے اور میں ان سے نرمی سے پیش آ رہا ہوں۔ دیکھو تم امیر المومنینؑ کو اس کی خبر نہ کرنا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ حضرت یہ خیال کریں کہ میں فرائض میں کوتاہی کر رہا ہوں۔ قاصد امین تھا۔ زیاد نے اس سے جو کچھ کہا تھا اس نے امیر المومنینؑ سے آ کر ایک ایک لفظ کہہ دیا، آپ نے زیاد کو لکھا:

''میں اللہ کی سچی قسم کھاتا ہوں کہ اگر مجھے پتہ چل گیا کہ تم نے مسلمانوں کے مال میں خیانت کرتے ہوئے کسی چھوٹی یا بڑی چیز میں ہیر پھیر کیا ہے تو یاد رکھو کہ ایسی مار ماروں گا جو تمھیں تہی دست، بوجھل پیٹھ والا اور بے آبرو کر کے چھوڑے گی۔''

(ترجمہ نہج البلاغہ، جلد سوم، مفتی جعفر حسین)

حضرت کا یہ مکتوب ثبوت ہے کہ آپ سادہ لوح نہ تھے جیسا کہ آپ کے بعض دشمن کہتے ہیں اور نہ آپ کو دھوکا دینا آسان تھا جیسا کہ بعض متعصبین کا خیال ہے۔ آپ بہت گہری نگاہ رکھنے والے، معاملات کی تہ اور لوگوں کے دلوں کی گہرائیوں تک پہونچ جانے والے تھے، جیسا کہ عرب کے دوسرے ڈپلومیٹ اور چالاک لوگوں کی کیفیت تھی لیکن آپ صراحت، سچائی اور حقائق کا سیدھے طریقہ پر سامنا کرنے کو ترجیح دیتے تھے۔ مکر و فریب اور ڈپلومیسی سے اپنے نفس کو بلند رکھتے۔ اپنے دین کی سختی سے حفاظت کرتے اور شریفانہ اخلاق پر مضبوطی سے قائم رہتے۔

آپ سے یہ بات مخفی نہ رہی کہ زیاد نے قاصد سے کردوں کا جو ذکر کیا اور تاکید کی کہ امیر المومنینؑ کو اسکی خبر نہ کرنا، اس سے اس کا مقصد محض روپے کم بھیجنے کی معذرت کرنا ہے، زیاد نے سوچا کہ قاصد اس عذر کو مان لے گا اور امیر المومنینؑ جب پوچھیں گے کہ روپیہ کم کیوں لائے ہو تو وہ کہہ دے گا کہ کردوں سے پورے روپیے وصول نہ ہو سکے۔

میرا خیال ہے کہ امیر المومنینؑ نے زیاد پر صرف سختی کرنے اور ڈرانے دھمکانے ہی پر اکتفا نہ کی بلکہ اس کی بھی تحقیقات کرائی کہ کردوں والی بات صحیح بھی ہے یا نہیں۔

منذر بن جارود آپ کی طرف سے اصطخر کا حاکم تھا، اس کے متعلق کچھ نازیبا باتوں کی خبر آپ کو ملی، آپ نے اس کو یہ خط لکھا جس میں اس کو معزول کر کے کوفہ آنے کا حکم دیا تھا:

''واقعہ یہ ہے کہ تمھارے باپ کی سلامت روی نے مجھے تمھارے بارے میں دھوکا دیا۔ میں یہ خیال کرتا تھا کہ تم بھی ان کی روش کی پیروی کرتے اور ان کی راہ پر چلتے ہو گے مگر اچانک مجھے تمھارے متعلق ایسی اطلاعات ملی ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ تم اپنی خواہش نفسانی کی پیروی سے ہاتھ نہیں اُٹھاتے اور آخرت کے لیے کوئی توشہ باقی رکھنا نہیں چاہتے۔ تم اپنی آخرت گنوا کر دنیا بنا رہے ہو اور دین سے رشتہ توڑ کر اپنے رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کر رہے ہو۔ جو مجھے معلوم ہوا ہے اگر

وہ سچ ہے تو تمھارے گھر والوں کا اونٹ اور تمھاری جوتی کا تسمہ بھی تم سے بہتر ہے۔ جو تمھارے طور طریقے کا آدمی ہوتا ہے وہ اس لائق نہیں کہ اس کے ذریعہ کسی رخنہ کو پاٹا جائے یا کوئی کام انجام دیا جائے یا اس کا رُتبہ بڑھایا جائے یا اسے امانت میں شریک کیا جائے، یا خیانت کی روک تھام کے لیے اس پر اطمینان کیا جائے لہذا جب میرا خط ملے تو فوراً میرے پاس حاضر ہو جاؤ۔ (ترجمہ نہج البلاغہ، مفتی جعفر حسین)

جب منذر کوفہ آیا تو آپ نے اس کے معاملہ کی تحقیقات کی تو پتہ چلا کہ ۳۰ ہزار مسلمانوں کا روپیہ اسکے ذمہ نکلتا ہے۔ آپ نے اس سے مطالبہ کیا۔ منذر نے انکار کیا کہ میں نے یہ روپیے لیے ہی نہیں۔ آپ نے ثبوت طلب کیا جس کے پیش کرنے سے وہ قاصر رہا، امیر المومنینؑ نے اسے قید میں ڈال دیا۔ جب صعصعہ بن صوحان نے جو کوفہ کے بڑے پرہیزگاروں اور امیر المومنینؑ کے مقربین میں سے تھے منذر کی سفارش کی اور اسکے ذمہ جو روپیے نکلتے تھے اس کے ضامن ہوئے تب آپ نے اُسے رہا کیا۔

امیر المومنینؑ نے اپنے کسی غلام کو زیاد کے پاس بھیجا کہ جا کر زیاد کے پاس جو روپئے جمع ہیں لے آؤ۔ غالباً اس غلام نے زیاد سے روپیہ کی ادائیگی میں عجلت چاہی، زیاد نے جھڑک دیا۔ وہ غلام امیر المومنینؑ کے پاس واپس آیا اور زیاد کی آپ سے شکایت کی۔ آپ نے زیاد کو لکھا:

''سعد نے آکر مجھ سے ذکر کیا کہ تم نے اُسے از راہ ظلم بُرا بھلا کہا اور اس سے اکڑ اور تکبر سے پیش آئے حالانکہ حضرت رسول خداؐ کا ارشاد ہے کہ بڑائی اور بزرگی صرف اللہ کے لیے ہے۔ جو شخص تکبر کرے گا خدا اس پر ناراض ہوگا۔ سعد نے مجھے یہ بھی بتایا کہ تم طرح طرح کے کھانے کھاتے ہو، ہر دن خوشبو لگاتے ہو، تمھارا کیا نقصان ہے اس میں کہ کچھ دن اللہ کے لیے روزے بھی رکھا کرو اور تمھارے پاس جو زر و مال ہے اس میں سے کچھ اللہ کی راہ میں خیرات کردو۔ اور جتنا کھانا ایک مرتبہ کھاتے ہو کئی مرتبہ کر کے کھاؤ یا کسی فقیر کو کھلا دو، تم جو نعمتوں میں ڈوبے ہو، غریب پڑوسی، کمزور محتاج، بیواؤں اور یتیموں کا خیال نہیں کرتے، کیا ان سب کے باوجود تمھیں اس کی طمع ہے کہ خیر خیرات کرنے والے نیکوکاروں کا اجر تمھیں ملے۔ سعد نے مجھے یہ بھی بتایا ہے کہ تم باتیں تو نیکوکاروں جیسی کرتے ہو اور کام خطاکاروں جیسے اگر واقعاً تم ایسا کرتے ہو تو اپنے نفس پر تم نے ظلم کیا اور اپنے عمل کو ساقط کیا۔ اپنے پروردگار سے توبہ کرو، اپنے عمل کی اصلاح کرو اور اپنے کاموں میں میانہ روی برتو اور تمھارے پاس جو فاضل مال ہو اس کو اس دن کے لیے آگے روانہ کرو جس دن کہ تم اسکے محتاج ہوگے، اگر واقعاً تم ایمانداروں میں سے ہو اور ایک دن ناغہ کر کے خوشبو لگایا کرو اور خوشبو لگاؤ بھی تو زیادہ نہیں، حضرت رسول خدا نے ارشاد فرمایا ہے ''ایک دن ناغہ کر کے خوشبو لگاؤ اور زیادتی کے ساتھ نہ لگاؤ۔'' والسلام

اشعث بن قیس حضرت عثمان کے زمانہ میں آذر بائیجان کا عامل تھا، حضرت عثمان نے وہاں کا سارا اخراج اسکے لیے چھوڑ دیا تھا۔ امیر المومنینؑ نے اسے معزول کرتے ہوئے یہ خط لکھا:

''خداوند عالم نے تمھیں جو ڈھیل دے رکھی ہے اس نے تمھیں بہت دھوکہ میں ڈال دیا ہے۔ برابر اس کا رزق کھاتے اور اس کی نعمتوں سے لذت اندوز ہوتے اور اپنے زندگی کے دنوں میں اپنی ساری اچھائیاں ضائع کرتے جاتے ہو۔ فوراً آؤ۔ مال خراج وغیرہ جتنا تمھارے پاس ہے لیکر آؤ اور ایسی حرکت نہ کرو جس کا تم سے مواخذہ کرنا پڑے۔''

اس خط کے مضمون سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اشعث پر اس کا کوئی خوشگوار اثر نہ ہوا ہوگا۔ اسکے بعد جو واقعات پیش آئے اور اشعث کا جو کردار رہا اس کا سمجھنا دشوار نہیں۔

امیر المومنینؑ اپنے عاملوں کو ہر وقت سرزنش ہی نہیں کرتے رہتے، نہ ہمیشہ ان سے بدگمان رہتے، جو نیکوکار تھے جی کھول کر ان کی مدح وثنا بھی کرتے، ان کے حق کا اعتراف کرتے، اپنے امام سے خلوص برتتے اور مسلمانوں کی بہبودی میں ان کی خدمات اور کوششوں پر انکی ہمت افزائی کرتے۔

آپ وہ خط پڑھیئے جو آپ نے بحرین کے عامل عمر بن ابی سلمہ کو لکھا تھا، جس میں انھیں حکومت سے معزول کر کے شام چلنے کے لیے اپنے پاس بلایا تھا۔

''میں نے نعمان بن عجلان زرقی کو بحرین کی حکومت دی ہے اور تمھیں اس سے بے دخل کر دیا ہے مگر یہ اس لیے نہیں کہ تمھیں نا اہل سمجھا گیا ہو اور تم پر کوئی الزام عائد ہوتا ہو، حقیقت یہ ہے کہ تم نے حکومت کو بڑے اچھے اسلوب سے چلایا اور امانت کو پورا پورا ادا کیا لہذا تم میرے پاس چلے آؤ، نہ تم سے کوئی بدگمانی ہے نہ ملامت کی جاسکتی ہے اور نہ تمھیں خطا کار سمجھا جا رہا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ میں نے شام کے ستمگاروں کی طرف قدم بڑھانے کا ارادہ کیا ہے اور چاہا ہے کہ تم میرے ساتھ ہو کیونکہ تم ان لوگوں میں سے ہو جن سے دشمن سے لڑنے اور دین کا ستون گاڑنے میں مدد لے سکتا ہوں،'' انشاء اللہ۔''

یہی محکم روش آپ کی اپنے عمال کے ساتھ رہی۔ جو ان میں نیکوکار ہوتے ان کی ہمت افزائی کرتے جو غلط کار ہوتے ان پر سختی کرتے، کبھی آپ کو اس میں ہچکچاہٹ محسوس نہ ہوتی نہ کبھی لگی لپٹی رکھی اور نہ کبھی چشم پوشی سے کام لیا نہ دغا فریب سے، آپ کا اصل مطمح نظر مسلمانوں کی خیر خواہی اور رعیت کے ساتھ عدل اور حق کا قائم کرنا تھا، رعایا میں بھی اور عمال میں بھی۔

عبداللہ بن عباس کے ساتھ امیر المومنینؑ کا برتاؤ، زیاد پر تشدد، غلط کار عمال کو معزول کر کے سزا دینا، خائن عمال کو قید و بند میں ڈالنا، آپ ابھی پڑھ چکے ہیں، اس بنا پر کوئی تعجب نہیں کہ آپ کے عمال پورے طور پر محتاط رہتے ہوں اور یہ بھی تعجب خیز

نہیں کہ مصقلہ ابن ہبیرہ جیسے کسی عامل نے بعض فرائض کی ادائیگی میں کمی کی ہو پھر اسے آپ سے خوف لاحق ہوا ہو اور معاویہ کے پاس بھاگ گیا ہو۔

امیر المومنینؑ کا یہی طرز عمل جو اپنے عمال کے ساتھ تھا بعینہ وہی عوام الناس کے ساتھ رہا۔ نہ آپ اسکا موقع دیتے کہ کوئی شخص آپ سے بیجا طمع رکھے نہ اپنے سے بالکل مایوس ہی رکھتے۔ جب تک لوگ سیدھے راستے پر رہتے حق ادا کرتے رہتے آپ ان سے قریب ہوتے انتہائی قرب لیکن اگروہ راہ صواب سے منحرف ہوتے یا اپنے فرائض کی ادائیگی میں کچھ بھی کمی کرتے تو آپ ان سے دور ہوتے انتہائی دوری اور بے رورعایت اور بغیر کسی نرمی اور مہربانی کے خدا کا حکم ان میں نافذ کر کے رہتے۔

بعض مورخین نے روایت کی ہے کہ کوفہ کے کچھ لوگ مرتد ہو گئے آپ نے انھیں قتل کر ڈالا پھر انھیں آگ میں جلا دیا۔ کہا جاتا ہے کہ اس پر عبداللہ بن عباس نے آپ سے کچھ کہا سنا بھی، مگر میرا خیال ہے کہ یہ وہی قصہ ہے جس میں شیعوں کے دشمنوں نے غلو سے کام لیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ ان لوگوں نے علیؑ کو خدا اقرار دیا تھا لیکن مورخین خصوصاً مورخین کے اس قصہ کے متعلق دو طرح کے موقف ہیں بعض مورخین تو وہ ہیں جنھوں نے اس قصہ کو سرسری طور پر بغیر کسی تفصیل کے بیان کر دیا ہے جیسے میں نے ابھی بیان کیا ہے انھیں مورخین میں سے بلاذری ہیں، بعض مورخین نے اس قصہ کو بیان ہی نہیں کیا نہ اس کی طرف اشارہ کیا جیسے طبری اور انکے پیرو دیگر مورخین۔

کوئی شک نہیں کہ اس قصہ کو بڑھا چڑھا کے بیان کرنے والے دشمنان شیعہ ہی ہیں، میرا خیال ہے کہ عبداللہ بن سبا کے قصہ کی طرح اس قصہ میں بھی لوگوں نے حد سے زیادہ افراط سے کام لیا ہے۔

لوگوں کے دل پر علیؑ کی جو ہیبت تھی اسکی تصویر کشی قبیلہ طے کے بدو عرب کے حسب ذیل اشعار سے بخوبی ہوتی ہے، یہ بدو عرب رہزنی کیا کرتا، حضرت علیؑ نے دو آدمی بھیجے کہ جا کر اُسے پکڑ لائیں وہ بدو بھاگ نکلا اور اس نے یہ اشعار کہے:

''جب میں نے شمیط کے دونوں بیٹوں کو طے کے راستہ پر دیکھا اور دروازہ میرے قریب ہی تھا، فوراً میں اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر بھاگ نکلا اور یہ سمجھ لیا کہ اگر ان لوگوں نے مجھے قید کر لیا تو میں مخیس قید خانہ میں بند کر دیا جاؤں گا اگر میں ذرا بھی مہلت دیتا تو وہ مجھے شیخ بطین کے پاس پکڑ لیجاتے وہ شیخ بطین جو چوڑے شانوں والا ہے اور آفات و مشکلات میں بہت سخت اور بھاری سر والا ہے۔''

شاعر کی مراد حضرت علیؑ ہی سے ہے، وہ آپ ہی سے خوفزدہ تھا، جس طرح دوسرے لوگ آپ سے ڈرتے اور آپ کی ہیبت سے خوفزدہ رہتے۔

باوجود اس رعب وہیبت کے آپ نے لوگوں کو دو باتوں پر کبھی مجبور نہ کیا:

(۱) ایک تو یہ کہ آپ نے کسی کو مجبور نہ کیا کہ ہمارے حدود مملکت میں مقیم رہو۔ بے شمار لوگ عراق وحجاز سے نکل کر معاویہ کے پاس چلے گئے۔ انھوں نے اپنی دنیا کو علیؑ کے دین پر ترجیح دی علیؑ مانع نہ ہوئے اور نہ انھیں اس پر مجبور کیا کہ وہ آپ ہی کے ساتھ رہیں نہ انھیں شام چلے جانے سے روکا۔ آپ کا خیال تھا کہ ہر شخص آزاد ہے جہاں چاہے وہ اپنا گھر بنائے، چنانچہ جن لوگوں نے ہدایت اور حق کو محبوب رکھا وہ علیؑ کے ظلِ عاطفت میں مقیم رہے اور جنھوں نے ضلالت اور باطل کو پسند کیا وہ معاویہ سے جا ملے۔

سہل بن حُنیف نے جو حضرت کی طرف سے مدینہ کے عامل تھے آپ کو لکھا کہ بہت سے باشندے یہاں سے کھسکتے جا رہے ہیں۔ آپ نے جواب میں انھیں تسلی دی اور منع کیا کہ تم ان بھاگنے والوں سے روک ٹوک نہ کرنا اور نہ اس پر مجبور کرنا کہ وہ تمھارے ہی زیر سایہ مقیم رہیں۔

یہی آپ کی روش خوارج کے ساتھ بھی تھی، مال خراج میں ان کا جو حصہ ہوتا آپ انھیں عنایت کرتے اور جب تک وہ لوگ آپ کے پاس مقیم رہے آپ نے ان پر کوئی سختی نہ کی اور جس کسی نے آپ کے پاس سے جانا چاہا اُسے منع نہ کیا، نہ اپنے کسی عامل کو حکم دیا کہ راستہ میں ان سے تعرض کرے۔ دارالسلام میں وہ آزاد تھے۔ انھیں حق تھا کہ جہاں چاہیں قیام کریں، بس شرط یہی تھی کہ نہ زمین میں فساد برپا کریں نہ لوگوں پر زیادتی کریں۔ اگر وہ اسکے مرتکب ہوئے تو آپ نے بے رورعایت اور بغیر کسی نرمی کے خدا کا حکم ان میں نافذ کیا، ایسا بھی ہوا کہ کسی خارجی نے آپ کو دھمکی دی کہ میں آپ کے ساتھ نماز نہ پڑھوں گا، نہ آپ کی فرمانبرداری کروں گا، جیسا کہ خریت بن راشد نے کیا، آپ نے نہ اس پر تشدد کیا نہ روک ٹوک کی بلکہ آزاد چھوڑ دیا۔ جب وہ اپنے ساتھیوں کو لے کر نکلا تب بھی آپ ان کے جانے میں حائل نہ ہوئے۔ ہاں جب ان لوگوں نے زمین پر فساد پھیلانا شروع کیا تو آپ نے فوج بھیج کر پوری طرح سرکوبی بھی کر دی۔

غرضکہ آپ مکمل آزادی ہر شخص کا حق سمجھتے تھے اور کبھی آپ نے لوگوں کو اپنی اطاعت پر مجبور نہ کیا اور نہ ایسی باتوں پر زبردستی کی جسے وہ پسند نہ کرتے ہوں، آپ سختی اس وقت کرتے تھے جب وہ لوگ خدا کی نافرمانی کرتے، خدا کے حکم کی مخالفت کرتے یا زمین پر فتنہ وفساد برپا کرتے۔

(۲) دوسری بات جس پر علیؑ نے لوگوں کو مجبور نہ کیا وہ جنگ تھی۔

آپ کا نظریہ یہ تھا کہ ناکثین وقاسطین ومارقین سے جنگ کرنا مجھ پر اور مسلمانوں پر اسی طرح فرض ہے جس طرح معاندین ،مشرکین واہل کتاب سے جنگ ضروری ہے۔ لیکن اس جنگ پر آپ لوگوں کو مجبور نہ کرتے اور نہ حکومت کے دبدبہ سے کام لے کر انھیں لڑائی کی طرف ڈھکیلتے، آپ دعوت دیتے، تحریک کرتے، جو آپ کی آواز پر لبیک کہتا آپ اس سے خوش ہوتے، اسکی مدح وثنا کرتے، جو جان چراتا اسے وعظ ونصیحت کرتے، ترغیب دلاتے اور اس وعظ ونصیحت اور ترغیب میں کوئی کسر اٹھا نہ

رکھتے، آپ نے کسی کو جنگ جمل کے لیے مجبور نہ کیا، جنگ صفین کے لیے نہ خوارج سے لڑنے کے لیے، بلکہ جن لوگوں نے آپ کی معرفت رکھتے اور آپ کے حق کو پہچانتے ہوئے آپ کی آواز پر لبیک کہی انھیں کو لے کر ان لڑائیوں میں تشریف لے گئے۔

اگر آپ چاہتے تو حکومت کے رُعب وداب سے کام لے کر بہت بڑی فوج تیار کر سکتے تھے۔ ہر شخص کے لیے جنگ میں شرکت کو لازمی قرار دے سکتے تھے مگر اس قسم کی فوجی بھرتی جس پر لوگوں کو مجبور کیا جاتا ہے ابتک رائج نہ تھی۔ جو لوگ لڑائی سے جی چُرا رہے تھے انھیں آپ چاہتے تو روپیہ پیسہ دے کر ان لڑائیوں پر آمادہ کر سکتے تھے لیکن آپ نے یہ بھی نہ کیا، آپ کو یہ گوارا نہ ہوا کہ اپنے ساتھیوں کی خیر خواہی مال دے کر خریدیں، آپ کا واحد مقصد یہ تھا کہ جسے میری مدد کرنا ہو وہ پوری بصیرت اور کامل ایمان کے ساتھ میری مدد کرے۔

بلکہ آپ نے اس سے بھی زیادہ کیا۔ آپ اپنے ساتھیوں کو لڑائی کے مہلکوں میں لے کر گئے لیکن کسی مال غنیمت کی تقسیم ان میں نہ کی، سوا اس کے کہ دشمنوں کے آلات حرب اور گھوڑے جو ہاتھ لگے وہ تو آپ نے اپنے لشکر میں تقسیم کر دیے لیکن دوسری چیزیں چھونے نہ دیں۔ اس پر کسی کہنے والے نے کہا بھی کہ آپ دشمن کی جان لینا تو ہمارے لیے جائز قرار دیتے ہیں لیکن ان کا مال جائز نہیں قرار دیتے۔

آپ کا خیال تھا کہ یہ مسلمان مسلمان کی جنگ ہے مسلمان اور کافر کی جنگ نہیں، مسلمانوں سے جنگ کا مقصد بس یہی ہونا چاہیے کہ انھیں مجبور کر کے حکم خدا تک لایا جائے۔ اگر وہ آجائیں تو ان کی جان بھی محفوظ رہے گی اور مال بھی، اور کسی طرح یہ مناسب نہیں کہ انھیں غلام بنالیا جائے یا ان کے مال واسباب کو مال غنیمت قرار دیا جائے، کافروں سے جنگ جو ہوتی ہے وہ ایسی جنگ نہیں ہوتی

ان سرکش اور برسر پیکار مسلمانوں کے ساتھ آپ کے اس طرز عمل کو دیکھ کر کوئی تعجب نہیں کہ آپ کے ساتھی سُست پڑ گئے ہوں اور اہل شام سے لڑنے میں جی چراتے ہوں کیونکہ اس لڑائی میں مشقتیں تو پوری تھیں، موت کا سامنا بھی تھا لیکن منفعت کوئی نہیں۔ کیونکہ مال غنیمت ملنے کی امید نہ تھی اور ہم بخوبی جانتے ہیں کہ عرب کا رہنے والا جب بھی لڑائی کی سوچتا ہے تو اسکے ساتھ ہی مال غنیمت کو بھی سوچتا ہے۔ مال غنیمت کے بغیر لڑائی کا تصوّر اس کے دماغ میں نہیں آسکتا۔

ایسی ہی بات تو تھی جسکی وجہ سے خداوند عالم نے پیغمبرؐ خدا کی معیت میں مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب دلاتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا:
وعدکم اللہ مغانم کثیرۃ تاخذونہا۔ خداوند عالم نے تم سے بے شمار مال غنیمت کا وعدہ کیا ہے، جو تم حاصل کرو گے۔

غرضکہ ان دونوں باتوں میں امیر المومنینؑ نے اپنے ساتھیوں کو پوری آزادی دے رکھی تھی۔ ایک تو یہ کہ جی چاہے تو ہماری حکومت میں رہو جی چاہے تو چلے جاؤ کوئی روک ٹوک نہیں، دوسرے سرکش و برسر پیکار مسلمانوں سے لڑنے کے لیے ہم تمھیں مجبور نہیں کرتے، اگر تمھاری بصیرت، تمھارا ایمان متقاضی ہو تو لڑنے کے لیے چلو نہیں تو جاؤ۔'' (الفتنۃ الکبریٰ، جلد دوم، ڈاکٹر طہٰ حسین)

□□

انیسواں باب

امیرالمومنینؑ کی شہادت

جنگ صفین کے بعد امیرالمومنینؑ کی زندگی کوفہ میں حُزن واندوہ، مصائب وآلام کا مجموعہ ہو کر رہ گئی۔ دل زخمی، کلیجہ خون اور جان ضیق میں، ایک طرف آپ دیکھتے تھے کہ مسلمانوں پر حرص وہوس کا تسلط ہے، ہر شخص اپنی غرض کا بندہ ہے، حق سے انھیں کوئی سروکار نہیں، دوسری طرف یہ کیفیت دکھلائی دیتی کہ معاویہ کا باطل روز افزوں ترقی پر ہے، ان کے حالات ساز گار ہوتے جارہے ہیں اور ان کی سرکوبی کسی طرح نہیں ہونے پاتی، کیونکہ میری فوج والے میری کسی بات کو مانتے نہیں۔ میں حکم دیتا ہوں تو اطاعت نہیں کرتے، حق کی نصرت کے لیے انھیں بار بار بلاتا ہوں کوئی سنتا نہیں، راحت وآرام میں انھیں لذت ملنے لگی ہے، قبر سے گھبراتے ہیں اور موت سے نفرت ہے۔

انھیں ناگفتہ بہ حالات نے زندگی تلخیوں سے بھر دی اور آپ ہر لمحہ موت کی تمنا کرنے لگے۔ کوئی وقت ایسا نہ گزرتا جس میں آپ لوگوں سے جدائی اور رفیق اعلیٰ سے ملحق ہونے کی دعا نہ کرتے ہوں۔ کیونکہ ایسی زندگی اور ایسی سلطنت وحکومت جس میں عدل قائم نہ ہو اور ظالم سے مظلوم کا بدلہ نہ لیا جاسکے آپ کو مطلوب نہ تھی۔ نہ جانے آپ نے کتنی مرتبہ اس دنیا کو ٹھکرادیا اور حقارت بھرے انداز میں خطاب کیا: ''اے دنیا! کسی اور کو دھوکا دینا کسی اور کو مبتلائے فریب کرنا''۔

امیر المومنینؑ کے حزن اندوہ اور اس دنیا سے دل برداشتگی کو ان بقیہ اصحاب پیغمبرؐ کی موت نے اور زیادہ کر دیا تھا جو آپ کی نفسیاتی کیفیت سے واقف اور آپ ہی جیسا انداز فکر رکھتے تھے جیسے عمار ابن تیہان ذوالشہادتین اور انھیں ایسے اکابر مومنین۔ یہ بقیہ اصحاب مہاجرین وانصار کے وہ منتخب روزگار افراد تھے جنھوں نے دین کی حفاظت وبقا کے لیے اپنا خون پسینہ ایک کر دیا تھا، جن کی شاندار خدمات نے دین کی بنیادیں مستحکم کیں۔ اگر یہ لوگ زندہ ہوتے تو آپ کے لشکر میں ایسا ہولناک تفرقہ ہی نہ پڑتا جس نے جنگ کی بساط الٹ دی۔ امیر المومنینؑ ان اصحاب باوفا کو ہمیشہ یاد کرتے، اُن کی وفاداری واخلاص یاد کر کے آپ کی آنکھیں آبگوں ہو جاتیں۔ ان کی غیر موجودگی سے دل پر چوٹ لگتی، منبر کوفہ پر ایک مرتبہ خطبہ ارشاد فرمارہے تھے کہ ان اصحاب کا ذکر آگیا، آپ نے ٹھنڈی آہ بھرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

''۔۔۔۔۔۔بھلا ہمارے بھائی بندوں کو جن کے خون صفین میں بہائے گئے اس سے کیا نقصان پہونچا؟ کہ وہ آج زندہ موجود

نہیں ہیں یہی تھا کہ اگر وہ ہوتے تو تلخ گھونٹوں کو گوارا کرتے اور گندا پانی پیتے، خدا کی قسم وہ خدا کے حضور میں پہونچ گئے، اس نے ان کو پورا پورا اجر دیا اور خوف وہراس کے بعد انھیں امن وچین والے گھر میں اُتارا۔ کہاں ہیں؟ وہ میرے بھائی کہ جو سیدھی راہ پر چلتے رہے اور حق پر گذر گئے، کہاں ہیں عمار اور کہاں ہیں ابن تیہان اور کہاں ہیں ذوالشہادتین اور کہاں ہیں ان کے ایسے اور دوسرے بھائی کہ جو مرنے پر عہدو پیمان باندھے ہوئے تھے اور جن کے سروں کو فاسقوں کے پاس روانہ کیا گیا۔۔۔''

اس کے بعد حضرت نے اپنا ہاتھ ریش مبارک پر پھیرا اور دیر تک رویا کیے اور پھر فرمایا:

............آہ میرے وہ بھائی کہ جنھوں نے قرآن کو پڑھا تو اسے مضبوط کیا، اپنے فرائض میں غور وفکر کیا تو انھیں ادا کیا، سنت کو زندہ کیا اور بدعت کو موت کے گھاٹ اتارا، جہاد کے لیے انھیں بلایا گیا تو انھوں نے لبیک کہی اور اپنے پیشوا پر یقین کامل کے ساتھ بھروسہ کیا تو اسکی پیروی بھی کی۔ اس کے بعد حضرت نے بلند آواز سے پکار کر کہا: جہاد جہاد، اے بندگان خدا دیکھو! میں آج ہی لشکر کو ترتیب دے رہا ہوں جو اللہ کی طرف بڑھنا چاہے وہ نکل کر کھڑا ہو۔''(۱) (ترجمہ نہج البلاغہ مفتی جعفر حسین مطبوعہ لاہور)

(۱): نوٹ: اس خطبہ کے راوی کہتے ہیں کہ اس کے بعد حضرت نے دس ہزار کی سپاہ پر حسینؑ کو اور دس ہزار کی فوج پر قیس بن سعد کو اور دس ہزار کے لشکر پر ابوایوب انصاری کو امیر بنایا اور دوسرے لوگوں کو مختلف تعداد کی فوجوں پر سالار مقرر کیا اور آپ صفین کی طرف پلٹ کر جانے کا ارادہ رکھتے تھے۔ ایک ہفتہ بھی گذرنے نہ پایا تھا کہ ملعون، ابن ملجم لعنۃ اللہ نے آپ کے سر اقدس پر ضرب لگائی جس سے یہ تمام لشکر پلٹ گئے اور ہماری حالت ان بھیڑ بکریوں کے مانند ہوگئی جو اپنے چرواہے کو کھو چکی ہوں اور بھیڑیے ہر طرف سے اُچک کر لیجا رہے ہوں۔ (ترجمہ نہج البلاغہ جلد دوم مفتی جعفر حسین مطبوعہ لاہور)

ڈاکٹر طہٰ حسین لکھتے ہیں:

''امیر المومنینؑ جب اپنے سرداران لشکر اور افراد فوج سے مایوس ہو گئے تو انھیں بلا کر ان سے کھل کر باتیں کیں اور فرمایا کہ ''معاویہ کی طرف سے یہ جتنی زیادتیاں ہو رہی ہیں سب کے ذمہ دار وہ ہیں۔ ان کی تساہلی اور نافرمانی ہی کا نتیجہ ہے کہ معاویہ کی جرأتیں بڑھ گئیں اور کوئی دن خالی نہیں جاتا کہ وہ حدود مملکت پر لوٹ مار نہ کرتے ہوں۔ امیر المومنینؑ نے انھیں بتایا کہ مجھے اس خلافت کی کوئی خواہش نہ تھی۔ میں اس سے بار بار انکار کر رہا تھا۔

تم ہی لوگوں نے اس شدت سے مجبور کیا کہ مجھے یہ بوجھ اپنے کاندھوں پر لینا پڑا اور اب تم ہی لوگوں کی یہ کیفیت ہے کہ ظاہراً تو اطاعت وفرمانبرداری کا اظہار کرتے ہو اور دل میں مخالفت ونافرمانی کا تہیہ ہوتا ہے، میں نے بہت کچھ ڈھیل دی، تمھاری ہر سستی وکاہلی برداشت کرتا رہا مگر اب میرے صبر وتحمل کا پیمانہ لبریز ہو چکا ہے۔ میں نے یہ طے کر لیا ہے کہ چاہے تم لوگ جاؤ یا نہ جاؤ میں اپنے گھر والوں اور ہمدردوں کو لے کر اپنے دشمن سے لڑنے شام ضرور جاؤں گا اگر کوئی بھی نہ جائے گا تب بھی جاؤں گا اور اس وقت تک لڑتا رہوں گا جب تک موت نہ آ جائے۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرتؑ کی وہ اصل گفتگو یہاں نقل کر دی جائے جو بلاذری نے روایت کی ہے، حضرتؑ کی تقریر ان لوگوں کا حال آئینہ کر دیتی ہے جنھوں نے نافرمانی کر کے آپ کی تدابیر اتنی غارت کر دیں کہ قریش والے آپ کے متعلق طرح طرح کے خیال کرنے لگے اور آپ کے متعلق نت نئی باتیں کہی جانے لگیں اور یہ نوبت آ گئی کہ ان کے سامنے خدا کی نافرمانیاں ہوتیں مگر یہ لوگ نہ حق کے مٹنے پر غضبناک ہوئے نہ دین کی بربادی پر۔

امیر المومنینؑ نے فرمایا:

اے لوگو! تم ہی لوگوں نے مجھے اس بیعت خلافت کی طرف بلایا اور میں نے تمھاری بات رد نہ کی، پھر تم ہی لوگوں نے میری خلافت پر بیعت کی

میں نے اس کا سوال تم سے نہ کیا تھا۔خلافت قبول کرنے کے لیے شورش پسندوں نے ہنگامہ کھڑا کر دیا،خداوند عالم نے ان کی پریشانیوں سے نجات دی۔ان کے رخساروں کو ذلیل اور ان کی کوششوں کو ناکام اور ان کا انجام برا کیا۔ایک جماعت باقی رہ گئی جو اسلام میں فتنے ہوا،ہوس پر عمل اور نا منصفانہ فیصلہ کرتی رہی ،وہ جس چیز کی مدعی ہے اسکی سزاوار ہرگز نہیں،پھر بھی انکی یہ حالت ہے کہ جب ان سے آگے بڑھنے کو کہا جاتا ہے تو وہ آگے بڑھتے ہیں اور جب وہ بڑھتے ہیں توحق کو اس طرح نہیں پہچانتے جس طرح وہ باطل کو پہچانتے ہیں اور باطل کو اس طرح باطل نہیں سمجھتے جس طرح وہ حق کو باطل سمجھتے ہیں،میں تمھیں سرزنش کرتے اور سمجھاتے سمجھاتے تھک گیا۔تم مجھ سے صاف صاف کہو کہ تم کرنا کیا چاہتے ہو اگر تم میرے ساتھ دشمن کی طرف کوچ کرنے پر تیار ہوتو یہی میں چاہتا ہوں اگر نہیں چلنا چاہتے تو کھل کر کہہ دو کہ میں کوئی رائے قائم کر سکوں،خدا کی قسم اگر تم دشمن سے لڑنے کے لیے میرے ساتھ نہ چلوگے اور اس وقت تک ان سے جنگ نہ کروگے جب تک احکم الحاکمین ہمارے اور ان کے درمیان فیصلہ نہ کر دے تو میں خدا سے تمھارے حق میں بددعا کروں گا پھر میں دشمن کی طرف روانہ ہو جاؤں گا چاہے میرے ساتھ دس آدمی ہی کیوں نہ ہوں۔کیا شام کے اوباش اور دھوکے میں پڑے ہوئے لوگ گمراہی کی مدد کرنے اور باطل پر اکٹھا ہونے میں زیادہ ثابت قدم ہیں بہ نسبت تمھارے،درانحالیکہ تم ہدایت اور حق پر ہو،تمھارا یہ کیا خیال ہے اور کیا تمھاری دوا ہے،شام والے تمھارے ہی جیسے ہیں ایک مرتبہ مرنے کے بعد قیامت تک پھر دوبارہ زندہ نہ ہونگے''۔

معلوم ہوتا ہے امیرالمومنینؑ کے سرداران فوج وافسران لشکر شرمندہ ہوئے اور جی ہی جی میں انھیں بہت خفت محسوس ہوئی اور ڈرے کہ امیرالمومنینؑ نے جو کہا ہے کہیں کرنے پر بھی نہ تل جائیں اور تن تنہا یا مختصر جماعت کے ساتھ شام والوں سے لڑنے کے لیے چل کھڑے ہوں اور اسکی وجہ سے ہم لوگ ہمیشہ کے لیے ذلیل ہو جائیں،ہمارا دین بھی غارت اور ہمارے تمام معاملات بھی ستیاناس ہو جائیں،ان کے مقررین نے کھڑے ہو کر اپنی وفاداری کا یقین دلایا اور آپ کی پوری خیرخواہی کی۔ پھر آپ سے علیحدہ ہو کر آپ کو برا بھلا کہا اور پوری مستعدی سے اپنے وعدے کو نباہنے کے لیے سرگرم ہو گئے۔ہر رئیس قبیلہ نے اپنے قبیلہ والوں کو جمع کیا انھیں وعظ و نصیحت کی یہاں تک کہ ایک اچھا لشکر تیار ہو گیا۔سب نے جان دیدینے کا قول قرار کیا پھر حضرت علیؑ نے معقل بن قیس کو روانہ کیا کہ کوفہ و بصرہ اور ان کے مضافات سے لوگوں کو اکٹھا کریں،عراق سے باہر دیگر صوبہ جات کے عاملوں کو خط لکھے کہ ہمارے پاس آؤ تا کہ ہمارے ساتھ مل کر دشمن سے مقابلہ کے لیے چلو۔

زیاد بن خصفہ کو اپنے کچھ ساتھیوں کے ساتھ بطور ہراول روانہ کر دیا اور انھیں حکم دیا کہ شام کے سرحدی علاقوں پر حملہ کرو تا کہ شام والے خوفزدہ ہوں۔ علیؑ اپنی تیاریوں میں مشغول تھے اور تقدیر اپنا کام کر رہی تھی،آپ کی اور عراق والوں کی ہر تدبیر کو بے اثر بنا رہی تھی۔(الفتنۃ الکبریٰ جلد دوم)

دیکھئے ان مخلصین کی موت نے کس قدر گہرا اثر آپ کے دل پر کیا تھا اور کتنا بے پایاں آپ کا صدمہ وملال تھا۔ان احباب باوفا کے گذر جانے کے بعد اب جینے کا کوئی مزا باقی نہ تھا،نہ زندگی کی کوئی خواہش تھی،ہر وقت اپنے پروردگار سے یہی دعا رہتی کہ اس تلخ زندگی سے نجات عنایت ہو۔واقعہ شہادت سے پہلے امیرالمومنینؑ نے امام حسنؑ سے اپنی دعا کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

''میں گذشتہ شب بیدار تھا کہ دفعتہً میری آنکھ لگ گئی۔خواب میں رسولؐ اللہ نظر آئے۔میں نے عرض کیا یا رسولؐ اللہ! آپ کی امت سے مجھے کیسے کیسے مصائب وآلام اٹھانے پڑ رہے ہیں۔آنحضرت نے فرمایا تم ان پر بددعا کرو،میں نے خداوندعالم سے دعا کی:

''خداوندا مجھے ان لوگوں سے بہتر آدمیوں کا ساتھ عنایت فرما اور میرے بدلہ انھیں بدتر حاکم نصیب کر۔''

امیرالمومنینؑ کی دعا مستجاب ہوئی اور اس نور خدا سرچشمۂ رحمت الٰہی کے لیے وقت آ گیا ہے کہ اپنے مرکز کی طرف صعود کر جائے۔اور وہ روح جو روے زمین پر سب سے معزز و اشرف ترین روح تھی روح و ریحان جنۃ نعیم میں منتقل ہو جائے۔

جس زمانہ میں امیر المومنینؑ کی زندگی ان تلخیوں میں کٹ رہی تھی اور آپ سخت ترین آلام ومصائب سے دو چار تھے خوارج کی ایک جماعت (۱) مکہ معظمہ میں اکٹھا ہوئی۔ جنگ نہروان میں ان کے جو دوست احباب مقتول ہوئے تھے ان کا آپس میں تذکرہ کیا اور کہا کہ ان سب کا خون تین شخصوں پر ہے، علیؑ، معاویہ اور عمرو عاص، انھیں کے جنگ و جدال اور باہمی کشت و خون کے نتیجہ میں ہمارے ان رفیقوں کی جانیں گئیں لہذا ان تینوں کو انکے انتقام میں قتل کر ڈالنا ضروری ہے۔ عبدالرحمان بن ملجم حمیری نے کہا میں علی ابن ابی طالبؑ کو قتل کرنے کا ذمہ لیتا ہوں، عمرو بن بکر تمیمی نے کہا میں عمرو عاص کو قتل کر ڈالوں گا، حجاج بن عبداللہ صریمی نے کہا میں معاویہ کو ٹھکانے لگا دوں گا، ان سب نے متفقہ طور ۱۸ ر رمضان المبارک ۴۰ ھ کا دن مقرر کیا، ساتھ ہی وقت کی تعین بھی کی، یہ وقت صبح کی نماز کا تھا۔ یہ قول وقرار اور عہد و پیمان کر کے تینوں اپنے اپنے معینہ سمت کو روانہ ہو گئے۔

(۱): شاہ محمد علی حیدر کاکوروی اپنی سیرۃ علویہ میں لکھتے ہیں:

قبل بیان وقوع واقعہ شہادت جناب امیر سلام اللہ علیہ وآلہ، احادیث متعلق بہ اخبار شہادت نیز قاتل کا اشقی الا خرین ہونا۔ خود جناب امیرؑ کی جو پیشگوئیاں متعلق بہ شہادت ہیں ان کا بیان کر دینا ضروری ہے، اس بنا پر کہ لوگوں نے بوجہ اپنی سخت بدنفسی وخبث باطنی خواہ مخواہ جناب امیر علی مرتضیؑ کی ذات ستودہ صفات کو لائق بحث قرار دے لیا اور اپنی حروریت، ناصبیت اور امویت کی وجہ سے اعتراضات کرنا شروع کر دیئے، فضائل مثبتہ، صحیحہ، حقہ میں بیجا تاویلات اور ضعف پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ ایک طرف وقوع شہادت پر اظہار مسرت کیا جاتا ہے۔

اور دوسری طرف متاخرین میں سے مثل ابن حزم اٹھتے ہیں، وہ ابن ملجم ملعون کی خطاء اجتہادی کے قائل ہو جاتے ہیں۔ فنعوذ باللہ من شرورہ ومن سیّات اعمالہ۔ اس لیے اولاً ہم احادیث لکھتے ہیں پھر تفصیل واقعات شہادت بیان کریں گے وباللہ التوفیق۔

احادیث متعلق بہ شہادت جناب امیر علیہ السلام: حضرت عمار بن یاسر سے مروی ہے کہ ہم اور جناب امیر غزوہ ذات العشیرہ میں باہم رفیق تھے۔ جب آں حضرتؐ نے وہاں قیام اختیار کیا تو ہم نے بنی مدلج کے چند لوگوں کو ایک نخلستان میں چشمہ پر کام کرتے دیکھا۔ مجھ سے جناب امیرؑ فرمانے لگے اے ابا یقظان اگر تمھارا منشا ہو تو ہم قریب جا کر دیکھیں کہ یہ کیا کام کر رہے ہیں۔ ہم اس طرف گئے اور تھوڑی دیر تک دیکھتے رہے پھر ہم پر نیند کا غلبہ ہو گیا اور ہم نخلستان کی مٹی کے ڈھیر پر سو رہے، خدا کی قسم آنحضرتؐ نے جب ہم کو اپنے پاؤں کی ٹھوکر سے جگایا ہم غبار میں اٹے ہوئے تھے۔ اسی روز آنحضرتؐ نے جناب امیرؑ کو مٹی میں اٹا ہوا پا کر ابوتراب کا خطاب سے مخاطب فرما کر ارشاد کیا تھا کہ میں تم کو بدترین خلائق سے خبردار کر دوں، ہم نے عرض کیا یا رسولؐ اللہ ارشاد ہو۔ فرمایا کہ ایک تو قوم ثمود کا وہ شخص جس نے حضرت صالح پیغمبرؑ کی اونٹنی کی کونچ کاٹی تھی دوسرا اے علیؑ وہ شخص جو تیرے سر کے ایک طرف ضربت لگائے گا جس کے خون سے تمھاری یہ داڑھی تر ہو جائے گی۔ مسند امام احمد ومستدرک امام حاکم و تاریخ ابن عساکر و ابن جریر طبری۔ حاکم نے مستدرک میں اس کی تصحیح بھی کی ہے۔)

حضرت انس بن مالک سے مروی ہے کہ آنحضرتؐ نے جناب امیرؑ کے متعلق ارشاد فرمایا کہ یہ ہرگز نہ مریں گے جب تک کہ زندگی سے بیزار نہ ہو جائیں گے مگر مقتول یعنی شہید ہوں گے۔ (تاریخ ابن عساکر)

ابوالاسود دوئلی کہتے ہیں کہ جناب امیرؑ نے فرمایا کہ جب میں نے عراق کے سفر کے ارادہ سے رکاب میں پاؤں رکھا تو عبداللہ بن سلام نے آ کر مجھ سے پوچھا آپ کا قصد کہاں کا ہے؟ میں نے کہا عراق کا، کہنے لگا عراق آپ اس لیے جا رہے ہیں کہ وہاں تلوار کی دھار کا زخم پہونچے۔ جناب امیرؑ نے فرمایا

کہ میں نے آنحضرتؐ کو فرماتے سنا ہے کہ یہ ہرگز نہ مرے گا جب تک کہ زندگی سے بیزار نہ ہو جائے۔ (مسند بزاز و ابونعیم و کنز العمال)

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں نے آں حضرتؐ کو جناب امیرؑ سے بغلگیر ہو کر یہ فرماتے سنا ہے کہ میرا باپ قربان ہو یہ اکیلا شہید ہونے والا ہے۔ (مسند ابوالعلیٰ وصواعق محرقہ)

حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ جناب امیرؑ نے آن حضرت سے عرض کیا کہ آپ نے اُحد کے دن میں میری شہادت کو تاخیر میں ڈال کر فرمایا تھا کہ تیری شہادت آئندہ ہوگی اور جو شہید ہونے والا ہے وہ شہید ہوگا، پھر آں حضرتؐ نے فرمایا کہ جب تیری یہ داڑھی خون سے رنگین ہو جائے گی تو کیونکر صبر کرے گا، آں حضرتؐ نے اپنے دست مبارک سے جناب امیرؑ کی داڑھی اور سر کی طرف اشارہ فرمایا تھا، جناب امیرؑ نے عرض کیا کہ جب یہ بات میرے لیے ثابت ہو چکی تو اس سے زائد کون مسرت اور خوشی کی بات ہو سکتی ہے (تاریخ کامل ابن اثیر)

جناب امیرؑ کے قاتل کا اشقی الآخرین ہونا: حضرت صہیب سے مروی ہے کہ آنحضرتؐ نے جناب امیرؑ سے پوچھا اے علیؑ! اشقی الاولین کون شخص ہے؟ عرض کیا کہ جس نے حضرت صالح کی اونٹنی کے پیر کاٹے تھے۔ فرمایا سچ کہتے ہو پھر پوچھا اشقی الآخرین کون ہے؟ عرض کیا اللہ اور اس کا رسولؐ عالم تر ہے ،فرمایا، وہ شخص جو تیرے سر پر ضرب لگائے گا۔ (طبری و ابوالعلی و سیرت ملا عمر اردبیلی)

ایک روایت میں جناب امیرؑ سے اس قدر زائد مروی ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ میں چاہتا ہوں کہ تم میں کا وہ بدبخت اٹھے اور اس داڑھی کو سر کے خون سے رنگین کر دے۔ (صواعق محرقہ)

جناب امیرؑ سے مروی ہے کہ آں حضرتؐ نے مجھ سے اشقی الاولین کے متعلق پوچھا میں نے عاقر ناقہ صالح کو بیان کیا۔ پھر اشقی الآخرین کو پوچھا میں نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسولؐ عالم تر ہے تب آں حضرت نے فرمایا اشقی الآخرین تیرا قاتل ہے۔ (مسند امام احمد)

حضرت عمار یاسر سے مروی ہے کہ آن حضرتؐ نے فرمایا میں دو سخت بدبختوں کی خبر دیتا ہوں ایک حمیر ثمود جس نے ناقہ کی کونچ کاٹی تھی دوسرا اے علیؑ وہ شخص جو تیرے سر پر ضربت لگائے گا جس سے تیری داڑھی تر ہو جائے گی۔ (مسند امام احمد تاریخ ابن عساکر ابن جریر طبری، مستدرک امام حاکم)

جناب امیرؑ کی پیشگوئیاں متعلق بہ شہادت: ابن ابن منیع صاحب مسند لکھتے ہیں کہ زاذان سے مروی ہے کہ ایک روز میں مع چند لوگوں کے جناب امیرؑ کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ لوگوں نے جناب امیرؑ سے عرض کیا کہ آپ ذوالقرنین کا واقعہ بیان فرمائیں۔ جناب امیرؑ نے فرمایا کہ وہ ایک شخص تھے جن کو خدا نے ایسی قوم کی طرف مبعوث کیا تھا کہ جو شرک کرتے تھے اور سمجھتے تھے کہ ہم حق پر ہیں، ضلالت کی طرف جاتے اور اس کو ہدایت سمجھتے انھیں لوگوں نے ان کے سر پر داہنی جانب ضرب لگائی وہ مر گئے پھر خدا نے انکو زندہ کیا پھر انھوں نے بائیں طرف ضرب لگائی پھر وہ وفات پا گئے پھر جناب امیرؑ نے بلند آواز سے کہا کہ اہل نہروان ان لوگوں سے کم نہیں ہیں، جناب امیرؑ کا قاتل خارجی اہل نہروان سے تھا۔ اکثر حدیثوں سے ثابت ہے کہ آں حضرت نے جناب امیرؑ کو ذوالقرنین سے تشبیہ دی ہے جس کا مفصل بیان ناظرین کو حصہ سوم کتاب ہذا موسومہ بہ مناقب المرتضیٰ من مواہب المصطفیٰ سے معلوم ہوگا، جناب امیرؑ کی اس پیشینگوئی میں اسی طرف اشارہ ہے ،ابن سعید صاحب تفسیر لکھتے ہیں کہ عبیدہ سے مروی ہے کہ:

جناب امیرؑ فرمانے لگے کہ اس امت کے بدبخت شخص کو کس چیز نے روک رکھا ہے کہ وہ آ کر مجھے قتل کرے۔ خداوندا مجھے ان سے اور ان کو مجھ سے ملال پیدا ہو گیا ہے۔ مجھ کو ان سے راحت پہونچا اور ان کو مجھ سے راحت دے۔۔۔۔ جناب امیرؑ ایک مرتبہ کوفہ کی مسجد کے منبر پر تشریف فرما تھے لوگوں نے آیت **من المومنین رجال صدقو اما عاھدوا اللہ علیہ فمنھم من قضیٰ نحبہ و منھم من ینتظر** (مومنین میں سے بعض لوگ ایسے ہیں جنھوں نے سچ کر دیا اس بات کو جس پر اس سے عہد کیا تھا پس ان میں سے ایک وہ ہے جو اپنا وقت پورا کر چکا ہے۔ ایک ان میں سے وہ ہے جو انتظار میں ہے، کا شان نزول پوچھا، جناب امیرؑ نے فرمایا یہ آیت میرے اور میرے چچا حمزہ بن عبدالمطلب اور میرے ابن عم عبیدہ بن حارث ابن عبدالمطلب کے

حق میں نازل ہوئی۔عبیدہ بن حارث بدر کے دن اپنا وقت پورا کر چکے اور میرے چچا حمزہ احد کے دن وقت پورا کر چکے اب میں اس امت کے بد بخت کے انتظار میں ہوں کہ وہ اس داڑھی کو اس سر کے ،خون سے رنگین کرے اسکی نسبت میرے حبیب ابوالقاسمؐ نے پختہ عہد کیا ہے (ابن مردویہ وخواص الامہ لسبط ابن الجوزی وصواعق محرقہ)

ابوالطفیل عامر بن واثلہ الاسقع سے مروی ہے کہ جناب امیرؑ نے بیعت کے لیے لوگوں کو جمع کیا ،عبدالرحمان بن ملجم مرادی بھی بیعت کے لیے آیا ،جناب امیرؑ نے دومرتبہ اس کو واپس کیا اور فرمانے لگے اس امت کے بد بخت کو کون چیز روکے ہوئے ہے کہ اس داڑھی کو اس سر کے خون سے رنگین کرے ،پھر بطور مثل دو شعر پڑھے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ اپنے سینے کو موت کے لیے تان آنکہ موت تیرے لیے آنے والی ہے ،قتل ہونے سے مت خوف کر جب قاتل تیرے سامنے آجائے۔(طبقات ابن سعد وحلیۃ الاولیاء کامل ابن اثیر)

عبیدہ کہتے ہیں کہ جناب امیرؑ جب ابن ملجم مرادی کو دیکھتے تو فرماتے :

ارید حیوتہ ویرید قتلی عذیرك من خلیلك من مراد

کہ میں تو اس کی زندگی چاہتا ہوں اور یہ مجھ کو قتل کرنا چاہتا ہے۔یہ بے وفا میرا دوست قبیلہ بنی مراد سے ہے (طبقات ابن سعد)

عثمان بن مغیرہ سے مروی ہے کہ جب ماہ مبارک شروع ہوا تو جناب امیرؑ ایک روز حضرت امام حسنؑ ،دوسرے روز حضرت امام حسینؑ اور تیسرے روز عبداللہ بن جعفر طیار کے یہاں باری باری افطار کرنے لگے۔تین لقموں سے زائد کسی کے یہاں نوش نہ فرماتے اور فرمایا کرتے خدا کا حکم آنے والا ہے۔ایک دوراتوں کا اور معاملہ ہے۔میں اس امر کو دوست رکھتا ہوں کہ میرا پیٹ نہ بھرے۔(کامل ابن اثیر)

حسن ابن کثیر اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ جناب امیرؑ جب گھر سے باہر صبح کی نماز کے لیے جانے لگے تو بطین سامنے آکر چلانے لگیں ہم ان کو ہٹانے لگے ،جناب امیرؑ نے فرمایا ان کو چھوڑ دو یہ نوحہ کر رہی ہیں یہ فرما کر کہ تشریف لے گئے اور شہید ہوئے (مناقب امام احمد بن حنبل)

ابن اثیر اپنی تاریخ میں بعد اس واقعہ کے لکھتے ہیں کہ یہ امر اس پر دلالت کرتا ہے کہ جناب امیرؑ اپنی شہادت کے سال اور مہینہ اور وقت سے جس میں شہید ہوئے واقف تھے۔

ابوعبدالرحمٰن سلمٰی سے منقول ہے ،وہ کہتے ہیں کہ حضرت امام حسینؑ مجھ سے فرماتے تھے کہ جناب امیرؑ نے مجھ سے بیان کیا کہ آج کی رات کو خواب میں میں نے آں حضرتؐ کی زیارت کی۔میں نے عرض کیا یارسولؐ اللہ آپ کی امت سے اور مجھ سے کیا کیا خصومتیں اور جھگڑے پیش آئے۔آنحضرتؐ نے فرمایا تم خدا سے یہ دعا کرو کہ اے اللہ ان کے بدلہ میں مجھ کو ان سے بہتر لوگوں کی صحبت عطا کر اور میرے بدلہ میں ان لوگوں پر کسی بدترین شخص کو مسلط کر ۔پھر جناب امیر تشریف لے گئے اور ایک آدمی نے انکو شہید کیا۔(ابن اثیر وابوعمر بروایت حسن بصری سیرۃ علویہ ص ۴۹۱ تا ۴۹۷)

''برک معروف بہ حجاج بن عبداللہ تمیمی شام میں پہنچ کر معاویہ کی گھات میں لگا رہا ،جب وہ بغرض ادائے نماز فجر مسجد میں جانے لگے تو برک نے تلوار رسید کی جو سرین پر چھچھلتی ہوئی پڑی ،برک گرفتار کیا گیا۔معاویہ نے جب اس سے پوچھا ،کہنے لگا میں آپ کو ایک خوشخبری سناتا ہوں ،یقین ہے کہ آپ اس کو سن کر میری جان بخشی کر دیں گے ،معاویہ نے پوچھا ،اس نے بیان کیا: میرے ایک بھائی نے جناب امیرؑ کو آج قتل کر دیا ہوگا ،معاویہ کہنے لگے کہ وہ اس پر قادر نہ ہو سکے گا تجھ کو یقین کیسے ہے ؟اس نے جواب دیا کہ وہ بچ نہیں سکتے ان کا مار لینا کچھ مشکل نہیں کیونکہ ان کے ساتھ پہرہ وغیرہ کچھ نہیں رہتا یہ سنکر معاویہ نے اس کو قتل کر دیا۔بعض مورخین کا قول ہے کہ ہاتھ پیر کٹوا کر زندہ چھوڑ دیا۔پھر طبیب کو بلا کر زخم دکھایا ،اس نے جواب دیا دو ہی

علاج ہیں یا داغ دیا جائے یا مشروب دوا پی جائے۔ دوا پینے سے آئندہ سلسلہ توالد وتناسل منقطع ہو جائے اس لیے کہ رگ رجو لیت کٹ گئی ہے۔ معاویہ نے دوا پینا پسند کیا۔ عمر ابن ابی بکر مصر روانہ ہوا۔ ابن العاص کی گھات میں بیٹھا رہا۔ اتفاق سے وہ اس روز علیل ہو گئے۔ نماز پڑھانے کے لیے مسجد میں نہ آ سکے۔ خارجہ بن حبیب کو نماز کے لیے بھیجد یا یہ مسجد جا رہے تھے کہ عمر بن ابی بکر نے شہید کر دیا۔ لوگ اس کو پکڑ کر عمرو ابن العاص کے پاس لائے انھوں نے پوچھا کیا ہے۔ جب معلوم ہوا کہ خارجہ دھوکے میں قتل ہو گئے تو عمرو ابن العاص، ابن ابی بکر سے کہنے لگے تو نے مجھے قتل کرنا چاہا اللہ نے خارجہ کو موت دی۔ پھر ابن ابی بکر کے قتل کا حکم دیا۔ چنانچہ وہ قتل کر دیا گیا۔''

(سیرۃ علویہ شاہ محمد علی حیدر ص ۴۹۸۔ طبقات ابن سعد وطبری وابن خلدون وابن اثیر واستیعاب وتاریخ الخلفاء)

ابن ملجم کوفہ پہونچا اور اپنی عم زاد بہن قطام کے یہاں آیا جس پر عرصہ سے فریفتہ وشیدا تھا۔ اس قطام کے باپ اور بھائی جنگ نہروان میں مقتول ہوئے تھے اور اسی دن غم وغصہ کی آگ اس کے سینہ میں فروزاں تھی، پھر عقائد بھی اس کے انھیں خارجیوں جیسے تھے، ابن ملجم نے اس کے یہاں پہونچکر نکاح کا پیغام دیا۔ قطام نے کہا میں اسی شخص سے نکاح کروں گی جو میرے سینے کی آگ ٹھنڈی کر دے اور میری دلی مراد پوری کرے۔ ابن ملجم نے کہا تم جو بھی مہر مانگو گی میں اسے پورا کروں گا۔ قطام نے کہا میرا مہر یہ ہے: تین ہزار درہم، ایک غلام اور مطربہ لونڈی اور علیؑ کا سر۔ ابن ملجم نے کہا اور چیزیں جو تم نے طلب کی ہیں وہ تم کو میں ابھی حاضر کر سکتا ہوں مگر علیؑ کا قتل مشکل ہے۔ قطام کہنے لگی علیؑ کو قتل کرنا کیا مشکل ہے، اگر تم نے انھیں قتل کر ڈالا تو میرا کلیجہ ٹھنڈا کر دو گے اور تمھاری زندگی خوشگوار ہو گی اور اگر ہلاک ہو گئے تو خدا کے یہاں تم کو بے حساب ثواب ملے گا۔ اور جو کچھ دنیا میں حاصل کرنا چاہتے ہو اس سے بہتر اور افضل وہاں مل جائے گا۔ ابن ملجم نے جب دیکھا کہ قطام کا واقعی یہی منشا ہے تو کہا میں اس شہر میں اسی قصد کو لے کر آیا ہوں۔ امیر المومنینؑ کی زندگی کو قطام کا مہر قرار دینے کے متعلق فرزدق کہتا ہے:

''میں نے کسی فیاض شخص کو نہ عرب میں نہ عجم میں ایسا مہر دیتے نہیں دیکھا جیسا قطام کا مہر تھا۔ تین ہزار درہم، ایک غلام ایک خوش گلو کنیز اور زہر آلود تلوار سے علیؑ کے سر پر ضربت۔ کوئی مہر علی مرتضیٰؑ سے زیادہ گراں نہیں چاہے کتنا ہی گراں کیوں نہ ہو اور نہ کوئی ناگہانی حملہ ابن ملجم کے ناگہانی حملہ سے بڑھ کر ہے۔'' (مستدرک امام حاکم ج ۳ ص ۱۴۳، نور الابصار ص ۹۵)

امیر المومنینؑ کے بعض اصحاب کو اندیشہ پیدا ہو گیا تھا کہ خوارج کہیں دھوکہ فریب سے اچانک آپ پر حملہ نہ کر دیں۔ انھوں نے امیر المومنینؑ سے اصرار کیا کہ آپ اپنے لیے کچھ حفاظتی پہریدار رکھیں کہ جب بھی آپ مسجد نماز پڑھنے کے لیے جائیں یا کسی کام سے باہر نکلیں یہ پہریدار آپ کی حفاظت کیا کریں آپ نے انکار کیا اور فرمایا:

''میرے لیے خدا کی طرف سے مضبوط سپر ہے، جب میری موت کا دن آ جائے گا مجھ سے یہ سپر ہٹ جائے گی اور مجھے

موت کے حوالہ کردیگی اس وقت نہ تو کوئی تیر رائگاں جائے گا نہ کوئی زخم اچھا ہوگا۔

رمضان المبارک کا مہینہ آنے پر امیر المومنینؑ کا یہ احساس ترقی کر گیا کہ اسی مہینہ میں بارگاہ احدیت میں مجھے حاضر ہونا ہے۔آپ امام حسنؑ و امام حسینؑ اور اپنے بھتیجے اور داماد عبداللہ بن جعفر کے یہاں باری باری سے افطار کرتے۔غذا تین لقموں سے زائد نہ ہوتی اور اس قلت غذا کا یہ سب بیان فرماتے کہ

''میں چاہتا ہوں کہ جب میری موت آئے تو میں شکم خالی ہوں''۔(تاریخ کامل جلد ۳ ص ۱۶۸)

جس شب کی صبح کو آپ زخمی ہوئے وہ ساری شب بےچینی میں کٹی۔صحن مکان میں بار بار ٹہلتے، چہرہ اترا ہوا اور جسم مبارک بید کی طرح لرزاں۔ستاروں کی طرف بار بار نظر جاتی اور جوں جوں وقت گزرتا جاتا حزن واندوہ ترقی کرتا جاتا، اس شب میں جو عظیم ترین سانحہ پیش آنے والا تھا اس کی پیشین گوئی کرتے ہوئے فرماتے:

''مجھ سے جھوٹ نہیں کہا گیا۔ مجھے غلط نہیں بتایا گیا یہی وہ رات ہے، جس کا مجھ سے وعدہ کیا گیا ہے۔''(صواعق محرقہ ص ۸۰)

یہ پوری رات اندوہ قلق میں گذری۔آپ اپنے پروردگار سے استغفار کرتے ،کلام مجید کی آیتیں تلاوت کرتے۔کچھ رات باقی تھی کہ امیر المومنینؑ نے وضو کر کے مسجد کی راہ لی۔گھر میں بطیں پلی ہوئی تھیں، انھوں نے آپ کو جاتے دیکھکر چیخنا شروع کیا آپ نے فرمایا:

''چیخنے والیاں ہیں ان کے عقب ہی میں رونے والیوں کی آوازیں بلند ہوں گی۔''(مروج الذہب ج ۲ ص ۲۹۱)

رات رہے امیر المومنینؑ کو جاتے دیکھ کر امام حسنؑ نے گھبرا کے پوچھا:

''یہ آپ اس وقت کیوں تشریف لے جارہے ہیں؟''

''میں نے اس شب ایک خواب دیکھا ہے جس نے مجھے بہت سراسیمہ کر دیا ہے۔''

''آپ نے اچھا ہی خواب دیکھا ہوگا اور بہتر ہی اس کی تعبیر ہوگی مجھ سے ارشاد فرمائیں''

''میں نے دیکھا کہ جبریل آسمان سے کوہ ابوقبیس پر اترے اس سے دو پتھر اٹھائے اور انھیں لیکر کعبہ کی طرف گئے دونوں پتھروں کو ٹکرایا اور وہ سرمہ بن گئے۔مکہ و مدینہ کا کوئی گھر ایسا نہیں بچا جہاں اس خاک کا کچھ حصہ نہ پہونچا ہو۔''

''بابا اس خواب کی تعبیر کیا ہے؟''

''اگر میرا خواب سچا ہے تو میں قتل ہوں گا اور مکہ و مدینہ میں کوئی گھر ایسا نہ ہوگا جہاں میرا غم نہ پہونچے۔''

امام حسنؑ بے چین ہو گئے۔رقت بھری آواز سے پوچھا:

''یہ واقعہ کب ہوگا؟''

''امیرالمومنینؑ نے فرمایا:

''خداوند عالم کا ارشاد ہے۔'' بیشک خدا ہی کے پاس قیامت (کے آنے کا) علم ہے اور وہی پانی برساتا ہے اور جو کچھ عورتوں کے پیٹ میں (نرومادہ) ہے جانتا ہے اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کل خود کیا کرلے گا اور کوئی شخص یہ بھی نہیں جانتا کہ وہ کس سرزمین پر مرے گا بیشک خدا سب باتوں سے آگاہ و خبردار ہے (سورۂ لقمان آیت ۳۴) لیکن مجھ سے میرے حبیب پیغمبرؐ خدا نے بتایا تھا کہ یہ واقعہ ماہ مبارک عشرۂ آخر میں ہوگا۔ اور مجھے عبدالرحمان بن ملجم قتل کرے گا۔''

''جب آپ یہ جانتے ہیں تو اسے قتل کیوں نہیں کر ڈالتے''؟

''جرم کے قبل قصاص جائز نہیں اور جرم اس سے اب تک سرزد ہوا نہیں''۔

امیرالمومنینؑ نے قسمیں دیکر اما حسنؑ کو بستر راحت پر واپس کیا اور خود مسجد کی طرف روانہ ہوئے (استیعاب ابن عبدالبر میں ہے کہ امام حسنؑ بھی پدر بزرگوار کے ساتھ گئے اور آپ سے جدا نہ ہوئے تھے، قطام نے گفتگو کے بعد اپنے قوم کے ایک شخص وردان نامی کو ابن ملجم کی مدد کے لیے ساتھ کر دیا ابن ملجم نے شبیب بن بجیرۂ اشجعی سے ملاقات کی اور کہا:

''تم ایسے کام میں میری مدد کرنے پر تیار ہو جو دنیا و آخرت دونوں میں شرف کا باعث ہے؟''

''وہ کیا؟''

''علی ابن ابی طالبؑ کا قتل!''

''تمھاری ماں تمھارے ماتم میں بیٹھے یہ تو بہت بڑی بات کہہ رہے ہو، تم انکو قتل کروگے کیسے؟

''میں مسجد میں چھپ کر بیٹھ رہوں گا۔ جب وہ صبح کی نماز پڑھنے کے لیے آئیں گے ہم حملہ کر کے مار ڈالیں گے۔ اگر کوئی دوسرا ہوتا تو آسان بات تھی، تم علیؑ کی سابقیت فضل و شرف اور انکی اسلامی خدمات سے واقف ہو میں تو ان کے قتل پر ہرگز تیار نہ ہوسکوں گا۔

''کیا تم نہیں جانتے کہ علیؑ نے نہروان کے لوگوں کو قتل کیا، جو نیکوکار بندگان خدا تھے؟''

ہاں یہ بات تو ہے۔''

''تو ہم علیؑ کو اپنے انھیں اصحاب کے عوض قتل کریں گے۔''

تنیوں پھر مل کر قطام کے پاس آئے جو کوفہ کی مسجد اعظم کے پاس خیمہ ڈالے حالت اعتکاف میں مقیم تھی۔ قطام نے دعا دی

اور رخصت کیا۔ یہ تینوں تلوار نکالے نماز صبح کے اول وقت اپنے مقصد کی تکمیل کی غرض سے چلے اور مسجد کے اس دروازہ کے پاس آ کر چھپ رہے جس دروازے سے امیر المومنینؑ نماز کے لیے تشریف لاتے تھے۔

ان تینوں نے اپنے ارادے سے اشعث بن قیس کو مطلع کر دیا تھا اور اشعث بن قیس نے ان کی تائید کی اور اس رات خود بھی ان کی مدد کے لیے موجود رہا۔

''مولانا ابوالکلام آزاد انسانیت موت کے دروازہ پر'' میں رقمطراز ہیں کہ ''رات بھر ابن ملجم اشعث بن قیس کندی کی مسجد میں اس کے ساتھ باتیں کرتا رہا''

حجر بن عدی بھی اس رات کو مسجد میں موجود تھے۔ انھوں نے اشعث کو ابن ملجم سے کہتے سنا ''بھاگو۔ بھاگو صبح نے تمھیں رسوا کر دیا۔''

حجر بن عدی اشعث کی اس سازش کو سمجھ گئے، تیزی سے نکلے کہ امیر المومنینؑ کو چل کر خبر دار کریں مگر قبل اس کے کہ وہ امیر المومنینؑ تک پہونچ پاتے حضرت دوسرے دروازے سے مسجد میں داخل ہو چکے تھے۔ ابن بناح موذن آگے تھے حضرت امام حسنؑ پیچھے، عادت میں داخل تھا کہ جب نماز فجر کے لیے تشریف لے جاتے تو درّہ ہاتھ میں ہوتا اور پکارتے چلتے کہ نماز کو چلو۔ جناب امیرؑ نے جیسے ہی مسجد کے دروازہ میں قدم رکھا اولاً شبیب نے سامنے آ کر تلوار کا ہاتھ چھوڑا۔ تلوار دروازہ کے بازو پر پڑی شبیب بھاگا۔ پھر ابن ملجم مردود نے حملہ کیا اور پکار کر کہا۔

''اے علیؑ حکم خدا کا ہے، نہ تمھارا ہے نہ تمھارے دوستوں کا۔ تلوار سر مبارک کے اگلے حصہ پر پڑی، زخم آیا خون کا فوّارا جاری ہو گیا۔ (طبری وابن خلدون وابن اثیر و مسعودی و خمیس سیرۃ علویہ ص ۵۰۲)

زخم کھاتے ہی آپ کی زبان سے نکلا: ''فزت برب الکعبۃ'' خدا کی قسم میں کامیاب ہو گیا، نیز پکارے:

قتلنی ابن الیھودیّہ عبد الرحمان بن مُلجم فلا یفو تنکم۔

(یہودیہ کے بیٹے عبد الرحمان بن ملجم نے مجھے قتل کر ڈالا۔ بھاگ کر جانے نہ پائے۔)

زخمی ہوتے ہی مسجد میں قد قتل امیر المومنینؑ کا ایک شور برپا ہوا۔ ہر طبقہ کے لوگ روتے چلاتے مسجد کی طرف دوڑ پڑے۔ آگے آگے فرزندان امیر المومنینؑ تھے، مسجد میں پہونچکر یہ منظر دکھائی دیا کہ امامؑ اپنے مصلے پر خون میں غلطان پڑے ہیں۔ جعدہ بن ہبیرہ امیر المومنینؑ کے بھانجے اور دوسرے لوگ حلقہ کیے ہوئے آپ کو نماز کے لیے کھڑا کرنا چاہتے ہیں اور آپ کو طاقت نہیں ملتی۔ امیر المومنینؑ کی نظریں جب امام حسنؑ پر پڑیں تو آپ نے انھیں لوگوں کو نماز پڑھانے کا حکم دیا اور خود بیٹھ کر نماز تمام کی۔ (مطالب السؤل فی مناقب آل الرسول ص ۶۳)

مورخین کا اس امر میں اختلاف ہے کہ حضرت حالت نماز میں مقتول ہوئے یا قبل نماز کے۔ عام تاریخوں میں یہ روایت اس طرح پائی جاتی ہے کہ نماز صبح کے لیے امیر المومنینؑ مسجد کے دروازہ میں داخل ہوئے تو پہلے ابن ملجم کے ساتھی شبیب نے اپنی تلوار سے جناب امیرؑ پر وار کیا وہ وار خالی گیا اور اس کی تلوار دروازہ مسجد پر پڑی تو ابن ملجم نے اپنا وار کیا اور وہ وار کاری بیٹھا۔ یہ روایت اسی طرح طبری، ابن کثیر شامی، تاریخ ابن خلدون وغیرہ میں درج ہے لیکن غور تو کرو وہ شجاع جس نے عرب کے بہادروں کو زیر کیا، جس نے عمرو ابن عبدود جیسے پہلوان کی سرعت اور پھرتی کو زیر کیا ایک وار خالی جانے کے بعد بھی اتنا ہوشیار نہ ہوا کہ ابن ملجم کو دوسرا وار کرنے سے روکتا۔ یہ لوگ روایتیں وضع کرتے وقت چاروں طرف سے چوکنے نہیں رہتے۔

بہت سے مورخین کا قول ہے کہ ایک رکعت پڑھ کر جب پہلے سجدہ سے سر اٹھایا ہے اس وقت ابن ملجم نے تلوار لگائی ۔(تاریخ الخمیس، تاریخ کامل، ریاض نضرہ، تاریخ طبری وغیرہ)

وردان یہاں سے بھاگ کر اپنے گھر میں چھپ رہا۔ گھر والوں سے اس واقعہ کو بیان کیا، ایک شخص نے یہ سنکر تلوار اٹھائی اور وردان کو وہیں قتل کر دیا۔ شبیب تاریکی میں بھاگا چلا جاتا تھا لوگ اس کے تعاقب میں دوڑ رہے تھے عویمر حضرمی نے اسکو پکڑ لیا تلوار چھین لی اور اس کو گرا کر اس پر چڑھ بیٹھا۔ پکڑنے والے جب قریب آئے تو عویمر حضرمی کو یہ خوف پیدا ہوا کہ مبادا میرے ہاتھ میں تلوار دیکھ کر لوگ مجھی کو قاتل نہ خیال کریں یہ سوچ کر اس نے شبیب کو چھوڑ دیا اور خود لوگوں میں مل گیا شبیب موقع پا کر چلتا ہوا کوئی شخص اس کو گرفتار نہ کر سکا۔ (ابن اثیر)

ابن ملجم جناب امیرؑ کو زخمی کر کے چاروں طرف تلوار چلاتا ہوا بھاگتا پھرتا کسی کی ہمت پکڑنے کی نہ پڑتی تھی، دور ہی سے لوگ ڈھیلے اور پتھر اس کے مارتے تھے، مغیرہ بن نوفل نے اسکو اس طرح پکڑا کہ پھُرتی سے اپنی چادر اس پر ڈالدی اور دبا بیٹھے تلوار چھین لی پھر لوگوں نے آکر اسکی مشکیں کسیں۔ (تاریخ خمیس)

جب آفتاب نکل آیا تو لوگ جناب امیرؑ کو مکان پر اٹھا لائے (ابن خلدون) اسی وقت لوگ ابن ملجم کو گرفتار کر کے جناب امیرؑ کی خدمت میں لائے۔ جناب امیرؑ نے اس سے فرمایا:

''اے دشمن خدا کیا میں نے تیرے ساتھ کبھی کوئی نیکی نہیں کی تھی؟''

ابن ملجم کہنے لگا:

''بے شک آپ کے انعامات کا بار میری گردن پر بہت کچھ ہے''۔

فرمایا:

''کیا انھیں احسانات کا یہ بدلہ ہے جوتو نے کیا ہے۔''

وہ مردود کہنے لگا: میں نے یہ تلوار چالیس روز تک تیز کی ہے اور خدا سے دعا مانگتا تھا کہ اس سے وہ شخص مارا جائے جو سب سے زیادہ بدتر ہے۔

امیرالمومنینؑ نے فرمایا:

''میں دیکھتا ہوں کہ تو بھی اس سے مارا جائے گا اور تو ہی بدترین خلائق ہے۔''

اسد الغابہ میں ہے کہ ابن ملجم جب گرفتار ہوکر آیا تو جناب امیرؑ نے فرمایا اسکو قید میں رکھو، کھانا اچھا دو، نرم بستر پر سلاؤ اگر میں زندہ رہا تو اپنے خون کا ولی ہوں گا اگر چاہوں گا تو معاف کر دوں گا یا قصاص لوں گا اگر مر جاؤں تو اسکو بھی قتل کر دینا میں خدا کی جناب میں اس سے خود جھگڑ لوں گا۔

کامل ابن اثیر میں ہے کہ آپ نے حاضرین سے فرمایا کہ جان کا بدلہ جان ہے اگر میں مرجاؤں تو صرف قاتل کو مار ڈالنا اگر زندہ رہا تو اپنی رائے سے مقدمہ میں حکم دوں گا۔ اے بنی عبدالمطلب مسلمانوں کی خونریزی میں نہ پڑ جانا اور یہ حیلہ اُٹھا کر کہ امیرالمومنینؑ قتل ہوئے عام کشت وخون نہ برپا کرنا۔

آپ کی صاحبزادی کلثوم نے ابن ملجم سے فرمایا:

''اے دشمن خدا میرے باپ کا کوئی نقصان نہیں ہوا تجھ کو اللہ قیامت کے دن رسوا کرے گا''۔

وہ کہنے لگا:

''پھر تم کیوں روتی ہو۔ بخدا میں نے یہ تلوار ایک ہزار میں مول لی تھی۔ چالیس روز برابر زہر میں بجھاتا رہا۔ ایک ہزار بجھوائی دیئے اگر تمام اہل شہر پر اس کا ایک وار پڑ جاتا تو ان میں سے ایک بھی زندہ نہ بچتا۔''(۱)

---

(۱): مسلمانوں کی موجودہ کتب تاریخ کے مطالعہ کے وقت اس بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ ان کا منبع ومخرج وہ پرانی کتب تاریخ ہیں جن کو شاہان بنی امیہ خصوصاً معاویہ اور عبدالملک نے اپنے وظیفہ خواروں اور درباریوں سے مثل امام زہری کے اپنی زیرنگرانی اور اپنی خواہش کے مطابق لکھوادیا۔۔۔ان کتابوں میں اس امر واقعہ کی تلاش کہ معاویہ نے عبدالرحمان بن ملجم کو قتل امیرالمومنینؑ پر مامور کیا تھا بےسود ہوگی لیکن وہ محرکین جو حق کو آبائی مذہب پر ترجیح دیتے ہیں واقعات اور انھیں کتابوں کے سیاق وسباق سے معلوم کرلیں گے کہ معاویہ نے انعام واکرام کا لالچ دیکر اس کو قتل امیرالمومنین پر مامور کیا۔ یہ ضرور ہے کہ اس نے واقعہ نہروان کی مدد سے ابن ملجم کے مذہبی جوش کو بھڑکایا اور یقین دلایا کہ اگر تو بچ گیا تو انعام واکرام تیرا ہی ہے اور اگر نہ بچا تو تیرے لیے جنت کا راستہ تو سیدھا کھلا ہوا ہے۔

اموی ترتیب وترغیب کے زیر اثر لکھی ہوئی کتابوں میں یہ واقعہ اس طرح پایا جاتا ہے کہ ''تین خوارج عبدالرحمان بن ملجم، برک بن عبداللہ اور عمر وبن بکر التمیمی خانہ کعبہ میں جمع ہوئے اور نہروان کے مقتولین کو یاد کر کے بہت روئے اور آپس میں فیصلہ کیا کہ علیؑ ومعاویہ اور عمروعاص کو قتل کر دیا جائے۔ ابن

ملجم حضرت علیؑ کے لیے، برک بن عبداللہ معاویہ کے لیے اور عمرو بن بکر التمیمی عمرو بن العاص کے لیے مقرر ہوئے اور اپنے اپنے مطلوب کے شہر کو روانہ ہوئے ۔ یہ قرار پایا تھا سترھویں رات رمضان کی گزرنے کے بعد نماز صبح میں قتل کیا جائے ۔ عبدالرحمان بن ملجم کوفہ آیا ۔ اپنے رشتہ داروں کے گھر پر ٹھہرا، وہاں قطام کو دیکھکر پہلی ہی نظر میں ایسا مفتون ہوا کہ اپنے تئیں بھول گیا، نکاح کا پیغام دیا، قطام نے امیرالمومنینؑ کے قتل کی شرط اپنے مہر کے ساتھ لگائی، اس نے کہا کہ مہر تو میں ابھی ادا کر دیتا ہوں قتل علی مشکل ہے تو چاہتی ہے کہ میں بھی مرجاؤں ۔ قطام نے اصرار کیا پھر اس کو یاد آیا کہ میں کوفہ میں تو قتل علیؑ ہی کے لیے آیا ہوں اور قطام سے کہا مجھے یہ بھی منظور ہے ۔ سترھویں رمضان کی رات کو شبیب وابن ملجم کوفہ کی مسجد اعظم میں گئے ۔ وہاں قطام بھی معتکف تھی ۔ اس نے اپنا آدمی وردوان ساتھ کر دیا ۔ جب حضرت علیؑ مسجد کے دروازہ میں داخل ہوئے تو پہلے شبیب نے وار کیا ۔ وہ وار خالی گیا اور تلوار دروازے پر پڑی پھر ابن ملجم نے سر اقدس پر تلوار ماری اور وہ کارگر ہوئی ۔

برک ابن عبداللہ نے معاویہ پر بحالت نماز وار کیا اس کی سرین پر تلوار اچٹتی ہوئی پڑی برک نے کہا کہ اگر جان بخشی ہو تو ایک خوشخبری سناؤں ۔ اب اسی وقت میرے ساتھی نے علیؑ کو قتل کر ڈالا ہے، معاویہ نے کہا کہ وہ کیونکر ان پر قابو پائے گا، برک نے کہا کہ علیؑ کے ساتھ محافظ نہیں ہوتا لیکن معاویہ نے اسکو قتل کرا دیا ۔

عمرو بن بکر مصر میں عمرو ابن العاص کو نہ قتل کر سکا کیونکہ اس دن وہ نماز پڑھانے نہ آیا اس کی جگہ خارجہ ابن حبیب نماز پڑھا رہا تھا وہ قتل ہوا ۔

ان واقعات کے لیے دیکھو تاریخ طبری الجزء السادس ص ۸۳ ۔ تاریخ ابوالفداء الجزء الاول ص ۸۰ تاریخ ابن کثیر شامی الجزء السابع ص ۳۲۶ ۔ قطام چچا زاد بہن ابن ملجم کی تھی جیسا کہ مسعودی مورخ نے اپنی تاریخ مروج الذہب الجزء الثانی میں تحریر کیا ہے ۔ قطام کے حسن کے رعب میں ابن ملجم بالکل بھول گیا کہ یہ کوفہ میں قتل علیؑ کے لیے آیا تھا ۔ ابن کثیر شامی اپنی تاریخ میں لکھتا ہے ۔ فلمّا راھا ابن ملجم سلبت عقله ونسی حاجته الّتی جاء لها ۔ (البدایہ والنھایہ فی التاریخ الجزء السابع ص ۳۲۶)

جب ابن ملجم نے قطامہ کو دیکھا تو اسکی عقل سلب ہوگئی اور جس کام کے لیے وہ آیا تھا (قتل علیؑ) اسکو بھول گیا ۔ اب ان روایات پر غور کرنا چاہیے ۔ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ قطام کو محض زیب داستان کے لیے لایا گیا ہے ۔ عبدالرحمان بن ملجم کی وہ چچا زاد بہن تھی، کیا اب تک اس کو اپنی چچا زاد بہن کے حسن و جمال کی خبر نہ تھی ۔ کیا اس سے پہلے کبھی اس نے قطام کو دیکھا ہی نہ تھا کہ اب پہلی نظر میں اس کا اتنا گرفتار ہوگیا کہ جس کام کے لیے وہ آیا تھا یعنی قتل علیؑ اسکو ہی بھول گیا جانتا تھا کہ جان جوکھوں کا کام ہے ۔ علیؑ کے قتل کرنے میں میری جان کب بچے گی ۔ پھر خطبہ و نکاح سے کیا فائدہ ۔ جب قطام نے یہ شرط پیش کی تو اس نے یہ کیوں کہا کہ مہر تو ابھی ادا کر دیتا ہوں لیکن قتل علیؑ مشکل ہے حالانکہ قتل علیؑ کے ارادہ سے آیا تھا ۔ قطام کا عبدالرحمان ابن ملجم کی چچا زاد بہن ہونا مسعودی نے حتمی لکھا ہے اور کسی تاریخ میں اسکی تردید نہیں ۔

حیدر علی حنفی اپنی سیرۃ علویہ حصہ اول میں لکھتے ہیں کہ:

حدیقہ حکیم سنائی ومناقب مرتضوی میں ہے کہ عبدالرحمان ابن ملجم نے جناب امیرؑ کو معاویہ کے حکم سے شہید کیا، محاضرات راغب اصفہانی میں ہے کہ معاویہ نے جناب امیرؑ کی خبر شہادت سن کر بغرض اظہار فرحت ایک کنیز مغنیہ کو گانے کا حکم دیا اور اس سے اپنے خلاف منشا مدح امیرالمومنین علیؑ مرتضیٰ سن کر اسکے سر پر گرز مارا ۔ (سیرۃ علویہ جلد اول ص ۵۲۲)

مناقب مرتضوی میں کشفی کے الفاظ یہ ہیں:

''قدوۃ المحققین حکیم سنائی حنسپیں تحقیق نمود کہ بموجب گفتہ معاویہ ابن ملجم امیرالمومنینؑ را بدرجۂ شہادت رسانیدہ'' (ص ۲۷۷)

حکیم سنائی کے چند اشعار اس مضمون پر نقل کیے جاتے ہیں:

پسر ملجم آں سگ بدویں آں سزوار لعنت و نفریں
زنے عاشق آں شده می شوم آں نگو نسار ز راهب روم
گشت ازیں سر معاویه آگاه مر دراگشت جمله کا ر تباه

گفت کار تو باکمال شود ایں چنیں زن ترا حلال شود
گر تو در کا ر خویش شیرو نی هست کا بین حره خون علی
گر تو فارغ کنی دلم زین کار بفزائی نیزو من این کار
آں چناں اصل و جهل و سنگدلی چیره بگز ید قتل وخون علی علیہ السلام
آں سرفراز مرد جفت بتول چونکه اندرنماز شد مشغول
رفت و زخمی سبک زوش بر سر که بداں زخم سخت شد مضطر
بر گر فتند مردرادرحال کر داز و میر زخم خور ده سوال
که که فرمود مر ترا ایں کار کر د بر لفظ خو یشتن اقرار
که مرا ایں معاویه فرمود کار کر دم کنوں نه دار و سود

خودروایت بھی قابل غور ہے یہاں تک تولکھ دیا کہ برک بن عبداللہ نے کہا کہ میں تجھ (معاویہ) کوخوشخبری سناتا ہوں۔ وہ قتل علیؑ کی تھی۔ معاویہ کوڈر رہوا کہ شاید علیؑ بچ جائیں اس ڈر کی تسلی کردی کہ علیؑ کا کوئی محافظ ساتھ نہیں ہوتا ایک ممبر سازش دوسرے ممبر سازش سے باتیں کررہا ہے۔ جب تسلی ہوگئی تو معاویہ نے اسکوبھی قتل کرادیا۔ یہ قتل کرانا بھی بہت معنی اپنے میں مضمر رکھتا ہے۔ عام طور پر ایسا ہی ہوا کرتا ہے کہ بعد مقصد کے سازشی کوقتل کردیا کرتے ہیں۔ تاریخ ایسی مثالوں سے بھری پڑی ہے کہ بادشاہ پہلے تو اپنے دشمن کے قتل پر کسی کو اکسا دیتے ہیں اور پھر قاتل کوقتل بھی کرادیتے ہیں تاکہ یہ ہمارے خلاف سازش کا گواہ نہ بن جائے، ورنہ برک بن عبداللہ کاقتل بروئے شرع ناجائز تھا۔ زیادہ سے زیادہ۔۔ یہ سزا ہوسکتی تھی کہ اسکے چوتڑوں پر بھی ایسی ہی اچٹتی ہوئی تلوار لگا دیتے۔ معاویہ اس ضرب سے مرانہیں اگر برک کاقتل اس کا منھ بند کرنے کے لیے نہ تھا تو کس لیے تھا؟ عمرو بن العاص بھی سازش میں شامل تھا اور جانتا تھا کہ یہ ہونا ہے اس دن وہ نماز پڑھنے ہی نہ آیا دہ دوسرے کو بھیج دیا اور اسے قتل کرادیا۔ یہ اس وجہ سے ضروری تھا کہ سازش کو دنیا کے سامنے واقعیت کا جامہ پہنایا جائے۔

یہ بھی غور کی جگہ ہے کہ خارجی عمرو بن العاص اور معاویہ کے کیوں خلاف ہوں اور انکے قتل کے درپے ہوں۔ کوئی وجہ قتل نہ تھی۔ نہروان پر تو حضرت علیؑ نے خوارج کوشکست دی تھی۔ ان خوارج کونہروان ہی کا رنج تھا۔ معاویہ اور عمرو تو حضرات شیخین کے اصول پر عمل کررہے تھے اور حکومت وخلافت کو اہلبیت رسالت سے نکالنا چاہتے تھے اور خوارج حضرات شیخین کو دوست رکھتے تھے جیسا کہ اوپر کئی روایات ہم اس مضمون کی نقل کرچکے ہیں۔

معاویہ کے پہلے رویہ اور بعد کی روش کو بھی دیکھنا چاہیے۔ ہم البلاغ المبین میں ثابت کرچکے ہیں کہ معاویہ کے دو ہی ہتھیار تھے جیسا کہ مسٹر امیر علی نے لکھا ہے۔ زہر اور رشوت اور ان دونوں سے اس نے بہت کام لیا۔ صفین میں جب امراء لشکر علیؑ کوخوب رشوت پہنچائی تب ہی تو قرانی جھنڈے بلند کیے۔ اس سے پہلے اور اسکے بعد توکبھی قرآن شریف کو اس طرح دار پرنہیں لٹکایا گیا۔ حکم کی تجویز معاویہ نے پیش کی تھی۔ کیا اسکے لشکر میں ایک ایمان دار بھی ایسا نہ تھا جو کہے کہ یہ غلط ہے دراصل تو الحکم للّٰہ ہے اور علیؑ کے لشکر میں اتنے ایمان دار آدمی نکل آئیں۔ لطیفہ دیکھئے پہلے توشور مچادیا کہ معاویہ ٹھیک کررہا ہے۔ حکم سے فیصلہ کروا گر

تم نے لڑائی نہ روکی تو ہم تم کو قتل کر دیں گے۔ جب علیؑ نے اس مجبوری سے لڑائی بند کر کے دستاویز حکم پر دستخط کیے تو کہتے ہیں کہ تم کافر ہو گئے۔ الحکم للله، یہ عقل کا منطق تو نہیں ہے یہ تو رشوت کا منطق ہے۔

جب معاویہ نے مالک ابن الاشتر کو دہقان مصر سے سازش کر کے زہر سے شہید کرایا تو کیا اس معاویہ سے یہ ممکن نہیں بلکہ یقینی تھا کہ علیؑ کو سازش کر کے قتل کرائے خصوصاً جب وہ دیکھے کہ علیؑ دوبارہ ایک صفین پیدا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ آپ معاویہ پر لشکر کشی کرنے کے لیے لشکر جمع ہی کر رہے تھے کہ عین اس وقت یہ حادثہ ہوا۔

ابوالاسود الدوئیلی کے اشعار جو انھوں نے فوراً بعد شہادت امیرالمومنینؑ کہے، اس ہی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ آپ کہتے ہیں:

ا۔ الا ابلغ معاویہ بن حرب — فلا قرت عیون الشامتینا

ب۔ افی شهر الصیام فجعتصونا — بخیر الناس طرا اجمعینا

ج۔ قتلتم خیر من رکب المطایا — ورحّلها ومن رکب السفینا

د۔ ومن لَبِس انعال ومن خداها — ومن قرأ المثانی والمبینا

یہ اشعار تاریخ طبری الجزء السادس ص ۸۷ پر نقل کیے گئے ہیں۔

الف۔ معاویہ بن حرب کو خبر پہنچا دو۔ دشمنوں کی آنکھیں ٹھنڈی نہ ہوں۔

ب۔ کیا تمھیں ماہ صیام میں ہم کو تمام خلق سے افضل انسان کا رنج پہونچانا تھا۔

ج۔ تم نے ان سب سے بہتر و افضل انسان کو قتل کیا جو سواریوں پر چڑھتے ہیں یا کشتیوں میں بیٹھتے ہیں۔

د۔ جو زمین پر چلتے ہیں اور بہترین طرح سے قرآن پڑھتے ہیں اور سمجھتے ہیں۔

ان اشعار میں معاویہ اور ان کے شامیوں کو خطاب کیا گیا ہے اور صیغہ مخاطب جمع استعمال ہوا ہے تم نے قتل کیا، تم نے ہمیں امیرالمومنینؑ کے بارے میں رنج پہنچایا۔ خوارج کا نہ یہاں ذکر ہے اور نہ ان کو خطاب کیا گیا ہے۔ قتل کرنے والا خارجی ضرور تھا اور اس کے مذہبی جوش سے فائدہ اٹھا کر جناب معاویہ نے اس کو اپنا آلۂ کار بنایا۔ (مقدمہ حضرت امیرالمومنینؑ حصہ ثالثہ، آغا محمد سلطان مرزا صاحب دہلوی ریٹائرڈ سیشن جج)

اس موقع پر جناب امیرؑ نے جس لطف و کرم سے کام لیا اور اپنے قاتل سے جس طرح ہمدردی کی اس کی نظیر پیش کرنے سے تاریخ بالکل خاموش ہے۔

ہیثم مولیٰ فضل ابن عباس سے مروی ہے کہ جناب امیرؑ کو جب ابن ملجم نے زخمی کیا تو آپ حضرات حسنینؑ سے بطور وصیت فرمانے لگے کہ میں تم کو خدا کی قسم دیتا ہوں تم نے اس کو گرفتار کر لیا ہے اگر میں مر جاؤں تو اس کو قتل کرنا مثلہ نہ کرنا کیونکہ میں نے آنحضرتؐ سے سنا ہے کہ مثلہ کرنے سے بچو اگرچہ کتا ہی کیوں نہ ہو۔ مثلہ ہاتھ پیر اور اعضا کاٹ کر چھوڑ دینے کو کہتے ہیں۔

ابن کثیر لکھتے ہیں کہ جب ابن ملجم نے جناب امیرؑ کو زخمی کیا تو میں نے کہا اے امیرالمومنینؑ! آپ ہم لوگوں کو بنی مراد یعنی قبیلہ ابن ملجم مرادی سے جنگ کرنے کی اجازت دیدیں تاکہ ہم اُن میں سے اونٹ بکری کو باقی نہ رکھیں۔ جناب امیرؑ نے فرمایا نہیں تم اس شخص کو قید رکھو جب میں مر جاؤں تو اس کو قتل کر دینا، زندہ رہا تو صرف زخم کا بدلہ لوں گا۔

ریاض النصرہ میں بروایت ابن کثیر مروی ہے کہ جناب امیرؑ نے فرمایا تھا کہ جان کا بدلہ جان ہے۔ اگر میں مرجاؤں تو اس کو قتل کر دینا ورنہ میں خود اسکی نسبت رائے قائم کروں گا۔ اے بنی عبدالمطلب میں تم کو مسلمانوں میں خونریزی کے لیے نہیں چھوڑتا تاکہ بعد کو تم یہ کہو کہ امیر المومنینؑ مارے گئے بجز قاتل کے اور کسی کو نہ مارنا۔ اے حسن یاد رکھنا اگر اس ضرب سے میں مرجاؤں تو ایک ضرب میں تم بھی اس کو مارنا ٹکڑے ٹکڑے نہ کرنا۔ میں نے آں حضرت سے سنا ہے کہ انھوں نے اس امر کی ممانعت فرمائی اگر چہ کتا ہی کیوں نہ ہو۔

امام زہری سے مروی ہے کہ جناب امیرؑ نے زخمی ہونے کے بعد فرمایا: تم نے میرے قاتل کے ساتھ کیا کیا؟ اسکو کھانا کھلاؤ پانی پلاؤ اگر میں زندہ رہا تو اپنے حق کا زیادہ حقدار ہوں، اگر میں مرگیا تو تم بھی ایک ہی ضرب لگانا زیادتی نہ کرنا۔ (خوارزمی، سیرۃ علویہ)

کوفہ میں جتنے اطباء تھے سب آپ کے علاج کے لیے اکٹھا ہوئے، عمرو ابن ہانی سکوفی، ماہر طبیب اور فن جراحی میں ید طولیٰ رکھتا تھا، اس نے بکری کا پھیپھڑا منگا کر اس سے ایک رگ تلاش کر کے نکالی اور زخم میں داخل کی پھر اُس رگ کو نکال کر دیکھا تو اس میں مغز دماغ آلود تھا۔ اس نے سر پیٹ لیا اور عرض کیا امیر المومنینؑ جو وصیت کرنا ہو کر لیں اس دشمن خدا کی ضربت کا اثر مغز سر تک پہونچ چکا ہے۔ (استیعاب، مقاتل الطالبین وغیرہ)

اصبغ بن نباتہ بیان کرتے ہیں کہ جس روز حضرت زخمی ہوئے اس کے دوسرے دن صبح کو ہم لوگوں کی جماعت عبادت کے لئے دولت سرا پر حاضر ہوئی ہم لوگ دروازہ پر بیٹھ گئے۔ اندر سے رونے کی آواز بلند ہوئی۔ ہم لوگ بھی رونے لگے۔ امام حسنؑ گھر سے برآمد ہوئے اور فرمایا:

''امیر المومنینؑ ارشاد فرماتے ہیں کہ آپ لوگ اپنے اپنے گھروں کو جائیں۔''

سب لوگ چلے گئے مگر میں وہیں ٹھہرا رہا۔ گھر کے اندر کہرام برپا تھا۔ میں ڈاڑھیں مار کے رونے لگا۔ امام حسنؑ تشریف لائے اور فرمایا میں نے کہا تھا کہ آپ لوگ اپنے گھروں کو جائیے۔ میں نے عرض کیا فرزند رسولؐ میں جب تک امیر المومنینؑ کو دیکھ نہ لوں گا مجھ سے جایا ہی نہ جائیگا۔ یہ کہہ کر پھر میں رونے لگا۔ امام حسنؑ پھر گھر میں تشریف لے گئے اور فوراً ہی واپس آئے اور کہا چلو اندر آؤ میں امیر المومنینؑ کی خدمت میں حاضر ہوا حضرت سہارا لیے لیٹے تھے۔ سر پر زرد رنگ کا عمامہ بندھا ہوا تھا۔ بدن میں خون کی بوند تک نہ تھی۔ چہرے پر زردی کھنڈ گئی تھی۔ نہیں کہہ سکتا کہ آپ کا چہرہ زیادہ زرد تھا یا عمامہ۔ میں نے جھک کر آپ کو بوسہ دیا اور رونے لگا۔ امیر المومنینؑ نے فرمایا: اصبغ روؤ نہیں یہ تو خدا کی قسم جنت کی (تیاری) ہے۔ میں نے عرض کیا میری جان آپ پر نثار خدا کی قسم آپ تو جنت میں جائیں گے ہی۔ رونا اس کا ہے کہ ہم آپ کے سایہ عاطفت سے محروم ہو رہے ہیں۔

عمرو بن حمق سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ میں حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا دیکھا کہ سر پر عصابہ بندھا ہوا ہے۔میں نے عرض کیا حضور مجھے یہ زخم دکھائیں۔آپ نے پٹی کھول دی۔میں نے زخم دیکھکر عرض کیا معمولی سا زخم ہے کوئی تردد کی بات نہیں ہے۔آپ نے فرمایا میں اب کوئی دم کا مہمان ہوں۔پس پردہ ام کلثوم نے جب یہ آواز سنی رونے لگیں۔آپ نے فرمایا روؤ نہیں جو میں دیکھ رہا ہوں اگر تم بھی دیکھتیں تو روتی نہیں۔میں نے عرض کیا امیر المومنینؑ آپ کیا دیکھ رہے ہیں۔آپ نے فرمایا:

یہ ملائکہ کی جماعتیں یہ نبیوں کا گروہ ہے، یہ حضرت محمد مصطفیٰ ہیں جو ارشاد فرمارہے ہیں، علیؑ تمھیں بشارت ہو تم جہاں آنے والے ہو وہ بہتر ہے اس حال سے جس میں تم ہو۔(اسد الغابہ)

پھر آپ نے امام حسنؑ و امام حسینؑ کو پاس بٹھا کر یہ وصیت فرمائی:

''میں تم دونوں کو وصیت کرتا ہوں اللہ کے تقویٰ اور اس امر کی کہ کبھی دنیا کی طرف رُخ نہ کرنا، اگرچہ وہ تمھارا پیچھا ہی کرے، جو چیز تم سے روک دی جائے اُس پر افسوس نہ کرنا اور جو چیز تم سے الگ کر دی جائے اس پر رونا نہیں۔جب بولو حق ہی بولنا، یتیموں پر رحم کھانا، بے کس اور پریشان حال لوگوں کی فریادرسی کرنا۔آخرت کے سامان میں مشغول رہنا۔ظالم کے دشمن ہو جانا اور ہمیشہ مظلوم کی حمایت کرتے رہنا۔قرآن مجید پر چلنا اور اس امر کا خیال رکھنا کہ خدا کے معاملہ میں کسی ملامت کرنے والے کی سرزنش تمھیں حق ظاہر کرنے سے روک نہ دے............''

اس قدر فرمانے کے بعد حضرت اپنے تیسرے بیٹے محمد بن حنفیہ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا:

''کیوں بیٹا! میں نے جو نصیحتیں تمھارے دونوں بڑے بھائیوں کو ابھی کیں کیا تم نے بھی ان سب کو حفظ کر لیا؟

انھوں نے عرض کی جی ہاں! اس پر پھر حضرت نے ارشاد فرمایا:

''میں تمھیں بھی انھیں امور کی تاکید کرتا ہوں نیز وصیت کرتا ہوں کہ اپنے ان دونوں بھائیوں کی ہمیشہ عزت و احترام کرنا جن کا تم پر بڑا حق ہے۔دیکھو ان کے ہر حکم کی اطاعت کرنا اور بغیر انکی اجازت کے کوئی کام نہ کرنا۔

پھر امام حسنؑ اور حسینؑ کی طرف مخاطب ہوئے اور فرمایا:

''میں تم دونوں کو بھی ان (محمد حنفیہ) کے بارے میں وصیت کرتا ہوں کیونکہ یہ بھی تمھارا بھائی اور تمھارے باپ کا بیٹا ہے اور تم جانتے ہو کہ تمھارا باپ اس سے بھی محبت کرتا تھا......''

پھر امام حسینؑ سے فرمایا:

''......اے فرزند! میں تم کو وصیت کرتا ہوں کہ ہمیشہ خدا سے ڈرتے رہنا، وقت پر نماز قائم کرنا، زکوٰۃ کو اس کے وقت اور

محل پر ادا کرتے رہنا اور باقاعدہ وضو کرنا کیونکہ بغیر طہارت کے کوئی نماز قبول ہی نہیں ہوتی ہے۔ نیز تمھیں وصیت کرتا ہوں کہ غلطی کرنے والوں کی خطاؤں کو معاف کرنا، غصہ پی جانا، صلہ رحم کرتے رہنا۔ جاہلوں کی جہالت والی باتوں پر بردباری اختیار کرنا۔ دین میں فقہ اسلام کے پابند رہنا، ہر امر میں تحقیق اور غور و فکر کرنا، برابر قرآن مجید کی تلاوت اور اسکی مزاولت کرنا۔ پڑوسی سے اچھا برتاؤ کرتے رہنا۔ فرائض امر بالمعروف اور نہی عن المنکر انجام دیتے اور ہمیشہ فواحش سے بچتے رہنا۔''

پھر جب حضرتؑ کی وفات سر پر آ گئی تو یہ وصیت کی:

بسم اللہ الرحمان الرحیم یہ وہ باتیں ہیں جن کی وصیت کی ہے علی ابن ابی طالبؑ نے۔ وہ گواہی دیتے ہیں کہ اللہ وحدہ لاشریک اسکے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ حضرت محمد مصطفیٰؐ اسکے بندے اور رسول ہیں جن کو اس نے ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تا کہ اس دین اسلام کو تمام مذہبوں پر غالب کردے اگرچہ مشرکوں کو یہ ناگوار ہی ہو۔ پھر یہ کہ میری نماز، میری عبادت، میری زندگی، میری موت، سب اللہ رب العالمین ہی کے لیے ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ اس کا مجھے حکم دیا گیا ہے اور میں اس کا حکم ماننے والوں ہی میں ہوں۔ پھر اے امام حسنؑ تم کو اور اپنی تمام اولاد و اہل عیال کو وصیت کرتا ہوں کہ اپنے پالنے والے خدا کا خوف کرنا اور مرتے وقت تک اسلام ہی پر باقی رہنا اور سب مل کر اللہ کی رسّی (دین حق) کو خوب مضبوطی کے ساتھ تھامے رہنا اور آپس میں پھوٹ نہ ڈالنا کیونکہ میں نے حضرت ابوالقاسمؐ کو فرماتے سنا ہے کہ آپس کا میل ملاپ قائم رکھنا عام طور پر نماز روزہ سے بھی افضل ہے اور اپنے رشتہ داروں کا خیال کرنا اور ان سے بھلائی کرتے رہنا جسکے عوض میں خدا تم پر قیامت کا حساب آسان کرے گا۔

اور دیکھو تمھیں خدا کا واسطہ تم لوگ یتیموں کا پورا خیال رکھنا، ان کو منھ تک بنانے نہ دینا اور وہ تمھارے رہتے ہوئے ضائع نہ ہونے پائیں اور تم کو خدا کی قسم اپنے پڑوسیوں کا لحاظ کرنا کیونکہ وہ تمھارے نبیؐ کی وصیت ہیں۔ حضرت رسول خداؐ برابر ان کے متعلق وصیت فرماتے رہے یہاں تک کہ ہمیں گمان ہوا شاید حضرت ان لوگوں کو ہماری میراث میں بھی شریک کردیں گے اور تمھیں خدا کی قسم قرآن مجید کے مطابق ہی برابر چلتے رہنا، ایسا نہ ہو کہ اس پر عمل کرنے میں تمھارے غیر لوگ تم سے بڑھ جائیں اور تمھیں خدا کی قسم نماز کے خوب پابند رہنا کیونکہ یہ تمھارے دین کا ستون ہے اور تمھیں خدا کا واسطہ برابر خانہ کعبہ کی خبر لیتے رہنا اور جب تک زندہ رہو اس میں کوئی خلل نہ ہونے دینا کیونکہ اگر وہ چھوڑ دیا جائے گا تو اسکی نگرانی نہیں ہوسکتی اور تمھیں خدا کی قسم اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جان سے جہاد کرتے رہنا۔ تمھیں خدا کی قسم زکوٰۃ ضرور نکالتے رہنا کیونکہ یہ خدا کے غضب کو زائل کردیتی ہے۔ تم کو خدا کی قسم اپنے نبی کے اہل ذمہ لوگوں کا (یعنی ان غیر مسلم قوموں کا جو مسلمانوں کی حفاظت

میں رہتی ہیں) برابر خیال رکھنا ایسا نہ ہو کہ تمھارے رہتے ہوئے ان پر کسی قسم کا ظلم ہونے پائے اور تم کو خدا کی قسم اپنے نبیؐ کے ایمان دار اصحاب کا خیال کرنا کیونکہ رسول خداؐ نے ان کے حق میں بھی وصیت کی ہے۔ تمھیں خدا کی قسم فقرا و مساکین پر رحم کھانا، انھیں بھی اپنی روزی اور معاش میں تم لوگ شریک رکھنا۔ تمھیں خدا کی قسم اپنے غلاموں اور لونڈیوں پر ترس کھانا۔ پھر کہتا ہوں نماز! نماز! اللہ کے معاملہ میں کسی برا کہنے والے کی ملامت کی پرواہ نہ کرنا نہ خوف کرنا تو خدا بھی تمھیں ہر اس شخص سے بچائے رکھے گا جو تمھارے ساتھ برائی کا ارادہ اور تم پر ظلم کرنا چاہے اور جیسا خدا نے تمھیں حکم دیا ہے جس سے بات کرو میٹھی زبان میں اور جب بولو اچھی ہی بات اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو نہ چھوڑنا ورنہ تمھارے بُرے لوگ تم پر مسلط ہو جائیں گے پھر تم دعائیں کروگے مگر وہ قبول نہیں ہونگی۔ تمھارا فرض ہے کہ آپس میں میل جول اور لطف و مہربانی سے پیش آیا کرو اور بے تکلفی اور سادگی برتا کرو اور خبردار ایک دوسرے سے نہ کٹنا اور نہ الگ الگ رہنے کی روش اختیار کرنا نہ متفرق ہونا۔ نیکی اور تقویٰ پر باہم مددگار رہو مگر گناہ اور زیادتی میں کسی کا ساتھ نہ دو اور خدا سے ڈرتے رہو کیونکہ اللہ کا عذاب بڑا ہی سخت ہے۔ اے اہل بیت! خدا تمھیں محفوظ رکھے اور تم لوگوں میں تمھارے نبی کی حفاظت کرے۔ میں تمھیں خدا کے سپرد کیے جاتا ہوں اور تمھارے لیے اللہ کی سلامتی اور اس کی رحمت کی دعا کرتا ہوں۔ (تاریخ طبری جلد ۶ ص ۸۶)

جس وقت سے آپ کے زخمی ہونے کی خبر مشتہر ہوئی ہر شخص پر بدحواسی کا عالم تھا، سب کے کلیجے منھ کو آئے ہوئے اور دل سینوں سے باہر تھے۔ غول کے غول مسلمانوں کے بیچین ہو ہو کے دروازے پر آتے کہ کسی طرح امامؑ کی زیارت نصیب ہو، دو کلمے آپ کی مزاج پرسی کے کہہ سکیں اور آپ کا حال سن سکیں مگر دولت سرا کے اندر بیٹوں کے نوحہ اور شیون کی صدائیں تھمنے میں نہ آتی تھیں اور باریابی کا موقع نہ ملتا تھا ۱۹ کا دن گذر کر جب بستم ماہ مبارک آئی تو کوفہ کی اکثر آبادی دولتسرا پر سمٹ آئی امامؑ نے اجازت دی اور مجمع اندر آیا۔ آپ نے انھیں وعظ و نصیحت کی اور فرمایا جو کچھ پوچھنا ہو پوچھ لو ایسا نہ ہو کہ ہمارے بعد تمھیں افسوس ہو کہ آج علیؑ ہوتے تو ان سے یہ مسئلہ دریافت کرتے۔

حالت لحہ بہ لحہ گرتی گئی اور آخر وہ قیامت کی گھڑی آ گئی جس میں داعی اجل کو لبیک کہنا تھا۔ آپ نے امام حسنؑ کو اپنا جانشین مقرر کیا اور اپنے بعد امت اسلامیہ کے لیے مرکز قرار دیا۔

شیعوں کا اس امر پر اتفاق ہے کہ امیر المومنینؑ نے اپنے بعد کے لیے امام حسنؑ کو اس اُمت کی زمام قیادت سپرد کی اور اپنا خلیفہ نامزد کیا۔ ثقۃ الاسلام کلینیؒ لکھتے ہیں:

''امیر المومنینؑ نے وقت وفات امام حسنؑ کو اپنا جانشین مقرر کیا اور امام حسینؑ اور محمد بن حنفیہ اور اپنے تمام فرزندوں کو گواہ قرار دیا

اپنی کتابیں اور اسلحے ان کے حوالے کر کے ارشاد فرمایا: پارہ جگر رسولؐ اللہ نے مجھے حکم دیا تھا کہ میں تمھیں اپنا قائم مقام مقرر کردوں اور اپنی کتابیں اور اسلحے تمھارے حوالہ کردوں جس طرح حضرت سرور کائنات نے مجھے اپنا جانشین مقرر کیا اور اپنے تمام لوازم میرے حوالہ کیے۔ پیغمبرؐ خدا نے مجھے تاکید کی تھی کہ میں تمھیں کہہ جاؤں کہ جب تمھاری موت کا وقت آئے تو تم اپنے بھائی حسینؑ کو اپنا قائم مقام کرنا۔ پھر آپ نے فرمایا بیٹے اب تم ہی حاکم وامیر ہو۔'' (اصول کافی ص۱۵۹)

عقد الفرید، روضۃ الاحباب، حبیب السیر، وسیلۃ النجاۃ ملا مبین، نزل الابرار اور سر الجلیل مولوی عبدالعزیز دہلوی میں بھی یہی ہے کہ حضرت علیؑ نے وقت وفات، امام حسنؑ کو اپنا جانشین کیا تھا۔

(تاریخ اسلام ماسٹر ذاکر حسین دہلوی)

بعض علمائے اہلسنت کا خیال ہے کہ امیر المومنینؑ نے اپنے بعد کے لیے کسی کو نامزد نہیں کیا۔ ان لوگوں نے روایت کی ہے کہ امیر المومنینؑ سے عرض کیا گیا کہ ہم آپ کے بعد امام حسنؑ کی بیعت کرلیں، آپ نے فرمایا کہ میں نہ تمھیں حکم دیتا ہوں نہ منع کرتا ہوں تم خود سمجھ دار ہو۔ (تاریخ ابی الفداء وغیرہ)

یہ قول حقیقت سے انتہائی دور ہے کیونکہ امیر المومنینؑ امام حسنؑ کی عظمت وجلالت کو دوسروں کی بہ نسبت زیادہ جانتے تھے وہ سید شباب اہل الجنہ تھے۔ پیغمبرؐ نے فرمایا تھا کہ ''میرا یہ فرزند سردار ہے چاہے حکومت کے لیے کھڑا ہو یا بیٹھ رہے'' آیت تطہیر ان کی عظمت وطہارت پر شاہد ہے، اس وقت عالم اسلامی میں وجاہت وعلوے منزلت میں حسنؑ سے بڑھ کر کوئی تھا بھی نہیں۔ خلافت کے لیے جن باتوں کی شرط ہے اور خلیفہ میں جن باتوں کا ہونا ضروری ہے جیسے علم وتقویٰ، سیاست وتدبر وغیرہ یہ تمام باتیں بہ تمام وکمال امام حسنؑ میں موجود تھیں لہذا کیونکر ممکن تھا کہ امیر المومنینؑ لوگوں کو ان کی بیعت اور ان کی پیروی کرنے کی تاکید نہ کرتے۔ امیر المومنینؑ کے متعلق دنیا جانتی ہے کہ آپ حق کے قائم کرنے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پروانہیں کرتے تھے لہذا آپ اپنے بعد امت اسلامیہ کو بغیر قائد ونگراں کے کیسے چھوڑ سکتے تھے کہ وہ جدھر چاہیں بھٹکتے پھریں، کوئی اُنکی رہبری کرنے والا نہ ہو۔

تین دن علالت کا سلسلہ جاری رہا جب وقت وفات آیا تو آپ نے امام حسنؑ سے فرمایا:

''میں جب انتقال کر جاؤں تو میرے کفن میں خوشبو نہ لگانا، تم ہی میری نماز جنازہ پڑھنا اور سات تکبیریں کہنا......بعض روایتوں میں پانچ تکبیریں مذکور ہیں، اور میری قبر مخفی رکھنا، نیز آپ نے وصیت کی کہ پیغمبرؐ کے حنوط سے جو کافور بچ رہا تھا اس سے مجھے حنوط کرنا۔

ارشاد شیخ مفیدؒ میں مذکور ہے کہ امیر المومنینؑ نے وقت وفات امام حسنؑ و حسینؑ سے کہا کہ جب میں انتقال کر جاؤں تو میری میت میرے تخت پر رکھ کر باہر نکالنا اور صرف پچھلا حصہ اُٹھانا اگلا حصہ تمھیں اُٹھانے کی ضرورت نہ ہوگی، میری میت کو مقام عزیین پر لانا۔ وہاں ایک سفید روشن پتھر دکھائی دے گا وہاں قبر کھودنا لحد بنی ہوئی ملے گی اسی میں مجھے دفن کر دینا۔

علامہ ابن اثیر لکھتے ہیں کہ دم واپسیں آپ کی زبان پر صرف کلمہ لا الہ الا اللہ جاری تھا۔

دو تہائی رات گذرنے کے بعد شب بست و یکم میں دفعتہً حالت متغیر ہوئی زبان پر کلمہ لا الہ الا اللہ جاری ہوا۔ اور ۔

پچھلے کو شمع بجھ گئی اندھیر ہو گیا۔

''ہائے وہ جو دین و دنیا کا سردار تھا، جس کے نام سے رستموں کے دل دہل جاتے تھے، جس کی آبدار تلوار لوہے اور پتھر دونوں کو کاٹ سکتی تھی، جس کے علم و فضل نے حکماء یونان اور انبیاء بنی اسرائیل کے قصوں کو تقویم پارینہ بنا دیا تھا، جس کی حکومت افریقہ کے مغربی ساحل یعنی بحر اٹلانٹک سے لیکر ہندوستان تک اور ایشیائے کوچک اور چین کی مشرقی سرحد سے بحر ہند تک پھیلی ہوئی تھی، جنکی ذات ایک راز سربستہ سمجھی جاتی تھی، جن پر لوگوں کو الوہیت کا گمان ہوتا تھا، جو رسولؐ اسلام کے بعد مسلمانوں کا سب سے بڑا روحانی پیشوا تھا۔ آج موت کے خنک ہاتھوں نے اس کو تھپک تھپک کر سلا دیا تھا۔''

پچھلے پہر مخدرات عصمت و طہارت کے گریہ و زاری کی آوازیں بلند ہوتے ہی کوفہ کی ساری آبادی دارالامارہ کی طرف ٹوٹ پڑی۔ خلقت چیخیں مار مار کر رو رہی تھی، گلی کوچہ میں تلاطم برپا تھا۔ ہر گھر میں نوحہ و شیون کی صدائیں تھیں جیسے ان کا والی و وارث اُٹھ گیا ہو۔ پیغمبرؐ کے روز رحلت کے بعد یہ دوسرا روز مصیبت تھا۔ آج کے دن کی بعینہ وہی کیفیت تھی جیسی پیغمبرؐ خدا کی رحلت کے دن تھی۔ امام حسنؑ و امام حسینؑ نے غسل دیا۔ محمد بن حنفیہ پانی ڈالتے جاتے تھے، کفن پہنا کر اس کافور سے حنوط کیا گیا جو پیغمبرؐ کے حنوط سے بچ رہا تھا۔ پیغمبرؐ خدا کی رحلت کے وقت جبرئیل امین جنت سے کافور لائے تھے جس کے پیغمبرؐ نے تین حصے کیے تھے ایک اپنے لیے ایک جناب معصومہ کے لیے اور تیسرا حصہ امیر المومنینؑ کے لیے، کفن سے فارغ ہو کر امام حسنؑ نے نماز جنازہ پڑھی اور اسی شب کوفہ کی پشت پر نجف میں آپکی میت مخفی طور پر سپرد خاک کر دی گئی۔ قبر مبارک کو پوشیدہ رکھنے کی وجہ بنی امیہ کا خوف تھا جن کے متعلق پیغمبر خداؐ پیشین گوئی کر گئے تھے کہ ایک دن ایسا آئے گا کہ اسلام بنی امیہ کے لیے کھلونا بن جائیگا اور وہ اسکی حکومت پر قابض ہو جائیں گے۔ جب ابوسفیان کے بغض و عناد کی یہ کیفیت تھی کہ جنگ اُحد کے لیے جاتے ہوئے جب اس کا گذر مقام ابوا کی طرف سے ہوا، جہاں حضرت پیغمبرؐ خدا کی مادر گرامی جناب آمنہ کی قبر تھی تو ابو سفیان نے مشرکین کے سامنے یہ تجویز رکھی کہ مادر رسولؐ کی قبر کھود کر انکی ہڈیاں نکال لی جائیں۔ اگر محمدؐ نے تمھاری عورتوں کو

گرفتار کرلیا تو یہی ہڈیاں نکال کر پیش کر دی جائیں گی کہ دیکھو یہ تمھاری ماں کی ہڈیاں ہیں۔ اگر وہ اپنی ماں سے سچی محبت کرنے والے ہوں گے تو ان ہڈیوں کو لیکر ہماری عورتوں کو واپس کر دیں گے اور اگر وہ ہماری عورتوں کو گرفتار نہ کر سکے تو ان ہڈیوں کے بدلہ میں مال کثیر ان سے وصول کیا جائے گا۔ (واقدی کی مغازی رسول ص ۱۵۵ وص ۱۶۰) تو امیر معاویہ اور ان کے خلاف اسی ابوسفیان کی اولاد تھے اور اسی جیسی عداوت رسولؐ وخاندان رسولؐ کے حامل، علیؑ پر ان کا بس نہ چل سکا تو ان کی میت کی بے حرمتی کر کے اپنی آتش انتقام بجھانے کی کوشش کرتے۔ پھر خوارج کا بھی خوف تھا جو بظاہر مذہبی دیوانے تھے مگر حقیقت میں انھیں بنی امیہ کے آلہ کار۔

بعد نماز فجر تجہیز وتکفین وتدفین سے فراغت کے بعد حضرت امام حسن علیہ السلام نے خطبہ پڑھا کہ:

''میں نے آن حضرتؑ کی وفات پر جو سب سے افضل تھے صبر کیا خدا سے ثواب کی امید رکھتا ہوں۔ آنحضرت کا ارشاد ہم لوگوں کے لیے باعث ہدایت ہے کہ جس کسی پر کوئی مصیبت پیش آئے وہ میری رحلت کو یاد کر کے اپنی تسلی کر لے کیونکہ میرا اُٹھ جانا ہر مسلمان کے لیے ایک مصیبت اور سانحۂ غم انگیز ہے۔ قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں جس نے اپنے بندہ پر قرآن نازل کیا آج کے دن ایک ایسے نے رحلت کی جو آنحضرتؐ کے بعد سابقین میں سے تھے۔ سابقین میں کوئی اُنسے سابق نہیں ہوا اور اب لاحقین میں کوئی ان کا ہم مرتبہ نہیں ہوسکتا۔ والد بزرگوار کے انتقال نے جو صدمہ امت محمدیہ کو پہونچایا اور جو مصیبت ہم پر نازل ہوئی اس کا اجر ہم خدا سے چاہتے ہیں۔ بخدا میں سچ کہتا ہوں کہ آج مصیبت عامہ ہے۔ تمام ساکنان بلاد، تمام بندگان خدا۔ جانور بے زبان شجر کوئی اس غم سے خالی نہیں اور یہی وہ رات ہے کہ جس رات میں حضرت عیسیٰؑ آسمان پر اُٹھا لیے گئے۔ حضرت موسیٰ اور حضرت یوشع بن نون نے رحلت فرمائی۔ اسی شب میں آنحضرتؐ پر قرآن نازل ہوا۔ میرے والد بزرگوار کا وہ درجہ تھا کہ آنحضرت جس لشکر پر سردار کر کے کسی جگہ روانہ فرماتے تو جبریل ومیکائیل انکے داہنے اور بائیں پر ہوتے والد بزرگوار بغیر فتح واپس نہ آتے۔

اللہ جل شانہ کے تمام امور حسب مقتضائے تقدیر مقرر جاری ہوتے رہتے ہیں جو اچھا کام ہو اسکو خدا کی طرف منسوب کرنا چاہیے اور برا کام اپنے نفس کی طرف۔

اے لوگو! آگاہ ہو کہ قریش کے لوگوں نے اپنے کاموں کی باگ بُرے آدمیوں کے ہاتھ میں دے رکھی ہے انکے سرداران کو دوزخ کی طرف لیے جا رہے ہیں۔ ان کا یہ حال ہے کہ بعض ان میں سے آنحضرت سے لڑتے رہے یہاں تک کہ خدا نے آنحضرت کو ان پر غلبہ دیا۔ بعض ان میں سے اپنے دل میں کینہ چھپائے رہے جب اُن کو ہم خیال اعوان ومددگار مل گئے تو وہ

کھل کھیلے۔اب کتاب کا نازل ہونا بند ہوگیا۔قلم احکام قضاو قدر لکھ کر خشک ہوگیا تمام امور حسب نوشتۂ تقدیر جاری ہورہے ہیں۔"

اس قدر فرما کر حضرت امام حسنؑ خاموش ہورہے، حاضرین میں ایک کہرام مچ گیا، حضرت امام حسنؑ منبر سے اتر آئے۔"

(ابن خلدون وابن اثیر ومستطرف، دو دلابی، ومعجم کبیر طبرانی بروایت ہبیرہ بن مریم ومسندامام احمد ابن حنبل۔سیرۃ علویہ شاہ محمد علی حیدر کاکوروی ص ۵۲۰ و ۵۲۱)

بعد ختم خطبہ حضرت امام حسنؑ نے ابن ملجم کو بلایا۔ وہ نہایت پریشان، بدحواسی کے عالم میں سامنے آیا۔ حضرت امام حسنؑ نے میان سے تلوار نکالی، وہ مردود کہنے لگا اے حسنؑ میں نے خدا سے کوئی قول نہیں کیا جس کو پورا نہ کیا ہو اس مرتبہ میں نے متصل حطیم خانہ کعبہ یہ عہد کیا تھا کہ تمھارے باپ اور معاویہ کو قتل کروں گا۔تمھارے باپ کو قتل کر چکا اب اگر تم مجھ کو چھوڑ دو تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ معاویہ کو قتل کر کے تم سے بیعت کرلوں گا۔ اگر میں مارا گیا تو بھی تمھارا مطلوب حاصل ہوگیا۔ حضرت امام حسنؑ نے فرمایا خدا کی قسم میں ایک گھڑی بھی تجھ کو زندہ نہ چھوڑوں گا۔ یہ کہکر ایک ہاتھ مارا اس نے ہاتھ پر روکا، دوسرے وار سے وہ جہنم میں پہونچ گیا۔لوگوں نے اس کی نعش کو بوریہ میں لپیٹ کر آگ میں جلادیا۔

(ابن خلدون وابن اثیر ومستطرف، سیرۃ علویہ شاہ محمد علی حیدر)

بعض مورخین کا بیان ہے کہ امیر المومنینؑ کی وصیت کے برخلاف قتل سے پہلے قاتل کا مثلہ بھی کیا گیا۔لیکن یہ قول واقعیت سے انتہائی دور اور خانوادۂ رسولؐ پر صریحی بہتان ہے۔امیر المومنینؑ نے شہادت سے پہلے بار بار تاکید کی تھی کہ قاتل کا مثلہ ہرگز نہ کیا جائے۔ یہ پیغمبرؐ خدا سے بھی صریحی ممانعت مذکور ہے کہ مثلہ کرنا حرام ہے چاہے کاٹنے والے کتے کا ہی کیوں نہ ہو۔لہذا امام حسنؑ جو رسولؐ کے نواسے اور آپکی آغوش کے پروردہ تھے اپنے نانا کی شریعت سے کیونکر روگردانی کر سکتے تھے۔علامہ طبری ،علامہ ابن اثیر اور ابوالفرج اصفہانی نے صاف صاف صراحت کی ہے کہ قاتل کا مثلہ کیا ہی نہیں گیا۔

(تاریخ طبری جلد ۶ ص ۸۶، تاریخ کامل جلد ۳ ص ۱۷۰، مقاتل الطالبین ص ۱۶)

جن مورخین نے قاتل کے مثلہ کیے جانے کو لکھا ہے ان میں خود اتفاق نہیں کہ مثلہ کس کے ہاتھوں انجام پایا۔محب طبری ریاض نضرہ میں لکھتے ہیں کہ امام حسینؑ اور محمد ابن حنفیہ نے مل کر ہاتھ پیر کاٹے۔ امام حسنؑ نے انھیں روکا مگر وہ مانے نہیں۔ ابو الفداء لکھتے ہیں کہ ہاتھ پیر کاٹنے والے عبداللہ بن جعفر ہیں۔(تاریخ ابی الفداء جلد ۱ ص ۱۸۰)

علامہ ابن ابی الحدید لکھتے ہیں کہ خود امام حسنؑ نے مثلہ کیا۔

یہ اتنے اختلاف ظاہر ہے کہ اصل صدور واقعہ ہی کو مشکوک بنائے دیتے ہیں۔ڈاکٹر طہ حسین لکھتے ہیں:

"پایۂ ثبوت کو پہونچی ہوئی بات ہے کہ امیر المومنینؑ کے ورثہ نے قاتل کے متعلق آپ کی وصیت کی تعمیل نہیں کی۔امیر المومنینؑ نے حکم دیا تھا کہ صرف ایک وار کر کے قاتل کا خاتمہ کر دینا۔زیادتی سے کام نہ لینا لیکن ان لوگوں نے قاتل کا بہت

بُری طرح مثلہ کیا اور جب وہ مر گیا تو اسے آگ میں جلا دیا۔'' (الفتنۃ الکبری/جلد دوم)

ہمیں انتہائی حیرت ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے حق و انصاف اور غیر جانبداری کے ادعا کے باوجود معتبر ترین مورخین کے بیانات کو چھوڑ کر ان متعصب مورخین کے بیانات کو ترجیح دی جو عداوت خاندان رسول میں شہرۂ آفاق حیثیت رکھتے ہیں ۔حقیقت واقعہ یہ ہے کہ قاتل کا مثلہ کیا ہی نہیں گیا اور اس کا بہترین ثبوت مورخین کے دوہرے اختلافات ہیں۔ پہلا اختلاف یہ کہ قاتل کا مثلہ کیا بھی گیا یا نہیں اکثر مورخین کا قول ہے کہ قاتل کا مثلہ ہوا ہی نہیں۔ دوسرا اختلاف یہ کہ اگر مثلہ کیا تو کس نے کیا۔ ڈاکٹر صاحب نے اس کا ذرا بھی خیال نہیں کیا کہ امیر المومنینؑ کے ورثہ عام مسلمان نہ تھے بلکہ حسنؑ و حسینؑ ایسے فرزندان رسول تھے جن کے متعلق یہ تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کہ وہ اپنے نانا کی شریعت سے ان کے احکام وارشادات سے بال برابر بھی منحرف ہوئے ہوں۔ شاہ محمد علی حیدر کاکوری لکھتے ہیں:

''لیکن روایات ابن خلدون و ابن اثیر سے ہاتھ پیروں کا کاٹنا نہیں ثابت ہوتا۔ ابن خلدون تو اموی مؤرخ ہے اگر واقعہ ہوتا تو ضرور لکھتا البتہ بعد قتل جلا دینا مرقوم ہے۔ ابن ملجم اگرچہ اس سے زیادہ کا مستحق تھا مگر عقل اس بات کو قبول نہیں کرتی کہ حضرات حسنینؑ نے کوئی خلاف وصیت کارروائی کی ہوگی۔ مرنے کے بعد نعش پھونک دیے جانے میں کوئی حرج نہیں مثلہ کرنے کے بعد زندہ جلا دینا عقلاً و درایتاً ضرور معلوم ہوتا ہے۔'' (سیرۃ علویہ ص ۵۲۲ و ۵۲۳)

شیعہ سُنی دونوں فرقوں کے محدثین نے روایت کیا ہے کہ امیر المومنینؑ کی شہادت کے دنوں جو پتھر زمین سے اٹھایا جاتا تھا اس کے نیچے سے خون تازہ پایا جاتا تھا بعضوں نے خصوصیت کے ساتھ بیت المقدس کی سرزمین کا ذکر کیا ہے۔ امام حاکم نے مستدرک میں بسلسلہ اسناد زہری سے روایت کی ہے کہ اسماء انصاریہ کا بیان ہے کہ شب ضربت امیر المومنینؑ مقام ایلیا میں جو پتھر اٹھایا جاتا اسکے نیچے سے خون تازہ ملتا تھا۔

''ابن شہاب زہری سے منقول ہے کہ میں دمشق گیا۔ میرا ارادہ عراق کی طرف جانے کا تھا۔ میں عبدالملک ابن مروان سے ملنے گیا۔ وہ ایک خیمہ میں تھا۔ میں جا کر سلام کر کے بیٹھ گیا۔ عبدالملک مجھ سے دریافت کرنے لگے اے ابن شہاب! تم کو معلوم ہے جس روز جناب امیرؑ شہید ہوئے اس روز بیت المقدس میں کیا ہوا تھا؟ میں نے کہا ہاں معلوم ہے۔ عبدالملک نے مجھ سے کہا میرے قریب چلے آؤ میں ان کے پاس گیا۔ عبدالملک میری طرف متوجہ ہو کر دریافت کرنے لگے کیا بات تھی؟ میں نے کہا اس روز بیت المقدس کا کوئی پتھر ایسا نہ تھا جو اُٹھایا جاتا ہو اور اس کے نیچے سے خون تازہ نہ برآمد ہوتا ہو۔ عبدالملک کہنے لگے کہ میرے اور تمھارے سوا کسی کو یہ بات نہ معلوم ہونا چاہیے اور نہ اب کوئی تمھاری زبان سے اسکو سنے۔ زہری کہتے ہیں کہ عبدالملک

کے مرنے تک اس کا تذکرہ کسی سے میں نے نہیں کیا۔ (مستدرک امام حاکم، خوارزمی، تخریج ابن الضحاک)

اس کے علاوہ زہری سے بہ اسناد صحیح یہ بھی مروی ہے کہ انھوں نے وقت شہادت حضرت امام حسینؑ بیت المقدس کے پتھروں کے نیچے تازہ خون جما ہوا پایا۔ چونکہ سندیں سب کی صحیح ہیں ممکن ہے کہ زہری نے دونوں وقتوں میں ایسا پایا ہو۔

واقعہ شہادت جناب امیر امت مرحومہ کے لیے اگر چہ نمونہ محشر سے کسی حال میں کم نہ تھا کیونکہ خلافت حقہ کا تو اس سے خاتمہ ہو گیا۔ رسولؐ اللہ نے جو اخلاق حمیدہ و خصائل پسندیدہ کی کامل طور پر تعلیم دی تھی اس سے جناب امیرؑ بلحاظ فضائل و کمالات وحصول مرتبہ ولایت علی وجہ الکمال ممیز تھے۔ لہذا ایسے شخص کی وفات رسولؐ اللہ کی وفات سے کسی حالت میں کم نہیں ہوسکتی تھی اور عجائبات قدرت جو کچھ ظاہر ہوئے سو ہوئے سب سے بڑی مصیبت یہ پیش آئی کہ امت مرحومہ کے اخلاق و عادات بدل گئے۔ زہد و اتقا کے خلاف طمع دنیاوی میں ترقی ہوتی گئی۔ پابندی سنن نبوی موقوف ہو کر طریقہ قیصر و کسریٰ جاری ہو گیا۔ جب قلوب کی حالت تبدیل ہو گئی تو ظہور آثار قدرت کچھ عجائبات سے نہیں موت العالم موت العالم ارشاد نبوی ہے۔''
(سیرۃ علویہ ص ۵۱۸ تا ۵۲۰)

حضرت عائشہ کو امیرالمومنینؑ کی شہادت کی جب خبر ملی تو فرط مسرت سے سجدہ میں گر پڑیں۔ (بطلۃ کربلا مصنفہ ڈاکٹر عائشہ بنت الشاطی مطبوعہ بیروت، مقاتل الطالبین، ابوالفرج اصفہانی، اعیان الشیعہ وغیرہ)

علامہ طبری تاریخ طبری میں، ابن اثیر کامل میں، ابن سعد طبقات میں اور مرزبانی معجم الشعراء میں ناقل ہیں کہ جب حضرت عائشہ کو امیرالمومنینؑ کی شہادت کی خبر ملی تو آپ نے یہ شعر پڑھا:

فالقت عصاھاواستقربھا النوی کما قرّ عینا بالا یاب المسافر

اس نے اپنا عصار کھ دیا اور مقیم ہوگئی جس طرح سفر سے مسافر کی واپسی خنکی چشم کا باعث ہوتی ہے۔

پھر انھوں نے پوچھا کہ کس نے انھیں قتل کیا؟ لوگوں نے بتایا کہ قبیلہ مراد کے ایک شخص نے۔ اس پر آپ نے یہ شعر پڑھا:

فان یك غائباً فلقد نعاہ غلام لیس فی فمه التراب

وہ اگر چہ دور تھے مگر ان کی خبر مرگ اس نوجوان نے سنائی ہے جسکے منہ میں خاک نہیں۔

زینب دختر ابی سلمہ نے ٹوکا آپ علیؑ کے متعلق ایسا کہتی ہیں۔ حضرت عائشہ نے کہا میں بھول گئی تھی جب میں بھول جایا کروں تو یاد دلا دیا کرو۔ ڈاکٹر طہ حسین نے بھی حضرت عائشہ کے مذکورہ بالا پہلے شعر پڑھنے کو ذکر کیا ہے مگر اسکی تاویل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

گویا حضرت عائشہ کا مطلب یہ تھا کہ علیؑ نے اپنی موت سے خود بھی راحت پائی اور دوسروں کو بھی راحت بخشی۔اس میں تو کوئی کلام نہیں کہ علیؑ اپنی موت کے ذریعہ بے شمار جانکاہیوں سے راحت پا گئے لیکن ان کے انتقال سے دوسروں کو راحت ملی یہ پوری طرح محل نظر ہے بلکہ یقین اور مکمل یقین اسکا ہے کہ علیؑ کی موت نے کسی کو بھی راحت نہیں بخشی بلکہ مسلمان ان کے مرجانے کی وجہ سے انتہائی زحمتوں سے دوچار ہوئے اور ایسے اختلافات میں اسیر ہوئے کہ اب تک ان زحمتوں کا خاتمہ نہیں ہوا اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ دونوں چیزیں اس وقت سے پہلے ختم بھی نہ ہونگی، جس وقت کا علم بس اللہ ہی کو ہے (الفتنتہ الکبریٰ جلد دوم ص ۱۸۴)

ڈاکٹر عائشہ بنت الشاطی اپنی کتاب بطلتہ کربلا مطبوعہ بیروت میں لکھتی ہیں: نہ تو اس نے عصا رکھا اور نہ مقیم ہوئی کیونکہ علیؑ کی شہادت ان جانکاہ مصائب کی ایک کڑی تھی جس میں اہلبیت گرفتار رہے اور اس اندھی ابتلا و آزمائش کی آگ کا لقمہ بن گئے جسے خود عائشہ نے بھڑکایا تھا۔

مدّت عمر و خلافت:

امیر المومنینؑ انیسویں ماہ رمضان چہارشنبہ کی شب میں زخمی ہوئے اور اکیسویں ماہ رمضان شب جمعہ میں وفات پائی۔یہی تاریخ مشہور ہے اور اسی پر فرقہ امامیہ کا عمل ہے۔مدت عمر میں آپ کے مورخین نے متعدد اقوال ذکر کیے ہیں۔شاہ محمد علی حیدر کاکوری لکھتے ہیں:

اصح یہ ہے کہ ۶۳ سال کی عمر ہوئی جس قدر آں حضرتؐ کی عمر شریف تھی۔مورخین ابن اثیر، ابن خلدون، مسعودی، طبری، واقدی وغیرہ ہم نے ۶۳ سال کو موافق روایت محمد ابن الحنفیہ وحضرت امام جعفر صادق صحیح مانا ہے۔ارباب سیر بھی اسکے قائل ہوئے ہیں کہ ۶۳ سال والی روایت اور روایتوں سے زیادہ صحیح ہے۔

مُدّت خلافت:

علامہ ابن اثیر لکھتے ہیں کہ جناب امیرؑ تین ماہ کم پانچ سال مسند خلافت پر جلوہ فرما رہے۔بعضوں کا قول ہے کہ چار سال نو ماہ چھ یوم۔سبط بن الجوزی تذکرہ خواص الامہ میں لکھتے ہیں کہ واقدی کا قول ہے کہ جناب امیرؑ کی خلافت تین ماہ کم پانچ سال رہی۔اس لیے کہ ۱۸/ذی الحجہ ۳۴ھ میں آپ سے لوگوں نے بیعت کی اور رمضان ۴۰ھ میں آپ شہید ہوئے۔خمیس میں ہے کہ اگر روز شہادت حضرت عثمان جناب امیرؑ کا اول روز خلافت شمار کیا جائے تو کل مدت چار سال نو ماہ آٹھ روز ہے۔ابن خلدون لکھتے ہیں کہ مدت خلافت پونے پانچ سال تھی۔(سیرۃ علویہ)

متروکات:

حضرت امام حسنؑ فرماتے ہیں کہ جناب امیر کرم اللہ وجہہ نے نہ مال چھوڑا نہ ترکہ چھوڑا، صرف سات سو درہم تھے کہ اس سے غلام مول لینا چاہتے تھے۔ (مناقب امام احمد واسد الغابہ)

حضرت امام حسنؑ نے بعد وفات جو خطبہ دیا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ غلام خریدنے کی نیت اس وجہ سے تھی کہ گھر کے کاروبار میں تکلیف ہوتی تھی۔ علامہ مسعودی کی روایت میں ہے کہ یہ رقم جناب امیرؑ کے وظیفہ مقررہ سے پس انداز ہوئی۔ ایک روایت میں ڈھائی سو درہم ایک تلوار اور ایک کلام مجید تھا۔ (ابن خلدون وابن اثیر)

ابو نعیم کہتے ہیں کہ میں نے سفیان کو کہتے سنا کہ جناب امیرؑ نے نہ اینٹ پر اینٹ رکھی اور نہ بانس پر بانس (یعنی کوئی عمارت نہیں بنوائی) اگر چاہتے تو مدینہ سے حواب تک آباد کر لیتے۔ (اسد الغابہ)

موالی:

تذکرۂ خواص الامہ میں ہے کہ جناب امیرؑ کے دو غلام تھے ایک قنبر جو بہت زیادہ مشہور ہیں دوسرے یحیٰ ابن کثیر جن سے امام اوزاعی روایت کرتے ہیں یہ نہایت عالم وفاضل تھے ان کے بیٹے عبداللہ بن یحیٰ بھی بہت بڑے عالم تھے۔

حجاب:

علامہ مرزا محمد بدخشی نزل الابرار میں لکھتے ہیں اور بھی کتب سیر وتواریخ میں ہے کہ جناب امیرؑ کے زمانہ خلافت میں بشیر جو آپ کے غلام تھے حاجب (دربان) تھے پھر قنبر ہوئے۔

قاضی:

عہدۂ قضا پر بدستور شریح ابن حارث کندی رہے۔ ان کے چند فیصلوں کی بنا پر جناب امیرؑ نے ان کو معزول کرنا چاہا لیکن ناعاقبت اندیش اہل کوفہ نے شور مچایا کہ ہم حضرت عمر کے مقرر کردہ قاضی کو تبدیل نہ ہونے دیں گے، اس لیے جناب امیرؑ نے ان کو بحال رکھا۔

کاتب:

نزل الابرار میں ہے کہ جناب امیرؑ کے کاتب عبیداللہ بن ابی رافع مولیٰ آنحضرت تھے۔

شاعر:

حضرت حسان بن ثابت شاعر تھے جیسا کہ اکثر کتب سیر وتواریخ میں پایا جاتا ہے۔ان کی وفات بھی اسی سال یعنی ۴۰ھ میں ہوئی۔شاید ابوالاسود دوئیلی بھی ہوں (سیرۃ علویہ)

صفین میں آپ کے شاعر نجاشی اوراعورشنی وغیرہ تھے (اعیان الشیعہ)

نقش خاتم:

سبط ابن جوزی تذکرۃ خواص الامہ میں لکھتے ہیں کہ آپ کی انگوٹھی کا نقش اللہ املاک علی عبدہ تھا اور آپ داہنے ہاتھ کی انگلی میں انگوٹھی پہنا کرتے۔اسی طرح امام حسنؑ اور امام حسینؑ بھی۔ابن صباغ مالکی اپنی کتاب فصول المہمہ فی معرفتہ الائمہ میں لکھتے ہیں کہ آپ کی انگوٹھی کا نقش اسندت ظهری الی اللہ تھا یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حسبی اللہ تھا۔کفعمی اپنی کتاب مصباح میں لکھتے ہیں کہ الملك لله الواحد القهار تھا۔غالباً آپ کی کئی انگوٹھیاں تھیں اور ہر ایک کے نقش علیٰحدہ تھے۔(اعیان الشیعہ)

ازواج امیرالمومنین علیہ السلام:

(۱) جناب فاطمۃ الزہرا صلوات اللہ علیہا۔آپ کی زندگی میں امیرالمومنینؑ نے دوسرا عقد نہیں فرمایا۔(۲) جناب معصومہؑ کی رحلت کے بعد امامہ بنت ابی العاص ابن الربیع (۳) ام البنین بنت حزم بن خالد بن وارم کلابیہ (۴) لیلیٰ بنت مسعود بن خالد نہشلیہ (۵) اسماء بنت عمیس خثعمیہ، یہ پہلے جناب جعفر طیار کی زوجیت میں تھیں ان کی شہادت کے بعد ابوبکر نے ان سے عقد کرلیا، ابوبکر کے مرنے پر امیرالمومنینؑ کی زوجیت میں آئیں۔(۶) ام حبیب بنت ربیعہ شعلبی انکا نام صہباء تھا (۷) خولہ بنت جعفر بن قیس۔(۸) ام سعد یا ام سعید بنت عروہ بن مسعود ثقفیہ۔(۹) مخیاۃ بنت امری القیس بن عدی کلبیہ)

اولاد امیرالمومنین علیہ السلام:

مسعودی نے مروج الذہب میں ۲۵ کی تعداد ذکر کی ہے۔شیخ مفید نے ارشاد میں لکھا ہے کہ لڑکے اور لڑکیوں کی تعداد ۲۷ تھی۔اور جناب محسنؑ کو شامل کرلیا جائے تو ۲۸ لڑکے لڑکیاں تھیں۔بعض نے ۳۰ کی تعداد لکھی ہے۔علامہ محسن آملی لکھتے ہیں کہ مورخین وعلمائے انساب کے بیانات کی روشنی میں ۳۳ کی تعداد معلوم ہوتی ہے۔اتنے نام تاریخوں میں بنات و فرزندان امیرالمومنینؑ کے ملتے ہیں:

(۱) امام حسنؑ (۲) امام حسینؑ (۳) زینب کبریٰ (۴) زینب صغریٰ جن کی کنیت ام کلثوم تھی۔(۵) محسنؑ یہ پانچوں جناب فاطمۃ الزہرا کے بطن سے تھے (۶) محمد اوسط ان کی ماں امامہ بنت ابی العاص تھیں (۷) و (۸) و (۹) و (۱۰) عباس۔جعفر

۔عبداللہ۔عثمان یہ جناب ام البنین کے بطن سے تھے اور چاروں بھائی میدان کربلا میں درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔(۱۱) محمد الاکبر جو محمد بن حنفیہ کے نام سے مشہور ہیں ان کی ماں خولہ حنفیہ تھیں (۱۲) محمد الاصغران کی کنیت ابوبکر تھی (۱۳) عبداللہ یا عبیداللہ محمد اصغر اور عبداللہ دونوں لیلیٰ بنت مسعود کے بطن سے تھے اور میدان کربلا میں شہید ہوئے (۱۴) یحییٰ ان کی ماں اسماء بنت عمیس تھیں (۱۵) و(۱۶) عمر اور رقیہ یہ دونوں صہبا کے بطن سے تھے اور جڑوواں پیدا ہوئے تھے۔عمر ۸۰ برس زندہ رہے (۱۷) و(۱۸) و(۱۹) امام الحسن رملۃ الکبریٰ ام کلثوم الصغریٰ ان کی ماں ام سعد بنت عروہ بن مسعود ثقفی تھیں (۲۰) ایک صاحبزادی مخباۃ کلبیہ کے بطن سے ہوئی جو بچپنے ہی میں انتقال کر گئی۔(۲۱) ام ہانی (۲۲) میمونہ (۲۳) زینب السری، عمدۃ الطالب میں ہے کہ ان کی ماں ام الولد (کنیز) تھیں (۲۴) رلمۃ الصغریٰ (۲۵) رقیۃ الصغریٰ (۲۶) فاطمہ (۲۷) امامہ (۲۸) خدیجہ (۲۹) ام الکرام (۳۰) ام سلمہ (۳۱) ام ابیہا (۳۲) جمانہ جنکی کنیت ام جعفر تھیں۔(۳۳) کچھ دوسری لڑکیاں جو متفرق کنیزوں کے بطن سے پیدا ہوئیں۔

(اعیان الشیعہ علامہ محسن آملی جلد سوم)

❑❑

بیسواں باب

قبر مبارک اور اس کی تعمیرات

اوپر ہم بیان کر چکے ہیں کہ امیر المومنینؑ کا جنازہ شب ہی میں مقام عزیین کی طرف لیجایا گیا اور وہیں سپرد خاک ہوا اور آپ کی وصیت کے مطابق قبر کے نشانات چھپا دیے گئے۔ علامہ ابن ابی الحدید ابوالقاسم بلخی سے نقل کر کے شرح نہج البلاغہ میں لکھتے ہیں کہ امیر المومنینؑ کی شہادت جب ہوئی آپ کے فرزندوں نے اس ڈر سے کہ کہیں بنی امیہ آپ کے قبر کی بے حرمتی نہ کریں کوشش کی کہ قبر کا پتہ کسی کو نہ چلنے پائے۔ انھوں نے ایسی تدبیریں کیں کہ لوگ شک وشبہہ میں پڑ جائیں اور کسی کو صحیح طور پر جائے دفن معلوم نہ ہو۔ ایک اونٹ پر ایک تابوت رکھا گیا، جس سے کافور کی خوشبو نکل رہی تھی۔ شب کے وقت اس اونٹ کو خاص خاص آدمی کوفہ سے لے کر چلے۔ معلوم ہوتا تھا کہ یہ لوگ جنازہ کو مدینہ لیجا رہے ہیں تا کہ جناب فاطمہ زہراؑ کے پہلو میں دفن کریں۔ جنازے کی دوسری نقل ایک خچر پر رکھ کر مقام حیرہ کی طرف کچھ لوگ لے گئے۔ اسی طرح کئی قبریں کھودیں، مسجد میں، دار الامارہ کے صحن میں، جعدہ بن ہبیرہ مخزومی کے گھر کے پاس، عبداللہ بن یزید قسری کے گھر کے اندر، محلہ کناسہ میں اور دیگر جگہوں پر۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کسی کو بھی ٹھیک طرح سے آپ کی قبر کی جگہ کا پتہ نہ چل سکا۔ بس فرزندان امیر المومنینؑ اور خاص خاص آپ کے اصحاب ہی کو اس کا علم تھا جنہوں نے آپ کی میت کو شب بست ویکم ماہ رمضان المبارک سحر کے وقت لے جا کر نجف میں جوعزی کے نام سے مشہور تھا، امیر المومنینؑ کی وصیت کے مطابق دفن کیا اور عامۃ الناس سے آپ کی قبر مخفی رکھی گئی۔ اکیسویں رمضان کی جب صبح ہوئی تو جتنے منھ تھے اتنی ہی باتیں تھیں۔ کوئی کسی مقام پر دفن کیے جانے کا مدعی تھا کوئی کسی مقام پر۔ کچھ لوگوں کا کہنا تھا کہ قبیلہ طے کے کچھ لوگوں نے ایک اونٹ پایا جس پر ایک صندوق لدا ہوا تھا اونٹ کے ساتھ کوئی آدمی نہ تھا۔ بنی طے والوں نے سمجھا کہ اس صندوق میں خزانہ ہے۔ انھوں نے وہ صندوق اتار لیا مگر جب تابوت کھولنے پر امیر المومنینؑ کی میت نظر آئی تو گرفتاری کے ڈر سے اس میت کو دفن کر دیا اور اونٹ کو حلال کر کے کھا گئے۔

بنی امیہ کے ان ہوا خواہوں نے اسی کو صحیح سمجھا اور خوب خوب اس کے پروپیگنڈر کیے۔ ولید بن عقبہ نے چند اشعار کہے جن میں ایک شعر یہ بھی تھا:

فان يك قد ضل البعير بحمله　　　فما كان مُهديا ولا كان هاديا

(شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید)

امیر المومنینؑ کے متعلق پیغمبر خدا کی مشہور حدیث ہے ان تولوہ تجدوہ ھادیا مھدیا اگر تم لوگ علیؑ کو اپنا امیر تسلیم کر لو گے تو انھیں ہدایت یافتہ اور ہدایت کرنے والا پاؤ گے۔ ولید، پیغمبر خدا کی اس مشہور حدیث کا مضحکہ اڑاتا ہوا کہتا ہے، اگر

اونٹ ان کے جنازہ کولیکر بھٹک گیا تو نہ تو وہ ہدایت یافتہ ثابت ہوتے ہیں نہ ہدایت کرنے والے۔

اہل سنت کو بنی امیہ سے جو وابستگی رہی ہے وہ محتاج بیان نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ان کے پروپگنڈے سے متاثر ہو کر شک وشبہہ میں پڑ گئے اور ان میں اختلاف پیدا ہو گیا کہ امیر المومنینؑ دفن ہوئے تو کہاں ہوئے مگر شیعوں کا شروع سے اتفاق ہے اور یہ اتفاق ائمہ طاہرین اولاد امیر المومنینؑ کے ارشادات کے بنا پر ہے کہ امیر المومنینؑ اسی جگہ دفن ہوئے جہاں آج بھی حضرت کا مزار مبارک زیارت گاہ عوام وخواص ہے۔ محققین علماء اہل سنت بھی اسی کے قائل ہیں اور یہ خبر حد تواتر تک پہونچی ہوئی ہے۔ سید عبدالکریم ابن طاؤس نے اس موضوع پر ایک کتاب فرحۃ العزی کے نام سے لکھی ہے جس میں وہ تمام اخبار واحادیث اکٹھا کر دیے ہیں جو نجف میں امیر المومنینؑ کے دفن ہونے کے متعلق وارد ہیں۔

شیخ مفیدؒ نے ارشاد میں بسلسلہ اسناد جابر بن یزید سے روایت کی ہے۔ جابر کہتے ہیں کہ میں نے امام محمد باقرؑ سے پوچھا کہ امیر المومنینؑ کہاں دفن ہوئے؟ آپ نے فرمایا عزبین کے کنارے اور آپ طلوع فجر سے پہلے سپرد لحد ہوئے۔ ابن ابی عمیر سے روایت کی ہے کہ امام حسینؑ سے پوچھا گیا کہ آپ لوگوں نے امیر المومنینؑ کو کہا دفن کیا۔ آپ نے فرمایا ہم لوگ شب میں جنازہ لے کر مسجد اشعث کے پاس آئے وہاں سے مقام عزبین کی پشت پر پہونچے اور وہاں دفن کیا۔

علامہ ابن اثیر لکھتے ہیں: امیر المومنینؑ مسجد جماعۃ میں دفن ہوئے۔ بعض لوگوں کا قول ہے کہ کوفہ کے دار الامارہ میں مدفون ہوئے۔ بعضوں نے اور جگہ بتائی ہے مگر صحیح تر یہ ہے کہ آپ کی قبر اسی مقام پر ہے جہاں زیارت کی جاتی ہے۔

یہی حق بھی ہے کیونکہ امیر المومنینؑ کے فرزند، اُن کی ذریت، ان کے شیعہ برابر اس مقام کی زیارت کرتے رہے۔ مرنے والے کے جائے دفن سے اسکے گھر والوں سے بڑھ کر کون واقف ہوسکتا ہے۔ اسی پر تمام شیعوں کا اتفاق ہے۔ جملہ ائمہ طاہرینؑ سے بھی یہی منقول ہے اور گنتی کے دو چار آدمیوں کو چھوڑ کر تمام مسلمانوں کا بھی یہی قول ہے۔

سبط ابن جوزی تذکرۂ خواص الامہ میں لکھتے ہیں کہ در ابونعیم اصبہانی نے لکھا ہے کہ نجف میں قبر اصل میں مغیرہ بن شعبہ کی ہے اگر زوار کو اس کا علم ہوجائے تو وہ لوگ اس قبر پر پتھر پھینکیں۔ ابن جوزی لکھتے ہیں کہ یہ ابونعیم کی غلطیوں میں سے ایک غلطی ہے۔ مغیرہ بن شعبہ کے متعلق نہ تو کسی کو یہی پتہ ہے کہ وہ مرے کہاں، نہ یہی کوئی کہہ سکتا ہے کہ دفن کہاں ہوئے۔ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ وہ شام میں مرے تھے۔ (تذکرۂ خواص الامہ)

شیخ مفیدؒ ارشاد میں لکھتے ہیں کہ امیر المومنینؑ کی قبر امام جعفر صادقؑ کے عہد تک لوگوں سے مخفی رہی، اولاد امیر المومنینؑ اور مخصوص محبان اہل بیتؑ کے علاوہ کسی کو اس کا علم نہ تھا۔ عباسی دور سلطنت میں امام جعفر صادقؑ نے اسکی طرف نشاندہی کی جب

منصور دوانیقی کے بلانے پر آپ حیرہ تشریف لے گئے جہاں منصور ٹھہرا ہوا تھا تو آپ نے نجف میں ٹھہر کر امیر المومنینؑ کی زیارت کی اسی وقت عام شیعوں کو اس کا علم ہوا اور وہ زیارت بجالائے۔

فرحۃ الغری میں، صفوان بن مہران جمال سے مروی ہے کہ امام جعفر صادقؑ جب منصور کے ہاں جاتے ہوئے کوفہ میں پہونچے تو امامؑ نے فرمایا صفوان! سواری بٹھادو کہ یہاں ہمارے جد امجد امیر المومنینؑ کی قبر ہے۔ میں نے سواری بٹھادی۔ امامؑ گھوڑے سے اترے، غسل فرمایا، لباس بدلا، برہنہ پا ہو گئے اور مجھ سے فرمایا کہ جیسا میں کر رہا ہوں تم بھی کرو۔ امام جعفر صادقؑ نے اپنے متعدد اصحاب کو امیر المومنینؑ کی یہ قبر بتائی منجملہ انکے ابوبصیرہ عبداللہ بن طلحہ، معلٰی بن خنیس، یونس بن ظبیان اور زرارہ وغیرہ ہیں۔ امام جعفر صادقؑ سے پہلے امام زین العابدینؑ بھی اپنے ایک غلام حنبتہ کے ساتھ حجاز سے آکر اس مقام کی زیارت بجالائے تھے لیکن اس وقت عام لوگوں کو پتہ نہ چل سکا تھا۔ عام شہرت اس کی ۱۷۰ھ کے بعد ہوئی جب کہ ہارون رشید اس مقام کی زیارت بجالایا تھا۔ شاہ محمد علی حیدر کاکوروی سیرہ علویہ میں لکھتے ہیں:

''بقول صاحب نزل الابرار مدفن میں سخت اختلاف ہے، سب سے زیادہ صحیح یہ ہے کہ جناب امیرؑ مقام عزی یعنی نجف اشرف میں دفن ہوئے جہاں پر آجکل لوگ زیارت کرتے ہیں۔ مستدرک حاکم میں ہے کہ حافظ ابوعبداللہ نے اپنے استاد سے روایت کیا کہ جناب امیرؑ نے حضرات حسنینؑ سے انتقال کے قبل وصیت فرمائی کہ جب میں مر جاؤں تو مجھ کو ایک تختہ پر رکھ کر عزی یعنی نجف لیجانا۔ وہاں تم لوگ ایک سپید پتھر دیکھو گے وہیں پر زمین کھودنا اور وہیں مجھ کو دفن کر دینا۔

قبر شریف امین کے برابر کر دی گئی بظاہر کوئی نشان قبر کا معلوم نہ ہوتا تھا۔ اہلبیتؑ کسی خاص علامت سے پہچانتے تھے۔ عہد بنی العباس میں خلیفہ ہارون رشید ایک مرتبہ شکار کھیلتا ہوا اس مقام پر آنکلا جہاں پر آجکل جناب امیرؑ کی قبر مبارک ہے۔ ہارون رشید نے اپنے چیتیوں کو ایک شکار پر چھوڑا۔ شکار دوڑ کر اس مقام پر ٹھہر گیا جہاں اب جناب امیرؑ کا مزار ہے۔ چیتے بھی مزار مبارک سے دور ہٹ کر کھڑے ہو گئے۔ ہارون رشید اس بات سے بہت متعجب ہوا۔ اتنے میں ایک شخص جس کو یہ واقعہ معلوم تھا اس طرف آنکلا اور ہارون رشید سے کہنے لگا کہ اگر میں تجھ کو تیرے ابن عم علی ابن ابی طالبؑ کا مزار اطہر بتا دوں تو تو مجھ کو کیا انعام دیگا۔ ہارون رشید کہنے لگا میں تجھ کو تعظیم کے ساتھ بہت کچھ انعام دوں گا۔ اس نے جواب دیا یہی جگہ انکے مزار مبارک کی ہے۔ ہارون رشید نے پوچھا تجھ کو کیسے معلوم ہوا؟ اس نے کہا کہ میرا باپ حضرت امام جعفر صادقؑ کے ساتھ زیارت کے لیے اس جگہ آیا کرتا تھا۔ امام جعفر صادقؑ اپنے والد امام محمد باقرؑ کے ساتھ آتے تھے اور وہ اپنے والد امام زین العابدینؑ کے ساتھ۔ ان کو اس کا پورا علم تھا۔ ہارون رشید نے وہاں کٹھرا لگوا دیا۔ یہ پہلی تعمیر تھی جو نجف اشرف میں ہوئی''۔

(حیٰوۃ الحیوان دمیری، سیرۃ علویہ شاہ محمد علی حیدر ص ۵۱۴)

ہارون رشید یہ سن کر کہ اس جگہ امیر المومنینؑ کی قبر ہے مرکب سے اتر پڑا، پانی منگا کر وضو کیا، نماز پڑھی اور اس سرزمین پر لوٹنے لگا اس حال میں کہ آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔

محمد ابن عائشہ کا بیان ہے کہ اس واقعہ کو سن کر میرا اطمینان نہ ہوا۔ میں بقصد حج جب مکہ گیا تو وہاں ہارون رشید کے غلام یا سر سے ملاقات ہوئی۔ اس نے مجھ سے بیان کیا کہ جب میں ہارون رشید کے ہمراہ مکہ سے چل کر کوفہ پہونچا، ہارون نے کہا یا سر عیسیٰ بن جعفر سے کہو کہ ہمارے ساتھ چلے۔ ہم سب لوگ روانہ ہوئے۔ جب مقام عزیین پر پہونچے تو عیسیٰ تو پڑ کر سو رہا۔ ہارون ایک جھاڑی کے پاس آیا اور وہاں نماز پڑھنے لگا۔ جب دو رکعت پڑھ چکتا دعائیں مانگتا روتا اور اس خاک پر رخسار ے رگڑتا اور کہتا اے ابن عم خدا کی قسم میں آپ کے فضل وشرف اور سابقیت سے بخوبی آگاہ ہوں۔ آپ ہی کے صدقہ میں اس جگہ (تخت خلافت) پر بیٹھا ہوں آپ ایسے اور ایسے لیکن آپ کی اولاد میرے در پے ایذا ہے اور وہ مجھ پر خروج کرتے رہتے ہیں یہ کہہ کر ہارون پھر اٹھتا نماز پڑھتا اور یہی فقرے دہراتا جاتا اور دعائیں مانگتا جاتا یہاں تک کہ صبح ہوگئی اس وقت ہارون نے مجھے حکم دیا کہ عیسیٰ کو جگاؤ میں نے عیسیٰ کو بیدار کیا۔ ہارون نے کہا عیسیٰ آؤ اپنے ابن عم کی قبر کے پاس نماز پڑھو۔ عیسیٰ نے کہا یہاں میرا کون سا ابن عم ہے؟ ہارون نے کہا یہ علیؑ ابن ابی طالب کی قبر ہے۔ عیسیٰ نے وضو کر کے نماز پڑھی۔ دونوں نماز و دعا میں مشغول رہے یہاں تک کہ صبح ہوئی پھر ہم لوگ کوفہ پلٹ آئے۔ (فرحۃ الغری۔ اعیان الشیعہ جلد سوم)

پہلی تعمیر: سب سے پہلے ہارون رشید نے ۱۷۰ھ میں روضۂ مبارکہ کی تعمیر کی ہے۔ ارشاد القلوب دیلمی میں ہے کہ ہارون رشید نے حکم دیا کہ اس جگہ ایک قبہ بنایا جائے۔ جسکے چار دروازے ہوں۔ عمدۃ الطالب میں ہارون رشید کے آنے اور قبر شریف کی زیارت کرنے کے بعد مذکور ہے کہ ہارون کے حکم سے وہاں قبہ کی تعمیر ہوئی۔ لوگ مزار مبارک کی زیارت کو آنے جانے اور اپنے مردوں کو اس کے آس پاس دفن کرنے لگے۔ فرحۃ الغری میں ہے کہ داود عباسی نے قبر مبارک پر ایک عمدہ صندوق بنا کر رکھا۔

دوسری تعمیر: ۲۷۹ھ میں ہوئی۔ جبکہ امام حسنؑ کی نسل سے ایک بزرگ محمد بن زید حسنی ملقب بہ داعی صغیر بلاد دیلم و طبرستان کے حاکم تھے۔ انھوں نے امام حسینؑ کا روضہ بھی تعمیر کرایا اور نجف کا روضہ بھی۔ نجف میں ایک قلعہ تعمیر کرایا جس میں ستر طاق تھے۔

فرحۃ الغری میں ہے کہ محمد بن زید ملقب بہ داعی نے خلیفہ معتضد کے عہد حکومت میں روضۂ نجف تعمیر کرایا۔ معتضد ۲۷۹ھ میں خلیفہ ہوا اور ۳۰۹ھ میں مرا۔

زینت المجالس میں ہے کہ جس زمانہ میں حسن اور محمد فرزندان زید بن حسن نے اپنا اقتدار قائم کیا تھا۔ محمد کے حکم سے دونوں روضہ حسینی اور روضہ علوی کی تعمیر ہوئی۔

بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ محمد کے بجائے ان کے بھائی حسن بن زید ملقب بہ داعی کبیر نے تعمیر کرائی جنھوں نے

۲۵۰ھ میں طبرستان میں اپنی حکومت قائم کی تھی ان کا انتقال ۲۷۰ھ میں ہوا۔ سلطان عضدالدولہ فناخسرو بن بویہ دیلمی کے ہاتھوں خلیفہ طائع کے عہد میں ہوئی۔

تیسری تعمیر: عضدالدولہ نے بڑے اہتمام سے نجف وکربلا کے روضوں کی تعمیر کی۔ اسکی تعظیم وتکریم میں پوری کوشش کی۔ دونوں کے لیے اوقاف کیے۔ امیرالمومنینؑ کے مزار مبارک پر عظیم الشان عمارت بنائی۔ بیشمار مال وزر خرچ کیا۔ دیواروں پر ساکھو کے منقش تختے چڑھائے اور سپید رنگ کا قبہ بنوایا۔ اس قبہ کے متعلق مشہور شاعر ابن حجاج کہتا ہے:

یاصاحب القبۃ البیضاء علی النجف   من زار قبرك و استشفی لدیك شفی

اے سرزمین نجف پر قبہ سپید والے۔ جس نے آپ کے قبر کی زیارت کی اور آپ سے شفا چاہی شفایاب ہوا۔

عضدالدولہ ۳۶۷ھ میں عراق کا حاکم ہوا۔ اور ۳۷۲ھ میں انتقال کیا۔ بظاہر عمارت کی تعمیر ۳۶۹ھ میں ہوئی۔ یہ جو بعض کتابوں میں ہے کہ ۳۳۸ھ میں تعمیر ہوئی اور بعض میں ہے کہ ۳۷۶ھ میں ہوئی یہ غلط ہے کیونکہ ۳۳۸ھ تک عضدالدولہ عراق کا حاکم بھی نہ ہوا تھا اور ۳۷۶ھ کے پہلے ہی وہ انتقال کر چکا تھا۔ عضدالدولہ کی بنائی ہوئی عمارت ۷۵۳ھ تک رہی پھر منہدم ہو گئی۔ عضدالدولہ نے روضہ کی تعمیر کے ساتھ ہی یہ کوشش بھی کہ دریائے فرات سے نجف تک نہر لائی جائے، نجف کی زمین بلند تھی وہاں تک پانی نہیں پہونچ سکتا اس لیے اندر ہی اندر نہر کھودی گئی۔ ابن بطوطہ نے بھی اپنے سفر میں عضدالدولہ کی اس عمارت کو دیکھا تھا، چنانچہ اپنے سفرنامہ رحلت ابن بطوطہ میں اسوقت کے روضہ کی پوری تفصیل کیفیت لکھی ہے۔ روضہ کی تعمیر کے بعد عضدالدولہ ہی کے حکم سے عمران بن شاہین نے رواق کی تعمیر کی جو رواق عمران کے نام سے مشہور تھا۔

چوتھی تعمیر: عضدالدولہ کی تعمیر کے بعد ۷۶۰ھ میں چوتھی تعمیر ہوئی لیکن یہ پتہ نہیں کہ کس نے تعمیر کیا۔ غالباً کسی ایک شخص نے نہیں بلکہ کچھ لوگوں نے مل کر اس خدمت کو انجام دیا۔ یہی وجہ ہے کہ تجدید کرنے والے کا تاریخ میں نام نہیں ملتا۔ ہوتا یہ ہے کہ اگر کوئی مشہور عمارت کسی ایک شخص کی وجہ سے تعمیر ہوتی ہے اور وہ شخص مشہور بھی ہوتا ہے تو اس کا نام تاریخ کے صفحات پر آجاتا ہے ورنہ نہیں۔ عضدالدولہ کی تعمیر اور اس تعمیر کی درمیانی مدت میں کئی مرتبہ روضہ کی مرمت اصلاحات اور اضافے سلاطین بویہ وحمدان اور بعض سلاطین بنی عباس کے ہاتھوں ہوئے ہیں۔

پانچویں تعمیر: آج کل جو عمارت موجود ہے وہی پانچویں تعمیر ہے۔ باشندگان نجف میں مشہور ہے کہ یہ تعمیر شاہ عباس صفوی اول کی بنوائی ہوئی ہے اور یہ خدمت شیخ بہائیؒ کے ہاتھوں انجام پائی۔ انھیں نے اس عمارت کا نقشہ وغیرہ تیار کیا اور مناسب ترمیمیں کیں۔ پہلے سپید قبہ تھا اب کی مرتبہ سبز بنایا گیا۔

رسالہ نزہلتہ اہل الحرمین میں ہے کہ ۱۰۴۷ھ میں شاہ صفی صفوی کے حکم سے ہوئی تعمیر سے فراغت نہ ہونے پائی تھی کہ ۱۰۵۲ھ میں شاہ صفی کا انتقال ہوگیا ان کے بعد انکے بیٹے شاہ عباس ثانی نے پایہ تکمیل کو پہونچایا۔ اس بنا پر شبہ ہوتا ہے کہ تعمیر شاہ عباس اول کے زمانہ میں نہ ہوئی بلکہ شاہ صفی کے زمانہ میں ہوئی مگر یہ صحیح نہیں کیونکہ شاہ عباس اول نے ۲۷ سال بادشاہت کی۔ قوی امکان ہے کہ انھوں نے اوائل سلطنت میں تعمیر شروع کی ہو پھر کچھ رکاوٹیں پیش آگئی ہوں اور ان کے بعد ان کے پوتے شاہ صفی نے اپنے عہد میں اسے پایہ تکمیل کو پہنچایا ہو۔ پھر نادر شاہ صفوی نے ہندوستان پر حملہ کے بعد ۱۱۴۵ھ و ۱۱۵۶ھ میں اس صفوی تعمیر کی تجدید کی۔ اس میں اضافہ کیے قبہ دونوں منارے اور قبہ کے ایوان کو مطلا کیا اور وہی تعمیر آج بھی موجود ہے۔ روضۂ اقدس میں بہت سے جواہر اور دیگر قیمتی چیزیں نذر کیں اور مشرقی دروازہ کے اندرونی حصہ میں اپنا نام لکھا المتوکل علی الملک القادر السلطان نادر شاہ۔ کے نیچے کوئی تاریخ درج ہے جو غالباً نادر شاہ کی تعمیر سے پہلی تعمیر کی تاریخ ہے۔

نادر شاہ کے بعد شاہ احمد ناصر الدین قاجاری نے اس عمارت کی تجدید کی۔ اس وقت دیگر سلاطین و امراء کو بھی اس روضہ کی تعمیر اور قیمتی اشیاء نذر کرنے کا شوق ہوا۔ سلطان عبدالعزیز عثمانی نے چاندی کے دو بہت بڑے شمعدان بہترین ساخت کے بنے ہوئے جن پر سونے کا پانی پھیرا ہوا تھا نذر کیے۔ اسی طرح روضہ حسینی اور کاظمین و سامرہ میں بھی نذر کیے۔

نجف کی شہر پناہیں:

چونکہ نجف اس جنگل سے متصل واقع ہے جس کا سلسلہ آگے بڑھ کر شام کے جنگلوں سے مل گیا ہے اور ہر وقت عرب اور غیر عرب کی لوٹ مار کا خطرہ لاحق تھا اس لئے شیعہ سلاطین و امراء نے لیڈروں کی تاخت و تاراج سے اسے محفوظ رکھنے کی پوری کوشش کی۔ انھوں نے نجف کے چاروں طرف شہر پناہ تعمیر کرائی اور جب جب ضرورت محسوس ہوئی اسکی تجدید کرتے رہے۔ عضد الدولہ فنا خسرو بن بویہ دیلمی نے بنائی اس وقت جب روضہ اقدس کی تعمیر کا کام چل رہا تھا۔

دوسری پناہ: ۳۶۷ھ سے ۳۷۲ھ کے درمیان:

سلطان الدولہ بن بویہ دیلمی کے وزیر حسن بن سہلان نے ۴۰۰ھ میں بنائی جیسا کہ۔

علامہ ابن اثیر وغیرہ نے ذکر کیا ہے، اس کا واقعہ یوں ہے کہ حسن بن سہلان بیمار ہوا اس نے نذر کی کہ اگر بیماری سے مجھے شفا نصیب ہوگئی تو میں نجف کی شہر پناہ تعمیر کروں گا۔ خدا نے اسے شفا بخشی اور اس نے ایفائے نذر میں شہر پناہ کی تعمیر کی یا تو پہلی شہر پناہ بوسیدہ ہو چکی تھی اسے گرا کر پھر نئے سرے سے تعمیر کیا یا پہلی شہرہ پناہ سے زیادہ وسیع شہر پناہ بنوائی اور پہلی کو گرا دیا۔

تیسری شہرپناہ: بعض شاہان ہند نے بنوائی جیسا کہ بستان السیاحتہ میں مذکور ہے۔کہا جاتا ہے کہ یہ دوسری سے بھی وسیع تھی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ نادر شاہ جب نجف آیا تو اسی نے شہر پناہ بنانے کا حکم دیا نادرشاہ ۱۱۵۶ھ میں آیا تھا۔غالباً اس نے سابقہ شہر پناہ ہی کی درستی کی تھی۔

چوتھی شہرپناہ: فتح علی شاہ قاچاری کے وزیر نظام الدولہ محمد حسین خاں علاف اصفہانی نے تعمیر کی۔ یہ سابقہ تمام شہر پناہوں سے بلند اور سب سے مضبوط تر ہے یہی آج بھی موجود ہے۔اس کے بہت سے حصے شاہ عراق کے حکم سے گرادیے گئے حالانکہ کوئی ضرورت گرانے کی نہ تھی۔(اعیان الشیعہ علامہ محسن آملی طاب ثراہ جلد سوم)

❑❑

اکیسواں باب

مؤلفات امیر المومنین علیہ السلام

شروع زمانہ اسلام میں سوا امیر المومنینؑ اور شیعیان امیر المومنینؑ کے تدوین علوم کا کسی کو خیال بھی پیدا نہ ہوا۔ ابتداء صحابہ اسی میں الجھے رہے کہ علم کو کتابی صورت میں لانا علم کا لکھنا جائز بھی ہے یا نہیں۔ صحابہ کے درمیان شدید اختلاف تھا۔ کوئی جائز بتا تا تھا کوئی نا جائز۔ چنانچہ علامہ ابن حجر عسقلانی نے مقدمہ فتح الباری وغیرہ میں تحریر کیا ہے کہ خود حضرت عمر اس کو نا پسند کرتے تھے اور حضرت عمر کے ساتھ صحابہ کی ایک جماعت بھی ان کے ہم خیال تھے۔ انھیں یہ خطرہ محسوس ہو رہا تھا کہ کہیں حدیث لکھنے میں خلط ملط نہ ہو جائے مگر حضرت علیؑ اور آپ کے فرزند امام حسن مجتبیٰ اور صحابہ کی ایک خاصی تعداد نے اسے جائز قرار دیا۔ علامہ جلال الدین سیوطی لکھتے ہیں:

''سلف صحابہ و تابعین میں تدوین و تالیف اور کتابت علوم کے متعلق سخت اختلاف تھا سوائے حضرت علیؑ اور امام حسنؑ یا کچھ اور لوگوں کے (یعنی دیگر فرزندان امیر المومنینؑ اور سلمانؓ و ابوذرؓ) جو نہ صرف اس کو جائز و مباح سمجھتے تھے بلکہ عملاً خود ان حضرات نے تالیف و تدوین بھی فرمایا۔ اس کے برخلاف باقی تمام صحابہ و تابعین اس کو اچھا نہیں سمجھتے تھے۔'' (تدریب الرادی۔ منہاج نہج البلاغہ مولوی سبط الحسن صاحب ہنسوی)

دوسرے دور میں جب تابعین کا زمانہ آخر تھا اختلاف برطرف ہوئے اور سب کا اجماع ہو گیا کہ لکھنا جائز ہے، اُس وقت ابن جریح نے مکہ میں مجاہد اور عطا (تابعین) سے استفادہ کر کے آثار میں اپنی کتاب تالیف کی۔ امام غزالی ان کی اس کتاب کے متعلق فرماتے ہیں کہ پہلی کتاب ہے جو اسلام میں لکھی گئی لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ پہلی کتاب ہے جسے غیر شیعہ مسلم نے لکھا۔ ابن جریح کے بعد معتمر بن راشد صغائی نے یمن میں اپنی کتاب تالیف کی۔ تیسرا نمبر امام مالکؒ کی موطا کا ہے۔

مقدمہ فتح الباری میں ہے کہ ربیع بن صبیح پہلے وہ بزرگ ہیں جنھوں نے علوم جمع کیے اور یہ زمانہ تابعین کے آخر میں

گذرے ہیں۔ بہر حال چاہے ربیع ابن صبیح پہلے مؤلف ہوں یا ابن جریح، یہ یقینی اور اجماعی بات ہے کہ عصر اول میں شیعوں کے علاوہ مسلمانوں کی کوئی تالیف نہیں۔ امیر المومنینؑ اور شیعیان امیر المومنینؑ کو عصر اول ہی میں انکا خیال پیدا ہوا اور انھوں نے اسی وقت سے تالیف کا کام شروع کر دیا۔ پہلی وہ کتاب جسے امیر المومنینؑ نے مدون کیا ہے وہ قرآن مجید ہے۔

(۱) امیر المومنینؑ جب رسولؐ کے دفن وکفن سے فارغ ہوئے تو آپ نے یہ عہد کیا کہ جب تک قرآن جمع نہ کرلیں گے کوئی کام نہ کرینگے۔ چنانچہ آپ نے موافق نزول کلام مجید کو جمع فرمایا اور ساتھ ہی ساتھ اس کی طرف بھی اشارہ کرتے گئے کہ کون آیت خاص ہے کون عام، کون مطلق ہے کون مقید، کون محکم ہے کون متشابہ، ناسخ کون ہے منسوخ کون، عزائم کون ہیں رخص کون، سنن سے متعلق کونسی آیتیں ہیں آداب سے متعلق کون، اسباب نزول کی بھی آپ نے تصریح کی نیز جو آیتیں کسی جہت سے مشکل تھیں انکی وضاحت بھی کی۔

ابن سیرین مشہور تابعی کہا کرتے کہ اگر حضرت علیؑ کا جمع کیا ہوا قرآن مل جاتا تو تمام علم اسی میں مل جاتا۔

(طبقات ابن سعد جلد ۲ قسم ۲ ص ۱۰۱ صواعق محرقہ ابن حجر مکی، ریاض نضرہ جلد ۲ ص ۱۶۸)

اور بھی صحابہ نے قرآن جمع کرنیکی کوشش کی لیکن موافق نزول جمع کرنا ان سے ممکن نہ ہوسکا۔ اور نہ مذکورہ بالا رموز وہ لکھ سکے۔ اس بنا پر امیر المومنینؑ کی جمع وترتیب تفسیر سے زیادہ مشابہ تھی۔

(۲) جب آپ قرآن کے جمع سے فارغ ہو چکے تو آپ نے جناب سیدہ کی تسکین وتسلی اور پدر بزرگوار کا غم غلط کرنے کے لیے ایک کتاب تالیف فرمائی جو جناب سیدہ کی اولاد طاہرین میں مصحف فاطمہؑ کے نام سے مشہور ہے۔ اس میں امیر المومنینؑ نے امثال، حکمت کی باتیں، وعظ، نصائح، اخبار اور نوادر جمع کیے تھے۔

(۳) اسکے بعد آپ نے ایک کتاب دیات میں تالیف کی اور اس کا نام صحیفہ رکھا۔ چنانچہ ابن سعد نے اپنی کتاب جو ''جامع'' کے نام سے مشہور ہے آخر میں امیر المومنینؑ کی طرف منسوب کر کے اس صحیفہ کو نقل کیا ہے اور بخاری ومسلم نے بھی صحیح مسلم میں متعدد مقامات پر اس کا حوالہ دیا ہے اور اس سے روایتیں کی ہیں۔ منجملہ ان روایات کے جو بخاری ومسلم نے اس صحیفہ سے لی ہے وہ حدیث ہے جو انھوں نے اعمش سے روایت کی ہے اور اعمش نے ابراہیم سے انھوں نے اپنے باپ سے وہ کہتے تھے کہ حضرت علیؑ فرماتے تھے کہ کلام مجید کو چھوڑ کے کوئی کتاب ہمارے پاس نہیں جسے ہم پڑھا کریں سوا اس صحیفہ کے یہ کہہ کر آپ نے اس صحیفہ کو نکالا تو اس میں کچھ مسائل جراحات اور اسنان ابل کے متعلق تحریر تھے۔ اور اسی صحیفہ میں یہ بھی مرقوم تھا کہ مدینہ عیر سے لے کر ثور تک حرم ہے اتنی جگہ میں جو شخص کسی حادثہ کا مرتکب ہوگا یا کسی فسادی کو پناہ دے گا اس پر خدا اور ملائکہ اور تمام انسانوں کی لعنت ہو۔ یہ پوری حدیث صحیح بخاری جلد ۴ کتاب الفرائض باب اثم من تبرء من مولیہ میں انھیں الفاظ

کے ساتھ موجود ہے اور صحیح مسلم جلد اول کتاب الحج باب فضل المدینہ میں موجود ہے۔

امام احمد نے بھی اپنے مسند میں اس صحیفہ کا اکثر و بیشتر مقامات پر تذکرہ کیا ہے۔ (مسند امام احمد جلد اول ص ۱۰۰)

(۴) کتاب الجفر ۔ (۵) اونٹ کی زکوٰۃ کے متعلق ایک رسالہ (۶) فقہی مسائل سے متعلق ایک رسالہ (۷) فقہ سے متعلق ایک دوسرا رسالہ (۸) آپ کا عہد نامہ مالک اشتر کے نام (۹) آپ کا وصیت نامہ محمد بن ابی بکر کے نام (۱۰) ایک کتاب جس میں آپ کے فتاوی اور مقدمات کے فیصلے مدون ہیں ۔ بہت سے علماء نے اپنی ترتیب کے مطابق کتابی شکل میں ان احکام وفتاوی کو جمع کیا ہے (۱۱) بعض دعائیں اور مناجات جو آپ سے منقول ہیں اور بعض علماء نے انھیں کتابی شکل دی ہے اور صحیفہ علویہ نام رکھا ہے (۱۲) آپ کا مسند جسے امام نسائی نے جمع کیا ہے جس میں آپ کی بیان کردہ احادیث و روایات ہیں ۔ کشف الظنون کی عبارت ہے : ۔ مسند علیؑ لابی عبدالرحمان احمد بن شعیب النسائی المتوفی ۳۰۳ھ ۔ مسند علی جسے ابوعبدالرحمان احمد بن شعیب نسائی نے مرتب کیا۔ یہ کتاب خصائص نسائی کے علاوہ ہے جس میں امام نسائی نے امیر المومنینؑ کے فضائل کی صحیح و مسلم الثبوت حدیثیں جمع کی ہیں کشف الظنون میں اسکا بھی ذکر ہے ۔ ۱۰، ۱۱، ۱۲ کو امیر المومنینؑ کی مؤلفات سے توسیعی طور پر شمار کیا گیا ہے (۱۳) جنۃ الاسما کشف الظنون کی لفظیں ہیں : ۔ جنۃ الاسماء للامام علی ابن ابی طالب شرحھا امامہ حجہ الاسلام محمد بن غزالی المتوفی سنہ ۵۰۵ کذاوجدت فی بعض الکتب الخ ۔ جنت الاسماء حضرت علیؑ کی کتاب جسکی شرح امام غزالی متوفی ۵۰۵ھ نے کی ہے ہم نے بعض کتابوں میں ایسا ہی دیکھا ہے،، ہمیں پتہ نہ چل سکا کہ یہ جنۃ الاسماء کونسی کتاب ہے، جسکی غزالی نے شرح لکھی تھی اور کیونکر یہ کتاب امیر المومنینؑ کی طرف منسوب کی جاتی ہے غالباً کچھ اُلٹ پھیر ہوگیا ہے ۔،، (اعیان الشیعہ جلد سوم، علامہ محسن عاملی طاب ثراہ)

آپ کے خطبات اور کلمات کے مجموعے :

علامہ ابن ابی الحدید لکھتے ہیں حضرت علیؑ کے خطبے کلمات جس قدر مدون و مرتب کیے گئے ارباب فصاحت صحابۂ کرام میں سے کسی بھی صحابی کا کلام اس کا دسواں، بیسواں حصہ بھی مدون نہ ہوا۔ جسب ذیل مجموعے آپ کے خطبات وکلمات کے ابتک منظر عام پر آچکے ہیں۔

(۱) نہج البلاغہ جسے شریف رضیؒ نے جمع کیا سیکڑون ایڈیشن اس کے ہو چکے ہیں ۔ (۲) نہج البلاغہ سے جو چیزیں بچ رہی تھیں ابھی حال میں نجف کے مشہور عالم شیخ ہادی عباس نے مرتب کیا یہ کتاب بھی چھپ چکی ہے (۳) سو کلمے جسے علامہ جاحظ نے جمع کیا تھا (۴) غرر الحکم و ردد الکلم جسے عبدالواحد بن محمد بن عبدالواحد آمدی تمیمی نے جمع کیا اس میں مختصر مختصر حضرت کے حکیمانہ کلمات ہیں ۔ بالکل نہج البلاغہ سے ملتے جلتے (۵) دستور معالم الحکیم یہ بھی چھپ چکا ہے ۔ (۶) نثر الامی ۔ علامہ طبرسی

صاحب مجمع البیان نے جمع کیا یہ بھی چھپ چکا ہے۔(۷) مطلوب کل طالب من کلام علی ابن ابی طالب اسے ابواسحاق وطواط انصاری نے جمع کیا ہے اس میں ۱۰۰ ایسے حکیمانہ فقرے ہیں جو حضرت کی طرف منسوب ہیں بولاق وغیرہ میں چھپ چکا ہے فارسی و جرمنی زبانوں میں اس کا ترجمہ بھی شائع ہو چکا ہے(۸) قلائد الحکم وفرائد الکلم قاضی ابویوسف یعقوب بن سلیمان اسفر ائنی نے جمع کیا۔(۹) کتاب معمیات علیؑ (۱۰) امثال الامام علی ابن ابی طالبؑ یہ کتاب بھی چھپ چکی ہے۔(۱۱) شیخ علیہ الرحمہ نے ارشاد میں ایک حصہ آپ کے کلام کا جمع کیا ہے۔(۱۲) نصر بن مزاحم نے اپنی مشہور کتاب الصفین میں حضرت کے خطبے اور خطوط اکٹھا کیے ہیں (۱۳) کتاب جواہر المطالب میں ایک حصہ آپ کے کلام کا اکٹھا کیا گیا ہے (۱۴) ابھی حال میں مصر کے علامہ احمد تیمور پاشا نے ایک کتاب اس عنوان سے مرتب کی ہے جو شائع ہو چکی ہے۔علی ابن ابی طالبؑ شعرہ وحکمہ

(اعیان الشیعہ جلد سوم علامہ محسن عاملی طاب ثراہ)

نہج البلاغہ

”نہج البلاغہ امیر المومنینؑ علی ابن ابی طالب علیہ الصلواۃ والسلام کے کلام کا وہ مشہور ترین مجموعہ ہے جسے جناب سید رضی برادر شریف مرتضیٰ علم الہدیٰ نے چوتھی صدی ہجری کے اواخر میں مرتب فرمایا تھا۔اسکے بعد پانچویں صدی کے پہلے عشرہ میں آپکا انتقال ہوگیا ہے اور نہج البلاغہ کے انداز تحریر سے پتہ یہ چلتا ہے کہ انھوں نے طویل جستجو کے ساتھ درمیان میں خالی اوراق چھوڑ کر امیر المومنینؑ کے کلام کو متفرق مقامات سے یکجا کیا تھا جسمیں ایک طویل مدت انھیں صرف ہوئی ہوگی اور اس میں اضافہ کا سلسلہ ان کے آخر عمر تک قائم رہا ہوگا یہاں تک کہ بعض کلام جو کتاب کے یکجا ہونے کے بعد ملا ہے اسکو تعجیل میں انھوں نے اس مقام کی تلاش کیے بغیر جہاں اسے درج ہونا چاہیے تھا کسی اور مقام پر شامل کر دیا ہے اور وہاں پر یہ لکھ دیا ہے کہ یہ کلام کسی اور روایت کے مطابق اس کے پہلے کہیں درج ہوا ہے۔یہ انداز جمع و تالیف خود ایک غیر جانبدار شخص کے لیے یہ پتہ دینے کے واسطے کافی ہے کہ اس میں خود سید رضی کے ملکہ انشاء اور قوت تحریر کا کوئی دخل نہیں ہے۔بلکہ انھوں نے صرف مختلف مقامات سے جمع آوری کر کے امیر المومنینؑ کے کلام کو یکجا کر دینے پر اکتفا کی ہے۔یہ پاشانی اور پریشانی جسے بحیثیت تالیف کے کتاب کا ایک نقص سمجھنا چاہیے مقام اعتبار میں اس پر اعتماد پیدا کرنے والا ایک جوہر ہوگیا ہے۔انھوں نے مختلف نسخوں اور مختلف راویوں کی یادداشت کے مطابق نقل الفاظ میں اتنی احتیاط کی ہے کہ بعض وقت دیکھنے والے کے ذوق پر بار ہو جاتا ہے کہ اس عبارت کے نقل کرنے سے فائدہ ہی کیا ہوا جبکہ ابھی ابھی ہم ایسی عبارت پڑھ چکے ہیں جیسے ذم اہل بصرہ میں اس شہر کی غرقابی کے تذکرے میں اسکی مسجد کا نقشہ کھینچنے میں مختلف عبارات کبھی نعامۃ جاثمۃ اور کبھی کجوء طیر فی لجۃ بحر اور اس سے ملتے جلتے

ہوئے اور الفاظ یہ اسی طرح کا اہتمام صحت نقل .... جیسے موجودزمانہ میں اکثر کتابوں کی عکسی تصویر شائع کی جاتی ہے جسمیں اغلاط کتابت کی اصلاح نہیں کی جاتی اور صرف حاشیہ پر لکھا جاتا ہے کہ بظاہر یہ لفظ غلط ہے صحیح اس طرح ہونا چاہیے ۔دیکھنے والے کا دل تو ایسے مقام پر یہ چاہتا ہے کہ اصل عبارت ہی میں غلط کو کاٹ کر صحیح لفظ لکھ دی گئی ہوتی مگر صحت نقل کے اظہار کے لیے یہ صورت اختیار کی جایا کرتی ہے جیسے قرآن مجید میں بعض جگہ تالیف عثمانی کے کاتب نے جو کتابت کی غلطیاں کر دی تھیں جیسے لاذ بحنہ میں لا کے بعد ایک الف جو یقینا غلط ہے ،اس لیے کہ یہ لا ئے نافیہ نہیں ،جس کے بعد اذ بحنہ فعل آئے بلکہ لام تاکید ہے ،جس سے اذ بحنہ فعل متصل ہے مگر اس قسم کے اغلاط کو بھی دور کرنا بعد کے مسلمانوں نے صحت نقل کے خلاف سمجھا ۔اسی طرح املائے قرآن گویا ایک تعبدی شکل میں یقین ہو گیا بعض جگہ (حمۃ کی ت لمبی لکھی جاتی ہے ،بعض جگہ جنت بغیر الف کے لکھا جاتا ہے ۔بعض جگہ یدعوا ایسے فعل واحد میں بھی وہ الف لکھا ہوا ہے کہ جو جمع کے بعد غیر ملفوظی ہونے کے باوجود لکھا جایا کرتا ہے ۔ان سب خصوصیات کی پابندی ضروری سمجھی جاتی ہے جس سے مقصود وثاقت نقل میں قوت پیدا کرنا ہے ۔اسی طرح علامہ سید رضی نے جس شکل میں جو فقرہ دیکھا اس کو درج کرنا ضروری سمجھا تا کہ کسی قسم کا تصرف کلام میں ہونے نہ پائے ۔ یہ ایک روایتی پہلو ہے جو اس تصور کو بالکل ختم کر دیتا ہے کہ یہ کتاب سید رضی رحمہ اللہ کی تصنیف کی حیثیت رکھتی ہو۔

دوسرا پہلو خطبوں کے درمیان کے ومنہا۔۔ومنہ ہیں جس میں عموماً بعد کا حصہ قبل سے بالکل غیر مرتبط ہوتا ہے بلکہ ایسا بھی ہوا ہے کہ قبل کا حصہ قبل بعثت سے متعلق ہو یا اوائل بعثت سے اور بعد کا حصہ وفات رسولؐ سے متعلق ہے۔ یہ بھی دیکھنے والے کے ذوق پر بار ہو جایا کرتا ہے مگر اس سے بھی اس مقصد کو تقویت حاصل ہوتی ہے۔اگر سید رضی کا کلام ہوتا تو فطری طور پر اس میں تسلسل ہوتا یا اگر انھیں دو موضوعوں پر لکھنا ہوتا تو اسے وہ دو خطبوں میں مستقل طور پر تحریر کرتے لیکن وہ کیا کرتے جبکہ انھیں کلام امیر المومنینؑ ہی کا انتخاب پیش کرنا تھا۔

اس لیے جہاں خطبہ کا پہلا جز اور آخر کا جز دو مختلف موضوعوں سے متعلق ہے اور درمیان کا حصہ کسی وجہ سے وہ درج نہیں کر رہے ہیں تو نہ وہ اس کو کلام واحد بنا سکتے ہیں نہ مستقل وہ خطبے بلکہ انھیں ایک ہی کلام میں ومنہا کے فاصلے قائم کرنا پڑتے ہیں ۔میرا خیال ہے کہ یہ شکل بعض جگہ تو انتخاب کی وجہ سے ہوئی ہے اور بعض جگہ یہ بھی وجہ ہو سکتی ہے کہ سابق میں قلمی کتابوں کے سوا کوئی دوسری شکل مواد کے فراہم ہونے کی نہ ہوتی تھی اور قلمی کتابوں کے اکثر نسخے منحصر بفرد ہوتے تھے ۔اب اگر ان میں درمیان کا حصہ کرم خوردہ ہو گیا ہے یا اوراق ضائع ہو گئے ہوں یا رطوبت سے روشنائی پھیل جانے کی وجہ سے وہ نا قابل قرأت ہے تو علامہ سید رضی اس موقع پر درمیان کا حصہ نقل کرنے سے قاصر رہے ہیں اور حرص جمع وحفاظت میں انھوں نے اسکے قبل یا بعد یا وسط کے وہ

سطور تلاش کیسے ہیں جو کسی مستقل مفاد کے حامل ہیں اور اسطرح درمیان کے حصوں میں انھوں نے ومنہا کہہ کر اسکے درج کرنے سے عاجزی ظاہر کی ہے۔ یہ بھی ہے کہ اسوقت علم کا ایک بڑا ذخیرہ حفاظ و ادباء ومحدثین کے سینوں میں ہوتا تھا۔ فرض کیجئے کسی اپنے استاد اور شیخ حدیث سے علامہ سید رضی نے کسی موقعہ کی مناسبت سے خطبہ کا ابتدائی حصہ سن لیا اور انھوں نے اسے فوراً قلمبند کرلیا، پھر دوسرے موقعہ پر انھوں نے ان کی زبان سے اسی خطبہ کے کچھ دوسرے فقرات سنے اور انھیں محفوظ کرلیا اور اتنا موقعہ نہ مل سکا کہ درمیانی اجزاان سے دریافت کر کے لکھتے۔ اس طرح انھوں نے اسکی خانہ پری ومنہا کے ذریعہ کی۔ یہ بھی اس کی دلیل قوی ہے کہ انھوں نے اصل کلام امیر المومنینؑ کے ضبط وحفظ ہی کی کوشش کی ہے۔ قطعاً کوئی تصرّف خود نہیں کرنا چاہا۔

تیسرا شاہد اس کا خود جناب رضیؒ کے وہ مختصر تبصرے ہیں جو کہیں کہیں کچھ خطبوں کے بعد انھوں نے اس کلام کے متعلق اپنے احساسات وتاثرات کے اظہار پر مشتمل درج کردئے ہیں۔ یہ بعض جگہ کچھ الفاظ کی تشریح ضروری سمجھی ہے۔ ان تبصروں کی عبارت نے ان خطبوں سے متصل ہو کر ہر صاحب ذوق عربی داں کے لیے یہ انداز قطعی طور پر آسان کردیا ہے کہ ان تبصروں کا انشاء پرداز وہ ہرگز نہیں ہوسکتا جو ان خطبوں کا انشا پرداز ہے۔ جس طرح خود علامہ سید رضی نے اپنی مایہ ناز تفسیر حقائق التنزیل میں اعجاز قرآن کے ثبوت میں پیش کیا ہے کہ باوجودیکہ امیر المومنینؑ کا کلام جو فصاحت وبلاغت میں مافوق البشر ہے مگر جب خود حضرت کے کلام میں کوئی قرآن کی آیت آجاتی ہے تو وہ اس طرح چمکتی ہے جس طرح سنگریزوں میں گوہر شامل ہوا بالکل اسی شکل سے اگرچہ علامہ سید رضی اپنے دور کے افصح زمانہ تھے اور ادب عربی میں معراج کمال پر فائز تھے مگر نہج البلاغہ میں امیر المومنینؑ کے کلام کے بعد جب ان کی عبارت آجاتی ہے تو ہر دیکھنے والا محسوس کرتا ہے کہ اس کی نگاہ بلندیوں سے گر کر نشیب میں پہنچ چکی ہے، حالانکہ ان عبارتوں میں علامہ سید رضی نے ادبیت صرف کی ہے اور اپنی حد بھر اپنی قابلیت دکھائی مگر سابق کلام کی بلندی کو ہر مطالعہ کرنے والے کے لیے ایک امر محسوس کی حیثیت سے ظاہر کردیا۔ یہ بھی ایک بہت بڑا داخلی شاہد ہے۔ اس تصور کے غلط ہونے کا کہ وہ علامہ سید رضی کا کلام ہو۔

چوتھا امر یہ ہے کہ جناب سید رضی اپنے دور کے کوئی گمنام شخص نہ تھے۔ وہ دینی ودنیوی دونوں قسم کے ذمّہ دار منصبوں پر فائز تھے۔ یہ دور بھی وہ تھا جو مذہب وملت کے علماء وفضلا سے بھرا ہوا تھا۔ بغداد سلطنت عباسیہ کا دارالسلطنت ہونے کی وجہ سے مرکز علم وادب بھی تھا۔ خود سید رضی کے استاد شیخ مفیدؒ بھی نہج البلاغہ کے جمع وتالیف کے دور میں موجود تھے اس لیے کہ جناب شیخ مفیدؒ علامہ سید رضی کی وفات کے بعد تک موجود رہے ہیں اور شاگرد کا انتقال استاد کی زندگی ہی میں ہوگیا تھا، اور معاصرین کو تو ایک شخص کے متعلق الزامات کی تلاش رہتی ہے۔ پھر شریف رضیؒ سے تو خود حکومت وقت کو بھی مخاصمت پیدا ہوچکی تھی۔ اس

محضر پر دستخط نہ کرنے کی وجہ سے جو فاطمین مصر کے خلاف حکومت نے مرتب کیا تھا اور جس پر علامہ رضی نے عواقب ونتائج سے بے نیاز ہو کر اس پر دستخط کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ علاوہ اسکے اس کردار کا شخص جو صداقت کو ایسے قوی ترین محرکات کے خلاف محفوظ رکھے اس طرح کی چھچھوری بات کر ہی نہیں سکتا کہ وہ ایک پوری کتاب خود امیر المومنینؑ کی جانب منسوب کر دے جس کا غلط ہونا علماء عصر سے مخفی نہیں رہ سکتا تھا۔ اور اگر بالفرض وہ ایسا کرتے بھی تو انکے دور میں انکے خلاف علماء وقت اور ارکان حکومت کی طرف سے اس الزام کو شدت سے اچھالا جاتا اور سخت سے سخت نکتہ چینی کی جاتی۔ حالانکہ ہمارے سامنے خود ان کے عصر کے علماء کی کتابیں ہیں اور ان کے بعد کے کئی صدی تک کے مصنفین کی تحریرات موجود ہیں۔ ان میں سے کسی میں کمزور سے کمزور طریقہ پر بھی ان کے حالات زندگی میں اس قسم کے الزام کا عائد کیا جانا یا اس بارے میں ان پر کسی قسم کی نکتہ چینی کا ہونا موجو نہیں ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ یہ صرف بر بنائے جذبات نہج البلاغہ کے بعض مندرجات کو اپنے معتقدات کے خلاف پا کر کچھ متعصب افراد کی بعد کی کارستانی ہے جو انھوں نے نہج البلاغہ کو کلام سید رضی قرار دینے کی کوشش کی ہے ورنہ خود جناب سید رضی اعلی اللہ مقامہ کے دور میں اس کے مندرجات کا کلام امیر المومنینؑ ہونا بلا تفریق فرقہ و مذہب ایک مسلم چیز تھی اور اسی لیے اس بارے میں کوئی الزام عائد نہیں کیا جا سکتا۔

پانچواں امر یہ ہے کہ سید رضی اعلی اللہ مقامہ کے قبل ایسا نہیں ہے کہ امیر المومنینؑ کے خطبوں کا کوئی نام ونشان عالم اسلامی میں نہ پایا جاتا ہو بلکہ کتب تاریخ وادب کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ ایک مسلم الثبوت ذخیرہ بحیثیت خطب امیر المومنینؑ سید رضیؒ کے قبل سے موجود تھا چنانچہ مورخ مسعودی نے جو علامہ سید رضی سے مقدم طبقہ میں ہیں بلکہ انکی ولادت کے قبل وفات پا چکے تھے۔ اس لیے کہ علامہ سید رضی کا دور شباب ہی میں ۴۰۶ھ میں انتقال ہوا ہے اور مسعودی کی وفات ۳۴۰ھ میں ہو چکی تھی، جس وقت سید رضی کے استاد شیخ مفید ہی نہیں بلکہ ان کے بھی استاد شیخ صدوق محمد بن علی ابن بابویہ قمی بھی زندہ تھے مسعودی نے اپنی تاریخ مروج الذہب میں لکھا ہے کہ:۔

والذی حفظ النّاس عنه من خطبه فی سائر مقاماة اربعمارة خطبة ونیف و ثمانون خطبة یوردها علی البدیهة تداول الناس ذلك عنه قولا و عملاً۔ (مروج الذھب جلد ۲ ص ۳۳ طبع مصر)

لوگوں نے آپ (حضرت علی ابن ابی طالبؑ) کے جو خطبے مختلف موقعوں کے محفوظ کر لیے ہیں، وہ چارسو اسی سے کچھ زیادہ تعداد میں ہیں۔ جنھیں آپ نے فی البدیہہ ارشاد فرمایا تھا، جنھیں لوگوں نے نقل قول کے طور پر بھی متواتر نقل کیا ہے اور اپنے خطب ومضامین میں انکے اقتباسات وغیرہ سے بکثرت کام بھی لیتے رہے ہیں۔

ظاہر ہے کہ یہ چارسو اسی سے کچھ اوپر خطبے اگر تمام وکمال یکجا کیے جائیں تو بلاشبہ نہج البلاغہ سے بڑی کتاب مرتب ہو سکتی

ہے۔ جب یہ اتنا بڑا ذخیرہ سید رضی کی ولادت سے پہلے موجود تھا تو پھر علامہ سید رضی کو اسکی ضرورت ہی کیا تھی کہ اس ذخیرہ سے کام نہ لیں اور اپنی طرف سے نہج البلاغہ ایسی کتاب کو تحریر کر دیں۔ ایسا اس شخص کے لیے کیا جاتا ہے جو گمنام ہو اور جس کا کارنامہ موجود نہ ہو اور اسکے اخلاف یا متبعین خواہ مخواہ اس کو نمایاں بنانے کے لیے اس کی جانب سے کوئی کارنامہ تصنیف کر دیں۔ صرف علامہ مسعودی کا یہ قول ہی اس ذخیرہ کے ثبوت کے لیے کافی تھا جبکہ اس سے یہ بھی ثابت ہے کہ وہ ذخیرہ آثار قدیمہ کے طور پر کسی دور دراز عجائب خانہ یا کسی ایک عالم کے متروکات میں شامل نہیں تھا، جس تک رسائی کی زحمت کی طلبگار ہوتی ہو، بلکہ حفظ الناس اور تداول الناس کے الفاظ صاف بتا رہے ہیں کہ وہ عموماً اہل علم کے ہاتھوں میں موجود اور متداول تھا۔ اسکے علاوہ وہ دورِ عباسیہ کے یگانہ روزگار کاتب عبدالحمید بن یحییٰ متوفی ۱۳۲ھ کا یہ مقولہ علامہ ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ میں درج کیا ہے کہ حفظت سبعین خطبۃ من خطب الاصلع ففاضت ثم فاضت۔ میں نے ستر خطبے علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے از بر کیے ہیں، جنکے فیوض و برکات میرے یہاں نمایاں ہیں۔

اس کے بعد ابن المقفع متوفی ۱۴۲ھ کا اعتراف ہے جسے علامہ حسن الندوبی نے اپنے ان حواشی میں، جو کتاب العیان والتبیین للجاحظ پر لکھے ہیں، وہ ابن المقفع کے بارے میں لکھتے ہیں:

الظاھر انہ تخرج فی البلاغۃ علیٰ خطب الامامۃ علی ولذلك كان يقول شربت من الخطب من ريا ولم اضبط لها رويا ففاضت ثم فاضت۔

غالباً ابن المقفع نے بلاغت امیر المومنین علی ابن ابیطالبؑ کے خطبوں سے استفادہ کیا تھا اور اسی بنا پر وہ کہتے تھے کہ میں نے خطبوں کے چشمہ سے سیراب ہو کر پیا ہے اور اسے کسی ایک طریقہ میں محدود نہیں رکھا ہے تو اس چشمہ کے برکات بڑھتے اور ہمیشہ بڑھتے رہے۔

اس کے بعد ابن نباتہ متوفی ۳۷۴ھ یہ بھی سید رضی سے مقدم ہیں اور ان کا قول یہ ہے۔

حفظت من الخطابہ کنزا لا یزیدہ الانفاق الا سعۃ و کثرۃ حفظت مائۃ فصل من مواعظ علی ابن ابی طالب علیہ السلام۔

میں نے خطابت کا ایک خزانہ محفوظ کیا ہے جس سے جتنا زیادہ کام لیا جائے، پھر بھی اس میں برکت زیادہ ہی ہوتی رہے گی۔ میں نے سو فصلیں علی ابن ابی طالبؑ کے مواعظ میں سے یاد کی ہیں۔

ابن نباتہ کے اس قول کا بھی ابن ابی الحدید نے تذکرہ کیا ہے۔

رجال کشی میں ابوالصباح کنانی کے حالات میں لکھا ہے کہ زید ابن علی ابن الحسینؑ کہ جو زید شہید کے نام سے مشہور ہیں اور جن کی شہادت امام جعفر صادق علیہ السلام کے زمانہ امامت میں ہوئی وہ برابر امیر المومنینؑ کے خطبوں کو سنا کرتے تھے۔

ابو الصباح کہتے ہیں کان یسمع منی خطب امیر المومنین علیہ السلام یہ دوسری صدی ہجری کا ذکر ہے ۔اور اس سے بھی صاف ظاہر ہے کہ ایک ذخیرہ خطبوں کا اس وقت بھی موجود تھا جو مسلم طور پر حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی طرف نسبت رکھتا تھا۔

ان تمام مقامات پر بطور ارسال مسلمات خطب علی کہنا بتاتا ہے کہ اس زمانہ میں اس بارے میں کوئی شک وشبہ بھی محسوس نہیں کیا جاتا تھا ورنہ جیسا کئی صدی بعد جب کچھ اغراض کی بنا پر مصنفین نے اس حقیقت کو مشکوک بنانا ضروری سمجھا تو المنسوبۃ الیٰ علی کہنے لگے۔دور اول میں اس قسم کے شک وشبہ کے اظہار کرنے والی کوئی لفظ پائی نہیں جاتی۔

رجال کبیر سے معلوم ہوتا ہے کہ زید ابن وہب جہنی متوفی حدود ۹۰ھ نے جو خود حضرت امیر المومنینؑ کے رواۃ احادیث میں سے ہیں ،آپ کے خطبوں کو جمع کیا تھا اور اسکے بعد اور متعدد افراد ہیں جنھوں نے سید رضی کے پہلے حضرت کے خطب واقوال کو جمع کیا جیسے:

(۱) ہشام ابن محمد ابن سائب کلبی متوفی ۱۴۶ھ ان کے جمع وتالیف کا ذکر فہرست ابن ندیم جزو ۷ صفحہ ۲۵۱ میں موجود ہے

(۲) ابراہیم ابن ظہیر فرازی ان کا ذکر فہرست طوسی میں یوں ہے۔

صنت کتباً منها کتاب الملاحم و کتاب خطیب علی علیه السلام

متعدد کتابیں تصنیف کیں منجملہ انکے کتاب الملاحم اور کتاب خطیب علی علیہ السلام ہے۔

اور رجال بخاشی میں بھی ان کا تذکرہ ہے۔

(۳) ابو محمد مسعدہ بن صدقہ عبدی،ان کے متعلق رجال بخاشی میں ہے،

له کتب منها کتاب خطیب امیر المومنین علیه السلام ۔

ان کی متعدد تصنیفات ہیں جس میں سے ایک کتاب خطیب علی علیہ السلام ہے۔

(۴) ابو القاسم عبد العظیم ابن عبد اللہ حسنی جن کا مزار تہران سے ذرا فاصلہ پر شاہ عبد العظیم کے نام سے مشہور ہے یہ امام علی النقی علیہ السلام کے اصحاب میں سے تھے،ان کے جمع کردہ خطبوں کا ذکر رجال بخاشی میں اس طرح ہے:

له کتب منها خطب امیر المومنین علیه السلام ۔ان کی ایک کتاب خطب علی علیہ السلام ہے۔

(۵) ابو الخیر صالح ابن ابو حماد رازی یہ بھی امام علی نقی علیہ السلام کے اصحاب میں سے ہیں،بخاشی میں ہے،

له کتب منها خطب امیر المومنین علیه السلام ۔

منجملہ آپ کی تالیفات کے کتاب خطب علی علیہ السلام ہے۔

(۶) علی ابن محمد ابن عبد اللہ المدائنی متوفی ۲۳۵ھ،انھوں نے حضرت کے خطبوں کو اور ان مکاتیب کو جمع کیا جو حضرت

نے اپنے عمال کو تحریر فرمائے تھے اس کا ذکر معجم الادباء یاقوت حموی جز و ۵ صفحہ ۱۳۳ میں ہے۔

(۷) ابو محمد عبدالعزیز جلودی بصری متوفی ۳۳۰ھ کے تصانیف میں کتاب خطب علیؑ، کتاب رسائل کتاب مواعظ علی ،کتاب خطب علی علیہ السلام فی الملاحم، کتاب دعاء علی موجود ہیں جن کا تذکرہ شیخ طوسی نے فہرست میں اور بخاشی نے ان کے طویل تصنیفات کے ذیل میں اپنے رجال میں کیا ہے۔

(۸) ابو محمد ابن حسن علی ابن شعبہ حلبی متوفی ۳۲۰ھ نے اپنی مشہور کتاب تحف العقول (صفحہ ۱۳ طبع ایران) میں امیر المومنینؑ کے کچھ کلمات وامثال وخطب کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے:

انا لو استغرقنا جمیع ماوصل الینا من خطبه و کلامه فی التوحید خاصة دون ماسواه من المعانی لکان مثل جمیع هذا الکتاب۔

اگر ہم وہ سب لکھنا چاہیں جو ہم تک حضرت کے خطبے اور آپ کا کلام صرف توحید کے بارے میں پہونچا ہے علاوہ دوسرے موضوعات کے تو وہ پوری کتاب (تحف العقول) کے برابر ہوگا۔

اب مذکورہ بالا تفصیل پر نظر ڈالی جاتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ پہلے صدی میں زید ابن وہب جہنی نے حضرت کے خطبوں کا ایک مجموعہ تیار کیا تھا۔ دوسرے صدی میں عبدالحمید ابن یحیٰ کاتب اور ابن مقفع کے دور میں وہ ذخیرہ مسلم طور پر موجود تھا اور اس صدی کے وسطی دور میں وہ خطبے پڑھے اور سنے جاتے تھے، جیسا کہ زید شہید کے واقعے سے ظاہر ہوا اور ادباء اسکو زبانی حفظ کرتے تھے جیسا کہ عبدالحمید اور ابن مقفع کے تصریحات سے ظاہر ہوا۔

تیسری صدی میں متعدد مصنفین نے جو خطبے ان تک پہونچے تھے انکو مدون کیا۔ ایسی صورت میں جناب سید رضی کو اسکی ضرورت ہی نہیں کہ وہ ان تمام ذخیروں کو نظر انداز کر کے یہ دماغی کاوش و کامش گوارا کریں کہ وہ از خود کلام امیرالمومنینؑ کے نام سے کوئی چیز تصنیف کریں۔ چھٹا امر یہ ہے کہ ان تمام ذخیروں کے سابق سے موجود ہونے کے بعد ظاہر ہے کہ علامہ سید رضی کے لیے یہ تو قطعی ہی نہ تھا کہ وہ ان تمام ذخائر کو تلف کرا دیتے اور پھر اسی کی ترویج کرتے جو انھوں نے کلام امیرالمومنینؑ قرار دیا تھا۔ یہ قطعی ناممکن تھا اگر وہ ذخیرہ کسی ایک مصنف کے کسی ایک دور دراز جگہ ہوتا تو یہ امکان بھی تھا۔ جیسا کہ مشہور ہے کہ شیخ بوعلی سینا نے فارابی کے تمام مصنفات کو کسی شخص سے حاصل کر کے انھیں تلف کر دیا اور ان چیزوں کو اپنی طرف منسوب کر لیا یہاں یہ صورت قطعاً ناممکن تھی جبکہ وہ کلام ادباء کے سینوں میں محفوظ تھا۔ اطراف واقطار عالم اسلامی میں منتشر تھا اور بہت سے مصنفین اس کی تدوین کر چکے تھے پھر جبکہ سید رضی کی تصنیف کے ساتھ ان ذخائر کا موجود ہونا لازمی تھا، تو اگر سید رضی کا جمع کردہ کلام اس ذخیرہ

سے مختلف ہوتا یا اسلوب بیان میں اس سے جدا ہوتا تو وہ تمام ادبائے زمانہ، خطبائے روزگار، علمائے وقت جو اس کلام کو دیکھے پڑھے ہوئے یا یاد کیے ہوئے تھے صدائے احتجاج بلند کر دیتے۔ ان میں تلاطم ہو جاتا اور سید رضی تمام دنیا میں اسی وجہ سے بدنام ہو جاتے۔ کم از کم کوئی ان کے ہمعصر ادباء میں سے انکی تنقید ہی کرتا ہوا ایک کتاب ہی اس موضوع پر لکھ دیتا کہ امیر المومنینؑ کا جو کلام اب تک محفوظ رہا یہ سید رضی کے جمع کیے ہوئے ذخیرہ سے مختلف ہے خصوصاً جب وہ وجہ جو بعد میں ایک طبقہ کو اس باب میں انکار یا تشکیک کی موجب ہوئی جس کی تفصیل کسی حد تک آئندہ درج ہوگی وہ ایک مذہبی بنیاد تھی یعنی یہ کہ نہج البلاغہ میں ان افراد کے بارے میں جنھیں سواد اعظم قابل احترام سمجھتا ہے کچھ تعریضات یا انتقادی کلمات ہیں۔

ظاہر ہے کہ نہج البلاغہ سلطنت عباسیہ کے دار السلطنت میں لکھی گئی جو اہل سنت کا علمی مرکز تھا۔ اس وقت بڑے بڑے علماء اور حفاظ ادبا، خطبا، اہل سیر اور محدثین اہلسنت میں موجود تھے اور ان کو جم غفیر خاص بغداد میں موجود تھا۔ اگر امیر المومنینؑ کے وہ خطبات جو ابن المقفع ابن نباتہ، عبد الحمید ابن یحییٰ جاحظ اور دیگر مسلم الثبوت ادباء کے دور میں موجود تھے ان تعریضات سے خالی تھے اور اس قسم کے مضامین ان میں نہ تھے، بلکہ فطری طور پر اس صورت میں اس کے خلاف چیزوں پر انھیں مشتمل ہونا چاہیے تھا تو اس وقت کے اہلسنت کے علماء اس پر قیامت برپا کر دیتے اور اسکو اپنے مذہب کے خلاف ایک عظیم الشان حملہ تصور کر کے پورے طور پر اس کا مقابلہ کرتے اور اس کی دھجیاں اڑا دیتے مگر ایسا کچھ نہیں ہوا۔ کوئی دھیمی سی آواز بھی اس کے خلاف بلند نہیں ہوئی۔ یہ اس کا قطعی ثبوت ہے کہ سید رضی کے جمع کردہ مجموعہ میں کوئی چیز نہ تھی۔ بلکہ وہ ہی تھا جو اس کے پہلے مضبوط اور مدون ومتداول ومحفوظ رہا تھا۔ علماء قطعاً اس سے اجنبیت نہ رکھتے تھے بلکہ اس سے مانوس اور اس کے سننے اور یاد کرنے کے عادی تھے۔ وہ اس ادبی ذخیرہ کو اسکی افادیت کے اعتبار سے سرآنکھوں پر رکھتے تھے اور اس تنگ نظری میں مبتلا نہ تھے کہ چونکہ اس میں کچھ چیزیں ہمارے مذہب کے خلاف ہیں اس لیے اس کا انکار کیا جائے یا اس سے اجنبیت برتی جائے۔

ساتواں امر یہ ہے کہ بہت سی کتابیں علامہ سید رضی کے قبل کی اس وقت بھی ایسی موجود ہیں جن میں امیر المومنینؑ کے اکثر مواقع کے کلام یا خطبات کو کسی مناسبت سے ذکر کیا ہے جیسے جاحظ متوفی ۲۵۵ھ کی البیان والتبیین ابن قتیبہ دینوری متوفی ۲۷۶ھ کی عیون الاخبار وغرب الحدیث، ابن واضح یعقوبی متوفیٰ ۲۷۸ھ کی مشہور تاریخ، ابوحنیفہ دینوری متوفی ۲۸۰ھ کی اخبار الطوال، ابو العباس المبرد متوفی ۲۸۶ھ کی کتاب المبرد، مشہور مورخ ابن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ کی مشہور کتاب کافی، مسعودی متوفی ۳۲۱ھ کی کتاب المجتبیٰ، ابن عبد ربہ متوفی ۳۲۸ھ کی عقد الفرید ثقۃ الاسلام کلینی متوفی ۳۲۹ھ کی مشہور کتاب کافی، مسعودی متوفی ۳۴۶ھ کی تاریخ مروج الذہب، ابو الفرج اصفہانی متوفی ۳۵۶ھ کی کتاب اغانی، ابو علی قالی متوفی ۳۵۶ھ کی کتاب

النوادر، شیخ صدوق ا۳۸ھ کی کتاب التوحید اور ان کے دوسرے جوامع، شیخ مفید رحمۃ اللہ متوفی ۴۱۶ھ اگر چہ تاریخ وفات کے اعتبار سے جناب سید رضی سے موخر ہیں مگر انکے استاد ہونے کی وجہ سے طبقۃً مقدم ہیں انکی کتاب الارشاد اور کتاب الحمدان تمام کتابوں میں جو حضرت کے خطبے درج ہیں انکا جب مقابلہ علامہ سید رضی کے مندرجہ خطب اور اجزاء کلام سے کیا جاتا ہے تو اکثر تو وہ بالکل متحد ہوتے ہیں اور نہج البلاغہ میں ایسا درج شدہ کلام اگر کوئی ہے تو ان کتابوں میں درج نہیں ہے یا ان کتابوں میں کوئی کلام ایسا ہے جو نہج البلاغہ میں مذکور نہیں ہے تو اسلوب بیان اور انداز تسلسل و بلند آہنگی، جوش و حقائق نگاری کے لحاظ سے یقیناً متحد ہوتا ہے جس میں کسی واقف عربیّہ کو شک نہیں ہوسکتا، امیر المومنینؑ کے اس کلام کا جو نہج البلاغہ میں درج ہے اس تمام کلام میں جو حضرت کی طرف نسبت دے کر اور دوسری کتابوں میں درج ہے متحد الاسلوب ہونا پھر اس پہلو کے ضمیمہ کے ساتھ جس کا پہلے تذکرہ ہو چکا ہے کہ وہ خود سید رضی کے اس کلام سے جو نہج البلاغہ میں بطور مقدمہ یا بطور تبصرہ موجود ہے، بالکل مختلف ہونا ایک غیر جانبدار شخص کے لیے اس کا کافی ثبوت ہے کہ یہ واقعی امیر المومنینؑ کا کلام ہے جسے علامہ سید رضی نے صرف جمع کیا ہے۔

آٹھواں امر یہ ہے کہ خود علامہ سید رضی کے معاصرین یا ان سے قریب العہد متعدد لوگوں نے بطور خود بھی کلام حضرت امیر المومنینؑ کے جمع کرنے کی کوشش کی ہے اور بعض نے اپنی کتابوں کے ضمن میں درج کیا ہے، جیسے ابن مسکویہ متوفی ۴۲۱ھ نے تجارب الامم میں حافظ ابونعیم اصفہانی متوفی ۴۲۰ھ نے حلیۃ الاولیاء میں شیخ الطائفہ ابوجعفر طوسی متوفی ۴۶۰ھ ۰۰۰ شیخ مفید رحمۃ اللہ علیہ کے تلمیذ کی حیثیت سے علامہ سید رضی کے ہم طبقہ اور علم الہدیٰ سید مرتضیٰ کے شاگرد ہونے کی حیثیت سے اور نیز سال وفات کے اعتبار سے ان سے ذرا موخر ہیں۔ اپنی کتاب تہذیب اور کتاب الامالی میں نیز عبدالواحد ابن محمد ابن الواحد امدی جو اسی عصر کے تھے اپنی متصل کتاب غرر الحکم و درر الکلم جو امیر المومنینؑ کے مختصر کلمات پر مشتمل ہے اور مصر اور ہندوستان میں طبع ہو چکی ہے اور اس کا اردو میں ترجمہ بھی ہو چکا ہے نیز ابوسعید منصور ابن حسین آبی وزیر متوفیٰ ۴۲۲ھ اپنی کتاب نظمۃ الادب ونثر الدرر میں جس کا ذکر کشف الظنون باب النون میں ہے اور قاضی ابوعبداللہ محمد بن سلامہ قطاعی شافعی متوفی ۴۵۳ھ جن کی عظیم الشان کتاب اس موضوع پر دستور معالم الحکم کے نام سے ہے اور وہ مصر میں طبع ہو چکی ہے یہ سب تقریباً سید رضی کے معاصرین ہی ہیں، ان سب کی کاوشیں ہمارے سامنے موجود ہیں، سوائے ابوسعید منصور کی کتاب کے جس کا کشف الظنون میں تذکرہ ہے، باقی یہ سب کتابیں مطبوع و متداول ہیں ان میں جو کلام مندرج ہے وہ بھی علامہ سید رضی کے درج کردہ کلام سے عیناً متحد یا اسلوب میں متفق ہی ہے۔ پھر اگر سید رضی کی نسبت یہ تصور کیا جائے کہ انھوں نے خود اس کلام کو تصنیف کر دیا ہے تو ان تمام جامعین اور اپنی کتابوں کے ضمن میں درج کرنے والے دوسرے افراد کو کیا کہا جائے گا۔ پھر ان کی نسبت بھی یہ تصور

کرنا چاہیے جبکہ ان میں سے سب یا زیادہ افراد یقیناً جلالت شان ورع وتقویٰ وغیرہ میں علامہ سید رضی سے بالاتر نہیں معلوم ہوتے اب اگر ان سب کی نسبت یہی خیال کیا جائے تو خیر علامہ سید رضی تو اشعر الطالبین تھے اور کتب سیر انھیں خود ادیب اور فصاحت اور بلاغت میں معراج کمال پر ظاہر کرتے ہیں مگر ان میں سے ہر شخص کی نسبت تو یہ تصور قطعی غلط ہے کہ وہ سب علامہ سید رضی ہی کے ادبی حیثیت سے ہم پایہ تھے۔ پھر ایسے مختلف المرتبت اشخاص کی ذہنی کاوشوں اور قلمی ثمرات میں اتنا ہی فرق کیوں نہیں ہے جو خود ان اشخاص کے مبلغ علمی میں یقینی طور پر پایا جاتا ہے۔ اشخاص کو جو کلام کے جمع کرنے والے ہیں ان میں آپس میں زمین وآسمان کا فرق اور کلام جو انھوں نے جمع کیا ہے وہ سب ایک ہی مرتبہ ایک ہی شان کا اسے دیکھتے ہوئے سوائے ایسے شخص کے جو جان بوجھ کر حقیقت کے انکار کرنے پر تلا ہوا ہے اور کسی کو اس میں شک وشبہ بھی باقی نہیں رہ سکتا کہ ان اشخاص کا کارنامہ صرف جمع وتالیف ہی ہے جس میں ان کے سلیقہ اور ذوق کا اختلاف فقط شان ترتیب اور عنوان تالیف میں نمودار ہوتا ہے لیکن اصل کلام میں ان کی ذاتی قابلیت، ذہانت اور مبلغ علمی اور معیار ادبی کو ذرہ برابر بھی دخل نہیں ہے۔

نواں امر یہ ہے کہ مذکورہ بالا افراد اگر چہ اپنے زمانہ حیات کے کچھ حصوں میں علامہ سید رضی سے متحد ہیں مگر ان میں سے متعدد افراد کے سال وفات کو دیکھتے ہوئے یہ یقین ہے کہ ان کا زمانہ جمع وتالیف نہج البلاغہ سے موخر ہے۔ اور اس کے بعد ایک ایسا طبقہ ہے جو بالکل علامہ سید رضی سے موخر ہی ہے جیسے ابن ابی الحدید متوفی ۶۵۵ھ، سبط ابن جوزی متوفی ۶۰۶ھ اور اس کے بعد بہت سے مصنفین۔ ظاہر ہے کہ علامہ سید رضی کی کتاب نہج البلاغہ گوشہ گمنامی میں اور ان لوگوں سے مخفی نہ تھی۔ ان لوگوں کا محرک اس جمع وتالیف پر صرف یہ تھا کہ علامہ سید رضی نے انتخاب سے کام لیتے ہوئے یا ماخذوں کی کمی سے یا نسخوں کے کرم خوردہ یا ناقص ہونے کی وجہ سے جو ان کے پاس تھے، بہت سے اجزاء کلام امیر المومنینؑ کے نقل نہیں بھی کیے تھے۔ اس لیے مصنفین کو مستدرک اور مستدرک در مستدرک کی ضرورت پڑتی رہی۔ جس کا سلسلہ ماضی قریب میں علامہ شیخ ہادی، کاشف الغطاء تک جاری رہا، جنھوں نے مستدرک نہج البلاغہ تحریر فرمایا جو نجف اشرف میں طبع ہو چکا ہے۔

اگر علامہ سید رضی کے قریب العہد یا ان کے اہل قلم میں کسی کو نہج البلاغہ کے مندرجہ کلمات وخطب میں یہ خیال ہوتا کہ یہ جناب سید رضی نے تصنیف کر کے اس میں شامل کر دیے ہیں تو وہ سب بالخصوص معاصرین جو کسی رعایت کے لیے کبھی تیار نہیں ہوتے اپنی کتابوں کی وجہ تالیف میں اس کا تذکرہ ضروری سمجھتے کہ چونکہ اس سے قبل جو کتاب امیر المومنینؑ کے خطبوں پر مشتمل کہہ کر لکھی گئی ہے اس میں آپ کا اصلی کلام موجود نہیں ہے، بلکہ وہ ساختہ پرداختہ اور وضعی ہے۔ اس لیے ہمیں ضرورت محسوس ہوئی کہ ہم آپ کا اصلی کلام منظر عام پر لائیں جبکہ ایسا نہیں ہوا ہے اور یہ بالکل مشاہدہ ہے کہ ایسا نہیں ہوا تو ہمیں ماننا پڑتا ہے

کہ ان سب کے نزدیک علامہ سید رضی نے جو کلام جمع کیا وہ بلاشبہ کلام امیرالمومنینؑ کی حیثیت سے اس کے پہلے مدون و متداول تھا اور ان کو سید رضی سے شکایت صرف بعض خطبوں کو چھوڑ دینے یا احاطہ واستقصا نہ کرنے یا نشان ترتیب وعنوان تالیف میں کسی مناسب تر صورت کو اختیار نہ کرنے ہی کی تھی جس کے لیے انھوں نے بھی اس بارے میں کوشش ضروری سمجھی جس کا سلسلہ ابھی تک جاری ہے اور ممکن ہے کہ بعض مصنفین اب بھی کسی خاص ترتیب سے نہج البلاغہ کے مندرجہ خطب کو دیکھنے کے متمنی ہوں یہ دوسرے چیز ہے اور اصل کلام کے بارے میں کسی شک وشبہ کا رکھنا دوسری چیز ہے۔

دسواں امر یہ ہے کہ تلاش کی جاتی ہے تو نہج البلاغہ کے مندرجہ خطب واقوال کا پتہ اب بھی بہ عیون الفاظ نہج البلاغہ کے قبل تالیف شدہ کتابوں میں مل جاتا ہے اور جبکہ اکثر حصہ اس کا قبل کی کتابوں میں مندرج موجود ہے تو تھوڑا سا حصہ اگر دستیاب نہ بھی ہو تو ایک معتدل ذہن میں اس سے کوئی شک وشبہ پیدا نہیں ہوسکتا۔ جبکہ یہ معلوم ہے کہ دنیا میں مختلف حوادث کے ذیل میں کتابوں کے اتنے ذخیرے تلف ہوئے ہیں جو اگر ہوتے تو یقینا موجودہ ذخائر سے بدر جہا زیادہ ہوتے۔۔۔ وتاریخ نے کلام امیرالمومنینؑ کے جن جمع شدہ ذخیروں کا پتہ علامہ سید رضی کے قبل ہم تک پہونچا دیا ہے وہی سب اس وقت کہاں موجود ہیں؟ اس لیے اگر بعض مندرجات رائج الوقت کتابوں میں نہیں بھی ملتے تو ذہن یہی فیصلہ کرتا ہے کہ ان کتابوں میں موجود ہوں گے جن تک ہماری اس وقت دسترس نہیں ہے۔ نہج البلاغہ کے مندرجات کے ان حوالوں کو پہلے علامہ شیخ ہادی کا شف الغطاء مستدرک نہج البلاغہ نے اثنائے تالیف ہی میں مدارک نہج البلاغہ کے نام سے مرتب کیا تھا جو غالباً مکمل شائع نہیں ہوا ہے اور ایک قابل قدر کوشش رامپور کے ایک سنی فاضل عرشی صاحب نے کی جو فاران کراچی میں ۰۰۰ کی صورت میں شائع ہوئی ہے اور مزید تلاش کیجائے تو اس سلسلے میں مزید کامیابی کا بھی امکان ہے۔

گیارھواں امر یہ ہے کہ محققین علماء شیعہ کا رویہ دیکھا جائے تو وہ ہر اس کتاب یا مجموعہ کو جو معصومین میں سے کسی کی طرف منسوب ہو بلا چون وچرا صرف اس لیے تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہوجاتے کہ وہ معصومین کی جانب منسوب ہے بلکہ وہ پوری فراخ حوصلگی کے ساتھ محققانہ فریضہ کو انجام دیتے ہوئے اگر وہ قابل انکار ہوتا ہے تو کھل کر اس کا انکار کر دیتے ہیں اور اگر مشکوک ہوتا ہے تو شک وشبہ کا اظہار کر دیا کرتے ہیں اور اسطرح بہت سے وہ ذخیرے جو کلام معصومین کے نام سے موجود ہیں مقام اعتبار میں مختلف درجے اختیار کر چکے ہیں مثلاً دیوان امیرالمومنینؑ بھی تو بطور کلام علی ہی رائج ہے مگر علمائے شیعہ بلا رو رعایت اسے غلط سمجھتے ہیں۔ اس سے بالاتر ذرا درجہ تفسیر امام حسن عسکریؑ کا ہے حالانکہ وہ شہرت میں تقریباً نہج البلاغہ سے کم نہیں ہے اور شیخ صدوقؒ ایسے بلند مرتبہ قدیم محدث نے اس پر اعتماد کیا ہے مگر اکثر علمائے شیعہ اسے تسلیم نہیں کرتے، یہاں تک کہ

ہمارے قریبی دور کے محقق علامہ شیخ جواد بلاغی نے ایک پورا رسالہ امام کے غلط ہونے کے اثبات میں لکھ دیا ہے۔ فقہ الرضا امام رضاؑ کی طرف منسوب ہے مگر اس کے اعتبار اور عدم اعتبار کی بحث ایک مہتم بالشان علمی مسئلہ بن گئی ہے جبر مستقل کتابیں لکھی گئی ہیں اسی طرح جعفریات اور امام رضا علیہ السلام کا رسالہ ذہبیہ وغیرہ کوئی نقد و بحث سے نہیں بچا ہے۔ اس رویہ کے باوجود سید رضی کے بعد سے اسوقت تک کسی دور میں کبھی شیعہ عالم کا نہج البلاغہ کے خلاف آواز بلند نہ کرنا اور اس میں ذرہ برابر شک وشبہ کا اظہار نہ کرنا اس کا ثبوت قطعی ہے کہ ان سب کی نظر میں اسکی حیثیت ان تمام مجموعوں سے ممتاز اور جداگانہ ہے۔ نہج البلاغہ کے ہم پلہ اس حیثیت سے اگر کوئی کتاب ہے تو وہ صرف صحیفہ کاملہ جو اسی طرح مسلم طور پر امام زین العابدین علیہ السلام کے کلام کا مجموعہ ہے اور کوئی کتاب اس ذیل میں ان دونوں کی ہم رتبہ نہیں ہے۔

مذکورہ بالا وجود کا نتیجہ یہ ہے کہ علامہ سید رضی کے بعد تقریباً دوڈھائی سو برس تک نہج البلاغہ کے خلاف کوئی آواز اٹھتے ہوئے معلوم نہیں ہوتی بلکہ متعدد علمائے اہل سنت نے اس کی شرحیں لکھیں جیسے ابوالحسن علی ابن ابو القاسم بیہقی متوفی ۵۶۵ھ امام فخر الدین متوفی ۶۰۲ھ ابن ابی الحدید متوفی ۶۵۵ھ غلام سعد الدین تفتازانی وغیرہ غالباً انھیں علماے اہل سنت کے شروح وغیرہ لکھنے کا یہ نتیجہ تھا کہ عوام میں نہج البلاغہ کا چرچا پھیلا اور اس کے ان مضامین کے بارے میں جو خلفائے ثلاثہ کے بارے میں ہیں اہل سنت میں بے چینی پیدا ہوئی اور اب آپس میں بحثیں شروع ہوگئیں اور اس کی وجہ سے علماء کو اپنے اصول عقائد سنبھالنے کے لیے اور عوام کو تسلی دینے کے لیے نہج البلاغہ کے بارے میں شکوک وشبہات اور رفتہ رفتہ انکار کی ضرورت پڑی۔ چنانچہ سب سے پہلے ابن خلکان متوفی ۶۸۱ھ نے اس کو مشکوک بنانے کی کوشش کی اور علامہ سید مرتضیٰ کے حالات میں یہ لکھا کہ:

قد اختلف الناس فی کتاب نہج البلاغه المجموعة من کلام علی ابن ابی طالب علیہ السلام هل هو جمعه او اخیه الرضی وقد قیل انه لیس من کلام علی ابن ابی طالب علیہ السلام وانما الّذی جمعه ونسبه الیه هو الّذی وضعه والله اعلم۔

لوگوں میں کتاب نہج البلاغہ کے بارے میں جو امیر المومنین علی ابن ابی طالبؑ کے کلام کا مجموعہ ہے اختلاف ہے کہ وہ انھی (سید مرتضیٰ) کا جمع کردہ ہے یا ان کے بھائی سید رضی کا اور بعض کہتے ہیں کہ یہ جناب امیر المومنینؑ کا کلام ہی نہیں ہے بلکہ جسے جامع سمجھا جاتا ہے اسی کی یہ تصنیف ہے واللہ اعلم۔

یہ امر قابل لحاظ ہے کہ نہج البلاغہ کے بارے میں اختلافی آواز ڈھائی صدی کے بعد بھی نہج البلاغہ کے تالیف کے مرکز یعنی بغداد یا ملک عراق کے کسی شہر سے بلند نہیں ہوئی بلکہ مغربی مملکت جہاں بنی امیہ کی سلطنت تھی اور قیروان وقرطبہ میں جس

سلطنت کے زیر اثر علماء کی پرورش ہورہی تھی وہاں ابن خلکان مغربی کی زبان سے یہ آواز بلند ہورہی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ لوگ جنھیں اختلف الناس کہا جارہا ہے یہ مسلمان دارالخلافہ کے کوئی ذمہ دار افراد نہیں ہیں ورنہ **اختلف العلماء اختلف المحققون اختلف الادباء** ایسے کوئی دقیع الفاظ درج کیے جاتے بلکہ یہ الناس اموی سلطنت کے پروردہ مملکت مغربیہ کے سنی عوام ہیں جنھیں یہ خبر تک نہیں ہے کہ یہ کتاب سیدرضی کی جمع کردہ ہے یا سید مرتضیٰ کی اور یہ جناب ابن خلکان کا تقیہ ہے کہ وہ خود اپنے اطلاعات کو جو اس کتاب اور اس کے جامع کے بارے میں یقیناً ان کو تھے پیش نہیں کرتے بلکہ عوام کے جذبات کی تسلی کے لیے خود انھیں عوام کے اختلاف کی ترجمانی کردینا مناسب سمجھتے ہیں کہ بعض لوگ اسے سید مرتضیٰ کا جمع کردہ کہتے ہیں اور بعض سیدرضی کا اور خود ان کے ضمیر کا فیصلہ پہلے آجاتا ہے کہ جمع کرنے والا کوئی بھی ہولیکن ہے وہ کلام............ امیرالمومنینؑ ہی کا اور پھر عوامی جذبات کو دھچکا پہونچنے کے اندیشہ سے وہ بعض متعصب مجہول الاسم والرسم اشخاص کے اس عذر کو جو اس کے مضامین کے تسلیم کرنے سے گریز کے لیے وہ مقام مناظرہ میں پیش کرتے تھے کہ ہم اسے کلام علی ہی تسلیم نہیں کرتے وہ قیل کہہ کے ذکر کردیتے ہیں کہ بعض ایسا کہتے ہیں کہ یہ امیرالمومنینؑ کا کلام ہے ہی نہیں بلکہ جس نے جمع کیا ہے اسی نے اس کو تصنیف کردیا ہے، یہ خود قیل اس قول کے صنف کے لیے کافی تھا لیکن خود ان کا ضمیر اس قیل سے چونکہ مطمئن نہیں ہے لہٰذا آخر میں واللہ اعلم کہہ کے وہ اس میں مزید شک وشبہ کا اظہار کردینا چاہتے ہیں۔ اس سے صرف یہ پتہ چلتا ہے کہ ابن خلکان اس بارے میں اپنے فیصلہ کو ماحول کے دباؤ سے ظاہر کرنا نہیں چاہتے اور وہ صرف عوام کی باہمی چہ میگوئیوں کا تذکرہ کر کے اپنا دامن بچالے جانا چاہتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس قسم کی تشکیل کا علمی دنیا میں کوئی وزن ہی نہیں مانا جاسکتا۔

ڈوبتے کو تنکے کا سہارا بہت ہوتا ہے اگرچہ علامہ ابن خلکان نے اپنے ضمیر کی تحریک سے بہت حد تک اپنے کو نہج البلاغہ کے افکار کی ذمہ داری سے بچایا تھا مگر ان کے ان الفاظ نے بعد والے میدان مناظرہ کے پہلوانوں کو آسانی سے یہ داؤں بتادیا کہ وہ نہج البلاغہ کے کلام امیرالمومنینؑ ہونے کا انکار کردیں۔ چنانچہ اس کے ایک صدی کے بعد ذہبی نے جو اپنے دور کے انتہائی متعصب شخص تھے یہ جرأت کی کہ وہ شک کو یقین کا درجہ دے دیں اور انھوں نے سید مرتضیٰ کے حالات میں لکھدیا کہ:

من طالع کتابه نهج البلاغه جزم بانه مکذوب علی امیر المومنین ففیه السّب الصریح بل حط علی السّیدین ابی بکر و عمر۔

جو شخص ان کی کتاب نہج البلاغہ کو دیکھے وہ یقین کرسکتا ہے کہ امیر المومنین حضرت علیؑ کی طرف اس کی نسبت بالکل جھوٹ ہے اس لیے کہ اس میں کھلا ہوا سب وشتم اور ہمارے دونوں سرداروں ابوبکر وعمر کی تنقیص ہے۔

اب آپ ذرا اس عجب رفتار کو دیکھئے کہ تالیف نہج البلاغہ سے دوڈھائی سو برس بعد یعنی ابن خلکان کے عہد تک تو اختلاف یا شک وشبہ کا بھی نہج البلاغہ کے بارے میں پتہ نہیں چلتا۔ اسکے بعد خلکان ملک مغرب میں بیٹھ کر عوام الناس کے اختلاف کا اس کے بارے میں اظہار کرتے ہیں کہ یہ سید مرتضیٰ کی جمع کردہ کتاب ہے یا سید رضی کی اور ایک ضعیف قول اس کا بیان کرتے ہیں کہ انکی نسبت امیر المومنینؑ کی جانب غلط ہے اور پھر واللہ اعلم کہکر اس لفظ کو مشکوک کرتے ہیں۔ یہ اس وقت جبکہ قرب عہد کی وجہ سے پھر بھی ذرا اطلاع زیادہ ہوسکتے تھے اسکے ایک صدی کے بعد ذہبی پہلے تو بیک گردش قلم اس اختلاف کو جو جامع کے بارے میں تھا ختم کر کے اسے سید مرتضیٰ کا کارنامہ قرار دیدیتے ہیں اور پھر اس شک کو یقین کا درجہ دیکر یہ کہتے ہیں کہ جو بھی نہج البلاغہ کا مطالعہ کرکے وہ ایسا ہی یقین کرے گا، اس کے معنی یہ ہیں کہ ان کے وقت تک تین سو برس میں گویا کسی نے اس کتاب کا مطالعہ نہ کیا تھا یا انھیں کوئی ایسی عینک ملی ہے جو اسکے پہلے کسی کے پاس نہ تھی اور اب وہ اسی عینک سے اپنے دور کے بعد ہر شخص کو نہج البلاغہ کے مطالعہ کی دعوت دے رہے ہیں۔ وہ عینک کیا ہے اسے خود اپنے آخر کلام میں درج کردیتے ہیں۔ علمی حیثیت سے، اصول روایت کے لحاظ سے، تنقیدی قوانین کے پیش نظر انھیں چاہیے تھا کہ اس کی نسبت غلط ہونے کے ثبوت میں امیر المومنینؑ کا وہ مسلم کلام پیش کرتے جو سید رضی کے علاوہ دوسرے مستند ماخذوں سے انکے نزدیک مسلم ہوتا اور وہ سید رضی کے مندرجہ مضامین سے مختلف ہوتا۔ خود سید رضی کے زمانے والے مصنفین کے انتقادات کا حوالہ دیتے کہ انھوں نے بھی اسے غلط قرار دیا ہے۔ اس تین سو برس کی مدت میں دوسرے علماء و ناقدین نے جو کچھ ردّ وقدح کی ہوتی اسے پیش کرتے مگر ان کے جیب ودامن تحقیق میں کوئی ایسی سند موجود نہیں ہے۔ انکی دلیل اس نسبت کے یقینی طور پر جھوٹ ہونے کی صرف یہ ہے کہ اس میں ان کے دوسرداروں کی تنقیص ہے کیا عملی دنیا میں اس دلیل کی قیمت ہوسکتی ہے، یہ بالکل ایسا ہے جیسے قرآن نازل ہونے کے چند صدی بعد کوئی طبقہ مشرکین کا قرآن کے کلام الٰہی ہونے سے صرف اس لیے انکار کرے کہ اس میں ان کے اللہ کے خلاف تنقیص ومذمت کی آیتیں ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ حقیقت کو اپنے جذبات کا تابع بنا کر اگر جانچا جائے تو کوئی بھی حقیقت باقی ہی نہیں رہ سکتی۔ **لوا تبع الحق ھو اھم لفسدت السموٰت والارض** اس دروازہ کے کھل جانے کے بعد تمام روایت ودرایت معطل اور بیکار ہوجاتے ہیں۔ اس لیے کہ ہر عقیدہ اور خیال کا انسان پھر ہر قوی سے قوی نص کو صرف اس بنا پر رد کردیگا کہ وہ اس کے عقیدے اور خیال کے خلاف ہے۔ جہاںتک خلفائے ثلاثہ کے مقابل میں شیعوں کے استدلال کا تعلق ہے وہ احادیث رسول یہاں تک کہ صحاح ستہّ میں درج شدہ اخبار واحادیث سے بھی اس میں تمسک کر تے ہیں اور نہج البلاغہ کے مندرجات سے کچھ کم وہ احادیث پیغمبر سے فائدہ نہیں اٹھاتے۔ محتاط اور علمی اصولوں کے کسی حد تک پابند علماء اہل سنت کا یہ طریقہ رہا ہے کہ وہ ان احادیث کے مضامین ومطالب کے تاویلوں سے ہمیشہ کام لیتے رہے اور بالکل ان

احادیث کے انکار کی جرأت نہیں کہ، مناظرانہ ضرورتوں سے انکار نصوص کا یہ رجحان جس کا مظاہرہ ذہبی نے کیا ہے یہ بڑھتے بڑھتے مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کے زمانہ میں یہاں تک آیا کہ شروع شروع عیسائی مبلغین سے مناظرہ میں انھیں وفات مسیح کے خیال کو پیش کرنے کی ضرورت ہوئی، صرف اس جذبہ کے ماتحت کہ جناب عیسیٰ کی یہ ایک طرح کی فضیلت عیسائی پیش کرتے ہیں کہ وہ زندہ ہیں لہذا اس کو ختم کرنا چاہیے۔ انھوں نے اس مناظرانہ ترکیب کو اصل قرار دیا اور پھر جو اسلامی نصوص اور متفق علیہ احادیث اس بارے میں تھے ان سب کا انکار کر دیا اور آخر میں خود ان کے دعوائے مسیحیت کے لیے ایک راستہ بن گیا۔ یہی جذبہ ترقی کر کے اب اہل قرآن کے ہاتھوں جن کی نمائندگی طلوع اسلام وغیرہ کر رہے ہیں، یہاں تک پہونچا ہے کہ وہ یہ دیکھتے ہوئے کہ طبری اور دوسرے مفسرین ومورخین سب کے یہاں کچھ نہ کچھ شیعوں کے موافق باتیں موجود ہیں اس نے کلیۃً احادیث، تفاسیر اور تواریخ کے اعتبار پر انھوں نے ضرب لگا دی ہے اور ان سب کے انکار کی یہی بنیاد ہے کہ ان لوگوں نے شیعوں کے موافق چیزیں درج کی ہیں۔ لہذا یہ سب جھوٹ ہے۔ جو عمارت ایک غلط اساس پر قائم کی جاتی ہے اس کا آخری انجام یہی ہوتا ہے۔ کاش یہ لوگ حقیقت کو صرف حقیقت کے اعتبار سے دیکھتے اور پھر اپنے جذبات کو اس کے ماتحت لانے کی کوشش کرتے جو ایک عام مسلمان کا فریضہ ایمانی ہے چہ جائیکہ وہ افراد جو اپنے کو علمائے اسلام قرار دیتے ہوں یا دنیا میں اس حیثیت سے متعارف ہوں۔

اس کے بعد کی صدیوں میں یہ دروازہ پاٹوں پاٹ کھل ہی گیا تھا۔ چنانچہ اب تو مناظرہ کے میدان کا یہ بہت عام ہتھیار بن گیا کہ جب نہج البلاغہ کا کوئی کلام پیش ہو تو اسے غلط کہہ دیا جائے۔ اسکے بعد پھر موجودہ دور میں تو اور بھی بہت سے جذبات کار فرما ہو گئے ہیں مثلاً تجدّد پسند طبقے کا رجحان کہ عورت ہر بات میں مرد کے برابر ہے۔ جب نہج البلاغہ کے مندرجات سے مجروح ہوتا ہے تو اس جذبہ کے تحفظ کے لیے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے کہ یہ حضرت علیؑ کا کلام نہیں ہے۔ اس لیے کہ اس میں عورتوں کی تنقیص ہے اور موجودہ سائنس سے اس کے نظریات کو ٹکراتے ہوئے دیکھا جاتا ہے تو سائنس کو اصل قرار دے کر اسکا انکار کر دیا جاتا ہے کہ یہ حضرت علیؑ کا کلام ہو کے بھی اس جذبہ کے ماتحت کہ اس میں ان علوم وفنون کی حقیقتوں کا اظہار ہے جسے بعد والے اپنے وقت کا کارنامہ سمجھتے ہیں یہ کہا جاتا ہے کہ یہ کلام بعد کی پیداوار ہے۔ اس لیے کہ اس وقت عرب میں یہ علوم وفنون تھے ہی نہیں یہاں تک کہ کسی ایک لفظ مثلاً سلطان بمعنی بادشاہ کو حادث قرار دے کر اس لفظ کے استعمال کو نہج البلاغہ میں اس کی دلیل بنایا جاتا ہے کہ یہ جناب امیرؑ کی زبان سے نہیں نکل سکتا حالانکہ یہ سب باتیں صرف اپنی خواہشوں کی تکمیل کا ایک بہانہ ہیں اور اپنے مزعومات کو اصل قرار دے کر حقیقتوں کو ان کا تابع بنا لینے کا کرشمہ ہے۔ قرآن مجید میں درج شدہ حقائق کب ایسے ہیں جو اس وقت کے عربوں کو معلوم ہوں اور احادیث رسولؐ کے بہت سے معارف کب اس وقت کی دنیا

کومعلوم تھے جو باب مدینۃ العلم کے اقوال میں کچھ ایسے علوم وفنون کے انکشاف پر تعجب کیا جائے ،جن کی اس وقت کی دنیا کو خبر نہ تھی ہر لفظ جس کے لیے کسی قدیم عربی شعر کو سند میں پیش کیا جاتا ہے۔ظاہر ہے کہ اس شعر سے پہلے اس کے ماخذ کا ہمیں علم نہیں ہوتا ۔ورنہ اس شعر کو ہم سند ہی قرار دینے کی کیوں نہ زحمت محسوس کرتے ،تو کیا اس تصور کو حقیقت قرار دے کر کہ اس کے پہلے یہ لفظ کہیں نہیں ہے،ہم اس شعر کا انکار کر دیں گے یا صحیح طریقہ یہ ہوگا اور یہی اصول۔معمول یہ ہے کہ اس شعر میں اس لفظ کے وجود سے خود ہم یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ اس لفظ کا زبان عرب میں رواج تھا۔اسی طرح ہم آخر لفظ سلطان میں یہ اصول کیوں اختیار کرتے ہیں کہ ہم اپنے اس مزعومہ کو وحی منزل قرار دیں کہ یہ لفظ حادث ہے اور کلام عرب میں موجود نہ تھی۔خود جناب امیر علیہ السلام کے کلام میں اسکا وارد ہونا اس کا ثبوت کیوں نہ ہو کہ یہ لفظ چاہے عام اکثریت کی زبان پر جاری نہ ہو لیکن وہ کلیتہً مفقود نہیں تھی اور اس کا شاہد یہی کلام امیر المومنینؑ کیوں قرار نہ پائے۔پھر السلطان کو لفظی طور پر بمعنی مَلِک قرار دینے کی ضرورت ہی کیا ہے جبکہ وہ بمعنی مصدری یعنی حکومت ،اقتدار اور غلبہ یقینی موجود تھا اور قرآن مجید میں بھی اسکے نظائر موجود ہیں۔ذریعہ غلبہ ہونے ہی کی بنا پر دلیل کو سلطان کہا گیا ہے جس طرح اسی اعتبار سے اسکو حجّت کہا جاتا ہے اور یہی معنی مصدری بعد میں اسی شکل اختیار کر کے بمعنی مَلِک ہو گئے ہیں تو اس میں کیا دشواری ہے کہ اذا تغیر السلطان تغیر الزمان میں ہم السلطان کو حاکم کے معنی میں نہیں بلکہ حکومت واقتدار کے معنی میں لیں،جو ہماری زبان میں بھی بمعنی حاکم برابر رائج ہے۔لفظی طور پر یہ معنی نہ کہیں کہ جب بادشاہ بدلتا ہے تو زمانہ بدل جاتا ہے، بلکہ یہ معنی کہیں کہ جب اقتدار بدلتا ہے تو زمانہ میں بھی تغیر ہو جاتا ہے۔نتیجہ وہی ایک ہے مگر وہ ہمارا مزعومہ بھی اگر ہمیں بہت عزیز ہو تو اس صورت میں محفوظ رہتا ہے۔غرض یہ سب بے بنیاد باتیں ہیں جو کسی اصول روایت ودرایت پر منطبق نہیں ہوتیں۔خلفاء کے بارے میں نہج البلاغہ میں ہرگز کوئی ایسی سخت بات نہیں ہے جو دوسری کتابوں میں موجود نہ ہو اور جناب امیر علیہ السلام کے ان رجحانات کے مطابق نہ ہو جو مسلم الثبوت حیثیت سے دوسرے کتب اہلسنت میں بھی موجود ہیں۔ایسی صورت میں اس قسم کے الفاظ کا حضرت کی زبان پر آنا اس کا ثبوت ہے کہ وہ آپ کا کلام ہے۔ہاں اگر آپ کے واقعی رجحانات کے خلاف الفاظ اس میں ملتے تو اس پر غور کرنے کی بھی ضرورت ہوتی کہ وہ کس بنا پر ہیں یا انھیں کسی مجبوری کا نتیجہ قرار دینا پڑتا جیسے بعض علماء کے خیال کے مطابق للہ درّ فلان والا خطبہ یہی نوعیت رکھتا ہے مگر وہ کلام جو اپنے متکلم کے خیالات کا نمایاں طور پر آئینہ دار ہو اسے تو کسی حیثیت سے اس متکلم کی طرف نسبت صحیح ماننے میں تامل کا کوئی سبب ہی نہیں ہے۔یہی وجہ ہے کہ باوجود ابن خلکان کے اس اظہار تذبذب اور ذہبی کے اس جسارت انکار کے پھر بھی منصف مزاج اور حقیقت پسند علماء ومحققین بلا تفریق مذہب وملت نہج البلاغہ کے مندرجات کو کلام امیر المومنینؑ مانتے رہے اور اس کا اظہار کرتے رہے۔''(مقدمہ نہج البلاغہ جناب مولانا سید علی نقی صاحب مطبوعہ لاہور)

امیرالمومنین علیہ السلام کا شعری ادب

علامہ جاحظ اپنی کتابوں البیان والتبین اور فضائل بنی ھاشم اور علامہ بلاذری انساب الاشراف میں لکھتے ہیں کہ:

''علی ابن ابی طالبؑ تمام صحابہ سے بڑھ کر شاعر، سب سے زیادہ فصیح، سب سے بڑے مقرر اور سب سے بہتر انشاپرداز تھے''۔

تایخ بلاذری میں ھے

''ابوبکر بھی شعر کہتے تھے، عمر بھی، عثمان بھی اور علیؑ ان تینوں سے بڑھ کر شاعر تھے''۔

شعبی کہا کرتے:

''ابوبکر بھی شاعر تھے، عمر بھی، عثمان بھی اور علیؑ ان تینوں سے بڑھ کر شاعر تھے''

سعید بن مسیب سے بھی یہی قول منقول ہے۔ تاریخ وحدیث وادب وغیرہ کی کتابوں میں حضرتؑ کے بہت سے اشعار مذکور ہیں جن کا آپ کی طرف منسوب ہونا پوری طرح مشہور ہے۔ ثقہ اور مستند راویوں نے ان اشعار کی آپ سے روایت کی ہے، حضرت جس درجہ بلاغت وفصاحت کے مالک تھے یہ بھی ثبوت ہے کہ ان اشعار کا حضرت کی طرف انتساب محل تامل نہیں ۔مرزیاتی معجم الشعراء میں لکھتے ہیں:

''آپ کے بہت سے اشعار روایت کیے جاتے ہیں''۔

ان اقوال وشواہد کی روشنی میں مازنی کا یہ کہنا اور علامہ زمخشری اور یونس نحوی کا اسکی تائید کرنا کہ حضرت علیؑ نے پوری زندگی میں صرف دو شعر کہے جس قدر مضحکہ انگیز ہے ظاہر ہے۔

ابھی حال میں علامہ احمد تیمور پاشا مصری کی ایک کتاب علی ابن ابی طالب شعرہ وحکمہ کے عنوان سے چھپی ہے جس کا مقدمہ شاعر کبیر استاد علی الجندی عمید کلیہ دارالعلوم جامعۃ القاہرہ نے تحریر فرمایا ہے۔ موصوف اپنے مقدمہ میں لکھتے ہیں:

''قریش والے باوجودیکہ بلاغت ان کی میراث تھی اور خطابت وبیان میں ان کا بڑا درجہ تھا، شعرگوئی میں اتنا مشہور نہ تھے جتنا دیگر قبائل مشہور تھے، جیسے قبیلہ ربیعہ کی شاخیں بکر وتغلب، قبیلہ مصر کی شاخ بنی تمیم ۔ یہاں تک قبیلہ مخزوم (جو قریش کی ایک شاخ ہے) میں عمران ابی ربیعہ پیدا ہوا اور اس نے اپنے اشعار کے ذریعہ تسلیم کرالیا کہ قریش بھی شعرگوئی میں حصہ رکھتے ہیں''۔

لیکن باوجود اس کے کہ قریش شعروسخن میں کم حصہ رکھتے تھے ہم دیکھتے ہیں کہ بنی ہاشم نے پورا حصہ لیا۔ راویوں نے ابو طالب، عبداللہ، حمزہ، عباس اور دیگر فرزندان عبدالمطلب کے اشعار اسی طرح روایت کیے ہیں جس طرح بعد میں آنے والے ان کے اخلاف واولاد کے اشعار روایت کیے جیسے سفیان بن حارث بن عبدالمطلب، عبداللہ بن عباس، جعفر بن ابی طالب

حسنؑ وحسینؑ وفاطمۃ الزہرا۔علامہ ابن رشیق قروانی تو یہاں تک لکھتے ہیں کہ پیغمبرؐ خدا کو چھوڑ کر اولادعبدالمطلب میں خواہ وہ عورت ہو یا مرد کوئی ایسا نہیں جس نے شعر نہ کہا ہو۔

رہ گئے علیؑ تو کسی بھی راوی نے آپ کی شعر گوئی میں شک وتردد نہیں کیا۔ جو کچھ اختلاف ہے وہ تعداد کے متعلق ہے، بعض لوگوں نے ایک اچھا خاصا دیوان جس میں لگ بھگ چودہ سو اشعار کہے ہیں آپکی طرف منسوب کر دیا ہے اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ آپ نے صرف دو ہی شعر کہے بعض حد سے گذر گئے اور کہنے لگے کہ آپ نے صرف ایک ہی شعر کہا۔

ہمیں حضرت کے اشعار کی کثرت وقلت سے بحث نہیں۔ بہت سے شاعر ایسے ہیں کہ ایک قصیدہ یا چند شعر کہہ کر ہمیشہ کے لیے اپنا نام زندہ چھوڑ گئے۔ہمیں تو کہنا یہ ہے کہ حضرت میں شعر گوئی کی پوری پوری صلاحیت موجود تھی اور اسکے ثبوت میں ہم آپ کے اشعار نہیں پیش کرتے جسکے سلسلہ اسناد کو ضعیف کہہ کر نظر انداز کر دینا ممکن ہو۔ ہم تو اسکے ثبوت میں وہ تاریخی واقعہ پیش کرتے ہیں جس سے انکار کیا ہی نہیں جا سکتا۔تمام مورخین وارباب سیر نے لکھا ہے کہ قریش کے تین سرغنہ عبداللہ بن زا عبری، ابوسفیان بن حارث، عمرو بن عاص پیغمبرؐ کی ہجو کیا کرتے۔اس پر کسی نے علیؑ سے کہا کہ تم بھی ان کے جواب میں ہجو کہو، علیؑ نے کہا بشرط کہ پیغمبرؐ مجھے اس کے اجازت دے دیں۔اس شخص نے رسولؐ اللہ سے عرض کیا یا رسولؐ اللہ آپ علیؑ کو اجازت دیجئے کہ وہ بھی ان لوگوں کو ہجو کہیں جنھوں نے ہم مسلمانوں کی ہجو کہی ہے، پیغمبرؐ نے فرمایا کہ علیؑ کو ہجو سے واسطہ نہیں یا علیؑ کے لیے ہجو کہنا مناسب نہیں۔''

پھر آپ نے حسان بن ثابت، کعب بن مالک، عبداللہ بن رواحہ کو بلا کر حکم دیا کہ ان مشرکین کو ہجو کہو۔ یہ تاریخی واقعہ ثبوت ہے کہ علیؑ اس وقت شعر گوئی میں پوری شہرت رکھتے تھے، لوگوں کی نگاہیں ان پر پڑتی تھیں۔اس سے کوئی حرج نہیں پڑتا کہ وہ اکابر شعرا حسّان وغیرہ جیسے نہ تھے۔ کیونکہ انھیں اسکی فرصت ہی نہ تھی، نہ اسکے لیے اسباب فراہم تھے کہ وہ بالکل شاعری ہی کے لیے وقف ہو کر رہ جاتے۔

علیؑ کے لیے ان محرکات وعوامل کی کمی نہ تھی جو شعر کہنے بلکہ شاعر عظیم بننے کا باعث ہوتے ہیں، منجملہ ان محرکات کے عنصر وارثت ہے جسکی طرف ہم ابھی اشارہ کر چکے ہیں۔ زہیر بن ابی سلمٰی اور جریر وغیرہ کی نسل میں اس عنصر وراثت کا پورا اثر ظاہر ہوا۔علیؑ نے بھی شعر گوئی کی صلاحیت میراث میں پائی تھی۔

منجملہ ان محرکات کے یہ بات بھی ہے کہ علیؑ قوی طبیعت، نرم احساسات، گہرے جذبات، تیز طبع، روش وجدان، عمیق تاثرات کے مالک تھے۔ بہترین تصویر کشی کرنے والے اور عمدہ نقشہ کھینچ دینے والے تھے۔ان کے بیان میں جادو تھا۔ان

کی نثر میں صوتی ہم آہنگی، نغمہ اور بہت ہی خوشنما قافیہ بندی ہوا کرتی جس کی وجہ سے اکثر آپ کی نثر شعر جیسی معلوم ہوتی۔

یہ تمام صفتیں انھیں عظیم شاعر قرار دیتی ہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ رکاوٹوں کے سبب ان کی شاعری نقطۂ انتہا پر نہ پہونچ سکی، نہ وہ بہت زیادہ ذخیرہ اشعار کا چھوڑ سکے۔ منجملہ ان رکاوٹوں کے ایک بات یہ بھی تھی کہ وہ پیغمبرؐ کے قریب ترین عزیز تھے، پیغمبرؐ نے انھیں اپنی آغوش میں پالا تھا اور آپ ہی کی دختر سے ان کی شادی ہوئی۔ ہر وقت خدمت رسولؐ میں رہتے تھے۔ ان تمام باتوں نے انھیں بمنزلہ وارث علوم پیغمبر، امین شریعت نبوی اور محافظ رسالت محمدی، نمونہ اخلاق اور جامع صفات پیغمبرؐ بنا دیا تھا۔ یہ تمام باتیں علیؑ میں بدرجۂ اتم اکٹھا ہوگئی تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ بعد پیغمبرؐ وہی بنی ہاشم کے سید و سردار قرار پائے۔ جس طرح آپ تمام صحابہ میں سب سے بڑے عالم، سب سے بڑے فقیہ، سب سے بڑے قاضی اور سب سے زیادہ دین میں گہری بصیرت رکھنے والے اور سب سے بڑھ کر راہ صواب کی طرف ہدایت کرنے والے تھے۔ اس کے ثبوت میں حضرت عمر کے یہ اقوال کافی ہیں **لابقیت لمعضلة لیس لها ابو الحسن** میں کسی ایسی شکل و پیچیدہ بات کے لیے زندہ نہ رہوں جسکے حل کرنے کو علیؑ موجود نہ ہوں، **لولا علی لهلك عمر** اگر علیؑ نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہوجاتا، **لا یفتین احد فی المسجد و علی حاضر** علیؑ جب مسجد میں موجود ہوں تو ان کے سوا کوئی دوسرا فتویٰ نہ دے۔

اسکے علاوہ ان کا زہد و ورع، حق سے وابستگی و راست گوئی۔ انصاف پسندی، دنیاوی نعمتوں سے بے نیازی جو تھی وہ سب ہی جانتے ہیں۔ یہاں تک کہ انھوں نے اپنی زندگی میں کبھی نیا کپڑا نہیں پہنا۔ کبھی کوئی جائداد نہیں خریدی۔ اگر آپ مزید دیکھنا چاہتے ہیں تو ان کے متعلق عبداللہ بن عباس، ضرار صدائی، نوفل بکائی اور حسن بصری کے الفاظ پر نظر کیجیے۔ آپ یقیناً علیؑ کو ایسا آدمی پائیں گے جسکی نظیر باید و شاید ہی ہو۔ یا یوں کہا جائے کہ امت اسلامیہ میں انکی کوئی مثال نہ تھا۔

ایسا امام جسے پیغمبرؐ سے اتنی قرابت حاصل تھی جو ایسا سابق الاسلام تھا، ایسا عالم و فاضل امام، ایسا زاہد و متقی امام، ایسا ذی شرف و عظمت و جلالت و کمالات والا امام ناممکن ہے کہ شیاطین شر کا اسیر بنے، شیاطین کو اپنی خواہش پر قابو دیدے اور وحی و الہام میں شک کرے، ایسا امام اگر شعر کہے گا بھی تو وہ زہد و بہادری اور حکمة و دانائی کی برجستگی ہوگی۔

سب سے بڑا گمان یہ ہے کہ اگر علیؑ گلستان نبوی کے گل سر سبد نہ ہوتے اور عبادت الٰہی میں بچپنے ہی سے ان کی نشو و نما نہ ہوتی، وہ ابن عم رسول، زوج زہراء بتول، عالم عامل اور دنیا سے انتہائی بے نیاز نہ ہوتے وہ جاہلیت ادنیٰ یا جاہلیت اخیرہ کے آدمی ہوتے یا منجملہ ان لوگوں کے ہوتے جو عہد اموی اور عباسی میں پلے بڑھے تو یقیناً وہ انتہائی ممتاز شاعر ہوتے، درجہ اول کے شاعروں میں بھی ممتاز و سربلند، لیکن خداوند عالم نے انکے لیے بھلائی ہی بھلائی چاہی اور انکے ذریعہ مسلمانوں کی بھلائی کا

ارادہ کیا، یہی وجہ تھی کہ ان کے لیے بہترین راہ پیدا کی اور ان باتوں پر موفق کیا جنکے وہ لائق وسزوار تھے۔ چنانچہ آپ ایسے ہی تھے جیسا کہ شعبی نے آپ کے متعلق کہا ہے مثل علی فی هذه الا مة مثل المسیح بن مریم فی بنی اسرائیل اس امت مسلمہ میں علیؑ ویسے ہی تھے۔ جیسے کہ عیسیٰ بن مریم بنی اسرائیل میں تھے اور جیسا کہ حسن بصری نے کہا ہے:

خدا کی قسم علیؑ خدا کے ترکش کا صحیح نشانہ پر لگنے والے تیر تھے۔ دشمن خدا پر اس امت کے اللہ والے صاحب فضیلت و سبقت اور پیغمبرؐ خدا سے قرابت رکھنے والے تھے۔ امور خداوندی میں کسی ملامت کے سزاوار نہ تھے اور نہ دین الٰہی میں کسی مذمت کے لائق تھے۔ نہ خدا کے مال میں سرقہ کرنے والے تھے۔ قرآنی احکام وفرائض پر پورا پورا عمل کیا جسکے صلہ میں خوشنما باغ حاصل کیے، ایسے تھے علی ابن ابی طالبؑ اے شخص۔'' (علی ابن ابی طالبؑ، شعرہ حکمہ ص۶ لغایت ۹ مطبوعہ مصر)

علامہ احمد تیمور پاشا اس کتاب کے مؤلف ان الفاظ میں اپنی کتاب کا آغاز کرتے ہیں:

''امام علی ابن ابی طالبؑ کرم اللہ وجہہ کو بلاغت میں وہ منزلت حاصل تھی جسکے برابر کوئی منزلت نہیں ہوسکتی اور آپ کا وہ درجہ تھا جس کے برابر کوئی درجہ نہیں ہوسکتا بلکہ دو آدمی بھی اس نظریہ میں اختلاف کرنے والے نہیں ملیں گے کہ کلام نبوت کے بعد آپ ہی کا کلام تھا اور ہونا بھی چاہیے جو گلستان ہاشمی کا گل سرسبد ہو جسے بلاغت نبوی نے غذا دی ہو سزاوار ہے اسکا کہ ایسا کلام زبان پر لائے اور ایسی تحریر لکھے جو ہر خطیب وانشا پرداز کے کلام سے بلیغ وحسین تر ہو۔

حضرت علیؑ نثر پر جتنی قدرت رکھتے تھے اس سے کم قوت نظم میں نہ تھی لیکن چونکہ شعر کہنے کے اسباب کم تھے اس لیے نثر میں کلام آپ کا زیادہ ہے بہ نسبت شعری کلام کے۔''

اس کے بعد احمد تیمور پاشاہ نے بہت سے اشعار امیر المومنینؑ کے ایسے درج کیے ہیں جنھیں بہ کثرت علماء محققین نے اپنی کتابوں میں حضرت کا شعر کہہ کر درج کیا ہے۔

دیوان امیر المومنین علیہ السلام کے جامعین

بہت سے علماء اہلسنت وشیعہ نے حضرت کا دیوان دیگر شعرا کے دواوین کی طرح جمع ومرتب کیا ہے۔ چند کے نام یہ ہیں:

(۱) ابو احمد عبد العزیز بن یحییٰ جلودی متوفی ۳۳۰ھ (۲) علی بن احمد نیشاپوری فنجکردی۔ یہ سید رضیؒ کے تقریباً ہمعصر تھے (۳) القطب الکیدری متوفی ۵۸۶ھ انھوں نے دو مجموعے مرتب کیے ایک میں صرف آداب وحکمت سے متعلق اشعار تھے اس کا نام انھوں نے الحدیقۃ الانیقۃ رکھا اور دوسرے مجموعہ کا نام انوار العقول فی اشعار وصی الرسول رکھا (۴) ابو عبداللہ المرزبانی متوفی ۳۸۴ھ، کتب خانہ امام رضاؑ مشہد مقدس میں اسکا ایک نسخہ موجود ہے (۵) ابو البرکات ہبۃ اللہ بن علی بن محمد

جو ابن الشجری کے نام سے مشہور تھے (۶) قاضی قضاعی محمد بن سلام مغربی جنھوں نے پیغمبرؐ کے کلمات کا مجموعہ شہاب کے نام سے مرتب کیا تھا۔ انھوں نے حضرت کا مستقل دیوان نہیں مرتب کیا بلکہ دستور معالم الحکم (حضرت کے خطبات کا مجموعہ) کا ساتواں باب قرار دیکر وہ اشعار ذکر کیے ہیں جو انھیں سلسلہ بہ سلسلہ راویوں کے ذریعہ ملا (۷) سبط ابن جوزی (۸) علامہ محسن عاملی طاب ثراہ صاحب اعیان الشیعہ جنھوں نے بڑی تلاش و تحقیق سے حضرت کا ایک دیوان مرتب کیا ہے اور وہ دیوان چھپ بھی چکا ہے۔ اوپر کے سات علماء کے مرتبہ دیوان اب نہیں ملتے صرف ایک نسخہ ملتا ہے جو کئی مرتبہ چھپ چکا ہے اور بظاہر وہ علی بن احمد نیشاپوری کا جمع کردہ ہے۔ فارسی میں اسکی شرح قاضی حسین ابن معین الدین المتوفی ۸۷۰ھ نے کی جو علماء اہلسنت میں سے تھے۔

(اعیان الشیعہ جلد سوم)

❑❑

بائیسواں باب

سیاست علویہ

ہمیں ابھی کچھ لکھنا تھا لیکن وقت کی کمی اور صفحات کی قلت کے سبب بقیہ عناوین کو ہم آئندہ جلدوں پر اُٹھا رکھتے ہیں، یہاں ہم چند اعتراضات ذکر کرتے ہیں جو کوتاہ بینوں کی طرف سے امیر المومنینؑ کی اصابت رائے اور انتظامی قابلیت پر کیے جاتے ہیں، اور ان تمام اعتراضات کے جواب حضرت امیر المومنینؑ حصہ ثالثہ اور اس جلد میں ہم جا بجا تشفی بخش طور پر دے چکے ہیں۔ یہاں یکجائی ان کا تذکرہ اور جواب فائدہ سے خالی نہ ہوگا۔

امیر المومنینؑ کے متعلق ایک عام الزام یہ ہے کہ آپ مرد شجاع تو تھے لیکن آپ کو لڑائی کی چالوں اور سیاست کا کوئی علم نہ تھا۔ یہ اعتراض بہت پرانا ہے اور آپ کے ساتھیوں میں بھی اسی طرح زباں زد تھا جس طرح آپ کے دشمنوں میں۔ اس الزام کی تائید اس سے ہوئی کہ امیر المومنینؑ نے تخت نشین خلافت ہونے پر اس مشورہ کو قبول نہ کیا جو اس وقت کے مانے ہوئے ماہرین سیاست نے دیا تھا۔ اور اسی مخالفت کا نتیجہ یہ نکلا کہ آپ اپنی اکثر کوششوں میں ناکام رہے۔ آپ کی غیر دور اندیشانہ روش ثبوت ہے کہ آپ جنگ کی کامیاب چالوں اور ڈپلومیسی سے بالکل بے بہرہ و نابلد تھے۔

قبل اس کے کہ اس کا فیصلہ کیا جائے کہ مشورہ دینے والوں کا مشورہ صحیح تھا یا امیر المومنینؑ کا طرز عمل، ہم پوچھتے ہیں کہ اعتراض کرنے والوں نے کبھی اپنے دل میں یہ بھی سوچا کہ امیر المومنینؑ نے جو طرز عمل اختیار کیا تھا اسکے علاوہ کوئی دوسرا طرز عمل اختیار کرنا آپ کے لیے ممکن بھی تھا۔

فرض کیجیے کہ امیر المومنینؑ دوسرا طرز عمل اختیار کر سکتے تھے تو پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ دوسرا طرز عمل اختیار کرنے کا انجام ہی کیا ہوتا؟ کیا وہی انجام ہوتا جو ہوا یا اس سے بہتر ہوتا۔

ہمیں یقین ہے کہ اعتراض کرنے والوں نے ان گوشوں پر نظر نہیں کی، حالانکہ انھیں گوشوں پر پہلے نظر کرنا ضروری ہے تب ہی اس کا فیصلہ کرنا ممکن ہے کہ امیر المومنینؑ زیادہ دور اندیش اور صائب الرائے تھے یا وہ لوگ جنھوں نے آپکی رائے کی مخالفت کی تھی، خواہ وہ ماہر سیاست ہوں یا غیر ماہر سیاست۔

ہمارا نظریہ تو یہ ہے کہ امیر المومنینؑ نے جو روش اختیار کی وہی بہترین روش تھی، دوسروں کے مشورے ہرگز کامیابی کے ضامن یا خطرہ سے محفوظ نہ تھے بلکہ دوسروں کے مشورے میں کامیابی کا امکان بہت ہی کم اور خطرہ بہت ہی زیادہ تھا۔

یہ چند باتیں ہیں جن میں امیر المومنینؑ نے عرب کے مشہور سیاستدانوں کی مخالفت کی یا دوسرے لفظوں میں یوں کہا جائے

کہ یہ چند اعتراضات ہیں جو سطحی نظر رکھنے والوں کی طرف سے آپ پر کیے جاتے ہیں:

(۱) معاویہ کی معزولی۔

(۲) طلحہ وزبیر کو راضی نہ رکھنا۔

(۳) قیس بن سعد کو مصر کی حکومت سے ہٹالینا۔

(۴) حضرت عثمان کے قاتلوں کو معاویہ کے حوالہ نہ کرنا۔

(۵) تحکیم منظور کرلینا۔

(۶) خلافت قبول کرلینا۔

معاویہ کی معزولی

معاویہ کے معاملہ میں کہا جاتا ہے کہ امیر المومنینؑ نے مغیرہ، عبداللہ ابن عباس اور زیاد بن حنظلہ تمیمی کے متفقہ مشوروں کی مخالفت کی حالانکہ یہ تمام افراد اس وقت کے مشہور سیاستداں بیدار مغز مدبر تھے۔

حضرت علیؑ کی بیعت ہوجانے کے بعد مغیرہ آپ کے پاس آئے اور کہا:

''آپ کی اطاعت وفرمانبرداری اور خیرخواہی کرنا ہمارا فریضہ ہے۔ آپ معاویہ کو ان کی حکومت پر باقی رکھئے اور عبداللہ بن عامر کو انکی حکومت پر اور دیگر عاملوں کو ان کی حکومت پر۔ جب سب اطاعت قبول کرلیں اور تمام فوجی بیعت کرلیں تو آپ کو اختیار ہے کہ انھیں تبدیل کردیں یا ان کو باقی رکھیں۔''

امیر المومنینؑ نے انکار کیا اور فرمایا:

''میں دین میں دغا وفریب نہ کروں گا نہ اپنی حکومت میں پستی میں گرنا منظور کروں گا۔''

مغیرہ نے کہا:

''اگر آپ کو میرے مشورے سے انکار ہی ہے تو سب کو معزول کردیجئے لیکن معاویہ کو ان کے حال پر چھوڑ دیجئے۔ معاویہ میں جرأت ہے، اہل شام ان کے مطیع ہیں اور اگر آپ انھیں ان کی حکومت پر باقی رکھیں تو آپ پر کوئی اعتراض بھی نہ ہوگا کیونکہ خود حضرت عمر نے انھیں شام کا حاکم مقرر کیا تھا۔''

امیر المومنینؑ نے فرمایا:

''خدا کی قسم نہیں میں دو دن کے لیے بھی ان کو عامل دیکھنا نہیں چاہتا۔''

مغیرہ کے جانے کے بعد عبداللہ بن عباس آئے جب انھیں مغیرہ کے مشورہ کی اطلاع ہوئی تو انھوں نے کہا:
مغیرہ نے نیک نیتی اور خیر خواہی سے آپ کو یہ مشورہ دیا تھا۔
امیرالمومنینؑ نے پوچھا:
''یہ کیسے؟''
ابن عباس نے کہا:
''آپ جانتے ہیں کہ معاویہ اور انکے اصحاب دنیا دار ہیں اگر آپ انھیں باقی رکھیں تو انھیں اس کی پرواہ نہ ہوگی کہ کون خلیفہ ہے کون نہیں اور جب آپ انھیں معزول کر دیں گے تو یہ لوگ کہیں گے کہ یہ امیر بغیر شوریٰ کے امیر ہوا ہے، اسی نے ہمارے خلیفہ عثمان کو قتل کیا۔ وہ آپ کے خلاف محاذ قائم کر دیں گے، جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ شام وعراق دونوں آپ کے ہاتھ سے نکل جائیں گے۔''
کچھ دن گذرنے کے بعد مدینہ والوں میں یہ خبر مشہور ہوئی کہ معاویہ امیر المومنینؑ کے خلاف ہونے والے ہیں۔ مدینہ والوں نے زیاد بن حنظلہ تمیمی کو آپ کے پاس بھیجا کہ جا کر حقیقت حال کا پتہ لگائیں۔ زیاد آپ کے حاشیہ نشینوں میں تھے۔
امیرالمومنینؑ نے زیاد سے کہا:
''تیاری کرو''
زیاد نے کہا:
''کس بات کے لیے؟''
امیرالمومنینؑ نے فرمایا ''شام پر چڑھائی کرنے کے لیے''
زیاد نے کہا: نرمی اور تحمل زیادہ بہتر ہے اور بطور مثل ایک شعر پڑھا جس کا مطلب یہ تھا:
''جو شخص بہت سی باتوں میں ٹال مٹول سے کام نہ لے گا وہ دانتوں سے کاٹا اور پیروں سے روندا جائے گا۔''
امیرالمومنینؑ نے بھی جواب میں ایک شعر پڑھا جس کا مطلب یہ تھا:
''جب تمھارے پاس روشن دل، کاٹنے والی تلوار اور غیرت والی ناک اکٹھا ہوگی تو ظالم خود ہی تم سے بھاگیں گے۔''
زیاد آپ کے پاس سے نکلے۔ لوگوں نے پوچھا کہو کیا ہوا؟ زیاد نے کہا:
''بھائیو تلوار''!!

یہ تھا ان بیدار مغز اور مدبر اشخاص کا مشورہ اور وہ تھا امیر المومنینؑ کا پسندیدہ طرز عمل۔ ان دونوں میں کون غلط تھا کون صحیح ؟ یہ جاننے کے لیے ضروری ہے کہ پہلے ہم یہ معلوم کریں کہ امیر المومنینؑ کے لیے ممکن بھی تھا کہ معاویہ کو شام کی حکومت پر باقی رکھیں؟ اور بالغرض اگر ممکن تھا تو ہمیں یہ معلوم کرنا ہوگا کہ ان کو باقی رکھنا سلامتی اور اتحاد سے قریب بھی ہوتا یا نہیں؟

ہمارا خیال یہ ہے کہ امیر المومنینؑ کے لیے ممکن ہی نہ تھا کہ معاویہ کو ان کی حکومت پر باقی رکھیں دو وجہوں سے، پہلی وجہ یہ کہ خود امیر المومنینؑ حضرت عثمان کو بیسوں مرتبہ مشورہ دے چکے تھے کہ معاویہ کو شام کی حکومت سے معزول کر دیجئے، حضرت علیؑ اور دیگر نیکوکار صحابہ کے خیال میں معاویہ اور ان جیسے دیگر عمال کو حکومت پر باقی رکھنے ہی کی وجہ سے حضرت عثمان کو یہ روز سیاہ دیکھنا پڑا۔ حضرت عثمان برابر یہ عذر کیا کرتے کہ معاویہ حضرت عمر کے مقرر کردہ عمال میں سے ہیں اگر میں ان کو باقی رکھے ہوں تو کیا برا ہے؟ مگر حضرت علیؑ ان کا عذر کبھی قبول نہ کرتے اور فرماتے کہ معاویہ اس وقت حضرت عمر سے بڑھ کر ان کے غلام یرفا سے ڈرتے تھے لیکن حضرت عمر کے مرنے کے بعد اب ان کے دل میں کسی کا خوف نہیں رہا۔

خلیفہ ہونے کے بعد جب امیر المومنینؑ معاویہ کو شام کی حکومت پر باقی رہنے دیتے تو آپ کا یہ عمل آپ کے پیروں کے نزدیک کس قدر شدید قابل ملامت ہوتا؟ کیا وہ لوگ یہ نہیں کہتے کہ علیؑ حکومت کے خواہاں تھے۔ حکومت مل جانے کے بعد انھیں اس کی کوئی پرواہ نہیں کہ ہم کل کیا کہہ چکے ہیں اور آنے والے کل کے دن لوگ ہمیں کیا کہیں گے؟

بالفرض اگر آپ اپنے سابق نظریہ سے پھر بھی جاتے اور معاویہ کو شام کی حکومت پر باقی رہنے دیتے تو کیا آپ کے لیے یہ بھی ممکن تھا کہ ان بلوائیوں کی رائے سے آنکھیں بند کر لیتے جنھوں نے آپ کی بیعت ہی اس غرض سے کی تھی کہ حضرت عثمان کی حکومت سے جو خرابیاں پیدا ہوگئی ہیں وہ دور ہو جائیں اور ہم لوگ حضرت عثمان کی حکومت سے نکل کر نئے حاکم کی حکومت میں آ جائیں۔

ہم اسے بھی نظر انداز کیے دیتے ہیں اور مان لیتے ہیں کہ امیر المومنینؑ کے لیے ممکن تھا کہ کسی حیلہ بہانے سے معاویہ کو شام کی حکومت پر باقی رکھیں لیکن پھر بھی یہ سوال باقی رہتا ہے کہ کیا یہ صورت سلامتی و بہبودی کی صورت ہوتی؟ امت کا شیرازہ متحد رہتا؟ ہر گز نہیں بلکہ یقین اور پورا یقین اس کا ہے کہ یہ صورت زیادہ خطرناک ہوتی کیونکہ معاویہ نے شام میں ایک معمولی حاکم کی طرح حکومت نہیں کی تھی جو اپنی حکومت و منصب ہی کو بس غنیمت سمجھتا ہے اس سے زیادہ کی نہ اُسے فکر ہوتی ہے نہ طمع بلکہ معاویہ نے وہاں ایسے فرمانبردار اور مطلق العنان حاکم کی طرح حکومت کی تھی جو بنیاد رکھتا ہے کسی سلطنت کی، اس کے استحکام و پائداری کے لیے اپنی ساری قوت اور توانائی صرف کر دیتا ہے تاکہ یہ حکومت اسی کی زندگی تک باقی نہ رہے بلکہ نسلاً بعد نسلٍ اس کے اولاد کے قبضہ میں بھی رہے، انھوں نے اپنے اردگرد بڑے بڑے سرداروں کو اکٹھا کر لیا تھا ان کے ہاتھ میں جتنی دولت تھی ان کے قبضہ میں جتنے وسائل

تھے سب خرچ کر کے انھوں نے اپنے مددگار خرید ے تھے۔قوت وثروت کا اپنے پاس ذخیرہ کر لیا تھا اور مدت دراز تک باقی رہنے کے سارے ساز وسامان فراہم کر لیے تھے۔بس صرف موقع کی تلاش تھی کہ کب ہاتھ آئے اور میں اپنے مطلق العنان فرمانبردار ہونے کا اعلان کردوں۔حضرت عثمان کے قتل سے بڑھ کر دوسرا سنہرا موقع انھیں مل نہیں سکتا تھا۔

حضرت عثمان کا قتل ایک ایسا موقع تھا جسے وہ کسی صورت ہاتھ سے ضائع نہیں جانے دے سکتے تھے ورنہ ان کی ساری حکومت خاک میں مل جاتی اور کسی دن گورنری کے عہدے سے بھی ہاتھ دھوڈالتے۔معاویہ اپنے زمانہ کے بڑے ہوشیار اور چالاک ترین آدمی تھے،معاویہ کی ہوشیاری ودانائی کو بھی مورخین نے ذکر کیا ہے لہذا ابن عباس کے مشورہ کے مطابق اگر امیر المومنینؑ معاویہ کو ڈھیل بھی دیدیتے تو ابن عباس بھی جانتے تھے اور آج ہم آپ بھی سمجھتے ہیں کہ یہ ڈھیل دینا محض وقتی ہوتا۔امیر المومنینؑ معاویہ کو کسی طرح اس قابل نہیں سمجھتے تھے کہ انھیں شام کی حکومت پر باقی رکھا جائے اور جیسے ہی حالات سازگار ہوجائیں گے آپ معاویہ کو برطرف کر دیں گے تو کیا اتنی سمجھ معاویہ کو نہیں تھی۔معاویہ کو اندازہ نہ ہوتا کہ یہ ظاہرداری محض اس وقت تک کے لیے ہے جب تک علیؑ کے پاؤں جم نہیں جاتے،اطمینان ہوجانے کے بعد وہ اسی طرح ہمیں حکومت سے نکال پھینکیں گے جس طرح دودھ سے مکھی نکال لی جاتی ہے۔

معاویہ کی واحد تدبیر یہی تھی کہ قسمت نے جو نادر موقع فراہم کر دیا ہے اس سے فائدہ اٹھایا جائے کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ اگر یہ موقع ہاتھ سے نکل گیا تو پھر علی سے لڑنے کے لیے ہمارے ہاتھ میں کوئی بھی ہتھیار نہ رہ جائیگا۔عثمان جو خلیفہ وقت تھے مارڈالے گئے ان کی بیوی نائلہ کی انگلیاں ان کی حفاظت میں کٹ چکی تھیں۔معاویہ نے ان کی کٹی ہوئی انگلیاں اور عثمان کا خون بھرا ہوا کرتا شام کے منبر پر آویزاں کررکھا تھا۔ان کی مظلومی وبے گناہی دردانگیز پیرایے میں ہر دن بیاں کی جاتی اور کہا جاتا:علیؑ کے اُکسانے پر ان کے ہواخواہوں نے عثمان کو قتل کیا ہے۔

معاویہ خوب سمجھتے تھے کہ اگر آج انتقام خون عثمان کی آواز نہیں بلند کی جاتی ہے تو کل یہ کام ممکن نہ ہوگا۔اگر آج ہم علیؑ کی خلافت کو قبول کیے لیتے ہیں اور تمام مسلمانوں کی پیروی میں ان کی بیعت کر لیتے ہیں تو کل کس منھ سے از سر نو عثمان کے انتقام کا بہانہ لیکر ان کے خلاف اُٹھ سکیں گے۔

اگر آج اس قیمتی موقع کو معاویہ ہاتھ سے نکل جانے دیتے تو کل جب امیر المومنینؑ کو ہر طرف سے اطمینان ہوجاتا،آپ کا تسلط قائم،مخالفین زیر،انتظام مملکت درست اور مالی حالت مستحکم ہوجاتی اور ہر طرف سے مطمئن ہو کر آپ معاویہ کو معزول کرتے تو کیا ان کے لیے ممکن تھا کہ عثمان کے انتقام کی آواز بلند کرتے اور علیؑ سے جنگ کا حیلہ پیدا کرتے؟ ہر گز نہیں ایسا کر سکتے

تھے اور نہ ان کے لیے کوئی گنجائش ہی باقی ہوتی۔ان کے لیے بس ایک ہی راہ کھلی ہوئی تھی وہ یہ کہ امیر المومنینؑ ان کے ساتھ نر می برتتے اور ڈھیل دیتے، ادھر معاویہ اعلان کرتے کہ علیؑ نے اپنا ساتھ دینے کی ہمیں دعوت دی ہے اور ہم سے خواہش کی ہے کہ ہم ان کی سلطنت میں شام کی گورنری پر اسی طرح برقرار رہیں جس طرح گذشتہ خلفاء کے زمانہ میں تھے مگر عثمان کے قتل میں علیؑ کے بھی شریک ہونے کا شبہ ہے لہذا جب تک اس معاملہ میں ان کی بے گناہی ثابت نہ ہو جائے میں نہ تو ان کی بیعت کروں گا اور نہ انھیں خلیفہ تسلیم کروں گا۔

پیامؔ صاحب شاہجہانپوری اڈیٹر حمایت الاسلام، لاہور نے اپنی کتاب مقام حسین میں ایک مستقل باب قرار دے کر محمود عباسی کی کتاب خلافت معاویہ و یزید پر تبصرہ کیا ہے اور انکی سیہ کاریاں واضح کی ہیں، چند صفحات ہم اپنے موضوع سے متعلق نقل کر کے نذر ناظرین کرتے ہیں۔

''ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ حضرت معاویہ کے اس اقدام کے لیے کون سا جواز پیش کیا جا سکتا ہے۔زیادہ سے زیادہ یہی کہا جا سکتا ہے کہ انھیں حضرت علیؑ سے خون عثمان کے معاملہ میں اختلاف تھا لیکن کیا یہ خون حضرت علیؑ نے کیا تھا؟ ایسا دعویٰ بھی خود حضرت معاویہ نے بھی نہیں کیا۔وہ یہی کہتے تھے کہ پہلے آپ حضرت عثمان کے قاتلوں سے انتقام لیجئے پھر ہم بیعت کریں گے لیکن قاتلوں سے انتقام لینے کا جو طریقہ حضرت معاویہ نے اختیار فرمایا تھا کیا اسے صحیح اسلامی اسپرٹ سے تعبیر کیا جا سکتا ہے ؟ خلیفہ وقت بلکہ راشد کے مقابلہ میں فوجیں لیکر صف آرا ہونا، اس سے جنگ کرنا، ہزاروں مسلمانوں کا خون بہانا، سیکڑوں عورتوں کو بیوہ اور ہزاروں بچوں کو یتیم کر دینا، واقعہ تحکیم کے بعد بھی خلیفہ کے مقبوضات پر حملے کرا کر خلق خدا کو تہ تیغ کرنا اور اسکی اسلامی حکومت کو ناکام بنانے کی کوشش کرنا کیا انتقام لینے کا یہی طریقہ ہے؟ اگر حضرت معاویہ یہ سمجھتے تھے کہ حضرت علیؑ مفسدوں کے تسلط میں ہیں تو کیا اپنی پوری طاقت کے ساتھ جو انھیں حاصل تھی حضرت علیؑ کے ساتھ مل کر وہ قاتلوں سے انتقام نہیں لے سکتے تھے؟ کیا اس میں ساری امت کی بہتری نہ تھی کہ وہ حضرت علیؑ کی خدمت میں حاضر ہو کر ان کی بیعت کرتے اور پھر ان سے کہتے کہ امیر المومنین عثمان بے گناہ اور مظلومانہ طور پر شہید کیے گئے ہیں، میں آپ کے ساتھ ہوں، چلئے ہم دونوں مل کر ان کے قاتلوں کو ان کے کیفر کردار تک پہونچائیں۔یقیناً اس متحدہ قوت کے مقابلہ میں مفسدوں اور قاتلوں کی حیثیت ہی کیا تھی، چند روز میں سارے معاملات درست ہو جاتے اور امت اس نفاق و افتراق سے بھی بچ جاتی جس کا آج تک شکار ہے اور وہ خونریزیاں بھی نہ ہوتیں جو اسی واقعہ کا ردعمل تھیں، لیکن یہ تو اسی صورت میں ممکن تھا جب حضرت معاویہ کے پیش نظر خون عثمان ہوتا۔وہ تو اس پردے میں سلطنت و امارت حاصل کرنا چاہتے تھے اور اس کے لیے انھوں نے ہر چیز داؤں پر لگا دی، تاریخ سے پوری طرح

ثابت ہے کہ حضرت معاویہ میں نسلی عصبیت موجود تھی اور وہ بنوامیہ و بنوہاشم کی پرانی رقابت کو فراموش نہ کر سکے تھے۔۔۔

شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی فرماتے ہیں:

''ابویعلیٰ کہتے تھے کہ حضرت علیؑ نے فرمایا کہ ایک روز کا ذکر ہے۔رسول اللہ میرا ہاتھ پکڑے مدینہ کی ایک گلی میں سے گذر رہے تھے۔آبادی سے نکل کر ہم ایک باغ میں پہونچے۔اس باغ کو دیکھ کر میں نے کہا کہ یارسولؐ اللہ کیا اچھا باغ ہے ،حضور نے فرمایا کہ تمھیں جنت میں اس سے اچھا باغ ملے گا۔اس کے بعد ہم دوسرے باغ میں پہونچے (اسے دیکھ کر بھی)میں نے عرض کیا کہ یارسولؐ اللہ یہ باغ کیسا اچھا ہے۔حضور نے (پھر) فرمایا کہ تمھیں جنت میں اس سے بھی اچھا باغ ملے گا ۔اس کے بعد ہم دونوں تیسرے باغ میں گئے ،میں نے کہا کہ یا رسولؐ اللہ یہ باغ کیسا اچھا ہے ۔(پھر) حضورؐ نے فرمایا تمھیں جنت میں اس سے بھی اچھا باغ ملے گا ،حضرت علیؑ فرماتے ہیں کہ اسی طرح ہم سات باغوں میں گئے اور ان سب کو دیکھ کر میں یہی کہتا رہا کہ یہ کیسا اچھا باغ ہے اور حضورؐ (ہر بار) یہی فرماتے رہے کہ جنت میں تمھیں اس سے بھی اچھا باغ ملے گا ۔یہاں تک کہ راستہ میں ایک جگہ ہم دونوں تنہا رہ گئے تب آپ مجھ سے بغلگیر ہو گئے اور زار و قطار رونے لگے۔میں نے کہا یا رسولؐ اللہ گریہ کیوں فرما رہے ہیں؟ حضورؐ نے فرمایا کہ ان عداوتوں کے باعث جو بعض لوگ اپنے دلوں میں چھپائے ہوئے ہیں اور میری وفات کے بعد ان عداوتوں کو تم سے نکالیں گے، میں نے پوچھا کہ یارسولؐ اللہ کیا اس میں میرے دین کے لیے سلامتی ہے؟ حضور نے فرمایا کہ ہاں سلامتی رہے گی۔'' (ازالۃ الخفا حصہ اول ص ۱۲۵ مطبع صدیقی)

ایک معمولی سمجھ کا آدمی بھی اس نتیجہ پر پہونچے گا کہ رسولؐ اللہ کے اس ارشاد میں اشارہ تھا ان ہنگاموں کی طرف جو حضرت علیؑ کی خلافت کو درہم برہم کرنے کے لیے حضرت معاویہ نے برپا کیے۔صرف ایک حدیث سے حضرت معاویہ کے اس کردار پر پوری طرح روشنی پڑ جاتی ہے جو انھوں نے حضرت علیؑ کے زمانہ میں ادا کیا اور اسی حدیث سے ہمارے اس دعوے کی تصدیق ہو جاتی ہے کہ حضرت معاویہ نے خون عثمان کا نعرہ صرف اور صرف حضرت علیؑ کی خلافت کو ناکام بنانے کے لیے لگایا تھا،مقصد یہ تھا کہ خلافت بنو ہاشم سے نکل کر بنوامیہ کے پاس آجائے اور پھر اسے وہ اپنے خاندان کے لیے محفوظ کر جائیں، یزید کو جانشین بنانا اسی سلسلہ کی کڑی تھی۔یہ امر کہ حضرت معاویہ نے خون عثمان کا نعرہ محض حصول اقتدار کے لیے لگایا تھا ان کی ایک تقریر سے پوری طرح ثابت ہو جاتا ہے اور یہ حضرت امیر معاویہ کی تقریر بھی ایک بڑے مورخ نے اپنی کتاب میں درج کی ہے،خلافت معاویہ و یزید کے مولف بھی اس مورخ کی ثقاہت کے معترف ہیں اور انھوں نے اپنی کتاب میں پانچ جگہ اس کتاب کے حوالے دیے ہیں اور کسی ایک جگہ بھی اس کتاب کی مذمت یا تنقیص میں ایک لفظ نہیں لکھا۔اس کتاب کے مصنف حضرت امام ابن عبدربہ الاندلسی ہیں وہ لکھتے ہیں کہ:

''جب معاویہ تمام عالم اسلام کے حکمران بن گئے تو وہ ایک بار مدینہ تشریف لے گئے۔ مدینہ کے درمیان قیام میں وہ حضرت عثمان کے گھر بھی گئے۔ انھیں دیکھ کر حضرت عثمان کی صاحبزادی عائشہ ''ہائے ابا جان! ہائے ابا جان'' کہہ کر رونے لگیں۔ انھیں روتا دیکھ کر حضرت معاویہ نے کہا: اے اے میری بھتیجی لوگ ہمارے مطیع ہو گئے ہیں اور ہم نے انھیں امان دے دی ہے ،ہم نے اپنا حلم ظاہر کیا ہے جس کے نیچے غصہ بھی پوشیدہ ہے اور انھوں نے ہماری اعانت کی ہے لیکن اسکے نیچے آگ چھپی ہوئی ہے۔ ہر آدمی کے پاس تلوار ہے اگر ہم نے عہد شکنی کی تو وہ بھی عہد شکنی کریں گے۔ (یعنی تلور لے کر مقابلہ میں آجائیں گے)
(العقد الفرید جزو ثالث ص ۱۲۶ مطبوعہ مصر)

اس تقریر سے دو امر ثابت ہو جاتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ مسلمانوں نے حضرت معاویہ کی بیعت خوشی سے نہیں کی تھی، ان کی تقریر کے یہ الفاظ اس بات کا ثبوت ہیں کہ ''لوگوں نے ہماری اعانت کی ہے لیکن اس کے نیچے آگ چھپی ہوئی ہے۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ان کی خلافت کی کیا حیثیت تھی۔ اس تقریر سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت معاویہ خون عثمان کا انتقام لینے پر ملک کے امن و امان کو ترجیح دیتے تھے اور ڈرتے تھے کہ اگر ہم نے قاتلین عثمان کی گرفت کی تو وہ بھی تلواریں لے کر میدان میں آجائیں گے۔ خط کشیدہ الفاظ اس کا ثبوت ہیں۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر انھوں نے حضرت علیؑ سے جنگ کیوں کی اور کیوں ان کی خلافت تسلیم کرنے سے انکار کیا؟ حضرت علیؑ بھی تو یہی کہتے تھے کہ اصل مسئلہ قیام امن کا ہے اور ایک شخص کے انتقام کے لیے ہزاروں آدمیوں کو قتل کر کے ملک میں خونریزی کی دعوت عام دینا عقلمندی کے خلاف ہے مگر حضرت معاویہ ان کی اس دلیل کو تسلیم کرنے سے انکار کرتے تھے لیکن جب وہ حکمراں ہوئے تو انھوں نے بھی وہی کیا جو حضرت علیؑ کہتے تھے۔ کیا اس سے ثابت نہیں ہو جاتا کہ خون عثمان کا نعرہ تو محض بہانا تھا، حضرت معاویہ کا مطلب حصول اقتدار کے سوائے اور کچھ نہ تھا۔ کیونکہ اگر وہ اپنے دعوے میں مخلص ہوتے تو حضرت عثمان کی بیٹی کو وہ جواب نہ دیتے جو سطور بالا میں درج کیا گیا ہے۔ پھر تو ان کا جواب یہ ہوتا کہ ''اے میری بھتیجی! اطمینان رکھو جب تک ایک ایک قاتل کو ٹھکانے نہیں لگا دوں گا چین نہیں لوں گا'' اور اگر کوئی کہے کہ حضرت عثمان کے قاتلوں میں سے تو ایک ایک کو چن چن کر قتل کیا جا چکا تھا، باقی ہی کوئی نہیں رہا تو انتقام کس سے لیا جاتا تو اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ اگر ایسا ہوتا تو حضرت معاویہ ضرور اس کا ذکر کرتے اور حضرت عثمان کی بیٹی سے کہتے کہ اے میری بھتیجی! میں نے تو تمھارے باپ کے ایک ایک قاتل کو ٹھکانے لگا دیا۔'' مگر انھوں نے یہ نہیں کہا بلکہ یہ کہا کہ اگر ہم نے انتقام لیا تو لوگ بغاوت پر آمادہ ہو جائیں گے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ کچھ قاتلین عثمان موجود تھے اور حضرت معاویہ ان کی گرفت کرنے سے قاصر تھے اور قاصر اس لیے تھے کہ لوگوں کے باغی ہو جانے کا خوف تھا۔ (مقام حسین ص ۳۴۸ تا ۳۵۴)

معاملہ طلحہ وزبیر

طلحہ وزبیر کا معاملہ، معاویہ اور دیگر عمال عثمانی کے معاملہ کی بہ نسبت کہیں زیادہ صاف ہے۔ امیرالمومنینؑ کی رائے ان کے متعلق جو تھی وہ سبھی جانتے ہیں، آپ کی رائے کی مخالفت میں جن لوگوں نے مشورے دیے تھے وہ سب مشورے ناعاقبت اندیشانہ مضرتوں کے حامل اور ناقابل عمل تھے۔

پہلی رائے تو آپ کو یہ دی گئی کہ ان دونوں کو عراق و یمن یا بصرہ و کوفہ کا حاکم بنا دیا جائے۔ عبداللہ بن عباس کا مشورہ یہی تھا ۔لیکن امیرالمومنینؑ نے یہ مشورہ قبول نہیں کیا، اور فرمایا کہ انھیں دونوں مقامات بصرہ اور کوفہ کی آبادی بھی زیادہ ہے اور یہیں سے مال خراج بھی زیادہ وصول ہوتا ہے، یہ جب وہاں کے حاکم ہوں گے تو بیوقوفوں کو لالچ دے کر اپنی طرف مائل کر لیں گے ، کمزوروں پر بلائیں نازل کریں گے اور طاقتور پر حکومت کے بل بوتے زبردست ہو جائیں گے۔ ظاہر ہے کہ جب منصب حکومت پر فائز نہ ہونے کے باوجود انھوں نے امیرالمومنینؑ کے خلاف اتنا ہنگامہ کھڑا کیا تو اگر کہیں حکومت بھی مل جاتی تب تو اور قیامت ڈھاتے، شخصی وجاہت تو تھی ہی اب حکومت کے وسائل بھی کام میں لاتے اور پورے ساز و سامان سے آپ کے خلاف محاذ قائم کرتے پھر چونکہ خود امیرالمومنینؑ کی طرف سے حکومت انھیں ملی ہوتی اس لیے عوام کو اپنی پاکیزہ نفسی و بلند کردار ی کا یقین دلانا بھی ان کے لیے مشکل نہ ہوتا۔ لوگ سمجھتے کہ یہ حکومت کے قابل تھے جبھی تو امیرالمومنینؑ نے ان کو حاکم مقرر کیا تھا۔ ان کی ہمدردیاں ان کے ساتھ ہو جاتیں اور پہلے سے بھی زیادہ یہ لوگوں کو امیرالمومنینؑ کے مقابلہ میں اکٹھا کر لیتے۔ اس طرح امیرالمومنینؑ کو تین معاویوں سے جنگ کرنا پڑتا۔

دوسری رائے لوگوں نے یہ دی تھی کہ ان دونوں طلحہ وزبیر میں جدائی پیدا کر دی جائے تاکہ ایک دوسرے سے برگشتہ ہو جائیں اور کسی کام پر متفق نہ ہوں۔ یہ کام جبھی ممکن تھا کہ آپ ایک کو حکومت عنایت کرتے اور دوسرے کو محروم رکھتے تو جسے حکومت عطا کرتے اس کی طرف سے اس کا اطمینان نہ ہوتا کہ موقع ملنے پر آپ کے خلاف علم بغاوت بلند کر دے گا اور جسے محروم رکھتے اس کے متعلق یہ پورا اندیشہ ہوتا کہ بلوائیوں سے جا کر مل جائے، شام جا کر معاویہ کا دست و بازو بن جائے یا مدینہ میں رہے لیکن دل میں شدید کینہ چھپائے رہے۔

پھر یہ دونوں پہلے ہی کب باہم متفق و متحد تھے؟ اس وقت بھی تو دونوں میں باہمی اتحاد نہ تھا جب یہ آپ کے خلاف علم بغاوت بلند کرنے بصرہ گئے تھے، ان کی باہمی چپقلش ہی کا نتیجہ تھا جو ان کے لشکر میں اختلاف پیدا ہو گیا کہ لوگوں کو جماعت کی نماز پڑھائے تو کون پڑھائے۔ اگر حضرت عائشہ معاملہ کی نزاکت کو بھانپ کر ان دونوں میں میل کرانے کی کوشش نہ کرتیں تو یہ

دونوں راستہ ہی سے ایک دوسرے کے دشمن ہوکر پلٹ گئے ہوتے۔

بہر حال یہ دونوں متحد رہے ہوں یا مختلف، ان کی مصیبت زیادہ طول نہ پکڑ سکی، چند ہی دنوں کے بعد ان کا فتنہ فرو ہوگیا اور امیر المومنینؑ ان کی لڑائی سے فتحیاب ہوکر اس سے بھی زیادہ قوی اور مستحکم ہو گئے جتنا ان کے فتنہ کے پہلے تھے۔ اگر یہ دونوں نمائشی اطاعت پر باقی رہتے تو امیر المومنینؑ کو اتنا فائدہ نہ ہوتا جتنا ان کے فوری خاتمہ سے ہوا۔ کم سے کم ان کی ضرر رسانیوں کی طرف سے پوری یکسوئی ہوگئی۔

تیسری رائے یہ تھی کہ ان دونوں نے جب مدینہ سے مکہ جانے کی اجازت مانگی تھی تو انھیں اجازت نہ دی جاتی بلکہ مدینہ ہی میں روک دیا جاتا، نہ یہ مدینہ چھوڑ کر مکہ جاتے نہ وہاں سے بصرہ پہونچ کر آپ پر حملہ آور ہوتے۔

واقعہ یہ ہے کہ ان دونوں نے جب سفر کی اجازت مانگی تھی اسی وقت امیر المومنینؑ کو انکی نیتوں میں فتور ہونے کا شبہ ہو گیا تھا۔ چنانچہ آپ نے صاف صاف ان سے کہہ بھی دیا تھا کہ تم عمرہ بجالانے نہیں جارہے ہو بلکہ تمھارا ارادہ غداری کا ہے۔ لیکن پھر بھی امیر المومنینؑ نے ان پر پابندی نہیں لگائی کیونکہ ان کے روک دینے کی وجہ سے یہ تو ہوتا نہیں کہ دوسرے مشکوک لوگ بھی رک جاتے۔ عبد اللہ بن عمر تو بغیر اجازت ہی مدینہ سے مکہ چل دیے تھے۔ دوسرے بہت سے لوگ مکہ اور مدینہ سے شام کھسک گئے تھے۔ انھیں کسی نے بھی نہیں روکا نہ منع کیا۔ اگر امیر المومنینؑ چاہتے کہ سب کو روک دیا جائے کوئی بھی جانے نہ پائے تو یہ اس وقت تک ہو ہی نہیں سکتا تھا جب تک آپ کا پورا تسلط واقتدار نہ قائم ہوتا اور یہ معلوم ہے کہ امیر المومنینؑ کی حکومت اس وقت اپنے ابتدائی دنوں میں تھی ابھی پوری طرح اقتدار قائم ہی نہ ہوا تھا پھر سب سے بڑی خرابی ان لوگوں کو روک دینے پر یہ پیدا ہو جاتی کہ عوام الناس کی ہمدردیاں ان کی طرف ہو جاتیں، عوام کو بہت ہی ناگوار گذرتا کہ جرم ثابت ہونے کے پہلے یہ قید و بند کیسی۔ اس صورت میں وہی لوگ جو طلحہ وزبیر کے مقابلہ میں امیر المومنینؑ کے مددگار تھے اب امیر المومنینؑ کے مقابلہ میں طلحہ وزبیر کے مددگار ہو جاتے، یہ ہونے سے کہیں بہتر تھا کہ طلحہ وزبیر اور انھیں جیسے لوگ علانیہ بغاوت کر بیٹھیں اور امیر المومنینؑ ان پر فتحیاب ہوں بہ نسبت اس کے کہ یہ لوگ اپنی نافرمانی و بغاوت دل میں چھپائے رہتے اور اندر ہی اندر ریشہ دوانیاں کر کے امیر المومنینؑ پر غالب آجاتے اور دوسرے اعوان وانصار امیر المومنینؑ کو بھی آپ کے عدل وانصاف میں مشکوک کر دیتے۔

سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اگر طلحہ وزبیر اس لشکر کے ساتھ نہ بھی جاتے جو حضرت عائشہ کی قیادت میں مکہ سے بصرہ تک گیا تھا تب بھی جنگ جمل ضرور ہوکر رہتی۔ حضرت عائشہ کے لشکر کو طلحہ وزبیر کی عدم شرکت سے کوئی مایوسی نہ ہوتی کیونکہ مکہ میں عثمانی لوگوں کی بہت بڑی جمعیت تھی۔ ان کے پاس مال و دولت بھی بیشمار تھی لہذا کہیں اگر امیر المومنینؑ طلحہ وزبیر کو مدینہ میں نظر

بند کر دیتے تو آپ چکیوں کے دو پاٹ میں پھنس کر رہ جاتے۔ ایک طرف حضرت عائشہ اور عثمانیوں کا لشکر جرار ہوتا جن سے لڑنے کے لیے امیر المومنینؑ کا بہ نفس نفیس جانا ضروری و لازم تھا دوسری طرف طلحہ و زبیر کی سازشوں کا اندیشہ ہوتا جو مدینہ مرکز سلطنت کو امیر المومنینؑ سے خالی پا کر نہ جانے کیا کر بیٹھتے۔

اگر یہ کہا جائے کہ امیر المومنینؑ حضرت عائشہ کے مقابلہ میں صرف لشکر بھیج دیتے اور خود مدینہ میں تشریف فرما ہو کر طلحہ و زبیر کی نگرانی کرتے تو ظاہر ہے کہ اس صورت میں جنگ کا کتنا ہولناک انجام ہوتا۔ تاریخ کے صفحات گواہ ہیں کہ جب تک امیر المومنینؑ بصرہ پہونچ نہیں گئے حضرت عائشہ کا پلّہ بھاری پڑ رہا تھا۔ لوگ حضرت عائشہ کے زوجہ رسول اور مادر مومنین ہونے کی وجہ سے آنکھیں بند کر کے حضرت عائشہ کے ساتھ ہوتے جاتے تھے۔ عثمان ابن حنیف امیر المومنینؑ کی طرف سے بصرہ کے حاکم کی جمعیت گھٹتی جاتی تھی۔ نوبت یہاں تک آ گئی تھی کہ عثمان بن حنیف اسیر ہو کر طلحہ و زبیر اور حضرت عائشہ کے ہاتھوں میں پڑ گئے اور ان لوگوں نے ان کی داڑھی اور مونچھ کے بال اک اک کر کے اکھاڑ لیے بصرہ پر اپنا پورا تسلط قائم کر لیا تھا۔ وہ تو امیر المومنینؑ اپنے ساتھ مدینہ سے لشکر لے کر آئے پھر کوفہ کی آبادی آپ کی حمایت میں ٹوٹ پڑی تھی۔ خود بہ نفس نفیس آپ نے لشکر کی کمان سنبھالی، اس وجہ سے ہوا کا رخ پلٹ گیا ورنہ حضرت عائشہ کی کامیابی میں کوئی شبہ باقی نہ رہ گیا تھا۔

قیس بن سعد کی معزولی کا مسئلہ

تیسرا اعتراض امیر المومنینؑ کے تدبیر و حسن انتظام پر یہ ہے کہ آپ نے مصر کی حکومت سے قیس بن سعد کو معزول کر کے ہٹا دیا۔ قیس امیر المومنینؑ کے اصحاب میں سب سے زیادہ ہوشیار و چالاک اور مصر کی حکومت سنبھالنے کے سب سے زیادہ لائق تھے۔ اپنی نادانی اور ہوشیاری کے سبب معاویہ اور عمرو عاص کی سازشی چالوں کا اگر کوئی توڑ کر سکتا تھا تو وہ صرف قیس تھے۔ ان کے ہٹ جانے کا نتیجہ یہ ہوا کہ مصر امیر المومنینؑ کے ہاتھوں سے نکل کر معاویہ کے قبضہ میں چلا گیا۔

اس اعتراض کا جواب ہم حضرت امیر المومنینؑ حصہ ثالثہ میں پوری وضاحت سے دے چکے ہیں۔ یہاں ڈاکٹر طہٰ حسین کی عبارت کا ترجمہ کرنے پر اکتفا کرتے ہیں:

''حضرت علیؑ نے قیس بن سعد بن عبادہ انصاری خزرجی کو مصر کا حاکم مقرر کیا تھا جو اس حکومت کے پوری طرح اہل اور اس بار کو اُٹھانے کے بخوبی لائق تھے۔ وہ مصر آئے اور مصر والوں کے سامنے حضرت علیؑ کا عہد نامہ پڑھ کر سنایا، لوگوں نے اُٹھ کر ان کے ہاتھوں پر حضرت علیؑ کی بیعت کی اور تمام معاملات ان کے لیے استوار ہو گئے۔ صرف ایک جماعت نے کنارہ کشی اختیار کی اور قیس کو لکھا کہ ہم تم سے لڑنا نہیں چاہتے اور نہ ہی ہمارا ارادہ ہے کہ تمھیں مال خراج ادا کریں، ہمیں صرف بیعت کر

نے میں ابھی توقف وتامل ہے۔ہم دیکھنا چاہتے ہیں کہ حالات کون سارخ اختیار کرتے ہیں۔قیس نے ان کے ساتھ مصالحت کر لی،کوئی ایسی بات نہ کی جس سے ان میں ہیجان پیدا ہو۔''

پھر معاویہ عمروعاص نے قیس کو خطوط لکھے،دونوں نے کوشش کی کہ قیس ہم سے مل جائیں۔قیس نے نرم لب ولہجہ میں جواب دیا۔نہ بالکل ناامید کیا نہ کسی قسم کی امید دلائی۔ان کی غرض صرف یہ تھی کہ ان دونوں کی شرارتوں سے محفوظ رہیں اور اپنے حدودِ حکومت میں ان کی مکاریوں سے بچے رہیں۔کیونکہ مصر کا علاقہ مرکز خلافت مدینہ سے کافی دور اور شام سے قریب تھا لیکن معاویہ نچلے بیٹھنے والے نہ تھے انھوں نے قیس کو کھل کر خط لکھا تا کہ صاف صاف پتہ چل جائے کہ قیس ہمارے دشمن ہیں یا دوست اب کی مرتبہ قیس نے سخت لب ولہجہ میں جواب دیا۔جب دونوں میں بگاڑ پیدا ہو گیا تو معاویہ نے انھیں خط میں گالیاں لکھنی شروع کیں۔لکھا کہ تم یہودی ہو اور یہودی کے بیٹے ہو۔قیس نے بھی ترکی بہ ترکی جواب دیا اور لکھا کہ تم بت پرست ہو اور بت پرست کے بیٹے ہو۔تم اور تمھارے باپ دونوں اسلام میں بادل ناخواستہ داخل ہوئے اور خوشی خاطر دائرہ اسلام سے نکل گئے۔

معاویہ سمجھ گئے کہ قیس ہمارے جال میں پھنسنے کے نہیں،نہ نرمی اور چاپلوسی کی پالیسی ان پر اثر انداز ہو سکتی ہے نہ سختی دورشتی اور تخویف وتہدید،لہذا انھوں نے مصر میں داؤں کرنے کے بجائے عراق میں ان پر داؤں کیا۔قیس کی طرف سے اپنے نام ایک فرضی خط لکھا جس میں ظاہر کیا کہ قیس علیؑ سے برگشتہ ہو چکے ہیں۔عثمان کے قتل پر غضبناک اور ان کے انتقام کے طالب ہیں۔اس خط کو انھوں نے اپنے جاسوسوں کے ذریعہ کوفہ والوں میں مشتہر کیا،علیؑ نے تو اس خط کی تصدیق نہ کی،انھوں نے اپنے اصحاب سے صرف اتنا کہا کہ میں تم لوگوں کی بہ نسبت قیس کو زیادہ جانتا ہوں اور سمجھتا ہوں،یہ معاویہ کی چالوں میں سے ایک چال ہے لیکن آپ کے اصحاب نے اس خط پر یقین کر لیا اور بگڑ کھڑے ہوئے اور حضرتؑ سے شدید اصرار کیا کہ آپ قیس کو فوراً معزول کر دیجئے۔علیؑ نے اس شدید اصرار کے باوجود توقف سے کام لیا اور قیس کو خط لکھا کہ جن لوگوں نے بیعت سے کنارہ کشی کی ہے ان سے بزور بیعت لو اور سوا بیعت کے کوئی چیز قبول نہ کرنا۔قیس کو اس خط سے بڑی حیرت ہوئی۔انھوں نے حضرت کو خط لکھا کہ جلد بازی مناسب نہیں اور نہ ان لوگوں کو ابھی چھیڑنا ٹھیک ہے جو خاموش صلح وسلامتی کے ساتھ بیٹھے ہوئے ہیں۔آپ مصر کا انتظام میرے اوپر چھوڑ دیں اور مجھے اپنی مرضی کے مطابق حکومت یہاں کرنے دیں۔آپ یہاں سے دور ہیں۔صحیح حالات آپ کے پیش نظر نہیں اور میں انھیں لوگوں کے درمیان موجود ہوں مجھے ڈر ہے کہ اگر ان لوگوں کو چھیڑا گیا تو بنی بنائی بات بگڑ جائے گی،یہ لوگ لڑنے بھڑنے پر تل جائیں گے اور بہت سے مددگار بھی انکے پیدا ہو جائیں گے۔یہ بھی ممکن ہے کہ یہ لوگ معاویہ سے مدد کے طالب ہوں اور وہ ان کی مدد کرے۔

قیس کے اس جواب سے کوفہ والوں کو اور یقین ہو گیا کہ قیس کے دل میں کھوٹ ہے اور وہ در پردہ امامؑ کے مخالف ہیں۔ وہ لوگ پیچھے پڑ گئے کہ قیس کو فوراً معزول کر دیجئے (اتنا اصرار ان کا بڑھا) کہ آخر حضرت نے مجبور ہو کر قیس کو معزول کر دیا اور انکی جگہ پر محمد ابن ابی بکر کو مصر کا حاکم مقرر کیا۔'' (الفتنۃ الکبری جلد دوم)

ڈاکٹر طہٰ حسین کی یہ سطریں بیّن ثبوت ہیں اس کا کہ اس موقع پر بعینہ وہی صورت پیدا ہو گئی تھی جو جنگ صفین میں تحکیم کے متعلق پیش آئی۔ حضرت امیرالمومنینؑ جس طرح تحکیم پر ہرگز آمادہ نہیں تھے اسی طرح قیس کو مصر کی حکومت سے ہٹانا بھی آپ کو منظور نہ تھا مگر جب ساتھ والے ہی اڑ جائیں تو ایک اکیلے امیرالمومنینؑ کیا کر سکتے تھے۔ جنگ صفین میں فتح یقینی ہو جانے کے باوجود ہمراہیوں کی ضد نے تحکیم پر مجبور کیا، اسی طرح قیس کی معزولی میں ان کی ضد کے آگے حضرت کی ایک نہ چلی۔

مسئلہ قاتلین عثمان

چوتھا اعتراض یہ ہے کہ قاتلان عثمان سے قصاص نہیں لیا گیا۔ امیرالمومنینؑ اور آپ کے مخالفین کے درمیان سب سے زیادہ طولانی نزاع یہی تھی، حالانکہ اگر انصاف سے دیکھا جائے تو یہ تمام نزاعات سے مختصر اور کوتاہ ہے۔

مخالفین نے امیرالمومنینؑ کی بیعت تو کی نہیں مگر طالب تھے کہ قاتلین عثمان سے قصاص ضرور لیا جائے حالانکہ جب تک کوئی حاکم شرعی نہ ہو اور یہ تسلیم نہ کر لیا جائے کہ سزا دینے اور حد جاری کرنے کا اس حاکم شرعی کو حق حاصل ہے اس وقت تک قصاص لیا ہی نہیں جا سکتا۔

دوسری بات یہ ہے کہ مخالفین تو اس کے متقاضی تھے کہ قاتلین عثمان سے قصاص لیا جائے لیکن قاتلین کون ہیں؟ کن سے قصاص لیا جائے ایک شخص نے قتل کیا یا کئی شخصوں نے؟ ایک قبیلہ کے وہ تھے یا کئی قبیلوں کے؟ یہ کسی کو معلوم نہیں تھا۔ خود حضرت عثمان کی زوجہ نائلہ جو قتل کے وقت تک حضرت عثمان کے پاس موجود تھیں اور جنکی اس واقعہ میں چار انگلیاں بھی کٹیں، جب ان سے پوچھا گیا تو انھوں نے بھی قاتل کو پہچاننے سے اپنی معذوری کا اظہار کیا۔

واقعہ یہ ہے کہ اس وقت مدینہ پر ان مظلوم مسلمانوں کا تسلط تھا جو اطراف ملک سے حضرت عثمان اور انکے عمال کے مظالم کی دادخواہی کے لیے آئے تھے۔ یہاں ان سے مدینہ کے باشندے مہاجرین اور انصار بھی مل گئے، کوئی علانیہ ملا کوئی چھپے چوری۔ ان لوگوں نے امکانی کوشش کی کہ حضرت عثمان جب اپنے عمال کو برطرف نہیں کر سکتے تو خود خلاف سے برطرف ہو جائیں۔ محاصرہ کوئی ایک دو دن نہیں رہا بلکہ وہ تین مہینے اس کا سلسلہ جاری رہا۔ کم سے کم مدت جو مورخین نے بتائی ہے وہ ۴۰ دن ہے۔ اس تمام عرصہ میں یہ مظلوم مسلمان حضرت عثمان سے بار بار منت سماجت کرتے کہ ہماری دادخواہی کیجئے، ایک ایک

صحابی کے پاس جاتے اوران کوشفیع بناتے۔ابتدا میں اکثر صحابہ نے واسطہ بننا منظور بھی کیا۔کئی مرتبہ حضرت علیؑ انکے اور فریادیوں کے درمیان واسطہ بنے،کئی مرتبہ محمد بن مسلمہ انصاری واسطہ بنے،جب سب اپنی کوششیں کر کے تھک چکے اورحضرت عثمان اپنی ضد سے باز نہ آئے تو مجبورعلیؑ بھی اپنے گھر میں بیٹھ رہے اورمحمد بن مسلمہ بھی۔محمد بن مسلمہ نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ خدا کی قسم میں اب ہرگز آپ کے بیچ میں نہ پڑوں گا کیونکہ میں نے ان لوگوں کوضمانت دی تھی کہ آپ اپنی حرکتوں سے باز رہیں گے مگرآپ رتی برابر بھی باز نہ رہے۔(تاریخ کامل جلد ۳ ص ۷۰،تاریخ طبری جلد ۵ ص ۱۸)

اس عرصہ میں حضرت عثمان کے خاندان والے یعنی بنی امیہ چپکے چپکے لڑائی کی تیاری کرتے رہے اورآخر موقع پا کرلڑائی شروع بھی کردی۔ایک صحابی پیغمبرؐ جوحضرت عثمان سے محض ان کی شکایات کی دادخواہی کرنا چاہتے تھے،حضرت عثمان کے گھر والوں کے ہاتھوں مارے گئے۔جب حضرت عثمان سے مطالبہ کیا گیا کہ قاتل ہمارے حوالہ کردیا جائے تواس کا جواب تیروں کی بارش سے دیا گیا۔عمرو بن حزم انصاری نے جن کا گھر حضرت عثمان کے گھر سے ملا تھا اپنے مکان کا پچھلا دروازہ کھول دیا ،طالبان انتقام ان کے گھر سے ہوکر حضرت عثمان کی چھت پر چڑھ آئے،دروازہ پرلوگوں کواسکی اس وقت خبر ہوئی جب یہ اپنا کام کر چکے تھے،کسی کوبھی پتہ نہ چل سکا کہ حضرت عثمان قتل ہوئے توکس کے ہاتھوں قتل ہوئے،خودحضرت نائلہ بنت فرافصہ حضرت عثمان کی بیوی جوحضرت عثمان کے مرتے دم پاس ہی موجود تھیں وہ بھی نہ کسی کا نام لے کر بتاسکیں اورنہ کسی کی پہچان ہی بتاسکیں۔جب قاتل ایک نہ ہو بلکہ ہزاروں ہوں پھر عینی شہادت بھی نہ ہو کہ کس نے قتل کیا توآخر قصاص لیا جاتا توکس سے لیا جاتا۔یہ بھی صحیح نہیں کہ امیر المومنینؑ نے اسکی کوشش نہیں کی۔

ڈاکٹر طہٰ حسین لکھتے ہیں:

''لوگوں نے علیؑ سے کہا کہ عثمان کے خون کا قصاص لینا چاہیے،علیؑ نے ان کی عرضداشت کوغور سے سنا اوران کی تائید کی لیکن اسی کے ساتھ اصل صورت حال بھی ان کے سامنے پیش کی۔بیعت کے بعد حکومت ان کی طرف ضرور منتقل ہوگئی تھی اس میں کوئی شک نہیں لیکن حقیقتاً اقتدار بھی بلوائیوں کے ہاتھ میں تھا۔وہ یوں مدینہ پر چھائے ہوئے تھے جیسے مارشل لا کے دنوں میں فوج شہر پر قبضہ کیے ہوئی ہے،وہ باشندگان مدینہ کے ساتھ جوسلوک چاہتے کر سکتے تھے۔نہ توخلیفہ وقت کوکوئی قدرت تھی نہ اصحاب پیغمبرؐ کو،لہذا بھلائی اسی میں تھی کہ ڈھیل دی جائے اوراس وقت تک تحمل سے کام لیا جائے جب تک معاملات استوار نہ ہوجائیں اورفی الواقع خلیفہ کا اقتدار قائم نہ ہوجائے،پھر اسکے بعد معاملہ پرنظر کی جاتی اورخدااوررسولؐ اورکتاب وسنت کے مطابق حکم جاری کیا جاتا۔علیؑ نے جورائے ظاہر کی اس پر اصحاب پیغمبرؐ راضی رہے لیکن بلوائی جو تھے ان کا نظریہ یہ تھا کہ انھوں

نے ظالم خلیفہ کو قتل کیا ہے، اس کا انتقام کیسا امام کے لیے مناسب نہیں کہ ان کے عوض میں کسی کو قتل کریں۔

لیکن اس پر بھی علیؑ نے ارادہ کیا کہ قتل عثمان کی تحقیق کریں لیکن تفتیش کو پایہ تکمیل تک پہونچانا ممکن نہ ہوا، کچھ لوگوں نے کہا کہ محمد بن ابی بکر بھی قتل عثمان میں شریک تھے، یہ محمد ابن ابی بکر رسولؐ کے خلیفہ کے صاحبزادے عائشہ ام المومنینؓ کے بھائی اور علیؑ کے پروردہ تھے، ابوبکر کے مرنے کے بعد علیؑ نے ان کی ماں سے نکاح کرلیا تھا۔ علیؑ نے محمدؒ سے پوچھا کہ کیا تم نے عثمان کو قتل کیا ہے؟ محمدؒ نے انکار کیا، نائلہ بنت فرافصہ زوجہ عثمان نے ان کی تائید کی اور کہا کہ یہ قتل میں شریک نہیں تھے، لیکن بلوائیوں کو جیسے ہی اس پوچھ گچھ کی خبر ملی، انھوں نے ناراضی و برہمی کا مظاہر کرنا شروع کیا، مجبوراً علیؑ نے وہی راہ مناسب سمجھی جسے ہم اوپر بیان کر چکے ہیں، انھوں نے بھی انتظار کیا اورانکے ساتھ مدینہ کے تمام صحابہ نے بھی انتظار کرنا مناسب سمجھا۔

(الفتنۃ الکبریٰ جلد دوم ص ۱۱)

اس کے بعد ڈاکٹر طہٰ حسین لکھتے ہیں:

"تمھیں یاد ہوگا کہ حضرت عثمان کو بھی اپنی خلافت کی ابتدا میں ایسے ہی مشکل مسئلہ کا سامنا کرنا پڑا جیسا علیؑ کو، عثمان کی پہلی مشکل عبید اللہ بن عمر کا معاملہ تھا، جنھوں نے ہرمزان کو قتل کر دیا تھا اس شبہ میں کہ وہ انکے باپ کے قتل میں شریک تھا مگران کا یہ قتل کرنا بغیر ثبوت و گواہ کے تھا اور نہ لوگوں نے اسکے قتل کا فیصلہ ہی دیا تھا جنھیں یہ فیصلہ کرنے کا حق تھا۔ مسلمان اس معاملہ میں وہ گروہوں میں بٹ گئے تھے۔ ایک فریق کا خیال تھا کہ عبید اللہ بن عمر پر حد جاری کرنا ضروری ہے، انھیں میں سے علیؑ بھی تھے۔ دوسرا فریق اس بات کو بہت اہمیت دے رہا تھا کہ عثمان خلافت کی ابتداء خلیفہ عمر کے بیٹے کو قتل کر کے کریں، حضرت عثمان نے عبید اللہ کو معاف کر دیا کیونکہ ہرمزان کا کوئی رشتہ دار طالب قصاص نہیں تھا، اس بنا پر خلیفہ (عثمان) ہی اسکے والی تھے اور ان کا خیال تھا کہ ہمیں حق ہے کہ معاف کر دیں۔ لیکن علیؑ نے ان کے اس حق کو منظور نہیں کیا۔ اور بہت سے مسلمانوں نے بھی اس وقت عثمان کے فیصلے کو منظور نہیں کیا بلکہ ظلم صریح، خون رائگاں جانے دینا اور خدا کے حق میں کوتاہی کرنا قرار دیا۔ یہی وجہ تھی کہ علیؑ اپنی خلافت کے بعد کہا کرتے کہ اگر میں اس فاسق پر قابو پا گیا تو ہرمزان کے بدلہ میں قتل کر کے رہوں گا۔

تو حضرت عثمان کو بھی اس کا سامنا کرنا پڑا کہ ایک خلیفہ کے فرزند نے ایک مسلمان کو جو ناحق متہم تھا قتل کر دیا اور اسکو حضرت عثمان نے معاف کر دیا اور لوگوں نے اس معافی میں اختلاف کیا۔

اور علیؑ کو بھی ایک دوسرے خلیفہ کے فرزند کا سامنا کرنا پڑا وہ بھی متہم تھا قتل میں اور قتل بھی کس کا خلیفہ کا قتل! کسی غریب و پردیسی کا نہیں لیکن وہاں عثمان نے عبید اللہ کو معاف کر دیا تھا یہاں علیؑ نے محمد بن ابی بکر کو معاف نہیں کیا بلکہ معاملہ کی پوری چھان بین کی۔ یہاں تک کہ یہ امر واضح و روشن ہو گیا کہ محمد نے عثمان کو قتل نہیں کیا، پھر حالات کچھ ایسے پیش آ گئے کہ مزید تحقیقات ممکن

ہی نہ ہوئی نہ قاتلوں پر حکم شرعی نافذ کیا جاسکا۔

حق یہ ہے کہ محمد ابن ابی نے اپنے ہاتھ سے عثمان کو قتل نہیں کیا لیکن وہ لوگوں کے ساتھ دیوار پھاند کر ان کے گھر میں ضرور گھسے تھے، اس طرح تھوڑا یا بہت قتل عثمان میں ان کا بھی حصہ تھا، لیکن وہ لوگ جنھوں نے اس ہنگامہ میں شرکت کی وہ تعداد میں بہت زیادہ تھے، قوت بھی بہت تھی اور دبدبہ وہیبت بھی ان کی زیادہ تھی۔ نئے امام کے لیے قدرت ہی نہ تھی کہ ان پر قابو پائے یا ان سے قصاص لے سکے۔

پھر معاملات کچھ اس طرح پیش آتے گئے جس نے حضرت عثمان کے قتل کی گتھی کو اور الجھا دیا اور الجھن برابر بڑھتی گئی جیسا کہ تم آگے چل کر دیکھو گے''۔ (الفتنۃ الکبریٰ جلد دوم ص ۱۱ و ۱۲)

حضرت امیر المومنینؑ کے قصاص عثمان لینے میں بے بس اور مجبور ہونے کو تمام مورخین نے لکھا ہے۔ سبھی متفق ہیں کہ اس وقت کی پر آشوب کیفیت، بلوائیوں کی کثرت، مدینہ پر ان کا تسلط واقتدار ہونے کی وجہ سے امیر المومنینؑ کے لیے ممکن ہی نہ تھا کہ قاتلین عثمان سے قصاص لے سکیں۔ بقول عمر ابوالنصر:

''اول تو ٹھیک طور پر معلوم بھی نہ تھا کہ حضرت عثمان کا قاتل کون ہے لیکن اگر پتہ بھی لگ جاتا تب بھی اس سے قصاص لینا یا ان مفسدین کے خلاف کوئی کاروائی کرنا قطعاً ناممکن تھا۔ ہر شخص کو معلوم تھا کہ اس وقت مفسدین اپنی من مانی کر رہے ہیں اور ان کے سامنے کسی کو چون چرا کرنے کا حق نہ تھا۔ اس صورت میں حضرت علیؑ حضرت عثمان کے قاتل سے قصاص لینا چاہتے بھی تو یہ مفسدین شمشیر بدست آپ کے مقابلہ میں آجاتے، اس نتیجہ میں اتنا فتنہ عظیم برپا ہوتا اور اس قدر قتل وغارت ہوتا کہ اسکے سامنے لوگ حضرت عثمان کی شہادت بھی بھول جاتے۔'' (خلفائے محمد مترجمہ محمد احمد پانی پتی مطبوعہ لاہور)

لیکن ایک بات اور بھی ہے جس کو مورخین کھل کر نہ کہہ سکے۔ ہم حضرت امیر المومنینؑ حصہ ثانیہ میں پچاسوں مورخین کی عبارتوں سے اکابر صحابہ مہاجرین وانصار کی حضرت عثمان سے خفگی وبرہمی اور ان کے قتل پر رضامندی بیان کر چکے ہیں۔ یہاں ہم عمر ابوالنصر کی کتاب خلفائے محمدؐ سے صرف چند سطروں کے اقتباسات پیش کرتے ہیں:

''یہی حال مدینہ کا بھی ہوا۔ اگر ان حالات کی چھان بین نہ کی جائے اور حضرت عثمان کے حق میں جو باتیں وہاں کے سر بر آوردہ لوگ آپ کے سامنے اور آپ کے پیچھے کرتے تھے ان پر غور کیا جائے تو صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ حضرت عثمان سے نفرت میں حد سے بڑھے ہوئے تھے اور بعض نے تو آپ کا لقب ہی نعثل رکھ دیا تھا (نعثل، ایک مصری تھا جسکی ڈاڑھی بہت لمبی تھی، اس سے حضرت عثمان کی مشابہت محض آپ سے نفرت اور ناگواری کی وجہ سے دی جاتی تھی) اور تو اور بڑے بڑے

صحابہ بھی ایسی باتیں علانیہ عام لوگوں کے سامنے کہتے تھے۔(خلفائے محمد عثمان ص ۹۰)

''اہل مدینہ خاموشی اور سکون سے تمام حالات کا مطالعہ کررہے تھے۔وہ حضرت عثمان کی مدد کرنے کو بالکل تیار نہ تھے''۔
(ص ۱۳۸)

''اہل مدینہ نے اس بغاوت کے وقت عجیب وغریب روش اختیار کرلی تھی، بجائے اس کے کہ وہ متحد ہوکر اس فتنہ کا مقابلہ کرتے اور اس بغاوت کا سر کچلتے ،انھوں نے اپنی عجیب وغریب روش کی بنا پر مفسدین اور باغیوں کے ہاتھ مضبوط کردیے۔اس لحاظ سے اگر یہ کہا جائے کہ اہل مدینہ بھی حضرت عثمان کے محاصرہ اور قتل میں بالواسطہ شریک تھے تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔''

''خلاصہ یہ کہ حضرت عثمان کے خلاف کئی عوامل کام کررہے تھے ۔ایک تو باغی کہ جو کچھ ان کے سر میں سماجاتا تھا اسکے کرنے پر تل جاتے تھے ۔دوسرے اہل مدینہ جو حضرت عثمان کو چھوڑ بیٹھے تھے اور اس معاملہ میں بالکل خاموش تھے،ان میں سے بعض خاموشی کی حد سے گزر کر حضرت عثمان کے خلاف آمادہ پیکار بھی تھے''۔(خلفائے محمد عمر ابوالنصر حصہ سوم عثمان مترجمہ محمد احمد پانی پتی)

یہ چند سطریں ہم نے صرف ایک کتاب سے نمونہ کے طور پر ذکر کی ہیں۔ ان کے مطالعہ کے بعد ہمارے اس قول کی صداقت میں کوئی شبہ باقی نہیں رہ جاتا کہ باشندگان مدینہ جو اکثر و بیشتر مہاجرین وانصار ہی تھے بالواسطہ یا بلا واسطہ حضرت عثمان کے قتل میں شریک تھے۔ یہی اکابر صحابہ ارباب حل وعقد تھے۔سواد اعظم کے نظریہ کے مطابق انھیں کو خلافت کے معاملات طے کرنے کا حق تھا۔یہی حضرات آج کی اصطلاح میں پارلیامنٹ کے ممبران تھے۔انھیں کی رائے ومشورے سے ملکی نظم ونسق کا انصرام ہوتا تھا۔ یہ طے شدہ مسئلہ ہے کہ جس طرح مجرم قاتل مجرم ہے اسی طرح جسکی تحریک سے قتل وقوع میں آیا ہو وہ بھی مجرم اور سزا کے قابل ہے چاہے وہ ایک ہو یا کئی۔

بے شمار نظیریں اسکی ملتی ہیں کہ قتل ایک شخص ہوا مگر حاکم نے سزا اُسے بھی دی جسکے ہاتھوں قتل عمل میں آیا اور انھیں بھی جنکے اشاروں سے قاتل نے یہ اقدام کیا۔اس صورت ہر بافہم انسان سمجھ سکتا ہے کہ حضرت علیؑ کو کن کن لوگوں پر ہاتھ ڈالنا پڑتا۔وہ ہستیاں کتنی محترم اور صاحب عزت ووجاہت تھیں اور علیؑ کے لیے ان سے تعرض ممکن بھی تھا یا نہیں۔

استاد عباس محمود العقاد لکھتے ہیں:

''اگر طالبان انتقام عثمان قریب ترین راستہ حصول انتقام وقصاص کا اختیار کرتے تو یہی ان کے لیے مناسب تھا کہ وہ حاکم وقت کی تائید کرتے اور اسکے ساتھ ہوکر اسکی اتنی طاقت بڑھا دیتے کہ وہ حدود کے قائم کرنے پر قادر ہوجاتا پھر حکم شریعت کے مطابق انصاف کا اس سے مطالبہ کرتے ،مگر انھوں نے تو ایسی بات کا مطالبہ کیا جسے منظور ہی نہیں کیا جاسکتا نہ ان لوگوں کو کوئی حق تھا اس قسم کے مطالبہ کا۔

ان طالبان انتقام میں حضرت عائشہ سے بڑھ کر پاک دامن اور متقی و پرہیزگار کوئی دوسرا نہ تھا، ان کے متعلق روایتیں بتاتی ہیں کہ جب وہ مکہ سے واپس ہو رہی تھیں اور راستہ میں علیؑ کی بیعت کی خبر ملی تو فرمایا: ''اگر واقعاً علیؑ خلیفہ ہو گئے ہیں اور ان کی بیعت پایۂ تکمیل کو پہونچ گئی ہے تو کاش یہ آسمان زمین پر پھٹ پڑتا۔'' پھر وہ مکہ کی طرف اُلٹے پیروں واپس ہو گئیں یہ کہتی ہوئی قتل واللہ مظلوماً، واللہ لا طلبن بدمہ خدا کی قسم عثمان مظلوم قتل کیے گئے۔ بخدا میں ضرور ان کے خون کا مطالبہ کروں گی۔''

ان سے کہا گیا کہ یہ کیوں؟ بخدا آپ ہی نے تو سب سے پہلے لوگوں کو ان کے خلاف برانگیختہ کیا اور آپ ہی ان کے متعلق فرمایا کرتی تھیں اقتلو انعثلا نعثل کو قتل کر ڈالو یہ کافر ہو گیا ہے۔ حضرت عائشہ نے کہا ''لوگوں نے ان سے توبہ کرا کے انھیں قتل کر ڈالا۔ میں نے بھی ان کے متعلق ایسی باتیں کہی تھیں اور لوگوں نے بھی لیکن آج جو میں کہہ رہی ہوں وہ کل کی کہی ہوئی ہماری بات سے بہتر ہے۔''

حضرت عائشہ جو ایسی صاحب فضیلت و عظمت اور ایسی متقی و پرہیزگار تھیں جب ان کی یہ کیفیت تھی تو دوسرے طالبان انتقام جو اس نامعقول مطالبہ پر بضد تھے کے متعلق جو کچھ بھی کہا جائے کم ہے۔ جب مطالبہ کرنے والے ایسے ہوں اور ان کے مطالبہ کے تہ میں ایسے مضمرات پوشیدہ ہوں تو ظاہر ہے کہ نہ طالبان انتقام ہی کسی صورت سے راضی ہو سکتے تھے نہ انھیں راضی ہی کرنا کسی صورت سے ممکن تھا۔'' (عبقریۃ الامام مطبوعہ مطبعۃ المعارف مصر ص ۱۲۳ و ۱۲۴)

مسئلہ قبول تحکیم

پانچواں اعتراض امیر المومنینؑ کی سیاست پر یہ کیا جاتا ہے کہ جنگ صفین میں جب آپ کی فوج کا پلہ بھاری پڑ رہا تھا، معاویہ کی شکست یقینی تھی اور اسی شکست سے بچنے کے لیے انھوں نے قرآن نیزوں پر بلند کرائے تھے۔ آپ نے اپنی فوج والوں کے اصرار سے مجبور ہو کر تحکیم قبول کر لی۔ ہم اسی جلد میں کچھ صفحات قبل مسئلہ تحکیم پر پوری بحث کر چکے ہیں، جسے دیکھنے کے بعد ہر شخص آسانی سے سمجھ سکتا ہے کہ امیر المومنینؑ نے کن حالات میں فیصلہ حکمین کی تجویز منظور کی اور اس وقت آپ کے لیے کوئی چارہ کار بھی باقی رہ گیا تھا یا نہیں۔ پھر یہ حکمین کی تجویز قبول کر لینا ہی صحیح اقدام تھا یا ٹھکرا دینا مناسب تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ امیر المومنینؑ پر تحکیم قبول کرنے کا اعتراض کرتے ہیں کہیں اگر برعکس صورت ہوتی اور امیر المومنینؑ حکمین کی تجویز ٹھکرا دیئے ہوتے تو یہی لوگ یہ اعتراض وارد کرتے کہ معاویہ کی طرف سے حکمین کی تجویز پیش کی گئی تھی، قرآن سے فیصلہ کرنے کو کہا گیا مگر آپ نے اس تجویز کو ٹھکرا دیا، قرآن سے فیصلہ کرانے کو قبول نہیں کیا۔

واقعہ یہ ہے کہ امیر المومنینؑ نے حکمین کی تجویز انتہائی بے بسی کے عالم میں منظور کی، جب سارا لشکر خلاف ہو گیا، سپاہیوں

نے لڑائی جاری رکھنے سے انکار کردیا، تلواریں نیاموں میں رکھ لی گئیں اور قریب تھا کہ خود آپ کی فوج میں لڑائی کی ٹھن جائے، ایک طرف وہ لوگ تھے جو یہ کہتے تھے کہ اللہ کی کتاب کا حکم ماننے سے انکار کرنا کتاب اللہ کی توہین ہے دوسری طرف وہ لوگ ہوتے جو کہتے کہ یہ فریب ہے، دھوکا ہے، معاویہ ناکامی سے بچنے کے لیے یہ طریقہ اختیار کررہے ہیں۔ پہلی جماعت تعداد میں کہیں زیادہ تھی بہ نسبت دوسری جماعت کے۔ اس صورت میں جو کشت وخون خود آپ ہی کی فوج میں ہوتا وہ ظاہر ہے۔ پھر یہی نہیں کہ معمولی فوجوں ہی میں اختلاف رہا ہو بلکہ آپ کے لشکر کے سیکڑوں ہزاروں قاریان قرآن اور حافظان حدیث جسکے چہروں پر لمبی ڈاڑھیاں اور پیشانیوں پر سجدوں کے گٹھے تھے جو زہدوتقویٰ اور دینداری کا مجسمہ بنے ہوئے تھے (جو بعد میں خوارج بن گئے) انھوں نے بھی معاویہ کی اس پیشکش پر گھبرا کر تلواریں رکھ دیں۔ بعض کا خیال تھا کہ جب معاویہ قرآن کو بیچ میں لارہے ہیں اسکے ذریعہ فیصلہ کرانے کی تجویز پیش کررہے ہیں تو ایسی صورت میں جنگ جاری رکھنا حرام ہے۔ بعض شک و شبہ میں پڑ گئے کہ خلیفہ وقت کے حکم کی تعمیل میں لڑنا واجب ہے یا کتاب اللہ کے احترام میں لڑائی سے کنارہ کشی کرلینا بہتر ہے؟

اتنا ہی ہوتا تب بھی غنیمت تھا مگر وہاں تو یہ نوبت پہونچ گئی کہ مخالفین نے امیرالمومنینؑ کو دھمکیاں دیں کہ اگر آپ جنگ بند نہ کریں گے تو ہم آپ کا بھی وہی حشر کریں گے جو ہم عثمان کا کرچکے ہیں۔ ان بلوائیوں نے امیرالمومنینؑ کو نرغہ میں لے لیا اور آپ کے منھ پر تلوار گھما گھما کر چیخنے لگے کہ ابھی مالک اشتر کو واپس بلایئے ورنہ ہم آپ کو یہیں ختم کردیں گے یا پکڑ کر معاویہ کے حوالہ کردیں گے۔

بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ امیرالمومنینؑ نے یہ تو ٹھیک کیا کہ آپ نے فیصلہ حکمین کی تجویز منظور کرلی مگر آپ کو یہ نہیں چاہیے تھا کہ ابوموسیٰ کو اپنی طرف سے حکم مقرر کرتے۔ آپ کو اچھی طرح معلوم تھا کہ ابوموسیٰ کمزور آدمی ہیں اور ان کا کردار مشتبہ ہے۔ افسوس کہ یہ لوگ یہ بھول جاتے ہیں کہ ابوموسیٰ کا حکم بننا بھی ویسا ہی زبردستی کا تھا جس طرح تحکیم زبردستی کی تھی۔ وہی لوگ جو مُصر تھے کہ حکمین کی تجویز ضرور منظور کرلی جائے انھیں لوگوں کی ضد یہ بھی تھی کہ ہماری طرف سے کوئی حکم ہو تو ابوموسیٰ ہی ہوں۔ ہم کسی دوسرے کو حکم بنانے پر راضی ہی نہیں۔ امیرالمومنینؑ نے لاکھ لاکھ سمجھایا کہ دیکھو اہل شام نے اپنا حکم ایسے شخص کو منتخب کیا ہے جو ان کے پسندیدہ مقصد کے بہت قریب ہے اور تم نے ایسے شخص کو چنا ہے جو تمھارے ناپسندیدہ مقصد سے نزدیک ہے، تم کو ابوموسیٰ کا کل والا دن یاد ہوگا کہ وہ کہتا پھرتا تھا کہ ''یہ جنگ ایک فتنہ ہے لہذا اپنی کمانوں کو توڑ دو اور تلواروں کو نیاموں میں رکھ لو'' لیکن بلوائیوں نے امیرالمومنینؑ کی ایک بات بھی نہ مانی، اپنی ضد پر اڑے رہے، غل مچاتے رہے، حضرت جتنا جتنا انھیں قائل کرنا چاہتے انھیں اور ضد ہوتی جاتی اور مخالفت کا جوش بڑھتا جاتا، اشعث بن قیس نے رہی سہی امید بھی ختم کردی بگڑ کر کہا:

''قیامت تک نہیں ہوسکتا کہ دونوں حکم قبیلہ مضر ہی کے ہوں۔ شام والوں نے اپنی طرف سے قبیلہ مضر کے آدمی کو منتخب کیا

ہے آپ یمن والوں میں سے کسی کو حکم مقرر کیجیئے یعنی ابوموسیٰ اشعری کو۔‘‘

سب سے بڑی بات اعتراض کرنے والے یہ بھول جاتے ہیں کہ اگر امیر المومنینؑ ابوموسیٰ اشعری کے علاوہ کسی دوسرے کو اپنی طرف سے حکم بنانے میں کامیاب بھی ہو جاتے تو نتیجہ کیا ہوتا۔ خواہ ابوموسیٰ اشعری حکم ہوتے یا مالک اشتر یا عبداللہ بن عباس، نتیجہ سب کا ایک ہی تھا۔ معاویہ نے اپنی طرف سے عمروعاص کو حاکم مقرر کیا تھا اور انھوں نے جس طرح دنیا کے لیے اپنا دین بیچا تھا وہ ظاہر ہے۔ ان سے یہ توقع رکھنا کہ وہ معاویہ کو ساقط کر کے علیؑ کی خلافت برقرار رہنے دیتے بالکل ہی مہمل ہے۔ عبداللہ ابن عباس ہوں یا مالک کسی میں اسکی طاقت نہ تھی کہ عمروعاص کی قلب ماہیت کر سکے۔ زیادہ سے زیادہ نتیجہ یہ ہوتا کہ جب دونوں حکمین فیصلہ کرنے بیٹھتے تو کوئی بات طے نہ ہو پاتی۔ عمروعاص معاویہ کی حمایت کرتے۔ عبداللہ بن عباس یا مالک اشتر امیر المومنینؑ کی، اور بغیر فیصلہ کیے دونوں کی نشست ختم ہو جاتی اور جو کیفیت پہلے تھی وہی اب پھر ہو جاتی یعنی وہی کشت و خون اور جنگ وجدال۔ بفرض محال اگر ہم مان بھی لیں کہ عبداللہ بن عباس یا مالک اشتر بات پر قادر تھے کہ عمروعاص کی قلب ماہیت کردیں وہ ان کو اپنی تدبیروں سے راضی بھی کر لیتے کہ معاویہ کو تو معزول کریں اور علیؑ کو خلافت پر باقی رکھیں لیکن پھر بھی یہ سوال رہتا ہے کہ کیا اس قسم کے فیصلہ کو معاویہ آسانی سے مان لیتے؟ جب ان کے پاس شام کی پوری آبادی تھی، حمایتیوں کا انبوہ تھا قریش اور غیر قریش کے ایسے لوگوں کی جمعیت تھی جو محض طمع دنیا اور حُب جاہ ومنصب میں ان کے دست و بازو بنے ہوئے تھے، جس طرح خود معاویہ کو اپنی پسپائی کسی صورت سے منظور نہ تھی، اسی طرح ان کے حمایتیوں کو بھی منظور نہ ہوتا کہ معاویہ ناکام ہوں اور اس طرح ہمارے اوپر بے تحاشہ خزانوں کا منھ ہی بند ہو جائے۔

جب معاویہ کے ساتھ والے ایسے کج فہم تھے کہ جب عمار یاسر شہید ہوئے اور پیغمبرؐ خدا کی عمار کے متعلق اس مشہور حدیث کا چرچا ہونے لگا کہ تقتلہ الفئۃ الباغیۃ عمار کو باغی گروہ قتل کریگا تو معاویہ نے جواب میں یہ کہنا شروع کیا کہ عمار کا قاتل تو وہ ہے جو عمار کو میدان جنگ میں لایا تھا۔ پیغمبرؐ کی اس حدیث کی جیسی غلط تشریح تھی معمولی بچہ بھی اس پر ہنس دے گا مگر شام والوں نے بالکل سچے دل سے یقین کرلیا کہ معاویہ جو کہتے ہیں وہی ٹھیک ہے، واقعی عمار کے قاتل وہی لوگ ہیں جو عمار کو اپنے ساتھ لے کر آئے تھے تو جب ان لوگوں کی یہ کیفیت تھی تو اگر دونوں حکم عمروعاص اور مالک اشتر یا عبداللہ بن عباس معاویہ کے بر خلاف فیصلہ صادر کرتے تو کیا اس فیصلہ کی بھی اُلٹی سیدھی توجیہ کر کے معاویہ اپنے ساتھیوں کو بہکا نہیں سکتے تھے؟

حقیقت یہ ہے کہ اس مشکل سے نجات کی کوئی صورت ہی نہ تھی سوا اس صورت کے جو امیر المومنینؑ نے اختیار کی اور وہ بھی خوشی خاطر نہیں بلکہ مجبور و بے بس ہو کر۔

قبول خلافت

چھٹا اعتراض مخالفین کا یہ ہے کہ جب حالات ایسے ناگفتہ بہ تھے، ایسا پر آشوب وقت تھا تو پھر امیر المومنینؑ نے خلافت قبول ہی کیوں کی؟ آپ کے لیے بہتر یہی تھا کہ جس طرح خلفائے ثلاثہ کے عہد میں کنارہ کش رہے اس مرتبہ بھی آپ خلافت قبول نہ کر تے، کسی اور کو خلیفہ ہو جانے دیتے، اس صورت میں آپ کو وہ مصائب اُٹھانے ہی نہیں پڑتے جو خلیفہ ہونے پر اُٹھانے پڑے۔

لیکن ایسا کہنے والے یہ نہیں سوچتے کہ اس پر آشوب وقت میں امیر المومنینؑ کے لیے ممکن بھی تھا کہ ملت اسلامیہ کو ہلاکت و تباہی کے غار میں گرتے دیکھیں اور خاموش بیٹھے رہیں۔

تمام مورخین خواہ وہ شیعہ ہوں یا سُنی سب کا اتفاق ہے اس امر پر کہ خلافت کے لیے امیر المومنینؑ کا قیام وسکوت قبول یا انکار محض اسلام اور مسلمانوں کی بہبودی کی بنا پر تھا۔ تمام مؤرخین تسلیم کرتے ہیں کہ پیغمبرؐ کی وفات کے بعد پہلے ہی دن سے اپنے کو خلافت کا حقدار اور پیغمبرؐ کی نیابت کا سب سے زیادہ لائق اور سزاوار سمجھتے تھے۔ جیسا کہ آپ نے خطبہ شقشقیہ میں اسکی طرف اشارہ بھی فرمایا ہے، لیکن محض اس خیال سے کہ اگر میں اپنے حق کے حصول کے لیے اٹھتا ہوں تو فتنہ برپا ہو جائے گا ۔اور مسلمانوں میں زبردست افتراق وانتشار پیدا ہو جائے گا۔ آپ نے نہ صرف یہ کہ سکوت اختیار کیا بلکہ حکومت وقت کو اسکے مشکل اوقات میں بے دریغ امداد بھی دی۔

حضرت عثمان کے قتل کے وقت سبھی جانتے ہیں کہ امیر المومنینؑ گھر کا دروازہ بند کر کے بیٹھ رہے تھے۔ لوگ غول کے غول ہجوم کر کے آپ کے دروازہ پر آتے، اور اصرار کرتے کہ باہر نکلئے ہم آپ کے ہاتھ پر بیعت کرنا چاہتے ہیں مگر ہر مرتبہ آپ کا جواب نفی میں ہوتا مگر جب مدینہ کے تمام مہاجر وانصار نے متفق ہو کر آپ سے شدید اصرار کیا کہ مسلمانوں کے امور کی نگرانی آپ اپنے ہاتھ میں لے لیجئے تا کہ اس تاریک فتنہ سے ہم لوگ نکل سکیں اسوقت بادل نخواستہ آپ نے اس بار خلافت کو اُٹھانے پر آمادگی ظاہر کی۔ وہ بھی یہ دیکھ کر کہ اس وقت کوئی شخص ایسا نہیں جس کے خلیفہ ہو جانے پر اسلام کی کم سے کم ظاہری صورت ہی برقرار رہ جائے۔ جو صحابہ اس وقت موجود تھے ان میں سے کسی میں بھی مسلمانوں کی قیادت اور اتنی بڑی سلطنت چلانے کی صلاحیت نہ تھی، جو سر برآوردہ اصحاب تھے اور جنکی خواہش تھی کہ ہم خلیفہ ہو جائیں اور اس کے لیے انھوں نے حضرت عثمان کے قتل میں قاتلوں کی ہمت افزائی کی تھی سبھی کے دامن حضرت عثمان کے خون سے داغدار تھے، کسی طرح بھی مناسب نہ تھا کہ خلافت کا عہدہ ان لوگوں کے ہاتھ میں جائے۔

علیؑ ایسا قوت قلب اور ثبات قدم والا انسان جسکی زندگی وموت اور حکومت و ہدایت کی داستان بہادروں کی تاریخ کی زینت ہے کیا ممکن تھا کہ اس کڑی آزمائش اور سخت امتحان کے وقت گھر میں بیٹھ رہتا اور مسلمانوں کو بنی امیہ کے خونخوار

بھیڑیوں کے چنگل میں چھوڑ دیتا کہ وہ جیسا سلوک چاہیں ان کے ساتھ کریں!۔ اگر علیؑ اس وقت اپنے انکار ہی پر مصر رہتے اور مسلمانوں کی ڈوبتی کشتی کو گرداب مصیبت میں مبتلا چھوڑ دیتے تو وہ پست ہمت اور عاجز و کمزور وضعیف ہوتے، بہادری وشجاعت سے انھیں دور کا بھی واسطہ نہ ہوتا۔

امیر المومنینؑ نے دوران خلافت میں جن مشکلات ومصائب کو برداشت کیا وہ وہی بار امانت تھا جسے آسمان بھی اُٹھانے سے عاجز رہا۔ کیا یہ محیّر العقول قوت برداشت اور معجزانہ صبر وتحمل نہیں کہ حضرت کا سابقہ ایسے لوگوں سے پڑا جن میں اکثریت قاریان قرآن وحافظان حدیث کی تھی جو آپ کے ہر فرمان اور حکم میں چون وچرا کرتے۔ وہ نازک سے نازک وقت میں بھی آپ کے احکام کی اسوقت تک تکمیل نہ کرتے جب تک وہ احکام ان کی مرضی کے مطابق اور ان کے اجتہاد کے موافق نہ ہوتے۔ کون ایسا دریا دل سورما ہوگا جسکے لشکر میں اشعث بن قیس ایسے ذی وجاہت، غدار وخیانت پیشہ افراد موجود ہوں اور جنگی سازشی کارروائیاں ہر لحہ جاری ہوں اور وہ باوجود اس کے فتحیابی کی منزل کے قریب قریب پہونچ جائے؟

کوئی شک نہیں کہ اگر معاویہ کو بھی ایسے ہی فوج کے سپاہی نصیب ہوتے جیسا کی عراق والے تھے تو وہ پہلے ہی دن بدترین شکست کا سامنا کرتے، خود معاویہ اپنی کامیابی اور حضرت علیؑ کی ناکامی کی توجیہ کرتے ہوئے بیان کیا کرتے:

''میں اپنے راز کی باتوں کو مخفی رکھتا تھا، علیؑ مخفی نہیں رکھتے تھے، میرے سپاہی میرے مطیع تھے اور علیؑ کے سپاہی انتہائی خراب اور بہت ہی مخالفت کرنے والے تھے۔''

استاذ عباس محمود العقاد مصری لکھتے ہیں:

''وہ کامیابی وناکامی کے ان اسباب کے ساتھ ایک حقیقت اور شامل کر لینا ضروری ہے، اور وہ یہ کہ اگر معاویہ علیؑ کی جگہ ہوتے اور ان کو بھی انھیں حالات کا سامنا کرنا ہوتا جن حالات سے امیر المومنینؑ کو گذرنا پڑا تو اسکی پسپائی وہزیمت لازمی ویقینی چیز تھی۔

حضرت علیؑ کی اصل مصیبت لشکر والوں کی خیانت اور مخالفت کرنے کی بدترین عادت تھی۔ یہی وجہ تھی کہ حضرت علیؑ کا راز طشت از بام ہو جاتا اور معاویہ کا راز مخفی رہتا کیونکہ شام والے معاویہ کی آنکھیں بند کر کے اطاعت کرتے، معاویہ کے جو منصوبے ہوتے وہ ان کے دل میں مخفی ہوتے، نہ کوئی ان سے پوچھتا نہ انھیں کسی کو بتانے کی ضرورت ہوتی اور علیؑ کی بات اس وقت تک مانی ہی نہ جاتی جب تک لشکر والے آپ کے دلی منصوبے نہ پوچھ لیتے اور اپنے اجتہاد سے کام لیکر حلال وحرام کا فیصلہ نہ کر لیتے۔ اگر کہیں ایسا ہوتا کہ معاویہ کے لشکر والے اہل عراق کی طرح نافرمان ہوتے اور انھیں ایسے لشکر سے مقابلہ کرنا پڑتا جو اپنے سردار کا فرمانبردار ہوتا تو وہ اپنی کامیابی کا خواب بھی نہیں دیکھ سکتے تھے جتنا علیؑ کو نصیب ہوئی چاہے وہ ہزاروں

چالاکیاں کرتے، دوستوں کو کتنی ہی رشوتیں دیتے اور مخالفین کے ساتھ کتنے ہی مکر وفریب کرتے۔''

(عبقریۃ الامام عباس محمود العقاد مطبوعہ مصر)

بالفرض اگر مان بھی لیا جائے کہ حضرت علیؑ اس مرتبہ بھی صبر وسکوت سے کام لیتے اور گھر میں خاموش رہتے تو سوال یہ ہے کہ کیا انھیں خاموش بیٹھا رہنے بھی دیا جاتا، جن لوگوں نے حضرت عثمان پر جنکی جمی جمائی حکومت تھی اقتدار تھا، تسلط تھا، حمایت کرنے والے اور جان نثار کرنے والے موجود تھے، خاندان والوں کی زبردست جمعیت بھی تھی، چالیس روز یا تین مہینہ محصور رکھ کر قتل ڈالا اور کسی سے کچھ بنائے نہ بنی تو کیا اگر وہ تل جاتے کہ ہم بہرحال اور بہر قیمت علیؑ ہی کو خلیفہ بنائیں گے تو کیا امیر المومنینؑ کے لیے ممکن تھا کہ اپنی کنارہ کشی اور حکومت سے بے تعلقی ہی پر جمے رہیں؟

ڈاکٹر طہ حسین لکھتے ہیں:

''لیکن علیؑ باوجود ان سب باتوں کے خلافت کے طلبگار نہ ہوئے اور خلافت قبول کرنے پر آمادہ ہوئے تو اسوقت جب بہت شدت کے ساتھ آپ مجبور کیے گئے اور جب بعض بلوائیوں نے آپ کو دھمکیاں دیں کہ ہم آپ کو بھی قتل کر کے عثمان کے پاس پہونچا دیں گے اور اس وقت جبکہ تمام مہاجرین وانصار نے آپ سے فریاد کی سب کا شدید اصرار ہوا کہ مسلمانوں کے امور کی نگرانی یعنی خلافت اپنے ہاتھ میں لے لیجیے تاکہ اس تاریک فتنہ سے ہم لوگ نکل سکیں۔ (الفتنۃ الکبریٰ جلد دوم ص ۱۰۰ و ۱۰۱)

اور اگر بلوائی انھیں چھوڑ بھی دیتے، کسی دوسرے کو خلیفہ بنا لیتے تو کیا وہ شخص جو خلیفہ ہوتا وہ اور اسکے اصحاب وحاشیہ نشین بھی علیؑ کو چھوڑ دیتے؟ علیؑ کی ایذا رسانی اور ان کی جان لینے کی تدبیریں نہ کرتے؟ ضرور کرتے کیونکہ سب سمجھتے تھے کہ علیؑ کا وجود ایک مستقل خطرہ ہے۔ وہ جب تک زندہ رہیں گے لوگوں کی نگاہیں ان پر پڑتی رہیں گی۔ ہم سے جو بھی ناراض ہوگا یا جو شخص بھی دین ودنیا کی خاطر ہماری مخالفت پر کمربستہ ہوگا وہ علیؑ ہی کی پناہ لے گا۔ خود حضرت عثمان کی نگاہوں میں علیؑ کا وجود کانٹے کی طرح کھٹکتا تھا۔ گذشتہ جلدوں میں ہم حضرت امیر المومنینؑ کا یہ فقرہ نقل کر چکے ہیں کہ عثمان نے مجھے آب کشی والا اونٹ بنا لیا ہے جو آتا جاتا رہتا ہے۔ جب بلوائی ان پر یورش کرتے تو علیؑ کو بلایا جاتا تھا کہ آ کر میری جان بچاؤ اور جب ذرا سکون ہوتا تو علیؑ کو حکم دیا جاتا کہ مدینہ چھوڑ کر ینبع چلے جاؤ کیونکہ بلوائیوں کی نگاہیں علیؑ ہی پر پڑتی تھیں اور حضرت عثمان کو خبریں ملتی رہتی تھیں کہ یہ لوگ مجھے ہٹانے کے بعد علیؑ کو خلیفہ بنانے کے خواہشمند ہیں۔ تو جب حضرت عثمان علیؑ کو چین سے بیٹھنے نہیں دیتے تھے تو دوسرا کب انھیں چین لینے دیتا۔

امام حسنؑ کے متعلق دنیا جانتی ہے کہ باوجودیکہ آپ نے خلافت سے دست کشی کر لی مگر آپ کو زہر سے شہید کیا گیا کیونکہ معاویہ کو آپ کی مرجعیت اور محبوب خلائق ہونے کی وجہ سے اندیشہ تھا۔ عبدالرحمان بن خالد بن ولید کو زہر دیا گیا صرف اس وجہ سے کہ شام

والے اسکی طرف کسی قدر مائل تھے۔ظاہر ہے کہ امیر المومنینؑ اور امام حسنؑ اور عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید میں بہت بڑا فرق تھا۔ حضرت سے جتنا خطرہ معاویہ محسوس کر سکتے تھے اتنا ان دونوں حضرات سے نہیں لہذا آپ کی جان لینے کی ہر ممکن تدبیریں کرتے۔

یہ جو کچھ کہا گیا سیاسی حیثیت سے کہا گیا۔قبول خلافت کا اہم ترین پہلو دینی و مذہبی پہلو ہے جسکے متعلق خود حضرت امیر المومنینؑ خطبہ شقشقیہ میں ارشاد فرماتے ہیں:

اما والّذی فلق الحبّة و برء النَّسَمة لولا حضور الحاضر وقیام الحجّة بوجود النّاصر ،و ما اخذ الله علی العلماء ان لا یقارّوا علی کظّةِ ظالمٍ ولا سغب مظلوم ،لا لقیت حبلها علیٰ غاربها ولسقیتُ اٰخرها بکاس اولها ءلالفیتم دنیا کم هذہ ازهد عندی من عفطة عنز

اس خدا کی قسم جس نے دانہ کو چیرا اور جس نے جانوں کو پیدا کیا اگر بیعت کرنے والوں کی موجودگی اور مدد کرنے والوں کے وجود سے مجھ پر حجت تمام نہ ہوگئی ہوتی اور وہ عہد نہ ہوتا جو اللہ نے علماء سے لے رکھا ہے کہ وہ ظالم کی شکم پُری اور مظلوم کی گرسنگی پر سکون وقرار سے نہ بیٹھیں تو میں خلافت کو مطلق العنان چھوڑ دیتا (کہ جہاں دل چاہے جائے) اور یقینا میں (اس وقت بھی) آخر خلافت میں وہی پیالا اس کو پلاتا جو پہلے پہل پلا چکا تھا (ترک خلافت) اور تم دیکھتے کہ تمھاری یہ دنیا میری نگاہوں میں بھیڑ اور بکری کی چھینک سے بھی زیادہ ذلیل ہے۔

رہ گئی یہ بات کہ علیؑ ناکام کیوں رہے؟ اور معاویہ کامیاب کیوں؟ تو اس کی وجہ یہ نہ تھی کہ علیؑ میں تدبر کی کمی تھی یا سیاست سے ناواقف اور طریق جہانبانی سے نابلد تھے بلکہ اسکے حقیقی اسباب وہ حالات تھے جو ان کے پیش رو اپنے اپنے دور حکومت میں پیدا کر گئے تھے، وہ پالیسی تھی جس نے رفتہ رفتہ مسلمانوں کی فطرتیں مسخ کر کے رکھ دیں، وہ بنایا ہوا پروگرام تھا جس نے اللہ کی عبادت کرنے والے مسلمانوں کو سیم وزر کی پرستش کا خوں گر بنا دیا تھا معلوم ہوتا ہے کہ کفار قریش کا یہ اعتراض کہ محمد نے (معاذ اللہ) یہ نبوت کا کھیل محض اپنی اور اپنے خاندان کی عظمت ووجاہت بڑھانے کے لیے کھیلا ہے، کچھ ایسی گھڑی سے کہا گیا تھا کہ حضرت عمر کے دل میں پوری طرح گھر کر گیا۔یہی خیال تھا جس نے جناب عمر کو آں حضرتؐ کے قتل پر آمادہ کیا اور وہ اپنی بہن کے گھر سے اُٹھ کر بغیر مزید سوچے سمجھے آن حضرت کے گھر کی طرف ہو لیے کہ انھیں قتل کریں لیکن وہاں بنی ہاشم کا مجمع دیکھ کر جس میں حضرت حمزہ، حضرت علیؑ اور جناب ابو طالبؑ موجود تھے آپکی ہمت نے آپ کے ارادہ کی مدد نہ کی۔وہ معاملہ تو گیا گذرا ہوا، آپ ایمان بھی لے آئے، کاہنان عرب سے مشورہ بھی کیا۔بڑھتی ہوئی عظمت رسولؐ کو بھی دیکھا اور مدینہ میں آنحضرتؐ کی حکومت کی ابتدا کو بھی ملاحظہ کیا، فتح بدر نے کفاران عرب کے دل توڑ دیے لیکن حضرت عمر کے لیے بھی غور وخوض کا بڑا موقع پیدا کیا۔غرضکہ واقعات ایسے ہی ہوتے گئے جنھوں نے حضرت عمر کے دل سے کفاران عرب کا اعتراض محو ہی نہ

ہونے دیا۔ جناب رسول خداؐ جانتے تھے لیکن کیا کرتے۔ مشیّت الٰہی جاری ہو چکی تھی کہ امامت خاندان رسالت ہی میں رہے، حضرت عمر بھی جانتے تھے کہ جن اصول پر امامت مبنی کی گئی ہے ان اصول تک ہم نہیں پہونچ سکتے، وہ دیکھتے تھے کہ حضرت علیؑ امامت کے لیے ایسے حصن حصین میں محفوظ ہیں کہ ہمارا ان تک پہونچنا محال ہے لہذا انھوں نے اس قلعہ کے اردگرد مٹی کھودنی شروع کی تاکہ یہ قلعہ یوں کا یوں بھی رہے اور گر بھی پڑے۔ انھوں نے اسلامی امامت کو یونانی حکومت میں تبدیل کرنا شروع کر دیا اور لوگوں کی توجہ اسی طرف منعطف کر دی۔

(تفصیل کے لیے دیکھیے فلسفۂ اسلام حصہ دوم مصنفہ جناب آغا محمد سلطان مرزا دہلوی)

یہ معلوم کرنا نہایت ضروری ہے کہ جب حضرت علیؑ نے خلافت ظاہری قبول فرمائی اس وقت مسلمانوں کی کیا حالت ہو چکی تھی؟ اسی سے جناب امیرؑ کی مشکلات کا صحیح اندازہ ہو سکے گا۔ یہ امر واقعی ہے کہ اس وقت تک مسلمانوں کی حالت میں ایک انقلاب عظیم پیدا ہو چکا تھا اس انقلاب کے چند اجزا یہ ہیں۔

(۱) مسلمانوں کی اکثریت خاندان رسولؐ خصوصاً حضرت علیؑ کی عظمت وعزت کو قطعاً بھول چکی تھی جو ان کو آنحضرت کے زمانہ میں حاصل تھی۔

(۲) حضرت ابوبکر وحضرت عمر یہ اصول قائم کر چکے تھے کہ قرآن شریف کی تاویل اپنے قیاس سے کر سکتے ہو، یہ وہ خطر ناک آزادی تھی جو انفرادی قیاس کو دی گئی جس نے قرآن شریف کو بڑی حد تک مسخ کر دیا اور لوگ اپنی خواہشوں اور سیاسی نظر یات کے مطابق قرآن شریف کی آیات کو موڑنے لگے یہاں تک کہ سیکڑوں فرقے قائم ہو گئے اور اسلام کی دھجیاں ہو گئیں۔

(۳) حضرت عمر کے شوریٰ نے ہر ایک کے دل میں خلیفہ بننے کی خواہش پیدا کر دی، وہ سمجھنے لگے کہ چند آدمیوں کو اپنے ساتھ بلا لیا اور بس خلیفہ ہو گئے۔ اسی نے طلحہ وزبیر کو حضرت علیؑ سے بغاوت پر آمادہ کیا اور لوگ اسکی آڑ میں حضرت علیؑ سے ذاتی دشمنی ورنجش نکالنے لگے، حضرت عائشہ کی مثال بہت نمایاں ہے۔

(۴) ان لوگوں کے لیے جو حکومت واقتدار کے خواہاں تھے سقیفہ کی مثال پیروی کے لیے موجود تھی۔ انھوں نے تمام مذہبی اور اخلاقی قیود کو نظر انداز کر دیا اور حکومت واقتدار کے حصول کے لیے پیچھے پڑ گئے۔ جناب معاویہ کی مثال اس ضمن میں نہایت نمایاں ہے۔ ان کے دو ہی ہتھیار تھے رشوت اور زہر اور ان کا بہت آزادی کے ساتھ استعمال کیا۔ مدینہ والوں کو بالکل خرید کر اپنی طرف کر لیا۔

(۵) پہلے دو خلیفہ نے لشکر کشی کا سلسلہ اس وجہ سے جاری کیا تھا کہ لوگ باہر چلے جائیں اور ہمارے حصول حکومت اور کارروائی سقیفہ پر اعتراض نہ کریں اور انصار ومہاجرین کے درمیان جو خطرناک بحث خلافت کے متعلق چھڑ گئی تھی وہ ان کے لیے برے

نتائج نہ پیدا کرے، باہر سے دولت وعیش وعشرت کے سامان مدینہ اور مکہ میں ہم کو لوگوں کی نظروں میں ہر دلعزیز بنا دیں۔ان فتوحات اولیں نے ان حضرات کے یہ مقاصد تو پورے کر دیے لیکن اسلام کو خطرات عظیم ونقصانات لاتعداد ولاتحصی پہونچے ....منجملہ دیگر ضرر رساں عناصر کے مندرجہ ذیل تین عناصر ایسے تھے جنھوں نے اسلام کے مسخ ہونے میں بڑی مدد کی:

(۱) مسلمانوں کے دل میں ابھی فلسفہ اسلام کے اصول راسخ نہیں ہوئے تھے اور جو عمل کے نمونے ارکان خلافت میں انھوں نے بعد رحلت رسولؐ دیکھے تھے وہ ایسے نہ تھے جو اسلام کا صحیح نمونہ پیش کرتے ،اس حالت میں وہ باہر بھیج دیے گئے جہاں انھوں نے پرانی جاہلیت کے عکس فلسفہ ایران و یونان و ہندوستان میں دیکھے وہ انھیں پرانے دوست نظر آئے اور انھیں گلے سے لگالیا وہ پرانے عقائد فلسفہ سے منجھے ہوئے جو ان کے سامنے پیش ہوئے یہ ان کی تردید نہ کر سکے اور ان کو اپنے اسلام میں کسی نہ کسی صورت سے داخل کر لیا، اس میں انکو بہت مدد اپنے پہلے خلیفہ کے طرز عمل سے بھی ملی جنھوں نے عموماً اپنی حکومت کو یونانی تخیل پر چلایا تھا............اس لیے اب ان کا اسلام وہ نہ رہا جو جناب محمد مصطفیٰؐ نے پیش کیا تھا اور جسکے لیے حضرت علیؑ نے معرکے جیتے تھے۔چونکہ نظریہ جنگ ہی بدل گیا تھا لہذا ان خلفاء نے حضرت علیؑ کو ان میں شریک نہ کیا اور یہ بھی خوف تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ فوج جو علیؑ کے ماتحت ہو وہ علیؑ کا اتقا اور طرز عمل دیکھ کر ان کی طرف ہو جائے اور ہمیں مشکل کا سامنا ہو۔

(۲) ان فتوحات سے غیر ملکی اور غیر اسلامی لونڈیوں اور غلاموں کی اس قدر کثرت مملکت اسلامیہ میں ہوگئی کہ وہ اپنا اثر اچھی طرح ڈال سکے۔وہ اپنے ساتھ اپنے پرانے مذہب کے عقائد ورسومات لائے اور اسلام میں داخل کر دیے۔ ہر ایک خاندان میں ان غلاموں اور لونڈیوں کی کثرت ہوگئی۔

(۳) شام کی شراب اور ایران وروم کی رقاصہ اور گانے والیوں نے مکہ ومدینہ اور اسلام کے ہر بڑے شہر میں ایک عیش و عشرت کا دریا بہا دیا، ہر خاندان پر ان کا اثر پڑا، اور عرب اپنی پرانی روایات جنگ وحقارت موت کو بھول گئے۔اب ان کے لیے جہاد پر جانا ناممکن ہو گیا اور دولت وعیش کی فراوانی نے وہی اثرات پیدا کیے جو اس کا نتیجہ ہوتے ہیں۔اب معاویہ کے لیے بہت آسان ہو گیا کہ وہ اپنے روپیہ سے کام لے سکے۔اس نے مدینہ میں اور جناب امیرؑ کے لشکر میں رشوت کا جال پھیلا دیا اور اس روپیہ کے ساتھ شام کا حسن بھی برائے تفریح طبع پیش کیا۔اب کیا تھا حضرت علیؑ اپنے لوگوں کو جہاد پر اُبھارتے ہیں اور وہ ٹس سے مس نہیں ہوتے اور خود حضرت امیرؑ کے لشکر میں علانیہ باغی پیدا ہو گئے۔

اندریں صورت زمام حکومت وخلافت نہایت خطرناک ہو چکی تھی کوئی اسکو قبول کرنے کے لیے تیار نہ تھا۔وہ بھی اسلام کا دور تھا جس نے حضرت علیؑ کو اس خطرناک حالت میں کشتی اسلام کو چلانے پر آمادہ کیا لیکن وہ لوگ جو ناجائز انعامات و جاگیرات کے عادی ہو چکے تھے حضرت علیؑ کے منصفانہ اور غیر جانبدار طرز عمل کو کیونکر قبول کرتے۔حضرت علیؑ کے خلاف سازشیں شروع ہو گئیں اور ان کو چین سے بیٹھنے نہ دیا۔اس پر بھی جناب امیرؑ نے اپنے اصلی مقصد کو نہ چھوڑا اور اپنے نمونہ عمل

اور اپنے مواعظ کے ذریعہ سے اپنی رعایا کی تعلیم وتربیت میں مشغول رہے۔ اس پر آپ کے خطبات ومواعظ کا وہ مجموعہ دلالت کرتا ہے جس کو علامہ رضی نے جمع کر کے نہج البلاغہ کا نام دیا ہے۔ یہ خطبات مذہب وحکومت کی آمیزش کا بہترین نمونہ پیش کر تے ہیں۔ جو لوگ کہتے ہیں کہ اسلامی طرز پر حکومت چل ہی نہیں سکتی وہ ان خطبات کا بغور مطالعہ کریں تو ان کو معلوم ہوگا کہ حکومت میں عدل وانصاف کسی اور طرح آ ہی نہیں سکتا جب تک اسلامی اصول پر اسکو چلایا نہ جائے اور عدل وانصاف ہی حکومت کا مقصد اولیں ہوتا ہے خواہ وہ جمہوریت ہو خواہ ملوکیت ہو اور خواہ ڈکٹیٹر شپ ہو۔ اب ہم ناظرین کے عقل سلیم کے اوپر چھوڑتے ہیں کہ کس فریق کا مقصد حیات کیا تھا۔ ہماری رائے میں دونوں فریق اپنے اپنے مقصد حیات میں کامیاب ہو گئے۔ حضرت علیؑ تبلیغ اشاعت دین صحیح میں دوسرا فریق حکومت ووجاہت دنیاوی حاصل کرنے میں۔

اگر آج کل کی مادی دنیا حکومت ووجاہت کو صحیح مقصد حیات سمجھتی ہے تو وہ حضرت علیؑ کی زندگی کو کبھی کامیاب زندگی نہ سمجھے گی۔ جب کبھی اس دنیا پر محبت مذہب وخوف خدا وخیال موت غالب تھے یا آئندہ کبھی جاکر ہوں گے تو وہ کسی صورت میں دوسرے فریق کی زندگی کو کامیاب زندگی نہ کہے گی بلکہ قائل تھی اور اب آئندہ ہو جائے گی کہ واقعی علیؑ کی زندگی کامیاب زندگی تھی اور اس صورت ہی میں لوگوں کو حضرت علیؑ کے مشکلات کا اندازہ ہوسکتا ہے جب وہ علیؑ کا مقصد حیات وحکومت اچھی طرح سمجھ لیں اور لوگوں کی حالت معلوم کرلیں کہ حضرت علیؑ کے زمانہ میں ان کی کیا حالت ہو چکی تھی۔ خدا اور رسولؐ کو بالکل بھول چکے تھے اسلامی اصول تقسیم واندازۂ عزت انّ اکرمکم عنداللہ اتقاکم بالکل نظر انداز ہو چکا تھا۔ دولت وعیش وعشرت کو خوف خدا اور حسین موت پر ترجیح دی جانے لگی تھی۔ اہل بیت رسالتؐ کو بالکل نظر سے گرا چکے تھے۔ ناظرین خود غور کرلیں کہ وہ کیسا زمانہ ہوگا کہ جب علیؑ ومعاویہ کا آپس میں مقابلہ ہونے لگا اور ایسے بہت سے لوگ موجود تھے جو اپنے مقاصد کے حصول کے لیے معاویہ کو علیؑ پر ترجیح دینے لگے تھے۔ علیؑ کے لیے یہ بہت ہی بڑا کام تھا کہ ان ظاہری مسلمانوں کو از سر نو مسلمان بنائیں۔ اس ایک امر میں حیات رسول خداؐ پر کتنی مشکلات درپیش آئیں اور پھر بھی سب صحیح مسلمان نہ بن سکے، منافقوں کی موجودگی اس پر دلالت کر رہی ہے، حضرت علیؑ کے لیے یہی ایک مشکل بہت بڑی مصیبت ہوگئی آپ نے بہت لکچر دئے، بہت تقاریر کیں، بہت خطبے بیان فرمائے کسی نے سنا اور بہتوں نے یہ کہہ کر ٹال دیا کہ آخر وہ لوگ بھی تو مسلمان تھے جنھوں نے خود وجاہت دنیاوی اور حصول حکومت کے لیے کوشش کی اور ان میں سے کسی بات کا خیال نہ رکھا۔ حضرت علیؑ ہیں کہ خوف خدا وخیال موت ہی سے ڈرے جاتے ہیں، اس ڈر ہی کا یہ نتیجہ ہے کہ معاویہ شام پر قابض ہوگیا اور اب ان کو ستائے جا رہا ہے، ہم تو معاویہ کی طرف جاتے ہیں۔ حضرت عمر کہہ بھی گئے تھے کہ معاویہ میرے دل کے مطابق ہے۔ جب کبھی مسلمانوں میں لڑائی ہو تو تم معاویہ کی طرف چلے جانا۔ حضرت عمر ایسا بندوبست کر ہی گئے تھے کہ معاویہ آخر کار خلافت پر قابض ہو جائے ہم تو اُدھر ہی جاتے ہیں۔

مسجد نشیناں رخصتے خواھد بدیر م لعبتے

درست رنگیں شیشہ ، در شیشہ موج کوثرے

یہ تھے وہ امور جنکی وجہ سے مسلمانوں کی اکثریت حضرت علیؑ کے خلاف ہوگئی۔ وہ لوگ جو خواہان حکومت واقتدار تھے ان کو اچھا موقع ہاتھ لگا۔ ان لوگوں کو علیؑ کے خلاف بھڑکایا اور اپنا مقصد مدنظر رکھا۔ ایک طرف طلحہ وزبیر خواہان امارت وخلافت، دوسری طرف عائشہ خواہان انتقام، تیسری طرف معاویہ جو اپنے وقت کا منتظر تھا، چوتھی طرف صاحبان رسوخ ودولت جو حضرت علیؑ کے مساویانہ سلوک سے بددل تھے اور ان سب کے ساتھ وہ لوگ ملے ہوئے تھے جنکے رشتہ داروں کو حضرت علیؑ نے جہاد اسلامی میں قتل کیا تھا۔ اس طرح حضرت علیؑ نے چاروں طرف سے اپنے تئیں گھرا ہوا پایا جب انھوں نے زمام خلافت اپنے ہاتھ میں لی۔ پھر معاویہ کی سازش ورشوت نے وہ رہا سہا لگاؤ بھی جو حضرت علیؑ کے ساتھ تھا اس کو بھی ختم کردیا۔ اب علیؑ کے ساتھ انکے تقدس ،تقویٰ اور استحقاق کی وجہ سے محبت کرنے والے کتنے رہ گئے انگلیوں پر گنے جاسکتے تھے۔ حضرت علیؑ ان مشکلات میں اسلام کو اپنے سینہ سے لگائے ہوئے بادمخالف سے اسے بچارہے تھے کہ آخر کار معاویہ کی سازش اور ان کے رویے نے عبدالرحمان ابن ملجم کی تلوار کو صیقل کیا اور آپ عین نماز میں شہید کردیے گئے"۔

(آغا محمد سلطان مرزا صاحب مقدمہ حضرت امیر المومنینؑ حصہ ثالثہ)

جناب پیام شاہجہانپوری لکھتے ہیں:

"اس میں شک نہیں کہ حضرت علیؑ حضرت معاویہ کے مقابلہ میں اس اعتبار سے ضرور ناکام رہے کہ وہ شام ومصر ان سے واپس نہ لے سکے (ان دوصوبوں کے علاوہ سارا عالم اسلام حضرت علیؑ کے زیر نگین تھا) لیکن ان کی کامیابی میں اس اعتبار سے کوئی شک وشبہہ نہیں کہ انھوں نے اپنے عمل سے ایک مثالی اور صحیح اسلامی حکومت کا نمونہ پیش کردیا۔ ظاہر بات ہے کہ اگر حضرت علیؑ بھی حضرت معاویہ کی طرح روپیہ پانی کی طرح بہاتے، امراوسرداران قبائل کو رشوتیں دیتے، لوگوں سے باز پرس نہ کرتے، ہر معاملہ میں نرمی اور چشم پوشی سے کام لیتے بالفاظ دیگر زمانہ کے ساتھ چلتے تو وہ حضرت معاویہ پر غالب تو ضرور آجاتے لیکن پھر تاریخ لکھنے والا انھیں حضرت معاویہ ہی کی صف میں کھڑا کردیتا۔ ان کی انفرادیت ختم ہوجاتی، ان میں اور عام فاتحین یا سلاطین میں کوئی فرق باقی نہ رہتا۔ حضرت علیؑ کا مقام یہی ہے کہ انھوں نے ہزاروں مشکلات کے باوجود شدید مخالفتوں کے ہوتے ہوئے اور سخت نامساعد حالات میں اپنی روش میں فرق نہ آنے دیا۔ اپنے اصولوں سے دست بردار ہونا گوارا نہ کیا، اپنے موقف پر سختی سے ڈٹے رہے، ایک انچ پیچھے نہ ہٹے، انکے ذہن میں حکومت کا جو اسلامی تصور تھا اسے انھوں نے پیش کیا اور آخر تک اسے تصویر کا جامہ پہنانے میں مصروف رہے، اس راستہ میں پیش آنے والی ہر مشکل کا خندہ پیشانی سے مقابلہ کیا اور جب دنیا سے رخصت ہوئے تو اس حال میں کہ اسلام کی نشانیاں قائم تھیں راستے متعین تھے، حکومت کرنے کے خدّوخال واضح تھے۔ معاشرت کے اصول موجود تھے، رعایا کے فرائض کا تعین ہو چکا تھا، راعی کا منصب اور دائرہ کار بنایا

جا چکا تھا'' (علیؑ اور ان کی خلافت، مطبوعہ لاہور، ص ۳۹۱ و ۳۹۲)

امر واقعہ یہ ہے کہ جو شخص جناب امیرؑ کی شخصیت اور انکی سیاست کو معلوم کرنا چاہتا ہے تو اس کا پہلا فرض یہ ہے کہ وہ نہج البلاغہ کا مطالعہ آخر تک امعان نظر سے کرے۔ نہج البلاغہ کو پڑھے بغیر جناب امیرؑ کی معرفت کا دعویٰ ایک بیہودہ ادعا ہے جس کو کوئی اہل علم و معرفت سننے کے لیے بھی تیار نہ ہوگا۔

جب جناب امیرؑ نے لوگوں کی بے دینی اور ان کا سُرعت کیساتھ کفر کی طرف بہتا دیکھا تو آپ نے صحیح طور سے فیصلہ کیا کہ قبل اسکے کہ غیر ملکوں کو فتح کر کے ان کے باشندوں کو مسلمان بنایا جائے بہتر ہے کہ ان مسلمان تمام مشرکوں کو صحیح اسلام کے دائرے میں لایا جائے۔ آپ نے ہر ایک امر کو ملتوی کر کے فیصلہ کیا کہ اول رعایا کی تہذیب اخلاق و تزکیہ نفس کی کوشش کرنی چاہیے تاکہ رعایا کا مطمع نظر بدل کر آپ کے نظریہ کے مطابق ہو جائے لہذا آپ نے اپنی رعایا کے لیے ایک درس عام جاری کر دیا اور اس درسگاہ کے خود مدرّس مقرر ہوئے۔

حقیقتاً آپ کے یہ خطبے معرفت الٰہی کے خزائن ہیں جن میں اسرار و نکات کھول کھول کر بیان فرمائے ہیں۔ ان میں صفات الٰہی و معنی توحید کی تشریح اس طرح کی ہے کہ عقل حیران رہ جاتی ہے، کیفیت ابتداء خلق صفت سماوات اس طرح بیان کی گئی ہیں کہ گویا آپکے مشاہدات میں سے تھے۔ ابتدائے خلق کے متعلق جو سائنس نے اب تک معلوم کیا ہے اسکی تصدیق آپ کے خطبات کرتے ہیں۔ علامہ ابن ابی الحدید نے شرح تو ضرور لکھی ہے لیکن امر واقعہ یہ ہے کہ ابھی تک کامل شرح نہج البلاغہ کی لکھی ہی نہیں گئی۔ نہج البلاغہ ایک دریائے علم ہے کہ جسکے پڑھنے سے جناب رسول خداؐ کے قول کی تصدیق ہوتی ہے کہ **انا مدینة العلم وعلی بابها فمن اراد العلم فلیات الباب۔**

یہ تو رعایا کے تزکیۂ نفس و تہذیب اخلاق کے لیے تھا۔ ان کے نظم و نسق سے بھی آپ غافل نہ تھے۔ ہر ایک عامل کے قول و فعل پر آپ کی نظر رہتی تھی۔ جہاں کوئی چوکا وہیں اس کو تازیانہ تادیب لگا۔ جو ہدایات حضرت علیؑ نے اپنے عمال کو وقتاً فوقتاً دی ہیں وہ آج تک درسگاہ سیاسیات کے بہترین سبق ہیں۔

مالک اشتر کو گورنر مصر مقرر کرتے وقت آپ نے جو عہد نامہ لکھ کر انھیں دیا تھا وہ سلطنت کا ایسا دستور اور حکمرانی کا ایسا بہترین نظام العمل ہے جس پر ہر زمانہ کی حکومتیں عمل پیرا ہو کر اپنی حکومت کو مثالی حکومت اور اپنی سرزمین کو جنت کا نمونہ بنا سکتی ہیں۔ حضرت کا وہ فرمان نقل کر کے ہم اس جلد کو تمام کرتے ہیں۔ آئندہ جلد میں حضرت کے نظام حکومت اور دیگر تحریکات و اصلاحات پر تفصیلاً بحث کریں گے۔

❑❑

نظام حکومت الٰھی

''یہ وہ عہد ہے جس کو پورا کرنے کے لیے بندۂ خدا علی امیر المومنینؑ نے مالک ابن حارث اشترؓ کو مصر کا والی بناتے وقت حکم دیا (فرائض ان کے یہ تھے) کہ وہ اس ملک کا خراج وصول کریں، اس کے دشمنوں سے جہاد کریں، وہاں کے باشندوں کی اصلاح کریں اور اس کے شہر کو آباد کریں۔''

(۱) میں ان کو حکم دیتا ہوں کی خدا سے ڈریں اور اسکی اطاعت کو مقدم رکھیں اور ان واجب اور سنت احکام کا اتباع کریں جن کا حکم اس نے اپنی کتاب میں دیا ہے کہ کوئی شخص بغیر اس کے اتباع کے (معراج) سعادت پر فائز نہیں ہو سکتا اور اس کا انکار کرنے اور اسکو ضائع کرنے ہی سے شقی ہوتا ہے۔ اور (یہ بھی حکم دیتا ہوں) کہ اپنے دل، ہاتھ اور زبان سے اللہ کی نصرت کریں۔ پس جو اسکی نصرت کرے اسکی نصرت کا اور جو اسکی عزت ملحوظ رکھے اس کے اعزاز کا وہ متکفل ہوتا ہے۔

(۲) میں حکم دیتا ہوں کہ شہوات کی طرف مائل ہوتے وقت اپنے نفس کی قوتوں کو توڑ دیں اور سرکشی کرتے وقت اس کو (معاندت ومخالفت) سے باز رکھیں، کیونکہ نفس ہمیشہ برائی کا حکم دینے والا ہے مگر یہ کہ جب خدا اپنا رحم وکرم فرمائے۔

(۳) اے مالک! یہ سمجھ لو کہ میں تم کو ان شہروں کی طرف بھیج رہا ہوں جہاں تم سے پہلے صاحب عدل اور صاحب جور حکومت گزر چکی ہیں۔ (یاد رکھو) کہ لوگ تمھارے امور کو بھی اسی طرح دیکھیں گے جس طرح تم اپنے پیش رو والیان ملک کے امور کو دیکھتے رہے ہو اور تمھاری بابت بھی وہی باتیں کہیں گے جو تم (گذشتہ حکام) کی بابت کہتے رہے۔

اور صالحین (کی صلاحیت) پر اسی (ذکر جمیل) سے استدلال کیا جاتا ہے جو اللہ زبان خلق پر جاری کر دیتا ہے۔ پس چاہیے کہ عمل صالح کا ذخیرہ تمھارے نزدیک محبوب ترین ذخیرہ ہو۔ اپنی خواہشات نفسانی پر قابو رکھو اور ان چیزوں سے جو تمھارے لیے حلال نہ ہو اپنے نفس کو باز رکھو۔ اسکا مطلب یہ ہے کہ نفس جن امور کو پسند کرتا ہو اور جن سے اسکو نفرت ہو ان کی نسبت اسکو انصاف پر مائل کرو اور اپنے دل میں رعیت پر لطف ومحبت اور مہربانی کرنے کا جذب واحساس پیدا کرو اور ان کے ساتھ ضرر رساں کا ورندہ کا سا سلوک نہ کرو جو ان کو کھا لینا ہی غنیمت سمجھتا ہے۔ کیونکہ اس میں دو ہی قسم کے لوگ ہیں یا تو تمھارے دینی بھائی یا وہ لوگ جو (چہرے مہرے، ہاتھ پاؤں اور جسم) کی بناوٹ کے لحاظ سے تم ہی جیسے انسان ہیں (تمھاری طرح) ان سے بھی لغزشیں ہو جاتی ہیں، اور ان کو بھی (خطا ونسیان اور سہو وعصیان) کی بیماریاں لاحق ہوتی ہیں اور ان سے عمداً یا سہواً بُرائیاں سرزد ہو جاتی ہیں۔ پس تم ان کو اسی طرح معاف کر دیا کرو اور درگذر کرتے رہو جس طرح تم چاہتے ہو کہ خدا تم کو معاف کر دے اور تمھاری برائیوں کو درگزر کرے۔ اس دنیا میں ایک کے اوپر دوسرا نگراں موجود ہے تم ان لوگوں پر (حاکم)

ہو۔تمھارا امیر تم پر (نگراں) ہے اور خدا اس پر بھی (حاکم) ہے جس نے تم کو والی بنایا ہے، ان کے امور کا متکفل کیا ہے اور ان کے ذریعہ سے تمھاری آزمائش کرنی چاہی ہے۔

اور (قوانین فطرت) خدا سے جنگ مول لے کر اپنے نفس کو تعجب میں نہ ڈالو کیونکہ تمھارے اندر نہ اس کے عذاب کو دفع کرنے کی طاقت ہے نہ اس کے عفو و رحمت سے مستغنی ہونے کی قوت، (کسی کو معاف کر کے) نادم و شرمندہ نہ ہو، (کسی کو) سزا دے کر خوش نہ ہو اور غصہ میں کوئی ایسی بات یا کام کرنے میں جلدی نہ کرو جس کے ترک کی گنجائش ہو اور یہ نہ کہتے پھرو کہ میں امیر ہوں حاکم ہوں، میری اطاعت لازم ہے کیونکہ اس سے قلب فاسد اور دین کمزور ہوتا ہے اور تغیرات دنیا قریب آجاتے ہیں اور جب کبھی ریاست و امارت تمھارے دل میں تکبر اور گھمنڈ پیدا کرے تو غور کرو کہ تمھارے اوپر اللہ کی حکومت کتنی عظیم الشان ہے اور خود تمھارے نفس کی ان باتوں پر وہ قدرت و تصرف رکھتا ہے جو تم نہیں رکھتے۔اس سے تمھارا جوش نخوت کم اور حدت شعور تک جائے گی اور گئی ہوئی عقل واپس آجائے گی۔

(۴) دیکھنا! عظمت و اقتدار میں خدا کے مقابل اور سطوت و جبروت میں اس سے مشابہ بننے سے بچتے رہنا کیونکہ وہ ہر جبّار کو ذلیل اور ہر متکبّر کو خوار کر دیتا ہے۔

(۵) اپنے نفس اپنے خاص اعزا و اقارب اور ان افراد رعیّت کے مقابلہ میں جن کی طرف تم کو خاص میلان طبع ہو خدا اور عامۃ الناس کے ساتھ انصاف ملحوظ رکھو۔[۱]

اگر تم ایسا نہ کرو گے تو ظالم ٹھہرو گے اور جو شخص بندوں پر ظلم کرتا ہے خدا خود اپنے بندوں کی طرف سے اسکا مخالف بن جاتا ہے اور جس سے وہ مخالفت و مخاصمت کرے اسکی حجت کو وہ باطل کر دیتا ہے اور جب تک وہ اپنے ظلم سے باز نہ آئے اور توبہ نہ کرے وہ اس سے برسر جنگ رہتا ہے اور ظلم سے زیادہ کوئی چیز اسکی نعمت کو بدلنے اور اس کے عذاب کو قریب کر دینے والی نہیں ہے۔ کیونکہ وہ مظلوموں کی دعاؤں کو سننے والا ہے اور ظالموں کی گھات میں رہتا ہے۔

جمھور کی رضامندی: (۶) اور تم کو وہی امر سب سے زیادہ پسند ہونا چاہیے جو بلحاظ حق سب سے زیادہ وسط میں واقع ہو، بلحاظ عدل سب سے زیادہ عمومیت رکھتا ہو اور رعایا[۲] کی رضامندی کا سب سے زیادہ جامع ہو کیونکہ عامۃ

۱۔ مطلب یہ ہے کہ ایسا نہ ہو کہ اپنے نفس یا اپنی تقریروں اور منظور نظر افراد رعایا کی خاطر تم حقوق عباد کو ضائع و برباد کرو کہ بحر دنیا میں یہی تین چٹانیں ہیں جس سے ٹکرا کر عدل و انصاف کے جہاز پاش پاش ہوا کرتے ہیں۔

۲۔ مطلب یہ ہے کہ تمھارا طرز حکومت ایسا ہو جو عامۃ الناس کو زیادہ سے زیادہ فائدہ پہونچائے تا کہ وہ تم کو محبوب سمجھنے لگیں کہ اصل میں حکومت کی بقا عامۃ الناس ہی کی خوشنودی پر مبنی ہے۔

الناس کی ناراضگی خواص کی رضامندی کو بے اثر و بے سود بنا دیتی ہے اور عامۃ الناس کی رضامندی کے ساتھ خواص کی ناراضگی ناقابل التفات ہوجاتی ہے۔تمام رعایا میں طبقہ خواص سے زیادہ (حسب ذیل برائیاں) رکھنے والا کوئی نہیں ہوتا:

(۱) خوش حالی کے وقت والی کے لیے سب سے زیادہ بار خاطر۔

(۲) مصیبت کے وقت سب سے کم مدد کرنیوالا۔

(۳) انصاف وعدل سے نفرت کرنے والا۔

(۴) سوال کرنے میں بیحد اصرار کرنے والا۔

(۵) اگر عطیات ملیں تو سب سے کم شکر گزار۔

(۶) نہ ملیں تو قبول عذر میں بہت سست۔

(۷) حوادث زمانہ پر سب سے کم صبر کرنے والا۔

(طبقہ خاص کا تو یہ حال ہے، برخلاف اسکے) عامۃ الناس ستون دین اور نظام مسلمین ہوتے ہیں، دشمنوں کے مقابلہ میں تیار فوج کا کام دیتے ہیں، پس تمھارا رجحان خاطر اور میلان طبع انھی کی طرف ہونا چاہیے۔

چغل خور سے بچو: (۷) تم کو چاہیے کہ رعیت کا جو آدمی لوگوں کی غیبت جوئی میں زیادہ مشغول رہتا ہو اس کو اپنے پاس سے بہت دور رکھو، کیونکہ لوگوں میں عیوب تو ضرور ہوتے ہیں۔اور والی سے زیادہ ان عیوب کی پردہ پوشی کا حق کس کو ہوسکتا ہے۔پس جو عیوب تمھاری نظر سے پوشیدہ ہیں ان کی تلاش نہ کرو کیونکہ تم پر تو انھیں عیوب کا ازالہ فرض ہے جو ظاہر ہوں اور جو تمھاری نظر سے پوشیدہ ہوں ان کا فیصلہ خداوند عالم کرے گا۔پس حتی الامکان لوگوں کے عیوب پر پردہ ڈالو تا کہ خدا بھی تمھارے وہ عیوب چھپائے جن کو تم رعیت سے مخفی رکھنا چاہتے ہو۔

(۸) لوگوں کے دلوں سے) ہر قسم کے حسد اور کینہ کی گرہ کھولتے اور ہر طرح کی عداوت کے سبب کو دفع کرتے رہو اور جو امور تمھارے لیے مناسب نہیں ان کو نظر انداز ہی کرتے رہو اور چغل خور کی باتوں کی تصدیق کرنے میں جلدی نہ کرو کیونکہ ایسا شخص دل کا کھوٹا ضرور ہوتا ہے اگر چہ وہ ناصح (مشفق) ہی کے لباس میں کیوں نہ نظر آئے۔

مُشیر کیسا ہونا چاهیے: (۹) اپنے مشورہ میں بخیل کو ہرگز داخل نہ کرو جو تم کو (رعایا پر) تفضّل کرنے سے روکے اور فقیر ہوجانیکا خوف دلائے اور نہ اس بزدل کو (شریک کرو) جو تم کو انصرام امور میں کمزور بنائے اور نہ اس حریص کو (شریک کرو) جو حرص وطمع کو تمھاری نگاہ میں زینت دے۔بات یہ ہے کہ بخل، جبن اور حرص ہیں تو مختلف طبعی (خصائل) مگر ان کا جامع اور

قدر مشترک اللہ کی طرف سے سوءِ ظن ہے۔[1]

انتخاب وزراء: (۱۰) تمھارا سب سے بُرا وزیر وہ شخص ہوگا جو تم سے پہلے اشرار کا وزیر اور معاصی میں ان کا شریک رہ چکا ہو، پس لازم ہے کہ وہ تمھارے خواص میں داخل نہ ہونے پائے کیونکہ ایسے لوگ گنہگاروں کے مددگار اور ظالموں کے بھائی ہوتے ہیں، تم کو انکے خلاف میں وہ لوگ مل سکتے ہیں جو انھی کی طرح صاحب الرّائے اور صاحب نفوذ و اثر ہوں اور ان کی طرح گناہوں کا بار بھی اپنی گردن پر نہ رکھتے ہوں۔ (یہ ایسے لوگ ہوں گے) کہ انھوں نے کسی ظالم کی مدد ظلم میں اور کسی گنہگار کی تائید اسکے گناہ میں نہ کی ہوگی۔ وہ لوگ تمھارے لیے نہایت سُبک بار، اچھے مددگار اور سب سے زیادہ مہربان ثابت ہوں گے، ان کو تمھارے اغیار سے بہت کم الفت ہوگی، پس تم انھیں لوگوں کو خلوت اور جلوت میں خاص ہمنشیں بناؤ اور ان میں سے بھی اس شخص کو ترجیح دو جو حق کی تلخ باتیں سب سے زیادہ کہنے والا ہو اور ایسے امور میں تمھاری مساعدت سب سے کم کرنے والا ہو جنکو خداوند عالم اپنے دوستوں کے لیے پسند نہیں کرتا، خواہ وہ تمھاری خواہش دل کے کتنے ہی مطابق کیوں نہ ہوں۔

خوشامد پسند نہ بنو: (۱۱) اہل ورع اور صدق سے ملو اور ان کو اسکا عادی بنا لو کہ تمھاری زیادہ تعریف نہ کیا کریں اور کسی ایسے کام کو جو تم نے کیا نہ ہو جھوٹ موٹ تمھاری طرف منسوب کر کے تمھارا دل خوش نہ کریں کیونکہ مدح وثناء کی کثرت عجب ونخوت پیدا کرتی ہے اور تکبر وغرور سے قریب کر دیتی ہے۔

اچھے اور بُرے کا فرق: (۱۲) نیک عمل اور بدکار دونوں تمھارے نزدیک برابر نہ ہوں۔ اس لیے کہ ایسا کرنا نیکوں کو اچھے کام سے روگرداں اور بدکاروں کو بُرے کام کا خوگر بنا دیتا ہے۔ اس لیے ہر شخص کو اسی[2] (چیز) کا مستحق قرار دو جس کو اس نے اپنے نفس کے لیے لازم کر لیا ہے۔

حُسنِ ظن کیونکر پیدا ہو سکتا ہے؟: (۱۳) یہ جان لو کہ اس سے زیادہ کوئی شئے حاکم کے دل میں رعیت کی طرف سے حسن ظن پیدا کرنے والی نہیں ہے کہ وہ ان کے ساتھ احسان کرے اور انکے بار کو ہلکا کرتا رہے اور ایسے امور پر ان کو مجبور کرنا چھوڑ دے جو ان کے بس کے نہیں ہیں، پس تم سے وہی بات ظاہر ہو جو تمھارے دل میں رعیت کی طرف سے حسن ظن پیدا کر سکے، یہ حسن ظن تمھارے بہت سے تعب کو دور کر دے گا اور درحقیقت وہی شخص تمھارے حسن ظن کا زیادہ

۱۔ مطلب یہ ہے کہ جو شخص خدا کے فضل وکرم اور اسکی قدرت کاملہ کا یقین نہیں رکھتا وہی ان بری عادتوں کا شکار ہوتا ہے۔

۲۔ مطلب یہ ہے کہ تم ہمدردی کی امید اسی سے رکھ سکتے ہو جس سے تم نے نیک سلوک کیا ہو، جس کے ساتھ برائی کی ہے اس سے سوائے برائی کے تم کو اور کیا حاصل ہو سکتا ہے۔

حقدار ہے جسکے ساتھ تم نے نیک سلوک کیا ہے اور سوءظن کا حقدار وہ ہے جس کے ساتھ تم نے برا سلوک کیا ہے۔[۱]

قدامت پسندی اور تجدّد: (۱۴) اور تم اس اچھی سنت (طریقہ وقاعدہ) کو نہ توڑو جس پر اس امت کے اگلے لوگ عمل کرتے رہے ہیں، جس سے امت کے درمیان رشتۂ اُلفت قائم ہے اور جس پر رعیت کی صلح وصفائی کا مدار ہے اور کوئی نیا طریقہ ایسا نہ ایجاد کرو جو (ان اچھی) سنن قدیمہ میں سے کسی کو نقصان پہنچائے کیونکہ اجر تو اسکو ملے گا جس نے یہ سنت جاری کی تھی اور اس کے توڑ دینے کا سارا وبال تمھاری گردن پر ہوگا۔

(۱۵) اور ان امور کے ثابت وقائم رکھنے کے لیے جنکی وجہ سے تم سے پہلے (اس ملک کے) شہروں کے معاملات روبہ اصلاح رہے اور وہاں رہنے والے لوگوں کی خوشحالی قائم رہی علماء وحکماء سے بکثرت مشورے کرتے رہا کرو۔

طبقات رعایا: (۱۶) واضح ہو کہ رعیت کے کئی طبقے ہوتے ہیں (انکے درمیان رشتۂ اتحاد وسلسلہ احتجاج اس طریقہ پر قائم ہے کہ) ایک کے بغیر دوسرے کی اصلاح حال نہیں ہوسکتی اور نہ ایک دوسرے سے کبھی مستغنٰی ہوسکتا ہے (اب ان طبقات کی تفصیل سنئے)

(۱) فوج اور پولیس

(۲) عام کاتب GENERAL SECRETARIPS

(۳) خاص کاتب PRIVATE SECRETARIES[۲]

(۴) قاضی JUDGES

(۵) اور محکمہ عدل کے دوسرے عمال JUDICIAL OF OFFICER

(۶) ذمی اور ہمارے حلقۂ اطاعت میں آئے ہوئے لوگ جو جزیا اور خراج ادا کرتے ہیں

(۷) تجّار

(۸) اہل صنعت وحرفت

(۹) سوسائٹی کا پست ترین طبقہ یعنی محتاج ومساکین

۱۔ مطلب یہ ہے کہ اچھے عمل والے کو انعام واکرام کا مستحق ٹھہراؤ کہ دوسروں کو عمل صالح کی ترغیب ہو اور بداعمال کو سزا دو کہ اس کو دیکھ کر اور لوگ عبرت حاصل کریں۔

۲۔ اس زمانے میں کاتب سکریٹری کو کہتے تھے۔

خداوند عالم نے ان میں سے ہر طبقہ کا علیحدٰہ حق RIGHT اور فریضہ OBLOGATION اپنی کتاب اور اپنے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ) کی سنت میں مقرر فرمایا ہے اور یہ بطور اسکے عہد محفوظ کے ہمارے پاس موجود ہے۔

لشکر: (۱۷) فوج اور پولیس اللہ کے حکم سے رعیت کے لیے قلعہ اور جائے محفوظ، والی کی زینت اور دین کے لیے باعث عزت اور سبیل امن وامان ہوتی ہے۔ رعیت (کی اجتماعی اور تمدّنی حالت) بغیر اس کے قائم نہیں رہ سکتی اور یہ فوجیں بغیر اس خراج کے قائم نہیں رہ سکتیں جو خدا نے ان کے لیے مُعیّن کیا ہے۔ اس سے وہ دشمن سے لڑنے میں قوت پاتی ہیں اور اسکے وسیلہ سے اپنے مصالح ولوازم کو مہیا کرتی ہیں، اور یہ انکی تمام حاجتوں کو پورا کرتا ہے۔ پھر یہ دونوں طبقے (یعنی رعایا اور فوج) بغیر تیسرے طبقہ یعنی قضاۃ، عمال اور کاتب لوگوں کی مدد کے قائم نہیں رہ سکتے، کیونکہ (اول الذکر) انکے معاملات کا فیصلہ کرتے ہیں وثانی الذکر انکے ہر طرح کے منافع جمع کرتے ہیں اور ثالث الذکر انکے جملہ امور خاص وعام کے امین ہوتے ہیں (قضاۃ ،عمال وکُتّاب) سب کے سب بغیر تجار اور اہل صنعت وحرفت کے قائم نہیں رہ سکتے کیونکہ تاجر اپنے منافع کے لیے مجتمع ہوتے ہیں اور بازار قائم کرسکتے ہیں اہل صنعت اپنے ہاتھوں کی کاریگری سے سوسائٹی کی ایسی مدد کرتے ہیں کہ دوسروں کا اکتساب اور کاریگری اسکی حد تک نہیں پہنچ سکتی، رہا سب سے پست طبقہ محتاج ومساکین کا توان کی اعانت دستگیری کرنا فرض ہے، اللہ نے ہر ایک کو وسعت عطا کی ہے اور بقدر اپنی صلاحیت کے ہر ایک کا والی پر حق ہے اور والی بغیر اسکے کہ اہتمام بلیغ کرے اور خدا سے مدد چاہے اور اپنے نفس کو حق پر قائم رکھے اور ہر ایک سُبک وگراں امر پر صبر وشکر کی قوت پیدا کرے ان تمام فرائض کو جو خدا نے اس پر لازم کیے ہیں پورا پورا ادا کرکے بَری الذّمہ نہیں ہوسکتا۔

اپنی فوجوں پر اس شخص کو افسر مقرر کرو جو تمھارے خیال میں اللہ اسکے رسولؐ اور تمھارے امام سے بہ نسبت دوسروں کے اخلاص رکھتا ہو، سب سے زیادہ صاف باطن ہو اور بلحاظ علم وعقل سب سے افضل ہو۔ اس کو دیر میں غصہ آتا ہو، اور عذر قبول کر لیتا ہو، ضعیفوں پر مہربان اور قوی لوگوں پر سخت ہو، قساوت کی وجہ سے تندمزاج اور کمزوری کی وجہ سے عاجز نہ ہو جاتا ہو ۔(فوج میں اچھے سپاہیوں کی بھرتی اور افسروں کے انتخاب وتقرر کے لیے ضروری ہے کہ) ان لوگوں سے اختلاط وارتباط رکھو جو صاحبان حسب ونسب، شریف خاندان اور خوبیوں کی طرف سبقت کرنے والے ہوں (یا جن کی سابقہ خدمات کا ریکارڈ عمدہ ہو) اور ان لوگوں سے بھی ربط ضبط رکھو جو اہل شجاعت وسخاوت ہوں کہ یہی لوگ مجمع مکارم اور فروغ حسنات ہوتے ہیں۔ ان لوگوں کے امور کی ایسی دیکھ بھال کرتے رہو جیسے والدین اپنی اولاد کی (نگہداشت) کرتے ہیں اور تم اپنے دل میں کسی ایسی چیز کو جس کے ذریعہ سے تم نے ان کو قوت پہنچائی ہے بڑا نہ سمجھو (کہ وہ اس سے بڑے احسان کے اہل ہیں) اور کسی مہربانی کو

جوتم نے ان کے ساتھ کی ہو حقیر نہ سمجھو اگر چہ واقعی وہ قلیل ہی کیوں نہ ہو کیونکہ وہ بھی انکے دل میں تمھاری طرف سے خلوص و حسن ظن پیدا کرنے کا باعث ہوتی ہے۔

اور انکے چھوٹے چھوٹے امور کی خبر گیری کرنا، اس بھروسہ پر نہ چھوڑو کہ تم نے ان کے بڑے امور کی دیکھ بھال کر لی ہے کیونکہ تمھاری تھوڑی مہربانی بھی برمحل ہوتی ہے کہ اس سے وہ منتفع ہوتے ہیں اور بڑی عنایت بھی باموقع ہوتی ہے جس سے وہ بے نیاز نہیں ہوسکتے اور فوج کے افسروں میں سے اسی کو تمھارے حضور میں ترجیح ہونی چاہیے جو (فوجیوں) کی غمخواری کرتا ہو اور اپنے مال ودولت سے انکو اتنا فیض پہونچاتا ہو کہ انکے لیے اور انکے اہل وعیال کے لیے جن کو وہ پیچھے چھوڑ کر آئے ہیں کافی ہوسکے یہاں تک کہ وہ انکو ایک ہی فکر باقی رہ جائے یعنی دشمن سے جہاد، اور بس، ان کے حال پر تمھاری یہ توجہ ان کے قلوب کو تمھاری طرف مائل کرے گی۔

اور والیان ریاست کے لیے بہترین خنکی چشم (اور مسرّت قلب) کا باعث یہی ہے کہ شہروں میں عدل وانصاف قائم ہو اور رعیت کی محبت ومودّت ظاہر ہونے لگے اور جب تک انکے دل سالم اور صاف نہ ہوں انکی طرف سے محبت ظاہر نہیں ہوتی۔ اور ان کا اخلاص اسوقت تک درست (وقابل اعتبار نہیں) ہوسکتا جب تک کہ وہ اپنے والی کے تحفظ پر آمادہ نہ ہوں۔ اسکے عہد دولت کو گراں سمجھنا اور یہ خیال کرنا نہ چھوڑ دیں کہ اسکی مُدت حکومت ختم ہونے میں بڑی دیر لگی پس تم انکی اُمیدوں کو پورا کرنے میں وسعت سے کام لو اور برابر انکی مدح وثنا کرتے رہو، اور ان کے بہادروں نے جو بڑے بڑے کام انجام دیے ہوں ان کا ایک ایک کر کے شمار واظہار کرتے رہو کیونکہ اچھے کاموں کا کثرت سے ذکر کرنا شجاع کو حرکت میں لائے گا اور پست ہمّت کو جرأت دلائے گا۔ انشاءاللہ۔

پھر یہ واقفیت حاصل کرتے رہو کہ کس نے کون سا بڑا کام انجام دیا ہے اور ایک کے کارنامہ کو دوسرے کی طرف منسوب نہ کرو اور اس کارنامے کی وجہ سے وہ جس انعام واکرام کا مستحق ہو اس میں کمی نہ کرو (اور دیکھنا ایسا نہ ہو کہ) کسی آدمی کی وجاہت وشرافت تم کو اس طرف مائل کردے کہ تم اسکے چھوٹے کاموں کو بڑا سمجھنے لگو اور کسی کی کم پیشتی اس بات کی ترغیب دلائے کہ تم اسکے بڑے کاموں کو بھی حقیر جاننے لگو اور جو ناگہانی مشکلات تمکو پیش آئیں اور جن امور میں تم کو شک وشبہ لاحق ہو انکو خدا اور اسکے رسولؐ کی طرف رد کر دیا کرو، کیونکہ خداوند عالم نے ان لوگوں کی بابت جنکو وہ راہ ہدایت دکھانا چاہتا ہے فرمایا ہے: ''اے ایمان والو اللہ کی اطاعت کرو، اسکے رسولؐ کی اور جو تم میں سے صاحب امر ہوں انکی اطاعت کرو اگر کسی چیز پر تم میں تنازعہ ہو جائے تو اللہ اور رسول کی طرف اسکو رد کردو۔''

خدا کی طرف رد کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اسکی محکم کتاب سے احکام لیے جائیں اور رسولؐ کی طرف رد کرنے سے یہ مقصد ہوا کہ انکی ایسی سنت پر عمل کیا جائے جو متفق علیہ ہے، نہ کہ ایسی سنت جس میں اختلاف ہے۔

محکمۂ قضا : (۱۸) لوگوں کے درمیان فیصلہ کرنے کے لیے ایسے شخص کو منتخب کرو جو تمھارے خیال میں تمھاری ساری رعیت میں افضل ہو۔ معاملات کی پیچیدگی اسکو تنگی میں نہ ڈالتی ہو، جھگڑا کرنے والوں کی (ردوقدح) اسکو غضبناک نہ کرتی ہو اور وہ خطا پر (اسکے ظاہر ہونے کے بعد) قائم نہ رہتا ہو اور حق پر مطلع ہو جانے کے بعد اسکی طرف بازگشت کر لینے سے تنگ نہ ہوتا ہو اور اپنے نفس کو طمع (کے غار) میں نہ گرا دیتا ہو اور معاملات میں انتہائے فہم سے کام لینے کے بجائے (سرسری نظر اور) معمولی فہم پر اکتفا نہ کرتا ہو۔ مواقع شبہات میں جہاں کوئی نصِ صریح نہ مل سکے، اٹکل پچو حکم صادر کرنے والا نہ ہو (بلکہ) سب سے زیادہ توقف و تامل کرنے والا ہو اور اپنے فیصلوں میں) دلائل شرعیہ) و براہین قطعیہ) سے تمسک کرنے والا ہو، مقدمہ لڑنے والے کی جوابدہی سے بہت کم تنگ دل اور حقائق امور کو منکشف کر لینے کی (زحمت) پر صبر کرنے والا، اور حکم صحیح کے ظاہر ہو جانے کے بعد (نزاع و خصومت) کو قطع کرنے والا ہو۔ وہ ان لوگوں میں سے ہو جو دوسروں کی مدح وثنا (اور خوشامد) کرنے سے پھول نہ جاتے ہوں اور کسی کے ابھارنے سے (ناحق کرنے پر) مائل نہ ہوتے ہوں (دنیا میں) ایسے لوگ بہت کم ہوتے ہیں۔ پھر تم (اسکی طرف سے غافل نہ ہو بلکہ) اسکے فیصلوں کی اکثر دیکھ بھال کرتے رہو اور اسکے ساتھ بذل و عطا میں اتنی وسعت دو کہ اسکی ضرورتیں پوری ہو جائیں اور اسکو لوگوں کی احتیاج باقی نہ رہے (اور طبیعت رشوت ستانی پر مائل نہ ہو) اپنے نزدیک اسکو وہ قرب و منزلت عطا کرو جسکی تمھارے خواص میں سے کوئی دوسرا طمع نہ کر سکتا ہو تا کہ وہ تمھارے ہاں لوگوں کی بدگوئی سے محفوظ رہے اور جو کچھ میں کہہ رہا ہوں اس پر خوب غور وفکر کرو کیونکہ یہ دین پہلے اشرار کے ہاتھوں میں گرفتار تھا، ہوائے نفس کے حکم کے مطابق اس پر ہاتھ صاف کیا جاتا تھا اور اسکو طلب دنیا کا وسیلہ بنایا جاتا تھا۔

عمال سلطنت : (۱۹) اب اپنے عاملوں کے امور پر غور کرو (دیکھنا) انکا تقرر جانچنے پرکھنے کے بعد کرنا، (ایسا نہ ہو کہ) اپنے استبداد اور خودداری سے محض بطور پرورش و اعانت کسی کو حاکم مقرر کر دو کیونکہ کسی خصوصیت کی بنا پر یا بطور پرورش اپنی رائے سے حاکم مقرر کر دینا طرح طرح کی خیانت اور ظلم و جور کو جمع کر دیتا ہے۔ (ان عہدوں کے لیے) ایسے لوگوں کو تلاش کرو جو شریف خاندان اور سابق اسلام ہونے کے ساتھ ساتھ تجربہ کار اور حیادار بھی ہوں کیونکہ ایسے لوگ سب سے زیادہ خوش اخلاق، آبرودار، مواقع طمع کی طرف بہت کم نگاہ ڈالنے والے اور عواقب نتائج امور پر گہری نظر ڈالنے والے ہوتے ہیں تم انکو پورا پورا رزق عطا کرو کیونکہ اس کی بدولت انھیں کے لیے طلب اصلاح کی قوت اور اپنے قبضہ میں رہنے والے اموال پر

تصرّف کرنے سے استغنا حاصل ہو جائے گا اور (اسکے باوجود) اگر وہ تمھارے حکم کی مخالفت کریں اور تمھاری امانت میں خیانت کریں تو تم کو ان پر ایک حجت ہاتھ آجائے گی اور (یہ نہ ہو کہ تم انکا تقرر کر کے بالکل غافل ہو جاؤ) بلکہ ان کے کاموں کے متعلق تحقیق و تفتیش بھی کرتے رہو اور ایسے (جاسوس اور) نگراں ان پر مقرر کر دو جو صاحب صدق وصفا ہوں۔ انکے امور کی جانچ کے لیے بعینہ پولیس کا مقرر کر دینا ان کو امانت داری اور رعیت کے ساتھ رفق و مدارات کرنے پر آمادہ کرتا رہے گا پس ان میں سے اگر کوئی خیانت کی طرف ہاتھ بڑھائے اور تمھارے پاس تمھارے جاسوسوں کی متفق رپورٹ پہونچ جائے اس کو کافی شہادت تصور کر کے خائن کو جسمانی سزا دو اور جو کچھ اس نے ناجائز تصرف کیا ہے وہ اس سے وصول کر لو پھر اس کو ذلت وخواری کے مقام پر کھڑا کر کے خیانت کا داغ لگا دو اور ننگ وعار کا طوق اسکے گلے میں ڈال دو۔

صیغۂ مال گزاری: REVENVE DEPARTMENT

(۲۰) پھر معاملات خراج کی چھان بین اس طریقہ سے کرو جو اہل خراج کی بہبودی کا باعث ہو سکے کیونکہ خراج اور اہل خراج ہی کی بہبودی کے ساتھ دوسروں کی بہبودی وابستہ ہے، اور انھیں کے ذریعہ سے دوسروں کی حالت درست ہو سکتی ہے کیونکہ کل آدمیوں کی معیشت اور گذر بسر کا دار مدار خراج اور اہل خراج پر ہے اور (دیکھنا) خراج کی وصولی سے زیادہ تمھاری نظر میں زمین کی آبادی یعنی کاشت وغیرہ ہونی چاہیے، اس لیے کہ خراج بغیر آبادی کے نہیں حاصل ہو سکتا اور جس نے زمین کو آباد کیے بغیر خراج طلب کیا اس نے ملک کو خراب اور بندگان خدا کو برباد کیا اور اسکی حکومت چند دن سے زیادہ نہ چل سکے گی۔ اگر (کاشتکار) مقدار خراج کے بھاری ہونے یا کسی آفت ناگہانی اور زراعتی بیماری (یعنی ٹڈی دل کا گزرنا، کیڑا لگ جانا وغیرہ) یا آبپاشی کے بند ہو جانے، بارش نہ ہونے، زمین کے غرقاب رہنے یا بخوبی سیراب نہ ہو سکنے سے بوئے ہوئے بیج کے خراب ہو جانے کی شکایت کریں تو (ان کے خراج) سے اتنی مقدار جس سے انکی اصلاح حال کی توقع ہو کم کر دو، یہ تخفیف تم پر گراں نہ گزرے کیونکہ یہ ایک ذخیرہ (INVEST) ہے جسکو وہ تمھارے ملک کی آبادی اور ولایت کی زیب و زینت کی شکل میں تم کو واپس کر دیں گے۔ اسکے ساتھ ہی ساتھ تم کو انکی مدح وثنا بھی حاصل ہوگی اور ان میں عدل وانصاف جاری کرنے سے تم کو مسرت وشادمانی بھی نصیب ہوگی، انکو راحت پہونچا کر جو کچھ تم نے انکے پاس ذخیرہ (INVEST) کیا ہے وہ خوشحالی اور فراوانی کے (زمانہ میں) ان کی بچی ہوئی روزی سے وصول کر کے (عندالضرورت) سہارا بنا سکو گے۔ انکے ساتھ نرمی کر کے اور انکو اپنے عدل وانصاف کا عادی بنا کر انکا اعتماد بھی حاصل کر لو گے، اسکے بعد اگر ناگہانی امور پیش آئیں گے اور تم ان سے مدد طلب کرو گے تو وہ بخوشی اسکا بار اُٹھا سکیں گے کیونکہ (ملک کی آبادی) وخوشحالی ہر بار اٹھا سکتی ہے اور زمین والوں کا افلاس ہی

زمین کی تباہی کا باعث ہوتا ہے اور افلاس کا سبب یہ ہوتا ہے کہ حکام کے نفوس (مال و دولت جمع کرنے پر مائل ہو جاتے ہیں انکو اپنے عہدوں پر باقی رہنے کا اطمینان نہیں رہتا اور (زمانے کے) عبرتناک (واقعات) سے وہ بہت کم نفع حاصل کرتے ہیں۔

SECRETARIATE

(۲۱) پھر تم اپنے کاتبوں (دبیروں، سکریٹریوں) کے حالات پر نظر کرو، ان میں سے بہتر شخص کو اپنے (خاص) امور پر مُعین کرو اور ان خطوط و رسائل کو جن میں اپنی پوشیدہ تدابیر و اسرار درج کرتے ہو اسی کے ساتھ مخصوص رکھو جو صاحب اخلاق حسنہ ہو اور عزت و کرامت اسکو اتنا مغرور نہ کردے کہ مجمع عام میں تمھاری مخالفت کر بیٹھے اور غفلت کی وجہ سے تمھارے عمال کے عریضے پیش کرنے اور تمھاری طرف سے جو کچھ لین دین کرتا ہو اسکے متعلق تمھاری طرف سے مناسب جوابات صادر کرنے میں کوتاہی نہ کرتا ہو اور تمھارے لیے کسی سے کمزور معاملہ نہ کرتا ہو اور نہ کسی ایسے معاملے کے فسخ کردینے سے عاجز ہو جو تمھارے لیے مضر ہو اور اس حقیقت سے بیخبر نہ ہو کہ (نظم و نسق) امور میں میرے نفس کی رسائی کس حد تک ہے۔ کیونکہ جو اپنے نفس کی قدر قیمت سے نا واقف ہے وہ دوسرے کی قدر سے کیا واقف ہوگا (تم کو چاہیے کہ) محض اپنی عقل و فراست، اعتماد اور حسن ظن کی بناء پر ان کا انتخاب نہ کرو کیونکہ (بسا اوقات) لوگ محض تصنع اور حسن خدمت (چاپلوسی) ہی کو حکام کی نظر فراست میں تعارف و روشناسی کا ذریعہ بناتے ہیں ، حالانکہ باطن میں اخلاص و دیانت کا پتہ بھی نہیں ہوتا۔ پس انکا انتخاب ان خدمات کی بنا پر کرو جو انھوں نے تم سے پہلے گزرے ہوئے صالح (حکام) کے لیے انجام دی ہیں۔ اس شخص کو (مقرر) کرنے کا قصد کرو جو عامۃ الناس میں سب سے زیادہ بااثر اور امانت داری میں مشہور ہو۔ تمھارا یہ طرز عمل اس بات کی دلیل ہوگا کہ تم خداوند عالم اور اس (امام) کے مخلص ہو جس نے تم کو والی مقرر کیا ہے اور اپنے (سکریٹریٹ) کے ہر صیغے کا افسر ایسے آدمی کو بناؤ جو بڑے کاموں سے مغلوب اور انکی کثرت کے سبب انکے منضبط و محفوظ رکھنے سے عاجز نہ ہو۔ پس جب تمھارے کاتبوں میں نقص ہوگا اور تم اس سے تغافل کرو گے تو اس کا الزام تمھارے ذمہ عائد ہوگا۔

تجار و صنّاع:

(۲۲) پھر تم سوداگروں کی بات عام اس سے کہ وہ مقیم ہوں یا مال لیکر شہروں میں پھرنے والے ہوں نیز اہل صنعت و حرفت کی بابت (جو اپنے ہاتھ پاؤں ہلا کر روزی کماتے ہیں) سفارش قبول کرو اور اپنے (عمال) کو انکے ساتھ بھلائی کرنے کی وصیت کرو کیونکہ (تجار و صناع) یہی لوگ منافع کے مواد اور فوائد کے اسباب ہیں انکو وہ دور دست مقامات، بحر و بر، دشت و کوہ سے کھینچ کر لاتے ہیں، جہاں دوسرے لوگ جمع نہیں ہوتے اور جانے کی جرأت نہیں کر سکتے، اس کے ساتھ وہ لوگ ایسے امن دوست اور صلح پسند ہوتے ہیں کہ تم کو انسے کسی آفت کا خطرہ اور شر فساد کا خوف نہیں ہو سکتا، لہذا تم ان کے امور کی تفتیش و نگرانی

اپنے سامنے اور اطراف بلاد میں کرتے رہو مگر اسکے ساتھ ساتھ یہ بھی ذہن میں رکھو کہ ان میں سے اکثر لوگوں میں بلا کی تنگ دلی اور بخل کی قبیح خصلت بھی موجود ہوتی ہے، نفع کمانے کے لیے احتکار[1] کرتے ہیں اور بیچنے میں تحکیم کرتے ہیں (یعنی کم تولتے ہیں اور دام زیادہ لیتے ہیں) یہ امر عامۃ الناس کے لیے نقصان رساں اور حکام کے لیے عیب ہے، پس تم ان کو احتکار سے باز رکھو کیونکہ رسول خداؐ نے اس سے ممانعت فرمائی ہے اور چاہیے کہ خرید وفروخت سہل اور موازین عدل[2] کے مطابق ہو اور ایسے رخ پر ہو جو فریقین میں سے کسی کو خسارہ میں نہ رکھے۔ جو شخص تمھاری طرف سے ممانعت صادر ہونے کے بعد بھی احتکار کا مرتکب ہو اس کو تعزیر اور سزا دو، مگر دیکھنا اس میں بھی ظلم وزیادتی نہ ہو۔

سماج کا سب سے پست طبقہ:

(۲۳) پھر خدا سے اس طبقہ ادنیٰ کی بابت ڈرو جو بیچارہ لوگوں، مسکینوں، فقیروں، بیماروں اور اپاہجوں پر مشتمل ہے کہ اس طبقہ میں (دونوں ہی طرح کے لوگ ہوتے ہیں) قناعت پیشہ بھی اور مانگنے والے بھی، ان کے لیے اللہ کا وہ حق محفوظ رکھو جس کی حفاظت کا اس نے تم کو حکم دیا ہے (ان کی امداد دو طریقوں سے کرو) ایک تو اپنے بیت المال سے اور ایک ہر خطہ کی ان زمینوں کے غلوں سے جو غنیمت میں حاصل ہوتی ہیں کیونکہ ان میں دور رہنے والوں کا بھی ویسا ہی حق ہے جیسا قریب رہنے والوں کا اور تم ہر ایک کے حق کے نگراں ومحافظ بنائے گئے ہو پس (نعمت اور دولت کا) غرور تم کو غافل نہ کرے کیونکہ صرف اس وجہ سے کہ تم اہم امور کو محکم طور پر سرانجام دے چکے ہو قلیل وحقیر امور کو ضایع کر دینے پر معذور نہیں سمجھے جا سکتے، پس تم انکی جانب سے اپنی توجہ کو نہ ہٹاؤ۔ اور اپنا چہرہ انکی طرف سے نہ موڑو اور ان میں سے جو تم تک نہ پہنچ سکتے ہوں۔ جن کو آنکھیں دیکھنا پسند نہ کرتی ہوں اور لوگ ان کو حقیر جانتے ہوں، ان کے امور کا تجسس کرو اور انکی خبر گیری کے لیے اپنے معتمد لوگوں میں سے (ایسے اشخاص کو دوسرے کاموں سے) فارغ کر دو جو خدا کا خوف اور تواضع کی عادت رکھتے ہوں کہ وہ خبریں تم تک پہونچائیں، پھر تم انکے ساتھ ایسا سلوک کرو کہ جس دن تم خدا کے (دربار میں) شرف باریابی حاصل کرو تو یہ اسکے سامنے عذر و معذرت پیش کر سکو۔

تمام رعیت میں یہ لوگ سب سے زیادہ انصاف کے محتاج ہیں لہذا ہر ایک کا حق اسکو ادا کر کے خدا کے سامنے پیش کرنے کے لیے عذر مہیا کر لو۔ اور ان یتیموں اور سن رسیدہ لوگوں کی خبر گیری کرو جو نہ خود (اپنی معاش کے لیے) کوئی حیلہ رکھتے ہیں اور

---

[1] احتکار:۔ مال کو اس امید میں روکے رکھنا کہ جب گراں ہوگا تو فروخت کریں گے۔

[2] یعنی ترازو ٹھیک ہو اور باٹ پورے ہوں۔

نہ دست سوال پھیلانے کے لیے دوسروں کے آگے کھڑے ہوتے ہیں۔ یہ امر عام طور پر والیوں کے لیے گراں ہوتا ہے، مگر اللہ نے ان قوموں کے لیے آسان کر دیا ہے جو آخرت کی طالب ہو کر اپنے نفوس کو (جفاکشی) پر صابر بناتی ہیں اور جو وعدے اللہ نے ان سے کیے ان پر بھروسہ رکھتی ہیں۔

دربار عام:

(۲۴) اور (اپنے اوقات کا) ایک حصہ اہل حاجت کے لیے مخصوص کر دو، جس میں تم اپنی ذات کو دوسرے کاموں سے فارغ کر لو، ایک مجلس عام میں آبیٹھو اور خدا کی خوشنودی کے لیے جس نے تم کو خلق کیا ہے، اس مجلس عام میں متواضع اور منکسر المزاج رہو۔ اپنی فوج، پولیس اور چوکیداروں کو اہل حاجت کے ساتھ تعرض کرنے سے باز رکھو تا کہ بولنے والے بے خوف و دہشت تم سے کلام کر سکیں۔ میں نے بہت سے مواقع پر رسول اللہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ''وہ امت جس میں بے خوف وخطر قوی سے ضعیف کا حق نہیں لیا جاتا خدا کی تقدیس نہیں کرتی۔'' ان کی سخت کلامی و بدزبانی کو برداشت کرو اور تنگ دلی اور اشکبار کو ان کی طرف سے دور کرو، ایسا کرنے سے خداوند عالم اپنی رحمت کے اطراف کو تم پر وسیع کرے گا اور تم کو ثواب اطاعت کا مستحق قرار دے گا۔ ان کو جو کچھ دو خوشگوار طریقہ سے دو اور جو کچھ روکو اور بند کرو تو خوبصورتی اور عذر و معذرت کے ساتھ روکو۔

(۲۵) تمھارے معاملات میں بعض ایسے بھی ہوں گے جن کو تمھیں بذات خود انجام دینا پڑے گا (مثلاً) عمال کے (ایسے مراسلوں کا) جواب دینا جس کے جواب سے تمھارے سکریٹری (ناواقفیت کی وجہ سے) عاجز ہوں یا عامۃ الناس کی اسی دن حاجت روائی کر دینا (کہ اکثر اس امر سے) تمھارا معین و مددگار عملہ تنگ ہوتا ہے (اور اپنی اغراض کی بنا پر اسکو ٹال دینا چاہتا ہے)

(۲۶) ہر دن کے لیے مخصوص کام ہوتے ہیں، اسلیے ہر روز کا کام اسی روز تمام کر دیا کرو جو (معاملات) فقط تمھارے اور خدا کے درمیان ہیں انکو پورا کرنے میں اپنے اوقات کا افضل و اعظم حصہ صرف کرو اور واقعہ تو یہ ہے کہ اگر تمھاری نیت بخیر ہو اور رعیت کو ان سے سلامتی حاصل ہو تو تمھارے تمام کام اور اوقات خدا کے لیے ہو جائیں گے۔

عبادت الٰہی:

(۲۷) اور لازم ہے کہ ان فرائض کا جو اللہ کے لیے مخصوص ہیں قائم کرنا ان امور میں سے قرار دو جن کے وسیلے سے تم دینی اخلاص حاصل کرنا چاہتے ہو۔ پس تم اپنی جسمانی قوتوں کا کچھ حصہ رات اور دن خدا کی اطاعت میں صرف کرو، اور جن اعمال کو تم تقرب خدا کی غرض سے بجالاتے ہو ان کو تمام و کمال بجالاؤ۔ ناقص و مختل نہ رکھو، خواہ تمھارے بدن کو کتنا ہی تعب کیوں نہ پہونچے۔ اور جب لوگوں کو نماز پڑھانے کھڑے ہو تو اس سے انکو نفرت دلانے کا سبب نہ بنو اور نہ اسکو ضائع ہی کرو (مطلب

یہ ہے کہ نہ اتنا طول دو کہ لوگ گھبرا جائیں نہ اس قدر اختصار کرو کہ نماز ناقص رہ جائے) کیونکہ جماعت میں ایسے بھی لوگ ہوتے ہیں جو بیمار ہوتے ہیں یا ان کو کوئی کام ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلعم جب مجھے یمن بھیج رہے تھے اس وقت میں نے پوچھا کہ وہاں کے لوگوں کے ساتھ کس طرح نماز ادا کروں فرمایا کہ اس طرح نماز ادا کرو جیسے کوئی بہت ضعیف انسان ادا کرتا ہے اور مومنین کے حال پر رحم کرو۔

گوشہ نشینی :

(۲۸) ان تمام باتوں کے علاوہ یہ خیال رکھو کہ بہت طویل مدت تک رعیت سے چھپے نہ رہا کرو کیونکہ والی کا رعیت سے مخفی رہنا (امور متعلقہ میں) تنگی اور قلت اطلاع کا باعث ہوتا ہے۔ ان سے حجاب میں رہنا باہر کی باتوں کے علم کو قطع کر دیتا ہے ،نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک بڑی باتیں چھوٹی اور چھوٹی باتیں بڑی ہو جاتی ہیں ، اچھے کام بُرے اور بری باتیں اچھی معلوم ہونے لگتی ہیں اور حق باطل سے مخلوط اور مشتبہ ہو جاتا ہے۔ آخر والی بھی بشر ہی ہے وہ ان امور کو نہیں جان سکتا جن کو لوگ اسکی نظروں سے چھپائے رہتے ہیں اور حق کی پیشانی پر ایسی کھلی ہوئی کوئی علامت بھی نمودار نہیں ہوتی کہ جس کی وجہ سے صدق کی اقسام کو کذب سے علیحٰدہ پہچان لیا جائے ،ظاہر ہے کہ تم دو میں سے ایک ہی قسم کے آدمی ہو یا تو ایسے شخص ہو جس کا نفس حقوق عطا کرنے میں سخی ہے تو پھر چھپنے کی کیا وجہ ہے؟ آیا اس حق واجب کی وجہ سے جس کو تم عطا کر رہے ہو، یا اس اچھے عمل کی وجہ سے جس کی بخشش تم عام کیے ہوئے ہو؟ یا تم بخل کے مرض میں مبتلا ہو، (اگر ایسا ہے) تو لوگ (دو چار ہی دن آئیں گے) پھر مایوس ہو کر جلد ہی سوال سے باز آجائیں گے [1]، اور پھر لوگوں کی بہت سی حاجتیں ایسی بھی تو ہوتی ہیں جن کا تم پر کوئی نہیں بار پڑتا جیسے کسی ظالم کی شکایت، یا کسی معاملہ میں انصاف چاہنا۔

اپنے خواص واقارب کو دوسروں پر مسلّط ہونے کا موقع نہ دو۔

(۲۹) پھر (یہ واضح رہے) کہ والی کے بعض خاص لوگ اور اقارب ایسے بھی ہوتے ہیں جنکو دوسرے کی ہانڈی اُتار کر اپنی ہانڈی چڑھانے ،لوگوں (کے اموال پر) دست درازی کرنے اور معاملات میں ناانصافی برتنے کی عادت ہوتی ہے پس ان تمام (خرابیوں) کے اسباب کو دفع کر کے انکے مادہ (شر) ہی کو ختم کر دو (یعنی ان کو وہ اختیارات ہی نہ دو جن کی بدولت وہ یہ زیادتیاں کر سکیں) اپنے حاشیہ نشینوں اور حامیوں کے لیے کوئی جاگیر نہ مقرر کرو اور انکو اپنی طرف سے کسی ایسی جائداد کی طمع

---

[1] ۔امراء وحکام اسی خوف سے گوشہ نشین رہتے ہیں کہ مستحقین اپنا حق مانگیں گے اور حاجت مند اپنی حاجتیں پیش کریں گے، پس اگر تم سخی ہو تو تم کو روپوشی کی ضرورت نہیں اور اگر بخیل ہو تو مایوس ہو کر لوگ خود ہی آنا چھوڑ دیں گے۔

نہ دلاؤ جس سے آس پاس کے لوگوں کو آبپاشی یا کسی اور مشترک کام میں ضرر پہونچنے کا امکان ہو کہ وہ نقصان کا بار دوسروں کے سر ڈالیں گے، اسطرح خوشگوار فائدہ تو ان کو ہوگا اور دنیا و آخرت میں تم پر مفت میں اس کا الزام رہے گا۔

(۳۰) اور ہر اس شخص کے لیے جس پر واجب ہو حق کو لازم کرو، عام اس سے کہ یہ شخص تم سے قریب ہو یا بعید اور تم مستقل مزاج رہو اور نگراں رہو، خواہ اس حق (کا اثر) تمھارے خواص و اقارب ہی پر کیوں نہ پڑے۔ عاقبت کی بہتری کا قصد کرو کہ اسوقت تو یہ امر تم پر گراں ہوگا مگر انجام اس کا بہتر ہے۔

رعایا کے سامنے صفائی پیش کرو:

(۳۱) اور اگر رعیت کو تمھاری طرف کسی ظلم کا سوءظن پیدا ہو جائے تو تم اپنا عذر اسکے سامنے ظاہر کرو اور اسکے شبہات کو دور کر دو، اس عذر طلبی سے تمھارے نفس کی ریاضت ہوگی۔ اور رعیت پر مہربانی اور شفقت، اور تمھارا یہ مقصد بھی پورا ہو جائیگا کہ وہ (راہ) حق پر قائم ہو جائے۔

دعوت صلح:

(۳۲) اور تم کسی ایسی (دعوت) صلح کو رد نہ کرو جو دشمن کی طرف سے پیش ہو اور خدا کی مرضی اور خوشنودی بھی اسمیں ہو۔ اس لیے کہ صلح سے فوج کو آرام ملے گا تم کو فکروں سے راحت ہوگی اور بلاد (ملک) کو امن نصیب ہوگا، لیکن صلح کے بعد (دشمن سے غافل نہ ہو جانا بلکہ) اس سے پوری طرح خائف و محتاط رہو کیونکہ اکثر دشمن صلح لے کر اس لیے تمھارے پاس آتا ہے کہ غفلت میں تمھارے ساتھ دغا کرے پس تم حزم و احتیاط سے کام لو اور حسن ظن کو اس معاملہ میں معیوب سمجھو۔ اگر تم اپنے دشمن سے کچھ شرائط طے کرو یا اس سے کوئی معاہدہ کرو تو وفا کر کے اس کا بار اپنی گردن سے اتارو اور جو ذمہ داری تم نے لی ہے اس کا امانت داری کے ساتھ لحاظ کرو اور جو کچھ تم نے عہد کر لیا ہے اسکی حفاظت کے لیے اپنے نفس کو سپر بناؤ۔ کیونکہ فرائض الٰہیہ میں وفائے معاہدات سے بڑی کوئی شئے نہیں ہے، جس پر لوگ باوجود خواہشوں کے اختلاف اور راویوں کے اختلاف کے اجماع و اتفاق رکھتے ہیں۔ اور اہل اسلام تو کیا مشرکین بھی اپنے باہمی معاہدات کو پورا کرنا لازم سمجھتے تھے۔ کیوں کہ ان کو معلوم تھا کہ عہد شکنی کے نتائج مہلک ہوتے ہیں۔ پس تم جو ذمہ لے لو اس کو نہ چھوڑو، جو عہد کر لو اس میں خیانت نہ کرو۔ دشمن کو فریب نہ دو (کیونکہ یہ کام اللہ کے مقابلہ کی جرأت کرنے کے مترادف ہے) اور خدا کے مقابلہ کی جرأت بد بخت جاہل کے سوا اور کون کر سکتا ہے۔ خدا نے عہد اور ذمہ داری کو (ذریعہ) امن قرار دیا اور اسکو اپنی رحمت سے بندوں کے درمیان پھیلاتا ہے اور ایسا حرم قرار دیا ہے جس کے استحکام کے بھروسہ پر لوگ بستے ہیں اور اسکے جوار کی طرف بڑھتے ہیں۔ پس اس میں کسی طرح دغل، خیانت اور فریب نہ کرو۔

عھد شکنی : (۳۳) اورتم کوئی ایسا معاہدہ نہ کروجس میں تاویل کر کے توڑ دینے کی گنجائش ہو۔اوراس (عہد نامہ) کی تائیدوتوثیق کے بعد (اسکے خلاف عمل درآمد کرنے کے لیے) کسی لفظی غلطی کی طرف مائل نہ ہواوراس عہد کی وجہ سے اگرکسی امر میں کوئی تنگی پیش آئے تو وہ تم اس عہد کے ناحق نسخ کرنے پر مائل نہ کرے کیونکہ کسی ایسے امر کی تنگی پر تمھارا صابرو شاکر رہنا جس کے دور ہوجانے اورانجام بخیر ہونے کی تم کوامید ہو،اس عہد شکنی سے بہتر ہے جسکے وبال کاتم کوخوف ہو۔

فساد اور خوں ریزی :

(۳۴) ناحق اور ناجائزخونریزی سے بچو کیونکہ کوئی امر اس سے زیادہ عذاب لانے والا،اس سے بڑھ کر وبال کا باعث ،زوال نعمت کرنے والااورمدّت حکومت ختم کردینے والانہیں ،اورقیامت کے دن خداوندعالم سب سے پہلے بندوں کی باہمی خونریزی کافیصلہ کرے گا۔پس تم ناجائزخونریزی سے اپنی سلطنت کوقوت دینانہ چاہو،کیونکہ وہ ضعف وخلل پیدا کرتی ہے،بلکہ اس کو فنااور(دوسرے کی طرف) منتقل کردیتی ہے،اگرتم عمداً قتل کروتو میرے اورخدا کے نزدیک کوئی عذرپیش نہ کرسکو گے،اس میں جسمانی قصاص لازم ہوجاتاہے اوراگرتم غلطی سے اس میں مبتلا ہوجاؤ اور بلاارادہ تمھارے تازیانے،تلوار یاہاتھ سے سزامیں افراط ہوجائے(جومجرم کوہلاک کردے) کہ اکثرمُکّا مارنے یااس سے کچھ زیادہ سزاؤں کے سبب سے بھی قتل واقع ہوجاتاہے توایسانہ ہوکہ اپنی قوت اورحکومت کاغرورتم کومقتول کے اولیاء(اورورثوں) کوحق دیت ادا کرنے سے روکے۔

(۳۵) تم اپنے نفس کواچھا سمجھنے،اسکی کسی بات پر جوتم کو بھلی معلوم ہوبھروسہ کرنے اورمبالغہ آمیزتعریفوں کوپسند کرنے سے احترازکرو۔کیونکہ یہ امرشیطان کوپوری فرصت دیتاہے کہ وہ انسان کے نفس میں دخل پائے اورنیکوں کی نیکی ملیامیٹ کردے۔

احسان نہ جتاؤ،وعدہ خلافی نہ کرو:

(۳۶)اورتم رعیت پراحسان جتانے یااپنے کاموں کوبڑھاچڑھاکربیان کرنے سے پرہیزکرواورخبردارایسانہ کروکہ ان سے کوئی وعدہ کرواورپھرخلاف وعدہ کربیٹھو،کیونکہ احسان جتانا احسان کوملیامیٹ کردیتاہے اوراپنے کاموں کوبڑھاچڑھاکردکھانا سچائی کی روشنی زائل کرتاہےاوروعدہ خلافی خدااورعامۃ الناس دونوں کےنزدیک ملامت اورسرزنش کامستحق بنادیتی ہے۔خداوند عالم خودفرماتاہے:''خداکےنزدیک یہ امربڑی سرزنش کاباعث ہے کہ تم وہ باتیں منہ سے کہوجن کوعملی جامہ نہیں پہناتے۔''

وقت پر کام کرو:

خبردارجلدبازی کرکے کاموں کوانکے وقت (وموقع) سے پہلے نہ کرڈالو،اورجب انکے ہونے کاامکان ہواورموقع آجائےتوانکے کرنے میں تساہل نہ کرواورجب انکی خرابی معلوم ہوجائےتوانکے کرنے میں سستی کرو،ہرامرکواسکےمقام پررکھو

اور ہر کام اسکے موقع پر انجام دو۔

تخصیص اور ضبط نفس:

(۳۸) اور تم کسی ایسی چیز کو اپنے لیے مخصوص نہ کرو جس میں سب لوگوں کے حقوق برابر ہوں اور (لوگوں کے) ان مہتم بالشان امور میں تغافل کرنے سے پرہیز کرو جو نگاہوں کے سامنے عیاں ہو چکے ہیں، کیونکہ ان امور کا تمھارے غیر کے لیے تم سے مواخذہ کیا جائیگا اور تھوڑی سی دیر میں جملہ امور کے اوپر سے پردے ہٹ جائیں گے اور مظلوم کا انتقام تم سے لے لیا جائیگا اور اپنے جوش تکبر، ہیجان غضب، ہاتھوں کی سطوت اور زبان کی تیزی کو قابو میں رکھو اور ان سب کے (شر) سے اپنی ذات کا تحفظ کرو، بے اختیار صادر ہونے والے امور کی روک تھام کرو اور حملہ آوری میں تاخیر کرو یہاں تک کہ تمھارا غصہ ساکن ہو جائے اور تم ضبط پر قابو پا جاؤ، اور تم اپنے نفس میں یہ قدرت اس وقت تک پیدا نہیں کر سکتے جب تک اپنے رب کی طرف واپسی کو یاد کر کے اپنی فکروں کو زیادہ نہ کرو۔

ماضی سے سبق لو:

تمھارے لیے ضروری ہے کہ ان باتوں کو یاد رکھو جو تم سے پہلے لوگوں پر گذریں، خواہ وہ حکومت عادلہ سے متعلق ہوں یا کسی طریقہ فاضلہ سے، احادیث رسولؐ ہوں، یا کتاب خدا میں بیان کیا ہوا فریضہ اور اسکی اس طرح پیروی کرو جیسے تم نے ہم کو کرتے دیکھا ہے۔ اس عہد نامہ میں جو کچھ احکام میں نے تمھارے ذمہ عائد کیے ہیں انکی اور اپنے نفس کی (برأت) کے لیے جو حجتیں میں نے تم پر مسلّط و مستحکم کر دی ہیں انکی پیروی کرنے میں جد جہد کرنا تا کہ جب تمھارا نفس ہوا و ہوس کی طرف سبقت کرے تو تمھارے لیے کوئی عذر باقی نہ رہ جائے اور میں خدا سے اسکی رحمت کی وسعت اور ہر مرغوب چیز کے عطا کرنے پر اسکی عظیم قدرت کا واسطہ دیکر اس امر کا سوال کرتا ہوں کہ وہ مجھے اور تم کو اپنے نزدیک اور اپنی مخلوق کے بزدیک اس عذر پر قائم رہنے کی توفیق عطا فرمائے جس میں اسکی رضا ہو۔ ساتھ ہی ساتھ اسکے بندوں (کی زبان پر بھی) ہماری مدح و ثنا رہے اور اقطار زمین پر ہمارا اچھا نقش قائم ہو، ہم پر اسکی نعمت تمام ہو اور عزت و کرامت زیادہ ہو۔ نیز (اس سے یہ دعا کرتا ہوں) کہ میرا اور تمھارا خاتمہ سعادت اور شہادت پر کرے، بیشک ہم سب اسکی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔ سلام ہو اس کے رسول صلی اللہ علیہ اور ان کی پاک و پاکیزہ آل پر، بہت بہت سلام۔ والسلام

(علیؑ اور ان کا طرز جہانبانی مولانا ابن حسن صاحب جارچوی)